قاہرہ کا قہر

تاریخ کے اوراق سے ایک غلام زادے کی سرگزشت

حصہ دوم

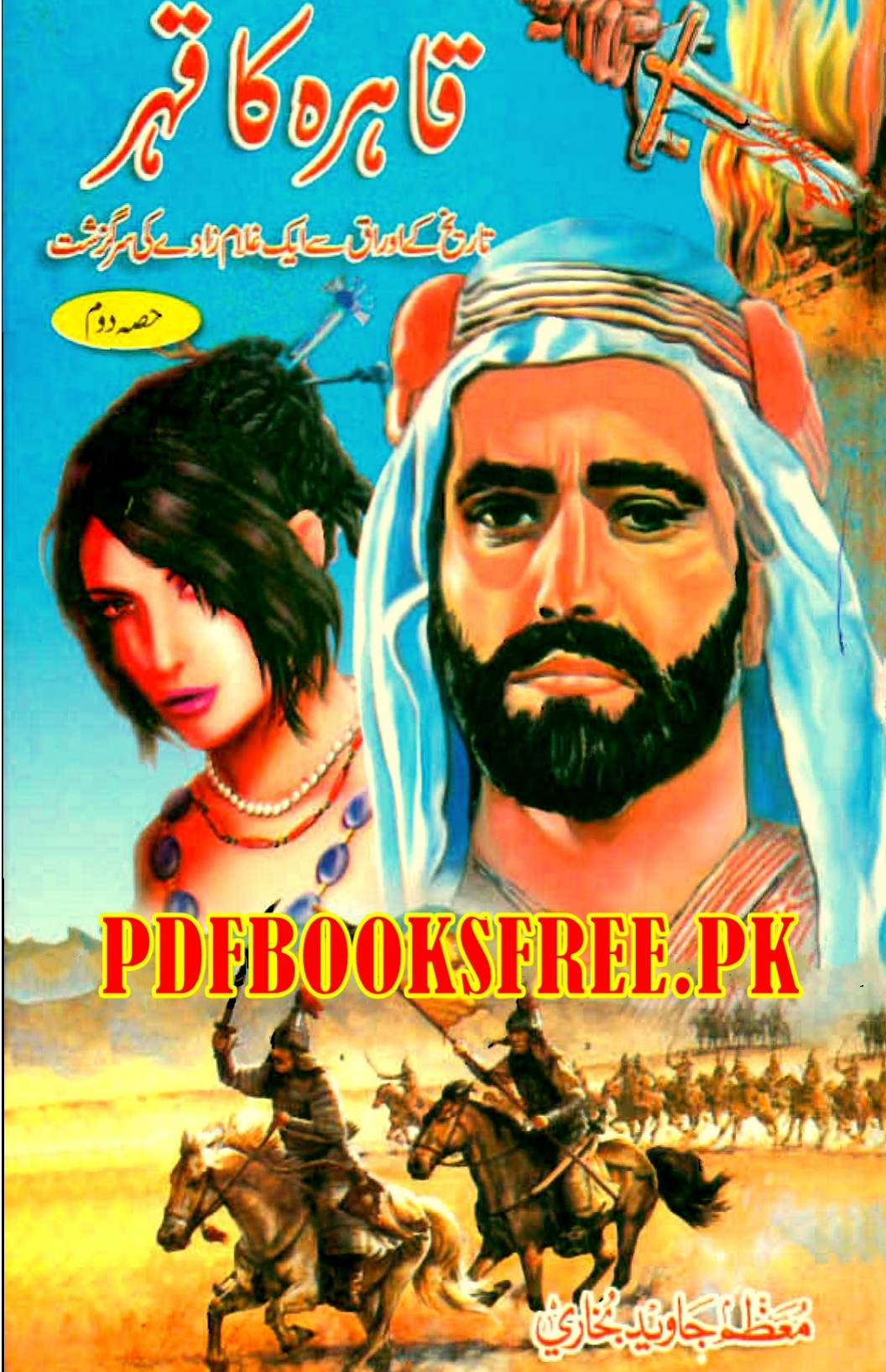

PDFBOOKSFREE.PK

معظم جاوید بخاری

تاریخ کے اوراق سے ایک غلام زادے کی سرگزشت، جس نے تاجِ سلطانی
پہن کر مسلمانوں پر وہ عظیم احسان کئے جنہیں فراموش کرنا ناممکن ہے!

قاہرہ کا قہر

(دوسرا حصہ)

معظم جاوید بخاری

حکایت پبلشرز 26 پٹیالہ گراؤنڈ میکلوڈ روڈ لاہور۔ فون: 7356541

جملہ حقوق بحق مکتبہ داستان محفوظ

اس کتاب کے کسی بھی حصے کی فوٹو کاپی، سکیننگ اور کسی بھی قسم کی
اشاعت ماہنامہ حکایت لاہور کی تحریری اجازت کے بغیر نہیں کی جا سکتی

رابطہ کے لیے:

ماہنامہ حکایت 26 پٹیالہ گراؤنڈ لاہور

آپ اپنا آرڈر یا کوئی شکایت بذریعہ ای میل بھیج سکتے ہیں

ای میل: e-mail:maktabaedastan@yahoo.com
e-mail:monthlyhikayat@yahoo.com

ٹائٹل: نیکس ایج

کمپوزنگ: شاہد امان

قیمت: =/220روپے

ناشر: حکایت پبلشرز۔ 26۔ پٹیالہ گراؤنڈ لنک میکلوڈ روڈ لاہور۔

اسٹاکسٹ: مکتبہ داستان 26۔ پٹیالہ گراؤنڈ لنک میکلوڈ روڈ لاہور۔

فون: 7321898-7356541

انتساب!

محترم عنایت اللہ کے نام!

جن کو پڑھ کر میں نے لکھنا سیکھا۔

سلطان الملک المظفر سیف الدین قطوزی نے جلد بازی سے کام لیتے ہوئے سلطنت کے امراؤ عمائدین کی خوشنودی اور تاتاری وفد کے حد سے بڑھے ہوئے گستاخانہ لب و لہجے پر ان کی ہلاکت کا فیصلہ تو کر لیا تھا مگر دربار سے باہر نکلنے پر وہ خاصا پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر تفکرات کی لپٹوں میں کسی حد تک پشیمانی بھی جھلکتی تھی۔ وہ کسی بھی قیمت پر تاتاری بہاؤ کا رُخ اپنی جانب نہیں موڑنا چاہتا تھا مگر حالات نے اسے ایسے دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا کہ جہاں اس کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں تھا کہ وہ ہلاکو خان کے عیارانہ منصوبے کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کے بجائے مقابلے کے لئے سینہ سپر ہو جاتا۔ اگر اسے ہلاکو خان کے عہد و پیمان پر تھوڑا بہت بھروسہ ہوتا تو قیاس یہی تھا کہ سلطان الملک المظفر اس کی اطاعت قبول کرنے میں لمحہ بھر کی تاخیر نہ کرتا۔ اسے اپنی جان کی قطعاً پرواہ نہیں تھی، اسے اگر کچھ خوف تھا تو صرف یہ کہ تاتاریوں کی خونخوار طبع بلادِ مصر کی بہار کو خزاں میں بدل ڈالے گی۔

وہ اسی گومگو کی کیفیت میں اپنے شاہی محل پہنچا۔ اس نے ہیجانی کیفیت سے نجات پانے کے لئے شاہی حمام کا رُخ کیا۔ کئی گھنٹوں تک وہ پانی کے حوض میں دھڑ ڈبوئے محض خلاء کو گھورتا رہا۔ اس کے دماغ کے پردے پر وسوسوں کے عکس اُبھرتے اور خود بخود مٹ جاتے۔ اس کا دل و دماغ کچھ عرصے پہلے دیکھے گئے خواب کی تعبیر کی مختلف اشکال بنا بنا کر پیش کرتا اور پھر خود ہی انہیں رد کر دیتا۔ کافی دیر بعد وہ اکتا کر وہاں سے نکلا۔ شاہی ملازمین اس کے چہرے پر پریشانی کی شکنیں دیکھ کر دبکے رہے۔ سلطان الملک المظفر سیف الدین قطوزی کی حالت کا دورانیہ صرف ایک روز تک محدود نہیں رہا۔ تاتاری وفد کے قتل کے بعد وہ کئی ماہ تک صحیح طرح سو بھی نہیں سکا۔ ملکہ بدر منیر کی قیافہ شناس نگاہوں نے اس کا خوف بھانپ لیا تھا۔ وہ ایسے موقعے کی تلاش میں تھی جب وہ اس سے کھل کر بات کر سکتی۔

ایک دن وہ تنہا موجود تھا کہ اتفاق سے وہاں ملکہ بدر منیر پہنچ گئی۔ ملکہ بدر منیر تو کئی روز سے ایسے ہی کسی موقعے کی تلاش میں تھی۔ اسے تنہا پاتے ہی اس نے شاہی محافظین کو خلوت کا اشارہ کیا اور کسی بھی امیر کی آمد پر سلطان کو مطلع کرنے سے منع کر دیا۔ سلطان الملک المظفر مستقبل کی ادھیڑ بن میں کھویا تھا کہ ملکہ بدر منیر نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ سلطان الملک المظفر نے چونک کر اسے دیکھا اور دھیرے سے مسکرانے لگا۔ یہ مسکراہٹ ملکہ بدر منیر کو کھوکھلی محسوس ہوئی۔

''سلطان کا اقبال بلند ہو! میں کئی دن سے آپ کے چہرے پر تفکرات دیکھ رہی ہوں، کیا سلطان کو اپنی ملکہ کی ذہانت پر بھروسہ نہیں رہا کہ وہ آج اپنی ملکہ سے ہی اپنا معاملہ پوشیدہ رکھے ہوئے ہیں''۔

''بدر منیر! مجھے تمہاری ذہانت پر بخدا کوئی شک و شبہ نہیں!'' سلطان الملک المظفر نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ ملکہ بدر منیر اپنے ریشمی دوپٹے کے پلو سے کھیلنے لگی۔

''تو پھر اس غیریت کو خدا حافظ کہہ دیجئے اور اپنی پریشانی میں مجھے بھی حصہ دار بنا لیجئے''۔

سلطان الملک المظفر نے مختلف انداز میں ملکہ بدر منیر کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ پریشان نہیں ہے مگر وہ اپنے مقصد میں ناکام رہا۔ ملکہ بدر منیر کے اصرار پر اپنے خوف کا اظہار کرنا ہی پڑا۔ وہ تاتاری یلغار کے خوف اور خواب کی ڈراؤنی تعبیر کے بارے میں اسے بتانے لگا۔ ملکہ بدر منیر اس کی باتوں پر دنگ رہ گئی۔ اس نے فوری طور پر سلطان کو اس مصنوعی کرب و بلا کے عالم سے نجات دلانے کا فیصلہ کیا۔

''سلطان محترم!'' ملکہ بدر منیر گہرا سانس لے کر بولی۔ ''مجھے تعجب ہے کہ آپ بھی توہمات کی دلدل میں پھنس سکتے ہیں۔ آپ اس بے معنی سے خواب کو اپنے اعصاب پر طاری کئے ہوئے ہیں جس کی خود کوئی حقیقت نہیں ہے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ خوابوں کی تعبیر سرے سے وجود ہی نہیں رکھتی مگر خوابوں کی بتائی گئی اکثر تعبیریں جھوٹ نکلتی ہیں۔ آپ شمس الدین کی بات کرتے ہیں کہ اس نے آپ کے خواب کی یہ تعبیر بتائی ہے تو میں آپ سے صرف یہ سوال کرتی ہوں کہ کیا اس کا بیان اتنا معتبر سمجھا جا سکتا ہے کہ ایسا ہی کچھ ہوگا ..... ہرگز نہیں! نہ تو وہ خدا ہے اور نہ ہی اسے غیب کا علم ہے۔ مصیبتیں سلطانوں کی زندگی میں اس دن قدم رکھتی ہیں جب وہ اس دنیا میں آنکھ کھولتے ہیں۔ ان کی تمام زندگی کڑی مشکلات اور غیر متوقع حالات میں ہی بیت جاتی ہے۔ آپ بھی ایسے ہی ایک سلطان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منتخب کیا اور اتنے سارے انسانوں پر اقتدار کا شرف بخشا۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے؟ پھر آپ کے ذہن میں یہ وسوسہ کیونکر بیٹھا کہ اللہ کا بخشا ہوا شرف کوئی کمزور شے ہے۔ آپ پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہیں، ان ذمہ داریوں سے چشم پوشی کے باعث اللہ کا بخشا ہوا شرف آپ کے ہاتھوں سے نکل سکتا ہے۔ آپ کو بے معنی باتوں میں الجھنے کے بجائے اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر ان تمام ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے پایہ تکمیل تک پہنچانا ہے۔ میں بخوبی جانتی ہوں کہ تاتاری فتنہ کوئی معمولی شے نہیں ہے۔ اس کے سیل میں کئی ریاستیں تباہ و برباد ہو چکی ہیں۔ وہ ریاستیں بلادِ مصر کے مقابلے میں بڑی نہیں تھیں۔ آپ کے زیر نگیں ایک بڑا خطہ ہے۔ اس میں بسنے والے لوگ بڑے بہادر اور جری ہیں۔ آپ تو خوش قسمت ہیں کہ آپ کو بآسانی وہ سب کچھ مل گیا ہے جس کو حاصل کرنے میں ایک زمانہ بیت جایا کرتا ہے۔ آپ کے پاس ترکوں کی وہ شاندار فوج ہے جو ہر میدان میں کامیابی کے جھنڈے گاڑ چکی ہے۔ آپ کے پاس اتنی بڑی تعداد میں مملوک امرأ ہیں، جن کے وجود عسکری ذہانت کے شاہکار ہیں۔ عسکری امرأ کی اتنی بڑی تعداد بڑے خوش نصیب سلطانوں کو ہی نصیب ہوتی ہے۔ بلادِ مصر کوئی ترنوالہ نہیں ہے جسے ہلاکو خان آسانی سے نگل سکے گا، آپ اطمینان رکھئے اور بے فکر ہو جائیے۔ اگر آپ تاتاریوں کا سامنا کرنے سے ہچکچا رہے ہیں یا آپ کو جان جانے کا خوف لاحق ہے تو میری صلاح مانئے کہ خود میدان میں اترنے کے بجائے عسکری امرأ کو بطور پیادوں کے، شاطر سلطان کی مانند استعمال کیجئے۔ اس وقت تمام عسکری امرأ آپ کی جانب دیکھ رہے ہیں، انہیں آپ کے اشارے کا انتظار ہے۔ آپ ان میں بیٹھئے اور ان کی حوصلہ افزائی کر کے ان کے شعلۂ جوجذبات کو جلا بخشئے تاکہ وہ تاتاری حملے کو ناکام بنانے میں جان کی بازی لگانے سے گریز نہ کریں''۔

ملکہ بدر منیر کے لہجے میں کچھ ایسی مٹھاس اور لگاوٹ تھی کہ کئی تلخ باتیں بھی سلطان الملک المظفر کو ناگوار محسوس نہ ہوئیں بلکہ اس کے وجود میں سرشاری سی پھیلتی گئی۔ اسے اپنا وجود ہلکا پھلکا سا محسوس ہونے لگا۔ وہ ملکہ بدر منیر کی باتوں کو اس انداز میں سننے میں مشغول تھا جیسے کوئی بچہ استاد سے سبق لینے میں مصروف ہو۔ یہ سلسلۂ کلام کئی گھنٹوں تک جاری رہا۔ ملکہ بدر منیر نے بھرپور کوشش کے بعد سلطان الملک المظفر کے ذہن سے خواب کے نقوش مٹا ڈالے تھے۔ اس نے امور جہانبانی کے بارے میں اسے کئی نادر تجاویز دیں۔ سلطان الملک

المظفر کو کبھی ایسی نشست کا موقعہ نہیں ملا تھا کہ وہ ملکہ بدر منیر سے امور جہانبانی پر گفتگو کر پاتا۔ وہ اس کی فہم و فراست اور ذہانت کا معترف دکھائی دے رہا تھا۔ ملکہ بدر منیر کے سمجھانے بجھانے سے اس نے طے کر لیا کہ وہ خود میدان میں نہیں اترے گا بلکہ قاہرہ میں بیٹھ کر کسی شاد گر کی مانند ان تمام مملوک اور ترک امرأ کو بطور مہرے استعمال کرے گا۔ اس کے ذہن میں ایسے امرأ کی فہرست روشن ہو چکی تھی جن سے وہ کسی نہ کسی وجہ سے خائف و بدگمان تھا۔ وہ ایسے تمام امرأ کو ہراول دستوں میں تعینات کر کے ہمیشہ کے لئے اپنی راہ سے ہٹانے کا عزم کر چکا تھا۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین اپنے سنگول دوست نوئنا جو خان کے ساتھ ازدوئے زریں کے سلطان برقائی خان کے شاہی محل پہنچا۔ اسے آج صبح ہی برقائی خان کا پیغام ملا تھا کہ وہ فوراً اس سے آ کر ملے۔ مطیع الدین جب گھر سے شاہی محل کے لئے نکلا تو اُسے خود میں عجیب سی جھجک محسوس ہوئی۔ وہ برقائی خان کا اچھا دوست رہ چکا تھا مگر وہ تب کی بات تھی جب برقائی خان کی حیثیت حکمران کی سی نہیں تھی بلکہ مطیع الدین کی نظر میں وہ ایک عام شخص تھا۔ وہ الگ بات تھی کہ جب مطیع الدین کو یہ معلوم ہوا کہ برقائی خان کا تعلق شاہی خاندان سے ہے تو وہ اس کے سامنے خود کو کم تر محسوس کرنے لگا مگر اس بات کا احساس اس نے کبھی کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ یہی وجہ اس کے اور برقائی خان کے درمیان فاصلوں کا باعث بنتی چلی گئی۔ سرائے میں واپسی کے بعد اپنے باپ کے کہنے کے باوجود وہ برقائی خان سے ملنے نہیں گیا۔ آج چونکہ برقائی خان کا پیغام آن پہنچا تھا اس لئے وہ مجبوراً اس سے ملاقات کرنے کے لئے روانہ ہو گیا۔ شاہی محل پہنچ کر اس نے محافظ کو اپنا تعارف کرایا۔ کچھ ہی دیر میں اسے مہمان خانے میں پہنچا دیا گیا۔ برقائی خان کسی دوسرے کام میں مصروف تھا اس لئے اسے وہاں پہنچنے میں دیر ہو گئی۔ مطیع الدین نے دو ایک بار نوئنا جو خان کی جانب خالی نگاہوں سے دیکھا۔ مطیع الدین کے چہرے پر اکتاہٹ کی جھلک نوئنا جو خان نے دیکھی تو بولا۔

''کیا بات ہے؟ یہ انتظار تمہارے مزاج کے خلاف ہے کیا؟''

''معلوم نہیں! مجھے یہاں آنا کچھ اچھا نہیں لگا''۔

''میں کچھ سمجھا نہیں؟''

''میں وضاحت کرنے سے معذور ہوں''۔

''کس بات کی وضاحت نہیں ہو پا رہی تم سے.....'' برقائی خان کی بلا تکلف آواز ان کے کانوں میں پڑی۔ وہ دونوں برقائی خان کی آواز پر تیزی سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ برقائی خان نے آگے بڑھ کر دونوں کو گلے لگا کر بھرپور انداز میں مصافحہ کیا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ برقائی خان کے عقب میں موجود محافظ حیرت بھری سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ برقائی خان کی نظر جب ان پر پڑی تو باہر جانے کا اشارہ کیا۔

''تم دونوں کہاں غائب رہے ہو؟ میں نے کئی بار پتہ کرایا مگر جواب میں ہمیشہ عدم موجودگی کی ہی اطلاع ملی''۔ برقائی خان خوشگوار لہجے میں بولا۔

''قاآن اعظم!.....'' نوئنا جو خان بولا ہی تھا کہ برقائی خان نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

''کان کھول کر سن لو، تم دونوں میں سے کوئی بھی مجھے اس نام سے مخاطب نہیں کرے گا''۔

''میں وہ نہیں کہہ سکوں گا جو آپ سننا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کو قاآن اعظم کہلوانا پسند نہیں ہے تو میں

کوشش کروں گا کہ اس لقب سے گریز کروں''۔ قونیا جو خان نے صاف گوئی سے کام لیا۔

''ٹھیک ہے تم کچھ بتانا چاہ رہے تھے.....؟'' برقائی خان نے مزید الجھنا مناسب نہیں سمجھا۔

''آپ کے دوست نے میری مٹی پلید کر کے رکھ دی ہے۔ میں اپنے قبیلے سے یہاں اس مقصد کے لئے آیا تھا کہ کوئی ایسا کارنامہ انجام دوں جس سے میرے قبیلے کی منزلت بڑھ جائے مگر مطیع الدین نے مجھے اپنی محبوبہ کی تلاش میں سراب کے پیچھے بھاگنے پر مجبور کر ڈالا ہے''۔

''یہ کیا بات ہوئی؟'' مطیع الدین اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتا ہوا غرایا۔

''صحیح تو کہہ رہا ہوں.....تم نے مجھے اتنے دنوں تک، شکار کے بہانے سے وادی سرخ غر میں خوار نہیں کیا''۔ قونیا جو خان بے اعتنائی کے عالم میں تیزی سے بولا۔ مطیع الدین اس کے غیر متوقع رویئے پر دنگ رہ گیا۔

''بے کار کی باتیں چھوڑو، میں خوب جانتا ہوں کہ مطیع الدین گل وقوڑ کے لئے اکثر ایسا ہی بے تاب ہو جاتا ہے۔ ویسے حقیقت یہ ہے کہ یہ عشق بڑا فضول روگ ہے جسے لاحق ہو جائے وہ کام کاج کا نہیں رہتا۔ میں تم دونوں کا ایک ضروری کام کی بابت انتظار کر رہا تھا، اللہ کا شکر ہے تم لوگ دیر ہونے سے پہلے ہی واپس لوٹ آئے''۔

''خیریت تو ہے برقائی خان؟'' مطیع الدین چونک کر بولا۔

''امور اقتدار میں خیریت کا کیا لینا دینا؟ بہر حال میری فکر میں خود کو پتلا نہ کرو بلکہ میری بات پر توجہ دینے کی کوشش کرو''۔ برقائی خان کا لہجہ دھیما ہو گیا۔ ''کچھ عرصہ پہلے قہستان میں بڑے قا آن اعظم کے حکم پر کچھ مہمات بھیجی گئی تھیں۔ یہ مہمات ہلاؤ خان کی زیر قیادت تھیں۔ قہستان میں سب سے مشہور علاقہ قلعہ الموت کہلاتا ہے۔ یہاں حسن بن صباح کا فرقہ رہتا ہے جسے باطنی یا فدائین کہا جاتا ہے۔ ہلاؤ خان نے پے در پے حملوں کے بعد فدائین کا زور کچل کر رکھ دیا اور بے شمار لوگوں کو ہلاک کیا۔ ان میں سے ایک بڑی تعداد ماری جا چکی ہے جبکہ بچے کھچے لوگ اپنی طاقت کی بحالی میں مصروف ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے لئے ان کے پاس جاؤ اور وہاں ایسے حالات کی پیدا کرو کہ وہ لوگ اس قابل ہو جائیں کہ انہیں استعمال کیا جا سکے''۔ برقائی خان نے بات مکمل کی۔

مطیع الدین قہستان کا نام سن کر متفکر سا دکھائی دینے لگا۔ اس کے ذہن میں گھوڑے کا عمامہ گھومنے لگا جو اس کے باپ کے کہنے کے مطابق کسی فدائی نے اس کی راہ میں پھینک کر اسے متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ برقائی خان کے لبوں سے اچانک فدائیوں کا ذکر سن کر وہ چونک سا گیا تھا، اس نے برقائی خان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''برقائی خان! میں کچھ دن پہلے تک تو فدائیوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا گذشتہ دنوں ہونے والے ایک اہم واقعے نے میری توجہ اس جانب مبذول کرائی ہے۔ میری تحقیق کے مطابق یہ گروہ مسلمانوں کا سخت ترین حریف ہے۔ تمہارا ایسے گروہ کے بارے میں دلچسپی لینا مجھے کچھ مناسب نہیں لگا''۔

''مجھے فدائیوں سے کوئی رشتہ داری نہیں کرنا ہے بلکہ کچھ ایسے مفادات ہیں، جن کی تکمیل ان کی مدد سے بخوبی ہو سکتی ہے۔ میں ہلاؤ خان پر کاری ضرب لگانا چاہتا ہوں۔ فدائیوں کی مدد کرتے ہوئے میں ان کی مکمل حمایت حاصل کر سکتا ہوں''۔

''میں نہیں جانتا کہ تمہارے دل میں کیا ہے؟ مگر یہ بات ضرور طے ہے کہ فدائی مرتد لوگ ہیں اور ان

کا ہمارے دین سے کوئی واسطہ نہیں۔ ایسے لوگوں کی حمایت حاصل کرنا تمہیں زیب نہیں دیتا''۔ مطیع الدین نے دوٹوک انداز میں کہا۔

''مطیع الدین!'' برقائی خان نے اس کی بات پر برا نہیں منایا۔ ''الحمدللہ میں تہہ دل سے اپنے دین کی حفاظت کا تہیہ کئے ہوں، حالات کچھ ایسے پیدا ہو چکے ہیں کہ میں ایسے واسطوں کا استعمال کرنے پر مجبور ہوں جن سے ہلاؤ خان کی بڑھتی ہوئی درندگی کو روکا جا سکتا ہے۔ بغداد کی تباہی اور امیر المومنین کے قتل کے بعد مجھے مسلمان سلاطین میں کوئی ایسا دکھائی نہیں دے رہا جو ہلاؤ خان کے خوفناک عزائم کی راہ میں آہنی دیوار بن سکے۔ ایسے حالات میں چھوٹی چھوٹی قوتوں کو باہم مربوط کر کے ایک ایسی قوت تشکیل دی جا سکتی ہے جو ہلاؤ خان کو مزید پیش قدمی سے روک سکے۔ فدائیوں کی ہلاؤ خان سے عداوت بھی ہے اور وہ زخم خوردہ بھی ہیں۔ ان کی طاقت کو مجتمع کر کے ہلاؤ خان کے لئے بڑی پریشانی کھڑی کی جا سکتی ہے''۔

''میں تمہارے خیر سگالی جذبات کی دل سے قدر کرتا ہوں، مگر ابھی تک میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ فدائیوں کے سلسلے میں تمہاری نظر مجھ پر ہی کیوں پڑی۔ تمہارے پاس بڑے عالی دماغ لوگ موجود ہیں جو تمہارے حکم کی تعمیل میں ذرا بھی کوتاہی کے مرتکب نہیں ہوتے''۔ مطیع الدین نے پوچھا۔

''مجھے تم سے اسی سوال کی توقع تھی''۔ برقائی خان مسکرایا۔ ''میرے پاس ترک اور منگول امرأ ہیں۔ انہیں فدائیوں کے پاس بھیجنے میں مجھے کوئی رکاوٹ نہیں مگر میں ایسے موڑ پر کھڑا ہوں کہ جہاں مجھے اپنا دامن بھی بچانا مقصود ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اپنے حلیفوں پر یہ ظاہر کروں کہ میں ایل خانی استبداد کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش میں مصروف ہوں۔ میرا مقصد مخفی رہتے ہوئے ہلاؤ خان کی نصرانیت کے لئے کامیابی کا راستہ روکنا ہے اور اپنے دین کی خدمت کرنا ہے۔ تم چونکہ صورت سے ہی عرب دکھائی دیتے ہو، اس لئے فدائی تم پر اعتماد کر لیں گے، ممکن ہے کہ وہ بھیجے جانے والے کسی منگول یا ترک کو سازش سے تعبیر کریں''۔

برقائی خان کی باتیں سن کر قونیا جو خان کا چہرہ متغیر دکھائی دینے لگا۔ اس کے دل میں اپنی قوم کی شان و شوکت کے لئے ہمدردی اور خلوص کے جذبات تھے، اس لئے اسے برقائی خان کے ارادوں سے گہری ٹھیس پہنچی۔ وہ بظاہر تو خاموش رہا مگر اس کی آنکھیں دل کے جذبات کی عکاسی کرتی رہیں۔ برقائی خان چونکہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھا، اس لئے وہ اس کی متغیر کیفیت سے بے خبر رہا۔

''بہر کیف جو کچھ بھی ہے تم مجھے یہ بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہوگا؟'' مطیع الدین نے سوال کیا۔

''تم تاجر کے روپ میں یہاں سے رخصت ہو کر سمرقند سے ہوتے ہوئے وادی قاف میں پہنچو گے اور پھر بالائی جانب سفر کرتے ہوئے قہستان پہنچ جاؤ گے۔ راستے میں تمہارا کیا کردار ہو سکتا ہے، اس بارے میں تم خود فیصلہ کر سکتے ہو۔ قہستان پہنچنے کے بعد تمہیں فدائیوں کی سرکردہ شخصیت سے رابطہ قائم کرنا ہوگا اور انہیں ہلاؤ خان کے سابقہ نقصانات کا بدلہ لینے کے لئے تیار کرنا ہوگا، ممکن ہے کہ وہ اپنی قوت کی کمی کی شکایت کریں۔ تمہیں انہیں اس بات کی یقین دہانی کرانا ہوگی کہ زریں خیل منگول ان کی پشت پر ہر دم موجود رہیں گے کیونکہ دونوں کا مقصد ایک ہی ہے، یعنی ہلاؤ خان کو راستے سے ہٹانا''۔ برقائی خان نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ہلاؤ خان آج کل کہاں ہے؟'' مطیع الدین نے پوچھا۔

''ہلاؤ خان کے بارے یہی اطلاعات ملی ہیں کہ وہ فلسطین کے علاقوں میں کہیں موجود ہے، مجھے کچھ ایسی خبریں ملی ہیں جن کے مطابق اسے بہت جلد واپسی کے لئے روانہ ہونا پڑے گا، اگر وہ مختصر راستے اختیار کرے تو اسے وادی قاف سے گذرنا پڑے گا۔ یہی وہ وقت ہے جب فدائی اس پر حملہ آور ہو کر اسے راستے

سے ہٹا سکتے ہیں۔ تمہیں وقت ضائع کئے بغیر قبستان کی راہ لینا ہوگی''۔ برقائی خان نے اپنی بات مکمل کی۔ اچانک برقائی خان کی نگاہ فوتاجو خاں پر پڑ گئی۔ اس کی آنکھوں کی سرخی دیکھ کر برقائی فوراً بھانپ گیا کہ فوتاجو خان نے اس کی باتوں کا غلط اثر لیا ہے۔ برقائی خان نے کوئی تاثر دیئے بغیر اسے مخاطب کیا۔ ''کیا بات ہے فوتاجو خاں! تمہاری آنکھوں میں سرخی کیسی ہے کیا رات ٹھیک طریقے سے سوئے نہیں تھے؟''

''مجھے آپ کی نیت جان کر گہرا صدمہ پہنچا ہے!'' فوتاجو خان کورے لہجے میں بولا۔

''میں اس پر تبصرہ نہیں کرنا چاہوں گا، یہ اقتدار کے داؤ پیچ ہیں، تم ان کے الجھاوے میں نہ ہی پڑو تو اچھا ہے۔ میں تمہیں اناتی خان کے پاس بھجوائے دیتا ہوں، وہ تمہیں کسی موزوں کام پر لگا دے گا''۔ برقائی خان نے کہا۔

''میں مطیع الدین کے ساتھ جانا چاہوں گا''۔ فوتاجو خان نے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔

''اس بات کی تمہیں اجازت نہیں ہوگی۔ حالات کی سنگینی کے تحت مطیع الدین کا تنہا روانہ ہونا ہی مناسب ہے''۔ برقائی خان نے تحکمانہ لہجے میں کہا تو فوتاجو خان نے چپ سادھ لی۔ برقائی خان کی مردم شناس نگاہوں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ فوتاجو خان کی وفاداری میں فرق پیدا ہو چکا ہے اسی لئے وہ مطیع الدین کو کسی انجانے خطرے سے دوچار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مطیع الدین بھی فوتاجو خان کی کیفیت کو سمجھ رہا تھا۔ اس نے اس موضوع پر مزید سوال جواب کا سلسلہ موقوف کرتے ہوئے باتوں کا رُخ دوسری جانب موڑ دیا۔ فوتاجو خان مسلسل خاموش بیٹھا رہا۔ برقائی خان نے نزاکت کے پیشِ نظر ایک غلام کے ذریعے فوتاجو خان کو عبداللہ اناتی خان کے پاس بھجوا دیا۔ وہ شکستہ انداز میں اُٹھ کر رخصت ہوگیا۔ اسی دوران کسی اور آمد کی اطلاع پا کر برقائی خان نے مطیع الدین کو بھی رخصت کر دیا۔ مطیع الدین جب وہاں سے نکلا تو اس کا ذہن فدائی فتنے میں الجھا ہوا تھا۔ وہ بظاہر برقائی خان کے لئے یہ کام کرنے پر آمادہ ہو چکا تھا مگر جانے کیوں اسے خود بھی یہ سب کچھ ٹھیک نہیں محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اپنے خیالوں میں کھویا اپنے گھر کی جانب بڑھ رہا تھا کہ اچانک ایک شخص ایک طرف سے نکل کر اس کی جانب تیزی سے بڑھا۔ مطیع الدین اپنے قریب کسی کی موجودگی پر چونک سا گیا۔

❁ ❁ ❁

قاہرہ کا شاہی دربار امرأ سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ عام سے لے کر خاص امرأ و عمائدین تک وہاں موجود تھے۔ ان سب کو یہی اطلاع ملی تھی کہ آج سلطان الملک المظفر تاتاریوں سے نمٹنے کے لئے کسی خاص لائحہ عمل کا اعلان کرنے والا تھا۔ علاوہ ازیں اُس نے ریاست کے سب عہدیداروں اور امرأ کو دربار میں لازمی حاضر ہونے کا حکم جاری کیا ہوا تھا۔ دن کے پہلے حصے میں سلطان الملک المظفر اپنے خاص رفقاء کے جلو میں دربار میں پہنچا تو عمائدین کی جماعت نے اس کا پرتپاک استقبال کیا۔ سلطان الملک المظفر نے تختِ شاہی پر نشست سنبھالنے کے بعد مختصر توقف سے سلسلہ کلام کا آغاز کیا۔ اس نے سب سے پہلے جہاد سے متعلقہ چند آیات کی تلاوت کی اور پھر حق و باطل کے مابین جنگ پر کچھ دیر تک وضاحت کرنے کی کوشش کی پھر نبی اکرم ﷺ کی سیرت اور کفار کے ساتھ غزوات پر فصیح انداز میں خطاب کیا۔ سب لوگ خاموشی سے بیٹھے اس کا خطاب سنتے رہے، جب اس کی تقریر کا رُخ حالات حاضرہ کی جانب پلٹا تو عمائدین کے چہروں پر پھیلے ہوئے اشتیاق کے سائے گہرے دکھائی دینے لگے۔

''فاخرانِ بلادِ مصر!'' سلطان الملک المظفر گھمبیر لہجے میں بول رہا تھا۔ ''وہ گھڑی اب آن پہنچی ہے جس کا ہمیں بہت دیر سے دھڑکا لگا ہوا تھا۔ ہم کوشش کر رہے تھے کہ خود کو حالت جنگ میں نہ دھکیلیں اور سب

معاملات امن و سلامتی سے طے پا جائیں مگر اللہ تعالیٰ کو ہمارے جذبۂ ایمان کی آزمائش مطلوب ہے۔ آپ سب لوگ اسی سرزمین کے باسی ہیں، اس سرزمین کی حفاظت میں ہی آپ کی بقاء مخفی ہے۔ میرے ساتھ شانے سے شانہ ملا کر اس کڑی آزمائش کا مقابلہ کیجئے۔ اطمینان رکھئے میں آپ کو بیچ منجدھار تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ اس وقت مجھے کسی ایسے پُر جوش فرد کی تلاش ہے جو میری مشکل کو کسی حد تک آسان کر دے اور تاتاریوں کے سیل سے ٹکرانے کے لئے اپنی مخلصانہ خدمات پیش کرے۔ آپ میری بات سے یہ قیاس مت کیجئے کہ میں خود تاتاریوں سے نبرد آزما ہونے سے پہلو تہی اختیار کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ بلادِ مصر کی حفاظت چونکہ میری ذمہ داری ہے، اس لئے میں عسکری اصولوں کے تحت وہ سب تدبیریں اختیار کروں گا جو بلادِ مصر کے حق میں مفید ثابت ہوں گی فی الوقت یہ مناسب نہیں ہے کہ میں بذاتِ خود میدانِ جنگ میں اُتر دوں۔ میں آپ اپنی طرف سے کسی ایسے بہادر شخص کو یہ مہم سونپنا چاہتا ہوں جو تاتاریوں کو سبق سکھانے کے لئے بے تاب ہو اور جس کے دل پر مدمقابل کا خوف یا رُعب نہ طاری ہو''۔

سلطان الملک المظفر کا انوکھا نقطۂ نظر جب عمائدین کے سامنے آیا تو ان کے چہرے فرطِ حیرت سے پھیل گئے۔ وہ کسی اور توقع کی غرض سے وہاں پہنچے تھے مگر سلطان تو اپنا بوجھ دوسروں کے کندھوں پر منتقل کرنے کا تہیہ کئے ہوئے تھا۔ دربار میں ہلکی سی کھسر پھسر ہوئی اور پھر گہری خاموشی پھیل گئی۔

''میں آپ کی اِس خاموشی کو کیا نام دوں؟ بزدلی یا فرار.....'' سلطان الملک المظفر نے استہزائیہ انداز میں دریافت کیا مگر گہرے سکوت میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔

''سلطان عالی!'' ایک مصری امیر اپنی جگہ سے اُٹھ کر بولا۔ ''ہمیں آپ کا یہ انداز کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ آپ ہم سے یہ طلب کریں کہ کیا ہم میں کوئی میدان جنگ میں اترے گا؟ الحمدللہ ہم سب مسلمان ہیں اور سپاہیانہ صلاحیتوں سے مالا مال ہیں۔ آپ ہم میں کسی پر انگلی رکھ سکتے ہیں۔ زیادہ بہتر تو یہی تھا کہ آپ اپنی مردم شناس نگاہ سے ہم سے کسی ایک کا انتخاب کرتے اور اس پر یہ ذمہ داری عائد کر دیتے''۔

''تم بیٹھ جاؤ!'' سلطان الملک المظفر نے خوشگوار انداز میں حکم دیا۔ ''مجھے تمہارا جواب بے حد بھایا ہے، مگر یہ سابق سلطانوں کا انداز ہے کہ جسے چاہا اس کی گردن میں ذمہ داری کا طوق ڈالا اور ایک لشکر اس کی قیادت میں روانہ کر دیا گیا۔ ایسے فیصلوں کے بعد کئی منتخب سالار کامیاب بھی ہو جایا کرتے تھے مگر زیادہ تر یہی نتیجہ نکلتا کہ ناکامی و پشیمانی ہی سلطانوں کے حصے میں آیا کرتی۔ میں ایک ایسے مشکل دوراہے پر کھڑا ہوں کہ ناکامی کو اپنے دامن میں سمیٹ لینا میرے بس کا روگ نہیں۔ اس لئے میں کسی ایسے فرد کا انتخاب کرنا چاہتا ہوں جو محض بہادر ہی نہ ہو بلکہ فہم و فراست سے کام لے کر تاتاریوں پر ایسی کاری ضرب لگائے کہ ان کی طاقت منتشر ہو جائے۔ اس موڑ پر ایسا ہونا لازمی جزو بن چکا ہے اگر آج ہم ناکامی سے دوچار ہو گئے تو تاتاریوں کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنا کسی کے بس میں باقی نہیں رہے گا۔ اگر اب تاتاری سیل کے سامنے بند باندھ دیا گیا تو رعیت کے دلوں پر چھایا ہوا خوف و ہراس دور ہو جائے گا''۔

''سلطان محترم کی فہم و فراست پر ہمیں بے حد ناز ہے۔ آپ کی جرأت و حوصلہ مندی کی کئی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ایسی اعلیٰ قیادت کے زیرِ سایہ ہم دشمن کو ایسا سبق سکھائیں گے کہ وہ چوکڑی بھول جائے گا''۔ فارس الدین اقطائی نے بات بڑھاتے ہوئے کہا۔

''فارس الدین!'' سلطان الملک المظفر دھیمے انداز میں مسکرایا۔ ''تم سالارِ اعظم ہو، میں چاہوں تو اس مہم کی ذمہ داری تمہیں سونپ سکتا ہوں مگر میں فی الوقت ایسا کچھ نہیں کروں گا، بلکہ تمہیں اپنے دوسرے

مرحلے کے لئے محفوظ رکھنا چاہوں گا۔ میں یہ جنگ کچھ ایسے انداز میں لڑنا چاہتا ہوں کہ سب سے پہلے تاتاری لشکر پر نفسیاتی انداز میں حملہ کیا جائے اوراس کے بعد ایک فیصلہ کن جنگ۔ اس وقت تاتاریوں کو صرف اتنا باور کرانا مقصود ہے کہ ہم اعلیٰ قیادت کا استعمال کئے بغیر ان کی جانب پیش قدمی کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔ ہمارے اس عمل سے تاتاری یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ اگر معمولی حیثیت کا لشکر اتنا جرأت مند ہو سکتا ہے تو اصل لشکر سے مقابلہ کتنا مشکل ثابت ہوگا''۔ سلطان الملک المظفر نے اپنی بات کی وضاحت کی۔ اس کا عجیب سالائحہ عمل کسی کے بھی پلے نہیں پڑ رہا تھا۔ عمائدین وامراء کے چہرے اس بات کے غماز تھے کہ وہ سلطان الملک المظفر کی عسکری چال سے مطمئن نہیں ہیں۔ سلطان الملک المظفر اپنے عمائدین کی کیفیت بخوبی بھانپ چکا تھا، اس نے خود ہی بات کا رُخ پلٹتے ہوئے سلسلہ کلام جوڑا۔

''گذشتہ ایام میں مجھے تم میں سے ایک بے باک شخص بے حد پسند آیا۔ اس کی جرأت وذہانت پر کئی بار مجھے متوجہ ہونا پڑا۔ چونکہ اس وقت حالات کچھ ایسے نہیں تھے کہ اس کی خواہشات کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جا سکتا، اس لئے میں خاموش رہا۔ ویسے بھی میں نے اس سے وعدہ کر رکھا ہے کہ جب بھی تاتاری لشکر کے خلاف کوئی مہم روانہ کی جائے گی، اُسے خصوصاً کوئی نہ کوئی کلیدی حیثیت ضرور سونپی جائے گی''۔

''شاید آپ کا اشارہ بیبرس کی جانب ہے؟'' فارس الدین اقطائی کی عجلت دیکھنے کے لائق تھی، شاید وہ اسی انتظار میں تھا کہ کب اسے بیبرس کا ذکر چھیڑنے کا موقعہ ملے۔ کئی لوگوں نے فارس الدین اقطائی کے لبوں پر معمولی حیثیت کے حامل شخص کا نام سن کر برا سا منہ بنایا۔

''تمہارا اندازہ صحیح ہے! بیبرس کہاں ہے؟ وہ ابھی تک مجھے دکھائی نہیں دیا''۔

''سلطان محترم! میں یہاں ہوں''۔ بیبرس صدر دروازے سے اندر داخل ہوتا ہوا بولا۔ ''دیر سے پہنچنے پر معذرت خواہ ہوں''۔

''آؤ بیبرس!'' سلطان الملک المظفر اس کی جانب دیکھتا ہوا بولا۔ ''ہم تمہارا ہی ذکر کر رہے تھے، تم سے جو وعدہ کیا گیا تھا، اب اس کی تکمیل کا وقت آ گیا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ بلادِ مصر کی حفاظت کی اہم ذمہ داری تمہارے کندھوں پر ڈال دی جائے کیا تم اس بات کی اہلیت رکھتے ہو کہ تاتاریوں سے مقابلہ کر کے انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دو''۔

''الحمدللہ!'' بیبرس سلطان الملک المظفر کی بات سن کر دیوانہ سا ہو گیا۔ اس کا چہرہ فرطِ جذبات سے سرخ دکھائی دینے لگا۔ ''میں تو ایسے وقت کا انتظار بڑی بے تابی سے کر رہا تھا''۔

''بہت خوب!'' سلطان الملک المظفر نے محظوظ ہوتے ہوئے داد دی۔ ''ہم جانتے ہیں کہ انسان کسی نہ کسی مفاد کے باعث ہی نمایاں ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ تمہاری اس بے تابی کے پیچھے کیا مفاد پوشیدہ ہے''۔

''ولایت حلب!'' بیبرس نے پُرسکون انداز میں مختصر جواب دیا۔ اس کا چہرہ تو سپاٹ دکھائی دے رہا تھا مگر اس کے اندر اپنی ہی بات پر کھلبلی سی مچی ہوئی تھی۔ خجالت وشرمندگی اس کے دل ودماغ پر مسلسل کچوکے لگا رہی تھی۔ عالم اسلام کے لئے دھڑکنے والا دل آج معاوضہ طلب کر رہا تھا۔ وہ شاید کبھی ایسی غرض اپنے لبوں پر نہ لاتا۔ یہ صرف شیخ عزالدینؒ کی خاص ہدایت تھی جسے مجبوراً اسے اپنے لبوں تک لانا پڑا۔ درباری عمائدین بیبرس کا جواب سن کر بھونچکا رہ گئے۔ انہیں اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ بیبرس جیسا معمولی سالار اتنی بڑی فرمائش کرے گا۔ حتیٰ کہ فارس الدین اقطائی جو کہ بیبرس کا سب سے قریبی دوست تھا، وہ بھی اس کے منہ

سے غیر متوقع بات سن کر مخمصے کا شکار دکھائی دینے لگا۔

''بہت خوب!'' سلطان الملک المظفر نے کچھ توقف کے بعد استہزائیہ لہجے میں کہا۔ ''ہم تو یہ سمجھے تھے کہ تمہارا جذبہ بے حد خالص ہے مگر یہاں تو کچھ اور ہی معاملہ نکلا''۔

''مجھے پورا یقین ہے کہ میں انشاء اللہ تعالیٰ ناکام ونامراد نہیں رہوں گا، اسی لئے میں نے اس انعام کے بارے میں پہلے طے کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جو مجھے کامیابی کی صورت میں بعد میں دیا جاتا۔

''انعام واکرام کے بارے میں طے کرنا تو ہمارا کام تھا کہ فتح کے بعد تمہیں کیا دیا جاتا...... اگر تم اسی بات پر خوش ہو تو حلب تمہارا ہوا۔ ہم تم سے تمام زندگی کسی قسم کا خراج نہیں مانگیں گے اور نہ ہی تمہاری خود مختاری میں کسی قسم کی مداخلت کریں گے''۔ سلطان الملک المظفر نے دھیمے انداز میں مسکرا کر اپنی دادو دہش کا مظاہرہ کیا۔

''میں چاہوں گا کہ یہ قول مجھے نامہ پر شاہی مہر ثبت کر کے دیا جائے''۔ بیبرس نے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے شرط عائد کی۔ سلطان الملک المظفر نے اس کی بات پر کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا اور اسی لمحے کاتب کو ہدایت کی کہ وہ بیبرس کے نام ایک نامہ تحریر کرے جس میں فتح کی صورت میں حلب کی ولایت کی منتقلی کا ذکر کیا جائے۔ کاتب تحریر لکھنے میں مصروف ہو گیا۔

''سلطان محترم!'' ایک مملوک امیر نے اُٹھ کر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ ''بیبرس اس ریاست کا تنخواہ دار ملازم ہے یہ اس کا فرض ہے کہ وہ ریاست کی سلامتی کے لئے اپنی خدمات بلامعاوضہ پیش کرے۔ آپ کو اس کی شرط تسلیم نہیں کرنا چاہئے۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو ایک غلط روایت جنم لے گی، سپاہی جنگ کی صورت میں رعیت کو مجبور کیا کریں گے کہ ان کی ضرورتیں پہلے پوری کی جائیں پھر وہ اپنا فرض بجا لائیں گے''۔

''ٹھیک ہے بیبرس اس ذمہ داری سے پیچھے ہٹ جاتا ہے اور سپاہی کی مانند اپنا فرض بجا لائے گا تم بلامعاوضہ اس معرکے کی قیادت کی ذمہ داری قبول کر لو۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے''۔ فارس الدین اقطائی نے سخت لہجے میں اسے جواب دیا۔ مملوک امیر دربار میں منصب شاہی پانے کے بعد عسکری تربیت کو عرصہ پہلے الوداع کہہ چکا تھا، اس لئے منہ بنا کر خاموشی سے اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ سلطان الملک المظفر بیبرس کی جانب متوجہ ہوا۔

''تمہیں صرف پچیس ہزار سپاہیوں کا لشکر دیا جائے گا اور تم اسی لشکر کے ساتھ تاتاریوں کو شکست فاش دو گے۔ تمہیں اپنی مرضی سے کسی مملوک سالار کے انتخاب کی اجازت بھی نہیں ہوگی البتہ جن افراد کے بارے ہم فیصلہ کریں گے، انہیں لشکر میں شامل کرنا تمہارا فرض ہے۔ تمہارے لشکر میں موجود ہر سپاہی تمہارا اطاعت گذار ہوگا لیکن یہ اطاعت صرف جنگ تک محدود ہوگی۔ جنگ کے فیصلے کے بعد تم سے تمام لشکر واپس لے لیا جائے گا۔ ولایتِ حلب پر جاتے ہوئے تم کوئی سپاہی اپنے ساتھ نہیں لے جا سکو گے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ ناکامی کی صورت میں تمہیں تمام عمر کے لئے زنداں خانے کی تاریکیوں میں دھکیل دیا جائے گا''۔ سلطان الملک المظفر نے اپنی شرائط واضح کیں۔ درباری سلطان کی شرائط سننے کے بعد پُریقین ہو چکے تھے کہ وہ بیبرس سے کسی پرانی رنجش کا بدلہ لینا چاہتا ہے۔ ڈیڑھ لاکھ تاتاریوں کے مقابلے میں صرف پچیس ہزار سپاہیوں کا لشکر بھلا کیا مقابلہ کرے گا؟ البتہ بیبرس اور فارس الدین اقطائی کے حریف امراء کے چہرے کھل اُٹھے تھے۔

''سلطانِ محترم! یہ لشکر جنگ جیتنے کے لئے ناکافی ہے......'' فارس الدین اقطائی نے بیبرس کی حمایت میں احتجاج کرتے ہوئے کہا۔

''اقطائی! یہ طے کرنا ہمارا کام ہے کہ تاتاری یلغار کا سامنا کیسے کیا جائے گا؟ یہ ہماری حکمت عملی کا تقاضا ہے کہ پہلی مہم میں صرف اتنی ہی فوج کا استعمال کیا جائے''۔ سلطان الملک المظفر نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

''مجھے سلطانِ محترم کی تمام شرائط منظور ہیں مگر کچھ معاملات ایسے ہیں جن کے لئے آپ کی توجہ اپنی جانب مرکوز کرنا چاہوں گا''۔ بیبرس کچھ سوچ کر بولا۔

''تمہیں ہر بات کی اجازت ہے، البتہ تعداد میں اضافہ ممکن نہیں ہوگا''۔

''میں دو امور کے بارے میں استدعا کروں گا کہ انہیں میرے اختیار میں دیا جائے۔ پہلا یہ کہ اگر مجھے کہیں سے رضاکارانہ عسکری مدد ملے تو آپ اس میں رکاوٹ نہیں ڈالیں گے اور دوسرا یہ کہ میں اپنی مرضی سے مہم کے لئے نکلوں گا۔ اگر تاتاری لشکر کی پیش قدمی کی خبر ملی تو میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا بصورت دیگر میں اپنی عسکری تیاری کے مکمل ہونے پر ہی روانہ ہوں گا''۔ بیبرس نے دوٹوک انداز میں کہا۔

''تمہاری پہلی شرط سے تو ہمیں کوئی اختلاف نہیں البتہ دوسری شرط ہماری حکمت عملی کے خلاف ہے، چونکہ مکمل عسکری تیاری کے بغیر روانگی خودکشی کے مترادف ہے اس لئے ہم اسے بھی تسلیم کر لیتے ہیں۔ البتہ اگر تاتاری لشکر جنگ سے گریز کرے تو ہم یہ نہیں چاہیں گے کہ انہیں جان بوجھ کر اپنی جانب متوجہ کیا جائے''۔ سلطان الملک المظفر نے کچھ سوچ کر کہا۔

بیبرس سلطان کے آخری فقرے سے الجھ سا گیا۔ وہ ہر قیمت پر تاتاریوں کو سبق سکھانے کا خواہش مند تھا، بڑی مشکل سے سلطان تاتاری لشکر سے نبرد آزمائی پر آمادہ ہوا تھا۔ بیبرس اچھی طرح جانتا تھا کہ پچیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ وہ تاتاری لشکر کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا مگر اس کے ذہن میں کئی دوسرے راستے روشن تھے جنہیں بروئے کار لاتے ہوئے وہ اپنی اس مشکل کو آسان کر سکتا تھا۔ سلطان الملک المظفر نے تاتاری موضوع کو ختم کرتے ہوئے دوسرے عمومی مسائل کی جانب توجہ دینا شروع کی تو بیبرس دربار سے باہر نکل آیا۔ فارس الدین اقطائی اس کے پیچھے تیزی سے لپکا۔ اس نے بیبرس کو سمجھانے کی کوشش کرنا چاہی تو بیبرس نے اسے تسلی دی کہ وہ جیسا سوچ رہا ہے ویسا کچھ نہیں ہوگا۔ وقت آنے پر سب کچھ سامنے آجائے گا۔ فارس الدین اقطائی اس کے جواب پر غیر مطمئن سا واپس لوٹ گیا۔ بیبرس کا ذہن ان خطوط پر تیزی سے متحرک تھا جو سلطان الملک المظفر کی کڑی آزمائش میں سے اسے نکال سکتے تھے۔

❀ ❀ ❀

مطیع الدین نے تیزی سے اس کی جانب دیکھا۔ وہ لمبا تڑنگا شخص تھا جو سیاہ لباس میں ملبوس تھا اور اس نے سرخ کپڑے سے اپنا چہرہ چھپا رکھا تھا۔ مطیع الدین نے متفکر نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔ اس کی چمکتی ہوئی سیاہ آنکھیں مطیع الدین کو گھورتی ہوئی دکھائی دیں۔ مطیع الدین اندازہ لگانے میں ناکام رہا کہ وہ کون ہو سکتا ہے اور اس سے کیا چاہتا ہے؟ وہ اس کے مقابل پہنچ کر خاموش کھڑا رہا۔

''کیا بات ہے؟'' مطیع الدین نے نرمی سے دریافت کیا۔

''مجھے تم سے ضروری بات کرنا ہے، کیا تم میرے ساتھ کسی محفوظ جگہ پر جا سکتے ہو''۔ اس اجنبی نے تیزی سے کہا۔

''میرے خیال میں یہ جگہ بھی محفوظ ہی ہے''۔ مطیع الدین کے لہجے میں شگفتگی پھیل گئی۔

''میں تم سے تنہائی میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں''۔

''تنہائی سے کیا مراد ہے؟ میں یہاں تنہا ہی ہوں''۔ مطیع الدین نے پوچھا۔

''تم بات کو خواہ مخواہ طول دینے کی کوشش کر رہے ہو، میں تمہیں شہر سے باہر لے جانا چاہتا ہوں''۔ اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔

مطیع الدین اس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ اجنبی نے اسے ایک جانب بڑھنے کا اشارہ کیا۔ مطیع الدین اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ وہ دونوں خیموں کے بازار میں سے گذرتے ہوئے سرائے کے بیرونی میدان میں پہنچ گئے۔ اس میدان کے دوسری جانب زریں خیل لشکروں کے زرد خیموں کی طویل قطاریں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ مطیع الدین نے چاروں جانب جائزہ لیا۔ وہاں دور دور تک کوئی ذی روح دکھائی نہیں دیا۔

''بولو کیا کہنا چاہتے ہو؟'' مطیع الدین نے سوال کیا۔

''تمہارے قبضے میں میری ایک خاص چیز ہے، میں اس کی واپسی چاہتا ہوں''۔ وہ بولا۔

''کیا مطلب؟'' مطیع الدین اس کی بات پر دنگ سا رہ گیا۔

''میں کوئی ایسی زبان نہیں بول رہا کہ تمہیں میرا مطلب سمجھنے میں دشواری ہو''۔ اجنبی کے لہجے میں درشتگی عود کر آئی۔

''اجنبی! میں تمہیں نہیں جانتا اور نہ ہی کسی چیز کے بارے میں جانتا ہوں جو تمہاری ہو اور میرے پاس موجود ہو، دوسرا تم پُرسکون لہجے میں بات کرو تو زیادہ بہتر ہوگا، میں بدتمیزی برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں''۔ مطیع الدین نے اس کے انداز پر بھنویں سکیڑتے ہوئے کہا۔

''اور میں بھی اپنی چیز کسی دوسرے کے قبضے میں دیکھ کر خوش نہیں ہوتا''۔ وہ تنک کر بولا۔

''تم جو کوئی بھی ہو، سب سے پہلے تو چیز کی وضاحت کرو تاکہ مجھے یہ اندازہ ہو سکے کہ تم صحیح کہہ رہے ہو یا کسی غلط فہمی کا شکار ہو''۔ مطیع الدین نے کہا۔

''مجھے اس بات کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ میں صفائیاں پیش کرتا پھروں، میں نے جتنا کہنا تھا کہہ دیا، وہ بھی کافی ہے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میری کون سی چیز تمہارے قبضے میں ہے اگر تم کل صبح تک اسے لوٹانے پر راضی نہ ہوئے تو میں تم سے نبٹ لوں گا''۔ اجنبی نے دھمکی دی۔

مطیع الدین اس کی بات سن کر جہاں حیرت زدہ تھا وہیں اس کی بدتمیزی پر بھڑک اُٹھا۔

''تم خود کو کیا سمجھتے ہو؟ اگر تمہیں اپنے بازوؤں کی قوت پر اتنا ہی ناز ہے تو سامنے آجاؤ۔ ابھی فیصلہ ہو جائے گا''۔ مطیع الدین نے پہلو میں لٹکتی ہوئی تلوار کے دستے پر ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ اجنبی خاموش نگاہوں سے شخص اسے گھورتا رہا۔

''میں تم سے مبارزت کرنے کی خواہش نہیں رکھتا، مجھے تو صرف اپنی چیز سے غرض ہے، وہ تم مجھے اپنی خوشی سے لوٹا دو''۔ اس نے تیز لہجے میں کہا۔

''بھئی! جب تک مجھے یہ علم نہیں ہوگا کہ تمہاری کیا چیز میرے قبضے میں ہے، تب تک میں کیسے یہ فیصلہ کروں گا کہ وہ تمہیں واپس دینا چاہئے یا نہیں''۔ مطیع الدین جھنجلا کر بولا۔

''اچھا تو کل صبح ملاقات ہوگی۔ تم میری چیز کے ساتھ یہیں پہنچ جانا''۔ اجنبی نے مطیع الدین کی پرواہ کئے بغیر اپنا فیصلہ سنایا اور تیزی سے ایک جانب بڑھ گیا۔ مطیع الدین اس کے عجیب سے انداز پر منہ پھاڑے کھڑا اسے تکتا رہ گیا۔ اس نے اسے آواز بھی دی مگر وہ شاید مزید کوئی بات سننے کا خواہش مند نہیں تھا۔ وہ رُکا

نہیں۔ اسی لمحے مطیع الدین کا ذہن بیدار ہو گیا۔ وہ کچھ سوچ کر تیزی سے اس کے تعاقب میں چل پڑا۔ مطیع الدین ہوشیاری سے اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ وہ دونوں سرائے میں داخل ہوئے۔ پھر اچانک وہ شخص اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ مطیع الدین نے بڑی کوشش کی کہ وہ اسے دوبارہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائے مگر سیاہ پوش کا دور دور تک کوئی پتہ نہیں تھا۔ مطیع الدین بازار کے وسط میں گم صم کھڑا پریشانی کے عالم میں کچھ دیر پہلے رونما ہونے والے حالات کی کڑیاں ملانے میں مصروف تھا۔

❁ ❁ ❁

مملوک سالار محمود بیبرس بندقداری نے تاتاری سیل سے نبرد آزما ہونے کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ اس نے سب سے پہلے قاہرہ سے چند میل دور حلیب السامی نامی میدان میں اپنے عساکر کا پڑاؤ ڈالا۔ یہیں فوجی مشقوں کا آغاز کیا گیا۔ بیبرس اپنی نگرانی میں ایک ایک سپاہی کو تربیت دیتا رہا۔ سلطان الملک المظفر نے ایسے مملوک امراء کی فہرست اسے بھیج دی تھی جنہیں بیبرس کے لشکر میں شامل کیا گیا تھا۔ بیبرس نے جب فہرست پر نگاہ ڈالی تو وہ چونک سا گیا۔ فہرست میں تمام ایسے نام تھے جو بڑے بے باک اور نڈر امراء تھے۔ ان کی بہادری اور شہ زوری اپنی جگہ مسلم تھی مگر جو بات بیبرس کو شدت سے محسوس ہوئی، وہ یہ تھی کہ سلطان الملک المظفر کی ان سب لوگوں سے کسی نہ کسی موقعے پر بحث و تکرار ہو چکی تھی۔ سلطان الملک المظفر بھی ان سے نالاں دکھائی دیتا تھا۔ بیبرس نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ سلطان الملک المظفر کس حکمت عملی کے تحت یہ معرکہ لڑنے پر آمادہ ہوا ہے۔ وہ اپنے حریف اور نڈر امراء کو تاتاریوں کے ہاتھوں ہلاک کروا کر اپنے اقتدار کو مضبوط بنانے کا خواہش مند دکھائی دیا۔ بیبرس کے لئے یہ انکشاف باعث رنج تھا کہ وہ ایک ایسے وقت پر مکارانہ چالیں چلنے میں مصروف ہے جب مسلمانوں کا طاقتور حریف ان کے سر پر آن پہنچا ہے۔

بیبرس نے عاجزی و انکساری سے اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کی کہ وہ اسے نصرت سے سرفراز فرمائے اور سلطان الملک المظفر کی سازش سے اسے محفوظ رکھے۔ بیبرس نے اپنی کامل کامیابی کے لئے سب سے پہلے اپنی عسکری قوت کو بڑھانے کا عزم کیا۔ اس نے جگہ جگہ جا کر تارکینِ وطن میں یہ اعلان کیا کہ جہاد کے لئے ہر صحت مند اور نوجوان اپنی خدمات پیش کرے۔ اس کے کلام میں کچھ ایسا جادو تھا کہ لوگ جوق در جوق اس کے لشکر میں شامل ہونے لگے۔ کچھ یہ وجہ بھی تھی کہ بلادِ مصر ہی ان کا آخری ٹھکانہ تھا۔ اس کے آگے وسیع و عریض سمندر پھیلا ہوا تھا۔ اگر وہ اس وقت بھی سستی کا مظاہرہ کرتے تو ان کی جان بچنے کا امکان باقی نہ رہتا۔ بیبرس کی زیرِ قیادت انہوں نے آخری بازی لگانے کا فیصلہ کر لیا۔

بیبرس نے اپنے لشکر کی عسکری تیاری کے ساتھ ساتھ ان کی نفسیاتی تیاری کا اہتمام بھی کیا۔ وہ جان بوجھ کر ایسے واقعات کا تذکرہ کرتا جو تاتاریوں سے متعلق ہوتے۔ تاتاریوں کی درندگی اور سفاکی بیان کرنے کے بعد وہ بلند آواز میں قہقہے لگاتا اور مجبور و بے بس رعیت کی ہلاکت پر فخر کرنے والوں پر خوب ہنستا۔ یہ رویہ بڑا عجیب تھا۔ ایک جانب وہ اپنے سپاہیوں کے دلوں پر چھائی ہوئی ہیبت کو زائل کر رہا تھا تو دوسری جانب سفاکانہ واقعات سے ان کے جذبات کو شعلہ دکھا رہا تھا۔ وہ دن کے مختلف اوقات میں کئی بار تاتاریوں کی پس ماندگی اور بزدلی کا تذکرہ کیا کرتا۔ اس کے جوشیلے انداز نے سپاہیوں کے اندر غصے کی آگ بھر دی تھی۔ وہ تاتاریوں کے خوف سے آزاد ہو کر بے تابی سے اس وقت کا انتظار کر رہے تھے کہ کب وہ تاتاریوں کے ناپاک خون سے اپنی تلواریں آلودہ کریں گے۔

بیبرس نے تاتاریوں سے فیصلہ کن جنگ کی تیاری میں دن رات کا سکون غارت کر دیا تھا سپاہی اسے

ہر وقت اپنے پاس موجود پاتے۔ کئی بار تو ایسا ہوتا کہ بیبرس ایک وقت میں کئی جگہوں پر دکھائی دیتا۔ یہ فریبِ نظر تھا۔ سپاہی اوقات کا حساب رکھنے میں اتنے ماہر نہیں تھے کہ وہ صحیح اندازہ کر پاتے۔ البتہ یہ بات طے تھی کہ بیبرس تیز رفتاری کا مظاہرہ کرنے میں کوتاہی سے کام نہیں لیا کرتا تھا۔ وہ ایک سپاہی کو بتانے کے بعد اتنی تیزی سے دوسری جانب موجود سپاہی کے پاس پہنچ جایا کرتا کہ اس کے اپنے سپاہی اسے چھلاوہ سمجھنے لگے۔ یہ بھی ایک خوش آئند بات تھی کہ بیبرس کی ان حرکات کے باعث سپاہیوں کے اعتماد میں بھرپور اضافہ ہوا تھا۔

بیبرس دن کی کچھ ساعتوں کے لئے اچانک غائب ہو جاتا۔ مملوک امراء اسے تلاش کرنے کے باوجود نہ تلاش کر پاتے۔ اس پر یہی گمان کیا جاتا کہ وہ ان اوقات میں آرام کرتا ہوگا۔ بہت کم وقت ہی اسے آرام کی حالت میں دیکھا گیا۔ اس کی روپوشی کے پیچھے آرام کے بجائے وہ سفر پوشیدہ تھے جو وہ تیز رفتاری سے انجام دیتا تھا۔ وہ کبھی ترکمانوں کے پاس موجود ہوتا اور انہیں تاتاریوں سے مقابلہ کی ترغیب دیتا دکھائی دیتا تو کبھی وہ مصر بلند کے حورہ قبائل میں بیٹھا ان کے جذبات کو چنگاری دکھا رہا ہوتا۔ اس نے عرب بدوؤں کی بھی ایک بڑی تعداد اپنے لشکر میں شامل کر لی۔ حورہ قبائل کے پندرہ ہزار سپاہی اس کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ یہ قبائل بڑے نڈر اور اعلیٰ درجے کے جنگجو سمجھے جاتے تھے۔ بیبرس نے ان قبائل کے بعد بربر قوم کی جانب توجہ کی۔ وہ کڑی محنت سے بربروں کے بھی دس ہزار سپاہی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ صرف دو ماہ کے عرصے میں اس کے علم تلے ستر ہزار سپاہیوں کا لشکر جمع ہو چکا تھا۔ اس لشکر کا سب سے اہم اور فعال عنصر وہ تھا جس کی تشکیل مملوک دستوں سے کی گئی تھی۔ بہادر مملوک امراء کو رضاکارانہ دستوں کی تربیت کی ذمہ داری سونپی گئی۔ انہوں نے دن رات کی محنت کے بعد اپنے لشکر کو ایسا مضبوط اور طاقت ور بنا ڈالا کہ بیبرس کو اپنی کامیابی پایہ تکمیل تک پہنچتی ہوئی دکھائی دینے لگی۔ اسے اطمینان ہونے لگا کہ اب وہ واقعی غیر تہذیب یافتہ تاتاریوں کو ان کے ڈھائے گئے ظلم و ستم پر سزا دینے کی طاقت رکھتا ہے۔

سلطان الملک المظفر کے پاس بیبرس کی کارکردگی کی خبریں تواتر سے پہنچ رہی تھیں۔ جوں جوں لشکر کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا، اس کی پیشانی کے بل گہرے ہونے لگے۔ بیبرس کے پاس قریباً اتنا لشکر جمع ہو چکا تھا جو سلطانی مملوک لشکر سے مقابلہ کرنے کی استطاعت رکھتا تھا۔ بیبرس کی بڑھتی ہوئی قوت نے اسے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اگر حلب کی ولایت بیبرس کو دے دی گئی تو بیبرس بہت جلد اتنا طاقتور ہو جائے گا کہ وہ بلادِ مصر کو ننگل جائے گا۔ بیبرس کے بارے میں وہ یہ تہیہ کئے بیٹھا تھا کہ تاتاریوں کے ساتھ جنگ کے پہلے ہلّے میں وہ سب لوگ اس کی راہ سے ہٹ جائیں گے جن سے اسے مستقبل میں خطرہ لاحق ہو سکتا تھا مگر یہاں حالات اس کے خلاف جا رہے تھے۔ بیبرس کی شہرت کا ڈنکا بجنے لگا۔ رعیت کے لبوں پر بیبرس کی کامیابی کے لئے دعائیں سنائی دینے لگیں۔ سلطان الملک المظفر نے فی الوقت حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر کسی قسم کا ردِعمل ظاہر نہیں کیا۔ البتہ اس کے دل میں شک و شبہات کی جو گانٹھ پڑ چکی تھی، اسے دن بدن تقویت ملتی رہی۔

❁ ❁ ❁

ہلاکو خان بلادِ فلسطین کے شہر یافا کے باہر اپنا عسکری پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ قاہرہ کی جانب بھیجی گئی سفارت کا جواب جب ہلاکو خان کو ملا تو وہ غصے سے بھڑک اُٹھا۔ اس نے اسی وقت یہ طے کر لیا کہ وہ ہر قیمت پر سلطان الملک المظفر کو سبق سکھائے گا۔ ہلاکو خان کے سفارتی وفد کے قتل کا ارتکاب کر کے بلادِ مصر نے اپنی ہلاکت پر مہر ثبت کر دی تھی۔ اس نے فتح کے جشن کو مختصر کرنے کا حکم دیا اور اپنے تمام لشکروں کو بلادِ مصر پر حملہ آور ہونے کی تیاری کا حکم دیا۔ وہ بھرپور انداز میں پیش قدمی کا ارادہ کر چکا تھا۔ اس کے ارمنی، گرجستانی اور صلیبی

حلیف اس کے ساتھ تھے۔ ارمنی اور گرجستانی حلیفوں کو بلادِ مصر کی بابت کوئی خاص عداوت نہیں تھی وہ ہلاکو خان کا ساتھ دینے پر مجبور تھے جبکہ صلیبی کئی بار قاہرہ کی حکومت سے زک اُٹھا چکے تھے۔ اس لئے ان کے چہرے ہلاکو خان کے فیصلے پر دمک اُٹھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی سے لے کر اب تک بلادِ مصر ہی ایسی طاقت تھی جس نے صلیبی عزائم کی راہ روک رکھی تھی۔ بلادِ مصر کی جانب ہلاکو خان کی پیش قدمی کے فیصلے پر صلیبی پُر یقین تھے کہ اب دنیا کی کوئی طاقت قاہرہ کے سقوط کو نہیں بچا سکے گی۔

ہلاکو خان بلادِ مصر کی جانب پیش قدمی سے پہلے دیار بکر کی فتح کی خبر سننے کا خواہش مند تھا۔ بلادِ شام میں یہ واحد علاقہ تھا جو ابھی تک اس کے قبضے سے باہر تھا۔ دیار بکر پر اس نے کئی فوجی مہمات روانہ کیں مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکل سکا۔ رجب 658ھ میں وہ گھڑی آن پہنچی۔ سلطان الملک الکامل کی شہادت اور میافارقین کی فتح کی خبر سن کر وہ خوشی کے مارے پھولے نہ سمایا۔ اس نے اسی روز بلادِ مصر کی جانب پیش قدمی کا اعلان کر دیا۔ تاتاری لشکر تیزی سے کوچ کی تیاریاں کرنے لگے۔

اس سے پہلے کہ لشکر بلادِ مصر کے لئے روانہ ہو جاتا ہلاکو خان کو یہ اندوہناک خبر ملی کہ اس کا بھائی اور منگولوں کا قاآن اعظم منگو خان اپنے لشکروں سمیت چین پر لشکر کشی کرتے ہوئے دلدلی علاقوں میں پھنس کر ہلاک ہو چکا ہے اور اس کے رشتہ دار اور منگول سردار منگو خان کے جانشین اور اپنے نئے قاآن اعظم کے انتخاب کے لئے قرولتائی کی تقریب کا انعقاد کرنے والے ہیں، انہوں نے ہلاکو خان کو بھی فوری طلب کیا۔ ہلاکو خان اپنے بھائی کی موت کی خبر سن کر جہاں آبدیدہ ہو چکا تھا وہیں نئی صورتِ حال نے اسے مخمصے میں ڈال دیا۔ وہ بلادِ مصر کی جانب بڑھنے کے لئے تیار کھڑا تھا مگر سیاسی بساط پر تبدیلی رونما ہو چکی تھی۔ اگر وہ تقریب قرولتائی کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے سفیروں کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے بلادِ مصر روانہ ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ تقریب قرولتائی میں کسی ایسے شخص کے سر پر قاآن اعظم کا سہرا باندھ دیا جائے جو ہلاکو خان سے سخت عداوت رکھتا ہو۔ اس کا ذہن بار بار برقائی خان کی جانب بھٹک رہا تھا۔ کیونکہ برقائی خان ہی وہ واحد قابل اور ہر دلعزیز شخص تھا جس کے انتخاب پر منگولوں میں کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا تھا۔

اس نے اپنی فوری واپسی کا اعلان کر دیا۔ منگول لشکروں کو تو اس پر کوئی اختلاف نہیں تھا کیونکہ وہ اپنے گھروں کو واپس لوٹ رہے تھے۔ البتہ سب سے زیادہ تکلیف صلیبی حلیفوں کو پہنچی۔ وہ جو خواب دیکھ رہے تھے وہ یکا یک بکھر کر رہ گئے۔ اگر ہلاکو خان واپس لوٹ گیا تو مسلمان بہت جلد اپنی بکھری قوت کو مجتمع کر کے تمام علاقوں کا نظام ان سے چھین سکتے تھے۔ انہوں نے مختلف حربوں سے اسے روکنا چاہا۔ اس کے امرا نے ایسے وقت میں واپسی اختیار کرنے پر مخالفت بھی کی مگر ہلاکو خان کے دوٹوک فیصلے پر وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

صلیبی امرا نے اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے ہلاکو خان کی نصرانی بیوی دقوز خاتون کا سہارا لیا اور اس سے استدعا کی کہ یہ وہ وقت ہے جب نصرانیت پر وان چڑھ رہی ہے اسے اپنے قدم مضبوطی سے جمانے کے لئے بہت قلیل عرصے کی ضرورت ہے۔ ایسے میں ہلاکو خان کی واپسی مناسب نہیں ہے۔ ابھی تک مسلمانوں کا مکمل صفایا نہیں ہو سکا۔ اگر بلادِ مصر کو روندڈالا جائے تو پھر نصرانیت کو ارضِ مقدس سے نکالنے کی کسی میں جرأت باقی نہیں رہے گی۔ صلیبی امرا نے دقوز خاتون سے اصرار کیا کہ وہ کسی بھی طرح ہلاکو خان کو اپنا ارادہ بدلنے پر مجبور کرے۔ دقوز خاتون نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ اپنی بھرپور کوشش کرے گی۔

اسی دن دقوز خاتون نے ہلاکو خان سے بات کی اور اسے یہ یاد دلایا کہ گذشتہ دنوں میں منگو خان کی جانب آنے سے والا فرمان، جس میں بلادِ مصر کو روند دینے کا حکم تھا، اس کی تعمیل نہیں ہو سکی۔ یہ آپ پر فرض ہے

کہ اپنے آقا کا حکم بجا لائیں۔ لہٰذا ہماری یلغار رُکنا نہیں چاہئے۔ آپ خداوند کا نام لے کر بلادِ مصر کی جانب بڑھئے۔ ہلاکو خان نے اس کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ وہ قرولتائی کی تقریب کو سب باتوں پر مقدم سمجھتا ہے، جہاں اس کے بھائی اور رشتہ دار بے تابی سے اس کے منتظر ہیں۔ دقوز خاتون نے یلغار کے لئے ہلاکو خان سے زیادہ بحث نہیں کی۔ ہلاکو خان نے اسی روز پیغام لانے والے قاصد کو یہ پیغام دے کر واپس روانہ کر دیا کہ وہ وطن واپس آ رہا ہے، اس کا انتظار کیا جائے۔

ہلاکو خان کی وطن واپسی کے فیصلے سے بلادِ مصر کے حریفوں کے ناپاک ارادوں پر اوس پڑ گئی۔ انہوں نے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ اس بار انہوں نے کتبغا خان کو ہلاکو خان سے بات کرنے پر مجبور کیا۔ کتبغا خان دینِ مسیحی کا خاص پیروکار تھا۔ وہ مسلمانوں کے خلاف زبردست جذبات رکھتا تھا۔ غیر مسلم مؤرخین نے اس کی بربریت اور درندگی کے کئی واقعات نقل کئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بلادِ شام کے کئی اہم شہروں کو کتبغا خان نے بری طرح پامال اور تاخت و تاراج کیا۔ ہلاکو خان کی نگاہ میں کتبغا خان کی بڑی منزلت تھی۔ جب کتبغا خان نے یلغار جاری رکھنے کا اصرار کیا تو ہلاکو خان نے اپنے اندیشوں کو اس پر ظاہر کر دیا۔ چونکہ تقریب قرولتائی میں کئے جانے والے ہر فیصلے کے سامنے اسے سرخم کرنا پڑے گا، اس لئے زیادہ بہتر یہی ہے کہ وہ قاآن اعظم کا عہدہ خود حاصل کرے۔ اس نے برقائی خان کی بابت بھی قیاس آرائی کی کہ اگر اسے قاآن اعظم بنا دیا گیا تو وہ ہلاکو خان کو کسی قیمت پر زندہ نہیں رہنے دے گا۔ کتبغا خان حالات کی نزاکت سن کر خاموش ہو گیا۔ وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ ہلاکو خان کا واپس لوٹنا بہت ضروری ہے۔ اس نے واپس لوٹ کر صلیبی حلیفوں کی ڈھارس بندھائی کہ ہلاکو خان تقریب قرولتائی سے فراغت پاتے ہی جلد واپس لوٹیں گے اور سب سے پہلے اپنی نامکمل مہم انجام دیں گے۔ صلیبی حلیفوں نے جب کتبغا خان کے منہ سے وہی جواب سنا تو وہ مایوس ہو کر بیٹھ گئے۔

چند دن بعد ہلاکو خان نے اپنے لشکروں کو حکم دے دیا کہ وہ اگلی صبح کوچ کی تیاری کر لیں۔ وہ مختصر راستے اختیار کرتے ہوئے قفقاز کے کنارے کنارے سفر کریں گے اور گھاس کے میدان سوکھنے سے پہلے پہلے وطن واپس پہنچ جائیں گے۔ اس کے لشکروں نے جب اعلان سنا تو وہ بے حد پُر جوش دکھائی دیئے۔ وہ ایک طویل مدت کے بعد اپنے وطن واپس لوٹ رہے تھے۔

دوسری صبح روانگی سے چند ساعتیں پہلے ہلاکو خان نے کتبغا خان کو اپنے خیمے میں طلب کیا۔ کتبغا خان اپنی طلبی پر فوراً چلا آیا۔ ہلاکو خان نے اسے بیٹھنے کے لئے کہا۔ وہ خاموشی سے مؤدب بیٹھ گیا۔ کچھ توقف کے بعد ہلاکو خان بولا۔

''حالات بے حد مخدوش سمت اختیار کر چکے ہیں، میں رات بھر اسی ضمن میں سوچتا رہا ہوں۔ وطن واپسی پر وہ تمام لوگ جو فی الوقت مجبوری کے عالم میں ہمارا ساتھ دینے پر مجبور ہیں، وہ اپنی وفاداریاں بدل سکتے ہیں۔ باغی مسلمان بھرپور کوشش کر رہے ہیں کہ کسی طرح انہیں کچھ سکون کی ساعتیں میسر آ جائیں اور وہ اپنی صفیں درست کر لیں لیکن میں انہیں ایسا کوئی موقع فراہم نہیں کرنا چاہتا ہوں لہٰذا میں نے یہ طے کیا کہ تم یہیں ٹھہر کر تمام مقبوضات کی حفاظت کرو۔''

''قاآن اعظم! جیسا مناسب سمجھیں میں ہر ذمہ داری کے لئے تیار ہوں''۔ کتبغا خان نے سر جھکاتے ہوئے جواب دیا۔

''میں تمام فوج اپنے ساتھ نہیں لے جاؤں گا۔ ایک لاکھ سپاہی تمہارے پاس موجود رہیں گے اور اس کے علاوہ ہمارے حلیفوں کے لشکر الگ ہیں۔ بلادِ مصر کی جانب سے ایسی اطلاعات موصول ہو رہی ہیں کہ وہ

جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ تم ان کی جانب نہیں بڑھو گے بلکہ ان کی حرکات وسکنات پر پوری طرح نظر رکھو گے اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ وہ تمہارے مقابلے پر آ جائیں تو تمہیں مکمل اختیار ہے کہ انہیں بھرپور انداز میں کچل دیا جائے۔ تم میری واپسی تک ارض فلسطین میں ہی رہنا۔ اگر کوئی حلیف سرکشی کی کوشش کرے تو بلا لحاظ اس کی گردن اُڑا دینا۔ مجھے قوی امید ہے کہ ان میں سے کوئی تم سے اُلجھنے کی کوشش نہیں کرے گا''۔ ہلاکو خان نے اسے مزید ہدایات بھی دیں۔ کتبغا خان نے تمام مقبوضہ علاقوں کی نگرانی اور حفاظت کی ذمہ داری لیتے ہوئے اپنے قاآن کے سامنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر یہ حلف اُٹھایا کہ وہ دل و جان سے ان علاقوں کی حفاظت کرے گا اور ہمیشہ ہلاکو خان کا وفادار رہے گا۔

ہلاکو خان نے اسے کچھ دوسرے معاملات کے بارے میں بھی سمجھایا بجھایا۔ اس کے بعد دوپہر کے وقت وہ اپنے عظیم الشان خیمہ گاہ کے ساتھ صحرائے گوبی کی جانب روانہ ہو گیا۔ ہلاکو خان کی مراجعت کے بعد بلادِ شام وعراق اور بلادِ شرقیہ وفلسطین تمام کتبغا خان کی گرفت میں تھے۔ وہ جہاں ایک قابل اور نڈر سپہ سالار تھا وہیں شقی القلب انسان بھی تھا۔ اس کی بربریت کے افسانے سارے عالم اسلام میں معروف تھے۔ ہلاکو خان کے روانہ ہونے کے بعد اس نے اپنے قابل منگول سالاروں سے باہم مشورہ کیا اور اپنے تمام لشکروں سمیت یافا کے میدان سے ہٹ کر عین جالوت نامی میدان میں پڑاؤ ڈال دیئے۔ یہ مقام فلسطین کے تاریخی شہر ناصرہ کے قریب تھا۔ یہاں پڑاؤ ڈالنے کا مقصد یہ بھی تھا کہ بلادِ مصر پر کسی حد تک رُعب طاری کیا جا سکے کہ تاتاری لشکر ان سے زیادہ دور نہیں۔ اس کے علاوہ وہ شام وعراق پر اپنا مؤثر تسلط بھی برقرار رکھ سکتا تھا۔ جس دن اس کے لشکروں نے عین جالوت میں پڑاؤ ڈالے اسی دن ایک گھڑ سوار ان سے الگ ہو کر بلادِ مصر کی جانب بڑھ گیا۔ وہ کوئی اور نہیں بیبرس خود تھا جو کئی دن سے متواتر تاتاری لشکر میں موجود تھا۔ وہ تاتاری لشکر کے تمام فیصلے طے ہونے پر اطمینان سے واپس لوٹ گیا۔

❁ ❁ ❁

بلادِ مصر کا سلطان الملک المظفر شاہی دربار میں موجود تھا جب ہلاکو خان کی وطن واپسی کی اطلاع وہاں پہنچی۔ یہ بڑی خوش کن خبر تھی۔ ہلاکو خان کی اچانک واپس روانگی پر عمائدین کے چہرے کھل اُٹھے۔ سلطان الملک المظفر کو ایک پل کے لئے یوں لگا جیسے خطرہ ٹل چکا ہے۔ وہ اسی وقت کا منتظر تھا۔ اس کے دل کے کسی گوشے میں یہ خیال پہلے دن سے بیٹھ چکا تھا کہ جیسے چنگیز خان سلطنت خیوا شاہی تک ہی محدود رہا تھا اسی طرح ہلاکو خان بھی بغداد کی تباہی کے بعد انہی علاقوں میں محدود رہے گا۔ جب ہلاکو خان بلادِ فلسطین میں داخل ہوا تو اس کا قیاس ڈولنے لگا مگر آج ملنے والی خبر نے اس کے یقین کو مستحکم کر دیا۔ اس نے اسی وقت شکرانے کے نوافل ادا کرنے کی نیت باندھی۔ عمائدین سلطنت نے اس نئی تبدیلی کے پیشِ نظر بیبرس کی عسکری تیاری کی بابت دریافت کیا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔

''میرے سامنے دو راستے ہیں، میں فیصلہ نہیں کر پا رہا کہ ایسے حالات میں کیا کیا جائے؟'' سلطان الملک المظفر نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ عمائدین وامرا اس کی بات سن کر چونک پڑے۔

''سلطانِ محترم! آپ کھل کر بتائیے، ممکن ہے کہ آپ کے خادمین فیصلہ کرنے میں کسی آسانی کا باعث بن جائیں''۔ ایک امیر نے مؤدب انداز میں کہا۔

''ایک خیال تو یہ ہے کہ میں فی الوقت بلادِ مصر تک ہی محدود رہوں اور تاتاریوں سے اُلجھنے کی کوشش نہ کروں۔ اس طرح ہم کچھ عرصے کے لئے محفوظ رہیں گے۔ ممکن ہے کہ یہ عرصہ دائمی صورت اختیار کر لے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ہماری عسکری تیاریاں تو مکمل ہیں۔ ہم آگے بڑھ کر بلادِ فلسطین اور بلادِ شرقیہ پر بھرپور انداز میں حملہ آور ہوں اور انہیں اپنے دائرہ اختیار میں شامل کر لیں۔ ان علاقوں پر کمزور حاکمین موجود ہیں اور تاتاری بھی۔ ان علاقوں کا اختیار حاصل کرنے کے بعد مستقبل میں جو بھی حادثہ پیش آئے گا، اس سے کم از کم بلادِ مصر محفوظ رہے گا''۔ سلطان الملک المظفر نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ عمائدین وامرا کے چہرے اس کی دور اندیشی پر مرعوب دکھائی دینے لگے۔

''سلطانِ محترم! آپ کی دوسری رائے بے حد معقول ہے''۔ ایک امیر نے صاد کیا۔

''میرے خیال میں یہ طریقہ مناسب نہیں''۔ فارس الدین اقطائی گھمبیر لہجے میں بولا۔ سب عمائدین چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگے۔ سلطان الملک المظفر بھی مستفسرانہ نگاہوں سے اس کی جانب متوجہ ہوا۔ فارس الدین اقطائی قدرے توقف سے مخاطب ہوا۔

''سلطانِ محترم! یہ عمل آپ کی سابقہ روش کے خلاف ہے۔ آپ نے ماضی میں ہمیشہ یہی کوشش کی ہے کہ آپ کی جانب سے پیش قدمی عمل میں نہ لائی جائے اور تاتاریوں کو بلادِ مصر کی جانب متوجہ نہ کیا جائے۔ اب جب کہ ہلاکو خان کی واپسی کی خبر پہنچی ہے تو آپ اپنی سلطنت کی وسعت کے پیشِ نظر سابقہ روش کو تبدیل کر کے پیش قدمی اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ ہلاکو خان سے کچھ بعید نہیں۔ ممکن ہے کہ یہ واپسی فریب پر مبنی ہو۔ دوسرا ہلاکو خان تک جب یہ خبر پہنچے گی تو کیا وہ پوری قوت سے واپس لوٹ کر بدلہ نہیں لے گا۔ ویسے بھی بلادِ شام وشرقیہ کی حالت کچھ بہتر نہیں۔ یہ نہ ہو کہ وہ آپ کے لئے محفوظ ٹھکانے کے بجائے تباہی و بربادی کے کھنڈرات ثابت ہوں''۔

فارس الدین اقطائی کی بات سن کر کمزور دل امرا کے چہرے سپید پڑ گئے۔ انہوں نے بھی سلطان الملک المظفر کو متوقع خطرات کے پیشِ نظر بلادِ مصر تک ہی محدود رہنے کا مشورہ دیا۔ فارس الدین اقطائی کی بات سلطان الملک المظفر کے دل پر لگی۔ اس نے فوراً اپنے دوسرے خیال کو دل سے نکال باہر کیا اور پیش قدمی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

''فارس الدین درست کہہ رہا ہے، ہمیں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہئے بلکہ کچھ انتظار کرنا چاہئے۔ میں آج ہی بیبرس کو پیغام بھجوا دیتا ہوں کہ وہ اپنی عسکری مشقیں ختم کر کے واپس لوٹ آئے۔ رضا کارانہ سپاہیوں کو بھی شکریئے کے ساتھ ان کے گھروں میں بھیج دیا جائے''۔ سلطان الملک المظفر نے آناً فاناً اپنا فیصلہ سنا دیا۔ عمائدین وامرا کے چہرے اس فیصلے پر مطمئن دکھائی دیئے۔ سلطان الملک المظفر باطنی طور پر بیبرس کی عسکری قوت دیکھ کر خوفزدہ ہو چکا تھا۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ بیبرس جیسا معمولی سالار اتنا بڑا لشکر تشکیل دینے میں کامیاب ہو جائے گا۔ یہ نہایت سنہری موقعہ تھا کہ بیبرس کی عسکری قوت کو کسی مشکل کے بغیر تنکا تنکا کر دیا جاتا۔

جب سلطان الملک المظفر نے دربار برخاست کرنے کا ارادہ کیا تو ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر تعظیم دی اور اپنے انعام کے لئے دادرسی کی۔ سلطان الملک المظفر نے چونک کر اسے دیکھا تو مسکرا کر اسے ایک ہزار درہم عطا کرنے کا فرمان جاری کیا۔ وہ سپاہی ہی ہلاکو خان کی مراجعت کی خبر لایا تھا۔ سپاہی اپنا انعام وصول کرنے کے بعد دربار سے باہر نکلا اور اصطبل میں موجود اپنے گھوڑے کی لگام تھامی اور اطمینان سے چلتا ہوا قاہرہ سے باہر نکل گیا۔ وہ تیزی سے حلیب الساعی کی جانب بڑھ رہا تھا جہاں اسلامی لشکر کو کوچ کرنے کے لئے تیار کھڑا تھا۔ وہ سپاہی کوئی اور نہیں بیبرس خود تھا جو کہ مخبر کا بھیس بدل کر دربار میں یہ دیکھنے آیا تھا کہ ہلاکو

خان کی مراجعت کے بعد سلطان الملک المظفر کا کیا ردِعمل ہو سکتا ہے۔

❀ ❀ ❀

مطیع الدین نے اس عجیب اجنبی کو شنگ خان سے تعبیر کیا اور اپنے گھر لوٹ آیا۔ اس نے اپنے باپ نور الدین کے سامنے برقائی خان سے ہونے والی بات چیت کا خلاصہ رکھ دیا۔ نور الدین خاموشی سے بیٹھا اس کی باتیں سنتا رہا جب وہ اپنی بات مکمل کر چکا تو نور الدین دھیمے انداز میں گویا ہوا۔

''بیٹا! میں حکمرانوں سے زیادہ قریبی تعلقات کا قائل نہیں ہوں، کیونکہ ان کے خاص دوست کسی بھی وقت ان کے مزاج کی بھینٹ چڑھ جایا کرتے ہیں۔ اب جبکہ تم اس کام کے لئے ہامی بھر چکے ہو تو میں تمہیں عہد شکنی کے لئے مجبور نہیں کروں گا۔ تمہیں فدائیوں کے پاس بھیجنے کو میرا دل تو نہیں چاہ رہا۔ بہرکیف تم پوری طرح ہوشیار رہنا۔ تم فدائیوں کے سامنے کوئی ایسی ویسی بات نہ کرنا جس سے وہ بھڑک اٹھیں''۔

مطیع الدین نے اپنے باپ کی ڈھارس بندھائی اور یقین دہانی کرائی کہ وہ حالات کے مطابق بہتر فیصلہ کرے گا۔ نور الدین اپنے بیٹے کے بارے ساری رات پریشان رہا اور چپکے چپکے اپنے ربّ کے حضور اس کی سلامتی کے لئے دُعائیں کرتا رہا۔

دوسری صبح برقائی خان کی جانب سے مطیع الدین کے پاس ضروری نوعیت کا سامان پہنچا دیا گیا۔ مطیع الدین نے رات کو ہی اپنا سامان وغیرہ باندھ لیا تھا۔ وہ برقائی خان کی جانب سے بھیجے گئے سامان کا معائنہ کرنے کے بعد دوپہر کے وقت سرائے سے نکلنے والے ایک قافلے کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ اس کا بوڑھا باپ حسرت بھری نگاہوں سے قافلے کو جاتے دیکھتا رہا۔ اس قافلے کی منزل سمرقند تھی، جہاں سے اسے عجم کی جانب روانہ ہونا تھا۔ مطیع الدین کی منزل چونکہ قہستان تھی۔ اسے سمرقند سے وادیٔ قاف کی جانب بڑھنا تھا۔ اس لئے وہ قافلے سے الگ ہو کر مختلف لائحہ عمل ترتیب دیتا۔ مطیع الدین خاموشی سے قافلے والوں کے ساتھ سفر کرتا رہا۔ جہاں وہ پڑاؤ ڈالتے، وہ وہیں رُک جاتا۔ مطیع الدین کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ وہ سرائے کی جانب سے زریں ترکستان کی جانب روانہ ہوا تھا۔ اردوئے زریں، صحرائے گوبی اور بالائی ترکستان کے علاقوں میں وہ کئی بار سفر کر چکا تھا۔ یہ تجربہ اس کے لئے نیا تھا۔ وہ تمام راستوں کو ذہن نشین کرتا رہا۔ زیادہ قیاس یہی تھا کہ واپسی پر سرائے کے لئے اگر کوئی قافلہ نہ ملے تو بجائے اس کے وہ انتظار میں وہیں پڑا رہے۔ وہ آسانی سے واپس لوٹ سکے۔

تیسری منزل پر پڑاؤ ڈالنے کے بعد قافلے کے زریں خیل منگول امیر نے مطیع الدین کو باخبر کیا کہ سمرقند اب زیادہ دور نہیں۔ باتوں باتوں میں مطیع الدین نے اس سے وادیٔ قاف کے بارے میں دریافت کیا تو وہ حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔ وادیٔ قاف ایل خانی سلطنت کا حصہ تھی۔ مطیع الدین کی دلچسپی نے اسے شکوک وشبہات میں مبتلا کر دیا۔ مطیع الدین اس کی صورت سے حقیقت بھانپ گیا۔ اس نے باتوں کا رُخ ایسا گھمایا کہ منگول امیر کے دل میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات مٹ گئے۔ مطیع الدین کو اس تجربے سے احساس ہو گیا کہ زریں خیل منگول ایل خانی منگولوں کو اچھا نہیں سمجھتے اور ان کے دل میں ان کے لئے کسی قدر نفرت بھی موجود ہے لہٰذا وہ محتاط ہو گیا۔

سمرقند پہنچ کر اس نے اپنے سامان کی فروخت کے لئے بازار کا رُخ کیا۔ تجارت کے رموز سے وہ زیادہ واقف نہیں تھا۔ اس لئے اسے کئی جگہ پریشانی اٹھانا پڑی۔ اچانک اسے محسوس ہوا کہ کوئی اس پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ اس نے اپنے اردگرد کا باریک بینی سے جائزہ لیا مگر وہ کسی ایسے فرد کو تلاش کرنے میں ناکام رہا

جس پر شبہ کیا جا سکتا کہ وہ اس کی نگرانی کر رہا ہے۔ شام کو جب وہ قافلے کے پڑاؤ میں لوٹا تو قافلے کا امیر اس کے پاس چلا آیا۔ مطیع الدین نے اس کی آمد کا مسکراہٹ سے استقبال کیا۔ اس کا چہرہ کسی الجھن کا شکار دکھائی دے رہا تھا۔ مطیع الدین اس کی کیفیت پر چونک پڑا۔

''میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو اور کس مقصد کے پیشِ نظر قافلے کے ساتھ یہاں آئے ہو؟ مگر یہ بات طے ہے کہ تم تجارت کے معاملے کی ابجد تک نہیں جانتے''۔

''میں سمجھا نہیں تم کیا کہنا چاہتے ہو؟'' مطیع الدین کھٹک گیا۔

''تمہارا چہرہ بول رہا ہے کہ تم میری بات بخوبی سمجھ چکے ہو''۔ وہ گہری نگاہ ڈالتا ہوا بولا۔

''برادرم! تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں تجارت کے لئے ہی اپنے گھر سے یہاں پہنچا ہوں البتہ یہ بات درست ہے کہ مجھے ابھی تجارت کا کوئی خاص تجربہ نہیں ہے، ویسے بھی تجارت کے لئے یہ میری زندگی کا پہلا سفر ہے''۔ مطیع الدین ہنستے ہوئے بولا۔

''مجھے کئی جگہ سے تمہارے انداز و اطوار پر شکایت ملی ہے، اگر تم پہلی بار تجارت کے لئے نکلے تھے تو تمہیں مجھے صاف بتا دینا چاہئے تھا تاکہ میں تمہارے ساتھ کسی غلام کو بھیج دیتا''۔

''میں تمہارے مخلصانہ جذبات کا مشکور ہوں مگر میری فطرت بڑی عجیب ہے۔ میں اوّل تو کسی کام میں ہاتھ نہیں ڈالتا جس کے بارے میں مجھے خاص معلومات حاصل نہ ہوں اور جب ہاتھ ڈال دیتا ہوں تو اس میں فائدہ یا نقصان نہیں دیکھتا''۔ مطیع الدین نے اسے آگاہ کیا۔

''اگر تم واقعی سنجیدگی سے تجارت کرنا چاہتے ہو تو تمہیں اپنے یہ اطوار بدلنا ہوں گے ورنہ ایک دن تم کوئی بڑا نقصان اُٹھاؤ گے''۔ امیر نے سمجھانے کی کوشش کی، اس کے چہرے پر بے یقینی کے تاثرات اب بھی موجود تھے۔ مطیع الدین اس کی بات پر خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر کے بعد امیر دوبارہ بولا۔

''نہ جانے کیوں میرا دل تمہاری جانب سے مطمئن نہیں ہو رہا آج میری دوربین نگاہوں نے جو منظر دیکھا ہے اس پر تمہاری شخصیت مشکوک ہو گئی ہے''۔

''تم بجھارتیں کیوں بجھوا رہے ہو، ایسی کیا بات ہو گئی ہے کہ تم میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔ حالانکہ میں بالکل بے ضرر ہوں''۔ مطیع الدین اس کی بات پر چوکنا دکھائی دینے لگا۔

''خیر چھوڑو! تم آرام کرو''۔ امیر اُٹھتے ہوئے بولا۔

''آرام سے بیٹھ جاؤ!'' مطیع الدین کا لہجہ سرد ہو گیا۔ ''میں نے تمہیں کچھ دیر پہلے باور کرایا تھا کہ میں بڑا ضدی قسم کا آدمی ہوں۔ کسی کام کو ادھورا چھوڑ دینا مجھے بالکل پسند نہیں۔ اگر بات واضح نہیں کرنا چاہتے تھے تو تمہیں اسے خود تک ہی محدود رکھنا چاہئے تھا۔ اب جب بات لبوں تک لا ہی چکے ہو تو اسے مکمل کر کے ہی واپس جاؤ گے''۔

''میرا شک صحیح ہے کہ تم تاجر نہیں، تاجر کے بہروپ میں کوئی خطرناک شخص ہو''۔ وہ سہم کر بولا۔ مطیع الدین اس کی تکرار پر سٹپٹا کر رہ گیا۔

''میں ویسا بالکل نہیں ہوں جیسا کہ تمہارے ذہن میں بس چکا ہے، میں تو صرف یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ تم نے ایسی کیا بات دیکھ لی ہے، جس کے بعد تم مجھے مسلسل مشکوک سمجھنے پر مجبور ہو گئے ہو''۔ مطیع الدین اس بار نرمی سے بولا۔

''میں نے تمہارے اردگرد کچھ مقامی لوگوں کو دیکھا ہے جو مختلف زاویوں سے تمہاری نگرانی کر رہے

تھے''۔ امیر نے انکشاف کیا تو مطیع الدین اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ یہ حقیقت تھی کہ اسے بھی دن کے مختلف اوقات میں اس طرح محسوس ہوا تھا مگر اسے اپنا واہمہ قرار دیتے ہوئے نظر انداز کر چکا تھا۔

''کیا تمہیں پورا یقین ہے کہ وہ لوگ میری ہی نگرانی کر رہے تھے''۔ مطیع الدین نے سوال کیا۔ امیر نے غیر ارادی طور پر اثبات میں اشارہ کیا۔

''اس بارے میں، میں کیا کہہ سکتا ہوں؟'' مطیع الدین نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ ''تم میری تھوڑی سی مدد کرو، میں کل جب بازار جاؤں تو کسی ایسے ایک آدمی کی نشاندہی کر دینا۔ میں اس سے دریافت کروں گا کہ وہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں کیونکہ میں تو پہلی بار سمرقند آیا ہوں''۔

امیر اس کے چہرے کو غور سے دیکھتا رہا۔ کچھ ہی دیر میں اسے یقین آ گیا کہ نگرانی کرنے والوں کے بارے میں سن کر مطیع الدین خاصا حیران و پریشان ہے۔ اس نے بظاہر وعدہ کیا کہ وہ کل کسی ایسے فرد کی نشاندہی ضرور کرے گا۔ کچھ دیر بعد وہ وہاں سے رخصت ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد مطیع الدین کا ذہن تیزی سے متحرک ہو گیا۔ سمرقند میں اس کی نگرانی کرنے والے مقامی لوگ کون ہیں؟ اور انہیں کیونکر ایسی ضرورت محسوس ہوئی۔ ممکن ہے کہ یہ لوگ برقائی خان سے تعلق رکھتے ہوں کیونکہ سمرقند اسی کی سلطنت کا حصہ تھا۔ اس نے اپنے دماغ کو زیادہ استعمال کرنا مناسب نہیں سمجھا اور تمام معاملہ صبح کے لئے چھوڑ کر سکون سے بستر پر لیٹ گیا۔

❁❁❁

جلیب السامی میں موجود بیبرس نے فوراً فیصلہ کر لیا کہ اب معمولی سا توقف بھی مناسب نہیں۔ سلطان الملک المظفر نے جو فیصلہ کیا ہے وہ حالات کے پیش نظر تو مناسب ہو سکتا ہے مگر پیش قدمی ملتوی کر دینے سے سنگین نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ ہلاکو خان کی زندگی کی ڈور نہیں ٹوٹی تھی بلکہ وہ صرف وطن واپس لوٹا تھا، قوی امکان تھا کہ وہ بہت جلد واپس آئے گا۔ ایسے حالات میں از سر نو تیاریاں کرنا خاصا دشوار ثابت ہو سکتا ہے، ممکن ہے کہ ہلاکو خان انہیں اتنی مہلت ہی نہ دیتا۔ تاتاریوں کے ظلم و ستم کے فسانے ابھی تازہ تھے اور لوگ اپنوں کی ہلاکت کا بدلہ لینے کے لئے بے تاب دکھائی دیتے تھے۔ اگر توقف سے کام لیا جاتا تو ان کے جذبات سرد پڑ جاتے اور وہ دنیاداری میں ایسے الجھتے کہ ان کی توجہ دوبارہ جہاد کے لئے مبذول کرانا خاصا مشکل امر بن جاتا۔ بیبرس اپنے کانوں سے سلطان الملک المظفر کا فیصلہ سن چکا تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ اس کے حکم نامے کے موصول ہونے سے پہلے ہی روانہ ہو جاتا۔ اس نے اپنے خاص مملوک ساتھیوں کو اعتماد میں لے کر اپنا ارادہ ان پر ظاہر کیا۔ وہ لوگ پہلے ہی سلطان الملک المظفر سے نالاں تھے۔ انہوں نے بیبرس کی حمایت کرتے ہوئے فوری روانگی کا مشورہ دیا۔ بیبرس کوچ کی تیاری کا حکم تو پہلے سے دے چکا تھا۔ تمام لشکر روانگی کے لئے تیار کھڑا تھا۔ خیمے تک سمیٹ لئے گئے تھے۔ بیبرس نے مملوک امراء کی رائے جاننے کے بعد تساہل سے کام نہیں لیا اور فوری روانگی کا حکم جاری کر دیا۔ 27 شعبان 658ھ کو سہ پہر کے وقت بیبرس اپنی فوجوں سمیت جلیب السامی سے بلادِ فلسطین کے لئے روانہ ہو گیا۔ بیبرس نے تیز رفتاری کا خاص خیال رکھا۔ سلطان الملک المظفر کی جانب سے وہ کسی قسم کا مراسلہ وصول نہیں کرنا چاہتا تھا۔

دوسرے دن سلطان الملک المظفر نے قاصد کو بیبرس کی جانب روانہ کیا تو وہ سیدھا جلیب السامی پہنچا۔ وہاں خالی چٹیل میدان دیکھ کر اس نے تیزی سے واپسی اختیار کی اور سلطان الملک المظفر کو بیبرس کی روانگی کی اطلاع دی۔ سلطان الملک المظفر یہ سن کر گم صم رہ گیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ بیبرس اسے بتائے بغیر ہی روانہ ہو جائے گا۔ اس کے خاص عمائدین نے جو کہ بیبرس سے عناد رکھتے تھے، اسے یہ باور

کرایا کہ بیبرس نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی ہے۔ بیبرس تک بھی ہلاکو خان کی وطن واپسی کی اطلاع پہنچ چکی ہوگی۔ اسے چاہئے تھا کہ وہ آپ سے اس بارے میں اگلا حکم دریافت کرتا مگر حلب کی ولایت کے حصول کے لئے اس نے خود غرضی کا ثبوت دیا ہے۔ اس کا یہ اقدام بلادِ مصر کو بڑے خطرے سے دوچار کر سکتا ہے۔ انہوں نے استدعا کی سلطان الملک المظفر بیبرس کی اس حرکت پر سختی سے سرزنش کرے اور بیبرس کو بغاوت اور سرکشی کے جرم میں کڑی سزا دی جائے۔

سلطان الملک المظفر پہلے ہی بیبرس کی بڑھتی ہوئی قوت سے خائف تھا۔ وہ اپنے عمائدین خاص کی باتوں سے متفق دکھائی دیا۔ اس نے فوراً قاصد کو بیبرس کے پیچھے روانہ کیا۔ اسے ہدایت کی گئی تھی کہ بیبرس سے ملاقات کر کے اُسے فوراً قاہرہ حاضر ہونے کا حکم دے۔ علاوہ ازیں بیبرس کو آگاہ کیا جائے کہ اسے سالاری کے عہدے سے معزول کیا جا چکا ہے اور سلطان الملک المظفر حالات کے پیشِ نظر کسی دوسرے امیر کا انتخاب کر کے اسے اس لشکر پر سالار مقرر کرے گا۔

سلطان الملک المظفر کے ذہن میں ایک نئی کہانی کے تانے بانے جنم لے چکے تھے جس کے تحت وہ بیبرس سمیت ان تمام امراء سے بآسانی پیچھا چھڑا سکتا تھا جو طویل عرصے سے اس کی آنکھ کا کانٹا بنے ہوئے تھے۔

❁❁❁

علاء الدین لولو ایک شام اپنی بہن ملکہ بدر منیر کے پاس پہنچا۔ ہلاکو خان کی واپسی کی خبر اس کے لئے بڑی امید افزا ثابت ہوئی تھی۔ اسے اپنی دیرینہ خواہش پایہ تکمیل تک پہنچتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ بڑے پُر جوش انداز میں ملکہ بدر منیر کے کمرے میں پہنچا۔ ملکہ بدر منیر نے خیریت دریافت کی تو اس نے اپنی خواہش اس پر عیاں کر دی۔

''یہ کیسے ممکن ہے؟'' ملکہ بدر منیر حیرت سے بولی۔ ''تم بخوبی جانتے ہو کہ سلطان بیبرس کو حلب کی ولایت لکھ کر دے چکا ہے۔ وہ اب تمہیں کیسے مل سکتی ہے؟''

''آپ ایک بار بات تو کر کے دیکھئے۔ اس وقت لوہا گرم ہے مجھے قوی امید ہے کہ حلب کی ولایت مجھے منتقل کرنے میں انہیں کوئی عار نہیں ہوگی''۔

''میں کچھ سمجھی نہیں! تم جو کچھ بھی کہنا چاہتے ہو ذرا کھل کر کہو''۔ ملکہ بدر منیر چکرا کر بولی۔

''سلطان محترم نے بیبرس کو حلب کی ولایت صرف اسی شرط پر لکھ کر دی تھی کہ اگر وہ تاتاری لشکر کا مقابلہ کر کے انہیں شکست دے گا تو ہی یہ انعام کی صورت میں اسے ملی گی۔ اب جب کہ ہلاکو خان واپس لوٹ چکا ہے اور تاتاری لشکر سے مقابلے کی ضرورت باقی نہیں رہی تو ایسے حالات میں حلب کی ولایت کسی دوسرے کو دے دینا کوئی خاص بات نہیں''۔ علاء الدین لولو نے وضاحت کی۔ ملکہ بدر منیر کا چہرہ اس کی بات پر کھل اُٹھا۔ علاء الدین لولو نے جب اپنی بہن کی کیفیت دیکھی تو اسے یقین ہونے لگا کہ اب حلب کی ولایت اس سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ ابھی وہ باتیں کر رہے کہ سلطان الملک المظفر بھی وہاں آ پہنچا۔

سلطان الملک المظفر کی صورت دیکھ کر وہ دونوں کھڑے ہو گئے اور تعظیم دی۔ سلطان الملک المظفر نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ انہوں نے اپنی اپنی نشستیں سنبھال لیں۔

''خیریت ہے آپ کے چہرے پر پریشانی کے آثار دکھائی دے رہے ہیں۔'' ملکہ بدر منیر اپنائیت سے بولی۔ علاء الدین لولو بھی چونک کر سلطان کی جانب دیکھنے لگا۔

''مجھے بیبرس کے بارے میں پریشانی لاحق ہے۔ وہ مجھے آگاہ کئے بغیر لشکر بلادِ فلسطین کی جانب لے گیا

ہے''۔سلطان الملک المظفر نے مختصراً کہا۔ یہ سن کران دونوں بہن بھائی کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

''یہ کیسے ممکن ہے؟'' علاء الدین بے یقینی کے عالم میں بولا۔''جب آپ حکم جاری کر چکے تھے کہ اب لشکر کشی کی ضرورت نہیں تو پھر اسے اپنے تئیں اتنا بڑا فیصلہ لینے کا اختیار کس نے دیا تھا''۔

''وہ میرے حکم کے پہنچنے سے پہلے ہی روانہ ہو چکا تھا۔ بہرکیف میں نے اس کے پیچھے قاصد دوڑا دیا ہے''۔سلطان الملک المظفر نے بتایا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ مجھ تک پہنچنے والی خبر صداقت پر مبنی تھی''۔علاء الدین لولو نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا۔سلطان الملک المظفر اس کی بات پر چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''کیسی خبر؟'' سلطان الملک المظفر نے دریافت کیا۔

''جس دن آپ کے پاس ہلاکو خان کی واپسی کی خبر پہنچی تھی، اسی دن مجھے یہ خبر ملی تھی کہ بہرس شاہی دربار میں موجود تھا مگر میں نے اسے محض افواہ سے تعبیر کیا''۔علاء الدین نے بتایا۔

''یعنی تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ بہرس کو معلوم ہو چکا تھا کہ میں نے لشکر کشی کا ارادہ ترک کر دیا ہے اسی لئے وہ میرے حکم کے پہنچنے سے پہلے وہاں سے روانہ ہو گیا''۔سلطان الملک المظفر نے متفکر انداز میں کہا۔علاء الدین لولو نے اس پر صاد کیا۔سلطان الملک المظفر یہ سن کر سوچ میں پڑ گیا۔وہ جس بات کو محض اتفاق سمجھے ہوئے تھا، وہ اسے باقاعدہ سازش دکھائی دی۔اس کے خاص عمائدین نے بھی بہرس کی اس حرکت کو اسی قسم کی سازش سے تعبیر کیا تھا۔

''مجھے بہرس کی بڑھتی ہوئی عسکری قوت دیکھ کر پہلے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اتنی زیادہ طاقت پا کر ضرور سرکشی اختیار کرے گا''۔سلطان الملک المظفر پشیمانی کے عالم میں بولا۔

''سلطان محترم!'' ملکہ بدر منیر لولو بولی۔''آپ دل چھوٹا نہ کیجئے بلکہ فوراً بہرس کے خلاف تادیبی کارروائی عمل میں لائیے''۔

''ایسا ہی کچھ کرنا پڑے گا''۔سلطان الملک المظفر نے مختصراً کہا۔

''اگر سلطان محترم مجھے اس مہم کی ذمہ داری سونپ دیں تو میرے لئے یہ باعث فخر ہوگا''۔علاء الدین لولو نے درخواست کی۔

''اگر تم بہرس کو گرفتار کر کے پابہ زنجیر ہمارے سامنے پیش کر دو تو ہم نے جو کچھ اسے دینے کا وعدہ کیا ہے وہ ہم تمہیں بخش دیں گے''۔سلطان الملک المظفر نے مستحکم لہجے میں کہا۔علاء الدین یہ سن کر مسرت سے پھولے نہ سمایا۔اس کے دل کی مراد اتنی آسانی سے پوری ہو جائے گی، اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔اس نے تعظیم دیتے ہوئے سلطان الملک المظفر کو یقین دہانی کرائی کہ وہ ہر قیمت پر بہرس کو گرفتار کر کے لائے گا۔ سلطان اس کے حلف پر مطمئن دکھائی دینے لگا۔وہ کسی بھی قیمت پر بہرس کو اپنی راہ سے ہٹا دینا چاہتا تھا۔حلب کی ولایت بہرس کی موت کے بدلے میں کوئی زیادہ چیز نہیں تھی۔یہ الگ بات تھی کہ وہ علاء الدین لولو اور ملکہ بدر منیر کی گفتگو کچھ دیر پہلے سن چکا تھا۔

❀❀❀

10 رمضان المبارک 658ھ کو بہرس اپنے ایک لاکھ کے قریب اسلامی لشکر کے ساتھ عین جالوت پہنچ کر کتبغا خان کے مقابل خیمہ زن ہو گیا۔اس کے لشکر میں صرف پچیس ہزار مکمل تربیت یافتہ مملوک سپاہی تھے جبکہ باقی لوگ پوری طرح تربیت یافتہ نہیں تھے۔انہوں نے اپنی خدمات اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے لئے

پیش کر رکھی تھیں۔کتبغا خان کو جب بلادِ مصر کے لشکر جرار کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ ان کی جرأت مندی پر بے حد حیران ہوا۔اس نے ان کی تعداد کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے بعد نہایت مضحکہ خیز انداز میں اسلامی لشکر کا تمسخر اُڑایا۔تاتاری سپاہی اس قدر پُراعتماد دکھائی دیتے تھے کہ وہ اسلامی لشکر کی جانب دیکھ کر بلند آواز میں قہقہے لگاتے اور بڑے فخر سے کہتے کہ بلادِ مصر کا بُرا وقت شروع ہو چکا ہے۔انہوں نے خودکشی کرنے کے لئے اپنی انسانی کھیتی ہمارے سامنے پیش کر دی ہے تاکہ ہم انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر واپس پیش کریں۔

بہرس نے میدانِ جنگ کا مکمل جائزہ لیا اور اسے جنگی لحاظ سے اپنے لئے موزوں پایا۔وہ دو دفعہ بھیس بدل کر کتبغا خان کے تاتاری لشکر میں گیا اور وہاں کی کیفیات کا جائزہ لیتا رہا۔یہ بڑا مشکل مرحلہ تھا لیکن بہرس بے خوف طبیعت کا مالک تھا۔اسے اپنے امور کے سلسلے میں اُڑتی ہوئی خبروں پر یقین نہیں تھا۔تاتاری لشکر کی لاپرواہی دیکھتے ہوئے اس نے اپنی منصوبہ بندی تشکیل دی۔وہ وقت ضائع کرنے کی حالت میں نہیں تھا۔ تاتاری انتظامات سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد اس نے اپنے لشکر میں پُرجوش خطاب کیا۔رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔اسلامی لشکر روزے کی حالت میں تھا۔بہرس نے اس مقدس مہینے کی مناسبت سے مجاہدین اسلام کے جذبات کو اتنا بھڑکایا کہ وہ سرد ھڑ کی بازی لگانے پر تلے دکھائی دیئے۔14 رمضان کو بہرس کے پاس الملک المظفر کا حکم پہنچا کہ وہ فوراً قاہرہ واپس پہنچے اور اسے سالاری کے منصب سے معزول کر دیا گیا ہے۔ بہرس کے لئے یہ بڑا نازک مرحلہ تھا۔اس نے اپنے مملوک ساتھیوں سے مشورہ کیا۔انہوں نے میدانِ جنگ سے ہٹنے کو بزدلی قرار دیتے ہوئے حکم عدولی پر زور دیا۔سلطان الملک المظفر کے قاصد کو گرفتار کر کے قید کر لیا گیا، البتہ اس کے ساتھ عمدہ سلوک روا رکھا گیا۔اسی رات بہرس نے اپنے ساتھیوں سے سر جوڑ کر حالات کے پیشِ نظر فوری فیصلے کئے۔اس نے تاتاری لشکر کی خامیوں اور کمزوریوں کا نقشہ جب ان کے سامنے کھینچا تو وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔بہرس نے اس نشست میں یہ طے کر لیا تھا کہ ہونے والی صبح کو معرکہ کا آغاز ہو جائے گا۔وہ بھرپور انداز میں تاتاری لشکر پر ضرب لگانا چاہتا تھا۔بہرس نے مملوک امرا کے ساتھ قلب، میمنہ اور میسرہ کے علم برداروں کا بھی تعین کر لیا۔ایک کے بعد دوسرے کا نام مقرر کیا گیا۔بہرس نے خود کو ہراول دستے میں رکھا تھا جو کہ تمام حصوں میں ضرورت پڑنے پر بھرپور انداز میں مدد کرتا رہے گا۔

❀❀❀

گل وقوڑ اس قید خانے کی زندگی سے تنگ آ چکی تھی۔ایک طویل عرصہ بیت چکا تھا مگر اسے آج تک یہ معلوم نہیں ہو پایا کہ آخر شیخ کبیر الدین اس سے کیا چاہتا ہے؟ اگر وہ اسے واقعی اپنی شریک حیات بنانے کا خواہش مند تھا تو وہ کون سی وجہ تھی جو اسے اس قدر تاخیر سے کام لینے پر مجبور کئے ہوئے تھی۔وہ اس عالیشان قید خانے میں بالکل بے یار و مددگار تھی، شیخ کبیر الدین کلی اختیار رکھتا تھا کہ اپنے ہر ارادے کو عملی جامہ پہنا سکتا۔ عالم تنہائی میں وہ عالی شان محل نما کمرہ گل وقوڑ کو کسی عذاب خانے سے کم نہیں دکھائی دیتا تھا۔جہاں اُسے کوئی جسمانی اذیت تو نہیں پہنچائی جا رہی تھی مگر ذہنی طور پر مسلسل پریشان کیا جا رہا تھا۔روزانہ وقت پر اسے بیدار کیا جاتا۔کھانے کی طشت پیش کی جاتی اور پھر صرف خالی برتن لینے کے لئے ہی کوئی آتا۔یہ سلسلہ مخصوص باقاعدگی کے ساتھ جاری تھا۔روزانہ گل وقوڑ پرانی یادوں کے محور میں اُتر جاتی اور حالات کی بکھری کڑیاں ملانے کی سعی کیا کرتی۔قید خانے کی پژمردہ زندگی نے اس کے ذہن کے پردوں سے ماضی کے کئی نقوش مٹا ڈالے۔اپنوں کے چہرے دھندلے پڑ چکے تھے۔سرائے کی گلیاں اور بازار بھی آہستہ آہستہ اس کے دماغ سے محو ہو رہے تھے۔

یہ کیسی زندگی تھی.....؟ وہ کبھی کبھی اکتا کر چیختی چلاتی مگر اس کے جذبات کا بپھرا ہوا یہ طوفان کمرے کے در و دیوار سے سر پٹختا اور پھر موت کی خاموشی کی آغوش میں اتر کر اس کا حصہ بن جاتا۔

شیخ کبیر الدین کی صورت بھی گل وتو ژ کو عرصہ سے نہیں دکھائی دی۔ کبھی تو اسے یوں لگتا کہ جیسے وہ اسے یہاں پھینک کر بھول چکا ہے۔ گل وتو ژ کبھی کبھی حساب کتاب لگانے کی کوشش کرتی کہ اسے یہاں پڑے ہوئے کتنا عرصہ بیت چکا ہے مگر وہ خود میں اُلجھ کر رہ جاتی۔

گل وتو ژ نے کئی بار کھانا لانے والے غلاموں سے بات چیت کرنے کی کوشش کی مگر وہ کچھ ایسے پکے تھے کہ گل وتو ژ کی چیخ و پکار کا ان کی صحت پر کچھ اثر نہیں ہوتا تھا۔ وہ شاید کھانے کی طشت رکھنے اور جھوٹے برتن لے جانے کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں جانتے تھے۔ کبھی تو یوں لگتا کہ جیسے وہ بہرے اور گونگے لوگ ہیں۔ گل وتو ژ نے ان کی آنکھوں میں کئی بار ڈھول جھونکنے کی کوشش کی مگر وہ بھی بلا کے ہوشیار تھے، گل وتو ژ کے ہر پینترے کو ناکام بنا دیتے۔ کبھی کبھار گل وتو ژ احتجاجاً کھانا ویسے کا ویسا پڑا رہنے دیتی۔ خالی برتن لینے کے لئے آنے والا غلام طشت میں دیکھنے کی کوشش بھی نہ کرتا کہ کھانا ویسا ہی پڑا ہے۔ وہ اطمینان سے طشت اُٹھاتا اور خاموشی سے واپس لوٹ جاتا۔ ایک آدھ مرتبہ گل وتو ژ نے کھانا واپس لے جانے والے کو روک کر کھانا واپس رکھنے کے لئے کہا۔ وہ اسی بہانے سے اس کا منہ کھلوانا چاہتی تھی مگر غلام نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے اپنی راہ لی۔ ساری رات گل وتو ژ بھوک کی شدت سے نڈھال رہی۔ گل وتو ژ اپنا ہر حربہ آزما چکی تھی مگر اسے اپنی رہائی کی کوئی صورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ بالآخر اس نے کافی سوچ وبچار کے بعد یہ فیصلہ کر لیا کہ اس خوفناک زندگی سے بہتر ہے کہ وہ شیخ کبیر الدین کی بات مان لے۔ کم از کم اسے باہر کی فضا میں جینے کا موقعہ تو ملے گا اور اس بند کمرے کی گھٹن سے تو نجات ملے گی۔

اُس دن جب غلام کمرے میں داخل ہوا تو وہ خاموش بیٹھی رہی۔ غلام نے اس کے پُرسکون چہرے پر اچٹتی نگاہ ڈالی اور کمرے کے وسط میں پڑی ہوئی تپائی پر کھانے کی طشت رکھ دی۔ وہ جب واپس لوٹنے لگا تو گل وتو ژ کھنکار کر تیز آواز میں مخاطب ہوئی۔

''سنو میں جانتی ہوں کہ تم آج بھی حسب سابق میری بات کا کوئی جواب نہیں دو گے لیکن میں صرف اتنا کہنا چاہتی ہوں تم میرا پیغام شیخ کبیر تک پہنچا دو''۔

غلام اس کی بات پر ٹھٹک کر رُک گیا اور پلٹ کر سرخ آنکھوں سے گھورتے ہوئے کھا جانے والے لہجے میں بولا۔ ''لڑکی! اپنی زبان کو قابو میں رکھو، اگر دوبارہ آقا کا پاک نام ایسی بدتمیزی سے لیا تو اپنی زندگی سے ہمیشہ کے لئے ہاتھ دھو بیٹھو گی''۔ اس کا لہجہ اتنا خونخوار تھا کہ گل وتو ژ کو ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر سرایت کرتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''میں نہیں جانتی کہ تمہارے آقا کی حیثیت کیا ہے؟ مگر تم اسے جا کر کہہ دو کہ گل وتو ژ کو اس کی ہر شرط منظور ہے''۔ وہ سنبھل کر مضبوط لہجے میں بولی۔

''لڑکی! میرے آقا کو اب تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہے۔ تم شکر ادا کرو کہ ابھی تک تمہاری عصمت داغدار نہیں ہوئی ورنہ میرا آقا تو تم جیسی قیدی لڑکیوں کو صرف ایک غلام کے حوالے نہیں کرتا بلکہ دس بیس غلاموں میں بانٹ دیتا ہے اور وہ ان کی ''شجاعت و مردانگی'' کا شکار ہو کر قبر میں اتر جاتی ہیں''۔

گل وتو ژ اس کی بات سن کر سہم سی گئی۔ وہ خوفزدہ نگاہوں سے غلام کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اس میں شک نہیں تھا کہ شیخ کبیر ایسا ویسا کچھ کر گذرتا تو اُسے روکنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اور کچھ

بولتی، وہ غلام مڑ کر تیز قدموں سے واپس باہر نکل گیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ وہ کسی غلام سے بات کرنے میں کامیاب ہوئی تھی مگر اس کی بات ادھوری تھی۔ وہ شیخ کبیر کو کسی طرح اپنے پاس بلوانا چاہتی تھی مگر غلام کے تیور کچھ اور کہہ رہے تھے۔

❀ ❀ ❀

اگلی صبح مطیع الدین یہ جان کر بھونچکا رہ گیا کہ اس کے ساتھ آنے والا قافلہ نماز فجر کی ادائیگی کے فوراً بعد عجلت میں وہاں سے روانہ ہو چکا ہے۔ رات کو امیر قافلہ اس سے وعدہ کر کے گیا تھا کہ صبح وہ ان چہروں کی نشاندہی کرے گا جو گذشتہ روز اس کی پُراسرار انداز میں نگرانی کرتے رہے ہیں مگر یہاں تو کایا ہی پلٹ گئی تھی۔ وہ قافلے کی عجلت میں روانگی کے بارے میں سوچنے لگا۔ آخر ایسی کون سی وجہ درپیش تھی کہ امیر قافلہ نے یوں چوروں کی طرح فرار ہونے پر ترجیح دی۔ بہرحال اس معاملے کے پیچھے کچھ نہ کچھ تو ضرور موجود تھا۔ مطیع الدین نے سرائے کے مالک سے بھی سوال جواب کیے مگر وہ بھی کوئی خاص وضاحت نہ کر پایا۔ مطیع الدین ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر یونہی بے مقصد بازار کی جانب نکل گیا۔ وہ ان چہروں کی تلاش میں گھومنے لگا جو اس کے تعاقب میں رہتے تھے۔ اس کے ذہن میں یہ سوال ہنوز باقی تھا کہ اس کی نگرانی و تعاقب کا کیا مقصد ہو سکتا تھا؟ وہ یہی معلوم کرنے کی غرض سے آوارہ گردی کرتا رہا۔ تجارت سے اُسے کچھ خاص دلچسپی نہیں تھی، ورنہ وہ مال لئے تاجروں کے پاس بیٹھا دکھائی دیتا۔ وہ سمرقند کے مختلف بازاروں میں بلا مقصد گھومتا رہا مگر اُسے کوئی ایسی خاص بات نظر نہیں آئی جس پر وہ چونک جاتا۔

جب سورج آگ برسانے لگا تو مطیع الدین ایک قہوہ خانے کی جانب بڑھ گیا۔ دوپہر ہو چکی تھی مگر مطیع الدین کو اپنی مہم میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ وہ تھکے ہوئے انداز میں قہوہ خانے کی سیڑھیاں چڑھ کر بالائی منزل پر پہنچ گیا۔ بالائی منزل کی بالکونی میں بیٹھنے کا خاص انتظام موجود تھا۔ لوگ موسم کی تیزی کے باعث ایسی بالکونیوں میں بیٹھ کر کچھ وقت گذارتے تھے۔ یہاں ہوا کے لطیف جھونکے گرمی کے اثر کو کسی حد تک کم کر دیتے۔ مطیع الدین خاموشی سے ایک جانب بیٹھ گیا۔ قریب ہی کچھ دوسرے لوگ بھی موجود تھے جنہوں نے مطیع الدین پر ایک نظر ڈالی اور پھر اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ ایک خادم اس کی جانب بڑھا اور تپائی پر پانی کی صراحی اور مٹی کا پیالہ رکھتے ہوئے مزید دریافت کیا۔ مطیع الدین نے اسے قہوہ لانے کی ہدایت کی۔

کچھ دیر بعد قہوہ اس کے سامنے آ گیا۔ وہ قہوے کی چسکیاں لینے لگا۔ اس کا ذہن پوری طرح متحرک تھا۔ وہ اپنے گرد و جوار میں موجود لوگوں کو کنکھیوں سے دیکھتا رہا۔ قہوہ خانے میں بیٹھے اسے کافی دیر گذر گئی۔ کئی لوگ وہاں سے اُٹھ کر چلے گئے اور کئی نئے چہروں نے ان کی جگہ نشست سنبھال لی۔ مطیع الدین نے کچھ دیر بعد خادم کو کچھ کھانے کے لئے لانے کے لئے کہا۔ قہوہ خانے میں بیٹھے سہ پہر ہو چکی تھی۔ مطیع الدین کھانا آنے پر اس میں مصروف ہو گیا۔

اچانک اس کو اپنے قریب آہٹ سی محسوس ہوئی۔ اس نے تیزی سے سر اُٹھا کر دیکھا تو سامنے ایک سیاہ پوش شخص دکھائی دیا۔ اس کا چہرہ سیاہ عمامے میں چھپ کر رہ گیا تھا البتہ لٹکتی ہوئی کھچڑی داڑھی کسی قدر دکھائی دے رہی تھی۔ مطیع الدین نے مستفسرانہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

''کیا میں یہاں کچھ دیر کے لئے بیٹھ سکتا ہوں؟''

اس کی بھاری بھرکم آواز مطیع الدین کے کانوں میں پڑی۔ مطیع الدین نے بل بھر کے لئے کچھ سوچا اور پھر اثبات میں گردن ہلا دی۔ نووارد اپنا لباس سمیٹتا ہوا اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ مطیع الدین نے اُسے کھانے کی

پیشکش کی تو اس نے صرف قہوہ پینے کی خواہش کا اظہار کیا۔ مطیع الدین نے خادم کو اس کے لئے قہوہ لانے کی ہدایت کی۔ مطیع الدین نے نو وارد کے چہرے کے خدوخال دیکھنے کی کوشش کی مگر وہ اپنی کوشش میں ناکام رہا۔ نو وارد نے اپنا چہرہ کچھ ایسے انداز میں چھپا رکھا تھا کہ عمامے کے پلّو کافی آگے تک بڑھ چکے تھے۔ مطیع الدین اس کے پُراسرار انداز پر یقین ہو گیا کہ یقیناً یہ شخص اسی گروہ سے تعلق رکھتا ہے جو اس کی غیر محسوس انداز میں نگرانی کر رہے ہیں۔ مطیع الدین نے کھانا کھانے کے دوران اس سے کوئی بات نہیں کی اور نہ ہی نو وارد نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی۔ جب مطیع الدین کھانے سے فارغ ہو کر ہاتھ دھو کر مڑا تو نو وارد اسے قہوے کی چسکیاں لیتا ہوا دکھائی دیا۔ مطیع الدین نے فوراً فیصلہ کیا کہ اسے خود ہی سلسلہ کلام بڑھانا چاہئے۔

''برادرم! یہ آپ نے عمامے کو اتنا کیوں پھیلا رکھا ہے، ذرا چہرے کو ہوا لگنے دیں، گرمی خاصی زیادہ ہے''۔

''تمہیں میرا چہرہ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے، میں جانتا ہوں کہ تم میرے بارے میں شک و شبے کا شکار ہو''۔ نو وارد اطمینان بھرے لہجے میں بولا۔

''تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، بھلا مجھے کیا پڑی ہے کہ میں تمہارے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا ہوں؟'' مطیع الدین نے ہنستے ہوئے کہا۔

''مجھے بنانے کی کوشش مت کرو۔ بہرحال اب ہمیں کام کی بات کی طرف آ جانا چاہئے''۔

''کیسا کام......؟'' مطیع الدین اس کی بات پر اُلجھن کا شکار دکھائی دیا۔

''یقیناً تمہیں یہ یاد نہیں رہا! ہماری پہلے بھی ایک ملاقات ہو چکی ہے ورنہ تم اتنی حیرت کا اظہار نہ کرتے''۔ نو وارد قہوے کی خالی پیالی تپائی پر رکھتے ہوئے بولا۔

''مجھ سے اگر تم یونہی حیران کرنے والی باتیں کرتے رہے تو غالب امکان ہے کہ یہاں سے نکلنے کے بعد میں یہ سوچنے لگوں کہ سمرقند کا والی تو میں ہی ہوں اور یہ بات مجھے معلوم نہیں؟''

''مجھے تمہاری بات پر ہنسی نہیں آئے گی کیونکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم اس وقت اپنے اندرونی انتشار و اضمحلال پر قابو پانے میں مصروف ہو۔ یہ کسی حد تک اچھی عادت ہے''۔

''میرا خیال ہے کہ تمہیں کام کی بات کی جانب آ جانا چاہئے''۔ مطیع الدین کو اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ جو کوئی بھی ہے نہایت گھاگ اور ذہین آدمی ہے۔

''میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ میں نے سرائے میں تمہیں ہدایت کی تھی کہ تم میری چیز واپس کر دو تم اسے قبضے میں رکھ کر کوئی فائدہ نہیں حاصل کر سکتے''۔ نو وارد نے سرد لہجے میں کہا۔

''کک......کک......کون سی چیز......؟'' مطیع الدین غیر متوقع جملے پر گڑبڑا گیا۔ اس کے وہم و گمان میں نہیں تھا کہ یہ وہی سیاہ پوش ہو گا جو اسے جل دے کر فرار ہو گیا تھا۔

''تم حواس کھو رہے ہو، خود پر قابو رکھو اور اطمینان سے میری بات کا جواب دو کہ میری چیز کی واپسی کے بارے میں تمہارا کیا ارادہ ہے؟'' نو وارد نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

''تم جو کوئی بھی ہو نہایت احمق اور فضول شخص ہو''۔ مطیع الدین سنبھل کر تیز لہجے میں بولا۔ ''تمہاری سمجھ میں یہ کیوں نہیں آتا کہ جب تک مجھے اس چیز کے بارے میں نہیں بتاؤ گے جو میرے پاس ہے، میں بھلا کیسے تمہیں جواب دے سکتا ہوں۔ میرے پاس جانے کتنے لوگوں کی چیزیں ہوں گی''۔

''مجھے چکمہ دینے کی کوشش نہ کرو...... اگر تم اس چیز کے بارے میں واقعی کچھ نہیں جانتے ہوتے تو

یہاں کیا لینے آتے؟'' وہ دھیمی آواز میں غراتے ہوئے بولا۔

''تم اگر صاف لفظوں میں اپنا مدعا بیان کر سکتے ہو تو بہتر ہے ورنہ میرے پاس تم جیسے بے کار لوگوں کے لئے ذرا سا بھی وقت نہیں''۔ مطیع الدین نے بے زاری کا اظہار کیا۔

''تم اچھی طرح سوچ لو میں پھر آؤں گا''۔ وہ اجنبی اُٹھتے ہوئے بولا۔

''جانے سے پہلے میری بات غور سے سن لو۔ تم آج پھر بات کو نامکمل چھوڑ کر جا رہے ہو، میں تمہاری کسی ایسی چیز کے بارے میں نہیں جانتا جو میرے پاس ہو اور یہ سن لو کہ اگر تم آئندہ یہ بیہودہ سوال لئے میرے سامنے دوبارہ آئے تو اچھا نہیں ہوگا......'' مطیع الدین نے اسے متنبہ کیا۔

''یہ تو وقت بتائے گا کہ کس کے لئے اچھا ہے اور کس کے لئے برا......!'' نو وارد نے سپاٹ لہجے میں کہا اور دھیمے قدموں سے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔ مطیع الدین اُلجھے ہوئے انداز میں اس کی جانب دیکھ رہا تھا پھر اس نے سرعت سے ادائیگی کی رقم گن کر تپائی پر رکھی اور خادم کو اشارہ کرتے ہوئے اجنبی کے پیچھے لپکا۔ وہ آج اس پُراسرار راز کی ساری گرہیں کھول دینا چاہتا تھا۔

❁❁❁

بیبرس نے عین جالوت کے میدان میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد اس علاقے کے محل وقوع کا بغور جائزہ لیا۔ عین جالوت کے قریب ارضِ فلسطین کا تاریخی شہر ناصرہ موجود تھا۔ جہاں سے تاتاری لشکر کو رسد مل سکتی تھی۔ اگر ناگہانی حالات کا شکار ہو کر تاتاری لشکر پسپائی اختیار کرے تو وہ بآسانی ناصرہ کی مضبوط فصیل کی پناہ حاصل کر سکتا تھا۔ تاتاری لشکر میں موجود حلیف نصرانی اور مسلمان قوت پر بیبرس کی خاص نظر تھی۔ نصرانی لشکروں میں نمایاں صلیبی جنگجو تھے جو کہ نائٹ، ہاسپٹلرز اور ٹیمپلرز کہلاتے تھے۔ اس کے علاوہ ارمنی نصرانیوں کی بڑی تعداد بھی موجود تھی، جبکہ مسلمان حلیفوں میں گرجستان کا لشکر نمایاں تھا۔ بیبرس ان کی مجموعی تعداد کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنے کے لئے بہروپ بدل کر خود تاتاری لشکر میں پہنچ گیا۔ تاتاری اور نصرانی منصوبہ بندی اور کئی مفید معلومات حاصل کرنے کے بعد وہ رات کی تاریکی میں اپنے لشکر میں لوٹ آیا۔ تاتاری لشکر اسلامی لشکر سے قریباً ڈیڑھ گنا زیادہ تھا۔

کتبغا خان نے شاہ فرانس لوئی نہم اور شاہ یروشلم فریڈرک ثانی سے کمک بھیجنے کی استدعا کی تھی۔ شاہ فرانس لوئی نہم ساتویں صلیبی جنگ میں مسلمانوں سے ذلت آمیز شکست کھا کر ایک طویل عرصے سے فلسطینی شہر عکہ میں قیام پذیر تھا۔ وہ ذلت آمیز ناکامی کا بوجھ لے کر فرانس واپس نہیں لوٹنا چاہتا تھا۔ وہ کسی ایسے موقعے کی تلاش میں تھا کہ جب مسلمان کمزور دکھائی دیں اور وہ ارضِ مقدس پر قابض ہو جائے۔ اس کی خاموشی کی ایک وجہ ہلاکو خان بھی تھا۔ ہلاکو خان نصرانیت کے لئے جو خدمات انجام دے رہا تھا وہ نصرانیت کے لئے اجرِ عظیم سے کم نہیں تھیں۔ وہ خود سامنے آ کر ہلاکو خان کو یہ احساس نہیں دلانا چاہتا تھا کہ وہ بھی ایک بڑی سلطنت کا حکمران ہے۔ ممکن تھا کہ ہلاکو خان اُس کی بڑائی برداشت نہ کرتا اور کوئی ایسا اقدام اُٹھاتا جو کہ اس کے لئے مناسب نہ ہوتا۔ شاہ یروشلم فریڈرک ثانی بھی اسی قطار میں شامل تھا۔ مجاہد ایوبی شہزادوں سے شکست کھا کر یروشلم کا اقتدار کھو چکا تھا۔ وہ بھی یہی آس لگائے عکہ میں مقیم تھا کہ کب حالات پلٹیں تو وہ اپنی کھوئی ہوئی ریاست کا اقتدار واپس حاصل کر سکے۔ شاہ فریڈرک ثانی وہ نصرانی حکمران تھا جس نے ایوبی فرمانرواؤں کی ذاتی رنجش اور چپقلش کا فائدہ اُٹھا کر خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر ارضِ مقدس پر مکمل تسلط حاصل کیا تھا۔

بیبرس پوری ہوشمندی سے حالات پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ اس نے سب سے پہلے ناصرہ کی جانب

بڑھنے والے راستوں پر عسکری دستے تعینات کئے، جنہیں ہدایت کی گئی تھی کہ وہ تاتاری لشکر کو کسی بھی صورت میں ناصرہ میں داخل نہ ہونے دیں۔ دوسرا قدم یہ اُٹھایا گیا کہ متوقع کمک کی راہ پر بھی گہری نظر رکھی گئی۔ اس نے عین جالوت کے چاروں جانب اپنے دستوں کا جال یوں پھیلایا کہ باہر سے پہنچنے والی رسد و کمک کی راہ بند ہو جائے تاکہ تاتاری کمک پا کر پُر جوش نہ ہو سکیں۔ تیسرا حربہ سابقہ عسکری انداز میں کیا گیا۔ میدان کے کچھ گوشوں میں عسکری تربیت یافتہ مملوک دستوں کو اس انداز سے چھپا دیا گیا کہ وہ آسانی سے دکھائی نہ دیں۔ انہیں ہدایت کی گئی کہ جب تاتاری لشکر ان کے حصار میں پہنچ جائے تو وہ مخصوص بگل کی آواز پر میدان میں اتر آئیں۔ بیبرس نے ہراول دستوں میں اُن پُر جوش رضا کار مجاہدین کو شامل کیا جو دل و جان سے اللہ کی راہ میں اپنی زندگیوں کے نذرانے پیش کرنے آئے تھے۔ بیبرس کے ساتھی مملوک امرا نے ہراول دستوں میں ایسے سپاہیوں کا تقرر نامناسب قرار دیا مگر بیبرس نے ان کی ڈھارس بندھائی اور کہا کہ وہ یہی چاہتا ہے کہ تاتاری سپاہی اسلامی لشکر کو نامکمل تربیت یافتہ اور غیر موزوں قیاس کریں، ایسے میں وہ لاپروائی کا شکار ہو جائیں گے اور جنگ کو کھیل میں تبدیل کر لیں گے، اس طرح ان کی بے فکری کا فائدہ ہمیں حاصل ہوگا۔ مملوک امرا بیبرس کی حکمت عملی سے مطمئن نہیں تھے مگر وہ حالات کی نزاکت کے پیش نظر خاموش رہے۔ انہیں ہر حال میں یہ جنگ جیتنا تھی۔ سلطان الملک المظفر نے انہیں اپنی راہ سے ہٹانے کی جو تدبیر اختیار کی تھی، اُسے ناکام بنانے کا عزم بھی ان میں موجود تھا۔

بروز جمعہ 15 رمضان المبارک 658ھ کو بیبرس نے جنگ کا نقارہ بجایا اور اپنی صفوں کو میدان میں درست کرنے میں مصروف ہو گیا۔ مسلمان اپنے طاقتور حریف کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔ بیبرس نے جنگ سے قبل اسلامی لشکر کے سامنے ایمان افروز تقریر کی۔ اس نے رمضان المبارک میں جہاد کی فضیلت بیان کرتے ہوئے کہا:

''مسلمانو! تم بڑے خوش نصیب ہو کہ تمہیں اس مقدس مہینے میں اپنی جان کا نذرانہ اپنے پروردگار کو پیش کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ رمضان المبارک میں جہاد کرنا افضل ترین عبادت میں شمار ہوتا ہے۔ مجاہدو! جو اس میدان میں شہادت پائے گا وہ اس مقدس مہینے کی بدولت جنت کا حقدار ٹھہرے گا اور جو غازی رہے گا اللہ تعالیٰ اُسے فتح و نصرت کا مژدہ سنائے گا''۔

بیبرس کے ایمان افروز جملوں نے اسلامی لشکر میں کٹ مرنے کا جوش بھر دیا۔ وہ مقابلے کے آغاز کا بے تابی سے انتظار کرنے لگے۔ ہر سو اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ دوسری طرف کتبغا خان اتنی جلدی طبل جنگ بجائے جانے پر حیرت کا شکار تھا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ اسلامی لشکر جنگ کے لئے اتنی عجلت کا مظاہرہ کرے گا۔ اس نے حقیرانہ انداز میں مسلمانوں کو صفیں سیدھی کرتے ہوئے دیکھا اور اپنے سالاروں کو بھی میدان میں لشکر اتارنے کا حکم دیا۔

تاتاری سپاہی اسلامی لشکر کے مقابل پہنچ کر اسے خونخوار نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ اسلامی لشکر میں موجود مجاہدین کا رویہ بھی ان سے کچھ مختلف نہیں تھا۔ بیبرس نے اسلامی لشکر طویل انداز میں میدان میں پھیلا دیا تاکہ تاتاری ان کے مقابلے میں بکھر جائیں۔ جنگ کے آغاز سے قبل اپنے سے دوگنا بڑا تاتاری لشکر دیکھ کر مجاہدین کسی قدر مرعوب دکھائی دیئے۔ بیبرس ان کے پریشان چہروں کو دیکھ کر کمزوری بھانپ گیا۔ اس نے ولولہ انگیز انداز میں غزوۂ بدر کی مثال دیتے ہوئے ان کی ہمت و جرأت بڑھائی اور پھر دونوں لشکر ایک دوسرے سے متصادم ہو گئے۔

جوشیلے رضا کار مجاہدین نے شوقِ شہادت میں ایسی شجاعت و مردانگی کا مظاہرہ کیا کہ بیبرس خود بھی دنگ رہ گیا۔ بیبرس جنہیں نامکمل تربیت یافتہ سپاہی سمجھ رہا تھا، وہ تجربہ کار سپاہیوں سے کسی بھی طرح کم نہیں تھے۔ مسلمانوں کا پہلا حملہ اتنا زوردار تھا کہ تاتاریوں کے قدم اُکھڑنے لگے۔ کتبغا خان اس انہونی صورتِ حال سے جہاں متحیر تھا وہیں اس نے اپنے تجربہ کار سالاروں کو تیزی سے بڑھ کر بگڑتی صفوں کو سنبھالنے کی ہدایت کی۔ سالاروں نے آگے بڑھ کر تاتاری لشکر میں پھیلی ابتری کو ختم کرتے ہوئے انہیں دوبارہ منظم انداز میں بڑھایا تو مسلمانوں کے قدم ڈولنے لگے۔ بیبرس ہراول دستوں میں موجود رہ کر مختلف مقامات سے تاتاریوں کو نقصان پہنچاتا رہا۔ مجاہدین نے جب اپنے سالار اعظم کو اپنے ساتھ یوں پُر جوش پایا تو ان کے حوصلے بلند ہونے لگے۔ مملوک امرا پچھلے دستوں میں موجود تھے۔ بیبرس نے انہیں سختی سے ہدایت کی تھی وہ اشارہ ملنے سے پہلے جنگ میں ہرگز حصہ نہ لیں۔

بیبرس نے جب اسلامی لشکر کو تاتاریوں کے نرغے میں دیکھا تو اس نے منظم انداز میں پسپائی اختیار کرنے کا اشارہ کیا۔ مجاہدین اشارہ پا کر منظم انداز میں پیچھے ہٹنے لگے۔ اسلامی لشکر کی پسپائی دیکھ کر کتبغا خان کے ساتھ ساتھ ہر تاتاری سپاہی کا چہرہ کھل اُٹھا۔ وہ زیادہ جوشیلے انداز میں آگے بڑھنے لگے۔ کتبغا خان تاتاری ہراول دستوں کی پیش قدمی کے ساتھ ساتھ دائیں اور بائیں بازو کے دستوں کو بڑھاتا رہا وہ اسلامی لشکر کی کسی بھی جنگی چال سے نبٹنے کے لئے پوری طرح تیار تھا۔ اس نے سالاروں کو ہدایت کی کہ وہ پھیل کر اسلامی لشکر کو حصار میں لے لیں۔ سالاروں نے حکم پا کر تیزی سے اسلامی لشکر کے گرد پھیلنا شروع کر دیا۔ بیبرس نے اسی خدشے کے پیش نظر سپاہیوں کو زیادہ پھیلایا تھا کہ انہیں حصار میں لینے کی کوشش میں تاتاریوں کو اصلی مرکز سے دور ہٹنا پڑے۔ بیبرس اسی وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ جونہی تاتاری دستے حصار کے لئے کافی بکھر گئے اور ان کا حصار کسی حد تک مکمل ہونے لگا تو بیبرس نے مخصوص بگل بجانے کا اشارہ کیا۔ بگل بجتے ہی گھاتوں میں چھپے ہوئے مملوک دستے فلک شگاف آواز میں نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے باہر نکلے اور تاتاری لشکر کو گھیرے میں لے لیا۔ وہ بری طرح تاتاریوں پر ٹوٹ پڑے۔

کتبغا خان یہ نئی صورتِ حال دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ اس نے تاتاری سالاروں سے کہا کہ وہ کسی بھی صورت میں تاتاری لشکر کے گرد حصار نہ بننے دیں بلکہ وہ لشکر کو دو پاٹوں میں جدا کر لیں۔ تاتاری لشکر نئے حکم پر یوں تقسیم ہوا جیسے پانی اپنی جگہ سے الگ ہوتا ہے۔ ایک حصہ نرغے میں لئے ہوئے اسلامی لشکر سے نبرد آزما تھا تو دوسرا حصہ اندرونی حصہ سے الگ ہو کر مملوک سپاہیوں کی جانب بڑھ گیا۔ کچھ ہی دیر میں تاتاریوں پر یہ حقیقت کھل گئی کہ تازہ دم مملوک دستے مخصوص تربیت کے حامل سپاہی ہیں اور ان سے نبٹنا آسان مرحلہ نہیں ہے۔

عین جالوت کے میدان میں گھمسان کا رن جاری تھا۔ دونوں طرف سے تابڑ توڑ حملوں کا سلسلہ اتنی تیزی اختیار کر گیا کہ ارض و سماء کانپنے لگا۔ بیبرس اس معرکے میں اپنی حیرت انگیز عسکری صلاحیتوں کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ ساتھی مملوک امرا و سالار بھی بیبرس کے انداز پر داد دیئے بنا نہ رہ پائے۔ بیبرس نے آغاز میں ہی اپنے لشکر کو طویل انداز میں پھیلا دیا تھا جس کی وجہ سے تاتاری لشکر کو انہیں مکمل طور پر گھیرنے میں مشکل پیش آ رہی تھی۔ بیبرس مختلف حصوں میں گھوڑا دوڑاتا ہوا پہنچ جاتا اور اپنے سپاہیوں کو جم کر لڑنے سے روکتا۔ بیبرس نے انہیں ہدایت کرتا کہ وہ جم کر لڑنے کے بجائے اس انداز میں لڑیں کہ تاتاری ان کے پیچھے بھاگ بھاگ کر تکان اور کوفت کا شکار ہو جائیں۔ کبھی بیبرس کسی حصے کو پسپائی اختیار کرنے کی ہدایت کرتا تو کبھی کسی حصے کو پیش

قدی کا حکم سناتا۔ اسلامی لشکر بیبرس کی متضاد ہدایات پر کسی قدر پریشان بھی ہوا تھا مگر اس نے کسی بھی مرحلے پر اپنے امیر کی اطاعت سے روگردانی نہیں کی۔

تربیت یافتہ مملوک جانبازوں نے ایسی دلاوری کا مظاہرہ کیا کہ میدان جنگ تاتاری لاشوں سے بھرنے لگا۔ رضاکار مجاہدین بھی مملوک سپاہیوں سے کچھ کم نہیں دکھائی دے رہے تھے انہوں نے اپنی جرأت و شجاعت کے ایسے رنگ بکھیرے کہ تاتاریوں پر ہیبت طاری ہونے لگی۔ یہ بیبرس کا ہی کمال تھا کہ اس نے عام نوجوانوں کو معمولی سی تربیت دے کر ایسا نڈر اور جوشیلا بنا ڈالا تھا کہ وہ اب تاتاریوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے خوفی سے لڑ رہے تھے۔

کتبغا خان کے لئے یہ امر باعثِ حیرت تھا۔ وہ مسلمانوں کے کئی لشکروں کو شکست فاش دے چکا تھا اور کئی نامی گرامی سلطان اس کی قیادت میں تاتاری قوت کی مدد سے رُند چکے تھے۔ وہ خود بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ یہ لشکر مسلمانوں کا ہرگز نہیں ہوسکتا کیونکہ اسے آج تک مسلمانوں کی کم ہمتی اور بزدلی سے ہی پالا پڑا تھا۔ وہ احتیاط و تدبیر سے کام لیتے ہوئے مسلسل دفاعی جنگ لڑنے پر مجبور ہو گیا۔ بیبرس کی مخصوص عسکری چال میں تاتاری لشکر بری طرح پھنس چکا تھا۔ اسے صاف دکھائی دے رہا تھا کہ اب تاتاری لشکر کو ہزیمت سے نہیں بچایا جا سکتا۔ اس نے اپنے سالاروں کو ہدایت کی کہ وہ پسپائی اختیار کرتے ہوئے کسی بھی طرح تاتاری دستوں کو اسلامی لشکر کے نرغے سے نکال لے جائیں۔ کتبغا خان کی یہ ہدایت منگول سالاروں کو تو سمجھ آگئی مگر حلیف صلیبی جنگجوؤں پر اس کا برا اثر پڑا۔ انہوں نے اسے فرار سے تعبیر کیا۔ جنگ کا نقشہ صلیبی حلیفوں کی سمجھ میں بخوبی آنے لگا۔ انہوں نے منظم انداز میں پسپائی اختیار کرنے کے بجائے فرار کی راہ اختیار کرنے کی کوشش کی۔ ان کی اس کوشش نے تاتاری لشکر کی صفوں میں زبردست انتشار پیدا کر دیا۔ کتبغا خان نصرانی حلیفوں کی نادان حرکت پر پریشان ہو گیا، مجاہدین نے صلیبی مفروروں کے باعث پیدا ہو جانے والے انتشار سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور تاتاری سپاہیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنے لگے۔ تاتاری اپنے حلیف مفروروں کے درمیان اُلجھنے لگے۔

کتبغا خان غیر متوقع صورتِ حال پر بری طرح بوکھلا اُٹھا۔ اس نے غصیلے لہجے میں صلیبی حلیفوں کو تنبیہ کی مگر دیر ہو چکی تھی۔ جتنی دیر میں وہ سنبھلتے، اسلامی لشکر جارحانہ انداز میں تاتاریوں پر ٹوٹ پڑا۔ بیبرس نے اس موقعے سے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ اسلامی لشکر کے تند و تیز حملوں نے مختصر وقت میں تاتاری لشکر کے پرخچے اُڑا کر رکھ دیئے۔ گرجستانی اور ارمنی پیدل دستوں کو مملوک جانبازوں نے بری طرح روند کر رکھ دیا۔ دوپہر ڈھلتے ہی جنگ فیصلہ کن مرحلے کی جانب بڑھ گئی۔ بیبرس کی حکمت عملی رنگ لائی اور ایک دن کی مختصر جنگ میں تاتاریوں کو شکست فاش ہوئی۔ تاتاری لشکر میں موجود تمام علم گرا دیئے گئے۔

مجاہدین اسلام نے وحشی اور سفاک تاتاریوں سے اپنے عزیزوں کی ہلاکت کا بھرپور بدلہ لیا۔ ڈیڑھ لاکھ کے قریب تاتاری لشکر کو نیست و نابود کر دیا گیا۔ کتبغا خان کو اہم عمائدین کے ہمراہ زندہ گرفتار کر لیا گیا۔ تاتاریوں کی عین جالوت میں شکست سے مسلمانوں کے دلوں پر چھائی ہوئی تاتاری ہیبت پر مہلک ضرب لگی تھی۔ پچھلے چالیس برس سے فتح و کامرانی سے ہمکنار ہونے والے تاتاری امرا کو اپنی شکست پر گہرا تعجب تھا۔ کتبغا خان گرفتار ہونے کے بعد اپنے امرا سے مسلسل یہی کہتا دکھائی دیا کہ جاودانی آسمان کی قسم! اس لشکر کا ارضِ انسانی سے تعلق نہیں...... یہ ضرور کوئی آسمانی لشکر ہے۔

بیبرس جنگ کے فیصلے پر بے حد مسرور اور پُراعتماد دکھائی دیا۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ جو

تاتاری ہتھیار پھینک دے اسے نقصان نہ پہنچایا جائے بلکہ اس کی مشکیں کس دی جائیں۔ اہم تاتاری سالاروں کی گرفتاری کے بارے میں اس نے یہ حکم دیا کہ انہیں پابہ زنجیر اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ مملوک دستے مالِ غنیمت کی جانب متوجہ نہ ہوں یہ کام رضاکار مجاہدین کو ہی کرنے دیا جائے۔ ایک مملوک امیر نے گرفتار تاتاری سالاروں کے بارے میں دریافت کیا تو بیبرس نے صاف لفظوں میں کہا کہ ان کے بارے میں روزہ افطار کرنے کے بعد فیصلہ کیا جائے گا۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین تیزی سے سیڑھیاں اتر کر قہوہ خانے سے باہر نکلا۔ اس کی عقابی نگاہیں اُس اجنبی سیاہ پوش کی تلاش میں بھٹکنے لگیں۔ سورج ڈھلنے کے باعث بازار میں چہل پہل بڑھ گئی تھی۔ اچانک اسے وہ سیاہ پوش تیزی سے ایک طرف بڑھتا ہوا دکھائی دیا۔ مطیع الدین نے اس کا تعاقب جاری رکھا۔ وہ سیاہ پوش لاپروائی سے چلتا رہا۔ مطیع الدین پوری احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ وہ اسے آج کسی صورت میں کھونا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے ذہن میں کئی سوال موجود تھے جن کے جواب اسے تشنہ کئے ہوئے تھے۔ آخر وہ کیا چیز تھی؟ جسے طلب کرنے کے لئے وہ سیاہ پوش سرائے سے اس کا تعاقب کرتے ہوئے سمرقند تک پہنچ گیا تھا۔

اچانک چلتے ہوئے مطیع الدین کو یہ احساس ہوا کہ کوئی نادیدہ نگاہ اس پر جمی ہوئی ہے۔ جانے کیوں یہ احساس گہرا ہوتا گیا کہ کوئی نہ کوئی اس کے تعاقب میں چل رہا ہے۔ اس نے اپنے دائیں بائیں کے لوگوں کے چہروں پر نظر ڈالی مگر ان میں کوئی ایسی صورت دکھائی نہیں دی جس کے بارے میں اسے شک گذرتا۔ وہ ذہری پریشانی کا شکار تھا۔ اگر وہ رُک کر اس نادیدہ نگاہ کی تلاش کی کوشش کرتا تو وہ سیاہ پوش اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا اور اگر وہ سیاہ پوش کی جانب متوجہ رہتا تو اس شخص کو تلاش نہیں کر سکتا تھا جو اس کی نگرانی پر مامور تھا۔ اس نے تیزی سے فیصلہ کیا کہ اسے فی الوقت سیاہ پوش پر اپنی توجہ مرکوز رکھنا چاہئے کیونکہ وہ اس کے سامنے تھا اور نگرانی کرنے والا کسی دوسرے وقت اس کے سامنے آسکتا ہے۔ اگر سیاہ پوش گم ہو گیا تو وہ اس کی حقیقت کو کیسے جان پائے گا؟

اچانک سیاہ پوش نے مڑ کر پیچھے کی جانب دیکھا۔ مطیع الدین اس کی غیر متوقع حرکت پر بوکھلا سا گیا۔ اس نے تیزی سے اپنے سامنے والے شخص کی آڑ لیتے ہوئے خود کو چھپایا۔ سیاہ پوش نے اپنے پیچھے آنے والوں پر سرسری نگاہ ڈالی اور اطمینان ہونے پر آگے بڑھ گیا۔ مطیع الدین اس کی نظروں سے بچ جانے پر کسی قدر مطمئن ہو گیا۔

وہ سیاہ پوش گنجان آبادی والے حصے میں پہنچ چکا تھا۔ یہاں اس کے کھو جانے کا امکان قوی تھا۔ مطیع الدین نے اپنے اندیشے کے پیشِ نظر درمیانی فاصلہ مزید کم کر دیا۔ سیاہ پوش کے انداز سے بے فکری جھلک رہی تھی۔ وہ دھیمی چال چلتے ہوئے ایک گلی میں داخل ہو گیا۔ مطیع الدین گلی کی نکڑ پر ٹھہر کر اوٹ میں چھپ کر دیکھنے لگا۔ وہ کوئی بند گلی معلوم ہوتی تھی۔ سیاہ پوش کچھ دور جا کر ایک دروازے کے سامنے ٹھہر گیا۔ اس نے گلی کے دہانے کی جانب ایک نگاہ ڈالی۔ مطیع الدین تیزی سے پیچھے ہٹ گیا۔ لمحہ بھر کے بعد مطیع الدین نے دوبارہ گلی میں جھانکا تو اسے وہ سیاہ پوش دروازے میں داخل ہوتا ہوا دکھائی دیا۔ اس کا پھڑ پھڑاتا لباس پل بھر میں اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ مطیع الدین گلی کی نکڑ پر کھڑا یہ سوچ رہا تھا کہ اسے اب کیا کرنا چاہئے؟ مطیع الدین سیاہ پوش کی پناہ گاہ تک تو پہنچ گیا تھا مگر آگے کی کوئی راہ سوجھ نہیں رہی تھی۔ مطیع الدین ٹہلتے ہوئے انداز میں گلی میں داخل ہوا۔ وہ اس مکان پر ایک نظر ڈالنا چاہتا تھا۔ چلتے چلتے وہ مکان کے بالکل

قریب پہنچ گیا۔ لکڑی کا بھاری بھرکم دروازہ اُسے دکھائی دیا جہاں کچھ دیر پہلے سیاہ پوش داخل ہوا تھا۔ اس نے مکان کی دیواروں پر نگاہ ڈالی جو کہ کافی بلند تھیں۔ گھوم پھر کر اس نے اچھی طرح جائزہ لیا مگر اسے اس گھر میں داخل ہونے کا کوئی دوسرا راستہ دکھائی نہیں دیا۔ اچانک ایک خیال اس کے ذہن میں کوندا کہ کیوں نہ بازار میں سے اس گھر کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کی جائیں۔ کوئی نہ کوئی تو ضرور اس گھر کے بارے میں جانتا ہو گا۔ وہ دھیمے انداز میں چلتا ہوا گلی کی نکڑ پر پہنچا۔

بازار میں داخل ہوتے ہی مطیع الدین نے چاروں جانب نگاہ ڈالی اور کسی ایسے شخص کو تلاش کرنے لگا جو اس کے مقصد پر پورا اتر سکتا۔ اس کی نگاہ ایک عمر رسیدہ باریش شخص پر پڑی جو کچھ فاصلے پر تسبیحوں اور نگینوں کی دکان سجائے بیٹھا تھا۔ مطیع الدین کو وہ کسی قدر موزوں محسوس ہوا۔ مطیع الدین کے قدموں میں حرکت پیدا ہوئی۔ وہ آہستگی سے چلتا ہوا اس کی جانب بڑھ رہا تھا کہ اچانک اسے اپنے کندھے پر کسی قدر دباؤ محسوس ہوا۔ وہ تیزی سے مڑا۔ وہ ایک نوجوان تھا جس کے چہرے پر داڑھی مونچھ کے روئیں نمایاں دکھائی دے رہے تھے۔ مطیع الدین نے اُلجھے ہوئے انداز میں اس کی جانب دیکھا۔ اس نوجوان کا ہاتھ مطیع الدین کے کندھے پر ابھی تک دباؤ ڈالے ہوئے تھا۔

''کیا بات ہے؟'' مطیع الدین نے نرمی سے دریافت کیا۔

''تمہیں اس گھر کے بارے میں کچھ معلوم کرنا ہے شاید.....؟'' اس نوجوان نے پُراسرار انداز میں کہا۔ مطیع الدین نوجوان کے غیر متوقع جواب پر ششدر رہ گیا۔ اس کے دل و دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ مطیع الدین سوچ رہا تھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ ہر موڑ پر اسے لگاتار عجیب اور پریشان کن حالات سے پالا پڑ رہا ہے۔

❀❀❀

الملک المظفر کی رضامندی پا کر علاء الدین لولو کا چہرہ مسرت سے سرشار ہو گیا۔ وہ جلد از جلد ارضِ فلسطین پہنچ کر بیبرس پر قابو پانے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں کئی منصوبوں کے تانے بانے تشکیل پا رہے تھے۔ دوسری صبح اس نے سلطان الملک المظفر سے نامہ شاہی حاصل کیا جس میں بیبرس کی منصب سالاری سے معزولی کا حکم سلطانی مہر کے ساتھ تحریر تھا۔ نامہ پاتے ہی وہ قاہرہ سے نکلا اور تیز رفتاری سے ارضِ فلسطین کی جانب بڑھ گیا۔ وہ ولایت حلب کے حصول کے لئے دیوانہ ہو چکا تھا، اس کے ذہن میں پنپنے والی خواہش کی تکمیل کے جوش نے اس کے جسم میں جیسے شرارے بھر دیئے۔ وہ ہوا سے باتیں کرتا ہوا عصر کے وقت عین جالوت جا پہنچا۔ وہاں پہنچ کر جو منظر اس کی آنکھوں نے دیکھا وہ اس کے لئے بے حد تعجب انگیز تھا۔ تاتاریوں کی کئی پھٹی لاشوں سے اَٹا ہوا میدان بیبرس کی فتح کا چیخ چیخ کر اعلان کر رہا تھا۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بیبرس جیسا معمولی سالار تاتاریوں کا ایسا بھیانک حشر کر سکتا ہے۔ میدان جنگ کی حالتِ زار دیکھنے کے بعد علاء الدین لولو بیبرس کی شخصیت سے خاصا مرعوب دکھائی دینے لگا۔ مملوک دستے چوکس انداز میں پہرہ دے رہے تھے جبکہ مجاہدین مالِ غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف تھے۔ اس نے ایک سپاہی سے بیبرس کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ وہ اپنے خیمے میں موجود ہے۔ مختلف سپاہیوں کی رہنمائی میں علاء الدین لولو بیبرس کے خیمے تک جا پہنچا۔ بیبرس خیمے میں اپنے ساتھی مملوک امرا کے ہمراہ موجود تھا۔ علاء الدین کی صورت دیکھتے ہی وہ سب لوگ سمجھ گئے کہ وہ کیا پیغام لایا ہوگا؟ علاء الدین نے آگے بڑھ کر سب سے مصافحہ کیا اور انہیں فتح پر مبارکباد دی۔

''کہو علاء الدین! اچانک آمد کی ضرورت کیوں پیش آئی؟'' ایک مملوک امیر نے پوچھا۔

''میں سلطان الملک المظفر کا حکم لے کر آیا ہوں''۔ علاء الدین لولو مختصراً بولا۔

''کیسا حکم؟'' بیبرس نے حیرت کا اظہار کیا۔

''سلطان الملک المظفر نے بیبرس کی پیش قدمی کے اقدام کو بلادِ مصر کے تحفظ کے لئے سخت خطرہ اور معاہدہ کی خلاف ورزی قرار دیا ہے۔ جب بیبرس پر یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ وہ تاتاری لشکر سے جان بوجھ کر مبارزت نہیں کرے گا تو اس نے ارضِ فلسطین کی جانب کیوں کوچ کیا؟ لہٰذا بیبرس کو سرکشی اختیار کرنے کے باعث منصب سالاری سے معزول کر دیا گیا ہے اور مجھے بیبرس کو پابہ زنجیر دربار میں پیش کرنے کا حکم دیا ہے''۔ علاء الدین جھجکتے ہوئے بولا۔

''تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ بیبرس نے بلادِ مصر کے لئے کیا خدمت انجام دی ہے۔ تاتاریوں کو شکست فاش دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ ہم اپنے سالار کی ایسی بے حرمتی برداشت نہیں کریں گے''۔ ایک مملوک امیر تنک کر بولا۔

''مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم سب لوگ دربارِ سلطانی کے اطاعت گذار ہیں اور احکامات سلطانی کی بجا آوری ہمارا فرض ہے''۔ علاء الدین نے یہ الفاظ چبا کر ادا کئے۔

''ہم سب سلطان الملک المظفر کے اس حکم کی پوشیدہ وجہ اچھی طرح جانتے ہیں! وہ بیبرس کے اس کارنامے کا اعزاز خود حاصل کرنے کا متمنی ہے۔ دربار میں بیٹھ کر ایسے اعزاز حاصل نہیں ہوا کرتے۔ ان کے لئے میدانِ جنگ میں اتر کر جوانمردی کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔ سلطان کو سمجھ لینا چاہئے کہ اب ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، جب ہم لوگوں نے قیادت کے لئے اسے دعوت دی تھی تو اس نے کمال مکاری سے اپنا پہلو بچا لیا اور ہم لوگوں کو آگے کیا تاکہ اگر شکست ہو تو سلطان کا دامن صاف رہے اور ہم اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور اگر فتح نصیب ہو تو ہمیں سرکشی اور بغاوت جیسے گھٹیا الزامات میں ملوث کر کے اپنی راہ سے ہٹا دیا جائے''۔ ایک مملوک امیر تلخی سے بولا۔

''تمہیں منہ کھولنے سے پہلے اپنی بات تول لینا چاہئے تھی، تم شاید اس حقیقت سے غافل ہو چکے ہو کہ سلطان الملک المظفر بلادِ مصر کا منتخب حکمران ہے۔ اس کے پاس طاقت اور اختیار ہے، وہ چاہے تو مملوک دستوں کو تمہاری سرکوبی کے لئے روانہ کر کے تمہارا نام و نشان مٹا ڈالے۔ بغاوت اور حکم عدولی کر کے اپنی جانوں کو خطرے سے دوچار مت کرو''۔ علاء الدین بگڑ کر بولا۔

''تم ہمیں دھمکانے کی کوشش مت کرو علاء الدین! ورنہ اچھا نہیں ہوگا''۔ ایک مملوک امیر ہتھے سے اکھڑتا ہوا بولا۔

''جاؤ! اپنے سلطان سے کہہ دو کہ ہم سب تہہ دل سے بیبرس کے محافظ ہیں اور سلطان الملک المظفر کو موسیٰ بن نصیر کی کہانی کو دوہرانے نہیں دیں گے۔'' ایک مملوک امیر نے کہا۔

بیبرس نے اپنے ساتھیوں کو پُرسکون رہنے کا اشارہ کیا اور خود علاء الدین کی جانب متوجہ ہوا۔

''علاء الدین! مجھے سلطانی حکم کا بے حد احترام ہے مگر حالات اس قدر مخدوش جہت اختیار کر چکے ہیں کہ وقت کا تقاضا یہی ہے کہ جس کام کا آغاز کیا جا چکا ہے اسے پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ ایسا کرنا بلادِ مصر اور مسلمانوں دونوں کے مفاد میں ہے۔ ابھی کچھ ایسے اقدامات اُٹھانا باقی ہیں کہ ہلاکو خان کی واپسی پر تاتاری خطرے کے تدارک کا بھرپور انتظام کیا جائے''۔

''بہرس! میں تمہاری بات سے پوری طرح متفق ہوں مگر میں سلطانی حکم کے آگے کیا کر سکتا ہوں؟'' علاءالدین لولو نے پینترا بدلتے ہوئے کہا۔

''تم واپس جاؤ! سلطان الملک المنظفر کو سب سے پہلے تاتاریوں کی شکست کی نوید سناؤ اور اس کے بعد میری جانب سے معذرت پیش کرو کہ میں سلطان کو مطلع کئے بغیر روانہ ہونے پر بے حد نادم ہوں اور استدعا کرتا ہوں کہ وہ اپنی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حکم پر نظرثانی فرمائیں۔ میں ہمیشہ ریاست کا فرمانبردار رہا ہوں اور آئندہ بھی وفادار رہنے کا حلف اُٹھاتا ہوں۔ سلطان محترم نے جس فرض کا بوجھ میرے کندھوں پر ڈالا تھا میں نے بحکم باری تعالیٰ اس کی بجا آوری میں کسی کوتاہی سے کام نہیں لیا اور اب میں بلادِ شام کی جانب بڑھ رہا ہوں تاکہ انہیں تاتاری آفت سے پاک کر کے سلطان محترم کی ریاست میں شامل کر کے ان کی سلطنت کا دائرہ وسیع کر سکوں''۔

''میرا ایں واپس لوٹنا ممکن ہے کہ سلطان کو ناگوار گذرے''۔ علاءالدین نے مختصراً کہا۔

''تمہاری فصاحت و بلاغت کس دن کام آئے گی''۔ بہرس ہنس کر بولا۔

علاءالدین، بہرس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ اس کا ذہن تیز رفتاری سے نئی صورتِ حال کا جائزہ لینے لگا۔ اگر وہ کسی حربے سے بہرس کو قاہرہ ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو بھی گیا تو عین ممکن تھا کہ تاتاریوں کی شکست کی خبر سن کر سلطان الملک المنظفر کا سارا غصہ دھرا رہ جاتا اور وہ بہرس کی سرکشی کو نظرانداز کر دیتا۔ ایسی صورت میں حلب کی ولایت تو اس کے ہاتھ سے نکل جاتی لہٰذا اس نے فوراً فیصلہ کر لیا کہ وہ حلب کی ولایت دوسرے طریقے سے بھی حاصل کر سکتا ہے۔

''میں اس معاملے میں تمہاری مدد کرنے کو تیار ہوں، میں اپنی پوری کوشش کروں گا کہ سلطان الملک المنظفر کے ذہن پر چھائی ہوئی غلط فہمی کو رفع کر دوں مگر میری ایک شرط ہے''۔

''کیسی شرط؟'' بہرس اس کی بات پر دنگ رہ گیا۔

''سلطان الملک المنظفر نے حلب کی ولایت تمہیں دینے کا وعدہ کیا تھا اگر وہ تم مجھے بخش دو تو میں تمہیں بجائے سلطانی سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دوں گا''۔ علاءالدین کی شرط سن کر بہرس سمیت تمام مملوک امرا اپنی جگہ متحیر رہ گئے۔ بہرس کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر گہری سانس لے کر گویا ہوا۔

''علاءالدین! تمہیں شاید میرے بارے میں اندازہ لگانے میں غلط فہمی ہوئی ہے، میں حلب کی ولایت کا کبھی حریص نہیں تھا۔ اگر میں نے حلب کی ولایت پر اصرار کیا تھا تو اس کے پیچھے کسی کی ہدایت کارفرما تھی، اور میں اب بخوبی سمجھ سکتا ہوں کہ اس ہدایت کے پیچھے کیا راز تھا؟ تم بے فکر رہو، میں حلب کی ولایت کا حق تمہیں تفویض کر دوں گا۔ تم سلطان الملک المنظفر کے پاس جاؤ اور اپنا کام مکمل کرو۔ میں تمہارے پیچھے ہی تاتاری قیدی اور مالِ غنیمت روانہ کر رہا ہوں''۔

''مجھے تم پر بھروسہ ہے کہ تم جو کہتے ہو کر گذرتے ہو مگر.....!''

''تمہیں کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں۔ میرا دل صرف مسلمانوں کے لئے دھڑکتا ہے، اگر میں نے سلطان کی حکم عدولی کی تو اس کے پیچھے بھی یہی جذبہ کارفرما تھا۔ میں عالم اسلام کے ہر اُس دشمن کو مٹا دینا چاہتا ہوں جو اپنے دل میں ناپاک عزائم چھپائے ہوئے ہے اور لگاتار مسلمانوں کی بیخ کنی میں مصروف ہے''۔ بہرس نے ٹھوس لہجے میں اُسے یقین دہانی کرائی۔

علاءالدین لولو ولایت حلب اپنے ہاتھ میں دیکھ کر بے حد مسرور دکھائی دیا۔ اس نے اسلامی لشکر میں رہ

کر روزہ افطار کیا اور مغرب کی نماز کی ادائیگی کے بعد قاہرہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ وہ جلد از جلد قاہرہ پہنچ کر تاتاریوں کی شکست کی خوشخبری سلطان الملک المنظفر کو سنانا چاہتا تھا۔ علاءالدین کی روانگی پر بہرس کے ساتھی مملوک امرا نے اس پر حقارت بھری نگاہ ڈالی اور اسے خود غرض، حریص اور کمینہ قرار دیا گیا۔

❀❀❀

اگلے دن تاتاری سالارِ اعظم کتبغا خان کو اس کے ساتھیوں کے ساتھ بہرس کے سامنے پیش کیا گیا۔ تاتاری قیدیوں کو مالِ غنیمت سے ملنے والی بیڑیاں پہنائی گئیں۔ ان بیڑیوں کا بوجھ کئی نامور فرزندانِ اسلام نے اُٹھایا تھا جن میں عباسی خلافت کا ولی عہد محمد ابوبکر بھی شامل تھا۔ کتبغا خان نے یہ کبھی گمان نہیں کیا تھا کہ ایک دن یہی بیڑیاں اس کے جسم کی زینت بنیں گی۔ کتبغا خان کے ساتھ تاتاری ریاست کے کئی مسلمان حلیف بھی گرفتار کئے گئے تھے۔ ان کے بارے میں بہرس نے صاف الفاظ میں ہدایت کی تھی کہ یہ لوگ عالم اسلام پر ڈھائی جانے والی قیامت میں برابر کے شریک کار ہیں لہٰذا انہیں بغیر کسی مہلت کے تہ تیغ کر دیا جائے۔ کتبغا خان کو جب بیڑیوں میں بہرس کے پاس لایا گیا تو اس کی گردن تکبر سے اکڑی ہوئی تھی اور چہرے سے حقارت ٹپک رہی تھی۔ بہرس کی نظر جب اس پر پڑی تو اس کے چہرے کی رگیں تن سی گئیں۔ وہ کتبغا خان کی درندگی اور مظالم سے بخوبی واقف ہو چکا تھا۔ نصرانیت کی حمایت میں کتبغا خان تمام انسانی حدود پار کر چکا تھا۔ وہ اکڑی گردن سے یوں کھڑا رہا جیسے اسے بہرس کی کوئی پرواہ نہیں اور نہ ہی اسے اپنی شکست پر کوئی ندامت ہے۔

''تاتاری سالار! اتنا تو تم جانتے ہو کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جانے والا ہے؟'' بہرس نے دریافت کیا۔

''میں جانتا ہوں کہ تم پہلے سلطانوں کی مانند صلہ رحمی کا مظاہرہ کر کے مجھے متاثر کرنا چاہتے ہو، مگر میں تمہاری صلہ رحمی کے مقابلے میں موت کو ترجیح دوں گا کیونکہ میں یسوع مسیح کا سچا پیروکار ہوں اور مقدس صلیب کی عظمت کی بحالی کے لئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے ہمیشہ کے لئے سرخرو ہو جاؤں گا''۔ کتبغا خان متکبرانہ لہجے میں بولا۔

''تمہارا اندازہ غلط ہے کتبغا خان!'' بہرس دھیمے لہجے میں مسکرا کر بولا۔ ''میں نے تمہارے جرائم کی پاداش میں موت کی سزا تجویز کی ہے، ایک ایسی دردناک موت، جس کا ذائقہ چکھتے ہوئے تمہیں جلد ہی یہ احساس ہو جائے کہ موت کس چیز کا نام ہے؟ اور یہ جب طاری ہوتی ہے تو انسان اس کے سامنے کیسے بے بسی کی تصویر بن کر رہ جاتا ہے؟''

''مسلمان سالار!'' کتبغا خان حقارت سے ہنستا ہوا بولا۔ ''تم شاید یہ نہیں جانتے کہ ہم لوگ ساری زندگی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گذارتے ہیں۔ بچپن سے لے کر آخری سانس تک موت سے کھیلتے رہنا ہمارا مرغوب مشغلہ ہے''۔

''لیکن جو موت میں نے تمہارے لئے تجویز کی ہے اس کے بارے میں تم کچھ نہیں جانتے۔ تم نے صرف موت کا نام سنا ہے، اسے قریب سے محسوس نہیں کیا''۔ بہرس نے اپنے سپاہیوں کی جانب دیکھا اور انہیں ہدایت کی۔ ''تم میں سے کوئی ایسا سامنے آئے جو ایک ہی جھٹکے سے موت کے حریص اس تاتاری کا بایاں بازو کندھے سے نکال دے''۔

سپاہیوں میں ایک قوی ہیکل جوان آگے بڑھا اور اس نے کتبغا خان پر نفرت انگیز نگاہ ڈالتے ہوئے

ایسے جھٹکے دیئے کہ کتبغا خان کا بازو پہلو میں جھولنے لگا۔ درد کی تیز لہر کتبغا خان کے جسم میں دوڑنے لگی۔ اس نے کمال ضبط کا مظاہرہ کیا اور منہ سے آہ تک نہیں نکالی البتہ اس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں چمکنے لگیں۔ بھرس نے کچھ دیر بعد کتبغا خان کا دوسرا بازو بھی نکلوا دیا۔ اس کے دونوں بازو جھول رہے تھے۔ اس کے بعد بھرس نے دوسرا حکم دیا کہ دو سپاہی تلوار کے دستے سے اس کے کندھوں پر ضربیں لگائیں۔ ضربوں کا سلسلہ جب شروع ہوا تو کتبغا خان کے صبر و برداشت کی حد ٹوٹ گئی۔ اس کے منہ سے ہلکی ہلکی کراہیں نکلنے لگیں۔ کچھ دیر تک یہ سلسلہ جاری رکھا گیا۔ مملوک امرا خاموشی سے بیٹھے بھرس کی کارروائی دیکھتے رہے۔

بھرس نے مختلف حربوں سے کتبغا خان کے مضبوط چہرے کو وحشت زدہ بنا ڈالا تھا۔ اسے جب لایا گیا تھا تو وہ بے حد پُر اعتماد دکھائی دے رہا تھا مگر اب اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار نمایاں تھے۔ اس نے ساری توانائی مجتمع کی اور بھرس کی جانب دیکھتے ہوئے کانپتی آواز سے بولا۔

''سالار! کیا ہوا کہ مسلمانوں نے میدان جیت لیا، کیا منگولوں کی گھوڑیوں نے بچے جننا چھوڑ دیئے ہیں یا ان کی عورتیں بانجھ ہوگئی ہیں؟ مجھے فخر ہے کہ میں مرد میدان کی موت مردں گا لیکن یہ یاد رکھو کہ میرے مرنے کے بعد تم لوگوں کو سکون کی نیند چند دن تک ہی میسر آئے گی۔ منگول شہ سوار واپس لوٹیں گے اور تم لوگوں سے ضرور ایسا بدلہ لیں گے کہ تمہاری عورتیں بچے جننا بھول جائیں گی اور تمہاری زمین تمہارے خون سے آلودہ ہو جائے گی۔ میں منگولوں کے گھوڑوں کی ٹاپیں سن رہا ہوں جو بلادِ مصر کو روندنے کے لئے بے قراری سے مچل رہے ہیں''۔

''کتبغا خاں!'' بھرس نے اس کی بات پر تحمل سے جواب دیا۔ ''اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں، تم لوگوں کی فطرت ہی کچھ ایسی ہے کہ بے بسی کے عالم میں بھی ڈینگیں مارتے ہو تاکہ دشمن کے دل پر تمہاری ہیبت اور رعب چھا جائے۔ میرا نام بھی بھرس ہے اور میں دشت کا بیٹا ہوں، تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں''۔

کتبغا خان خاموش رہا البتہ نفرت کی چنگاریاں اس کی آنکھوں سے پھوٹتی رہیں۔ بھرس نے حکم دیا کہ اسے لے جاؤ اور اس کا سر قلم کر کے مال غنیمت کے ساتھ قاہرہ بھجوا دو تاکہ وہ پناہ گزین مسلمان اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ میں نے ان کے اپنوں کے قاتلوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے..... اور اس کے تمام رفقاء کو بابجولاں قافلے کے ساتھ روانہ کرو۔ ان کے بارے میں سلطان الملک المظفر خود فیصلہ کریں گے۔

ان تاتاری قیدیوں میں کئی معزز سردار اور کتبغا خان کا جواں بیٹا بھی شامل تھا۔ بھرس کو تاتاریوں کے ڈھائے جانے والے لرزہ خیز مظالم پر انتقام و غصہ تھا کہ اس نے ذرا سا بھی اکڑنے یا تکبر کا مظاہرہ کرنے والے تاتاریوں کے ہاتھ پاؤں تڑوا ڈالے۔

عین جالوت کے میدان میں بھرس نے تاتاریوں کو پہلی فیصلہ کن شکست سے دوچار کیا تھا۔ نصف صدی سے ناقابل تسخیر رہنے والے تاتاری بھرس کی حکمت عملی کے سامنے زیادہ دیر ٹھہر نہ سکے اور صرف ایک دن میں ہی معرکہ کا فیصلہ ہوگیا۔ اس معرکے کا شمار تاریخ کی فیصلہ کن جنگوں میں ہوتا ہے۔ تبصرہ نگار لکھتے ہیں کہ اگر خدانخواستہ اس لڑائی میں مسلمانوں کو شکست ہو جاتی تو پوری دنیا میں ان کے لئے کوئی جائے پناہ باقی نہیں تھی۔ ہر طرف دشمنان اسلام منہ کھولے بیٹھے تھے۔ مسلمانوں کی تہذیب و تمدن اور تاریخ و ثقافت بالکل برباد ہو جاتی۔ بغداد کے بعد علم کا سرچشمہ قاہرہ تھا جہاں علمی ذخیروں کے انبار موجود تھے۔ بغداد کے علمی ذخیرے تو دریائے دجلہ و فرات میں بہا کر ضائع کر دیئے گئے تھے اور قرطبہ کے اسلامی علمی خزانوں پر نصرانی قابض ہو چکے تھے۔

تاتاریوں کی شکست کی خبر جنگل کی آگ کی طرح ارضِ فلسطین میں پھیل گئی۔ جب عکہ میں شاہ فرانس لوئی نہم کو یہ اطلاع ملی تو وہ دیوانہ سا دکھائی دیا اور شاہ فریڈرک ثانی تاسف سے ہاتھ ملتا رہا۔ نصرانیوں نے اس خبر پر سوگ منایا اور اپنے بہادر اور مضبوط سپاہی کتبغا خان کو سیاہ لباس پہن کر خراجِ عقیدت پیش کیا۔ نصرانی اس کی خدمتِ نصرانیت پر کافی عرصہ تک اس کے حق میں صدائیں بلند کرتے رہے۔

❀ ❀ ❀

علاء الدین لولو تیز رفتاری سے سفر کرتا ہوا دوپہر کے وقت واپس قاہرہ پہنچا۔ اس وقت سلطان الملک المظفر اپنے شاہی دربار میں موجود رہتا تھا اسی لئے وہ سیدھا دربار شاہی چلا آیا۔ سلطان الملک المظفر کی نظر جب اس پر پڑی تو اس کے چہرے پر حیرت سی دکھائی دی کیونکہ وہ اکیلا ہی لوٹا تھا جبکہ وہ یہ وعدہ کر کے گیا تھا کہ وہ ہر قیمت پر بھرس کو دربار میں پیش کرے گا۔ علاء الدین لولو کا چہرہ گرد و دھول سے اٹا پڑا تھا۔ کئی درباری امرا نے اس کے حلیے پر ناگواری سے نگاہ ڈالی اور ناک بھوں چڑھائی۔ علاء الدین لولو نے آگے بڑھ کر تعظیم دی۔

''علاء الدین! تمہیں جس مقصد کے لئے بھیجا گیا تھا اس میں کامیابی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے؟''

''سلطان محترم!'' علاء الدین بولا۔ ''میں وہاں دیر سے پہنچا، میرے پہنچنے سے پہلے ہی اسلامی لشکر تاتاریوں سے بھڑ چکا تھا اور حالات ایسے نہیں تھے کہ میں اپنا فرض نبھا پاتا''۔

''کیا مطلب؟ ہمارے لشکر کو خدانخواستہ..... شکست ہوگئی ہے؟'' سلطان الملک المظفر کا چہرہ متغیر دکھائی دیا۔ درباری امرا کا رنگ بھی پھیکا پڑ گیا اور چہروں پر پریشانی دوڑنے لگی۔

''الحمدللہ!'' علاء الدین فخریہ لہجے میں بولا۔ ''اللہ تعالیٰ نے اسلامی لشکر کو عزت و نصرت بخشی اور اس نے تاتاری لشکر کو پامال کر ڈالا۔ مردِ میدان بھرس نے ایک ہی دن میں تاتاری لشکر کے چھکے چھڑا دیئے اور انہیں ذلت و پستی کی گہرائیوں میں دھکیل دیا''۔

''الحمدللہ..... الحمدللہ.....''

دربار میں ہر لب سے یہی صدا سنائی دی۔ تاتاریوں کی شکست کی خبر سے ان کے چہروں پر مسرت کی سرخی دوڑنے لگی۔ سلطان الملک المظفر جہاں تاتاری لشکر کی خبر سے مسرور ہوا، وہیں اسے اپنے معمولی سالار بھرس کی اعلیٰ کارکردگی پر حیرت بھی ہوئی۔

علاء الدین لولو نے بھرس کا معذرت نامہ سلطان الملک المظفر کی خدمت میں پیش کیا اور اس کے اگلے اقدام کے بارے میں بتایا۔ سلطان الملک المظفر بھرس کے ارادے جان کر کچھ دیر خاموش رہا پھر توقف سے بولا۔

''ہمیں بھرس کی جرأت و شجاعت پر بے حد مسرت ہے مگر جو کام وہ کرنے کا خواہش مند ہے وہ اس کی حیثیت سے کافی بڑا ہے۔ بلادِ شرقیہ و شام سے تاتاریوں کا مکمل انخلاء ہماری بھی خواہش ہے مگر بھرس تنہا اس کام کو سرانجام نہیں دے سکے گا۔ اس کے پاس اتنی عسکری قوت نہیں ہے کہ وہ مسلسل کامیابی حاصل کر سکے جو اس وقت کی شدید ضرورت ہے۔ ہم اس مقام پر کھڑے ہیں کہ ہماری ایک شکست تاتاری جماعت کی حوصلہ افزائی کر دے گی لہٰذا ہم نے طے کیا ہے کہ اس مہم میں ہم خود مملوک افواج کے ساتھ بلادِ شرقیہ و شام روانہ ہوں گے تاکہ بھرس کے ساتھ رہ کر تمام اسلامی علاقوں سے تاتاریوں کو باہر نکال دیا جائے اور وہاں ایسے سخت

اقدامات کئے جائیں کہ دوبارہ وہ علاقے تاتاری بربریت کا شکار نہ ہو سکیں''۔

سلطان الملک المظفر کے بروقت فیصلے سے امرأ کھل اُٹھے۔ انہوں نے پُرجوش انداز میں اس سلطانی اقدام کی حمایت کی۔ امیر فارس الدین اقطائی ان درباری امرأ سے الگ دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ جب خطرہ سر پر منڈلا رہا تھا تب تو سلطان الملک المظفر نے خود پیش قدمی نہیں کی اور تاتاریوں سے الجھنے سے گریز پر ہمیشہ اصرار کرتا رہا۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے بیبرس کو فتح و نصرت سے نوازا ہے تو سلطان الملک المظفر اس میں حصہ دار بننے کے لئے بے چین ہو رہا ہے۔

سلطان الملک المظفر اپنی فتح کے نشے میں اس قدر سرشار تھا کہ اس نے علاء الدین لولو کو اس خوش کن خبر سنانے پر ولایت حلب دینے کا اعلان کر دیا۔ حالانکہ حلب کی ولایت بیبرس کو تحریری طور پر لکھ کر دی جا چکی تھی۔ کچھ امرأ نے سلطان الملک المظفر کی توجہ اس امر پر دلائی تو اس نے ہنستے ہوئے کہا کہ بیبرس کے لئے حلب کی ولایت بے حد معمولی چیز ہے ہم اسے اس سے زیادہ اعلیٰ تحفہ دینے کا ارادہ کر چکے ہیں۔ علاء الدین لولو حلب کی ولایت پر مہر شاہی ثبت ہوتے دیکھ کر خوشی سے جھومنے لگا۔ اب وہ اپنے باپ بدر الدین لولو سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکتا تھا۔

سلطان الملک المظفر کے اس اقدام پر بیبرس کے ہمدم مملوک امرأ پر بے حد برا اثر پڑا تھا۔ حالانکہ کہ سلطان الملک المظفر نے انہیں اطمینان دلایا تھا مگر وہ شکوک و شبہات کا شکار ہو چکے تھے۔ ان کے خیال میں بیبرس نے خاص طور پر حلب کی ولایت کا اصرار کیا تھا اور قول و قرار ہو جانے کے بعد حق ولایت کا کسی دوسرے فرد کو بخشنا سلطان الملک المظفر کے شایانِ شان نہیں تھا۔

❁ ❁ ❁

ہلاکو خان تیز رفتاری کے ساتھ صحرائے گوبی کی جانب بڑھ رہا تھا۔ وہ جلد از جلد تقریب قرولتائی میں شمولیت کے لئے مراغہ پہنچنے کا خواہش مند تھا۔ مراغہ (آذربائیجان) ایل خانی سلطنت کا دارالخلافہ تھا۔ اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ وہ بہت مختصر وقت میں ارضِ فلسطین سے سینکڑوں میل دور نکل آیا۔ وہ قہستان کے پہاڑوں کے دامن میں پہنچ چکا تھا۔ قہستان سے گذر کر وہ کوہ قاف کے نشیب میں موجود گھاس کے میدانوں میں سے ہوتا ہوا صحرائے گوبی کی جانب بڑھنا چاہتا تھا۔ قہستان کے قریب ہی سلطنت ماوراء النہر کے مضبوط قلعے تھے۔ جہاں اس کے چچازاد بھائیوں کا چغتائی خاندان حکمران تھا۔ کوہ قہستان کے دامن میں ہی اُسے ارضِ فلسطین میں تعینات کئے گئے تاتاری لشکر کی ذلت آمیز شکست کی روح فرسا خبر ملی۔ کتبغا خان کی ذلت آمیز موت اور تاتاری لشکر کی مکمل تباہی کی خبر سننے کے بعد وہ کافی دیر تک سکتے کے عالم میں بیٹھا رہا۔ غم و غصے کے ملے جلے جذبات نے اس کے دل و دماغ کو بری طرح جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ جو تاتاری یہ بری خبر لایا تھا وہ انعام میں ہلاکو خان کے عتاب کا شکار ہو گیا۔

بلادِ مصر کی دوسری بار جرأت مندی نے اس کے اعصاب پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ وہ متواتر فتوحات کے بعد اس قدر پُراعتماد ہو چکا تھا کہ شکست کے بارے گمان بھی نہیں کر سکتا تھا۔ سلطان الملک المظفر نے تاتاری سفارت کے قتل کا ارتکاب کر کے پہلے ہی ہلاکو خان کے غصے کو ہوا دے دی تھی اور اب اس کے لشکر کی شکست و تباہی نے اس کی حس خونخواری کو بھڑکا دیا تھا وہ بلادِ مصر پر بسنے والے مسلمانوں کے خون کا پیاسا بن چکا تھا۔

اپنے سب سے مضبوط اور وفادار سالار کتبغا خان کی ہلاکت کی خبر سن کر اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایسا ممکن ہو سکتا ہے۔ اس نے قہستان کے دامن میں اسی مقام پر پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ وہ اپنے عمائدین سے اس

بارے میں صلاح و مشورہ کرنا چاہتا تھا۔ ہلاکو خان کے حکم پر کوہ قہستان کے دامن میں خیموں کا شہر آباد ہو گیا۔ اس دوران ہلاکو خان نے کسی سے بھی ملاقات نہیں کی۔ اس کی بیوی دقوز خاتون نے اس کا غم کم کرنے کی کوشش کی مگر ہلاکو خان نے خلوت میں رہنا پسند کیا۔ وہ اس دوران لگاتار یہی سوچتا رہا کہ اس کا آئندہ اقدام کیا ہونا چاہئے؟ ایک طرف بلادِ مصر سے انتقام لینا مقصود تھا تو دوسری طرف اسے قاآن اعظم کے انتخاب میں مرکزی حیثیت حاصل کرنا تھی۔ پڑاؤ ڈالنے کے بعد سہ پہر کے وقت ہلاکو خان نے اپنے عمائدین و رفقاء کو شاہی خیمے میں طلب کیا۔ سب لوگوں کو تاتاری شکست کی خبر ہو چکی تھی۔ وہ بھی خاصے متفکر اور غم زدہ دکھائی دے رہے تھے۔ ارضِ فلسطین میں موجود تاتاری لشکر میں ان کے کئی عزیز، بیٹے اور بھائی شامل تھے جو موت کے گھاٹ اُتر چکے تھے۔

شاہی خیمے میں جب سب عمائدین و رفقاء جمع ہو گئے تو ہلاکو خان ان سے مخاطب ہوا:

''جاودانی آسمان کی قسم! مسلمانوں نے ہماری غیر موجودگی کا ناجائز فائدہ اُٹھایا ہے اور ہمارے سب سے بہترین شخص کو دھوکے اور فریب سے ہلاک کیا ہے۔ ارضِ فلسطین پر تاتاری شکست نے بلادِ مصر کی مکمل تباہی پر مہر ثبت کر دی ہے۔ اب جبکہ ہم سینکڑوں میل دور آ چکے ہیں اور ارضِ فلسطین تک رسائی خاصی دشوار دکھائی دے رہی ہے تو ایسے حالات میں کیا بہتر فیصلہ کیا جائے، اس بارے میں آپ لوگوں کو یہاں جمع کیا گیا ہے۔ ہمارے پاس اب بھی اس قدر لشکر موجود ہے کہ ہم مسلمانوں کو کڑا سبق سکھا سکتے ہیں''۔

''خاقانِ اعظم!'' وزیرِ سلطنت نظام الملک طوسی مؤدب لہجے میں بولا۔ ''جان کی امان پاؤں تو عرض کروں''۔ ہلاکو خان نے اس کی جانب اثبات میں اشارہ کیا تو اس نے سلسلہ کلام آگے بڑھایا۔ ''آپ کو ارضِ فلسطین سے نکلتے وقت اس امر کو ذہن نشین رکھنا چاہئے تھا کہ تاتاری لشکر کی ہیبت بے شک بلادِ شرقیہ و شام پر چھائی تھی مگر بلادِ مصر نے ہیبت کے قصے صرف سن رکھے تھے، انہیں کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا۔ جب تاتاری سفارت کو ہلاک کیا گیا، آپ کو اسی وقت چاہئے تھا کہ وقت ضائع کئے بغیر اس کو سزا دینے کے لئے نکل پڑتے مگر آپ نے دیارِ بکر کی جانب زیادہ توجہ کی''۔

''طوسی! ہم یہ سننے کی خواہش نہیں رکھتے کہ ہم نے کیا کیا ہے اور کیا کرنا چاہئے تھا؟ اگر تم موجودہ حالات کے بارے میں کچھ کہو تو زیادہ بہتر ہے''۔ ہلاکو خان نے ناگواری سے کہا۔

''خاقانِ اعظم! میرا کہنے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ آپ پر تنقید کی جرأت کروں بلکہ حالات کا وہ رُخ سامنے لاؤں جس کے باعث موجودہ حالات وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ دراصل بلادِ مصر ہی باغیوں کی آخری پناہ گاہ ہے، بغداد کی تباہی کے بعد باغی جنگجو وقفے وقفے سے وہاں پہنچتے رہے اور سلطانی پناہ حاصل کرتے رہے۔ یہی وجہ تھی کہ سلطان الملک المظفر نے پورے اعتماد سے سفارتی وفد کے قتل کا سنگین قدم اُٹھایا۔ باغی تو عرصے سے اسی موقعے کی تلاش میں تھے کہ کب انہیں کوئی خلاء دکھائی دے تو وہ تاتاریوں پر چڑھ دوڑیں۔ اب بلادِ مصر کے بارے میں آپ کو گہری سنجیدگی سے فیصلہ کرنا ہوگا۔ وہاں باغیوں کی بہت بڑی جماعت موجود ہے۔ بہتر یہی ہے کہ آپ مراغہ کی بجائے قاہرہ کی طرف روانگی اختیار کریں''۔

''ہم جانتے ہیں کہ قاہرہ باغیوں کا گڑھ بن چکا ہے مگر اس وقت جو معاملہ درپیش ہے وہ نئے قاآن اعظم کے انتخاب کا ہے، ہم نہیں چاہتے کہ ایل خانی سلطنت پر کوئی نااہل شخص بٹھا دیا جائے، اس لئے ہمارا مراغہ پہنچنا بے حد ضروری ہے''۔

''خاقانِ اعظم!'' نظام الملک طوسی نے بات جاری رکھی۔ ''یہ بڑا نازک وقت ہے، تاتاری شکست کی

خبر ہر سو پھیل چکی ہے ممکن ہے کہ مقبوضہ علاقوں میں بھی تاتاری سیادت کے خلاف بغاوتیں جنم لیں۔ ایسے حالات میں ٹھوس اقدامات کرنے کی ضرورت ہے''۔

''تاآن اعظم!'' ایک منگول سردار جو شیلے لہجے میں بولا۔ ''یہ وقت تاسف سے ہاتھ ملنے کا نہیں بلکہ حکم دینے کا ہے''۔

''کیا کہنا چاہتے ہو.....؟'' ہلاکو خان اس جوشیلے منگول کی جانب متوجہ ہوا۔

''آپ مجھے اجازت دیں کہ میں تاتاری دستوں کے ساتھ بلادِ مصر روانہ ہو کر انہیں عبرت ناک شکست دے سکوں تاکہ انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ ایک کتبغا خان کے مر جانے سے منگول جرأت و بہادری ختم نہیں ہو گئی ہے''۔

ہلاکو خان اس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ کئی دوسرے منگول سرداروں نے بھی اس مہم کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ کچھ توقف کے بعد ہلاکو خان نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''بلادِ مصر کے بارے میں بعد میں فیصلہ کیا جائے گا۔ اس وقت میں کچھ لشکر خراسان کی جانب روانہ کر رہا ہوں جو وہاں پہنچ کر تاتاری قیادت کو استحکام دیں گے اور وہاں کسی قسم کی شورش کو سر اُٹھانے نہیں دیں گے۔ قاہرہ کے بجائے مراغہ پہنچنا ضروری دکھائی دے رہا ہے۔ قرولتائی سے فرصت کے بعد ہم خود تمام لشکر لے کر قاہرہ روانہ ہوں گے اور اسے ہمیشہ کے لئے صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر ڈالیں گے''۔

زیادہ تر منگول سردار بلادِ مصر کی مہم پر روانگی کا اصرار کرتے رہے مگر ہلاکو خان نے بڑی سوچ بچار کے بعد مراغہ کی جانب سفر جاری رکھنے کا حکم دیا۔ وہ سب سے زیادہ برقائی خان کی جانب سے متفکر تھا۔

❁❁❁

658ھ کی عید الفطر بلادِ مصر میں بڑی مسرت سے منائی گئی۔ مختلف علاقوں سے آئے ہوئے پناہ گزین مہاجرین کے پژمردہ چہرے تاتاری شکست کا سن کر کھل اُٹھے۔ سلطان الملک المظفر نے عید الفطر کے موقعہ پر خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ مفلوک الحال اور سہمی ہوئی رعیت نے سلطان الملک المظفر اور فاتح بیبرس کے حق میں خصوصی دعائیں کی۔ رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جس فتح سے نوازا تھا، اس کے انتظار میں مسلمانوں کی آنکھیں پچھلے پچاس سال سے پتھرا چکی تھیں۔ تاتاری آفت، صلیبی غارت گری اور نااہل و خودغرض مسلمان حکمرانوں نے رعیت کو بری طرح روند ڈالا تھا۔ رعایا یکے بعد دیگرے مشکلات و مصائب کی چکی میں پس پس کر نڈھال ہو چکی تھی۔ سلطان الملک المظفر نے کسی حد تک ٹیکسوں کا بوجھ کم کرنے کا اعلان کیا اور بلادِ شرقیہ و شام میں مہاجرین کو ان کی تباہ شدہ املاک کی واپسی کی یقین دہانی بھی کرائی۔

عید کے دوسرے روز بیبرس کا روانہ کیا ہوا قافلہ قاہرہ پہنچا۔ اس قافلے میں مالِ غنیمت اور بڑی تعداد میں تاتاری قیدی شامل تھے۔ سلطان الملک المظفر نے شاہی دربار کے باہر دیوان پر قیام کرتے ہوئے مالِ غنیمت کی بڑی مقدار مستحق لوگوں میں تقسیم کی اور تمام تاتاری قیدیوں کو پابہ زنجیر قاہرہ کے گلی کوچوں میں گھمانے کا حکم دیا۔ تاتاری قیدی مسلمانوں کی گرفت میں سہمے دکھائی دے رہے تھے۔ ان میں سے کچھ قیدی اپنے فطرتی گھمنڈ کا اظہار کرتے رہے۔ قیدیوں کا قافلہ جہاں سے گذرتا، مشتعل رعیت انہیں گالیاں دیتی اور سنگ باری کرتی رہی۔ کئی تاتاری قیدی اس دوران زخمی ہو گئے۔ اس حکم کا مقصد صرف یہ تھا کہ رعیت کے دلوں میں موجود اس پختہ یقین کو شکستہ کر دیا جائے کہ تاتاری قوم ناقابلِ تسخیر و شکست ہے۔ لوگ گلی کوچوں میں چہ میگوئیاں کرتے تھے کہ تاتاری ہی دراصل یاجوج ماجوج ہیں جن کے خروج کی خبر پہلے سے دی جا چکی ہے۔

اس قوم کو صرف اللہ تعالیٰ ہی کسی معجزے سے ختم کرے گا ورنہ یہ عام انسانوں کے بس کا روگ نہیں۔ اس قسم کے کئی اور اقوال لوگوں کے ذہنوں میں پنپتے رہتے تھے۔

سلطان الملک المظفر نے تاتاریوں کو گھمانے پھرانے کے بعد حوالۂ تیغ کرنے کا حکم دیا۔ کسی بھی تاتاری قیدی کو معافی نہیں دی گئی بلکہ سب کے سب بلا دریغ موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ تاتاری سالار کتبغا خان کا بریدہ سر قاہرہ کے صدر دروازے پر لٹکا دیا گیا تاکہ تاتاریوں کے عبرت ناک انجام کی شہرت ہر سو پھیل جائے۔ لوگ فرطِ اشتیاق سے کتبغا خان کے کٹے ہوئے سر کو دیکھنے کے لئے جمع ہوتے۔ ان میں کئی ایسے بھی تھے جنہوں نے اسے زندہ ظلم و ستم کی بجلیاں گراتے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ بیبرس کے اس قدم نے جہاں عالم اسلام کے زوال کو روکنے کی کوشش کی تھی وہیں لوگوں کے ذہنوں میں نئی جہت پیدا کر دی تھی کہ تاتاری کوئی آسمانی مخلوق نہیں اور نہ ہی وہ ناقابلِ تسخیر ہیں۔ مسلمان آج بھی اپنا سویا ہوا جذبہ ایمانی بیدار کر لیں تو کوئی وجہ نہیں کہ دوسری قومیں ان کے پاؤں چاٹتی ہوئی دکھائی نہ دیں۔

ان امور سے فارغ ہو کر سلطان الملک المظفر اپنے محل میں چلا آیا۔ وہ کچھ دیر آرام کرنا چاہتا تھا۔ وہ یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ عید کے چوتھے دن مملوک افواج کو ساتھ لے کر بلادِ شرقیہ و شام کی جانب روانہ ہو جائے گا۔ اس کے دل میں جو خواہش پیدا ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ نے بیبرس کے ہاتھوں اسے پایہ تکمیل تک پہنچا دیا تھا۔ وہ بلادِ شرقیہ و شام کو اپنی سلطنت کا حصہ بنانا چاہتا تھا مگر تاتاری قوت کا خوف دامن گیر رہتا تھا۔ بیبرس نے تاتاری لشکر کو شکست دے کر اس خوف کو زائل کر دیا تھا۔ وہ اپنے اندر خود اعتمادی کی نئی لہر دوڑتی محسوس کر رہا تھا۔

سلطان الملک المظفر چاہتا تھا کہ تاتاری شکست کے بعد اسلامی ریاست سے تاتاریوں کو مار بھگایا جائے، بیبرس نے اس کے خیال کو عملی صورت دے دی۔ وہ خود مجاہدین کے لشکر کے ساتھ بلادِ شرقیہ و شام میں تاتاریوں کا وجود مٹا رہا تھا۔ سلطان الملک المظفر کو بیبرس کی جانب سے مختلف کارروائیوں کی خبریں موصول ہوتی رہیں۔ وہ بیبرس کو کسی حد تک پسند کرنے لگا مگر اس کی ذہانت و بہادری سے خائف بھی تھا۔ اس کی نگاہوں میں بیبرس کا تشکیل دیا ہوا لشکر بری طرح چبھتا رہا۔ رعیت اور امرا کے حلقوں میں بھی اب بیبرس کی تعریف و توصیف کے چرچے عام سنائی دے رہے تھے جو کہ سلطان الملک المظفر کے لئے لمحۂ فکریہ بنتے جا رہے تھے۔

''سلطانِ محترم! کن خیالوں میں ڈوبے ہوئے ہیں''۔ اچانک ملکہ بدر منیر کی کھنکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ سلطان الملک المظفر چونک کر تیزی سے سنبھل گیا۔

''ہم حالات کی نئی کروٹ کے بارے میں سوچ رہے ہیں''۔

''حالات تو بے حد خوش کن ہیں، رعیت بھی خوش ہے اور امرا بھی.....'' ملکہ بدر منیر معنی خیز لہجے میں بولی۔ سلطان الملک المظفر نے سوالیہ انداز میں اس کی جانب دیکھا۔

''جو شہرت آپ کے حصے میں آنا چاہئے تھی، وہ کسی اور کو مل چکی ہے!'' ملکہ بدر منیر نے زلفوں کو اک ادا سے جھٹکتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھ رہا ہوں تم جو کہنا چاہتی ہو، میں بھی اسی بارے میں سوچ رہا ہوں کہ بیبرس جیسا معمولی سالار کہیں اس شہرت و مقبولیت کا ناجائز فائدہ نہ اُٹھا لے''۔ سلطان الملک المظفر نے جواب دیا۔

''آپ اُسے کسی جرم کی پاداش میں سزا دینے کے بارے میں سوچ رہے تھے''۔

''اس جرم کی نوعیت اتنی اہم نہیں۔ اگر موجودہ صورتِ حال میں ایسا کوئی قدم اُٹھایا گیا تو امرا کا حلقہ مخالفت پر اتر آئے گا''۔ سلطان الملک المظفر نے نفی میں سر جھٹکا۔

''یہ کوئی مشکل کام نہیں.....'' ملکہ بدر منیر کا لہجہ پُر اسرار ہو گیا۔

''کیا مطلب.....؟''

''آپ بلادِ شرقیہ و شام روانہ ہو رہے ہیں، وہاں تو آپ کو روکنے والا کوئی نہیں۔ خاص خادمین کا استعمال کیجئے اور سپرس کو راہ سے ہٹا دیجئے، بعد میں کہہ دیجئے کہ دشمنوں سے جھڑپ میں سپرس مارا گیا۔ کچھ دن رنج و غم کا مظاہرہ کیجئے پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا''۔

''میرے ساتھ مملوک امرا بھی موجود ہوں گے۔ انہیں معلوم ہو گیا تو.....؟''

''سلطانِ محترم! خدشات کو دل سے نکال دیجئے اور اس ضمن میں غور کیجئے کہ اگر سپرس بلادِ شرقیہ و شام کو اپنے تصرف میں لے کر خود مختاری کا اعلان کر دے تو آپ کیا کر سکتے ہیں؟ پھر اس کے قدم بلادِ مصر کی جانب اُٹھ سکتے ہیں۔ آپ کو یاد رکھنا چاہئے کہ آپ نے خود ایسے لوگوں کو اس کے ساتھ کیا ہے جو دل میں آپ سے بغض رکھتے ہیں اور سرکشی اختیار کرنے میں ذرا نہیں چوکتے''۔

''میرا خیال تھا تاتاری یلغار میں ان سب کا صفایا ہو جائے گا مگر نتیجہ اس کے برعکس نکلا''۔

''سلطانِ محترم کو اپنے اختیارات کے تحفظ کا پورا حق ہے، اس سے پہلے کہ کوئی آپ کے اقتدار پر نقب لگائے اس کا نام و نشان مٹا دینا ہی امور جہانبانی کا پہلا قاعدہ ہے''۔

''ممکن ہے کہ سپرس ایسا نہ ہو، یہ سب شیطانی وسوسے ہوں''۔

''سلطانِ محترم! حقیقت کی دنیا میں رہ کر حالات کو اپنے مطابق ڈھالنے کی کوشش کیجئے۔ آج سپرس وفادار ہے تو کل باغی بھی ہو سکتا ہے، کل تک وہ معمولی سا سالار تھا مگر اب اُسے اپنی قوت کا احساس ہو چکا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اس کا وجود فوراً مٹا دیا جائے۔ آپ کے ترکش میں ابھی کئی اور سپرس موجود ہیں''۔ ملکہ بدر منیر کا لہجہ بدل گیا۔ اس کا چہرہ سلطان الملک المظفر کی نادانی پر بگڑ سا گیا۔

سلطان الملک المظفر سوچ میں پڑ گیا۔ ملکہ بدر منیر کی باتیں اس کے ذہن میں پیدا ہونے والے خدشات کو ہوا دے رہی تھیں۔ سپرس کے حریف امرا بھی اسی قسم کے تبصرے کر چکے تھے۔ سلطان الملک المظفر کے دل میں یہ یقین جڑ پکڑ چکا تھا کہ سپرس بہت جلد سرکشی کرتے ہوئے بلادِ شرقیہ و شام پر قابض ہو جائے گا۔ وہ سپرس کے خاتمے کے بارے میں غور کرنے لگا۔

❁❁❁

سپرس نے معرکہ عین جالوت میں تاتاریوں کو شکست دے کر ان کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی تھی لیکن اس کا کام ہنوز تشنہ تکمیل تھا کیونکہ بلادِ شرقیہ و شام میں تاتاری قوت موجود تھی۔ تاتاری حلب، حماۃ، دمشق، بصریٰ اور کئی اہم شہروں پر قابض تھے۔ وہاں ان کے پاس بھرپور عسکری قوت موجود تھی۔ سپرس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ اگر اسلامی لشکر عین جالوت سے قاہرہ واپس روانہ ہو گیا تو ممکن ہے کہ تاتاری قوتیں اکٹھی ہو کر بلادِ مصر پر چڑھ دوڑیں۔ ہلاکو خان بھی ہزیمت کی خبر پا کر واپس لوٹ سکتا تھا۔ اس نے اپنے ساتھی مملوک امرا سے اس بارے میں صلاح و مشورہ کیا۔ سلطان الملک المظفر کی جانب سے وہ بے فکر ہو چکا تھا کیونکہ علاء الدین لولو حلب کی ولایت کی لالچ میں سپرس کی سفارش میں کوئی کسر نہیں چھوڑنے والا تھا۔ مملوک امرا نے سپرس کے اقدام کی بھرپور حمایت کی۔ سپرس اسلامی لشکر کے ساتھ ارضِ فلسطین سے نکلا اور بلادِ شرقیہ و شام پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے ایک طوفانی یلغار میں ان تاتاریوں کو جا لیا۔ تیز رفتاری سے سفر کرتا ہوا وہ بہت جلد مختلف مقامات پر پہنچ جاتا۔ ایک کے بعد ایک قلعہ فتح ہوتا چلا گیا۔ تاتاری سپاہیوں کو بے دریغ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ بے شمار

تاتاری سپرس سے مرعوب ہو کر راہِ فرار اختیار کر گئے۔ سپرس نے حلب، حماۃ، دمشق پر قبضہ کر کے تاتاری سیادت کو کچل ڈالا۔ سپرس نے اپنی اس طوفانی مہم میں تمام غداروں کو چن چن کر قتل کیا جنہوں نے تاتاریوں کے ساتھ تعاون کیا تھا۔ ایک ماہ کی مدت میں وہ بلادِ شام کی سرحدوں تک پہنچ گیا اور ان تمام علاقوں سے تاتاریوں کو مار بھگایا۔ تاتاریوں کے انخلاء کے بعد سپرس نے ان علاقوں پر اپنے ساتھی مملوک امرا کو مقرر کیا اور لشکر کے بہترین مجاہد رضا کار سپاہی ان کے پاس چھوڑے۔ وہ مملوک فوج کو وہاں ٹھہرا نہیں سکتا تھا کیونکہ معاہدہ کی رو سے یہ تمام فوج اسے قاہرہ واپس لے کر جانا تھی۔ سپرس کی فہم فراست و بہادری سے بلادِ شرقیہ و شام تاتاری غارت گروں اور ان کی حمایت کا دم بھرنے والے نام نہاد مسلمانوں سے یکسر پاک ہو چکا تھا۔

سپرس حمص میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ یہاں بھی تاتاری سیادت کو شکست فاش ہوئی۔ تاتاری جنگی قیدیوں کے ساتھ بلا رعایت ایک سا سلوک کیا گیا۔ انہیں صفائی کا موقعہ دیئے بغیر تہ تیغ کر دیا گیا تھا۔ سپرس مزید آگے بڑھنے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ ایک قاصد اس سے ملنے کے لئے بے تاب ہے۔ سپرس نے فوراً اسے حاضر کرنے کا حکم دیا۔

تھوڑی دیر بعد ایک قاصد سپرس کے خیمے میں داخل ہوا۔ سپرس پہلی نظر میں اسے پہچان گیا کہ وہ سلطان الملک المظفر کے خاص تربیت یافتہ محافظ غلاموں کی جماعت میں سے ایک تھا۔ سپرس کے ساتھی مملوک امرا اس کی صورت دیکھ کر مضطرب دکھائی دیئے۔

''کہو قاصد! سلطان محترم کا کیا پیغام لائے ہو؟'' سپرس نے دریافت کیا۔

اس نے اپنے پہلو سے شاہی نامہ نکالا اور سپرس کی جانب بڑھا دیا۔ سپرس نے مراسلے کی جانب دیکھتے ہوئے قاصد کو ہی پڑھنے کا حکم دیا۔ مملوک امرا مراسلے کا متن سننے کے لئے بے تاب ہو رہے تھے۔ قاصد پہلے لمحہ بھر سوچا اور پھر مراسلہ کھول کر پڑھنا شروع کر دیا۔

''بلادِ مصر کے بہادر فرزند سپرس کو سلطان الملک المظفر کا سلام!

تمہاری خدمات کی جس قدر تعریف کی جائے وہ کم ہے، تم نے سلطنت کے استحکام کے لئے وفاداری کا جو عملی نمونہ پیش کیا ہے، اس سے ہم بے حد مسرور ہیں اور بارگاہ خداوندی میں دعا گو ہیں کہ تمہاری کامیابی کا سلسلہ بہ احسن طریقے سے انجام تک پہنچے اور تاتاری دشمنوں سے اسلامی ریاست مکمل طور پر پاک ہو جائے۔ ہم نے تمہاری سابقہ غلطی کو نظر انداز کر دیا ہے اور پوری امید رکھتے ہیں کہ مستقبل میں تم سے کوئی ایسی غلطی سرزد نہیں ہو گی۔ ہم خود تمہاری مدد کے لئے بلادِ شام میں پہنچ چکے ہیں۔ تمہیں اگر مزید عسکری کمک کی ضرورت ہو تو تم ہم سے رابطہ کر سکتے ہو، ہم دمشق میں قیام پذیر ہیں۔ بلادِ شرقیہ و شام کے انتظامات کے بارے میں تمہیں متفکر ہونے کی ضرورت نہیں ہے، یہ کام ہم بخوبی کر رہے ہیں۔ تم تندہی سے اپنی عسکری مہمات جاری رکھو''۔

شاہی مراسلے کے متن سے آگاہی پر سب لوگوں کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے اور چہروں پر گہرا اطمینان چھا گیا۔ وہ قاصد کی اچانک آمد پر مختلف قسم کے خدشات کا شکار ہو رہے تھے۔ قاصد نے خاموشی سے شاہی مراسلے کو لپیٹا اور آگے بڑھ کر مراسلہ سپرس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ سپرس نے مراسلہ اس کے ہاتھ سے لے کر ایک جانب رکھ دیا۔ وہ سلطان الملک المظفر کی جانب سے بھیجے گئے پیغام پر خود کو بے حد ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ قاصد بدستور اس کے سر پر کھڑا تھا۔ سپرس نے اس کی جانب نگاہ ڈالی پھر خود ہی اس کا مدعا جان کر مسکرا اُٹھا۔ اُس نے اپنے ہاتھ سے ایک قیمتی انگوٹھی اُتاری اور اس کی جانب بڑھا دی۔ قاصد کی نظر جب قیمتی انگوٹھی پر پڑی تو اس کا ستا ہوا چہرہ کھل اُٹھا۔ اس نے جلدی سے سپرس کے ہاتھ سے انگوٹھی لے لی اور اسے

اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ مملوک امرأ قاصد کی حرکت پر مسکرانے لگے۔ قاصد نے انگوٹھی اپنے پہلو میں بندھے پٹکے میں اڑس لی اور تعظیم کے لئے جھکتا چلا گیا۔ بھرس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کرنا چاہا۔ دوسرے ہی لمحے سب لوگوں کے منہ تعجب سے کھلے رہ گئے۔ قاصد نے اُٹھتے ہوئے کمال سرعت سے ایک لمبے پھل والا خنجر بھرس کے جسم میں اُتار دیا تھا۔ بھرس اس غیر متوقع حملے کے لئے بالکل تیار نہیں تھا۔ وہ خنجر کے وار سے گھائل ہو کر زمین پر گرتا چلا گیا۔

❀❀❀

مطیع الدین تعجب بھری نگاہوں سے نوجوان کا چہرہ دیکھ رہا تھا، جو اس کے پہلو میں خاموشی سے کھڑا اسے تک رہا تھا۔ مطیع الدین نے اس کے خدوخال سے اندازہ لگایا کہ وہ یقیناً خوارزمی باشندہ ہے۔ مطیع الدین نے اپنی متغیر حالت سنبھالتے ہوئے سوال کیا۔

''تمہیں یہ اندازہ کیوں ہوا؟ کہ میں یہاں کسی کے گھر کی تلاش میں ہوں''۔

''تمہارے چہرے سے چھلکتی ہوئی بے تابی اس بات کی عکاس ہے کہ تم ضرور اس پرانے مکان کے مکینوں کے بارے کچھ جاننا چاہتے ہو۔ ورنہ تم یوں اس مکان کے گرد چکر کاٹتے دکھائی نہ دیتے''۔ نوجوان دھیرے سے مسکرا کر بولا۔ مطیع الدین سمجھ گیا کہ وہ جب مکان کے گرد گھوم پھر رہا تھا تو یہ نوجوان قریب ہی کہیں موجود ہوگا۔ وہ نوجوان مطیع الدین کے چہرے کی بدلتی رنگت سے محظوظ ہوتا رہا۔

''تمہارا اندازہ بالکل صحیح ہے، میں یہاں کافی دیر سے اپنے عزیز کے گھر کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں، اس کا گھر اسی طرح کی کسی گلی میں موجود ہے۔ جس مکان کے گرد تم مجھے دیکھ چکے ہو، اس کے بارے میں مجھے شبہ گذرا ہے کہ وہی اس کا گھر ہوگا مگر میں اپنی مکمل تسلی کئے بغیر اس دروازہ پر دستک نہیں دینا چاہتا''۔ مطیع الدین نے توجیہہ پیش کی۔

''تم بلادھڑک مجھے اُس عزیز کا نام بتاؤ، میں اسی گلی کا مکین ہوں۔ شاید میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں''۔ نوجوان سنجیدگی سے بولا۔

مطیع الدین اس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا کہ اب ایسا کیا کیا جائے کہ اس گھر کے مکینوں کے بارے میں اُسے درست معلومات حاصل ہو جائیں اور نوجوان بھی کسی شک وشبے کا شکار نہ ہو۔

''کیا بات ہے.....؟ کہیں گھر کے ساتھ ساتھ اپنے عزیز کا نام بھی تو نہیں بھول گئے!'' تو جوان کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''ایسی بات نہیں!'' مطیع الدین اس کی پھبتی پر ہنس پڑا۔ ''میرے اُس عزیز کا نام نورالدین ہے''۔ مطیع الدین کے ذہن میں فوری طور پر اپنے باپ کا ہی نام آیا تھا۔

''نورالدین.....؟'' نوجوان توقف سے سوچتا ہوا بولا۔ ''اس نام کا تو کوئی شخص یہاں نہیں رہتا، البتہ تم جس گھر کے گرد چکر کاٹ رہے تھے وہ تو یہاں کے مشہور مبلغ عالم شیخ عزیز الدین کا ہے''۔

اُس کی بات پر مطیع الدین کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔ نوجوان کے لبوں سے وہ نام نکل چکا تھا جس کی درحقیقت مطیع الدین کو تلاش تھی۔ وہ اب آسانی سے کسی سے بھی شیخ عزیز الدین کے بارے میں مزید معلومات حاصل کر سکتا تھا۔

''لڑکے.....! ذرا اپنے ذہن پر زور دو، شاید اس نام کا کوئی شخص یہیں کہیں کسی دوسرے محلے میں مقیم ہو''۔ مطیع الدین نے اپنی توجیہہ کو مکمل کرنے کی کوشش کی۔

نوجوان سر جھکا کر کچھ سوچ رہا تھا اس کی بات پر چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک موجود تھی۔

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ سمرقند میں شاید اس نام کا کوئی شخص موجود نہیں، البتہ تم جہاں سے آئے ہو یعنی سرائے میں اس نام کا ایک شخص ضرور رہتا ہے جو کہ یقیناً تمہارا باپ ہے''۔ نوجوان نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

نوجوان کا جواب سن کر مطیع الدین کو لمحہ بھر کے لئے یوں لگا جیسے اس پر پہاڑ آ گرا ہو۔ خوف وتعجب سے اس کا چہرہ سپید پڑ گیا۔

❀❀❀

سلطان الملک المظفر سیف الدین قطوزی قاہرہ سے اپنی مملوک افواج کے ساتھ سفر کرتا ہوا دمشق پہنچ چکا تھا۔ ارض فلسطین سے جب یہ لشکر بلادِ شام میں داخل ہوا تو دل دہلا دینے والے اور روح فرسا مناظر دکھائی دیئے۔ تاتاری ظلم وستم کا شکار رعیت اور عالی شان عمارتوں کے کھنڈر تاتاری غارت گری کی منہ بولتی تصویریں تھی۔ مملوک لشکر تاتاریوں کی مچائی گئی ہولناکی کو دیکھتا ہوا دمشق کی جانب بڑھتا رہا۔ یہ تو صرف بلادِ شام کے علاقوں کی کیفیت تھی اگر انہیں بلادِ شام سے نکل کر بلادِ عراق میں جانا پڑتا تو اس سے کہیں خوفناک مناظر دیکھنے کو ملتے۔ بلادِ شام کے کئی شہر محض اس لئے تباہی سے بچ گئے تھے کہ انہیں ہلاکو خان کے صلیبی حلیفوں نے اپنے اغراض ومقاصد کے لئے باقی رکھنا ضروری سمجھا تھا۔ تاتاریوں کی جاہلیت اور سفاکانہ جبلت نے کئی صدیوں سے نمو پانے والی اسلامی وانسانی تہذیب وتمدن کے پرخچے اُڑا کر رکھ دیئے۔ مملوک لشکر اطمینان سے سفر کرتا رہا اور بلادِ شام وشرقیہ تاتاری بربریت کے پُرنم مناظر پیش کرتے رہے۔ جلے ہوئے اور گرائے گئے مکانات، قطار در قطار تباہ شدہ بازار، خون کے چھینٹوں کے خشک دھبے اور تاتاریوں کے خوف سے سہمی ہوئی رعیت۔

اسلامی لشکر جہاں جہاں سے گذرتا۔ مصیبت زدہ لوگ اس کے گرد جمع ہو جاتے۔ کچھ لوگ سلطان الملک المظفر کے سامنے چیخ وپکار سے واویلا مچاتے تو کچھ لوگ ہاتھ جوڑ کر فریادیں کرتے دکھائی دیتے اور کچھ لوگ حقارت ونفرت بھری نگاہوں سے اسلامی لشکر کو برا بھلا کہتے۔

ان علاقوں میں موجود ناگفتہ بہ حال مسلمان اسلامی لشکر کی آمد پر کسی قدر پرجوش دکھائی دیئے۔ ان کی پژمردہ نگاہیں مملوک لشکر کی جانب مستفسرانہ انداز میں اُٹھتی رہیں اور ان کے خاموش لبوں پر یہ سوال مچلتا ہوا محسوس ہوتا رہا کہ وہ اس وقت کہاں تھے؟ جب ہلاکو خان قہر خداوندی بن کر ظلم وستم کی بجلیاں ان پر گرا رہا تھا۔ سلطان الملک المظفر مسلمانوں کی حالت زار اور یہ دلخراش مناظر دیکھ کر قریباً رو پڑا۔ مملوک اسلامی لشکر بھی مغموم دکھائی دیا۔

جب سلطانی لشکر دمشق پہنچا تو انہوں نے دیکھا کہ دمشق کی حالت بھی دوسرے شہروں سے کچھ جدا نہیں تھی۔ دمشق کے ہنستے بستے اور پررونق بازاروں میں، جہاں بھرس کا بچپن گذرا تھا، وہیں زمانہ غلامی میں سلطان الملک المظفر بھی عرصہ تک تجارت کے لئے اپنے آقا کے ہمراہ آیا کرتا تھا۔ اب وہ بات نہیں تھی، کئی بازار سرے سے ہی مٹ چکے تھے اور جو باقی تھے وہ اپنی رعنائی کھو چکے تھے۔ بازاروں میں چہل پہل خواب بن کر رہ گئی تھی۔ دیکھنے والے لوگ اب یہ قیاس کرتے کہ کیا دمشق جیسے شہروں کی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ بحال ہو سکے گی؟

سلطان الملک المظفر کی آمد کی خبر جب امیر غیاث الدین قرطائی کو ملی تو وہ خود اپنے رفقاء اور محافظ دستے کے ساتھ اس کے استقبال کے لئے صدر دروازے کی جانب بڑھا۔ امیر غیاث الدین قرطائی بیبرس کے مملوک ساتھیوں میں ایک تھا جنہوں نے تاتاری سیادت ختم کر کے بلادِ شام کے ان علاقوں میں امن و امان قائم کیا تھا۔ بیبرس نے یہ عزم کر رکھا تھا کہ وہ اسلامی سلطنت کو تاتاری قہر سے پاک کر کے ہی دم لے گا۔ اسی لئے وہ اپنی پیش قدمی جاری رکھے ہوئے تھا۔ اپنی ہر مہم پر روانہ ہونے سے پہلے وہ تاتاریوں کے چنگل سے چھڑائے گئے علاقوں پر اپنے خاص ساتھی حسب ضرورت دستوں کے ساتھ تعینات کرتا تھا تاکہ تاتاریوں کا کوئی گروہ دوبارہ اس طرف بڑھے تو وہ ان سے بخوبی نمٹ سکیں۔ امیر غیاث الدین قرطائی بھی انہی افراد میں سے ایک تھا۔ اسے بیبرس نے دمشق پر نگران مقرر کر رکھا تھا۔ دوسری خاص بات یہ تھی کہ اس کا تعلق اسی مملوک گروہ سے تھا، جنہیں سلطان الملک المظفر نے جان بوجھ کر بیبرس کے پاس روانہ کیا تھا۔

دربارِ قاہرہ میں مملوک امیر غیاث الدین قرطائی نے کئی بار سلطان الملک المظفر کے افعال و احکامات کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سلطان الملک المظفر اس سے خائف تھا۔ اس کا انتخاب تاتاری مہم کے لئے صرف اسی لئے کیا گیا تھا وہ سلطان الملک المظفر کے راستے سے ہٹ جائے مگر تقدیر کو ابھی ایسا منظور نہیں تھا، وہ نہ صرف زندہ تھا بلکہ دمشق میں نگران بھی مقرر تھا۔ سلطان الملک المظفر نے بظاہر مملوک امیر سے بھرپور انداز میں مصافحہ کیا اور مہم کی کامیابی پر اُسے مبارکباد دی۔ امیر غیاث الدین قرطائی نے خلوص دل سے سلطان الملک المظفر کا پرتپاک انداز میں استقبال کیا اور اسے ہمراہ لے کر دمشق کے شاہی محل کی جانب بڑھا۔ وہ شاہی محل کیا تھا بس کچھ آثار ہی باقی تھے۔ امیر غیاث الدین نے دمشق کا انتظام سنبھالنے کے بعد کافی حد تک اس کی مرمت کروادی تھی۔ شاہی محل میں قیام کے بعد سلطان الملک المظفر نے جو شیلے انداز میں بچی کھچی رعایا کی بھرپور دل جوئی کی۔

دوسرے دن سلطان الملک المظفر نے دمشق کے اطراف میں صلیبی لٹیروں کی لوٹ مار کی خبر پا کر ان کی سرکوبی کے لئے متعدد چھوٹے چھوٹے دستے روانہ کئے۔ سلطان الملک المظفر نے اس امر سے فارغ ہونے کے بعد امیر غیاث الدین کی جگہ اپنے رفقاء میں سے ایک امیر کو والیٔ دمشق مقرر کر دیا۔ یہ عمل دوسرے مملوک امراً کو بے حد ناگوار گذرا۔ بلادِ شام اگرچہ سلطان الملک المظفر کے تصرف میں آ چکا تھا مگر یہ بیبرس اور ان مملوک امراً کی کڑی محنت کا ثمر تھا جنہوں نے اپنی جانوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے تاتاریوں کو ہزیمت دی اور انہیں پے در پے حملوں کے ساتھ پیچھے کی جانب دھکیل دیا تھا۔ دوسرا دمشق میں ابھی ایسے حالات بھی پیدا نہیں ہوئے تھے کہ یہاں تقرری کے تبدل کو ضروری سمجھا جاتا۔ مملوک امراً نے سلطان الملک المظفر کے اس غیر معمولی فیصلے کو گروہ مملوک پر عدم اعتماد سے تعبیر کیا۔ ممکن تھا کہ وہ لوگ سلطان الملک المظفر سے اس بارے میں کڑا جواب طلب کرتے مگر امیر غیاث الدین نے سلطان الملک المظفر کے دل میں اپنے لئے چھپی ہوئی نفرت کو بھانپ لیا اور مخدوش حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں سمجھا بجھا کر خاموش کرا دیا۔ مملوک امیر غیاث الدین قرطائی بخوبی جانتا تھا کہ سلطان الملک المظفر کو دمشق میں اس کا وجود ایک آنکھ نہیں بھایا مگر حالات کا تقاضا یہی تھا کہ کوئی ایسی صورتِ حال پیدا نہ ہونے دی جائے، جس سے دشمنانِ اسلام کو یہ تاثر ملے کہ ان کا مضبوط حریف اندرونی انتشار کا شکار ہو چکا ہے۔

کچھ دن بعد خاکستری لبادے میں ملبوس ایک گھڑ سوار شام کے وقت دمشق میں داخل ہوا۔ اس کا مٹی سے اٹا ہوا لباس اس بات کا غماز تھا کہ وہ لمبی مسافت طے کر کے آیا ہے۔ سلطان الملک المظفر کے دمشق میں

قیام کے بعد گھڑ سواروں کی آمد و رفت اس قدر بڑھ چکی تھی کہ بے وقت کسی کی آمد یا روانگی پر عام لوگوں کو کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ وہ گھڑ سوار اطمینان سے چلتا ہوا ایک سرائے کی جانب بڑھ گیا۔ گھوڑے کو اصطبل میں باندھنے کے بعد وہ دھیمے قدموں اندر کی جانب بڑھ گیا۔ وہاں کچھ لوگ قہوہ پینے میں مشغول تھے۔ ان کے لبوں پر حالاتِ حاضرہ کی باتیں تھیں۔ خاکستری لبادے والا شخص اپنے لئے جگہ ڈھونڈ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر تک وہ قہوے میں مشغول رہا پھر اس نے سرائے کے ملازم کو اپنی جانب بلایا۔ جب وہ اس کے پاس پہنچا تو اس نے اپنے لبادے میں کوئی چمکتی ہوئی چیز نکال کر اس کے ہاتھ میں تھمادی اور تیزی سے اس کا دوسرا ہاتھ پکڑ کر اس پر رکھتے ہوئے اس چیز کو پوشیدہ کر دیا۔ ملازم اُسے دیکھنا چاہتا تھا مگر اس نے تیزی سے منع کر دیا۔ ملازم تعجب سے اسے تکنے لگا کیونکہ وہ یہ جان چکا تھا کہ وہ چمکدار چیز ایک انگوٹھی تھی۔

''جاؤ! یہ اپنے مالک کو دے دو، وہ سمجھ جائے گا۔ خیال رکھنا کہ کسی دوسرے کی نظر اس پر نہ پڑے''۔ وہ مختصراً بولا۔ ملازم کچھ دیر تک اس کا مقصد سمجھنے کی کوشش کرتا رہا جب وہ ناکام رہا تو کندھے اچکا کر ایک طرف بڑھ گیا۔ اجنبی نے غیر محسوس انداز میں اپنی عقابی نگاہیں چاروں جانب دوڑائیں۔ دوسرے لوگوں کو اپنے کاموں میں مشغول پا کر وہ مطمئن ہو گیا۔ کچھ ہی دیر میں وہ ملازم تیزی سے اسے اپنی جانب بڑھتا ہوا دکھائی دیا۔ ملازم نے اس کے قریب آتے ہی اُسے ایک جانب چلنے کے لئے کہا۔ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ ہو لیا۔ ملازم اسے ساتھ لئے سرائے سے باہر نکل آیا۔ کچھ دور آنے کے بعد وہ ایک چھوٹے سے مکان کے سامنے رُک گیا۔ اجنبی نے ملازم کی جانب سوالیہ انداز میں دیکھا تو اس نے ہاتھ سے اسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ دوسرے لمحے وہ ملازم اسے واپس جاتا دکھائی دیا۔ اجنبی نے ایک بار پھر چاروں جانب نگاہ دوڑائی۔ کوئی خطرہ نہ محسوس ہونے پر وہ دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ وہ ضرورت سے زیادہ محتاط دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹانے کے لئے اپنا ہاتھ بلند کیا ہی تھا کہ دروازہ خود بخود کھل گیا وہ ٹھٹھک کر پیچھے ہٹا۔

''بے خوف اندر چلے آؤ''۔ ایک بھاری آواز سنائی دی۔ شاید وہ اس آواز سے مانوس تھا اسی لئے وہ اندر داخل ہو گیا۔ کمرے میں بہت مدھم روشنی تھی۔ ایک قریب جسم شخص اُسے پلنگ پر بیٹھا دکھائی دیا۔ اس نے آگے بڑھ کر سلام دعا کی اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''تم نے آنے میں بہت دیر کر دی؟ سلطان کئی بار مجھ سے پوچھ چکے ہیں؟'' قریب شخص سرگوشی نما انداز میں بولا۔

''راستہ بہت خراب ہے، دوسرا درست حالات کی خبر لینا بھی ضروری تھی''۔ اجنبی نے جواب دیا۔ قریب شخص نے لاپروائی سے سر جھٹکا۔

''کیا رہا؟ کام مکمل ہو گیا ہے یا کوئی گڑبڑ رونما ہو چکی ہے؟''

''کام ہو چکا ہے۔ سلطانی غلام نے بیبرس پر بھرپور حملہ کر کے اسے شدید زخمی کر دیا.....''

''صرف زخمی.....'' قریب شخص تیزی سے اس کی بات کاٹتا ہوا تیز لہجے میں غرایا۔

''میں نے اپنی بات مکمل نہیں کی..... خاموشی سے سنو''۔ اجنبی نے ناگواری کا اظہار کیا۔ ''بیبرس زہر بجھے خنجر سے زخمی ہو کر زمین پر گر گیا تھا اور اس کے ساتھیوں نے اسے سنبھالتے ہوئے سلطانی غلام کو گرفتار کرنے کی کوشش کی مگر اس نے وہی خنجر اپنے جسم میں اتار کر خود کو بھی ہلاک کر دیا۔ تین دن تک بیبرس کے خیمے کے گرد سخت پہرہ رہا۔ کسی کو بھی وہاں پھٹکنے کی اجازت نہیں تھی۔ اسی لئے مجھے وہاں رُکے رہنا پڑا.....''

''سلطان کو تمہاری کیفیت سے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی وہ صرف بیبرس کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں

کہ اس کا کیا ہوا؟'' فربہ شخص اس کی تمہید سے اکتایا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

''وہی تو بتا رہا ہوں، اگر سلطان نے کوئی سوال کیا تو اُسے کیا جواب دو گے؟ پوری طرح بات سن لو تاکہ سلطان کو بتانے میں آسانی ہو۔ تین دن تک بیبرس کے ساتھیوں نے معاملہ دبائے رکھا اور پھر آپس میں صلاح مشورہ کے بعد انہوں نے بیبرس کی موت کا اعلان کر دیا۔ میرا اپنا یہی خیال ہے کہ بیبرس اسی دن مر گیا تھا جس دن اُسے زہریلے خنجر کا گھاؤ لگا۔ تین دن تک اس کے ساتھی حالات کی نزاکت کو سمجھنے اور کسی پوشیدہ لائحہ عمل کی تیاری میں مصروف رہے تھے''۔

''تم نے بیبرس کی لاش اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی؟'' فربہ شخص کا چہرہ دمکنے لگا۔

''لاش تو نہیں دیکھ پایا کیونکہ اس کے ساتھیوں نے کڑے پہرے کے ساتھ اس کے کفن دفن کا اہتمام کیا البتہ بعد میں اس کی قبر پر تمام سپاہیوں نے فاتحہ خوانی کی تھی''۔

''یہ تو بڑی پر مسرت خبر ہے، مجھے پوری امید ہے کہ سلطان یہ اطلاع پاتے ہی ہمیں مالا مال کر دیں گے۔ وہ بیبرس کو ہر قیمت پر مردہ دیکھنا چاہتے تھے''۔

''تم یہ خبر جلد از جلد سلطان تک پہنچا دو کیونکہ بیبرس کے ساتھیوں نے بھی قاصد روانہ کر دیا ہے جو لشکر کے لئے اگلا حکم حاصل کرنے اور بیبرس کی موت کی خبر ساتھ لا رہا ہے کہیں یہ نہ ہو کہ تمہاری بات کا وزن کم پڑ جائے''۔ اجنبی مسکراتے ہوئے بولا۔ فربہ شخص یہ سن کر تیزی سے اپنی جگہ سے اُٹھا کہ وہ اسی وقت شاہی محل روانہ ہو سکے۔

''میری واپسی تک تم یہیں رہو۔ میں غلام کو بھیج دوں گا، کسی چیز کی ضرورت ہو تو اسے کہہ دینا''۔ اس نے عجلت میں کہا، اور اپنا لباس درست کرتا ہوا دروازے کی جانب بڑھا۔ اس نے دروازے کا پٹ کھولا ہی تھا کہ تلوار کی چمکتی ہوئی نوک اس کی شہ رگ پر آ کر ٹک گئی۔ اس نے گھبرا کر دیکھا۔ مملوک سپاہیوں کا ایک چھوٹا دستہ اس کے سامنے موجود تھا جن کی تلواریں اس کی جانب اُٹھی ہوئی دکھائی دیں۔ موت کے خوف سے فربہ شخص کا چہرہ تاریک ہو گیا۔

❀❀❀

دروازہ کھلنے کی آواز پر گل وقوژ بری طرح چونک پڑی۔ یہ کوئی ایسا وقت نہیں تھا کہ غلاموں کو دروازہ کھولنے کی نوبت پیش آتی۔ اس کی متجسس نگاہیں دروازے پر مرکوز تھیں۔ کچھ توقف کے بعد شیخ کبیر الدین اندر داخل ہوا تو گل وقوژ کے چہرے پر اطمینان کے سائے پھیل گئے۔ آج صبح اس نے غلام کو جو پیغام دیا تھا وہ اس نے شیخ کبیر الدین تک پہنچا دیا تھا۔ شیخ کبیر الدین نے گل وقوژ کی جانب دیکھا اور پھر دھیمی سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر رقص کرنے لگی۔ وہ آہستگی سے اس کے پاس پہنچا۔ گل وقوژ خاموش بیٹھی رہی۔

''تمہارا ارادہ جان کر مجھے بے حد خوشی ہوئی، اگر تم پہلے دن ہی یہ فیصلہ کر لیتی تو زیادہ بہتر ہوتا''۔ شیخ کبیر الدین مسکراتے ہوئے بولا۔

''تم تو اپنی چاہت کے بلند و بالا دعوے کر رہے تھے، پھر اتنے عرصے تک انہیں سانپ سونگھ گیا تھا کیا......؟'' گل وقوژ تلخی سے بولی۔

''چاہت...... محبت! گل وقوژ ان الفاظ کی میری زندگی میں کوئی قدر و قیمت نہیں۔ میں ان سے کوسوں میل دور جا چکا ہوں۔ میں صرف تمہاری انا کو شکست دینا چاہتا تھا اور تم خود ہی دیکھ لو کہ تین سال کی مدت کے بعد میں تمہیں بغیر نقصان پہنچائے اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو چکا ہوں۔ تمہاری ساری تدبیریں رائیگاں

گئیں اور میرے محل کے اس کمرے کی مضبوطی نے تمہارے بلند حوصلوں کے پرخچے اُڑا دیئے''۔ شیخ کبیر الدین استہزائیہ لہجے میں بولا۔

گل وقوژ کو اس کی زبانی علم ہوا کہ اس کمرے میں اس نے اپنی زندگی کے تین سال گذار دیئے تھے۔ تین سال کی مدت...... ممکن ہے کہ شیخ کبیر الدین اسے متاثر کرنے کے لئے جھوٹ کا سہارا لے رہا ہو۔ ایک خیال اس کے ذہن میں عود کر آیا۔

''گل وقوژ! مجھے جانے کیوں تم سے ہمدردی ہو رہی ہے ورنہ میری بات نہ ماننے والوں کے ساتھ جو حشر یہاں کیا جاتا ہے شاید تمہیں اس کا احساس نہیں۔ میں تم جیسی جرأت مند لڑکی کو یوں ضائع نہیں کرنا چاہتا بلکہ تمہاری صلاحیتوں کو نقطہ عروج پر دیکھنے کا خواہش مند ہوں''۔

''یعنی میں یہ سمجھوں کہ تم مجھے شریک حیات بنانے کے بارے میں مبالغہ آمیزی سے کام لے رہے تھے''۔ گل وقوژ اس کی باتیں سن کر کسی قدر مطمئن ہو گئی۔ شیخ کبیر الدین نے گل وقوژ کی بات سن کر بلند قہقہہ لگایا۔

''میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم اتنی نادان بھی ہو سکتی ہو؟''

''اگر ایسی کوئی بات نہیں تھی تو مجھے میرے وطن سے یہاں کیوں لائے اور تین سال تک یوں قید رکھنے کے پیچھے تمہارا کیا مقصد کارفرما تھا؟'' گل وقوژ تلخی سے بولی۔

''وہ لوگ تمہیں ہر قیمت پر جان سے مار ڈالنا چاہتے تھے اور میں نے تمہیں نئی زندگی دی، میرا یہ احسان کافی نہیں ہے کیا......؟'' شیخ کبیر الدین نے کہا۔

''میں اس احسان کے پیچھے کارفرما وجہ جاننا چاہتی ہوں''۔ گل وقوژ بولی۔

''تمہارے اندر موجود مخصوص صلاحیت کا اپنے حق میں استعمال......!'' شیخ کبیر الدین معنی خیز انداز میں بولا۔ گل وقوژ اس کی بات پر پریشان ہو کر رہ گئی۔

''میں نہیں سمجھ سکتی کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟'' گل وقوژ دھیمے لہجے میں بولی۔

''کچھ دنوں میں سب کچھ سمجھ جاؤ گی۔ میں تمہیں چند دن کے لئے اس کمرے کی قید سے آزادی بخش رہا ہوں، صرف اس اعتماد کے ساتھ کہ تم مجھے کسی قسم کا دھوکہ نہیں دو گی اور میرے مقصد کی تکمیل کے لئے میرا مکمل ساتھ دو گی''۔ شیخ کبیر الدین سپاٹ لہجے میں بولا۔

''اگر تمہیں مجھ پر ایسا پہلے دن سے بھروسہ ہوتا تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی''۔ گل وقوژ تیز لہجے میں بولی۔ شیخ کبیر الدین اس کی بات پر فقط مسکرا کر رہ گیا۔

''گل وقوژ! کہتے ہیں کہ جب تک سونے کو بھٹی میں نہ ڈالا جائے وہ کندن نہیں بنتا۔ تمہارے ساتھ جو سلوک کیا گیا ہے وہ اسی بات کا متقاضی تھا کہ تمہارے اندر آزادی کے لئے شدید تڑپ پیدا کر دی جائے اور تمہیں یہ احساس دلایا جائے کہ آزادی کی کیا قدر و قیمت ہوتی ہے؟''

''تمہاری باتوں سے میرے پلے کچھ نہیں پڑ رہا''۔ گل وقوژ نے بیزاری کا اظہار کیا۔

''بے فکر رہو! کچھ دن کی ہی بات ہے۔ سب کچھ سمجھ جاؤ گی''۔

''اگر میں فرار ہو گئی تو......؟''

شیخ کبیر الدین نے اس کی بات پر زہر خند قہقہہ لگایا اور نفی میں سر کو جنبش دینے لگا۔

''گل وقوژ! پہلی بات تو یہ ہے کہ تم یہاں سے کبھی فرار نہیں ہو سکتی، اس بات کا اندازہ تو تمہیں باہر کی

نضا دیکھنے کے بعد پہلی ہی فرصت میں ہو جائے گا اور دوسری بات یہ ہے کہ باہر کا سفاک موسم دیکھنے کے بعد تم میری خواہش کی تکمیل سے انکار کبھی زبان پر نہ لا سکو گی''۔

''شاید مجھے کچھ اندازہ ہو؟''

''اندازوں اور حقیقت میں بڑا فرق ہوتا ہے گل وقوڑ! بہر حال تم ایک بار پھر اچھی طرح غور و خوض کر لو، میری مکمل اطاعت و فرمانبرداری یا پھر اسی کمرے میں بقیہ ساری زندگی۔ کل صبح تمہیں اپنے پاس بلواؤں گا، اب تم آرام کرو۔'' شیخ کبیر الدین نے کہا اور اس کے گالوں پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔

گل وقوڑ اس کے جانے کے بعد گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ شیخ کبیر الدین اس سے کیا حاصل کرنا چاہتا تھا؟ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ایک طرف اسے یہ دعویٰ تھا کہ گل وقوڑ اس کے محل سے فرار نہیں ہو سکتی اور دوسری طرف وہ اسے اپنی قید میں رکھے ہوئے تھا۔ یہ دونوں متضاد عوامل گل وقوڑ کو حالات کی حقیقی نوعیت سمجھنے میں دشواری پیدا کر رہے تھے۔ گل وقوڑ کو اس بات کا اطمینان ہو چکا تھا کہ شیخ کبیر الدین اس سے شادی کرنے کا خواہش مند نہیں ہے بلکہ وہ اس سے کوئی پُراسرار مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کی نوعیت شیخ کبیر الدین کی ذات کی طرح ہی مخفی تھی۔ گل وقوڑ یہ سوچ کر مطمئن ہو گئی کہ آزاد فضا میں سانس لینے کا موقعہ تو میسر آ رہا ہے مستقبل کے بارے میں وہ حالات کی آگاہی کے بعد ہی کوئی فیصلہ کر سکتی ہے۔

❀ ❀ ❀

وہ قریباً بھاگتا ہوا پہنچا۔ وہاں موجود دوسرے لوگ چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگے۔ نووارد کی حالت خاصی بگڑی دکھائی دی کیونکہ وہ منہ کھول کر لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔ کئی بار تو اس کا سانس اکھڑتا ہوا محسوس ہوتا۔ اس کی خراب حالت پر وہاں موجود لوگوں کے چہرے پر تفکرات لرزنے لگے۔ ان میں سے ایک نے اشارہ کیا کہ نووارد کو پانی پلایا جائے۔ پانی کے چند گھونٹ جب نووارد کے حلق سے اترے تو اسے سکون ملا اور وہ ہاتھ کے اشارے سے انہیں تسلی دینے لگا۔ جس پر ان کے چہرے مطمئن ہو گئے۔ وہ بیس کے قریب تھے اور ایک کشادہ غار میں مقیم تھے۔ چہروں سے ان کی قومیت واضح نہیں ہو رہی تھی کیونکہ کچھ لوگ تو مسلمانوں کی طرح باریش تھے تو کچھ نصرانی وضع قطع اختیار کیے ہوئے تھے۔

''اگر طبیعت کچھ سنبھل چکی ہے تو اتنی بھاگ دوڑ کی وجہ بتاؤ''۔ ایک باریش شخص مخاطب ہوا اس کے لب و لہجے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس گروہ کا سردار ہے۔

''یا شیخ!'' نووارد ابھی تک ہانپ رہا تھا۔ ''باہر ایک عجیب بات دیکھی تو آپ کو اطلاع دینے کے لئے چلا آیا''۔ اس نے کف باز دے اپنی ناک رگڑتے ہوئے کہا۔

''اس سرد موسم میں کیا دیکھ لیا ہے تم نے.....؟'' شیخ نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''ایک زبردست قافلہ..... کئی فرلانگ تک پھیلا ہوا.....'' اس کا چہرہ فرط جوش سے پھیلنے لگا۔ سب لوگ اس کی بات پر یوں اُچھلے جیسے زمین میں سے بچھو نکل آئے ہوں۔

''بے وقوف! وہ قافلہ نہیں یقیناً کوئی لشکر ہو گا۔ قافلے اتنے طویل نہیں ہوا کرتے۔ کیا اس میں گھڑ سوار اور پیدل لوگ بھی موجود ہیں اور ان میں سے کچھ گھڑ سواروں کے ہاتھوں میں بڑے بڑے علم ہیں؟'' شیخ نے پوچھا تو اس نے سرعت سے گردن ہلائی۔

''کہاں دیکھا انہیں.....؟''

''تین کوس دور چیلوں کے پہاڑی درّے کے نیچے''۔

''تمہارا اشارہ نشیبی میدان کی جانب ہے''۔ شیخ کی بات پر اس نے اثبات میں اشارہ کیا۔ ''کیا وہ لوگ وہاں خیمہ زن ہیں یا گذرتے دیکھا انہیں.....؟''

''وہ تیزی سے قاف کی وادی کی جانب بڑھ رہے ہیں میرا خیال ہے کہ رات تک وہاں پہنچ جائیں گے اور ممکن ہے کہ رات اسی وادی میں بسر کریں''۔

''شیخ! موقعہ اچھا ہے، ہم خاموشی سے ان میں شامل ہو جائیں گے۔ ہمارے پاس کھانے پینے کا سامان بھی قریباً ختم ہونے والا ہے''۔ ایک دوسرا شخص بولا۔

''شیخ! ہاشم صحیح کہہ رہا ہے، لشکر میں پندرہ بیس لوگوں کے شامل ہو جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی وہ لوگ جان پہچان کے چکر میں پڑتے ہیں''۔ ایک اور شخص نے تائید کی۔

''تم لوگ جس زاویے پر سوچ رہے ہو، میں اس پر غور کر چکا ہوں، فی الوقت میں صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ اتنے خراب موسم میں یہ لشکر ان علاقوں میں کیا کر رہا ہے؟ ان کی منزل سے تو یہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ کوئی ایل خانی لشکر ہے جو مراغہ کی سمت جا رہا ہے یا پھر یہ کوئی ایل خانی سلطنت کا حریف لشکر ہے جو ان پر حملہ آور ہونے کے لئے یہ دشوار راہ اختیار کیے ہوئے ہے''۔

''شیخ!'' ایک شخص بولا۔ ''یہ بات تو ہمیں ان لوگوں کے بیچ میں پہنچنے پر ہی معلوم ہو گی کہ وہ کون لوگ ہیں؟''

''تم صحیح کہہ رہے ہو..... میرے خیال میں ہمیں یہاں قیاس آرائیوں میں وقت برباد کرنے کے بجائے فوراً اپنا سامان سمیٹ کر ان کے تعاقب میں روانہ ہو جانا چاہئے تاکہ ہم رات ہونے پر بآسانی ان میں شامل ہو جائیں''۔

''اگر اس لشکر نے قاف کی وادی میں قیام نہ کیا تو کیا ہو گا؟'' ایک شخص نے خدشہ ظاہر کیا۔ شیخ نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے سامان سمیٹنے کی ہدایت کی۔

کچھ دیر بعد وہ اپنا سامان کندھوں پر اُٹھائے تیز رفتاری سے سنگلاخ راستوں پر بھاگتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ان کی رفتار حیرت انگیز طور پر تیز تھی۔ پہاڑی وادی کے نشیب و فراز پر ان کے قدم یوں پڑتے جیسے وہ میدانی علاقوں میں سفر کر رہے ہوں۔ کئی گھنٹوں کی مسافت کے بعد وہ قاف کی وادی میں پہنچ گئے۔ وہاں انہیں اس لشکر کا آخری حصہ دکھائی دیا۔ لشکر نے ان کے خدشے کے مطابق وہاں پڑاؤ نہیں ڈالا بلکہ سفر کو جاری رکھا تھا۔ شیخ نے صورتِ حال دیکھ کر اپنے ساتھیوں کو ہدایت کی کہ وہ بالائی راستوں پر سفر جاری رکھیں تاکہ وہ کچھ دور جا کر ان میں شامل ہو سکیں۔ مسلسل مسافت کے بعد وہ اس جگہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے جہاں سے وہ آسانی سے لشکر میں شامل ہو سکتے تھے۔ لشکر کے آخری حصے میں پیادہ سپاہی شامل تھے اس لئے انہیں ان میں شامل ہونے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ سپاہیوں کی وضع قطع سے انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ یہ ایل خانی لشکر ہے جو ایوبی دارالخلافہ کی جانب بڑھ رہا ہے۔

شیخ کا اندازہ درست ہی تھا، وہ ہلاکو خان کا لشکر تھا جو کوہ قاف کے زیریں نشیبی میدان سے گذرتا ہوا مراغہ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ ہلاکو خان کو تقریب قرولتائی کے انعقاد سے قبل مراغہ پہنچنا تھا۔ مراغہ میں اس کے کئی اہم خیال اور دوست موجود تھے جنہیں فوری طور پر حرکت میں لا کر وہ اپنے عزائم میں کامیاب ہو سکتا تھا۔ اگر اسے کسی قسم کی تاخیر کا سامنا ہو جاتا تو اس کے خیر خواہ بھی اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتے تھے، یہی وجہ تھی کہ اس کے سفر کی رفتار پہلے سے بڑھا دی گئی تھی۔ جہاں تاتاری لشکر وطن واپسی پر بے حد مسرور تھا وہیں انہیں ارض مقدس میں ہلاک ہونے والے اپنے عزیزوں کا بھی گہرا رنج تھا۔ خزاں کا موسم قریباً ختم ہو چکا تھا، یہی وجہ تھی

کہ رات کے وقت انہیں سفر کرنے میں خاصی دشواری پیش آنے لگی۔ رات کو تیز ہواؤں کے جھکڑ چلتے اور ہوا میں خنکی اس قدر بڑھ جاتی کہ اعضاء شل پڑ جاتے۔ شراب کی گرمی بھی جسمانی حرارت کو برقرار رکھنے میں ناکام ثابت ہو رہی تھی۔ منگولوں کی جگہ کوئی اور ہوتا تو یقیناً موسم کی تبدیلی کے باعث بالائی علاقوں میں جانے سے گریز کرتا۔ یہ اسی وحشی قوم کی ہمت تھی کہ وہ ان سرد علاقوں میں طویل عرصے سے زندگی بسر کر رہی تھی۔

شیخ نے کمال چالاکی سے یہ معلوم کر لیا کہ وہ ہلاکو خان کا لشکر ہے جو تقریب قرولتائی کے انعقاد سے پہلے مراغہ پہنچنا چاہتا ہے۔ ہلاکو خان کا نام سن کر اس کی آنکھوں میں چمک بڑھ گئی۔ وہ اپنے اگلے اقدام کے بارے میں غور کرنے لگا۔ اس کا بدترین دشمن اسی لشکر کے اگلے حصے میں موجود تھا۔ وہاں تک پہنچنا ایک مشکل ترین مرحلہ تھا جس کا حل ڈھونڈنے کے لئے شیخ کا ذہن پوری طرح متحرک تھا۔

❀ ❀ ❀

مطیع الدین اس دبلے پتلے نوجوان کی جرأت پر داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے نہایت خوبصورتی سے اُسے یہ احساس دلایا کہ وہ لوگ اس کے بارے میں نہ صرف بہت زیادہ جانتے ہیں بلکہ اس کی حرکات وسکنات پر بھی پوری نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔ وہ نوجوان ابھی تک اس کے سامنے کھڑا تھا، اب اس کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ مطیع الدین نے اپنی سانسیں درست کیں اور کھنکار کر بولا۔

''میں سمجھ چکا ہوں کہ تم بھی انہی لوگوں میں سے ہو جو میری نگرانی کر رہے ہیں''۔

''یہ کوئی بتانے والی بات نہیں! بلکہ یوں کہو کہ ہم لوگوں نے تمہیں قریب آنے کا ایک موقعہ فراہم کیا ہے''۔ نوجوان اس کی نادانی پر چہکا۔

''پھر تم مجھے بتا ہی ڈالو کہ تم لوگ کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟'' مطیع الدین نے کہا۔

''دراصل ہمارے ایک دوست کی ایک چیز غلطی سے تمہارے پاس پہنچ گئی ہے، ہمیں صرف اس کی واپسی مقصود ہے.....'' نوجوان سنجیدگی سے بولا۔ مطیع الدین ایک بار پھر اس گمنام چیز کے ذکر پر جھنجلا سا گیا۔

''دیکھو! تم جو کوئی بھی ہو۔ صرف ایک بار مجھے اس چیز کا نام بتا دو جو میرے پاس ہے میں خود دونوں ہاتھ باندھ کر تم لوگوں کو لوٹا دوں گا۔ خدا کی قسم! میں اس بے نام چیز کے بار بار ذکر سے عاجز آ چکا ہوں''۔ مطیع الدین منت کرتے ہوئے بولا۔

''مطیع الدین! دراصل بات یہ ہے کہ ہم لوگ اس چیز کا نام بتا کر اس کی اہمیت تم پر واضح نہیں کرنا چاہتے بلکہ بار بار تمہیں یہی احساس دلاتے رہے ہیں کہ تم ہماری کھوئی ہوئی چیز، جو تمہیں کہیں گری پڑی ملی تھی، ہم لوگوں کو لوٹا دو''۔

''میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ ایسی کیا چیز ہو سکتی ہے جو مجھے کہیں سے ملی ہے اور وہ تمہاری کھوئی ہوئی چیز ہے؟ اگر تم مجھے ذرا سا اشارہ ہی دے دو تو بڑی مہربانی ہوگی''۔

''میں نے کہا نا..... کہ ہم لوگ اس چیز کا اشارہ تک بھی نہیں دے سکتے کیونکہ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ تم اس چیز کے بارے میں جاننے کے بعد یقیناً تجسس کا شکار ہو جاؤ گے اور پھر اس کی ٹوہ لگا لینا تمہارے لئے کوئی مشکل کام نہیں، اس چیز سے ہماری سلامتی وابستہ ہے''۔ نوجوان نے سنجیدگی سے اسے ٹال دیا۔

''چلو یونہی سہی!'' مطیع الدین تیزی سے بولا۔ ''تم مجھے اس طرح تو سمجھا سکتے ہو کہ وہ چیز پتھر یا دھات کی ہے یعنی سخت یا گھریلو استعمال کی چیز ہے جیسے پوشاک وغیرہ سے وابستہ یا پھر عورت کی زینت سے متعلقہ ہے''۔

نوجوان اس کی بات سن کر ہنس پڑا۔

''مطیع الدین! میں نے تمہارے بارے میں محض سنا تھا کہ تم بڑے ذہین اور چالاک شخص ہو مگر تمہاری باتیں سن کر مجھے بخوبی اندازہ ہو گیا ہے کہ تم بتانے والوں کے خیال سے بھی زیادہ عیار ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ اس طرح کی باتوں سے تم میرے منہ سے کچھ اگلوا سکو گے تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ میں کیا تمہیں ہم میں سے کوئی بھی یہ نہیں بتائے گا کہ وہ کیا چیز ہے؟ البتہ جس وقت ہمیں وہ تمہارے پاس دکھائی دے گئی تو ہم خود ہی اُسے حاصل کر لیں گے''۔

''تم سب لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے اور ساتھ ہی تم مجھے پاگل بنانے پر تلے ہو۔ تمہاری کوئی چیز میرے پاس ہے سیدھی طرح اس کے بارے میں بتاؤ تاکہ میں وہ تمہارے حوالے کر کے اپنا راستہ ناپوں۔ کم از کم مجھے کوئی شوق نہیں ہے کہ تم جیسے مخبوط الحواس لوگوں کو اپنے پیچھے پیچھے لگائے رکھوں''۔ مطیع الدین آپے سے باہر ہوتا ہوا بولا۔

''تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں، اپنی قیام گاہ پر جا کر تھوڑی دیر آرام کرو''۔ نوجوان کا لہجہ یکدم سرد ہو گیا۔ مطیع الدین اپنا غصہ بھول کر حیرانگی سے اسے تکنے لگا۔ نوجوان کے چہرے پر چھائی ہوئی معصومیت یکلخت غائب ہو چکی تھی اور اس کی آنکھوں میں انگارے دہکتے دکھائی دیئے۔

''ٹھیک ہے میں فی الوقت جا رہا ہوں۔ اپنے ساتھیوں سے کہہ دینا کہ اگر ان میں کوئی دوبارہ مجھے اپنے گرد دکھائی دیا تو اپنے نقصان کا خود ذمہ دار ہوگا''۔ مطیع الدین ہنکارتا ہوا بولا۔

''جاتے ہوئے یہ بات سن لو۔ تم یہاں شیخ عزیز الدین کے بارے میں کسی سے کچھ بھی نہیں جان پاؤ گے۔ یہاں کے لوگ تمہیں کچھ نہیں بتائیں گے البتہ اپنا وقت ضائع کرنا چاہو تو ہم میں سے تمہیں کوئی نہیں منع کرے گا''۔ نوجوان نے سرد لہجے میں اسے متنبہ کیا اور تیز قدموں سے اسی گلی میں داخل ہو گیا۔ مطیع الدین کے قدم بھی بے اختیاری میں اس کے تعاقب میں اُٹھ گئے۔ وہ نوجوان اس کی آنکھوں کے سامنے اسی مکان میں داخل ہو گیا جہاں کچھ دیر پہلے وہ سیاہ پوش گیا تھا۔ مطیع الدین گلی کی نکڑ پر کھڑا خود کو خجل سا محسوس کر رہا تھا۔ یہ کیسی پہیلی تھی جسے وہ حل کرنے کی پوری کوشش کر رہا تھا مگر اس کا کوئی سرا اسے نہیں مل رہا تھا۔ مطیع الدین نے دوبارہ بازار کی راہ لی۔ اس نے کچھ دکانداروں سے شیخ عزیز الدین کے بارے میں جاننے کی کوشش کی تو اسے غیر متوقع سرد مہری دیکھنے کو ملی۔ وہاں موجود تمام لوگ شاید شیخ عزیز الدین سے خائف تھے یا پھر اسی کے ہی ساتھی تھے۔ شیخ عزیز الدین کے بارے میں وہ کچھ بھی معلوم کرنے میں ناکام رہا۔ مطیع الدین نے اس گمنام الجھن پر لعنت بھیجی اور اپنی قیام گاہ کا رُخ کیا۔ سارا دن اسی مُڈبھیڑ میں بیت چکا تھا البتہ اسے یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ اس کی نگرانی اور تعاقب کرنے والے یہی لوگ ہیں۔ اچانک اس کے ذہن میں قافلے کی اچانک روانگی کا خیال عود کر آیا۔ وہ اس معاملے کو اب اس گمنام گروہ کے تناظر میں دیکھ رہا تھا۔

''یقیناً یہ لوگ عام لوگ نہیں ہیں۔'' وہ بڑبڑایا۔ ''یہاں کے لوگ ان کے بارے میں بات کرنے سے ہچکچاتے ہیں، قافلے کے لوگ بھی انہی کے خوف سے فوراً یہاں سے کوچ کر گئے۔ ان لوگوں کا تعلق سرکاری محکموں سے بھی نہیں محسوس ہوتا..... تو کیا یہ لوگ یہاں کسی غیر قانونی سرگرمی میں ملوث ہیں۔ ان کی نقل و حرکت سے تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے گرد و پیش کے بارے میں بے حد چوکس رہتے ہیں''۔ مطیع الدین زیر لب بڑبڑاتا ہوا سرائے پہنچ گیا۔ وہ اپنے کمرے میں جانے کے بجائے قہوہ خانے والے حصے میں بڑھ گیا۔ جہاں کچھ لوگ قہوے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اچانک اس کی نظر سرائے کے مالک پر پڑی جو ایک جانب بیٹھا

اپنے ملازم سے بات چیت میں مصروف تھا۔ مطیع الدین کے ذہن میں ایک خیال آیا تو اس کے قدم اس کی جانب بڑھنے لگے۔ سرائے کے مالک کی نظر اس پر پڑی تو وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ مطیع الدین نے اس سے سلام دعا کی اور اس کے قریب بیٹھ گیا۔

''آج شاید تم فروخت کے لئے بازار نہیں گئے''۔ سرائے کا مالک مسکرا کر بولا۔

''نہیں..... بس آج طبیعت نہیں چاہی، سوچا آج کا دن یہاں کی سیر ہی کر لی جائے''۔ مطیع الدین نے جواب دیا۔ سرائے کا مالک مسکرانے لگا۔

''مجھے تم سے ایک خاص بات کرنا تھی اسی لئے ادھر آ نکلا''۔ مطیع الدین نے کچھ توقف سے بات بڑھائی۔ ''میں یہاں ایک الجھن کا شکار ہو چکا ہوں۔ کچھ لوگ میرے پیچھے پڑے ہیں جن کے بارے میں میں کچھ زیادہ نہیں جانتا اور تو اور ان کی عجیب سی حرکات بھی میری عقل سے باہر ہیں، ان کے بارے میں میں جس کسی سے بھی کچھ پوچھتا ہوں تو وہ ایسا منہ بناتا ہے جیسے میں نے اسے گالی دی ہو''۔

''کیسے لوگ؟'' سرائے کا مالک چونک کر بولا۔ ''میں سمرقند کے سب بااثر لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہوں تم کھل کر بتاؤ تو شاید میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں''۔

''یہاں سے کچھ دور تین بازاروں کے سنگم کے آخر میں ایک چھوٹی سی گلی ہے جہاں ایک شخص شیخ عزیز الدین رہتا ہے۔ کیا تم اس کے بارے میں کچھ جانتے ہو''۔ مطیع الدین بولا۔

اس کی بات سن کر سرائے کے مالک نے بلند قہقہہ لگایا جس پر مطیع الدین تعجب بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

''تم نے کیا نام لیا؟..... شیخ عزیز الدین.....!'' سرائے کا مالک اپنی ہنسی دباتا ہوا بولا۔ مطیع الدین نے شکوک بھری نگاہوں سے اثبات میں سر ہلایا۔

''تم جس شخص کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہے ہو وہ تو تمہارے سامنے بیٹھا ہے۔ میرا ہی نام شیخ عزیز الدین ہے''۔ سرائے کا مالک ہنستا ہوا بولا۔ مطیع الدین اس کی بات سن کر ششدر رہ گیا۔ اسے لمحہ بھر کے لئے اپنی کھوپڑی گھومتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

❁ ❁ ❁

''کک..... کک..... کیا..... مطلب.....؟'' فربہ شخص بوکھلا کر پیچھے ہٹا۔

''ابوثاقب!'' مملوک سپاہیوں میں سے ایک شخص اس کی جانب بڑھتا ہوا تیز لہجے میں بولا۔ ''میں کئی دن سے تمہاری ٹوہ میں تھا۔ آج تو رنگے ہاتھوں پکڑے ہی گئے''۔

فربہ شخص جس کا نام ابوثاقب تھا، اسے دیکھتے ہی پہچان گیا۔ وہ دمشق کا سابق نگران غیاث الدین قرطائی تھا۔ خوف کے مارے ابوثاقب کا رنگ زرد پڑ گیا۔

''مم..... میں..... نے کیا کیا ہے.....؟'' ابوثاقب بمشکل بولا۔

''اگر تم نے کچھ نہیں کیا ہے تو اس قدر سہما کیوں رہے ہو؟'' غیاث الدین قرطائی نے اس پر طنز کی۔ اندر موجود اجنبی بھی ناگہانی صورتِ حال سے آگاہ ہو چکا تھا، اس نے تیزی سے فرار ہونے کی کوشش کی مگر مملوک سپاہیوں نے سرعت انگیزی کا مظاہرہ کر کے لمحہ بھر میں اس کی کوشش ناکام بنا دی۔ تھوڑی ہی دیر میں غیاث الدین قرطائی ان دونوں کے منہ کھلوا چکا تھا۔ جب سہرس کے بارے میں اُسے حقیقت معلوم ہوئی تو وہ دم بخود سا رہ گیا۔ سلطان الملک المظفر اس حد تک بھی گر سکتا تھا، یہ اس کے گمان میں نہیں تھا۔ سہرس کی موت

کی خبر نے اس کے اندر غم و غصہ کی آگ بھڑکا دی۔ اس نے ان دونوں کو گرفتار کر لیا اور انہیں ساتھ لے کر فوراً اپنی قیام گاہ پہنچا۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو تمام سرکردہ مملوک امرأ کی جانب دوڑایا۔ وہ اپنے مملوک ساتھیوں کو جلد از جلد اس حقیقت سے آگاہ کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ سب مل جل کر سلطان الملک المظفر کے بارے میں کوئی لائحہ عمل اختیار کرتے۔

غیاث الدین کئی دن سے ابوثاقب پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ ابوثاقب دمشق کا باشندہ تھا۔ اس کے بارے میں اسے کچھ ایسی خبریں ملی تھی کہ وہ مسلمانوں کے دشمنوں کے لئے جاسوسی کا کام کرتا ہے۔ غیاث الدین نے کچھ مخبروں کو اس کی تاک میں لگا رکھا تھا تاکہ کوئی ایسی حرکت سامنے آئے تو اسے رنگے ہاتھوں پکڑا جا سکے۔ ابھی تک اس کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت ہاتھ نہیں لگ پایا کہ سلطان الملک المظفر کی دمشق میں آمد کے بعد ابوثاقب کی رسائی اچانک دربار شاہی تک ہو گئی۔ یہ بات غیاث الدین کے لئے بے حد حیرت انگیز تھی کہ ایک معمولی سرائے کے مالک کا سلطان الملک المظفر سے کیا واسطہ ہو سکتا ہے؟ اسی تجسس میں اس نے اس پر کڑی نظر رکھنے کا حکم دیا۔ ابوثاقب سلطان الملک المظفر کے خاص غلاموں میں سے ایک تھا جسے دمشق میں طویل عرصے سے جاسوسی کے لئے تعینات کیا گیا تھا۔ تاتاریوں سے متعلق ہر قسم کی خبریں ابوثاقب ہی قاہرہ روانہ کیا کرتا تھا۔ چونکہ ابوثاقب کا تعلق محکمہ جاسوسی سے تھا اس لئے امرأ کا طبقہ اس سے واقف نہیں تھا۔ تاتاریوں کی شکست کے بعد اسے بیبرس کی سرگرمیوں کے بارے میں سلطان الملک المظفر کو مطلع کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ اس کے ساتھ گرفتار ہونے والا اجنبی اس کے خاص ساتھیوں میں سے ایک تھا، جو خود میدان میں اتر کر اپنے فرائض انجام دیتا تھا۔ جب سلطان الملک المظفر خود دمشق میں پہنچا تو اس نے ابوثاقب سے خلوت میں ملاقات کی اور بیبرس کے بارے میں اپنی حکمت عملی سے آگاہ کیا۔ بیبرس کے پاس روانہ کیا جانے والا قاصد بھی ابوثاقب نے ہی فراہم کیا تھا جو خنجر زنی میں شہرت کا حامل تھا۔

غیاث الدین قرطائی کو بیبرس کی موت کی خبر پر رہ رہ کر غصہ آتا رہا، وہ بے اختیاری کے عالم میں کبھی اپنی مٹھیاں بھینچتا تو کبھی غصے میں چیزوں کو ٹھوکریں مارتا۔ اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ ابوثاقب کو اس قدر ماریں کہ وہ ادھ موا ہو جائے۔ ابوثاقب کو پٹوا کر وہ اپنی بھڑاس نکالنے کی کوشش کرتا رہا۔ ابوثاقب نے سنبھلنے کے بعد کئی بار اسے خوفناک انجام سے ڈرانے کی کوشش کی مگر غیاث الدین قرطائی اس کی دھمکیوں سے مرعوب ہونے کے بجائے حقارت سے پر اس تھوک دیتا۔ اس نے صاف الفاظ میں اس پر واضح کر دیا تھا کہ وہ جس سلطان کے بل بوتے پر اتنا اکڑ رہا ہے اس کا انجام بھی قریب ہی ہے۔

صدر دروازے پر دستک کی آواز سن کر غیاث الدین نے استہزائیہ انداز میں ان دونوں کی جانب دیکھتے ہوئے سوچا۔ مملوک امرأ پہنچنا شروع ہو گئے ہیں، بس کچھ ہی دیر کی بات ہے۔ غیاث الدین قرطائی نے ایک سپاہی کو آواز دی کہ وہ دروازے کے پاس رہے اور جو جو امیر پہنچتا جائے، اسے اندر بھیجتا رہے۔ سپاہی اس کی بات پر دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد غیاث الدین کو ایک ساتھ کئی لوگوں کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ حیرانگی سے اس طرف دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ ''یہ کیا ماجرا ہے؟'' دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ آنے والے مملوک امرأ نہیں تھے بلکہ ننگی تلواریں سونتے مملوک سپاہی تھے جن کے پیچھے پیچھے سلطان الملک المظفر خود چلا آ رہا تھا۔ غیاث الدین قرطائی بازی پلٹتے دیکھ کر پریشان سا ہو گیا۔

❁ ❁ ❁

وہ دن گل وتوڑ کے لئے کبھی نہ بھولنے والا دن تھا۔ اُسے اس بند کمرے سے نکال کر آزاد فضا میں لایا گیا تھا۔ صبح کا وقت تھا۔ آسمان بادلوں کی اوٹ میں چھپا ہوا تھا۔ لطیف روشنی ہر سو پھیلی دکھائی دی۔ گل وتوڑ نے کئی بار آنکھیں مل مل کر دیکھا کہ یہ سب حقیقت ہی ہے کہیں وہ کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہی۔ گل وتوڑ کے ہمراہ دو غلام تھے جو اسے اپنے ساتھ ایک جانب لئے جا رہے تھے۔ گل وتوڑ نے اس عمارت کے در و دیوار کی ساخت سے اندازہ لگایا کہ وہ اس وقت کسی قلعے نما عمارت میں موجود ہے جو پتھروں کے بڑے بلاک کو جوڑ کر بنایا گیا ہے۔ وہ مشتاق نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتی ہوئی آگے بڑھتی رہی۔ غلام اسے ساتھ لے کر سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ کافی دیر کے بعد اس نے خود کو ایک بڑی راہداری میں پایا۔ اوپر کھلا آسمان تھا جبکہ دائیں بائیں بلند دیواریں تھیں۔ غلام کہیں بھی رُکے بغیر لگاتار چلتے رہے۔ گل وتوڑ پریشان ہو گئی کہ وہ اسے کہاں لے جانا چاہتے ہیں کہ یہ سفر ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ بالآخر وہ اسے لے کر ایک کھلے صحن میں پہنچ گئے۔ اس کے چاروں جانب چھوٹی دیوار کا حصار تھا۔ اس بڑے صحن کے وسط میں ایک نفیس تخت بچھا ہوا تھا اور اطراف میں بڑی تپائیوں پر رنگ برنگ پھلوں کی طشتریاں سجی ہوئی تھیں۔ گل وتوڑ کی نگاہ تخت پر براجمان شخص پر پڑی تو اس کے چہرے پر اطمینان سا پھیل گیا۔ اسے پہلی نظر دیکھتے ہی گل وتوڑ پہچان گئی تھی کہ وہ شیخ کبیر الدین ہی تھا۔ اس کی عقبی سمت میں کھڑی کنیزیں اسے پنکھا جھل رہی تھی۔ شیخ کبیر الدین کی شخصیت اسے کسی بادشاہ سے کم نہیں دکھائی دی۔ وہ تخت کے سامنے پہنچ کر خاموشی سے کھڑی ہو گئی۔

''لڑکی! جھک کر آقا کو تعظیم دو''۔ گل وتوڑ کو لانے والے غلاموں میں سے ایک غرا کر بولا۔

''بس ٹھیک ہے تم لوگ جاؤ''۔ شیخ کبیر الدین کی آواز سنائی دی۔ غلام گل وتوڑ کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے ہوئے واپس لوٹ گئے۔

''خوش آمدید گل وتوڑا! آؤ میرے پاس بیٹھو''۔ شیخ کبیر الدین مسکرا کر بولا۔

گل وتوڑ لمحہ بھر کو جھجکی پھر آہستگی سے بڑھ کر تخت پر بیٹھ گئی۔ شیخ کبیر ٹانگیں پھیلائے اپنی جگہ ساکت رہا۔ کچھ دیر تک دونوں خاموش رہے۔

''یہ کون سی جگہ ہے؟'' گل وتوڑ نے خاموشی کو توڑا۔

''یہ قہستان کا علاقہ ہے۔ تم اپنے چاروں جانب اونچے اونچے پہاڑ دیکھ سکتی ہو۔ ان پہاڑوں کے بیچوں بیچ ایک بلند و بالا پہاڑ کی چوٹی پر اس وقت ہم لوگ موجود ہیں۔ یہ ہمارا مضبوط قلعہ ہے جسے لوگ قلعہ الموت کے نام سے جانتے ہیں..... ایک ناقابلِ تسخیر پناہ گاہ''۔

''کیا تم یہاں کے بادشاہ ہو؟'' گل وتوڑ نے معصومیت سے سوال کیا۔

شیخ کبیر الدین کے لبوں سے قہقہہ بلند ہوا۔ ''یہی سمجھ لو''۔

''سمجھ لو سے تمہاری کیا مراد ہے؟'' گل وتوڑ شش و پنج میں مبتلا ہو گئی۔

''ہم فی الوقت بادشاہ نہیں ہیں بلکہ ہم یہاں کے شہزادے ہیں، آنے والے کل میں ہم بادشاہ بھی بن سکتے ہیں۔ تم یہ سمجھ لو کہ ہم ولی عہد ہیں''۔ شیخ کبیر الدین نے جواب دیا۔

''تمہاری بادشاہی میں صرف یہی قلعہ ہے یا اور بھی علاقے ہیں؟''

''اس کے قلعے کے گرد پھیلا ہوا تمام علاقہ ہماری ہی ملکیت ہے''۔

''میرا کہنے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ یہاں دکھائی دینے والے پہاڑ تمہارے ہیں بلکہ یہ تھا کہ ان پہاڑوں کے کتنے شہر آباد ہیں؟''

''اس قلعے کے باہر ایک بہت بڑا شہر آباد ہے جسے تم بہت جلد دیکھ پاؤ گی مگر اس سے پہلے میں تمہیں کچھ دکھانا چاہتا ہوں''۔ شیخ کبیر الدین تخت سے اتر آیا اور گل وتوڑ کا بازو پکڑ کر اسے دیوار کی جانب لے آیا۔ گل وتوڑ کی نظر جب دیوار کی دوسری سمت پڑی تو اسے اپنا سانس گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔

''گل وتوڑا!'' شیخ کبیر الدین اس کی حالت سے محظوظ ہوتا ہوا بولا۔ ''ہم اس وقت قلعے کی بلند و بالا فصیل پر موجود ہیں۔ اس فصیل کی اونچائی کا اندازہ تم نیچے جھانک کر لگا سکتی ہو۔ باہر کی طرف تمہیں گہری کھائیاں دکھائی دیں گی تو اندر کی طرف قلعے کی اپنی گہرائی۔ تمہیں یہ سب دکھانے کا مقصد یہ ہے کہ اس قلعے میں ہر شخص میری ہی مرضی سے داخل ہو سکتا ہے اور میری اجازت سے ہی باہر جا سکتا ہے۔ یہاں سے فرار ہونے کا کوئی چور راستہ موجود نہیں لہٰذا تمہارے ننھے سے ذہن میں ایسی کوئی بات موجود ہے تو اسے جھٹک دو''۔

''تمہارا دعویٰ کچھ زیادہ ہی بڑا ہے''۔ گل وتوڑ نے کہا۔

''کوشش کرنے میں کوئی ہرج نہیں۔ تم اپنے تئیں کوشش کر کے دیکھ سکتی ہو''۔

''اس بارے میں میں سوچوں گی''۔ گل وتوڑ مختصراً بولی۔

''ہاں! یہ بات یاد رکھو کہ اگر تم میرے کہنے کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہو گی تو تم اس قلعے میں ہمیشہ محفوظ رہو گی اگر تم اپنے تئیں کوئی کوشش کرنا چاہتی ہو تو یہ ذہن نشین کر لو کہ اگر تم کامیاب ہو گئی تو تمہیں بحفاظت سرائے پہنچا دیا جائے گا اور اگر تم ناکام ہو گئیں تو پھر تم پر میرے پیروکاروں کا حق ہو گا وہ تمہارے جسم کو کیسے نوچ کھائیں گے اس بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہے''۔ شیخ کبیر الدین نے اسے متنبہ کیا۔ گل وتوڑ اس کی دھمکی سے قطعاً مرعوب نہیں ہوئی۔

''تم آخر مجھ سے چاہتے کیا ہو؟'' گل وتوڑ اکتا کر بولی۔

''مجھے تمہارے گداز بدن سے کوئی غرض نہیں، ویسے بھی میں جب چاہوں، اسے بآسانی حاصل کر سکتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے لئے کام کرو، جو میں کہوں اسے یوں بجالاؤ جیسے وہ کام تمہاری ذات سے وابستہ ہے''۔ شیخ کبیر الدین بولا۔

''میں اس کام کی نوعیت جاننا چاہتی ہوں''۔ گل وتوڑ نے کہا۔

''اس کا ابھی وقت نہیں آیا۔ جب میں مناسب سمجھوں گا تمہیں آگاہ کر دوں گا۔ آج سے تمہیں کھلی فضا میں گھومنے کی کھلی اجازت ہے۔ تم قلعے کے بالائی حصے میں بلا روک ٹوک آ جا سکتی ہو مگر تم زیریں حصے کی جانب نہیں جاؤ گی۔ اگر تم نے میری حکم عدولی کی تو نچلے حصے کے مکین تمہارے خوبصورت بدن کے وارث قرار پائیں گے اور تمہیں خنجر زنی کی مخصوص تربیت دی جائے گی۔ جس دن تمہاری یہ تربیت مکمل ہو جائے گی اسی دن تم اس قلعے سے باہر جا سکو گی۔ اس تربیت کے مکمل ہونے میں تم کتنا وقت لگاؤ گی یہ تم پر منحصر ہے''۔

''خنجر زنی کی تربیت.....؟'' گل وتوڑ کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔

''ہاں! میں تم سے جو کام لینا چاہتا ہوں اس میں خنجر زنی کی تربیت بے حد ضروری ہے''

''اگر میں یہ تربیت نہ لینا چاہوں تو.....؟''

''تمہاری مرضی! وہ بند کمرہ اب بھی تمہارا منتظر ہے''۔

گل وتوڑ زنداں نما کمرے کے تصور سے کانپ کر رہ گئی۔ اس کی آنکھوں میں جھلکتے خوف کو دیکھ کر شیخ کبیر الدین مسکرا دیا۔ اس نے ایک کنیز کو آواز دی۔

''اسے شاہی مہمان خانے میں لے جاؤ اور اس کے رہنے کے لئے ایک کمرہ درست کر دو۔ تمہیں اس کا مکمل خیال رکھنا ہوگا۔ اس کی ہر غلطی میں تم برابر کی شریک قرار پاؤ گی''۔ شیخ کبیر الدین نے سرد لہجے میں اسے حکم دیا۔ اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے گل وقوڑ کی جانب دیکھا۔ کنیز کی زندگی کی ڈور ایک ایسی عورت کے ساتھ بندھ گئی تھی اگر وہ کوئی غلط حرکت کرتی تو اس کا خمیازہ اسے بھی بھگتنا پڑتا۔ شیخ کبیر الدین نے گل وقوڑ کو کنیز کے ساتھ جانے کی ہدایت کی۔ گل وقوڑ خاموشی سے چلتی ہوئی کنیز کی جانب بڑھ گئی جو اسے مختلف راستوں سے مہمان خانے کی جانب لے جا رہی تھی۔ گل وقوڑ چلتے ہوئے اپنے دائیں بائیں نظر دوڑاتی رہی۔ اچانک اس کی نگاہ ایک جانب جم کر رہ گئی۔ اسے فصیل کے نیچے دکھائی دینے والی سیڑھیوں پر ایک شخص سیڑھیاں چڑھتا ہوا دکھائی دیا۔ اس کا لباس اسے کچھ جانا پہچانا سا لگا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ اس نے غور سے اس کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی۔ وہ جو کوئی بھی تھا سر جھکائے چل رہا تھا۔ اچانک اس نے اپنی گردن اوپر اُٹھائی تو اس کے چہرے کی جھلک گل وقوڑ کو دکھائی دے گئی۔ اسے پہچانتے ہی گل وقوڑ کو اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اسی لمحے کنیز نے اسے ٹہوکا مارا۔

''گل وقوڑ! رُک کیوں گئی ہو۔ چپ چاپ چلتی رہو، ورنہ ہم دونوں کسی مشکل میں پھنس جائیں گی''۔

گل وقوڑ کنیز کی بات پر چونک پڑی۔ اس نے دوبارہ نیچے کی جانب جھانکا تو وہ شخص کہیں بھی دکھائی نہیں دیا۔ گل وقوڑ سوچنے لگی کہ وہ کہاں گیا؟ کنیز نے جب دیکھا کہ گل وقوڑ پر اس کی بات کا کوئی اثر نہیں ہوا تو اسے قریباً کھینچتی ہوئی چل پڑی۔ گل وقوڑ اس کے ساتھ کھنچتی ہوئی چلتی رہی۔ وہ کنیز کے ساتھ چل تو رہی تھی مگر اس کا ذہن سیڑھیوں پر دکھائی دینے والے چہرے پر اٹکا ہوا تھا۔ گل وقوڑ نے اسے طویل عرصے کے بعد دیکھا تھا مگر پہلی ہی نظر میں اسے پہچان گئی تھی..... وہ کوئی اور نہیں اس کا ماموں زاد ''شنک خان'' تھا۔

❀❀❀

''یہاں کیا ہو رہا ہے؟'' سلطان الملک المظفر نے غیاث الدین قرطائی کی جانب گھورتے ہوئے دریافت کیا۔ سپاہی ان سب کو اپنے نرغے میں لے چکے تھے۔ غیاث الدین قرطائی اس غیر متوقع صورتِ حال میں خاموش رہا، سلطان الملک المظفر بے حد زیرک واقع ہوا تھا۔ اس نے ابوطاقب کو ایک اہم کام سونپنے کے بعد اس کی نگرانی کا پورا بندوبست کر رکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی قیام گاہ پر غیاث الدین قرطائی کے اچانک چھاپے اور پھر گرفتاری کی خبر سلطان الملک المظفر تک فوراً پہنچ گئی۔ اس نے وقت ضائع کئے بغیر غیاث الدین قرطائی کے گھر کا رُخ کیا۔ اس کے ساتھ خاص وفادار محافظ دستہ تھا۔

''قرطائی! تم کچھ زیادہ ہی اونچا اُڑنے کی کوشش کر رہے ہو، تم شاید بھول چکے ہو کہ اس دیار کے سلطان ہم ہیں۔ یہاں کی رعیت کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے، تم کس جرم کے تحت ان دو معزز شہریوں کو ان کے گھروں سے پکڑ کر یہاں لائے ہو اور ان کے جسم پر دکھائی دینے والے تشدد کو کیا نام دیا جائے؟'' سلطان کی گرجتی ہوئی آواز کمرے میں گونجی۔ غیاث الدین قرطائی حالات کو اپنے خلاف جاتے دیکھ کر سنبھل گیا اور اس نے سامنا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ تیز لہجے میں بولا۔

''سلطان! تمہاری حقیقت کھل چکی ہے۔ یہ دونوں اپنی زبانیں کھول چکے ہیں کہ تم نے انہیں کیسے استعمال کر کے بہرس کو ہلاک کروایا ہے، اب میرے سامنے بننے کی کوشش مت کرو''۔

''کیا مطلب؟'' سلطان الملک المظفر اپنی جگہ دنگ رہ گیا۔ ''بہرس ہلاک ہو چکا ہے مگر کیسے؟'' سلطان الملک المظفر کے پاس ابھی تک ایسی کوئی اطلاع نہیں پہنچی تھی، اس کا حیران ہونا قدرتی امر تھا۔

''سلطان تمہاری دلی خواہش بر آئی ہے اب یہ تعجب تمہیں زیب نہیں دیتا''۔ قرطائی نے طنز کی۔

سلطان الملک المظفر اس کی بات پر کھول اُٹھا۔

''قرطائی! حد تمیز میں رہو تو زیادہ بہتر ہے، میں نہیں جانتا کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ ایک طرف تم میرے وفادار سالار بہرس کی موت کی خبر سنا رہے ہو تو دوسری جانب اس کی ہلاکت کا الزام میرے ہی سر پر تھوپ رہے ہو۔ تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟'' سلطان الملک المظفر کے چہرے پر بے یقینی کی کیفیت نمایاں تھی۔ اسے ابھی تک یقین نہیں آیا تھا کہ واقعی بہرس ہلاک ہو چکا ہے۔ اس نے شعلہ بار نگاہوں سے ابوطاقب کی جانب دیکھا تو اس نے ندامت سے سر جھکا لیا۔

''ثابت تو ابھی تھوڑی ہی دیر میں ہو جائے گا کہ تمہاری کیا سچائی ہے۔ میں نے سب امرأ کو بلوا بھیجا ہے، وہ کچھ ہی دیر میں آتے ہوں گے''۔ غیاث الدین قرطائی کے چہرے پر بے خوفی کے آثار دیکھ کر سلطان الملک المظفر کچھ پریشان ہوا۔

تم کیا سمجھتے ہو کہ اس بے بنیاد اور سن گھڑت الزام سے تم میرے امرأ کو میرے ہی خلاف بھڑکانے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ یہ تمہاری بھول ہے، ابھی وقت ہے سچائی بیان کر دو تاکہ مجھے تمہارے بارے فیصلہ کرتے ہوئے نرمی اختیار کرنے کا جواز مل جائے''۔ سلطان الملک المظفر درشت لہجے میں بولا۔

''سیف الدین قطوزی!'' غیاث الدین قرطائی احترامِ شاہی کو ایک طرف رکھتے ہوئے تیز لہجے میں بولا۔ ''تم سلطان ضرور بن چکے ہو مگر تمہاری غلامی کی چبھن ابھی باقی ہے۔ تم زمانہ غلامی میں جن اشیاء کے حصول کے لئے ترسا کرتے تھے۔ آج اختیار پانے کے بعد انہیں اپنے قبضے میں رکھنے کی خواہش کے غلام بن چکے ہو۔ تم یہ بات فراموش کر چکے ہو کہ وفادار ساتھی ہی کسی سلطان کی حقیقی طاقت ہوتے ہیں۔ بہرس کو اپنی راہ سے ہٹا کر تم نے جس خود غرضی کا مظاہرہ کیا ہے اسے طشت از بام کرنا میرا فرض ہے''۔

''بہت خوب.....!'' سلطان الملک المظفر استہزائیہ لہجے میں بولا۔ ''تمہاری چھپی ہوئی نفرت کو بالآخر زبان مل ہی گئی، مجھے اسی پل کا انتظار تھا کہ تمہیں سزا دینے سے پہلے تمہارا جرم ثابت ہو جائے تاکہ کوئی میری جانب انگلی نہ اُٹھا سکے کہ میں نے تمہیں ناحق سزا دی ہے''۔

''میرا جرم صرف یہی ہے کہ میری زبان بے باک ہے اور میں نے تمہاری غلطیوں پر کبھی چشم پوشی سے کام نہیں لیا۔ رہا سزا کا سوال؟ تو تم نے مجھے اپنے راستے سے ہٹانے کی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو نصرت سے نواز اور تمہارے ناپاک عزائم کو ملیا میٹ کر دیا''۔

''خوش قسمتی سے تم لوگ تاتاری معرکہ میں بچ گئے مگر خوش قسمتی روز روز دستک نہیں دیا کرتی۔ تمہارا امیر بہرس تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے، تم چونکہ اس حقیقت سے آگاہ ہو چکے ہو کہ بہرس کو کیسے مارا گیا ہے لہٰذا اب تمہارا زندہ رہنا ہمارے لئے ٹھیک نہیں اور ویسے بھی تمہیں مزید زندہ رہنے کی ضرورت نہیں''۔ سلطان الملک المظفر مسکرا کر بولا۔

''سیف الدین!'' غیاث الدین قرطائی تڑخ کر بولا۔ ''سپاہی موت سے کبھی خوف زدہ نہیں ہوتا۔ تم سمجھتے ہو کہ تمہارے یہ افعال کبھی عیاں نہیں ہوں گے تو اس غلط فہمی میں نہ رہنا۔ کچھ ہی دیر میں امرأ یہاں آنے والے ہیں، اگر تم مجھے ہلاک کرنے میں کامیاب ہو بھی گئے تو وہ سب تم سے میری ہلاکت کی وجہ ضرور دریافت کریں گے اور پھر تمہارا جھوٹ زیادہ دیر تک نہیں چھپ سکے گا''۔

''اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں قرطائی! یہ فطرت کا تقاضا ہے شعلہ بجھنے سے پہلے بھڑکتا ضرور ہے۔ میں

نے جو فیصلہ کرنا تھا وہ کرلیا ہے، اب اسے بدلا نہیں جاسکتا''۔ سلطان الملک المظفر نے لاپروائی سے کہا اور اس کے اشارے پر سپاہیوں نے مملوک امیر غیاث الدین قرطائی کو خون میں نہلا دیا۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ابوطالب، اس کے ساتھی اور غیاث الدین قرطائی کے ماتحت سپاہیوں کو بھی ہلاک کر دیا گیا۔ سلطان الملک المظفر کوئی ایسا ثبوت باقی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا جس سے امرأ کے ہاتھ اس کے گریبان کی جانب اُٹھتے۔

پوری کی پوری بازی پل بھر میں پلٹ چکی تھی۔ سلطان الملک المظفر کو جہاں سیرس کی ہلاکت کی خبر پر خوشی ہوئی تھی، وہیں اسے غیاث الدین قرطائی کو انجام تک پہنچا دینے کا موقعہ بھی مل گیا تھا۔ وہ اپنے دو طاقتور حریفوں سے نجات پا چکا تھا۔ کچھ ہی دیر میں مملوک امرأ وہاں پہنچنا شروع ہوگئے۔ وہ اچانک بلاوے پر خاصے پریشان تھے کہ غیاث الدین قرطائی اس وقت ان سے ایسی کیا بات کہنا چاہتا ہے؟ کہ اس نے وقت ضائع کئے بغیر انہیں اپنے گھر بلا بھیجا تھا۔ وہاں جب ان کی نگاہ سلطان الملک المظفر اور سپاہیوں پر پڑی تو وہ مخمصے کا شکار ہوگئے۔ کچھ ہی دیر میں ان پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ مملوک امیر غیاث الدین قرطائی، سلطان الملک المظفر کے خلاف کسی سازش کا ارتکاب کر رہا تھا۔ دربار شاہی میں بروقت اطلاع ہونے پر سلطان الملک المظفر نے خود کارروائی کرتے ہوئے اُسے ساتھیوں سمیت عین موقعہ پر گرفتار کر لیا۔ غیاث الدین قرطائی کو اس کے ساتھیوں سمیت گرفتار کر کے ہلاک کر دیا گیا۔

اُمرأ یہ متضاد خبر پا کر کچھ پریشان دکھائی دیئے۔ امرأ کے چہروں کے رنگ اس وقت صحیح معنوں میں فق پڑ گئے جب سلطان الملک المظفر نے ان سے بھی درشت رویہ میں پوچھ گچھ شروع کی کہ وہ لوگ وہاں کیا کرنے آئے ہیں؟ آنے والے مملوک امرأ کو جب اپنی جان کے لالے پڑتے دکھائی دیئے تو انہوں نے فرداً فرداً غیاث الدین قرطائی سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے وفاداری و اطاعت کی ضمانت فراہم کی۔ سلطان الملک المظفر کافی دیر تک وہاں خود موجود رہا اور وہاں پہنچنے والے تمام امرأ کے نام ذہن نشین کرتا رہا۔ وہ ایسے لوگوں کو بھی اپنی نگاہ میں رکھنا ضروری سمجھتا تھا، جن سے بغاوت پیدا ہونے کا خدشہ ہو سکتا تھا۔ امرأ نے اپنی اپنی جان بچنے پر شکر ادا کیا اور نہ غیاث الدین قرطائی کی رہائش گاہ پر ان کی بلاجواز آمد سازش میں شرکت کا بین ثبوت تھی۔

سلطان الملک المظفر نے فوری کارروائی سے کسی حد تک مملوک امرأ کو مرعوب ضرور کر لیا تھا مگر وہ ان کے ذہنوں میں جنم لینے والے اس سوال کو نہیں دبا پایا تھا کہ سلطان الملک المظفر نے فوری کارروائی کرتے ہوئے اس قدر اچانک قرطائی کو کیوں ہلاک کیا۔ اس پر نہ تو کوئی مقدمہ چلایا گیا اور نہ ہی اسے صفائی پیش کرنے کا کوئی موقعہ دیا گیا۔ کہیں نہ کہیں کچھ گڑبڑ ضرور تھی جسے وہ سمجھنے میں ناکام رہے۔

❀ ❀ ❀

مطبع الدین سرائے کے مالک کے جواب پر سکتے کے سے عالم میں بیٹھا تھا۔ اسے اپنی حس سماعت پر ابھی تک یقین نہیں آیا کہ اس کے کانوں نے جو جملہ سنا ہے وہ حقیقتاً سرائے کے مالک کے منہ سے ہی نکلا تھا۔ سرائے کا مالک کچھ دیر تک خود ہی ہنستا رہا اور پھر اپنی ہنسی سمیٹ کر بولا۔ ''تم نے جس مکان کا ذکر کیا ہے وہ میرا ہی ہے مگر تمہیں میرے بارے میں یوں کھوج لگانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟''

''اللہ کی قسم! مجھے لگتا ہے کہ میں یقیناً پاگل ہو جاؤں گا، زندگی کے یہ پل میرے لئے کسی گھن چکر سے کم نہیں ہیں''۔ مطبع الدین سر جھٹکتا ہوا بولا۔

''تمہارے چہرے سے لگتا ہے کہ تم واقعی کسی پریشانی میں مبتلا ہو چکے ہو۔ ٹھہرو میں تمہارے لئے قہوہ

منگواتا ہوں پھر مجھے تفصیل سے بتانا کہ کیا ماجرا ہے؟'' سرائے کے مالک نے اپنے ملازم کو قہوہ لانے کے لئے آواز دی۔ کچھ ہی دیر میں گرم قہوہ مطبع الدین کے سامنے پڑا تھا۔ اس اثناء میں مطبع الدین بیتے وقت پر نگاہ دوڑاتا رہا۔ جب مطبع الدین نے قہوہ ختم کر لیا تو سرائے کا مالک اس کی جانب متوجہ ہوا۔

''اب اطمینان سے پوری بات بتاؤ''۔

مطبع الدین نے سرائے سے لے کر سرقند کے قیام میں پیش آنے والے ان عجیب واقعات کی کڑیاں ملائیں اور انہیں مختصر الفاظ میں اس کے سامنے رکھ دیا۔ سرائے کا مالک خاموشی سے اس کی بات سنتا رہا۔ جب مطبع الدین آج کی روداد سنا کر خاموش ہوگیا تو سرائے کا مالک توقف سے بولا۔

''میں تمہاری تمام بات سمجھ چکا ہوں، واقعی ایسے حالات میں پریشان ہو جانا فطری امر ہے۔ تم بے فکر رہو میں تمہاری پوری مدد کروں گا''۔

''مگر یہ سوال ابھی تک باقی ہے کہ لوگ تمہارے بارے میں کچھ بتانے سے کیوں ہچکچاتے ہیں؟'' مطبع الدین نے پوچھا۔

''برخوردار!'' شیخ عزیز الدین ہنس کر بولا۔ ''جوانی کے ایام میں، میں راہزنی کیا کرتا تھا۔ میں اتنا ماہر تھا کہ جائے واردات پر سپاہیوں کے ہاتھ نہ لگتا اگر کوئی میری شکایت کرتا تو دوسرے دن اس کی لاش شہر کے کسی حصے میں ملتی۔ تھوڑے عرصے میں ہی میری اتنی شہرت ہوگئی کہ لوگ میرے نام سے خوف کھانے لگے۔ ممکن تھا کہ میں آج بھی ویسا ہی ہوتا مگر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں تھا، اس نے مجھے ہدایت بخشی اور میں ایک شریف آدمی بن کر زندگی گذارنے لگا۔ اس سرائے کو ذریعہ معاش بنایا، یہاں چونکہ طرح طرح کے لوگ آکر ٹھہرتے ہیں ان میں کئی لٹیرے بھی ہوتے ہیں، میں انہیں یہاں رُکنے سے تو منع نہیں کر سکتا۔ بس یہی وجہ ہے کہ لوگ اب بھی یہی خیال کرتے ہیں کہ میں اب بھی ماضی والا راہزن ہی ہوں اسی لئے میری قیام گاہ پر چور لٹیروں کی آمد و رفت رہتی ہے اور وہ میرے نام سے خوف کھاتے ہیں''۔

''اب میں سمجھا کہ جب میں کسی سے تمہارے بارے میں کسی سے کچھ پوچھنے کی کوشش کرتا تھا تو وہ مجھے کیوں گھورنے لگتا تھا''۔ مطبع الدین نے کہا۔ ''مگر تم نے اس لڑکے کے بارے میں مجھے کچھ نہیں بتایا''۔

شیخ عزیز الدین اس کی بات سن کر مخمصے میں پڑ گیا پھر اس نے اس لڑکے کا حلیہ دریافت کیا۔ مطبع الدین نے اس کے خدوخال کا نقشہ کھینچا تو اس کے ماتھے پر شکنیں گہری ہوگئیں۔

''تم نے جو حلیہ بتایا ہے وہ تو میرے ہی لڑکے کا ہے مگر میں اس بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتا کہ اس نے ایسی حرکت کیوں کی؟ جہاں تک سیاہ پوش کا تعلق ہے تو میرا چھوٹا بھائی شیخ ابوالفضل ہے۔ وہ طویل عرصہ تک مجھ سے دور رہا اور پھر ایک دن اچانک میرے پاس چلا آیا۔ میں نے اس سے بہتیرے سوال جواب کئے مگر اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا کہ وہ اتنا عرصہ کہاں رہا؟ البتہ وہ جب سے واپس لوٹا ہے ہر وقت سیاہ لباس پہنے رہتا ہے۔ مجھے کچھ دنوں پہلے میرے ایک خاص دوست نے بتایا تھا کہ ابوالفضل کا تعلق فدائین کے گروہ سے ہے جو قہستان کے مختلف علاقوں میں بکھرا ہوا ہے''۔ شیخ عزیز الدین کی بات پر مطبع الدین کے کان کھڑے ہوگئے۔

''فدائین سے تمہارا اشارہ کہیں حسن بن صباح کے پیروکاروں کی جانب تو نہیں؟'' مطبع الدین نے تیزی سے پوچھا۔

''ہاں مگر تمہارے چہرے پر ان کے بارے میں اتنی دلچسپی کیوں جھلک رہی ہے؟'' شیخ عزیز الدین نے شک بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں..... میں نے صرف اس وجہ سے دریافت کیا ہے کیونکہ میرے علم میں یہ آیا ہے کہ منگولی حکمران ہلاؤ خان نے طویل معرکے کے بعد فدائین کے گروہ کا خاتمہ کر ڈالا تھا''۔

''ہلاؤ خان کی مہم میں فدائین کی سرکردہ شخصیات تو ماری گئی تھیں مگر کچھ لوگ بچ نکلے تھے جو پہاڑوں میں جا کر چھپ گئے اور پھر جب ہلاؤ خان واپس لوٹ گیا تو انہوں نے واپس آ کر خود کو نئے سرے سے منظم کرنا شروع کر دیا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ فدائین کا گروہ اب پہلے کی طرح آبادیوں پر حملے کر کے لوٹ مار نہیں کرتا بلکہ وہ اب پُرامن زندگی بسر کر رہا ہے، حقیقت تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے''۔ شیخ عزیز الدین کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ باتونی فطرت کا مالک ہے اسی لئے وہ باتوں میں سے نئی بات نکال کر گفتگو کا سلسلہ ختم نہ ہونے دیتا۔ مطیع الدین نے فدائین کے متعلق مختلف نوعیت کی معلومات اس سے حاصل کیں۔ کبھی کبھی مطیع الدین کو یہ شک گذرتا کہ شیخ عزیز الدین کا تعلق بھی فدائین سے ہے مگر اس کے انداز گفتگو سے اس خیال کی نفی ہو جاتی۔ فدائین کا ذکر چھڑنے پر مطیع الدین کو یاد آیا کہ وہ برقائی خان کی خاص مہم کے لئے سرائے سے روانہ ہوا تھا۔ اس پراسرار چکر کے باعث اس کا ذہن اصل سمت سے بھٹک چکا تھا۔

''تم ایسا کرنا کہ ابوالفضل کو میری جانب سے پیغام دینا کہ میں اس کی چیز کے بارے میں سمجھ چکا ہوں، وہ مجھ سے کل آ کر اپنی چیز لے سکتا ہے''۔

مطیع الدین نے سرائے کے مالک سے کہا۔ وہ مطیع الدین کے رویئے کی تبدیلی پر دنگ دکھائی دیا کیونکہ کچھ دیر پہلے تک تو مطیع الدین کے چہرے پر اکتاہٹ اور پریشانی کے بادل رقصاں تھے مگر اب اس کے چہرے پر تروتازگی کے آثار عیاں تھے۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پایا۔ اس سے پہلے کہ وہ سوال جواب کا سلسلہ شروع کرتا مطیع الدین نے وہاں سے کھسک لینا مناسب سمجھا۔ مطیع الدین کچھ دیر کی گفتگو سے آگاہ ہو چکا تھا کہ شیخ عزیز الدین جب گھر واپس لوٹے گا تو سب سے پہلے ابوالفضل معاملہ جاننے کی کوشش کرے گا اور پھر کیا نتیجہ نکلے گا اس بارے میں وہ کوئی اندازہ قائم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ابوالفضل کی چیز کی واپسی تو محض اک بہانہ تھی۔ مطیع الدین دراصل اسے ٹٹولنا چاہتا تھا۔ کیا واقعی اس کا تعلق فدائین سے ہے؟ تو ایسی صورت میں وہ اس کی مدد سے کسی بھی سرکردہ شخصیت تک پہنچ کر اپنی مہم کو آگے بڑھا سکتا ہے۔ مطیع الدین کو اس پراسرار معمے کی گتھی سلجھنے پر بے حد سکون محسوس ہوا۔ اس کی سارے دن کی تکان کافور ہو گئی۔ اس کی نگاہیں اب آنے والی کل کی راہ دیکھ رہی تھیں۔

❀❀❀

سلطان الملک المظفر نے بیبرس کی موت کی خبر کو پوشیدہ رکھا اور اس انتظار میں رہا کہ کب بیبرس کے لشکر سے اس کی موت کی خبر اس کے پاس پہنچتی ہے۔ اس نے کئی دوسرے ذرائع سے بیبرس کی موت کی چھان بین کرائی۔ جب اسے پوری طرح اطمینان ہو گیا کہ واقعی بیبرس خنجر کے وار سے جانبر نہیں ہو پایا تو وہ پُرسکون ہو گیا۔ امیر غیاث الدین قرطائی کی ہلاکت پر بھی کافی چہ میگوئیاں ہوئیں مگر ان میں اتنا دم نہیں تھا کہ وہ شاہی محل کی دیواریں ہلا دیتی۔ مملوک امرا نے غیاث الدین قرطائی کے قتل کا محرک سلطان کے ذاتی عناد کو قرار دیا تھا۔ سب سے پہلے دمشق کی ولایت کے معاملے میں اسے نظرانداز کرنا اور پھر اچانک اُسے قتل کر دیا جانا ایک ہی کڑی کا سلسلہ معلوم ہوتا تھا۔ مملوک امرا کا یہ طبقہ سلطان الملک المظفر کے بارے میں تشویش کا شکار ہو گیا تھا۔ ان کے ذہن میں یہ خدشہ پنپ رہا تھا کہ سلطان الملک المظفر ایسے مملوک امرا کو ختم کرنے کا تہیہ کئے بیٹھا ہے جو کسی نہ کسی وجہ سے شہرت کے حامل ہیں۔ وہ شہرت مالی سخاوت ہو یا صلاحیتوں کا اظہار۔ کچھ امرا ان کے

خیال سے متفق نہیں تھے۔

کچھ دن بعد شام کے وقت سلطان الملک المظفر کو یہ اطلاع ملی کہ بیبرس کے لشکر سے ایک وفد اس سے ملاقات کرنے کے لئے دمشق پہنچا ہے اور اس وفد نے پرزور درخواست کی ہے کہ وہ کچھ خاص امور پر گفتگو کے لئے فوری ملاقات چاہتے ہیں۔ سلطان الملک المظفر یہ سن کر زیرلب مسکرا دیا کیونکہ وہ سمجھ چکا تھا کہ وہ خاص امور کیا ہو سکتے ہیں؟ اس نے تنہائی میں ان سے ملاقات کرنے کے بجائے انہیں پیغام بھیجا کہ وہ کل صبح دربار میں ان سے ملاقات کرے گا۔ فی الوقت وہ مہمان خانے میں قیام کریں۔ سلطان الملک المظفر یہ چاہتا تھا کہ بیبرس کی موت کی خبر آنے والا وفد خود دربار میں سنائے تاکہ امرا کے شک کو تقویت نہ ملے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وفد کے اراکین اسے ہی مورد الزام ٹھہرائیں گے کیونکہ قاصد تو اسی کی جانب سے بھیجا گیا تھا۔ مگر وہ اس بارے میں سوچ بچار کر چکا تھا، یہ الزام غیاث الدین قرطائی کے سر پر تھوپ کر وہ سب کے سامنے سرخرو ہو سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد وفد کی طرف سے سلطان الملک المظفر کو دوبارہ پیغام موصول ہوا کہ وہ کسی اہم بات کے لئے وقت ضائع کئے بغیر فوری طور ملاقات کرنا چاہتے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ جو بات انہیں سلطان الملک المظفر کے علم میں لانا ہے، وہ بات دربار میں نہیں کی جا سکتی۔ وفد کے اصرار پر سلطان تذبذب کا شکار ہو گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ وفد دربار میں سب کے سامنے بیبرس کے بارے میں بیان کرے مگر وہ فوری طور پر اسے بتانے کے درپے دکھائی دیتے تھے۔ کچھ سوچ کر سلطان الملک المظفر نے وفد کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ رات کے کھانے کے بعد ان سے ملاقات کرے گا۔ اسی اثناء میں اس نے اپنے سپاہی سرکردہ مملوک امرا کے پاس روانہ کر دیئے کہ وہ کچھ اہم امور پر ان سے مشورہ کرنا چاہتا ہے لہٰذا وہ فوراً شاہی محل پہنچیں۔ یہ اقدام صرف اس لئے اُٹھایا گیا تھا کہ وفد کی گفتگو کو ان کے علم میں لایا جا سکے۔ امیر غیاث الدین قرطائی کی ہلاکت پر مملوک امرا نے شور نہیں مچایا اور سلطان کی بات پر یقین کر لیا تھا مگر بیبرس ہر دل عزیز شخصیت بن چکا تھا اس کی موت کی خبر کا اعلان سلطان خود نہیں کرنا چاہتا تھا۔

تناول سے فراغت کے بعد سلطان الملک المظفر خاص ملاقات والے کمرے میں پہنچ گیا جہاں مملوک امرا پہلے سے موجود تھے۔ سلطان الملک المظفر کو دیکھ کر وہ سب تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ سلطان الملک المظفر نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود شاہی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''مجھے قاہرہ میں فارس الدین اقطائی کی جانب سے بدنظمی کی شکایت موصول ہوئی ہے لہٰذا فوری طور پر قاہرہ کوچ کرنا ضروری ہو گیا ہے اسی سلسلے میں آپ لوگوں کو بلایا گیا تھا کہ کیا لائحہ عمل اختیار کیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ بلاد شام و شرقیہ کے تمام اختیارات بیبرس کو سونپ دیئے جائیں تاکہ اس طرف سے کچھ سکون نصیب ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ بیبرس میں اتنی اہلیت ہے کہ وہ یہاں کے انتظام کو احسن طریقے سے سنبھال لے''۔

''سلطانِ محترم!'' ایک امیر بولا۔ ''فارس الدین اقطائی کی جانب سے کسی غلط حرکت کی توقع نہیں ہے، ممکن ہے کہ وہاں موجود شریر لوگوں نے اُسے بدنام کرنے کے لئے کوئی افواہ اُڑائی ہو۔ جہاں تک بلاد شام و شرقیہ کے انتظام کا معاملہ ہے تو بیبرس پر سلطان الملک المظفر آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکتے ہیں۔ اس میں موجود خداداد صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ ہم دیکھ ہی چکے ہیں''۔

دوسرے امرا نے بھی بیبرس پر مکمل اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے اس کے بارے میں ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا۔ اسی دوران سلطانی ہدایت کے مطابق غلام نے بیبرس کی جانب سے آئے ہوئے وفد کے بارے میں

بتایا اور ان کی جانب سے فوری ملنے کی درخواست پیش کی۔ سلطان الملک المظفر نے غلام کو ہدایت کی کہ وہ انہیں یہاں لے آئے۔ سیرس کی جانب سے بھیجے گئے وفد کے بارے میں سن کر مملوک امرأ کے چہروں پر تجسس پھیل گیا۔ کچھ ہی دیر میں چھ افراد پر مشتمل ایک وفد وہاں پہنچا اور اس نے کمرے میں داخل ہونے کے بعد سلطان الملک المظفر کو تعظیم دی۔ ان میں تین مملوک امیر تھے جنہیں سیرس کے ساتھ بھیجا گیا تھا جبکہ دوسرے تین افراد کی شناخت کرنا مشکل تھی کہ وہ رضا کار مجاہدین میں سے ہیں یا ان کا تعلق کسی خاص قبیلے سے ہے۔ سیرس کی فوج میں بلادِ مصر کے کئی قبیلے شوقِ جہاد میں رضا کارانہ طور پر شامل تھے۔

''سلطان الملک المظفر اپنے جری بہادروں کو فتح و نصرت پر تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہے اور انہیں اپنے شاہی محل میں خوش آمدید کہتا ہے''۔ سلطان الملک المظفر والہانہ انداز میں اُٹھ کر بولا۔

''سلطانِ محترم! ہمیں افسوس ہے کہ ہم کوئی خوشخبری نہیں لائے بلکہ یہ افسوس ناک خبر آپ سب لوگوں کو غم زدہ کر دے گی کہ سیرس اب اس دنیا میں نہیں رہا''۔ وفد میں شامل ایک شخص دھیمے لہجے میں بولا۔

''یہ کیا کہہ رہے ہو تم لوگ؟'' سلطان الملک المظفر پوری شدت سے چیخا۔ مملوک امرأ وہ اس اندوہناک خبر پر ہل کر رہ گئے۔

''سلطانِ محترم! ہم آپ سے صرف اتنا دریافت کرنے آئے ہیں کہ جب سیرس نے آپ کے اعتماد کو کبھی نہیں نقصان پہنچایا تو آپ نے اس کے خلاف یہ گھناؤنی حرکت کیوں کی؟''

''کیا کہنا چاہتے ہو تم؟'' سلطان الملک المظفر کا لہجہ سخت ہو گیا۔ وہاں موجود امرأ بھی گومگو کے عالم میں مبتلا ہو گئے۔

''بات صاف ہے کہ آپ نے قاصد کی صورت میں ایک قاتل کو بھیج کر سیرس پر حملہ کرایا اور وہ اس حملے میں مارا گیا۔ سیرس جیسے بہادر شخص کو میدان میں ہلاک کرنے کی سکت کسی میں پیدا نہیں ہوئی مگر وہ اپنے سلطان کے معمولی قاصد کے ہاتھوں بے خبری کے عالم میں مارا گیا''۔ وہ شخص تیزی سے بولا۔ اس کے چہرے پر ذرا سا بھی خوف نہیں جھلک رہا تھا۔

''یہ سب جھوٹ اور بکواس ہے، ہمیں سیرس کو ہلاک کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم تو خود تہہ دل سے اس کے شکر گذار ہیں کہ اس نے اس وقت آگے بڑھ کر بلادِ مصر کی حفاظت کی جب ایک خوفناک خطرہ منڈلا رہا تھا۔ ہم اس کے کارنامے کے معترف ہیں۔ ہماری تو دلی خواہش ہے کہ ہمارے لشکر میں سب سپاہی سیرس بن جائیں۔ تم مجھے صحیح صحیح بتاؤ کہ کیا ہوا تھا؟ میں اس سازش میں شریک تمام لوگوں کو کڑی سزا دوں گا''۔ سلطان الملک المظفر متوحش لہجے میں بولا۔ اس کا چہرہ بے حد مغموم دکھائی دے رہا تھا، شاید اسے دلی صدمہ پہنچا تھا۔ مملوک امرأ کے چہرے سلطان الملک المظفر کی تائید میں حرکت کرنے لگے۔

وفد میں شامل مملوک امیر نے سیرس پر حملے کے تمام منظر کی تصویر کشی کی۔ سلطان الملک المظفر تحمل سے یہ سب سنتا رہا۔ مملوک امرأ بھی خاموش رہے۔ جب وہ اپنی بات مکمل کر چکا تو سلطان الملک المظفر دھیمے لہجے میں بولا۔

''یہ مجھے فارس الدین اقطائی کی سازش معلوم ہوتی ہے، وہ قاہرہ میں بیٹھ کر ایسے حالات پیدا کر رہا ہے کہ مملوک امرأ کے دل میں ہمارے خلاف نفرت پیدا ہو جائے اور وہ عدم اعتمادی کا اظہار کرتے ہوئے ہمارا ساتھ چھوڑ دیں''۔ پھر اس نے مملوک امرأ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں کچھ دیر پہلے اسی بارے میں بات کر رہا تھا مگر تم سب لوگ فارس الدین اقطائی کی طرف داری کر رہے تھے۔''

''سلطانِ محترم!'' وفد کا ایک مملوک رکن بولا۔ ''آپ اپنی سازش کو بلاوجہ فارس الدین اقطائی کے گلے میں نہ ڈالیں۔ یہ کھلی حقیقت ہے کہ آپ نے سیرس پر حملہ کروایا ہے اور فارس الدین اقطائی کو خواہ مخواہ بیچ میں گھسیٹ رہے ہیں کیونکہ وہ سیرس کا قریبی دوست ہے۔ اس بات کا دوسرا ثبوت غیاث الدین قرطائی کی ہلاکت ہے جو آپ کے اشارے پر کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ غیر محسوس طریقے سے مملوک سرداروں کو اپنی راہ سے ہٹانا چاہتے ہیں''۔

مملوک امیر کا لہجہ بے حد درشت تھا جس پر سلطانی امرأ بھی چونک پڑے۔ ان کے چہروں پر شک و شبے کے سائے لرزنے لگے کیونکہ قرطائی کی موت کے بعد سیرس کی موت کی خبر مملوک حلقے کے لئے بے حد تشویشناک تھی اور ساتھ ہی ایک اور اہم و سرکردہ مملوک امیر فارس الدین اقطائی کو یوں بلاثبوت نامزد کرنا بھی ان کے شک کو ہوا دے رہا تھا۔

''تم لوگ میری جانب سے بدگمان نہ ہو کیونکہ میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ قرطائی کو سازش کے ارتکاب میں سزا دی گئی جبکہ سیرس پر حملے کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ رہا فارس الدین اقطائی کا معاملہ تو اس کے بارے آج ہی متضاد خبریں موصول ہوئی ہیں جن کے باعث ہم قاہرہ واپس لوٹنے کے بارے میں مشورہ کر رہے تھے۔ تمہارے منہ سے سننے کے بعد ہمارا شک فارس الدین اقطائی کی جانب ہی جا سکتا ہے ممکن ہے کہ قرطائی کے معاملے میں بھی وہ ملوث ہو''۔ سلطان الملک المظفر نے یقین دلانے کی کوشش کی۔

''سلطانِ محترم!'' مملوک امیر مسکرا کر بولا۔ ''آپ کی ہٹ دھرمی پر داد دینے کو دل چاہتا ہے مگر شاید آپ کو یہ معلوم نہیں کہ اس قاصد کو زندہ گرفتار کر لیا گیا ہے، اس سے پوچھ گچھ پر تمام صورتِ حال کھل چکی ہے۔ وہ قاصد آپ کا خاص غلاموں میں سے ایک ہے جسے آپ کے علاوہ کوئی دوسرا اپنی مطلب براری کے لئے استعمال نہیں کر سکتا۔ اگر فارس الدین اقطائی اس سازش کے پیچھے ہوتا تو اسے سیرس کے بجائے آپ کو ہلاک کرانا چاہئے تھا کیونکہ آپ کا خاص غلام اس کے قبضے میں تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ سارا کیا دھرا آپ کا ہے۔ آپ نے حلب کی ولایت پہلے سیرس کو لکھ کر دی اور اچانک علاء الدین لولو کو دے دی اور سیرس کو اس کے حق سے محروم کر دیا۔ پھر آپ نے اس کی طاقت سے خوف محسوس کیا اور اسے اپنی راہ سے ہٹانے کی سازش تیار کی۔ اس سازش میں ابھی اور کتنے مملوک امیر مارے جائیں گے اس بارے میں کچھ کہنا بے کار ہوگا''۔

قاصد کے زندہ بچ جانے کے بارے میں سن کر سلطان الملک المظفر کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اس نے خود کو سنبھالا اور بولا۔ ''تم لوگ جب سے آئے ہو لگاتار بدتمیزی اختیار کئے ہوئے ہو، میں کافی دیر سے برداشت کر رہا ہوں مگر تم بلاثبوت مجھ پر بہتان باندھتے چلے جا رہے ہو''۔

''ہم پورے ثبوت ساتھ لائے ہیں سلطانِ محترم!'' مملوک امیر مسکرایا۔ ''پہلا ثبوت یہی ہے کہ وہ قاصد آپ کے خاص غلام ہے، دوسرا ثبوت اس غلام کا تعلق ابوتاقب سے بھی تھا جسے آپ نے قرطائی کے ساتھ ہلاک کروا دیا۔ اس کی لاش دیکھنے والوں نے یہ بیان دیا ہے کہ اس کے جسم پر تشدد کے نشانات موجود تھے۔ یہ تشدد یقیناً قرطائی نے ہی کیا تھا جو معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا تھا۔ تیسرا ثبوت یہ ہے کہ اگر قرطائی کسی سازش کا مرتکب ہوا تھا تو اسے ہلاک کر دیا جاتا۔ اس کے ساتھ ابوتاقب اور دوسرے لوگوں کو کیوں ہلاک کیا گیا جو کہ اس گھر کے مختلف حصوں میں موجود تھے۔ چوتھا ثبوت یہ ہے کہ ہم لوگ دوپہر سے انتظار میں بیٹھے ہیں مگر آپ نے جان بوجھ کر ہم سے ملاقات نہیں کی بلکہ اس وقت بلوایا گیا جب آپ کے پاس یہ لوگ پہنچ گئے تاکہ آپ کا دامن پاک رہے''۔

''تمہاری تمام باتیں محض قیاس آرائیوں کے سوا اور کچھ نہیں، دوسرا تم جس طرح کا جارحانہ رویہ اپنائے ہوئے ہو، اس سے مجھے تم لوگوں کی نیت میں فتور محسوس ہو رہا ہے۔'' سلطان الملک المظفر نے ان کی باتوں کو رد کرتے ہوئے کہا۔ مملوک امرا کشمکش کا شکار تھے۔ وفد کے لگائے گئے الزامات اور ثبوت میں پیش کئے گئے دلائل سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ سلطان الملک المظفر کی نیت ٹھیک نہیں اور وہ غیر محسوس طریقے سے اپنے مخالفوں کو راہ سے ہٹا رہا ہے۔

''سلطانِ محترم! ہم آپ کے غلام کو اندر بلا لیتے ہیں، ابھی سب معاملہ صاف ہو جائے گا''۔ مملوک امیر نے یہ کہہ کر اپنے ساتھی کو اشارہ کیا کہ وہ اسے باہر سے اندر لے آئے۔

''خبردار! تم میں سے کوئی اپنی جگہ سے نہ حرکت کرے۔ میں نہیں جانتا کہ تم لوگ کیا کرنے والے ہو؟ کوئی شخص نہ باہر جائے گا اور نہ ہی کوئی شخص باہر سے اندر آئے گا۔ سپاہیو! ان سب کو گرفتار کر لو۔ جب تک ہم معاملہ کی تہہ تک نہیں پہنچ جاتے انہیں حراست میں رکھا جائے''۔ سلطان الملک المظفر نے سخت لہجے میں حکم دیا۔ دوسرے لمحے سپاہیوں کی تلواریں ان کی جانب اُٹھ گئیں۔ مملوک امرا حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ ان کے ذہن میں یہ سوال کلبلانے لگا کہ سلطان الملک المظفر نے بجائے قاتل کو پیش کر کے معاملہ سلجھانے کے یہ حکم کیوں دیا؟ سپاہی تلواریں لہراتے ہوئے وفد کے افراد کے قریب پہنچے۔ وفد کے افراد نے بجلی کی سی سرعت سے اپنی تلواریں نکالیں اور آناً فاناً تمام محافظ سپاہی ڈھیر کر دیئے۔ یہ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ سلطان الملک المظفر کو کچھ سوچنے کا موقعہ ہی نہ ملا۔ وہ اپنی جگہ تلملا کر رہ گیا۔ وفد کے لوگ جب سلطان کی جانب بڑھے تو سلطانی امرا ان کے راستے میں حائل ہو گئے۔

''تم لوگوں نے اگر سلطان کی جانب قدم بڑھایا تو اچھا نہیں ہوگا''۔

''سلطان کو اپنے کئے کی سزا ضرور بھگتنا ہوگی۔ میں ذاتی عناد پر سلطان کو قتل نہیں کرنا چاہتا، فی الوقت اسے گرفتار کر کے بندی بنایا جا رہا ہے۔ قاہرہ کی کھلی عدالت میں اس بارے میں فیصلہ کیا جائے گا کہ کون گناہگار ہے اور کون معصوم.....؟'' وفد میں شامل ایک ضعیف شخص الفاظ چبا چبا کر بولا تو امرا کے چہرے فرطِ حیرت سے پھیل گئے۔ ان کے قدم خود بخود پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ وہ اس آواز کو خوب پہچانتے تھے کیونکہ وہ آواز بھیرس کی ہی تھی، جو اپنے چہرے پر لمبی سی سفید ڈاڑھی لگائے ہوئے وہاں موجود تھا۔ بھیرس کی آواز سنتے ہی سلطان الملک المظفر کا چہرہ سیاہ پڑ گیا۔ وہ جس حریف کی موت پر خوشیاں منا چکا تھا وہ اس کے سامنے زندہ موجود تھا۔

❀❀❀

''تم سمجھ گئے ہو نا کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟'' اس نے سرگوشی کی۔

''ہاں..... ہاں تم بے فکر رہو''۔ دوسرا شخص آواز دباتا ہوا بولا۔

''ایک بار پھر اچھی طرح سوچ لو کہ وہ خیمہ اسی کا ہے نا''۔ ان کا تیسرا ساتھی بولا۔

''میں نے پوری طرح اطمینان کر لیا ہے، وہ اسی کا خیمہ ہے۔ بس اب وقت ضائع نہ کرو، تیزی سے کام مکمل کرنے کی طرف دھیان دو، کچھ ہی دیر پہلے محفلِ شباب و جام ختم ہوئی ہے۔ وہ سب لوگ نشے میں دھت پڑے ہوں گے''۔ پہلا شخص تیز لہجے میں بولا۔

''گندھک خیمے کے گرد اس طرح بکھیرنا کہ زندہ باہر نکلنے کا کوئی راستہ باقی نہ رہے''۔

''تم بے فکر رہو''۔ ان میں ایک بولا۔

پھر وہ رات کی تاریکی میں تیزی سے ایک طرف بڑھ گئے۔ وہ خیموں کا پورا شہر تھا۔ جس میں وہ محتاط انداز میں دبے قدموں چل رہے تھے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کچھ محافظ موجود تھے مگر وہ نیند کے غلبے سے اونگھ رہے تھے۔ وہ محتاط انداز میں چلتے رہے۔ کچھ دور جا کر وہ رُک گئے۔ یہاں خیموں کی ترتیب پہلے والے خیموں سے کچھ مختلف تھی۔ ان میں نہ صرف فاصلہ زیادہ رکھا گیا تھا بلکہ یہاں محافظوں کی تعداد بھی زیادہ دکھائی دے رہی تھی۔ انہوں نے سرگوشی کی پھر وہ تیزی سے مختلف اطراف میں بکھر کر آگے بڑھنے لگے۔ وہ نہایت دبے قدموں بڑھتے رہے۔ پھر کچھ ہی دیر میں وہ ایک مخصوص خیمے کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ تینوں ایک ہی خیمے کے گرد موجود تھے۔ وہ خیمہ عام خیموں کی نسبت کافی بڑا تھا۔ یہیں کچھ دیر پہلے شباب و سرود کی محفل جمی ہوئی تھی۔ ان تینوں نے تیزی سے کندھوں پر لٹکتے ہوئے تھیلے اتارے اور زمین پر لیٹے لیٹے گندھک نکال کر زمین پر پھیلانا شروع کر دی۔ ان کے ہاتھ مہارت سے چل رہے تھے۔ کچھ ہی دیر میں انہوں نے اپنا کام مکمل کر لیا۔ وہ رینگتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگے اور ساتھ ہی گندھک کی ایک باریک نالی سی بھی بناتے گئے۔ کافی دور پہنچنے کے بعد انہوں نے گیدڑ کی مخصوص آواز نکالی۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے تین مختلف اطراف سے گیدڑ کی آوازیں سنائی دیں۔ ان آوازوں پر خیموں میں موجود محافظ چوکنے ہو گئے۔ وہ تیز نگاہوں سے ان گیدڑوں کو ڈھونڈنے لگے جو ان کے خیموں میں گھس آئے تھے۔ محافظوں کی نقل و حرکت پر وہ اپنی اپنی جگہ دبک کر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر تک تلاش جاری رہی۔ محافظ کچھ نہ پا کر اپنی اپنی جگہوں پر واپس چلے آئے۔ نقل و حرکت کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔ کچھ ساعتیں مزید گذر گئیں۔

وہ تینوں محفوظ جگہ پر دبکے بیٹھے رہے۔ پھر انہوں نے مشعل کی آگ گندھک کی نالی میں ڈال دی۔ گندھک شعلہ دیکھتے ہی بھڑک اُٹھی اور تیزی سے آگے کی جانب بڑھنے لگی۔ آگ لگاتے ہی انہوں نے پھرتی کا مظاہرہ کیا اور گھٹنوں کے بل قریباً بھاگتے ہوئے اپنے خیموں کی جانب بڑھنے لگے۔ کچھ ہی دیر میں آگ اس خیمے تک پہنچ گئی جہاں انہوں نے گندھک بکھیری تھی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ خیمہ آگ کی لپٹوں میں آ گیا۔ بڑے خیمے کو آگ لگنے پر محافظوں میں کھلبلی مچ گئی وہ تیزی سے آگ کی جانب بھاگے۔ کچھ ہی دیر میں خیموں کا شہر بیدار ہو گیا۔ ہر طرف شور سا مچ گیا۔ لوگ ہڑبڑائے ہوئے انداز میں بڑے خیمے کے پاس پہنچنے لگے۔ محافظ مشکیزوں کی مدد سے آگ پر پانی ڈالنے لگے مگر آگ اس قدر شدید تھی کہ بجھائے نہ بجھی۔ کچھ ہی دیر میں وہ خیمہ اپنے مکینوں سمیت جل کر ڈھیر ہو گیا۔ وہ خیمہ کسی عام شخص کا نہیں تھا بلکہ ایل خانی حکمران ہلاکو خان کا تھا جو کچھ دیر پہلے وہاں اپنے امرا کے ساتھ محفل سجائے موجود تھا۔ امرا کو رخصت کرنے کے بعد وہ آرام کرنے کے لئے لیٹ چکا تھا۔ خیموں کا شہر اس کا عظیم الشان لشکر تھا جو رات کی خنکی کے باعث کوہ قاف سے بیس کوس دور پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔

❀❀❀

''تت..... تم ابھی تک زندہ ہو''۔ سلطان الملک المظفر کے منہ سے بمشکل نکلا۔ اس کا چہرہ خوف سے زرد پڑ چکا تھا۔ ایک طرف قاصد زندہ تھا تو دوسری جانب بھیرس بھی صحیح سلامت اس کے سامنے موجود تھا۔ وہ اپنے ہی شکنجے میں بری طرح پھنس کر رہ گیا۔ اس کے حواس پر بھیرس کا خوف اس قدر طاری ہوا کہ اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی مفقود ہو کر رہ گئی۔ سلطانی امرا بھی اپنے سلطان کی حالت پر متحیر تھے۔ انہیں صورتِ حال آہستہ آہستہ سمجھ آنے لگی۔ انہیں یہ احساس ہو گیا تھا کہ سلطان الملک المظفر مخفی انداز میں مملوک امرا کو اپنی راہ سے ہٹاتا جا رہا ہے جس کی ایک کڑی غیاث الدین قرطائی کا قتل بھی ہے تو ان میں غم و غصہ کی لہر

دوڑ گئی۔ وہ کچھ لمحے پہلے اپنے سلطان کے سامنے آہنی دیوار بنے کھڑے تھے اب اطراف میں سمٹنے لگے۔ سلطان الملک المظفر بے بسی کے عالم میں ان کی صورتیں دیکھنے لگا۔ بھرس نے آگے بڑھ کر چہرے پر بچی ڈاڑھی نوچ کر ایک طرف پھینکی اور ننگی تلوار لئے سلطان کی جانب بڑھ گیا۔ بھرس کو اپنی جانب آتے دیکھ کر سلطان الملک المظفر شاہی کرسی پر پہلو بدل کر رہ گیا۔ وہ مکمل طور پر بھرس کے نرغے میں تھا۔ اس کے محافظ سپاہیوں کی لاشیں ان کے سامنے پڑی تھیں۔ مملوک امرأ بھی اس کی مدد کرنے پر آمادہ نہیں دکھائی دے رہے تھے۔

''الحمدللہ!'' بھرس نے سلطان الملک المظفر کے مقابل کھڑے ہو کر جواب دیا۔ ''آپ کی تمام کوشش رائیگاں گئی، مجھے اب اپنے ساتھیوں کو بھی کوئی یقین دہانی کرانے کی ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ سلطان نے خود ہی بے اختیاری کے عالم میں اپنے جرم کا اعتراف کرلیا ہے۔ یہ میرے اللہ کی طرف سے ہی صلہ ہے''۔ بھرس نے کہا۔

یہ سن کر سلطان الملک المظفر کا چہرہ سپید پڑ گیا وہ جس جرم کا منکر تھا تقدیر نے اسے اس کے لبوں پر جاری کر دیا۔ سلطان الملک المظفر نے صفائی پیش کرنے کی کوشش کی مگر بھرس نے اسے منع کر دیا اور کہا کہ وہ اپنی بے گناہی کا ثبوت قاہرہ کی عدالت میں قاضی کے سامنے پیش کرے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ اسے قاضی کا ہر فیصلہ منظور ہوگا چاہے وہ غلط ہی کیوں نہ ہو۔

''بھرس! تم فاش غلطی کر رہے ہو؟'' اس کا مملوک ساتھی تیزی سے بولا۔ سب لوگ اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔ بھرس نے اس پر مستفسرانہ نگاہ ڈالی تو اس نے کہا۔ ''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ بلادِ مصر کا سلطان ہے اور فی الوقت موت کے خوف سے دبکا بیٹھا ہے۔ اگر اسے مزید زندہ رہنے دیا گیا تو اس سے کچھ بعید نہیں کہ یہ ہم سب لوگوں کو بغاوت کے الزام میں موت کے گھاٹ اتار دے''۔

''تم بے فکر رہو! میں اسے کوئی بھی ایسا حکم جاری کرنے نہیں دوں گا۔ میں نے کبھی برائی کا راستہ نہیں اختیار کیا اس لئے مجھے پوری امید ہے کہ میرا اللہ میرے ساتھ کچھ برا نہیں کرے گا''

''بھرس!'' سلطانی امیر بولا۔ ''اللہ کی قسم! تمہاری موت کی خبر نے تو مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ تم زندہ ہو، قاصد نے جب تم پر حملہ کیا تو اس کا وار خطا گیا تھا کیا.....؟''

بھرس اس کی بات سن کر ہنس پڑا۔ دوسرے لمحے اس نے اپنے لبادے کا سرا کھول کر بالائی دھڑ کا دایاں حصہ ننگا کر دیا۔ پسلیوں سے بغل کی جانب گہری خراش ان سب لوگوں کو دکھائی دی۔ سلطانی امرأ نے آگے بڑھ کر اسے دیکھا۔

''دراصل جونہی سلطانی قاصد نے خنجر نکالا تو میری نگاہ اس پر پڑ گئی۔ وہ چونکہ میرے اتنے قریب تھا کہ اس کے وار کو روکنا ممکن نہیں تھا۔ اس نے جب خنجر گھما کر میرے جسم کی جانب بڑھایا تو میں جھکائی دے کر پہلو میں گرتا چلا گیا۔ میں نے کافی کوشش کی کہ اس کا خنجر مجھے نہ لگے مگر پھر بھی خنجر کی دھار میرے جسم سے چھو گئی۔ بعد میں جب خنجر کا معائنہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کی نوک زہر آلود تھی۔ اگر خدانخواستہ نوک جسم کو ذرا سی بھی چھو جاتی تو وہ مہلک زہر میرے جسم میں اتر جاتا، پھر ممکن تھا کہ سلطان الملک المظفر کا داؤ کامیاب ہو جاتا۔ بہرکیف اللہ جسے بچانا چاہے اس کے لئے سو بہانے پیدا کر دیتا ہے''۔ بھرس نے سلطانی امرأ کو تفصیل بتائی اور قمیص نما لبادہ دوبارہ پہن لیا۔

''دیکھو بھرس!'' سلطان الملک المظفر دوبارہ بولا۔ ''میں اپنی غلطی تسلیم کر لیتا ہوں کہ میں نے حاسد

لوگوں کے جھانسے میں آکر ناعاقبت اندیشی اختیار کی اور تمہارے خلوص پر شک کیا اور تمہیں اپنا دشمن جانا۔ میں اپنے روئیے پر سخت نادم ہوں، تم اس معاملے کو یہیں ختم کر دو، میں تمہاری دل شکنی کی ہر طرح سے تلافی کرنے کو تیار ہوں۔ تم حلب کے ساتھ بلادِ شام و شرقیہ بھی لے لو''۔ سلطان الملک المظفر کا چہرہ پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔

''سیف الدین قطوزی!'' سلطانی امرأ میں ایک استہزائیہ لہجے میں بولا۔ ''کیا تم ہمیں بے وقوف سمجھتے ہو کہ اپنے ایک ساتھی کی ہلاکت کے باوجود ہم تمہیں اپنا سلطان تسلیم کر لیں گے۔ تمہاری حریص نیت آج ہم پر آشکار ہو چکی ہے۔ ہم سمجھتے تھے کہ نورالدین کو صرف اس لئے تخت سے معزول کیا جا رہا ہے کہ وہ کم سن بچہ ہے مگر اب معلوم ہوا کہ تمہیں صرف اس کا اتالیق رہنا منظور نہیں تھا بلکہ تمہاری حریص نگاہیں پہلے دن سے ہی اقتدار پر جمی ہوئی تھیں۔ قاہرہ میں تم نے کئی مملوک سرداروں کو اپنی راہ سے ہٹا دیا مگر ہم انہیں محض حادثے سمجھتے رہے۔ اب جب تمہارے گناہوں کا پردہ فاش ہو چکا ہے تو تم ہمیں چکمہ دینے کی کوشش کر رہے ہو''۔

''بھرس! ان لوگوں کی باتوں میں نہ آؤ بلکہ تم میری مدد کرو، تم ایک اچھے انسان ہو''۔ سلطان الملک المظفر شاہی کرسی سے اُٹھ کر بھرس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ موت کے خوف سے اس کا جسم لرز رہا تھا۔ بھرس سر جھکا کر سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے ساری زندگی کسی نہتے اور بے بس آدمی پر وار نہیں کیا تھا بلکہ ناتواں لوگوں کی مدد کرنے سے اسے قلبی تسکین حاصل ہوا کرتی تھی۔ سلطان الملک المظفر بھی اس کے سامنے بے بسی اور بے چارگی کی تصویر بنا کھڑا تھا۔ اگر وہ سلطان کو معاف کر دیتا تو اس سے کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ سب سے پہلے بھرس کے ہی خلاف کوئی کارروائی کرتا۔ بھرس نے کچھ لمحوں تک سوچنے کے بعد جواب دیا۔

''میں نے ہمیشہ ریاست کی بالادستی کے سامنے سر جھکایا کبھی قانون شکنی یا سرکشی نہیں کی۔ جب عالم اسلام پر تاتاری موت بن کر نازل ہو رہے تھے تو میں نے ہمیشہ ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔ میں نے بلادِ شام و شرقیہ کے سلطانوں کے دربار وں میں یہ فریاد کی کہ وہ سب متحد ہو کر تاتاری سیل کے آگے بند باندھیں، میں نے قاہرہ میں آپ کے سامنے گستاخانہ لہجہ اختیار کیا تو اس میں میرا کوئی مفاد نہیں تھا، میری ذاتی کوئی خواہش نہیں تھی۔ میں صرف تاتاریوں کو اسلامی ریاستوں سے باہر نکال کر مسلمانوں کو پُرامن جینے کا حق لوٹانا چاہتا تھا۔ تباہی و بربادی کے جو اندوہناک مناظر آج مجھے دیکھنے کو مل رہے ہیں، ان سے لوگوں کو بچانا چاہتا تھا، مجھے سلطنت و اقتدار کی کوئی ہوس نہیں تھی، میں پوری دیانتداری و خلوص سے اپنا فرض بجا لایا اور تاتاریوں کی ہیبت کو پاش پاش کر ڈالا۔ مگر اس کے صلے میں مجھے کیا ملا؟ میرے اپنوں نے میری کامیابی کو حسد بھری نظروں سے دیکھا اور مجھے قتل کرنے کی کوشش کی۔ صرف اس لئے کہ میرا دل مسلمانوں کی خیرخواہی کے لئے دھڑکتا ہے۔ سیف الدین! کم از کم مجھے آپ سے ایسی توقع ہرگز نہیں تھی''۔ بھرس کی باتیں سن کر امرأ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

''بھرس! میں اپنے کئے پر نادم ہوں''۔ سلطان الملک المظفر شرمندگی سے بولا۔

''بند کرو بناوٹی خجالت کا یہ ڈھونگ!'' بھرس کے ساتھیوں میں ایک چیخ کر بولا۔ ''وقت ضائع مت کرو بھرس! اسے فوراً ہلاک کر دو، خس کم جہاں پاک''۔

''نہیں! اسے ہلاک نہیں کیا جائے گا۔ اگر ہم بھی وہی کریں جو اس نے کیا ہے تو ہم میں اور اس میں کیا فرق رہ جائے گا۔ اسے قاضی کے روبرو پیش کر کے سزا دلوائی جائے گی''۔ بھرس فیصلہ کن لہجے میں بولا جس پر وہاں موجود ہر شخص پہلو بدل کر رہ گیا۔

''بھرس! بے وقوف مت بنو۔ قاہرہ میں یہ سلطان ہے اور قاضی اس کا ماتحت۔ یہ قاضی کو مراعات

ے کر اپنے حق میں فیصلہ کرا لے گا اور تم پھر کچھ بھی نہیں کر پاؤ گے''۔

''تم سب خاموش رہو۔ سلطان کے بارے میں آخری فیصلہ قاضی ہی کرے گا''۔ بہرس نے سخت لہجے میں انہیں جواب دیا۔ اس کا ہاتھ تلوار کے دستے پر جم گیا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے چہروں پر خوفناک عزائم پڑھ چکا تھا۔

''اگر تمہاری ہمت نہیں پڑتی تو تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ۔ ہم خود ہی اس کا فیصلہ کر لیں گے''۔ مملوک امیر تلوار لہراتا ہوا آگے بڑھا۔ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے مملوک امرا نے بھی اپنی تلواریں سونت لیں۔ بہرس نے انہیں روکنا چاہا کہ اس کے قریب کھڑے ہوئے ایک مملوک امیر نے دوسرے ساتھی کو اشارہ کیا۔ جونہی بہرس انہیں پیچھے ہٹانے کے لئے آگے بڑھا تو اس نے ٹانگ بڑھا کر بہرس کو اڑنگی لگا دی۔ بہرس فوری سنبھل نہ سکا اور زمین پر گرتا چلا گیا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تلوار بھی اس کے ساتھ ہوا میں گھومتی چلی گئی۔ اچانک ایک تیز چیخ کی آواز سنائی دی۔ بہرس تیزی سے مڑ کر دیکھنے لگا۔ بہرس کی تلوار ہوا میں لہراتی ہوئی سلطان الملک المظفر کے دائیں شانے کو چیرتی ہوئی نیچے اتر گئی تھی۔

بہرس جو نہیں ہونے دینا چاہتا تھا وہ قدرت نے اس کے ہاتھوں سے کروا ڈالا تھا، یہ دیکھ کر بہرس پریشان ہو گیا جبکہ مملوک امرا کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ تلوار کا دستہ ابھی تک اس کے ہاتھ میں ہی دبا ہوا تھا۔ بہرس تیزی سے اُٹھ کر سلطان الملک المظفر کی جانب بڑھا۔ وہ اپنی آخری سانسیں پوری کر رہا تھا۔ سلطان الملک المظفر کا سر اس نے اپنی گود میں رکھ کر کچھ کہنا چاہا مگر سلطان الملک المظفر نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھ سے اسے منع کر دیا۔ اس کے چہرے پر ندامت جھلک رہی تھی، اس کی آنکھیں کہہ رہی تھی کہ بہرس مجھے معاف کر دو۔ میں نے تمہیں سمجھنے میں دیر کر دی۔ میں تمہاری جان لینے کے درپے تھا مگر تم نے میری جان بچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ یہ اتفاقی وار قدرت کی جانب سے مقرر کردہ سزا تھی۔ بہرس نے اس کے ماتھے پر بکھرے بالوں کو پیچھے ہٹایا۔ سلطان الملک المظفر کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ وہ بہرس کی آنکھوں میں چھپی ہوئی ہمدردی دیکھنے لگا پھر اسے جو دکھائی دیا وہ سانسوں کی ڈور ہمیشہ کے لئے توڑ گیا۔ بہرس کی دائیں آنکھ میں موجود کرنج کی جھلک۔ اس کی نگاہوں کے سامنے وہی سفید پرندہ موجود تھا جسے اس نے اپنے خواب دیکھا تھا۔ ایک آنکھ میں نیلاہٹ لئے ہوئے الملک الموت.....!

❁❁❁

مطیع الدین ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ وہ گہری نیند سو رہا تھا کہ کسی نے اسے بری طرح جھنجھوڑ دیا تھا۔ نیند کا غلبہ اتنا شدید تھا اسے آنکھیں کھولنے میں دشواری ہو رہی تھی۔ اس نے بمشکل پلکوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا اور اُلجھی ہوئی نگاہوں سے اپنے گرد دیکھا۔ وہ تعداد میں تین تھے۔ سیاہ لباس میں ملبوس۔ ان کے چہرے ڈھاٹوں کے پیچھے پوشیدہ تھے۔ مطیع الدین چند لمحوں تک کچھ سمجھ نہ پایا۔ اس کا ذہن فوراً اپنی ران پر بندھے ہوئے خنجر کی طرف گیا۔ جب سے وہ سرخ غر پہاڑی کے حادثے کا شکار ہوا تھا، اسی دن سے اس نے اپنی ران پر ایک پوشیدہ خنجر باندھنا شروع کر دیا تھا۔ اس کا ہاتھ غیر محسوس انداز میں ران کی جانب سرکنے لگا۔ وہ اس ناگہانی صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے ذہنی طور پر پوری طرح مستعد ہو چکا تھا۔

''مطیع الدین!'' ایک نقاب پوش کے ڈھاٹے میں جنبش ہوئی۔ ''زیادہ چالاکی دکھانے کی کوشش نہ کرو، تمہارا پوشیدہ دوست اب ہمارے قبضے میں ہے''۔

مطیع الدین کا ہاتھ خنجر کے خالی مقام پر پھرا اور اس کے جوشیلے بدن پر جیسے اوس پڑ گئی۔ وہ گہری سانس

لیتے ہوئے پہلو بدل کر رہ گیا۔ خنجر کی عدم موجودگی پر اُسے تسلیم کرنا پڑا کہ اس کے مقابل واقعی چالاک اور محتاط قسم کے لوگ ہیں اور ان سے نمٹنے کے لئے جسمانی قوت کے بجائے ذہنی صلاحیت ہی کارآمد ثابت ہو سکے گی۔ وہ سنبھل کر بستر پر بیٹھ گیا۔

''حارث!'' ایک سیاہ پوش تیز لہجے میں بولا۔ ''اس کے دونوں ہاتھ عقب میں اچھی طرح باندھ ڈالو اور اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دو تاکہ بعد ازاں کوئی مشکل پیش نہ آئے، اب اسے ساتھ لے جانا ضروری ہے، یہاں کوئی گڑبڑ ہو سکتی ہے''۔

''ٹھیک ہے شیخ!'' حارث نامی نقاب پوش مطیع الدین کی جانب بڑھا تو مطیع الدین نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔ نقاب پوش غیر متوقع حرکت پر ٹھٹک سا گیا۔

''رُکو.....! میں بیدار ہو چکا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ تم لوگ فدائین میں سے ہو، تمہیں میرے ہاتھ باندھنے کی قطعی ضرورت نہیں، میں خود بخوشی تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں''۔ مطیع الدین نے کہا۔

اس کی بات سن کر حارث مڑ کر شیخ کی جانب دیکھنے لگا۔ مطیع الدین کی بات سن کر شیخ کی آنکھوں میں بھی سراسیمگی دکھائی دی۔

''شیخ!'' ایک دوسرا نقاب پوش تیزی سے بولا۔ ''یہ آدمی مجھے خطرناک معلوم ہوتا ہے، میرا مشورہ ہے کہ اس کی اصلیت جاننے کی کوشش کرنے کے بجائے اسے فوراً ٹھکانے لگا دیجئے''۔

مطیع الدین اس کی بات پر مسکرانے لگا۔ اپنی خداداد صلاحیت کے بل پر وہ چند ہی ساعتوں میں بالکل مطمئن ہو چکا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف و پریشانی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ شیخ کچھ دیر تک خاموش کھڑا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

''کچھ دیر پہلے تک مجھے اندیشہ تھا کہ تم یہاں اپنے بچاؤ کے لئے کوئی الٹی سیدھی حرکت کرنے کی کوشش ضرور کرو گے، اسی لئے تمہیں محفوظ مقام پر لے جانا ہماری مجبوری تھی اب جبکہ تم تعاون کرنے پر آمادہ دکھائی دیتے ہو، تو میرا ارادہ بدل چکا ہے۔ ہم اب یہیں گفتگو کریں گے''۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں، مگر میں اتنی دیر تک تمہارے کسی بھی سوال کا جواب نہیں دوں گا جب تک تم لوگ مہذب رویہ اختیار نہیں کر لیتے''۔ مطیع الدین دوٹوک انداز میں بولا۔

''تم چاہو تو کمرے میں روشنی کر سکتے ہو''۔ شیخ نے مختصراً کہا۔

''میں روشنی میں کیا اندھیرے میں بھی پردہ پوش افراد سے بات کرنا پسند نہیں کرتا''۔

''ہوش میں رہ کر بات کرو۔ تمہیں شاید معلوم نہیں کہ تم کس سے بات کر رہے ہو!'' ایک نقاب پوش ہتھے سے اکھڑ کر بولا۔

''بے وقوفی کی بات مت کرو..... میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ میرا مخاطب شیخ ابوالفضل ہے''۔ مطیع الدین نے اندھیرے میں تیر چلایا جو بالکل صحیح نشانے پر بیٹھا۔ اس کی بات سن کر ان لوگوں کو ایک جھٹکا لگا اور وہ سب جیسے گھبرا کر غیر ارادی طور پر ایک قدم پیچھے ہٹ گئے۔ اپنے اندازے کی درستی پر مطیع الدین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

❁❁❁

ہلاکو خان کا عالیشان خیمہ گذشتہ رات جل کر تباہ ہو چکا تھا۔ اس خبر پر پورے لشکر میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ حالات کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے تمام اعلیٰ مناصب کے امرا نے فوری طور تمام بڑے سالاروں کو

طلب کیا اور انہیں اس تخریبی کارروائی کی تحقیق پر مامور کیا، یہ کہہ کر کہ اس معاملے میں کسی طرح کی کوتاہی قابل معافی نہ ہوگی۔ سالاروں نے ہلاکو خان کے بارے میں دریافت کرنا چاہا مگر وزراء نے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ انہیں فوری طور پر اس حرکت کے ذمہ دار افراد کو ڈھونڈ نکالنے کی ہدایت کی۔ سالاروں نے محافظ دستوں کو حکم دیا کہ وہ شاہی خیموں والا تمام علاقہ اپنے گھیرے میں لے لیں اور کسی فرد کو اس جانب داخل ہونے نہ دیں چاہے وہ کوئی اعلیٰ منصب دار ہی کیوں نہ ہو۔ ایل خانی لشکر ہلاکو خان کے بارے متفکر دکھائی دے رہا تھا مگر کسی کو بھی ہلاکو خان کے بارے میں حتمی طور پر نہیں بتایا گیا کہ وہ کس حال میں ہے؟

لشکر میں کچھ ماہر لوگوں کو انتہائی نگرانی میں جلے ہوئے خیمے کے پاس لے جایا گیا انہوں نے کچھ دیر کی جانچ پڑتال کے بعد صاف لفظوں میں بتا دیا کہ خیمے کو باقاعدہ منصوبہ بندی سے آگ لگائی گئی ہے یہ کسی اتفاقی امر کا نتیجہ نہیں۔ آگ لگانے کے لئے عام انداز سے ہٹ کر مختلف طریقہ اختیار کیا گیا ہے تاکہ اگر کوئی خیمے سے باہر نکلنے کی کوشش بھی کرے تو صحیح سلامت نہ نکل پائے اور آگ میں جھلس جائے۔ آگ چونکہ گندھک کے مادّے سے بھڑکائی گئی تھی، اس لئے آگ میں سے جھلس کر نکلنے والا بھی زیادہ دیر تک زندہ نہ رہ سکتا تھا۔

ماہرین نے یہ بھی نشاندہی کی کہ خیمے کے گرد بنائی گئی نالیوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس سازش میں جو کوئی بھی ملوث ہے، وہ گندھک کے مادّے کے استعمال سے اچھی طرح واقف ہے ورنہ گندھک کو بے احتیاطی سے آگ دکھانا سراسر موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ مٹی میں پھیلائی گئی گندھک کے اثرات بھی تلاش کر لئے گئے۔ کھوجی ماہروں نے خیمے کے اردگرد ملنے والے نشانات کے لحاظ سے اس بات کا اعلان کیا کہ اس سازش کی تکمیل میں صرف تین افراد ملوث ہیں۔ ماہرین کے تجزیئے کے بعد تمام اعلیٰ سالاروں نے سر جوڑ کر آپس میں صلاح مشورہ شروع کیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ اصل مجرم کا سراغ لگانے کے لئے ایک منصوبے پر متفق ہو گئے۔ ہر طرح کی ممکنہ صورتِ حال پر اچھی طرح غور کر لیا گیا۔ اس کے بعد فوری طور پر سب سپاہیوں کو خیموں سے نکل کر کھلے علاقے میں مخصوص انداز میں صف بندی کا حکم دیا گیا تمام سپاہی اپنے اپنے خیموں میں سے نکل کر کھلے علاقے میں جمع ہو گئے۔ ان کے چہرے شدتِ غم سے مرجھائے دکھائی دے رہے تھے کیونکہ صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے وہ یہ فرض کرنے پر مجبور تھے کہ ان کا محبوب قاآن اعظم اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ آگ اسی کے خاص خیمے کو لگائی گئی تھی۔ یہ خبر بھی سپاہیوں میں پھیل چکی تھی کہ رات کو ہلاکو خان اسی خیمے میں موجود تھا۔

سالاروں نے صفوں کی تعداد کے مطابق گن کر ایسے افراد الگ کئے جنہیں گندھک کی بو سونگھنے کی خاص مہارت حاصل تھی۔ اس کے بعد انہیں ایک ایک صف میں داخل کر دیا گیا کہ وہ تمام سپاہیوں کا جائزہ لیں اور ایسے افراد کو ڈھونڈ کر باہر نکالیں جن کے لباس سے یا ہاتھوں یا بدن کے کسی بھی حصے سے گندھک کی معمولی سی بھی بو آئے، یہ کام کافی محنت طلب تھا اور نتائج نکلنے میں کافی دیر لگ سکتی تھی۔ سالاروں نے فوری طور پر چند خاص دستوں کی جانچ پڑتال کروائی، جب وہ ان کے بارے میں مطمئن ہو گئے تو انہیں وادی میں پھیل جانے کا حکم دیا اور وادی میں کسی بھی انجان شخص کی موجودگی پر اسے فوراً گرفتار کر کے پیش کرنے کا حکم دیا۔ یہ امکانات بھی ان کے ذہن میں موجود تھے کہ کوئی باہر کا شخص رات کی تاریکی کا فائدہ اُٹھا کر لشکر میں داخل ہو گیا ہو اور وہ شاہی خیمے کو نذرِ آتش کرنے کے بعد تیزی سے لشکر میں سے نکل گیا ہو یا وہ پہلے ہی سے لشکر میں موجود ہو اور اپنا کام پورا کرنے کے بعد فرار ہو گیا ہو۔ اگر واقعی ان کا اندازہ درست تھا تو یہ بات بھی یقینی تھی کہ وہ شخص زیادہ دور نہیں جا سکا ہوگا۔

نصف دن اسی کشمکش میں بیت گیا۔ کھوج لگانے پر مامور سپاہی پوری طرح چوکس تھے مگر لشکر میں سے کوئی ایسا فرد برآمد نہیں کیا جا سکا جس کے جسم میں گندھک کی مہک محسوس ہوتی۔ دوپہر ڈھلتے ہی یہ کام اپنے اختتام کو پہنچ گیا۔ پورے لشکر کو کھنگال لیا گیا مگر کامیابی نہ ہو سکی۔ سالاروں نے سپاہیوں کو اسی میدان میں رُکنے کا حکم دیا اور ان کھوجیوں کو خیموں کی جانب بھیج دیا کہ وہ وہاں سے کوئی سراغ ڈھونڈ نکالنے کی کوشش کریں۔ اس کام کے لئے مزید افراد کو منتخب کیا گیا تاکہ کام تیزی سے مکمل ہو پھر خیموں کی تلاشی کا کام شروع ہو گیا۔ سہ پہر کے قریب ان کھوجیوں کو ایک خیمے میں سے کچھ ایسا سامان ملا جس میں گندھک کی بو رچی ہوئی تھی۔ فوراً یہ خبر سالاروں تک پہنچائی گئی۔ کامیابی کی اطلاع پاتے ہی وہ سب اس خیمے کی جانب آئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے اس تھیلے کا خود جائزہ لیا جس میں گندھک کی بو رچی ہوئی تھی، اس کے بعد ماہرین طلب کئے گئے جنہوں نے تھیلے اور اس کے لوازمات کا تجزیہ کرنے کے بعد اس خیمے کی بھرپور انداز میں تلاشی لی۔ مختلف چیزوں کو دیکھنے کے بعد انہوں نے سالاروں کو بتایا کہ اس خیمے میں جو لوگ موجود ہیں ان میں کچھ افراد ایسے ہیں جن کا تعلق حسن بن صباح کے فرقے سے ہے۔ خیمے کی نشاندہی ہونے کے بعد اس خیمے کے مکینوں کو ڈھونڈنے کے کام کا آغاز کیا گیا۔ سالاروں نے باہم مشورے سے اس بات کو خفیہ رکھتے ہوئے تمام سپاہیوں کو خیموں میں واپس لوٹنے کا حکم دیا اس دوران مشکوک خیمے کی غیر محسوس انداز میں نگرانی کا بندوبست کیا گیا تاکہ اس کے مکین شک پڑنے پر دائیں بائیں نہ ہو جائیں۔ اسی ادھیڑبن میں شام ہو گئی اور روشنی کم ہونے لگی۔ وادی میں بکھرے ہوئے سپاہی بھی ناکام واپس لوٹے۔

بالآخر سالاروں کی بھاگ دوڑ کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ شام گہری ہونے کے بعد کچھ افراد محتاط نگاہوں سے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے اس خیمے میں داخل ہوئے۔ وہ تعداد میں سات تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں انہیں ڈھکے چھپے انداز میں وہاں سے نکال کر سالاروں کے سامنے پیش کر دیا گیا۔

سالاروں نے ان کے حلیئے کا بغور جائزہ لیا۔ ان میں دو تو شکل وصورت میں مسلمان دکھائی دے رہے تھے جبکہ باقی پانچ نصرانی معلوم ہوتے تھے۔ سالاروں نے ماہرین کو دوبارہ بلوایا اور ان کے جسم میں سے گندھک کی بو کو تلاش کرنے کا حکم دیا۔ تین ماہر آگے بڑھ کر ان کے جسم کے گوشوں کو سونگھنے لگے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے انکار میں گردن ہلائی۔ ایک سالار غصے کے عالم میں آگے بڑھا اور تلوار نکال کر تینوں ماہروں کے سر قلم کر دیئے۔

اب دوسرے تین ماہروں کو حکم دیا گیا کہ وہ آگے بڑھ کر اپنا کام انجام دیں۔ وہ اپنے تین ساتھیوں کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے، وہ خوفزدہ انداز میں آگے بڑھے اور ان سب افراد کو یوں ٹٹولنا شروع کر دیا جیسے وہ کوئی کھلونے ہوں۔ وہ ساتوں افراد کسی قدر سہمے ہوئے ضرور تھے مگر انہیں شاید یہ توقع تھی کہ ان پر کیا جانے والا شک کسی صورت ثابت نہیں ہو سکے گا۔ سالار نہایت خاموشی سے کھڑے ان کی حرکات وسکنات دیکھتے رہے۔ اچانک ایک ماہر کسی قدر پرجوش دکھائی دیا۔ اس نے نصرانی صورت کے ملزم کے بالوں میں گندھک کی رچی ہوئی بو محسوس کر لی تھی۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے اس کی تصدیق چاہی۔ سب نے آگے بڑھ کر اس کے بالوں میں اچھی طرح سونگھا۔ گندھک کی بو تو آ رہی تھی مگر بے حد ہلکی۔ پھر ان ساتوں کے سر ماہرانہ انداز میں سونگھے گئے۔ اتفاق یہ تھا کہ ان سب کے سروں میں گندھک کی بو موجود تھی۔ کھوجی ماہرین کا کہنا تھا کہ خیمے کے گرد صرف تین افراد کی نقل وحرکت کے آثار موجود ہیں جبکہ یہاں سات افراد موجود تھے۔

گندھک کی بو کی موجودگی ثابت ہونے پر ان ساتوں کے چہرے خوف سے سیاہ پڑ گئے، سالاروں

نے ایک بار پھر صورت حال پر مشورہ کیا اور فوراً یہ حکم دیا کہ تمام غیر منگول سپاہیوں کے سروں کو سونگھ کر گندھک کی بو تلاش کی جائے۔ انہیں اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ ان کے لشکر میں فدائی موجود ہیں اور ان کی تعداد ان کی توقع سے زیادہ ہے۔ وہ کسی بھی دوسرے حادثے کی نوبت نہیں آنے دینا چاہتے تھے۔ غیر منگول سپاہیوں کو کھنگالنے کے بعد تیرہ افراد مزید ایسے مل گئے جن کے سر میں سے گندھک کی بو محسوس ہو رہی تھی یہ سب وہی افراد تھے جو غار سے نکل کر گذشتہ شام کو لشکر میں شامل ہوئے تھے۔ وہ جس غار میں مقیم تھے وہاں کسی قدر گندھک کے اثرات موجود تھے جنہیں وہ محسوس نہیں کر پائے۔ وہ چونکہ عرصے سے گندھک سے کھیلتے آئے تھے اس لئے انہیں محسوس نہیں ہوا کہ غار گندھک آلود ہے۔ منصوبے کی تکمیل کے بعد انہوں نے قدرتی چشمے پر اپنے جسم کو لمبی زرد گھاس سے رگڑ رگڑ کر دھویا تھا۔ اس گھاس میں یہ خاصیت تھی کہ وہ پتھریلی دھاتوں کی بو زائل کر کے جسم میں اپنی بو رچا دیتی۔ یہ بو ہر پیادہ سپاہی کے جسم میں موجود رہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ماہران کے بدن سے گندھک کی بو تلاش نہیں کر پائے۔ یہ بھی اتفاقی امر تھا کہ کسی ماہر کا بھی ذہن بالوں کی جانب نہیں گیا۔

کوئی سوال جواب کئے بغیر ان بیس افراد کی مکمل جامہ تلاشی لی گئی اور ہر قسم کے ہتھیار ان سے چھین کر غیر مسلح کر دیا گیا۔ اس کے بعد انہیں باریک باریک زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔ وہ بیس افراد بھی خاموشی سے کھڑے رہے، ان کی جگہ اگر کوئی بے گناہ ہوتا تو وہ اپنی بے گناہی کا واویلا مچاتا لیکن ان کے چہروں پر گہری طمانیت نظر آ رہی تھی۔

''تم سب فدائی ہو.....؟'' ایک سالار نے نفرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''ہم کیا ہیں، یہ چھوڑو.....ہمیں صرف یہ بتاؤ کہ تمہارے قاآن اعظم کا کیا حال ہے، کیا وہ زندہ بچ گیا ہے یا ہمارا وار کارگر ثابت ہوا ہے؟''

''قاآن اعظم تم جیسے چھوٹے لوگوں کی پہنچ سے بہت دور ہیں۔ وہ بالکل صحیح سلامت ہیں اور انہیں اس بات کا گہرا رنج ہے کہ تم لوگ ایک بار پھر اپنی بھرپور کوشش کے باوجود بری طرح ناکام رہے ہو''۔ سالار استہزائیہ انداز میں بولا۔

''میرا خیال ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو، اگر واقعی ہلاکو خان زندہ ہے تو وہ یوں عورتوں کی طرح چھپ کر بیٹھ نہیں سکتا''۔

''تمہاری گرفتاری کی خبر قاآن اعظم تک پہنچا دی گئی ہے، کچھ ہی دیر میں وہ یہاں پہنچ کر تم لوگوں کے لئے سزا تجویز کرنے والے ہیں اگر ان کا یہ حکم نہ ہوتا تو تمہاری سانسیں اسی وقت ٹوٹ چکی ہوتیں جب تمہیں گرفتار کیا گیا تھا''۔ سالار گھورتے ہوئے بولا۔

کچھ دیر تک گہری خاموشی چھائی رہی اور دونوں طرف سے کسی طرح کے جملوں کا تبادلہ بند رہا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ہلاکو خان کی آمد کا اعلان ہوا۔ ہلاکو خان کو زندہ اور صحیح سلامت دیکھ کر ان فدائیوں کے چہرے پھیکے پڑ گئے۔ وہ اپنی انتہائی کوشش میں بھی ناکام رہے تھے۔ انہیں موت کا ذرا بھر بھی خوف نہیں تھا مگر منصوبے کی ناکامی نے انہیں مایوس کر دیا۔ ہلاکو خان تک تمام خبر پہنچ چکی تھی۔ اس نے آتے ہی ان کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ سپاہیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ان کی زنجیروں کے حلقوں کو پوری قوت سے اس طرح اپنی اپنی جانب کھینچیں کہ باریک زنجیریں ان فدائیوں کے جسم چیرتی ہوئی اندر دھنس جائیں اور تمام اعضاء الگ الگ کر ڈالیں۔ فدائی لوگ اپنے انجام سے بخوبی واقف تھے۔ انہوں نے ایک نعرہ لگایا اور اپنی آنکھیں بھینچ لیں۔ پھر سپاہیوں کے زور کے آگے ان کے منہ بند نہ رہ سکے، ان کی چیخوں کا شور گونجتا رہا اور ہلاکو خان سامنے بیٹھا بھنا ہوا گوشت

کھانے میں مشغول رہا۔ ہلاکو خان کی سلامتی کی خبر سب کو مل چکی تھی اور لشکر اس نوید مسرت کو پا کر بے ہنگم جشن منانے میں مصروف تھا۔

❀❀❀

بیبرس نادانستہ طور پر اپنے ہاتھوں مارے جانے والے سلطان الملک المظفر سیف الدین قطوزی کے متعلق سوچ سوچ کر پشیمانی و خجالت کا شکار ہو رہا تھا۔ سلطان الملک المظفر 16 ذی قعدہ 658ھ کو بیبرس کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر گیا۔ آخری مدت میں سلطان الملک المظفر نے اپنے کئی حریف پیدا کر لئے تھے۔ ایک جانب وہ مصری امراء کے حقوق پورے کرنے سے انکاری ہوا تو دوسری طرف سرکردہ اور ہر دلعزیز مملوک امراء کو مختلف حیلوں سے راہ سے ہٹاتا رہا، ممکن تھا کہ اس کے بارے میں فیصلہ بہت پہلے ہی عمل میں آ جاتا۔ تاتاریوں کی یورش نے مملوک امراء کو کسی ایسے اقدام سے باز رکھا۔ وہ موزوں وقت کی تلاش میں تھے کہ سلطان الملک المظفر کو معزول کر کے کوئی دوسرا سلطان تخت نشین کر دیا جائے۔ تاتاریوں کی عین جالوت کی شکست سے خطرہ کسی قدر ٹل چکا تھا مگر ان کے خیال کے مطابق ابھی یہ کارروائی عمل میں لانے کا درست وقت نہیں آیا تھا۔ امیر غیاث الدین قرطائی کی موت کے بعد ان میں بے چینی سی پھیل گئی تھی۔ وہ ابھی اس ضمن میں کوئی فیصلہ کرنے کی کشمکش سے دوچار تھے کہ بیبرس نے اچانک دمشق پہنچ کر سلطان الملک المظفر کا کام تمام کر دیا۔ اس باغی گروہ کا سرغنہ مصری امیر فخر الدین لقمان تھا جو کہ مصری امراء میں ممتاز حیثیت کا حامل تھا۔ اسے رات کو ہی سلطان الملک المظفر کے قتل کی خبر مل گئی۔ قتل کی رات کو ہی امیر فخر الدین لقمان نے دمشق میں موجود تمام امراء کا اجلاس طلب کیا اور تازہ صورت حال ان کے سامنے رکھ دی۔ امراء کے سینوں میں ایک عرصے سے سلگنے والی آگ یہ خبر پا کر سرد پڑ گئی۔ سب لوگوں نے قدرت کے اس فیصلے پر شکر ادا کیا۔ اب ان کے سامنے یہ مسئلہ تھا کہ سلطان الملک المظفر کے بعد کس شخص کو نیا سلطان منتخب کیا جائے؟ کیونکہ یہ نہایت نازک دور تھا۔ تاتاریوں سے ابھی مقابلے جاری تھے، انہیں کئی مقامات پر شکست فاش ضرور ہوئی تھی مگر تاتاریوں کی مرکزی قوت ایل خانی حکمران ہلاکو خان کے پرچم تلے ابھی تک برقرار اور صحیح سالم تھی۔ ہلاکو خان بلاد شام کی جانب کسی بھی وقت کوچ کر سکتا تھا۔ سلطان الملک المظفر کے قتل کی خبر اس تک آسانی سے پہنچ سکتی تھی جس کے نتیجے میں وہ یقیناً یہی فیصلہ کرتا کہ حالات سازگار ہیں، مسلم افواج سلطان کی عدم موجودگی میں انتشار کی شکار ہیں لہٰذا حملے کا نقارہ بجا دیا جائے۔ علاوہ ازیں اسلامی سلطنت کے گرد پھیلے ہوئے اور مقبوضہ علاقوں کے تاتاریوں کے حوصلے بھی بڑھ سکتے تھے۔ یہ وہ کڑا دور تھا جب اسلامی لشکر کی صفوں میں پیدا ہونے والے معمولی سے انتشار سے بھی دشمن بھرپور فائدہ اٹھا سکتا تھا ایسی خوفناک دراڑیں پڑتیں کہ مسلمان آپس میں ہی کٹ مرتے۔ مصری اور مملوک امراء اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے کہ ان کے وجود سے زیادہ ان کی سرزمین کی سلامتی اہمیت رکھتی ہے جو ان کے مناصب اور عزت و جاہ کا باعث ہے۔ بلاد مصر کی سلامتی اسی میں مضمر تھی کہ تاتاریوں کو بلاد شام سے اتنی دور دھکیل دیا جائے کہ وہ دوبارہ پلٹ کر ادھر کا رخ نہ کر سکیں۔

قاہرہ کے قریباً تمام بڑے اور معزز مصری و مملوک امراء سلطان الملک المظفر کے ہمراہ دمشق آئے تھے اور وہ کسی بھی شخص کو نیا سلطان منتخب کرنے کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے اجتماعی فیصلے سے کوئی دوسرا اختلاف نہیں کر سکتا تھا۔ انہوں نے اپنے اختیارات کو موزوں وقت پر استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ بصورت دیگر قاہرہ میں رہتے ہوئے یہ معاملہ مجلس انتخاب کی ذمہ داری قرار پاتا۔ مجلس انتخاب میں شامل تین معزز امیر بھی امیر فخر الدین لقمان کی حمایت میں ساتھ تھے۔ انہوں نے اس امر کی یقین دہانی کرائی کہ دمشق میں جس شخص کو بھی

نیا سلطان منتخب کیا جائے گا، اس کی حمایت قاہرہ میں بھی کی جائے گی۔ جب نئے سلطان کے لئے ناموں کی باری آئی تو مصری اور مملوک امرا میں اختلاف دکھائی دینے لگا۔ مصری امرا کا کہنا تھا کہ حکومت کا حق مصری امرا کو ہے ان میں سے انتخاب کیا جائے جبکہ مملوک امرا اس ضد پر اڑ گئے کہ بلادِ مصر کی حفاظت کی راہ میں ممالیک نے خون بہایا ہے لہٰذا حکومت انہیں ہی ملنی چاہئے۔ جب بحث طوالت پکڑ گئی تو دونوں اطراف کے معتدل امرا نے بیچ میں پڑ کر سب لوگوں کو خاموش کرایا۔

غیر جانبدار امرا نے حالات کی نزاکت کے حوالے سے یہ رائے پیش کی کہ یہ وقت ذاتی مفادات کے تحفظ کی بحث کا نہیں ہے۔ دونوں حلقے اپنے مؤقف پر صرف اس لئے بضد ہیں کہ انہیں اپنے مناصب و مفادات کی فکر لاحق ہے۔ انہوں نے دونوں فریقین کو ذاتیات سے باہر نکل کر سوچنے کی تاکید کی اور اس کے ساتھ ساتھ تاتاریوں کے سیلاب کے آگے بند باندھنے کے سلسلے میں ممالیک کی کوششوں کو سراہتے ہوئے مشورہ دیا کہ عنان اقتدار انہی کو سونپ دی جائے۔ کچھ لوگ اس رائے پر متفق ہو گئے مگر باقی کا اختلاف اپنی جگہ برقرار رہا۔ کافی دیر تک مختلف مملوک امرا کے ناموں پر غور و فکر کیا جاتا رہا۔ مملوک امرا کا بڑا حلقہ امیر فارس الدین اقطائی کے نام پر متفق تھا۔ امیر فارس الدین اقطائی اس وقت قاہرہ میں موجود تھا اور سلطان الملک المظفر کی عدم موجودگی میں تمام نظام حکومت کو بخوبی چلا رہا تھا۔ اس مملوک امیر کو پہلے بھی سلطان کے عہدے کے لئے نامزد کیا گیا تھا مگر وہ خود ہی اس نامزدگی سے دستبردار ہو گیا۔ کچھ امرا کا خیال تھا کہ وہ اس مرتبہ بھی حکومت کا بار اُٹھانے سے انکار کر دے گا۔ مصری امرا فارس الدین اقطائی کے نام پر رضامند نہیں ہوئے۔ کافی دیر تک بحث و تمحیص ہوتی رہی اور اس تمام دورانئے میں امیر فخر الدین لقمان کسی ایسی شخصیت کے بارے میں سوچتا رہا، جو سب لوگوں کے لئے یکساں طور پر قابلِ قبول ہو اور اس کے حوالے سے واضح اختلاف بھی سامنے نہ آئے۔ مختلف نام اس کے ذہن میں گردش کرتے رہے۔ پھر اچانک بجلی کے کوندے کی طرح وہ نام اس کے ذہن میں لپکا جو سب کے سامنے ہوتے ہوئے بھی شاید سب کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔ امیر فخر الدین لقمان نے اپنے تئیں ایک نتیجے پر پہنچتے ہوئے ان سب کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔ وہ سب لوگ چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگے۔ امیر فخر الدین لقمان نے کہا۔

''میں تمام مصاحبین کے جذبات کی قدر کرتا ہوں، چونکہ وقت ایسا ہے کہ بلادِ مصر کے ساتھ ساتھ بلادِ شام کی حفاظت کرنا ہماری ہی ذمہ داری بن چکا ہے لہٰذا میرا خیال ہے کہ ہمیں اقتدار اس شخص کے حوالے کر دینا چاہئے، جس نے اپنی اہلیت کا ثبوت ہمیں عملی طور پر پیش کیا ہے۔''

اس کی بات سن کر وہاں موجود سب لوگ چونک اُٹھے۔ کچھ لوگ فوراً سمجھ گئے کہ امیر فخر الدین لقمان کا اشارہ کس کی جانب ہے لیکن زیادہ تر کے چہرے سوالیہ نشان بن گئے۔ تھوڑی دیر کے لئے ہر طرف خاموشی چھا گئی۔

''تم بیبرس کو منصب شاہی پر بٹھانا چاہتے ہو.....'' بالآخر اس خاموشی کو ایک معمر امیر کی بھاری بھرکم آواز نے توڑا۔ ''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ گذشتہ ایام میں امرا کا کثیر حلقہ اس کا مخالف رہا ہے، کیا وہ عنان سلطنت سنبھالتے ہی الملک المظفر جیسی روش نہیں اپنائے گا؟''

امیر کی بات سن کر تمام حاضرین میں سرگوشیاں گھوم گئیں..... جو امیر فخر الدین لقمان کی بات سمجھ گئے تھے ان میں استفہامی اور جو نہیں سمجھ پائے تھے، ان میں تحیر بھری۔

''بیبرس کا کردار ہمارے سامنے ہے، تمام عساکر اس کی مٹھی میں ہیں۔ اگر وہ چاہے تو زبردستی بھی

سلطنت پر قبضہ کر سکتا ہے۔ تمام عسکری امیر اس کے ہم نوالہ ہیں لیکن اس نے آج تک ایسا کوئی قدم اٹھانے کی کوشش نہیں کی''۔ امیر فخر الدین لقمان بولا۔

کچھ دیر تک بیبرس کے حوالے سے بحث کا سلسلہ جاری رہا لیکن ساری گفتگو کا پلڑا واضح طور پر بیبرس کے حق میں جھکا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ مملوک امرا کے علاوہ مصری امرا بھی بیبرس کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ لہٰذا نئے سلطان کے طور پر اسے منتخب کر لئے جانے میں زیادہ وقت نہ لگا۔ زیادہ تر امراء نے بخوشی اس کے حق میں فیصلہ دے دیا البتہ ان عمائدین سلطنت کو اپنے مناصب خطرے میں دکھائی دینے لگے جنہوں نے ماضی میں بیبرس کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

رات کے آخری پہر میں مجلس برخاست کی گئی۔ کچھ ہی دیر میں فجر کی اذان ہونے والی تھی۔ یہ طے پا چکا تھا کہ دن کے پہلے حصے میں سلطان الملک المظفر کی تجہیز و تکفین کی جائے گی اور شام ہونے سے پہلے باضابطہ طور پر بیبرس کی تخت نشینی کی رسم ادا کر دی جائے گی۔ امیر فخر الدین لقمان، بیبرس کے نام پر اتفاق رائے حاصل کرنے کے بعد کچھ دیر تک لیٹا رہا۔ پھر اذان کی آواز بلند ہونے پر جامع مسجد کی جانب بڑھ گیا، جہاں اسے بیبرس سے ملاقات کی قوی توقع تھی۔ وہ تخت نشینی کی تقریب کا انعقاد ہونے سے پہلے بیبرس سے اس موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا تھا۔

❀ ❀ ❀

گل وقوژ بے خیالی کے عالم میں کنیز کے ساتھ کھنچتی ہوئی قلعے کے مخصوص شاہی مہمان خانے میں پہنچ گئی۔ یہ ایک بڑا اور ہر قسم کی آسائش سے آراستہ کمرہ تھا، جس میں ضرورت کی قریباً ہر چیز نہایت قرینے سے لگائی گئی تھی۔ کنیز نے گل وقوژ کو جہاں لا کر چھوڑا تھا، وہ وہیں ساکت و جامد کھڑی رہی، کنیز نے اس کے کھوئے کھوئے پن پر کسی قدر حیرت اور کسی قدر ناگواری سے ناک چڑھائی۔ گل وقوژ کا ذہن ابھی تک اسی ادھیڑ بن کا شکار تھا کہ سیڑھیوں میں دکھائی دینے والا فرد اگر واقعی اس کا ماموں زاد شنگ خان ہی تھا تو کیا گل وقوژ ابھی تک منگولوں کے ہی کسی علاقے میں مقید ہے.....؟ شیخ کبیر الدین نے تو اس سے کہا تھا کہ وہ منگولوں کی سرزمین سے ہزاروں میل دور قبستان کی وادی میں پہنچ چکی ہے، جہاں صرف اسی کا سکہ چلتا ہے۔ اگر شیخ کبیر الدین کا کہنا درست تھا تو شنگ خان کی یہاں موجودگی کو کیا نام دیا جاتا، شنگ خان کا شیخ کبیر الدین سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ وہ کس مجبوری کے تحت اپنے وطن سے اتنی دور یہاں چلا آیا تھا.....؟ کیا وہ بھی پس پردہ شیخ کبیر الدین سے ملا ہوا ہے.....؟ کئی سوال سر اُٹھا رہے تھے اور گل وقوژ کے پاس ان میں سے کسی کا بھی کوئی جواب نہیں تھا۔

اچانک اس کے ذہن کے کسی گوشے میں سے یہ خیال ابھرا کہ اُسے تو غار میں بند کر دیا گیا تھا اور پھر گھٹن کے باعث وہ بے ہوش ہو گئی۔ غار میں بند کرنے کا حکم یقیناً اس کے نانا منک آنہ نے ہی دیا ہو گا تو کیا شنگ خان نے ہی اسے غار سے نجات دلائی تھی اور وہاں سے نکال کر شیخ کبیر الدین کے پاس چھوڑ گیا تھا.....؟ یقیناً ایسا ہی کچھ ہوا ہو گا..... اس نے اپنے تئیں نتیجہ اخذ کر لیا۔ کنیز کافی دیر کے بعد جب گل وقوژ کی جانب متوجہ ہوئی تو اسے اسی حالت میں کھڑے دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھی اور اسے جھنجوڑ ڈالا۔

''گل وقوژ! کیا ہوا؟ یوں کیوں کھڑی ہو؟''

''ہونہہ!'' گل وقوژ چونک پڑی اور حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔ پھر اسے یاد آیا کہ یہ کبیر الدین

کی خاص کنیز ہے جسے نگران کے طور پر اس کے ہمراہ رکھا گیا ہے۔ گل وتوڑ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے تسلی دی اور کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ کنیز کے ماتھے پر جھنجلاہٹ کی ہلکی سی شکنیں نمودار ہوئیں پھر وہ کندھے اچکا کر کمرے کے ایک حصے کی جانب بڑھ گئی۔

اسی روز چار دوسری لڑکیاں بھی اسی کمرے میں لائی گئیں۔ ان کی شکلیں دیکھتے ہی گل وتوڑ کو اندازہ ہو گیا کہ یہ بھی اس کی طرح مصیبت زدہ ہوں گی۔ ان سب لڑکیوں کی عمریں بیس سال سے کم ہی معلوم ہوتی تھی۔ ایک خاص بات جو گل وتوڑ نے محسوس کی کہ ہر لڑکی کے ساتھ ایک ایک کنیز موجود تھی، کچھ دیر کے بعد ایک غلام وہاں آیا اور اس نے بتایا کہ اس کمرے میں گل وتوڑ سمیت دس عورتیں قیام کریں گی لیکن یہ قیام عارضی ہوگا۔ روزانہ انہیں قلعے کی مغربی دیوار کے احاطے میں لے جایا جائے گا اور وہاں ایک ماہر خنجر زن انہیں تربیت دے گا۔ غلام نے یہ بھی واضح کیا کہ شیخ کبیر الدین کا حکم ہے کہ تربیت کے لئے صرف ایک ماہ کا عرصہ دیا جائے گا، جو خواتین اس ایک ماہ کی تربیت کے بعد اعلیٰ کارکردگی کا ثبوت دیں گی انہیں مہارت حاصل کر لینے تک اسی کمرے میں ٹھہرایا جائے گا اور جن کی کارکردگی ناقص رہی، انہیں کسی رعایت کا مستحق نہ سمجھتے ہوئے قلعے کی فصیل سے نیچے پھینک دیا جائے گا۔ شیخ کبیر الدین کا کہنا ہے کہ انہیں اپنی مہم کی کامیابی کے لئے صرف تعاون کرنے والی اور ماہر خواتین کی ضرورت ہے۔

گل وتوڑ نے غلام سے دریافت کیا کہ کیا یہ کنیزیں بھی ہمارے ساتھ تربیت حاصل کریں گی تو غلام نے وضاحت کی کہ کنیزیں صرف خدمت کے لئے فراہم کی گئی ہیں، تمام خواتین کو جس چیز کی ضرورت ہو وہ بے دھڑک کنیزوں سے طلب کر سکتی ہیں۔ کنیزیں خاص وفادار ہیں، ان سے کسی ایسے تعاون کی توقع نہ رکھی جائے جو یہاں کے اصولوں کے منافی ہو، اگر کسی خاتون نے اس قسم کی حرکت کرنے کی کوشش کی تو وہ جان لے کہ سزا کے طور پر وہ جسم کے کسی حصے سے محروم کی جا سکتی ہے جس میں انگلیوں سے لے کر سر تک سب اعضاء شامل ہیں۔ غلام نے سزا کا نقشہ کچھ ایسے بھیانک انداز میں کھینچا کہ وہاں موجود سب خواتین کو اپنی سانسیں رُکتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ غلام کے جانے کے بعد کنیزوں نے کمرے میں ضرورت کے تحت انتظامات کئے اور پانچ بستر لگائے گئے۔ کنیزوں کو کمرے میں ان سب کے ساتھ سونے کی اجازت نہیں تھی۔

گل وتوڑ نے تمام خواتین سے تعارف حاصل کرنے کی کوشش کی مگر وہ اس قدر سہمی ہوئی تھیں کہ اس سے بات کرنے کی جرأت بھی نہ کر سکیں۔ گل وتوڑ نے ان کی حوصلہ افزائی کرنے کی کوشش بھی کی مگر اسے کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ کمرے میں پانچ خواتین موجود تھیں مگر پھر بھی گہرا سکوت طاری تھا۔

دوسرے دن پہلی بار انہیں مخصوص احاطے میں لے جایا گیا اور خنجر زنی کی تربیت کا آغاز کیا گیا۔ خنجر زنی کی تربیت دینے والے نے مخصوص سیاہ لباس زیب تن کیا ہوا تھا اور ایک بڑے کپڑے سے چہرے کو اس طرح لپیٹ رکھا تھا کہ اس کی آنکھوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ گل وتوڑ نے جب پہلی بار اس کی آنکھوں میں دیکھا تو ان میں عجیب سی شناسائی محسوس ہوئی۔ خنجر زن استاد جب ان سے گفتگو کرتا تو اس کے لہجے سے کبھی کبھی یہ محسوس ہوتا جیسے وہ کوئی مشکول ہو۔ گل وتوڑ نے اس چیز کو شدت سے محسوس کیا۔ خنجر زن استاد نے انہیں اپنا تعارف شیخی کے نام سے کرایا تھا۔ وہ جب عربی زبان میں گفتگو کرتا تو اس کا لہجہ اتنا پختہ معلوم ہوتا کہ گل وتوڑ شبہات کا شکار ہو جاتی کہ یہ مشکول نہیں ہو سکتا مگر وہ ناتاری زبان میں بات کرتا تو وہ لہجہ بھی بالکل مقامی معلوم ہوتا۔ پہلے دن ان سب افراد میں تعارف کا تبادلہ ہوا تھا۔ جس کی بدولت گل وتوڑ کو اپنی ساتھی چاروں خواتین کے نام معلوم ہوئے۔ ایک لڑکی سمرقند سے لائی گئی تھی، اس کا نام زہرہ تھا، دوسری لڑکی کا نام

جفا تھا، وہ خراسان سے تعلق رکھتی تھی۔ تیسری لڑکی نافعہ تھی جس کا تعلق کاکیشیا سے تھا جبکہ چوتھی لڑکی کا نام ابریلا تھا جو غالباً نصرانی تھی اور اس کا تعلق آرمینیہ سے تھا۔ یہ ایک نصرانی قافلے کو لوٹنے کے بعد حاصل ہوئی تھی۔ شکل وصورت کے لحاظ سے وہ تمام لڑکیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ گل وتوڑ میں ان سب لڑکیوں کی نسبت زیادہ اعتماد دکھائی دیتا تھا۔ شیخی نے پہلے دن سے ہی گل وتوڑ پر اپنی توجہ زیادہ رکھی۔ شیخی کے سکھانے کا انداز کچھ ایسا تھا دن میں الٰہی وہ لڑکیاں بجلیاں معلوم ہونے لگیں۔ صبح سے شام تک کی متواتر تربیت نے فن خنجر زنی میں ایسا نکھار پیدا کیا کہ دیکھنے والا یہ گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ انہیں تربیت حاصل کرتے ہوئے صرف دس دن ہوئے ہیں۔

گل وتوڑ نے دل لگا کر یہ تربیت حاصل کی کیونکہ وہ ذہنی طور پر یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اسے ہمیشہ یہاں نہیں رہنا، جونہی اسے موقع ملا وہ فرار ہونے کی کوشش ضرور کرے گی۔ فرار ہونے سے پہلے وہ اپنی حفاظت کا پورا پورا بندوبست کرنا چاہتی تھی۔ خنجر زنی کے فن سے اسے بچپن سے ہی آگاہی تھی مگر اس فن کو مہارت کی بلندیوں تک پہنچانے کا خیال کبھی اس کے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ قدرت نے خود ہی اسے ایک ایسا نادر موقعہ فراہم کر دیا تھا کہ وہ اس قابل ہو گئی کہ بآسانی اپنی حفاظت کر سکے۔

ایک ماہ کب گذر گیا انہیں احساس ہی نہیں ہوا۔ روزانہ کا معمول استاد لچسپ تھا کہ وقت گذرنے کا پتہ ہی نہ چلتا۔ ایک ماہ کی تربیت کے بعد شیخ کبیر الدین خود وہاں آیا اور اس نے ان کی مہارت کو جانچا۔ تربیت کے دوران انہیں مکمل وار کرنے کی اجازت نہیں تھی اس لئے کسی پر وار کرنے کے طریقہ کار سے تو وہ لڑکیاں واقف تھیں مگر خنجر کسی کے جسم میں اتارنے کا عملی مرحلہ ابھی باقی تھا۔ شیخ کبیر الدین نے ان کی آزمائش کے لئے پانچ قوی ہیکل غلاموں کا انتخاب کیا اور دو بدو مقابلے کا اہتمام کیا۔ شیخ کبیر الدین نے مقابلے کے آغاز سے قبل فریقین پر واضح کر دیا کہ یہ مقابلہ کوئی بناوٹی نہیں ہوگا بلکہ اس میں مکمل طور پر مہارت کا استعمال کرتے ہوئے حریف کو ہلاک کرنا ہی جیت تصور کی جائے گی اگر غلاموں کا داؤ چل گیا تو وہ لڑکیوں کو موت کی نیند سلا دیں گے اور اگر لڑکیاں زندہ رہنے کی خواہش مند ہیں تو انہیں اپنی جان بچانے کے لئے ان غلاموں کو اپنی راہ سے ہٹانا ہوگا۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ مقابلہ فرداً فرداً نہیں تھا بلکہ سب لوگ ایک ہی آواز کے بعد میدان میں اتر کر اپنے حلیفوں کی معاونت کرتے ہوئے دوسرے فریق کو ہلاک کر سکتے ہیں۔

شیخی بھی وہاں موجود تھا، اس نے اس آزمائش کو لڑکیوں کی استطاعت سے زیادہ قرار دیا تھا مگر شیخ کبیر الدین نے اس کی بات کو اہمیت نہیں دی اور مقابلے کے آغاز کا اعلان کر دیا۔ پانچوں قوی ہیکل غلام باچھیں کھلائے لڑکیوں کی جانب بڑھے۔ انہیں پورا یقین تھا کہ ان نرم ونازک لڑکیوں کو زیر کر لینا ان کے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہوگا۔ پانچوں لڑکیاں اپنے خنجروں کو مضبوطی سے تھامے پینترے بدلنے لگیں۔ اچانک ان پانچوں غلاموں نے اپنے لباس میں سے لمبے پھل والے خنجر نکال لئے اور انہیں ہاتھوں پر اچھالتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ شیخی یہ دیکھ کر بے چین سا ہو گیا اس نے ایک بار پھر شیخ کبیر الدین کے سامنے احتجاج کرنا چاہا۔

"شیخی! تم نہیں جانتے کہ میں نے ان لڑکیوں کو حاصل کرنے کے لئے بڑی محنت کی ہے، اگر یہ میرے معیار پر پورا اترنے کے قابل نہیں ہیں تو انہیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ مقابلہ شروع ہو چکا ہے لہٰذا خاموش بیٹھے رہو" شیخ کبیر الدین سفاک لہجے میں بولا۔

شیخی اس کی بات پر پہلو بدل کر رہ گیا اس نے ایک ماہ کی کڑی محنت سے انہیں اس قابل بنایا تھا کہ خنجر سے کھیل سکیں مگر اب سوچ رہا تھا کہ بہتر ہوتا، انہیں عملی مشق بھی کروا دیتا بے شک یہ مشق ان پانچوں

کنیزوں پر ہی کی جاتی۔

مقابلہ شروع ہوا تو دونوں جانب سے خنجروں کے ایسے گھماؤ پھراؤ دکھائی دیئے کہ دیکھنے والا یہی سمجھتا کہ ابھی کوئی نہ کوئی زد میں آیا۔ لڑکیاں مدافعتی انداز میں لڑ رہی تھیں جبکہ غلاموں کا انداز بے حد جارحانہ تھا۔ غلاموں کی پوری کوشش کے باوجود کوئی لڑکی ان کے نشانے پر نہ آسکی۔ وہ فطری لچک کا فائدہ اُٹھا کر وار خالی کر دیتیں اچانک ایک غلام کا داؤ چل گیا اور اس کا خنجر نافعہ نامی لڑکی کے بازو پر گہری خراش ڈالتا ہوا گذر گیا۔ درد کی شدید لہر نے نافعہ کی طراری کی لگامیں کھینچ دیں۔ اس کی کراہ نے سب لڑکیوں کو چونکا دیا۔ اس کی حالت دیکھ کر انہیں اپنی حالت بدلتی ہوئی محسوس ہوئی، کچھ دیر پہلے تک وہ مدافعتی انداز اختیار کیئے ہوئے تھیں، مگر غم و غصے کی لہر نے انہیں جارحیت پر اترنے پر مجبور کر دیا۔ اس سے پہلے کہ دوسرا غلام نافعہ کی سستی کا فائدہ اُٹھا کر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا۔ زہرہ نے خنجر کا ایسا داؤ لگایا کہ پورے کا پورا پھل غلام کے پیٹ میں اُتر گیا۔ زہرہ نے خنجر کو پیٹ میں اتارتے ہی مخصوص انداز میں گھماتے ہوئے جھٹکا دیا تو قوی ہیکل غلام بری طرح سے ڈکرانے لگا۔ غلام کی چیخ دپکار سے ایک لمحے کے لئے زہرہ کا ہاتھ کانپا پھر اپنا انجام سوچ کر خنجر کے دستے پر اس کی گرفت مضبوط ہوگئی۔ اس نے جھٹکا دے کر خنجر غلام کے پیٹ سے نکالا اور اس کے حلقوم پر پھیر دیا۔ زہرہ کے عمل نے ان سب کی جھجک کو مٹا ڈالا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے طویل ہوتی یہ جنگ لمحوں میں سمٹ گئی۔ پانچوں غلام خون میں لت پت زمین پر پڑے تھے اور سب لڑکیوں کے خنجروں سے خون ٹپک رہا تھا۔

''بہت خوب!'' شیخ کبیر الدین نے خوش ہو کر کہا۔ ''لیکن پانچ آدمیوں کو مارنے میں اتنی دیر، یہ کوئی مہارت کا ثبوت نہیں۔ مقابلہ از سر نو شروع کیا جائے اور اب پانچ کے بجائے دس غلاموں کا کھیل ہوگا''۔

''لڑکیاں تو پانچ ہیں اور غلاموں کی تعداد دگنا......؟'' شخنجی نے مداخلت کی۔

''شخنجی! پانچ غلاموں کو ہلاک کرنے میں جتنا وقت صرف ہوتا ہے، لڑکیوں نے اس سے کئی گنا زیادہ وقت خرچ کیا ہے۔ جب تک یہ مقررہ وقت کے اندر غلاموں کو ہلاک نہیں کر لیتیں، یہ مقابلہ جاری رہے گا اور سزا کے طور پر ہر بار پانچ غلام بڑھا دیئے جائیں''۔ شیخ کبیر الدین شاید اس کیفیت سے محظوظ ہو رہا تھا۔ اس کی بات سن کر شخنجی کو یقین ہو گیا کہ لڑکیوں کی زندگی بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ لڑکیوں میں ایک گھائل ہو چکی ہے اور باقی تکان کا شکار دکھائی دے رہی ہیں۔ یہ خونی کھیل ان کی زندگی کی لو بجھا کر ہی دم لے گا۔

❀ ❀ ❀

مطیع الدین غور سے ان کی جانب دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر تک کمرے میں سکوت طاری رہا۔ تھوڑے توقف کے بعد شیخ ابوالفضل بولا۔

''مجھے تمہارے جواب پر کوئی حیرت نہیں ہوئی کیونکہ میں پہلے سے جانتا ہوں کہ یہ سب باتیں تمہیں کل شام شیخ عزیز الدین سے معلوم ہوئی ہیں۔ البتہ اپنی ذات میں تمہاری دلچسپی کی وجہ میں سمجھ نہیں پایا۔ بہر حال میرا خیال ہے کہ ہمیں اب کام کی بات پر آجانا چاہئے''۔

مطیع الدین اس دوران بستر سے اُٹھ چکا تھا۔ وہ دیئے کی جانب بڑھا اور اسے جلانے کی کوشش کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد دیئے کی مدھم سی روشنی پورے کمرے میں پھیل گئی۔

''میرا خیال ہے کہ اب تم لوگ بھی شرافت کے دائرے میں آجاؤ اور ان سیاہ ڈھاٹوں کو چہروں سے ہٹا دو...... جانے کیوں مجھے ان سے گھن سی آتی ہے''۔

''مطیع الدین!'' حارث غراتے ہوئے بولا۔ ''اپنی حد میں رہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری بے قابو زبان

گدی سے باہر لٹکنے لگے''۔

''شیخ ابوالفضل! تمہارا یہ ساتھی کچھ ضرورت سے زیادہ ہی بے چین دکھائی دیتا ہے، اگر تمہیں برا نہ محسوس ہو تو میں اس سے دو دو ہاتھ کر ہی لوں''۔ مطیع الدین ناگواری سے بولا۔

''میں جب بات کر رہا ہوں تو پھر تمہیں بار بار مداخلت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آرہی ہے؟ اب تم دونوں میں سے کوئی نہیں بولے گا''۔ شیخ ابوالفضل نے اپنے ساتھیوں کو ڈانٹا۔ ''اب تم کھل کر بتاؤ کہ تم سرائے سے یہاں کیا لینے آئے ہو اور تمہیں ہمارے بارے میں کیسے علم ہوا کہ ہم فدائین ہیں؟''

''میرا مطالبہ ابھی پورا نہیں ہوا''۔ مطیع الدین نے لاپرواہی سے کہا۔

''ہمارے چہرے دیکھ کر تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا''۔ شیخ نے جواب دیا۔

''ایسی صورت میں میں تم سے کوئی بات نہیں کروں گا۔ چاہو تو تم میرے ہاتھ باندھ کر ساتھ لے جا سکتے ہو''۔ مطیع الدین کے لہجے سے بے خوفی جھلک رہی تھی۔

اس کی بات سن کر شیخ ابوالفضل سوچ میں پڑ گیا۔ ''ٹھیک ہے صرف میں ہی اپنا چہرہ بے نقاب کروں گا، میرے ساتھیوں پر تم زور نہیں دو گے''۔

''کیا تم یہ بات مان لوگے کہ تمہارے ساتھی کمرے سے باہر چلے جائیں اور ہم دونوں آپس میں بات چیت کر لیں؟'' مطیع الدین نے استہزائیہ لہجے میں کہا تو وہ دونوں نقاب پوش غصے کے عالم میں مٹھیاں بھینچنے لگے۔

''ایک بات میں تمہاری مان رہا ہوں تو تم بھی ایک بات ہماری مانو''۔

''تم کہتے ہو تو میں ان کے بارے میں خاموشی اختیار کر لیتا ہوں''۔ مطیع الدین نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ وہ دل میں سوچ رہا تھا کہ اگر وہ اس کی بات سرے سے ہی ماننے سے انکار کر دیں تو وہ کیا کر سکتا تھا؟ شیخ ابوالفضل نے اپنے چہرے سے سیاہ کپڑا اٹھا کر سر کے اوپر کر دیا۔ وہ ادھیڑ عمر شخص تھا جس کا سرخ و سپید رنگ اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ آسودہ زندگی گذار رہا ہے۔ مطیع الدین نے اس کے چہرے کے خدوخال پر نگاہ دوڑائی اور اپنے مشاہدے کی روشنی میں اس کی شخصیت کا تجزیہ کرنے لگا۔

''تمہاری شرط پوری کی جا چکی ہے''۔ شیخ ابوالفضل بولا۔

''پہلے سوال کا تو میں جواب دوں گا مگر تمہارا دوسرا سوال مجھے کچھ ہضم نہیں ہوا۔ ابھی چند لمحے پہلے تو تم یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تمہارے بارے میں مجھے شیخ عزیز الدین سے تمام معلومات حاصل ہوئی ہیں پھر دوبارہ اس سوال کا کیا مقصد؟'' مطیع الدین بولا۔

''تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟'' شیخ ابوالفضل کو مطیع الدین کا انداز نہیں بھایا۔

''میں یہاں ایک ذاتی کام سے آیا ہوں، جس کا تعلق فدائین کے گروہ سے ہے''۔

''کیا مطلب......؟ میں کچھ سمجھا نہیں''۔ شیخ ابوالفضل کے چہرے پر حیرت عود کر آئی۔

''مطلب جلد ہی تمہاری سمجھ میں آجائے گا، جلد بازی کی ضرورت نہیں ہے''۔

''کیا واقعی گھوڑے کے عمامے کی حقیقت تم پر افشا ہو چکی ہے؟'' شیخ ابوالفضل نے اچانک سوال کیا۔

''گھوڑے کے عمامے کی حقیقت......؟'' مطیع الدین اس غیر متوقع بات پر ششدر رہ گیا۔ اس کے ذہن کے کسی کونے کھدرے میں اس وقت گھوڑے کے عمامے والا قصہ نہیں تھا۔ گھوڑے کے عمامے کا ذکر ہونے پر اس کا ذہن جیسے کھل گیا، اسے بیتے ہوئے واقعات کو سمجھنے کی کنجی ہاتھ لگ گئی پھر اسے سب کچھ سمجھ

آ گیا کہ سرائے میں نقاب پوش کی ملاقات، سمرقند میں متواتر پراسرار حالات کے عقب میں گھوڑے کا عمامہ ہی کارفرما تھا۔

''اوہ......! میں اب سمجھا کہ تم لوگ مجھ سے متواتر کیا چیز طلب کر رہے تھے؟'' مطیع الدین بے اختیاری کے عالم میں بولا۔

''کک...... کک...... کیا مطلب؟'' شیخ ابوالفضل اس کی بات پر گڑبڑا سا گیا۔

''شیخ ابوالفضل!'' مطیع الدین گہری سانس لے کر بولا۔ ''اب تمام معاملہ میری سمجھ میں آ چکا ہے کہ تم لوگ اتنے دن سے مجھے کیوں پریشان کر رہے تھے؟ شاید تمہیں میری بات پر یقین نہ آئے کہ میرے یہاں آنے میں گھوڑے کے عمامے کا کوئی دخل نہیں تھا۔ وہ تو اتفاق تھا کہ اس کی پوشیدہ تحریر میری نگاہوں میں آ گئی۔ پہلے پہل میں سوچتا رہا کہ ایسا کون ہے جو مجھے اپنی جانب متوجہ کرنا چاہتا ہے مگر کچھ دن تک کوئی بات سامنے نہیں آئی تو میں نے اس بارے میں غور کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اب تمہارے منہ سے یہ بات سن کر مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ تم لوگ واقعی مجھے اپنی جانب متوجہ کرنا چاہتے ہو''۔

''جو تم سمجھ رہے ہو ویسی بات بالکل نہیں۔ وہ عمامہ اتفاق سے تمہارے ہاتھ لگ گیا''۔

''تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اسے کسی اور کے لئے گرایا گیا تھا......؟''

''تم عمامے کے بارے کافی کچھ جانتے ہو''۔ شیخ ابوالفضل کا لہجہ بدلنے لگا۔

''اس قصے کو چھوڑو، میں اس چکر میں یہاں نہیں آیا بلکہ یہاں آنے کا مقصد کچھ اور ہے۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے''۔ مطیع الدین نے بات کا رُخ بدل دیا۔

''مدد...... کیسی مدد......؟'' شیخ ابوالفضل گفتگو میں اچانک آنے والی تبدیلی پر دنگ رہ گیا۔

''یہ حقیقت ہے کہ مجھے کسی بھی طرح تم لوگوں تک رسائی حاصل کرنا تھی اور اسی لئے میں نے کل رات شیخ عزیز الدین کے منہ سے تمہارے بارے میں سن کر ملاقات کے لئے تمہیں پیغام بھیجا تھا''۔

''کیا تم واقعی گھوڑے کے عمامے کی حقیقت معلوم ہونے پر یہاں نہیں آئے؟'' شیخ ابوالفضل کا ذہن ابھی تک اپنے سوال پر اڑا ہوا تھا۔

''میں صاف زبان میں الفاظ ادا کر رہا ہوں، عام فرد کو بھی انہیں سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں پیش آتی''۔ مطیع الدین کے لہجے سے درشتی جھلکنے لگی۔

''مجھے پورا یقین ہے کہ تم عمامے کی حقیقت جاننے کے بعد یہاں پہنچے ہو، تمہاری شخصیت پہلے دن سے ہی مشکوک رہی ہے تم وہ نہیں ہو جو دکھائی دیتے ہو، سیدھی طرح بتا دو تم یہاں کس نیت سے آئے ہو؟'' حارث خاموش نہ رہ سکا۔ اس کے ہاتھ میں موجود چمکتے ہوئے خنجر کا رُخ مطیع الدین کی جانب تھا۔ حارث کی حرکت پر شیخ ابوالفضل خاموش بیٹھا رہا۔

❀ ❀ ❀

بیبرس حسبِ عادت علی الصبح اپنی قیام گاہ سے نکلا اور جامع مسجد کی جانب بڑھ گیا۔ تمام رات اس نے آنکھوں میں گذاری تھی۔ اس کے ہاتھوں ایک ایسے شخص کا قتل ہو چکا تھا جسے وہ صرف ذاتی عناد کے تحت قتل کرنا اسے منظور نہیں تھا۔ یہ وہ بدترین امر تھا جو ناگہانی طور پر اسی کے ہاتھوں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اسی لئے ضمیر کے مسلسل کچوکوں نے اس کی روح تک کو بری طرح پامال کر ڈالا۔ وہ جب مسجد میں پہنچا تو اس کی آنکھیں انگاروں کی مانند سرخ ہو رہی تھیں۔ بیبرس نے وضو کیا اور پھر بارگاہ الٰہی میں کھڑا ہو گیا۔ وہ خالق کا مجرم تھا مگر

اس سے رحم و مہربانی کی استدعا کر رہا تھا۔ نماز کے اختتام کے بعد بھی وہ کافی دیر تک اپنے رب کے حضور گڑگڑا کر معافیاں مانگتا رہا۔ امیر فخر الدین لقمان نماز سے فارغ ہونے کے بعد کافی دیر تک اس کی جانب متوجہ رہا کہ وہ کب اٹھے تو وہ اس سے بات کرے۔ جب اس نے دیکھا کہ دُعا کا سلسلہ طویل ہو چکا ہے تو وہ خود ہی اپنی جگہ سے اُٹھا اور اس کے پہلو میں آ بیٹھا۔ بیبرس اس وقت ذہنی و قلبی کشمکش کا شکار تھا، اس لئے اسے علم ہی نہ ہو سکا کہ کوئی اس کے پہلو میں موجود ہے۔ امیر فخر الدین لقمان نے کچھ دیر اس کی متغیر حالت پر غور کیا تو وہ بخوبی سمجھ گیا کہ بیبرس کس کیفیت سے نبرد آزما ہے۔ اس نے بیبرس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے دبایا۔ بیبرس کو اپنے قریب کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تو اس نے اپنی دُعا ختم کر دی۔ پہلو کی جانب توجہ کی تو اسے امیر فخر الدین لقمان کا چہرہ دکھائی دیا جو حیرت و پریشانی سے بیبرس کی آنکھوں کی سرخی کو دیکھ رہا تھا۔

''احساسِ گناہ میں مبتلا ہو گیا؟'' امیر فخر الدین لقمان نے سوال کیا۔

''اللہ کی مخلوق کو ناحق ہلاک کرنا بہت بڑا گناہ ہے، میں سلطان کو قتل نہیں کرنا چاہتا تھا مگر میری ہی تلوار نے اسے موت کی نیند سلا دیا۔ میں یہ سوچ کر کانپ رہا ہوں کہ روزِ حشر اپنے اللہ کو کیا منہ دکھاؤں گا؟'' بیبرس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

''کیا آنسو بہانے سے دامن کے گناہ دُھل جایا کرتے ہیں؟'' امیر فخر الدین لقمان نے پوچھا تو بیبرس چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''میں اپنے گناہ کو سب کے سامنے قبول کروں گا اور شرعی سزا کے لئے تیار ہوں''۔

''نادانی کی باتیں مت کرو بیبرس!'' امیر فخر الدین لقمان ناگواری سے بولا۔ ''تم نے عین جالوت میں کتنے لوگوں کو تہِ تیغ کیا، کتنے مسلمانوں کو صرف اس لئے سزا دی کہ انہوں نے ملت کے ساتھ غداری کرتے ہوئے تاتاریوں کا ساتھ دیا تھا۔ کیا وہ سب لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں تھے؟ میں جانتا ہوں کہ تم کیا جواب دو گے......؟ اپنے اسی جواب کے آئینے میں سلطان الملک المظفر کی شخصیت کو دیکھنے کی کوشش کرو۔ کیا وہ ملت کے ساتھ غداری کا مرتکب نہیں ہوا تھا؟ جس شخص نے دن رات ایک کر کے ملت کے طاقتور دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے، اس پر صرف اس لئے قاتلانہ حملہ کرایا گیا کہ وہ مسلمانوں کا ہردلعزیز بن چکا تھا۔ یہ اور کچھ نہیں تھا اس کا ذاتی مفاد اور دلی حسد تھا جو اسے ایسے امر کی جانب کھینچ لے گیا جو نہ صرف قانونی طور پر بلکہ شرعی طور پر جرمِ عظیم تھا۔ کیا ہمارا مذہب ملت کو ایسے قابل اور ہونہار سالار سے محروم کر دینے کی اجازت دیتا ہے؟''

''مجھے تمہاری بات سے کوئی اختلاف نہیں مگر میں اس طرح نہیں چاہتا تھا۔ میں اپنا مقدمہ قاضی کی عدالت میں پیش کر کے انصاف کی درخواست کرنے کا خواہشمند تھا، شعائرِ اسلامیہ کے مطابق جو بھی فیصلہ کیا جاتا، میں اس پر مطمئن ہو جاتا''۔ بیبرس نے توجیہہ پیش کی۔

''بیبرس!'' امیرِ فخر الدین گہرا سانس لیتا ہوا بولا۔ ''یہ خلفائے راشدین والا دور نہیں ہے کہ انہیں قاضی وقت کٹہرے میں لا کھڑا کرتا اور حق و انصاف سے کام لیتے ہوئے جو فیصلہ صادر کرتا، وہ تسلیم کر لیا جاتا۔ سلطان الملک المظفر اگر مملوک امرا کو قتل کروا سکتا ہے تو کیا وہ قاضی کی عدالت پر اپنے اثر و رسوخ کا استعمال نہ کرتا؟ بہرحال جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا اور اس میں تمہاری کوئی غلطی نہیں۔ عینی شاہدوں کا کہنا ہے کہ سلطان الملک المظفر اتفاقی حادثے کا شکار ہو کر جاں بحق ہوا ہے''۔

''وہ اتفاقی حادثہ ہی سہی مگر میری تلوار تو اس میں ملوث ہے......'' بیبرس نے کہا۔

''اگر بھڑکے ہوئے امرا تمہیں دھکا دے کر سلطان پر حملہ آور ہو جاتے تو پھر......؟''

صبرس اس کی بات سن کر خاموش رہا۔ کچھ دیر تک امیر فخر الدین لقمان نے اسے سمجھایا پھر وہ اپنے مقصد کی بات پر آ گیا۔

''صبرس! یہاں تم سے ملاقات کرنے کے پیچھے یہ مقصد کارفرما تھا کہ میں تمہیں اس امر سے آگاہ کردوں کہ گذشتہ رات میں مجلس عمائدین و امرا نے طویل بحث و تمحیص کے بعد یہ طے کیا کہ نئے سلطان کا انتخاب آج ہی عمل میں لایا جائے کیونکہ سلطان کی عدم موجودگی میں اقتدار حاصل کرنے کی کھینچا تانی کے باعث حالات میں کشیدگی بڑھنے کا قوی احتمال ہے اور دشمنوں کو وار کرنے کا موقعہ مل سکتا ہے۔ بجائے اس کے وقت ضائع کرتے ہوئے کسی دشمن کو وار کرنے کا موقعہ فراہم کیا جائے یہ طے پایا ہے کہ معرکہ عین جالوت کے فاتح کو بلادِ مصر کا متفقہ سلطان بنا دیا جائے''۔

''کک...... کک...... کیا مطلب؟ یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟'' صبرس اس کے منہ سے غیر متوقع بات سن کر قریباً اچھل پڑا۔ اس کے چہرے پر پہلی چند ساعتوں کا پھیلا ہوا کرب مٹ گیا اور وہ فرطِ استعجاب کی تصویر بن کر رہ گیا۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین حارث کی مداخلت پر کھول اُٹھا۔ اس نے ایک جست لگائی اور اسے جالیا۔ ایک ساعت میں حارث زمین پر تھا اور مطیع الدین اس کے سینے پر چڑھا بیٹھا گھونسوں سے اس کی خاطر تواضع کر رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے تک حارث کے ہاتھوں میں دکھائی دینے والا خنجر بھی اب مطیع الدین کے قبضے میں تھا۔

''مطیع الدین!'' شیخ ابوالفضل تیوری چڑھا کر بولا۔ ''اگر تم اپنی زندگی چاہتے ہو تو اسے چھوڑ دو۔ میں کسی قسم کی بدمزگی نہیں چاہتا بلکہ تم سے اپنے سوالوں کے جواب چاہتا ہوں''۔

مطیع الدین حارث کو اس کی بدتمیزی کی سزا دے چکا تھا۔ ہاتھا پائی کے دوران اس کا ڈھاٹا اُتر چکا تھا۔ مطیع الدین کو پہچاننے میں کوئی دقت نہیں پیش آئی کہ وہ وہی نوجوان تھا جو اسے بازار میں ملا تھا۔ حارث کا بالائی ہونٹ پھٹ چکا تھا۔ مطیع الدین اس کے سینے سے اُٹھ کر اپنی جگہ واپس آ بیٹھا۔

''شیخ ابوالفضل تمہیں کسی غلط فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں گروہ فدائین کے کسی سرکردہ فرد سے ملاقات کرنے کا خواہش مند ہوں۔ اگر تم اس سلسلے میں میری کچھ مدد کر سکتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ میں اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے ایک آدھ دن میں قہستان کے لئے روانہ ہو جاؤں گا''۔ مطیع الدین نے اِدھر اُدھر کی باتوں میں مزید وقت برباد کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کی بات سن کر شیخ ابوالفضل کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اور دوسرے ساتھی بھی حیرت کے شکار دکھائی دینے لگے۔ شیخ ابوالفضل اس کی عجیب فرمائش سن کر کافی دیر تک سکتے کے عالم میں بیٹھا رہا۔ پھر پریشانی کے عالم میں بولا۔

''مطیع الدین! میں سمجھ نہیں پایا کہ تم کیا چیز ہو اور کس مہم کی تکمیل چاہتے ہو؟ مگر تمہاری ہر بات نرالی ہے، کبھی تم یہ کہتے ہو کہ گھوڑے کے عمامے کے بارے میں تم کچھ نہیں جانتے اور وہ تمہارے پاس نہیں ہے، کبھی تم یہ کہتے ہو کہ تم فدائیوں کی تلاش میں یہاں آئے ہو اور ان کی سرکردہ شخصیت سے ملنا چاہتے ہو، کبھی کچھ کبھی کچھ...... ان تضادات کو دیکھ کر تمہاری بات پر کیسے یقین کیا جائے؟''

''شیخ! یہ بہت عیار آدمی ہے، ہمیں متواتر چکمے دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ مجھے تو یہ دشمنوں کا مخبر معلوم ہوتا ہے، آپ بے کار باتوں میں وقت ضائع نہ کریں بلکہ اسے قتل کرنے کا حکم دیں''۔ حارث پھٹے ہوئے ہونٹ کو دباتا ہوا تیزی سے بولا۔

''جب میں بات کر رہا ہوں تو تم کیوں بیچ میں ٹانگ اڑاتے ہو؟'' شیخ ابوالفضل نے حارث کی جانب تیز نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

''شیخ ابوالفضل!'' مطیع الدین نے حارث کی بات پر دھیان نہیں دیا۔ ''تمہارے ساتھی یا ممکن ہے کہ تم خود بھی میرے پاس کئی بار آئے اور تم لوگوں نے ہر بار نامعلوم چیز کا تقاضا کیا، جب تک مجھے اس چیز کا نام معلوم نہ ہوتا تو میں کیسے جان پاتا کہ تم لوگوں کا مطالبہ کیا ہے؟ اگر تم مجھ سے صاف الفاظ میں گھوڑے کے عمامے کا مطالبہ کرتے تو شاید اتنی گھمبیر صورت حال پیدا نہ ہوتی۔ غلطی سراسر تم لوگوں کی اپنی ہے کہ تم لوگوں نے پہلے خود میری ذات کو نشانہ بنایا اور اب حالات کے پیچیدہ ہونے پر میری بات کی صداقت تمہیں ہضم نہیں ہو پا رہی''۔

''ممکن ہے کہ تم سچ کہہ رہے ہو، لیکن تم ہمارے رئیس سے کیوں ملاقات کرنا چاہتے ہو؟''

''میرے پاس ایک اہم شخصیت کا پیغام ہے تمہارے رئیس کے لئے...... جو میں صرف اسے ہی دینا پسند کروں گا۔ تم لوگ مجھ سے اس ضمن میں مزید سوال نہ ہی کرو تو زیادہ بہتر ہوگا''۔

''پیغام...... مگر کس کا......؟'' شیخ ابوالفضل حیرانگی سے اسے تکنے لگا۔

''معذرت کے ساتھ...... میں اس بارے میں سرکردہ منصب کے مالک کو ہی بتاؤں گا، مجھے یہ تمام معاملہ پوشیدہ رکھنے کا حکم ملا ہے''۔ مطیع الدین نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''تمہارے تمام سامان کی مکمل تلاشی لی جا چکی ہے، اس میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں جسے کسی پیغام کا نام دیا جا سکے......'' شیخ ابوالفضل شک بھرے لہجے میں بولا۔

''میں اپنی خاص چیزوں کی حفاظت کرنا خوب جانتا ہوں''۔ مطیع الدین مسکرا دیا۔

''یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم ہمارے رئیس سے ملاقات کے بہانے اسے کوئی نقصان پہنچا دو''۔

''بے فکر رہو، میں اس ملاقات میں کوئی ہتھیار ساتھ نہیں لے جاؤں گا۔ صرف یہ سمجھ لو کہ اس ملاقات میں تمہارے شیخ کا ہی فائدہ ہے...... میرا نہیں''۔

شیخ ابوالفضل اس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ وہ کافی دیر سے اس کی باتوں اور لہجے کو پرکھنے میں مصروف تھا۔ تمام دورانیے میں اسے کوئی ایسی چیز دکھائی نہیں دی جس سے وہ کوئی منفی رائے قائم کرتا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ دوبارہ بولا۔

''اگر تم اس پیغام کی نوعیت کے بارے میں کوئی اشارہ دے دو تو میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ فدائین کے رئیس تک پہنچنے کے لئے تمہیں کسی نہ کسی واسطے کی ضرورت ضرور پڑے گی اگر تم اپنے تئیں براہ راست ملاقات کی کوشش بھی کر دو گے تو ناکام رہو گے یہ بات طے ہے کہ تمہیں اتنی دیر تک کوئی بھی رئیس تک نہیں پہنچائے گا جب تک وہ خود معاملے کی نوعیت سے آگاہ نہیں ہو جاتا''۔

مطیع الدین اس کی بات سن کر سوچنے لگا، وہ کسی حد تک صحیح کہہ رہا تھا کیونکہ گروہ فدائین شہروں میں تو مقیم نہیں تھا۔ ان کے اصلی مرکز قہستان کے وہ دشوار گزار قلعے تھے جہاں جانا عام آدمی کے بس کا روگ نہیں تھا مطیع الدین نے سلسلہ قہستان میں جا کر پریشانی مول لینے کی نسبت اس بات کو ترجیح دی کہ جب اُسے مہم کی تکمیل کے لئے سمرقند میں ہی ایک رہنما شخص مل رہا ہے تو اس کی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اُٹھانا چاہیے۔

''میں تمہیں پیغام کی نوعیت ایک شرط پر بتاؤں گا''۔

''کس شرط پر......؟'' شیخ ابوالفضل کے چہرے پر اشتیاق کے سائے پھیل گئے۔

''پیغام کا بنیادی حصہ تو صرف تمہارے رئیس کو ہی سنایا جائے گا۔ قہستان پہنچنے کے بعد تمہیں میں اس ضمن میں آگاہ کروں گا کہ پیغام کس کی جانب سے ہے؟ جب تم میرے ساتھ سفر کے لئے سمرقند سے روانہ ہو گے اس وقت تمہیں پیغام کی نوعیت کے بارے میں بتا دیا جائے گا''۔

''نہایت کڑی شرط ہے''۔ شیخ ابوالفضل بدمزگی سے بولا۔

''میرے پاس کوئی دوسری راہ نہیں۔ کشیدہ حالات کے باعث میں کل ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا''۔ مطیع الدین نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

شیخ ابوالفضل نے اس کی بات پر سر جھکا لیا۔ وہ کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

خونی مقابلہ پورے جوش و خروش سے جاری تھا۔ فدائی غلام اپنے پانچ ساتھیوں کی لت پت لاشیں دیکھ کر خاصے محتاط دکھائی دے رہے تھے وہ جارحانہ انداز کے بجائے نپے تلے انداز میں وار کر رہے تھے۔ لڑکیاں بھی ایک دوسرے سے کمر ملائے اس انداز میں مدافعت کر رہی تھیں کہ غلاموں میں سے کوئی بھی ان کے قریب پھٹکنے نہیں پایا۔ کافی دیر تک یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا۔ شیخ کبیر الدین لڑکیوں کی جانب سے لگاتار مدافعتی انداز اختیار کرنے پر ناخوش دکھائی دیا۔ اس نے اپنے نشست پر بیٹھے تیز آواز میں انہیں متنبہ کیا۔

''اگر میرے سو گننے تک تم لوگوں میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو میں سب کو قلعے کی فصیل سے نیچے دھکیل دوں گا''۔

شیخ کبیر الدین کا حکم سنتے ہی غلاموں کے حملوں میں شدت پیدا ہو گئی اور وہ آگے بڑھ کر تابڑ توڑ انداز میں وار کرنے لگے۔ اینزیلا نے ان کے رویئے میں جارحانہ پن پیدا ہونے کے دوران ہی ان کی کمزوری بھانپ لی تھی۔ وہ آگے بڑھ کر نہ صرف ان کے واروں کو ناکام بنانے لگی بلکہ اس نے غلاموں کے واروں کے داؤ پیچ میں پیدا ہونے والے خلاء کا بھرپور فائدہ اُٹھاتے ہوئے ایک غلام کو جہنم رسید کر ڈالا۔ اینزیلا کی دیکھا دیکھی اس کی ساتھی بھی اس مخصوص داؤ کو سمجھ گئی اور اس سے پہلے کہ غلام سنبھلتے، چار غلام ایک ہی ساعت میں زمین بوس کر دیئے گئے۔ لڑکیوں کے محتاط طرز کے پوری ہوشیاری کے ساتھ استعمال کئے گئے داؤ کو دیکھ کر شیخ کبیر الدین خوشی سے جھوم اُٹھا۔ اسے شاید لڑکیوں میں ایسی ہی مہارت کی ضرورت تھی۔

لڑکیاں کسی حد تک آگاہ ہو گئیں کہ اس لڑائی میں مدافعت سے زیادہ چالاکی اور موقع کا استعمال کرنا ضروری ہے پھر ان کے حملوں کے انداز بدلنے پر مزید تین غلام ان کے خنجروں کا نشانہ بن گئے۔ اب لڑکیوں کی تعداد زیادہ تھی اور غلام صرف دو باقی رہ گئے تھے۔ انہیں نہ صرف اپنی جان بچانا تھی بلکہ پانچوں لڑکیوں کو ہلاک بھی کرنا تھا۔ غلاموں کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنے اوسان کھو چکے ہیں۔ لڑکیوں کے لئے انہیں شکار کر لینا کوئی مشکل امر نہیں تھا۔ غلاموں کی پست کیفیت بھانپ کر شیخ کبیر الدین نے انہیں ''مخصوص جنت'' کی نوید سنائی تو ان کے اجسام میں جیسے برقی رو دوڑنے لگی۔ وہ جنت کے حصول کی سرشاری میں اس قدر دیوانے ہو چکے تھے کہ اندھا دھند انداز میں وار کرنے لگے، ان کے واروں کا انداز نہ صرف بے ترتیب تھا بلکہ خنجر زنی کے اصولوں کے سخت خلاف تھا۔

اچانک نافعہ ان غلاموں کے اندھے واروں کی زد میں آ گئی۔ اس کا بازو پہلے سے ہی زخمی تھا اور متواتر لڑائی کے باعث زیادہ خون بہہ کر اس کا بازو بھی شل ہو چکا تھا۔ ایک غلام کے خنجر کا پھل اس کی کمر میں اترتا چلا گیا۔ گل و تو ژ نافعہ کے کافی قریب تھی۔ اس نے اتنی سرعت سے غلام پر کاری ضرب لگائی کہ اس کا خنجر والا بازو دھڑ سے کٹ کر جھولنے لگا۔ لڑکیوں نے موقع پاتے ہی دونوں غلاموں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

مسلسل مقابلے کے باعث لڑکیوں کے چہروں پر تکان کے آثار دکھائی دینے لگے۔ وہ صرف ایک ماہ کی تربیت یافتہ تھیں۔ آج انہیں مہارت کا ثبوت پیش کرنے کی شکل میں خوفناک موت سے نبرد آزما ہونا پڑا تھا۔ غلاموں کی موت کے بعد دفعتہً نافعہ کی حالت زیادہ بگڑنے لگی اور وہ دھڑام سے زمین پر گر گئی۔ لڑکیاں اس کی جانب تیزی سے بڑھیں اور خشمگیں نگاہوں سے شیخ کبیر الدین کی جانب دیکھنے لگیں جبکہ شیخ کبیر الدین پیدا ہونے والی صورتِ حال کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ کیا مقابلے کا سلسلہ جاری رکھا جائے؟ لڑکیوں کی ناگفتہ بہ حالت سے اسے بخوبی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ مزید غلاموں سے لڑنے کی سکت نہیں رکھتیں اگر ایسا کرنے کی کوشش کی گئی تو نہ صرف لڑکیاں یقینی موت کا نوالہ بن جائیں گی اور اس کی ساری محنت رائیگاں جائے گی اور وہ جس مہم کے لئے ان لڑکیوں کو تیار کر رہا ہے وہ مزید کھٹائی کا شکار ہو جائے گی۔

شیخ کبیر الدین نے کافی سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ لڑکیوں کا حقیقی معرکہ کا چونکہ یہ پہلا دن تھا اور لڑکیوں کے لئے یہ تجربہ بھی کچھ نیا تھا لہٰذا اس امتحان کو اگلے تین دن کے لئے ملتوی کر دیا جائے اور لڑکیوں کو آرام کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ اس دوران وہ کافی حد تک تازہ دم ہو جائیں گی اور وہ خود کو نئی صورتِ حال کے لئے ذہنی اور جسمانی طور پر خود کو تیار کر لیں گی۔

شیخ کبیر الدین نے اپنے تئیں نتیجے پر پہنچنے کے بعد اپنے فیصلے سے لڑکیوں کو آگاہ کیا۔ جب لڑکیوں کو یہ معلوم ہوا کہ قتل و غارت کا سلسلہ ختم نہیں ہوا بلکہ تین دن بعد پھر اسی طرح موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا پڑیں گی تو ان کے چہروں پر خوف و پریشانی کی شکنیں نمایاں دکھائی دینے لگیں۔ شیخ کبیر الدین نے نہایت بے رحمی سے اس بات کا اعلان کیا کہ وہ چونکہ لڑکیوں میں خنجر زنی کی اعلیٰ مہارت کی خواہش رکھتا ہے اس لئے تین دن کے بعد جو مقابلہ منعقد کیا جائے گا اس میں لڑکیوں کے مقابلے میں بیس غلام ہوں گے اور اس میں بنیادی شرط وہی ہو گی کہ شیخ کبیر الدین کے سو تک گننے کے دوران بیس کے بیس غلام موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں، بصورتِ دیگر ان پانچوں لڑکیوں کی اسے کوئی ضرورت نہیں رہے گی اور اس کے وقت ضائع کرنے کی سزا کے طور پر ان کی گردنیں اُڑا دی جائیں گی۔ شیخ کبیر الدین نے صرف دھمکی آمیز رویہ ہی اختیار نہیں کیا بلکہ لڑکیوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے آخری لمحوں میں اختیار کئے گئے طریق کار کی تعریف و توصیف کی اور اسی قسم کے انداز کے ساتھ مقابلہ کرنے کی کڑی تاکید کی۔

لڑکیوں کے چہرے شیخ کبیر الدین کی بات پر زرد پڑ گئے۔ اس کی وحشیانہ خواہش کے بارے میں سن کر ان میں ناگواری سی پھیل گئی۔ وہ دوبارہ ایسا گھناؤنا خونی کھیل کھیلنے کی قطعاً خواہش مند نہیں تھیں مگر وہ بالکل بے بس تھیں۔

زخمی نافعہ کو کنیزوں کی مدد سے قیام گاہ تک پہنچایا گیا پھر تھوڑی ہی دیر بعد ایک طبیب بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے نافعہ کی کمر میں اترنے والے خنجر کے گہرے گھاؤ کا معائنہ کرنے کے بعد نفی میں سر ہلا دیا کہ وہ ناقابلِ علاج ہے۔ طبیب نے لڑکیوں پر صاف لفظوں میں واضح کر دیا کہ خنجر کا گھاؤ گہرا ہونے کے ساتھ خون کی رگوں کو بھی متاثر کر چکا ہے لہٰذا اس کے جانبر ہونے کی اب کوئی توقع نہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ چند گھنٹوں کی مہمان ہے۔ نافعہ کی خستہ حالت پر تمام لڑکیوں کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔ انہیں نہایت شدت سے محسوس ہو رہا تھا کہ کیا تین دن بعد وہ بھی نافعہ کی طرح موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہوں گی؟ کیا خونی مقابلوں کا یہ سلسلہ ہمیشہ کے لئے جاری رہے گا؟ بیس ہٹے کٹے غلاموں کے ساتھ پنجہ آزمائی کرنا کوئی آسان بات نہیں تھی۔

گل و تو ڑ نافعہ کی حالت سے آگاہ ہونے کے بعد ان سب سے الگ تھلگ ہو کر بیٹھ گئی۔ وہ ان تین دنوں کے بارے میں سوچ رہی تھی جو بہر کیف ان کے قبضے میں تھے۔ تین دن کے اندر ہی اسے کوئی فیصلہ کن قدم اُٹھانا تھا، وہ دل میں یہ طے کر چکی تھی کہ اسے ہر قیمت پر اس قلعے سے فرار ہونا تھا، اس امر کے لئے بے شک اسے سینکڑوں غلاموں کی لاشیں ہی کیوں نہ گرانا پڑتی۔ وہ یہ بھی سوچ رہی تھی کہ تین دن کے بعد ہونے والے مقابلے میں اگر وہ کامیاب بھی رہی تو اس بات کی کیا ضمانت تھی کہ شیخ کبیر الدین پھر کسی نئے مقابلے کے انعقاد کا اعلان نہیں کرے گا۔ اس نے اپنے اس خوفناک منصوبے میں باقی لڑکیوں کو بھی شامل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اب چار تھیں اور خنجر زنی کے فن کے اسرار و رموز سے بخوبی واقف تھیں۔ وہ تیزی سے رات کی تاریکی پھیل جانے کا انتظار کرنے لگی۔

❀ ❀ ❀

امیر فخر الدین لقمان نے اپنی فہم و فراست کو بروئے کار لاتے ہوئے تھوڑی سی کوشش کے بعد میرس کو منصب سلطانی قبول کرنے پر آمادہ کر لیا۔ میرس کو جب یہ معلوم ہوا کہ فارس الدین اقطائی کا نام بھی نئے سلطان کے طور پر زیرِ غور رہا ہے تو اس نے صاف لفظوں میں اس کے حق میں ہاتھ کھڑے کر دیئے۔ امیر فخر الدین لقمان نے فارس الدین اقطائی کی سابقہ معذرت کا حوالہ دیا تو میرس بمشکل اس شرط پر راضی ہوا کہ اگر فارس الدین اقطائی نے عنانِ اقتدار کی ذرا سی بھی خواہش ظاہر کی تو وہ منصب سلطانی اُسے سونپ کر دستبردار ہو جائے گا۔ دن کے آغاز پر سلطان الملک المظفر کی تجہیز و تکفین کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسے دمشق کے بیرونی قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ تمام لوگوں نے اس کے لئے دُعائے مغفرت کی اور پھر شاہی دربار کی جانب روانہ ہوتے رہے۔ ظہر کی نماز کے بعد باقاعدہ طور پر نئے سلطان کے طور پر میرس کے انتخاب کا اعلان کیا گیا۔ چند ایک امرأ کے علاوہ سب لوگوں نے نہایت گرم جوشی سے میرس کا خیر مقدم کیا۔ میرس کے دل میں جو خدشات موجود تھے وہ اس وقت محو ہو کر رہ گئے جب اس نے اپنی بیدار آنکھوں سے سب کو اپنی حمایت میں نعرے لگاتے دیکھا۔

میرس دھیمے قدموں سے چلتا ہوا دربار کے شاہی چبوترے پر جا کھڑا ہوا۔ اس کے گرد خاص عمائدین کی جماعت موجود تھی جبکہ دربار میں قاہرہ کے ممالیک کے علاوہ بلادِ شام و شرقیہ کے رئیس و امرأ بھی موجود تھے۔ سب سے پہلے امیر فخر الدین لقمان نے آگے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء سے سلسلہ گفتگو کا آغاز کیا۔ اس کے بعد اس نے مرحوم سلطان کے حق میں دعائے مغفرت کی اور تمام لوگوں کو اس بات کی یقین دہانی کرائی کہ دیانتدارانہ انداز میں جہان بین کے بعد یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ اس کی موت کا محرک کوئی طے شدہ سازش یا قتل سے نہیں تھی بلکہ یہ ایک اتفاقی حادثہ تھا۔ اس کے بعد اس نے میرس کی سابقہ خدمات اور کارناموں پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کی بے حد تعریف و توصیف کی اور اس کی صلاحیتوں کو سراہتے ہوئے نازک ترین حالات میں دین اسلام کے لئے خیر خواہانہ جذبات رکھنے پر اس کا شکریہ ادا کیا۔ امیر فخر الدین لقمان نے نازک ترین حالات میں بھی میرس کی حوصلہ مندی اور لوگوں میں جذبۂ جہاد ابھارنے پر اور کڑے وقت میں نہایت ہوشمندی سے کام لیتے ہوئے دین کی خدمت کرنے پر اسے ''دین کا ستون'' قرار دیا۔

سب لوگوں نے امیر فخر الدین لقمان کے دیئے گئے لقب پر پسندیدگی کا اظہار کیا۔ امیر فخر الدین نے میرس کی جانب دیکھتے ہوئے یہ درخواست کی کہ وہ اس لقب کو اگر اپنے نام کے ساتھ جگہ دے تو یہ امرأ کے خیر سگالی جذبات کی عکاسی سمجھی جائے گی۔ امیر فخر الدین لقمان کے بعد دیگر امرأ نے بھی اپنے ساتھیوں کی

بیبرس کے صحیح اور موزوں انتخاب پر یقین دہانی کی۔

ان سب لوگوں نے جب اپنی بات مکمل کر دی تو بیبرس کی رسم تخت نشینی کا آغاز کیا گیا۔ مختلف رسموں کے انعقاد کے بعد بیبرس کی تخت نشینی کا عمل مکمل ہوا۔ بیبرس اس دن سفید لباس میں ملبوس تھا۔ یہ شاید اس دن کی یاد تازہ کر رہا تھا، جس دن بیبرس اپنے آقا سلطان الملک الصالح نجم الدین ایوب کے ساتھ قاہرہ پہنچا تھا اور اس دن الملک الصالح نے بھی سفید لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ بیبرس تخت نشینی کے بعد آگے بڑھا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء سے اپنے خطاب کا آغاز کیا۔

''میں اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے دین کی خدمت پر مامور کیا اور اس فرض کے قابل سمجھا کہ میں اُمت محمدی کی خدمت کر سکوں اور دین اسلام پر منڈلاتے ہوئے خطرات کے بادلوں کو دور دھکیلنے کی کوشش کر سکوں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ہی احسان ہے کہ اس نے مجھ ناچیز کے ہاتھوں سے ایک بڑے اور طاقتور حریف کے مقابلے میں فتح و کامرانی عطا فرمائی۔

میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میں آئندہ دنوں میں کیا کچھ کر گزروں گا البتہ آپ لوگ مجھے کبھی میدان سے بھاگتا ہوا نہیں پائیں گے۔ میں اپنے تئیں پوری کوشش کروں گا کہ آپ لوگوں نے آج میری ذات پر جس کل اعتماد کا اظہار کیا ہے اس میں ہمیشہ پورا اترتا رہوں۔ میں اپنے قول و قرار کے ساتھ آپ سب سے بھی اس بات کی درخواست کرتا ہوں کہ ان مخدوش حالات میں مخالفت اور محاذ آرائی کی راہ چھوڑ کر آپس میں مل جل کر باہمی اتحاد کو فروغ دیں۔ یاد رکھئے جو کچھ آپ لوگ کریں گے وہی آپ کے نیچے والے لوگ کریں گے اور یہ سلسلہ انہی واسطوں سے سفر کرتا ہوا رعیت میں پہنچے گا اور پھر اس کا ردعمل جلد ہی سامنے آ جائے گا۔

اگر آپ کے اعمال و کردار عمدہ ہوں گے تو رعیت میں طمانیت و سکون دکھائی دے گا۔ اگر آپ کے اعمال میں ابتری و انتشار جھلکے گا تو ہماری رعیت بھی ویسی ہی صورت اختیار کر جائے گی۔ کوئی زیادہ پرانی بات نہیں، آپ لوگ بخوبی مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ سقوط بغداد کے پیچھے اسی قسم کے عوامل کارفرما تھے، وہاں کے عمال اور رعیت مدہوشی و غفلت کا شکار تھی اور پھر جو کچھ ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔ یہ باعثِ عبرت ہے، اگر آپ غور و فکر اور دور اندیشی سے کام لیں گے تو بھلائی آپ سب کی ہی ہوگی۔ اگر اب بھی آپ لوگ اپنی اصلاح نہیں کریں گے تو نقصان بھی آپ ہی لوگوں کا ہوگا اور ساتھ ہی رعیت بھی پس جائے گی۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہاں کئی ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے سابقہ دنوں میں امارت و حیثیت کے نشے میں کئی بار میرے دلائل کو نگاہِ حقارت سے دیکھا اور سر دربار میری عزت اچھالنے میں عار نہیں سمجھی۔ آج ان کے دلوں پر چھائی ہوئی ہیبت نے ان کے چہروں کے رنگ اڑا رکھے ہیں کہ جانے میں ان کے بارے کیا کر گزروں......؟ مجھے ان سے کسی قسم کی کوئی شکایت نہیں ہے اور نہ ہی میں انتقامی کارروائی پر یقین رکھتا ہوں۔ میں انہیں ان کے مناصب پر برقرار رکھوں گا اور ان میں کوئی بھی صرف میری ناپسندیدگی کے باعث معزول نہیں کیا جائے گا۔

اسی طرح میں سلطان الملک المظفر کے مامور کردہ لوگوں کے مناصب بھی نہیں ختم کروں گا البتہ جو مجھے اس منصب کے بجائے کسی دوسرے منصب پر موزوں لگا اس کی تبدیلی ضرور کروں گا مگر یہ کارروائی کسی ذاتی عناد کا پیش خیمہ نہیں ہوگی۔ آپ لوگ یاد رکھئے کہ میں ایک سپاہی ہوں تلوار سے کام لینا میری فطرت کا خاصہ ہے مگر میری تلوار صرف دشمن کے لئے ہی بے نیام ہوگی، اپنوں کے لئے نہیں۔ اگر کسی شخص نے میرے صبر و تحمل کا امتحان لینا چاہا تو وہ یہ بھی یاد رکھے کہ میں صرف ایک بار موقع دیتے ہوئے اسے متنبہ کروں گا اور زیادہ دیر تک اسے من مانی کرنے کا موقع نہیں دوں گا۔ میرے ذہن میں بے شمار اصلاحات کے طریقہ کار

موجود ہیں جن کی مدد سے ہم اپنے اس مقام کو دوبارہ حاصل کر سکیں گے جنہیں دشمنانِ اسلام نے حیلوں حربوں سے ہم سے چھین لیا ہے مگر اس ضمن میں آپ سب لوگوں کا تعاون میری اولین ضرورت رہے گا۔ امیر فخر الدین لقمان نے مجھے ''رکن الدین یعنی دین کا ستون'' کہا اور یہ استدعا کی کہ میں اسے اپنے نام میں جگہ دوں، میں نہ صرف اس کی دل جوئی کے لئے یہ نام اپنے لئے اختیار کرنے کا اعلان کرتا ہوں بلکہ حقیقتاً مجھے یہ نام بے حد بھلا لگا، لہٰذا میں سب افراد کو یہ ہدایت کرتا ہوں کہ آئندہ وہ مجھے رکن الدین محمود بیبرس بندقداری کے نام سے پکارا کریں۔

امیر فخر الدین لقمان کی خداداد صلاحیتوں کو میری نگاہوں نے کئی بار پرکھا ہے لہٰذا میں اسے اپنا معتمد خاص مقرر کرتا ہوں جبکہ زین الملۃ و دین بہاء الدین ابن زہیر کو وزیر سلطنت۔ باقی عہدے جن لوگوں کے پاس ہیں، ان پر وہی فائز رہیں گے۔ سابق سلطانوں کی مانند اپنے لئے روایتی لقب میں خود تجویز کروں گا۔ مجھے اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں سے ایک نام بے حد پسند ہے اور میں اسے اپنے لقب کے لئے اختیار کرنا پسند کروں گا۔ آج کے بعد میں دشمنانِ اسلام کے لئے ''سلطان الملک القاہر'' ہوں، وہ سب آگاہ ہو جائیں کہ میں ان کی بری نیتوں اور ناپاک عزائم پر قہر الٰہی بن کر نازل ہوں گا''۔

بیبرس نے اپنے خطاب میں کئی دوسرے معاملات بھی چھیڑے مگر ان کے لئے لائحہ عمل کے اعلان کو بعد کے لئے محفوظ رکھا۔ بیشتر مملوک امراء بیبرس کے خطاب پر دم بخود رہ گئے۔ انہیں بیبرس کا یہ روپ دیکھنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اس کی باتوں میں دبدبہ اور وزن تھا اور لہجے میں استحکام۔ جہاں اس کی شخصیت میں وقار جھلک رہا تھا تو وہیں اس کے چہرے پر گہری طمانیت اور کچھ کر گزرنے کا جوش بھی موجود تھا۔ دربار میں موجود سب افراد نے بیبرس کی تخت نشینی پر بڑے اطمینان اور مسرت کا اظہار کیا کیونکہ جہاں وہ بیبرس کے جذبۂ جہاد، شجاعت، دور اندیشی اور اعلیٰ کردار سے بخوبی آگاہ تھے، وہیں وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کا نیا سلطان دشمنانِ اسلام سے نبٹنے اور رعیت کی امنگوں پر پورا اترنے کی صلاحیتوں سے بھی مالا مال ہے۔ یہ حقیقت تھی کہ بیبرس ہی وہ پہلا سلطان تھا جس کے انتخاب میں تمام مملوک فوج، سالار، عمائدین سلطنت، علاقائی معزز امراء سب لوگ باہم متفق تھے اور ان کی مکمل حمایت اسے حاصل تھی۔

رعیت میں وہ معرکہ عین جالوت کے بعد ہر دلعزیز بن چکا تھا۔ رعیت اس کی سلامتی کے لئے دعائیں کیا کرتی۔ سریر آرائے حکومت ہونے کے بعد بیبرس نے بڑی فراخدلی سے کام لیا اور ان مملوک امراء کے خلاف بھی کوئی تادیبی یا انتقامی کارروائی نہیں کی جو سلطان الملک المظفر کے خاص مقربین میں شمار کئے جاتے تھے۔ انتقام و تعزیر کی کشمکش کا شکار ہونے کے بجائے بیبرس نے امن و آشتی کی راہ منتخب کی، ان سب لوگوں کو ان کے مناصب پر برقرار رکھا اور ان کی دل جوئی کے لئے جو ممکنات میں سے تھا وہ سب کچھ کیا۔

17 ذی قعدہ 658ھ کی صبح اس کی زندگی میں خوشگوار تبدیلی لئے وارد ہوئی تھی۔ وہ ایک عام سالار سے بلادِ مصر کا خود مختار سلطان بن چکا تھا۔ 18 ذی قعدہ کو اس نے بلادِ شام میں چند ضروری انتظامات مکمل کئے اور فوجی دستوں کو وہیں تعینات کر کے مختصر مدت کے لئے عمائدین سلطنت کے ساتھ قاہرہ روانہ ہو گیا جہاں سلطان الملک المظفر کی جانب سے مقرر کردہ نائب سلطنت امیر فارس الدین اقطائی اس کی آمد کا منتظر تھا۔

❁ ❁ ❁

ہلاکو خان طویل مسافت کے بعد جب مراغہ پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کے حلیفوں کے مقابلے میں اس کے بھائی ارق بوقا خان کے حلیفوں کی تعداد زیادہ ہے۔ زیادہ تر امکان اسی بات کا تھا کہ ارق بوقا کو ہی نیا

قاآن اعظم منتخب کر دیا جائے گا۔ حالات کی صورت کچھ اور ہوتی تو ہلاکو خان خود بھی ارق بوقا کے حق میں دستبردار ہو جاتا مگر جب اسے یہ معلوم ہوا کہ ارق بوقا کو قاآن اعظم بنانے میں زریں خیل منگولوں کا زیادہ ہاتھ ہے اور ارق بوقا خان فطری طور پر برقائی خان کی جانب جھکاؤ رکھے ہوئے ہے تو اس کے ہوش اُڑ گئے۔ اس نے برقائی خان کو نیچا دکھانے کے لئے اپنے رشتے داروں کو اپنی جانب متوجہ کرنے کی پوری کوشش کی۔ ہلاکو خان چونکہ بغداد و شام سے بے شمار مالِ غنیمت اکٹھا کر کے ساتھ لایا تھا، اس نے ضرورت کے تحت فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قیمتی تحائف اور جواہرات سے رشتے داروں اور منگول امرأ و عمائدین کی ہمدردیاں اپنی جانب موڑ دیں۔

تقریب قرولتائی کے انعقاد سے پہلے ہی یہ بات سب میں پھیل چکی تھی کہ ہلاکو خان ہی نیا قاآن اعظم ہوگا۔ برقائی خان نے اپنے طور پر تمام منگولوں کے مستقبل کا فیصلہ کرنے میں اس قسم کی قبل از وقت حرکات کی بھرپور انداز میں مذمت کی اور ہلاکو خان کے تحائف والے سلسلے کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا۔ یہ منگولوں میں نئی روایت کا آغاز تھا۔ وفاداریاں خریدنے اور بدلنے کا یہ طریقہ کار آگے چل کر منگولوں کی سلطنت کی دھجیاں اُڑا سکتا تھا۔ اس طرح کی روایات کے باعث امرأ و عمائدین کو تحائف وصول کرنے کی مستقل عادت پڑنے کا احتمال تھا اور ایسی صورتِ حال پیدا ہو جانے کے بعد کسی حقیقی کام کی انجام دہی کے لئے بھی وہ ایسی توقعات وابستہ کر سکتے تھے۔

برقائی خان کی تنقید سے دوسرے خیر خواہ منگول سرداروں میں بھی تحریک پیدا ہوئی اور انہوں نے منگو خان کے دور میں تمام اعلیٰ عہدوں پر ساتوں بھائیوں کے قبضے کو نامناسب قرار دیا۔ ان کے خیال میں نئے قاآن اعظم کے انتخاب میں رشتہ داریوں پر کی گئی عنایتوں کو دیکھتے ہوئے کوئی فیصلہ کرنے کے بجائے کسی ایسے شخص کو ترجیح دی جائے جس میں منگولوں کے اتحاد اور یکجہتی کو برقرار رکھنے کی بھرپور صلاحیت موجود ہو۔ ہلاکو خان نے ان لوگوں کے منہ بند کرنے کے لئے کئی بیش قیمت تحائف بھیجے مگر انہوں نے تحائف لینے سے معذرت کر لی۔ موزوں شخص کے انتخاب کی بات پر تمام منگول خاندانوں میں بے چینی سی پھیل گئی اور ہر کوئی خود کو موزوں قرار دینے لگا۔

آل چغتائی، آل بوری، آل کیدا اور آل تو یوق نے ہلاکو خان اور ارق بوقا خان دونوں کی حمایت سے ہاتھ کھینچ لئے اور اپنے اپنے امیدواروں کو قاآن اعظم کے منصب کے لئے نامزد کر دیا۔ اس گھمبیر صورتِ حال سے فیصلہ کرنا مزید مشکل ہو گیا۔ تقریب قرولتائی کا آغاز تو ہو گیا مگر انتخاب کا مرحلہ کشمکش کا شکار رہا۔ زریں خیل سرداروں نے دوسرے خاندانوں کی دیکھا دیکھی برقائی خان کو قاآن اعظم کے لئے نامزد کر دیا جس سے معاملہ اور بھی پیچیدہ صورت اختیار کر گیا۔ ارق بوقا خان نے اس نئی صورت پر برقائی خان سے ملاقات کی اور اسے وعدہ یاد دلایا کہ وہ اس کی حمایت کرے گا، برقائی خان نے اس بارے میں اپنے سرداروں کی رائے کو ترجیح دی اور خود کو بے بس قرار دیا جس پر ارق بوقا خان بگڑ گیا اور غصیلے لہجے میں اسے برا بھلا کہتا ہوا وہاں سے چلا آیا۔ برقائی خان کی سرد مہری کے نتیجے میں دونوں کے مابین تعلقات کشیدہ ہو گئے۔

ارق بوقا نے یہ سوچتے ہوئے کہ قاآن اعظم کا منصب ایل خانی منگولوں کے پاس ہی رہے، اچانک ہلاکو خان کے حق میں دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ ایک امیدوار کے کم ہونے سے یہ معاملہ حل نہ ہو سکا بلکہ ایل خانی منگولوں کی سیادت کھل کر سامنے آ گئی۔ ہلاکو خان نے چغتائی منگولوں پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی تو وہ بھڑک اُٹھے۔ تقریب قرولتائی میں منگولوں کے تمام خاندان آپس میں نبرد آزما ہو گئے۔ چنگیز خان کے تمام

پوتے اور پڑپوتے خود کو قاآن اعظم کا صحیح حقدار سمجھتے تھے اور ان کے آپس کے تعلقات اس قدر کشیدہ تھے کہ ہر ایک دوسرے کو نفرت بھری نگاہوں سے دیکھتا۔

دور اندیش اور ہوش مند منگول طبقہ اس باہمی کشمکش پر تشویش کا شکار ہو گیا کیونکہ اگر یک دار رویہ نہ اختیار کیا گیا تو قوی امکان یہی تھا کہ منگولوں کے درمیان پھوٹ پڑ جائے گی اور سب لوگ چنگیز خان کے سکھائے گئے اتحاد اور یک جہتی کے اسباق کو فراموش کرتے ہوئے ایک دوسرے کا قتل عام شروع کر دیں گے۔ اسی کشمکش میں تقریب قرولتائی کے اختتام کا وقت آن پہنچا۔ چغتائی منگولوں نے صاف الفاظ میں اپنی خود مختار حکمرانی کا اعلان کرتے ہوئے وہاں سے رخصت اختیار کی۔ انہی کی دیکھا دیکھی باقی تمام منگولوں نے اپنے اپنے نامزد افراد کو اپنا حکمران قرار دیا اور علاقوں کی بندر بانٹ کرتے ہوئے اپنی اپنی سرحدیں قائم کر لیں۔ منگولوں کی وسیع و عریض سلطنت کئی حصوں میں منقسم ہو کر رہ گئی۔

ایل خانی منگول ہلاکو خان کی شخصیت اور کارکردگی سے بے حد متاثر تھے اور اُسے صحیح معنوں میں منگول سلطنت کے لئے تجربہ کار حکمران قرار دیتے تھے۔ انہوں نے بلا جھجک اسے اپنا قاآن اعظم تسلیم کر لیا۔ ہلاکو خان کے حصے میں وہی علاقے آئے تھے جو پہلے سے ہی اس کی دسترس میں تھے۔ قاآن اعظم منگو خان کے علاقوں پر کئی خود مختار حکومتیں وجود میں آ چکی تھیں۔

ہلاکو خان کے سامنے سلطنت کے انتظامی امور کے ساتھ ساتھ دو بڑے مقصد موجود تھے، ایک یہ کہ وہ بلادِ مصر کی جانب کوچ کرتا اور تاتاری لشکروں کو دی جانے والی شکست کا بدلہ لیتے ہوئے بلادِ مصر کی مملوک حکومت کو صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالتا۔ دوسرا یہ کہ اپنے چچازاد اور مسلمان حریف برقائی خان کو راہ سے ہٹانے کی تدبیر کرتا۔ اس کے دونوں دشمن اس کی ہم پلہ حیثیت کے حامل تھے۔ ہلاکو خان نے بڑے غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے اندرونی دشمن سے نپٹنا ضروری ہے۔ برقائی خان کو راہ سے ہٹا کر وہ اطمینان کے ساتھ بلادِ مصر کو سبق سکھا سکتا تھا۔ ان بڑے امور کی کامیابی کے بعد منگولوں کے بٹوارے کو ختم کرنا بھی اس کے مقاصد میں شامل تھا۔ وہ اپنے بھائی منگو خان کی پوری کی پوری ریاست واپس حاصل کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ اس کی تعبیر خاصی دشوار تھی مگر وہ کامیابی کے حصول پر پُر امید تھا۔ قاآن اعظم بنائے جانے کی مذہبی رسومات انجام دی گئیں اور کئی دن تک عظیم جشن منایا گیا۔ ہلاکو خان نے اپنی بیویوں میں سے نصرانی بیوی دقوز خاتون کو ملکہ بنایا۔ دقوز خاتون نسطوری عیسائی تھی۔ اس کا تعلق یوئیغور ترکوں کے قبیلے کریت سے تھا۔ دقوز خاتون نے ملکہ بننے کے بعد ایک قابل حمل و نقل گرجا گھر بنوایا جو اس کے ساتھ ساتھ حرکت کیا کرتا تھا۔ وہ ہلاکو خان کے ساتھ ساتھ جہاں جاتی۔ عبادت کے لئے گرجا گھر کو بھی اپنے ساتھ لئے پھرتی۔

ہلاکو خان نے 658ھ کے اواخر میں قاآن اعظم کی حیثیت سے عنان اقتدار سنبھالا اور 659ھ کے آغاز میں برقائی خان کو سبق سکھانے کی خاطر سلطنت اُردوئے زریں پر بڑے حملے کیلئے لشکروں کو تیاری کا حکم دے دیا۔ ادھر برقائی خان کو بھی ہلاکو خان کے فیصلے کی خبر ہو گئی۔ اس نے مقابلے کے لئے اپنے لشکروں کو تیاری کا حکم دے دیا۔ وہ ایک عرصے سے اس بات کا خواہش مند تھا کہ کوئی موقعہ میسر آئے تو وہ ہلاکو خان سے بغداد پر ڈھائے گئے ظلم و ستم کا حساب لے سکے مگر ہر بار ایسے اتفاقات پیدا ہو جاتے کہ مکمل تیاری کے باوجود مہم ملتوی کرنا پڑ جاتی۔ ہلاکو خان کی جانب سے پہل کی صورت میں اُٹھائے گئے اقدامات سے یہ عیاں ہو چکا تھا کہ اب دونوں کے درمیان فیصلہ کن معرکہ ناگزیر ہو چکا ہے۔

گل وتوژ کے لئے اپنی ساتھی لڑکیوں کو فرار کے منصوبے کی طرف مائل کرنا زیادہ دشوار ثابت نہ ہوا۔ وہ نافعہ کی موت سے پہلے ہی دلبرداشتہ تھیں۔ نافعہ شام پڑنے سے پہلے ہی زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے زندگی کی جنگ ہار چکی تھی۔ کنیزیں اس کی لاش وہاں سے لے کر نامعلوم مقام پر چلی گئیں۔ گل وتوژ نے نگران کنیزوں کی عدم موجودگی میں موقع پا کر سب لڑکیوں کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ جونہی گل وتوژ نے لڑکیوں کے سامنے فرار کا منصوبہ رکھا تو وہ یوں تیار دکھائی دیں جیسے وہ بھی پہلے سے انہی خطوط پر سوچتی رہی تھیں۔ قلعہ الموت سے فرار کے لئے وہ سب رضامند تو ہو گئی تھیں مگر فرار ہونے کے لئے کیا لائحہ عمل اختیار کیا جاتا، اس ضمن میں وہ بالکل اناڑی دکھائی دیں۔ نہ تو انہیں صحیح طرح سے قلعہ الموت کا حدود اربعہ معلوم تھا اور نہ ہی باہر نکلنے کا راستہ۔ جب سب نے خارجی راستے سے لاعلمی کا اظہار کیا تو ایک بار ان کے چہرے تاریک دکھائی دیئے۔ گل وتوژ نے ان سب کی ڈھارس بندھائی اور یہ سمجھایا کہ کوشش کرنے میں کیا حرج ہے، باہر نکلنے والا راستہ یقیناً نچلے حصے میں کہیں موجود ہوگا۔ ہمیں پوری تیاری کے ساتھ یہاں سے نکلنا ہوگا، نچلے حصے میں غلاموں کی کثیر تعداد موجود ہو سکتی ہے، اس لئے ہمارا واسطہ ایک خونی معرکے سے بھی پڑ سکتا ہے۔ گل وتوژ نے ان کو یہ بھی سمجھایا کہ خونی مقابلے کے امتحان نے کسی حد تک انہیں وہ سب کچھ سمجھا دیا ہے جس کی فرار کے لئے ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اس کی ساتھی لڑکیوں نے زندگی کی حقیقی رعنائیوں اور غلامی کی اس تکلیف دہ زندگی سے نجات پانے کے لئے اس ان دیکھے خطرے میں کودنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

یہ ساری گفتگو کنیزوں کی آمد سے پہلے کی گئی تا کہ شیخ کبیر الدین کو فرار کے منصوبے کی بھنک نہ پڑ سکے۔ گل وتوژ نے انہیں رات کے پہلے پہر میں آرام کرنے کا مشورہ دیا تا کہ وہ فرار ہونے سے پہلے تازہ دم ہو جائیں۔ وہ سب کھانا کھانے کے بعد اپنے اپنے بستروں میں دبک گئیں۔ کنیزیں رات پڑنے تک ان کے گرد گھومتی رہیں، جب انہیں اطمینان ہو گیا کہ وہ سب سونے کی تیاریوں میں مصروف ہیں تو وہ باہر دالان میں موجود اپنے اپنے بستروں میں گھس گئیں۔ سب لڑکیاں بستروں میں خاموشی سے ساکت پڑی تھیں مگر نیند ان کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ خونی مقابلے سے پیدا ہونے والی تکان کو کسی قدر زائل کرنے میں مصروف تھیں۔ انہیں ایک بار پھر سے تازہ دم ہونا تھا تا کہ فرار کی راہ مسدود کرنے والوں کے ساتھ بھرپور انداز میں نمٹا جا سکے۔

رات کے دوسرے پہر میں گل وتوژ نے سب لڑکیوں کو ہوشیار کیا۔ اشارہ پاتے ہی وہ اپنے بستروں سے نکل آئیں۔ کمرے میں قندیل کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ سب نے خنجر زنی کی مشقوں کے دوران استعمال کئے جانے والے چست لباس پہنے اور اپنے اپنے خنجر اڑس لئے۔ گل وتوژ دبے قدموں دروازے کی جانب بڑھی۔ دروازہ باہر سے مقفل تھا۔ گل وتوژ نے سب کو اشارہ کیا۔ وہ تیزی سے اپنے اپنے بستروں کی جانب بڑھیں اور تکیوں سے انہیں یوں بنا ڈالا جیسے ان پر کوئی سو رہا ہو۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ دروازے کی اطراف میں دبک گئیں۔ گل وتوژ نے دروازے کے ساتھ موجود کھڑکی میں سے کنیز کو آواز دی۔ وہ تین آوازوں پر تین کنیزیں بیدار ہو گئیں۔ انہوں نے حیرت سے گل وتوژ کی جانب دیکھا اور جگانے کا سبب دریافت کیا۔ گل وتوژ نے پیٹ میں سخت درد کا بہانہ کیا اور طبیب کو بلانے کے لئے کہا۔ کنیزوں نے دوسری کنیزوں کو بھی بیدار کیا۔ وہ محتاط انداز میں کھڑکی سے اندر جھانکنے لگیں۔ ان کے چہروں کی بدحواسی سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ کسی خطرے کی آہٹ محسوس کر رہی ہوں۔ کنیزیں آپس میں بحث کرنے لگیں۔ ان میں سے ایک نے مشورہ دیا کہ پہلے دروازہ کھول کر اندر کی کیفیت معلوم کرنا چاہئے پھر طبیب کو بلایا جائے۔ گل وتوژ پیٹ پکڑ کر

فرش پر بیٹھ گئی اور زور زور سے کراہنے لگی۔ کنیزیں جزبز دکھائی دیں۔ ان میں سے ایک نے انہیں شیخ کبیر الدین کا خیال دلایا کہ اس نے ان لڑکیوں کے مکمل خیال کا حکم دیا ہے اگر ان لڑکیوں میں کسی کو کچھ ہو گیا تو ان کی زندگی سلامت نہیں رہ سکے گی۔ کافی بحث و تمحیص کے بعد وہ دروازہ کھولنے پر آمادہ ہوئیں۔ جونہی دروازہ کھلا اور کنیزیں اندر داخل ہوئیں تو لڑکیاں ان پر ٹوٹ پڑیں۔ چند ہی لمحوں میں انہیں بے ہوش کر کے بستروں پر ڈال دیا گیا۔ گل وتوژ نے پہلے سے ہی انہیں ہدایت کر رکھی تھی کہ ان کنیزوں کی آواز نہ نکلنے پائے۔ لڑکیاں خاصی محتاط ثابت ہوئیں۔

کنیزوں سے چھٹکارا پانے کے بعد وہ کمرے سے نکل کر بڑی راہداری پر پہنچ گئیں۔ یہ تمام راستے ان کے دیکھے بھالے تھے، انہیں اب اس راستے کی تلاش تھی جہاں نیچے کی جانب زینہ اترتا تھا۔ فصیل کی دیوار پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مشعلیں روشن تھیں مگر وہاں ایک بھی پہرے دار سپاہی موجود نہیں تھا۔ شاید قلعہ الموت کے بالائی حصے میں انہیں کسی قسم کے خطرے کی توقع نہیں تھی۔ کافی دیر تک وہ ادھر ادھر بھٹکتی رہیں۔ جفاء نے مشورہ دیا کہ وہ الگ الگ پھیل کر راستہ تلاش کریں مگر گل وتوژ نے تنہا تنہا بکھرنے کی تجویز رد کر دی اور سب کے ساتھ راستہ تلاش کرنے میں منہمک رہی۔ بالآخر وہ نیچے کی جانب اترنے والا زینہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔ گل وتوژ نے زینے میں جھانک کر دیکھا تو اسے نیچے کوئی حرکت محسوس نہ ہوئی۔ اس نے سب کو خنجر نکالنے کا اشارہ کیا۔ وہ سب خنجر ہاتھوں میں تھامے دبے قدموں نیچے اترنے لگیں۔ ان کے دل بری طرح دھڑک رہے تھے۔ وہ پہلی بار نیچے کی جانب جا رہی تھیں۔ انہیں بہت پہلے اس بات سے آگاہ کر دیا گیا تھا کہ نیچے والے حصے میں رہنے والے لوگ وحشی اور درندے ہیں جن کی نگاہ میں عورت کی کوئی وقعت نہیں اور وہ اس سے یوں کھیلتے ہیں جیسے عورتیں کوئی کھلونا ہوں۔ گل وتوژ کے ذہن میں غلام کی وہ بات بھی گونج رہی تھی کہ اگر اس نے کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو ممکن ہے کہ اسے ایسے غلاموں میں بانٹ دیا جائے جو اپنے آقا کی جانب سے عطا کی گئی عورت کو نہ صرف نذرانہ سمجھتے ہیں بلکہ اپنی ہوس کی تسکین میں اسے بری طرح پامال کرتے ہوئے موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ وہ محتاط انداز میں نیچے کی جانب زینے اترتی رہیں۔ گھومتے ہوئے زینے کتنے طویل تھے، اس بارے میں انہیں کچھ خبر نہیں تھی۔ اچانک وہ سب اپنی جگہ ٹھٹک کر رہ گئیں۔ ان کے سامنے ایک نقاب پوش شخص کھڑا تھا۔

❀ ❀ ❀

سلطان الملک القاہر رکن الدین محمود بیبرس دمشق سے اپنے رفقاء، عمائدین مصر اور معزز مملوک امراء کی معیت میں ذی الحجہ 658ھ میں بلادِ مصر کے دارالخلافہ قاہرہ واپس پہنچا۔ فارس الدین اقطائی کو دمشق میں رونما ہونے والے حالات سے باخبر کر دیا گیا تھا، اس لئے وہ شہر کے صدر دروازے پر مملوک دستوں کے ہمراہ موجود تھا۔ دمشق سے آنے والا قافلہ جب صدر دروازے پر پہنچا تو فارس الدین اقطائی کی نگاہ سلطان الملک القاہر بیبرس پر پڑی جو کہ سفید لباس میں ملبوس تھا جبکہ اس کے مملوک رفقاء عسکری لباس پہنے ہوئے تھے۔ قاہرہ میں موجود عمائدین و امراء کو سلطان الملک المظفر کے قتل اور بیبرس کے نئے سلطان منتخب ہونے کی ابھی تک اطلاع نہیں دی گئی تھی۔ جونہی بیبرس اپنے رفقاء سمیت صدر دروازے پر پہنچا تو فارس الدین اقطائی نے اشارے سے انہیں وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ نو وارد قافلہ رک گیا۔ فارس الدین اقطائی کا چہرہ مضطرب اور غضبناک دکھائی دے رہا تھا۔ وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا بیبرس کے گھوڑے کے پاس پہنچا اور باگیں پکڑ کر نیچے کی جانب کھینچیں۔ گھوڑا نیچے کی جانب کھنچ سا گیا۔ بیبرس جست لگا کر زمین پر اتر آیا۔ وہ دونوں آمنے سامنے موجود

تھے۔ بیبرس کے ساتھی رفقاء میں سے چند ایک نے فارس الدین اقطائی کی اس بدتمیزی پر احتجاج کرنا چاہا مگر بیبرس نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔

''بیبرس!'' فارس الدین کی کپکپاتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ''دوسروں کو نیکی کی صلاح دیتے ہو اور خود بدی کا مرتکب ہوتے ہوئے تمہیں ذرا عار نہیں آئی؟''

''میں نے کوئی گناہ نہیں کیا..... یہ محض اتفاق تھا کہ سلطان الملک المظفر میری تلوار سے بچ نہیں پایا پھر بھی اگر تم مجھے گنہگار سمجھتے ہو تو میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں، تم چاہو تو میرے ہاتھوں پیروں میں بیڑیاں ڈال کر مقتول سلطان کا معاملہ قاضی کے سامنے پیش کر سکتے ہو''۔ بیبرس نے نہایت تحمل سے جواب دیا۔

''کیا تمہارے گناہ کے لئے یہ ثبوت کافی نہیں کہ تم اپنے تئیں دمشق سے تاج سلطانی سجا کر قاہرہ آئے ہو؟'' فارس الدین کا لہجہ بے حد درشت تھا۔

''مجھے تاج و تخت کی کبھی حاجت نہیں تھی، یہ تمہارے ان ساتھیوں کا متفقہ فیصلہ اور اصرار ہے، اگر تم مجھے اس کے لئے غیر موزوں سمجھتے ہو تو میں خود تمہیں یہ حق دیتا ہوں کہ تم کوئی اہل شخص چن لو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا''۔ بیبرس نے ناگواری سے جواب دیا۔

''میں تمہاری بات پر کیسے یقین کر لوں؟ کل تک تو تم اقتدار سے دور بھاگتے دکھائی دیتے تھے اور آج حصول اقتدار کے لئے نہ صرف سلطان الملک المظفر کو ہی قتل کر ڈالا بلکہ باغیوں کے گروہ کی پناہ میں آئے ہو''۔ فارس الدین اقطائی تیز لہجے میں بولا۔

''میرے ساتھ وہی لوگ ہیں جو دربارِ قاہرہ میں معزز ترین اور صاحب حیثیت لوگ شمار کئے جاتے ہیں، یہ سب لوگ یہیں سے سلطان الملک المظفر کی معیت میں روانہ ہوئے تھے تو اُس وقت انہیں وفادار کہا جاتا تھا اور آج چونکہ وہ سب میرا ساتھ دے رہے ہیں، اس لئے تم انہیں باغی و سرکش کہہ رہے ہو، بلا جواز ان پر تہمت لگاتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہئے''۔ بیبرس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

''میں چاہوں تو تمہیں مقتول سلطان کے قتل کے جرم میں ساری زندگی کے لئے زنداں خانے میں ڈال سکتا ہوں''۔ فارس الدین اقطائی دانت پیس کر بولا۔

''اگر تمہیں مقتول سلطان سے اتنی ہی ہمدردی ہے تو میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ اپنا مقدمہ قاضی کے سامنے پیش کر دو۔ میں اپنے دفاع میں حقیقت سے منحرف نہیں ہوں گا''۔ بیبرس بولا۔

''قاضی!'' فارس الدین اقطائی ہنکارا۔ ''تاج سلطانی حاصل کر کے قاضی کے انصاف کی بات کرتے ہو جو کہ سلطان وقت کا حکم بجالانے پر مجبور ہوتا ہے''۔

''کس بات پر اتنا غصہ دکھا رہے ہو؟ کیا تمہیں اپنے دوست کے قول و کردار کا یقین باقی نہیں رہا یا پھر تاج سلطانی کی خواہش مچل رہی ہے''۔ بیبرس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تاج سلطانی کو میں نے اس دن ٹھوکر مار دی تھی جب مملوک امرأ مجھے سلطان بنانے کے خواہش مند تھے مگر میں نے خود اپنے ہاتھوں سے مقتول سلطان کو یہ حق بخش دیا تھا۔ الحمدللہ! آج بھی میرا دل ایسی حرص و طمع سے پاک ہے''۔

''پھر کیا مجبوری تمہیں امرأ کے منتخب سلطان کو تسلیم کرنے کو روکے ہوئے ہے؟'' بیبرس نے پوچھا۔

''خود کو منتخب نہ کہو بلکہ غاصب کہو''۔ فارس الدین اقطائی طنزیہ انداز میں بولا۔

''فارس الدین!'' ایک معزز عمر رسیدہ مملوک امیر آگے بڑھ کر درشت لہجے میں بولا۔ ''بہت ہو چکا

ہے، تم نے کافی بدتمیزی کر لی، اب اگر تمہارے منہ سے ایک کلمہ بھی اور نکلا تو اللہ کی قسم! تمہاری گردن جسم سے الگ پڑی دکھائی دے گی، سلطان بیبرس کو ہم سب نے متفقہ فیصلے سے اپنا سلطان بنایا ہے اور ہم قطعی یہ برداشت نہیں کریں گے کہ کوئی اس کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کرنے کی کوشش کرے''۔

''فارس الدین اقطائی کو بولنے دیجئے!'' بیبرس نے منع کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے دمشق میں ہی آپ لوگوں پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ اگر فارس الدین نے مجھے سلطان تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو میں تاج و تخت سے دستبرداری میں لمحہ بھر بھی تاخیر نہیں کروں گا''۔

''فارس الدین ذرا خود سوچو! ساری مملوک قوت بیبرس کی مٹھی میں تھی اگر وہ چاہتا تو اس کا ناجائز فائدہ اُٹھا سکتا تھا۔ ہم نے بے حد سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے کہ ہمارا سلطان کسے ہونا چاہئے؟'' عمر رسیدہ امیر بولا۔

''الحمدللہ!'' فارس الدین اقطائی کے چہرے سے ناگواری یکدم مٹ گئی اور رونق دکھائی دی۔ ''میں سلطانِ محترم سے اپنے اس سلوک کے لئے معافی کا خواستگار ہوں، میرا منشاء صرف اتنا تھا کہ اپنے دوست و رفیق بیبرس کی نیت کو پرکھ سکوں کہ کیا اس میں آج بھی پہلے سی خوبیاں موجود ہیں یا اقتدار کے نشے نے انہیں پامال کر ڈالا ہے، مجھے بے حد خوشی ہے کہ شاہی امرأ نے اس امتحان بھرے دور میں انتہائی دانشمندانہ فیصلہ کیا ہے۔ میں سلطان بیبرس کو قاہرہ میں خوش آمدید کہتا ہوں''۔

فارس الدین کا بدلا ہوا لہجہ اور انداز بیبرس سمیت تمام لوگوں کو بے حد عجیب محسوس ہوا۔ چند لمحے پہلے تک تو یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں دکھائی دیتا تھا کہ بیبرس کا انتخاب درست ہے مگر اچانک اس کے پینترا بدلنے پر شکوک شبہات دلوں میں گھر کر گئے۔

پھر سلطان بیبرس کا قافلہ شاہی محل کی جانب روانہ ہو گیا۔ فارس الدین اقطائی بھی ساتھ تھا مگر مملوک امرأ اس پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے کہ کہیں وہ کوئی غلط حرکت نہ کر گذرے۔ سلطان بیبرس نے اسی روز اپنا پہلا شاہی دربار لگایا۔ قاہرہ میں موجود تمام امرأ اور معززین کو دربار میں طلب کیا گیا۔ مصری امرأ کو جب بیبرس کی تخت نشینی کا معلوم ہوا تو حیرت و استعجاب سے ان کے منہ کھلے رہ گئے۔ امیر فخر الدین لقمان نے مختصراً سلطان الملک المظفر کی موت کا اعلان کیا اور حالات کی نزاکت کا حوالہ دیتے ہوئے نئے سلطان کے فوری انتخاب کی ضرورت بیان کی اور پھر امرأ کے متفقہ فیصلے کے نتیجے میں بیبرس کو اپنا سلطان بنانے کی مختصراً روداد سنائی۔ مجلس انتخاب کے ان اراکین سے دریافت کیا گیا جو کہ دمشق نہیں گئے تھے، قاہرہ میں ہی ٹھہر گئے تھے۔ انہوں نے بیبرس کے انتخاب پر اطمینان کا اظہار کیا تو باقی لوگوں نے بھی سر تسلیم خم کر لیا۔ یہ الگ بات تھی کہ بیشتر مصری امرأ کے دلوں میں بیبرس کے لئے بغض و نفرت نے جنم لیا۔ وہ بظاہر سب لوگوں کا ساتھ دے رہے تھے مگر ان کے دماغ بیبرس کے بندوبست کی سازشوں میں مصروف تھے۔

سلطان الملک القاہر بیبرس نے اپنے پہلے شاہی خطاب میں امرأ کے تحفظات اور رعیت کی حفاظت کی یقین دہانی کرائی۔ اس کے بعد اس نے سلطنت میں پھیلے ہوئے ان مفاسد کو پاک کرنے کا اعلان کیا جو کہ اس کے پیشروؤں کے عہد میں سلطنت میں جڑیں مضبوط کر چکے تھے۔ اس نے بلا تاخیر ہر قسم کے ناجائز محصولات اور خراج کو یک قلم موقوف کر دیا۔ اس نے بغداد کی تباہی کا حوالہ دیتے ہوئے مسلمانوں کی حمیت و غیرت کو بیدار کرنے کی کوشش کی اور مختلف مقامات پر قائم شدہ شراب خانوں، قحبہ خانوں اور قمار بازی کے اڈوں کو مسمار کرنے کا حکم دیا۔ اس نے پہلے ہی دن شریعت اسلامیہ کے خلاف مختلف امور کے خاتمے کے لئے اتنے

احکامات جاری کئے کہ دربار میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ مہرس پہلے سلطانوں سے بے حد مختلف ثابت ہوا۔ اس نے امرأ کی اس درخواست کو بھی رد کر دیا جو کہ انہوں نے تخت نشینی کی خوشی میں جشن کے انعقاد کے لئے پیش کی تھی۔ مہرس رات گئے تک دربار کے مختلف معاملات کو دیکھتا رہا اور ان کے بارے میں مناسب احکامات جاری کرتا رہا۔ وہ قاہرہ میں تعطل کے شکار امور سے جلد فراغت پا کر شام کی جانب روانہ ہونا چاہتا تھا جہاں تاتاری خطرہ بدستور برقرار تھا۔

❁ ❁ ❁

''ٹھہرو!'' نقاب پوش شخص کی تیز آواز سناٹے میں گونجی۔

گل دقو ژ پہلو بدل کر رہ گئی۔ اس آواز سے اس کے کان بخوبی آشنا تھے، وہ اسے پہچان چکی تھی کیونکہ وہ شخص شیخی تھا جو انہیں خنجر زنی کی تربیت دیتا رہا تھا۔ لڑکیاں بھی شیخی کو سامنے پا کر مخمصے کا شکار دکھائی دیں۔

''تم لوگ یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کر رہی ہو جو کہ انتہائی خطرناک اور ناقابلِ معافی فعل ہے، شاید تمہیں معلوم نہیں کہ شیخ کبیر الدین فرار ہونے والوں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے؟''

''شیخی!'' گل دقو ژ بولی۔ ''تم ہماری راہ میں رکاوٹ بننے کی کوشش نہ کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں تمہاری لاش بھی یہیں گرانا پڑے، اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم تمہاری کسی نصیحت پر کان دھریں گے تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے، بہتری اسی میں ہے کہ ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ''۔

''بے وقوفی کی بات مت کرو، میں تمہارا دشمن نہیں ہوں!'' شیخی نرمی سے بولا۔ ''مجھے اندازہ تھا کہ آج رات تم ایسی نادانی ضرور کرو گی اسی لئے میں یہاں رات سے موجود تھا، تم شاید یہ جانتی نہیں ہو کہ یہاں سے صرف ایک منزل نیچے ہزاروں کی تعداد میں خونخوار سپاہی موجود ہیں جو شیخ کبیر الدین کی اندھا دھند پوجا کرتے ہیں اور وہ تمہیں کسی قیمت پر یہاں سے باہر نہیں نکلنے دیں گے، محض پانچ دس غلاموں کو ہلاک کر کے تم سب خود کو مہارت یافتہ نہ سمجھو۔ نیچے جو لوگ ہیں وہ ہزاروں لوگوں کا خون بہا چکے ہیں، تمہارے ننھے خنجر ان کی تلواروں کے سامنے بے وقعت ہیں اور تم لوگ ان کے لئے ابھی طفلِ مکتب ہو''۔

''شیخی!'' اینزیلا درشت لہجے میں بولی۔ ''خاموشی سے ہمارا راستہ چھوڑ دو، تمہاری تنبیہ ہمارے ارادوں کو متزلزل نہیں کر سکتی، یا تو ہم آج یہاں سے صحیح سلامت نکل جانے میں کامیاب ہوں گی یا پھر اپنی غلامانہ زندگی ہی سے نجات پا لیں گی''۔

''اینزیلا! ہوش کے ناخن لو!'' شیخی جھنجھلا اُٹھا۔ ''جیسے تمہاری زندگی تمہارے بس میں نہیں ہے اسی طرح تمہاری موت بھی تمہارے بس میں نہیں ہے، اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ ناکامی کی صورت تم خود کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گی تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ نیچے موجود ہر شخص بخوبی جانتا ہے کہ تمہاری ہلاکت شیخ کبیر الدین کی نارضگی مول لینے کے مترادف ہے۔ تم اگر مرنے کی کوشش بھی کرو گی تو وہ لوگ تمہیں مرنے بھی نہیں دیں گے''۔

''گل دقو ژ!'' زہرہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ ''وقت ہاتھ سے نکلتا جا رہا ہے، شیخی کا قصہ تمام کر ڈالو یہ شخص خواہ مخواہ ہمارا وقت برباد کر رہا ہے، ہمیں وقت گنوائے بغیر آگے بڑھنے کی فکر کرنا چاہئے''۔

''شیخی!'' جفاء نے اپنے خنجر کو حرکت دیتے ہوئے کہا۔ ''تم ہمارے ارادوں سے بخوبی آگاہ ہو چکے ہو اور تمہیں ہماری آنکھوں میں رقص کرتی موت بھی دکھائی دے رہی ہوگی لہٰذا بہتر یہی ہوگا کہ تم ہماری راہ سے ہٹ جاؤ یا پھر ہم سے نکل کر مقابلہ کرو تاکہ ابھی فیصلہ ہو جائے''۔

''نادانی کی باتیں مت کرو..... مجھے تم سب سے گہری ہمدردی ہے، میں نہیں چاہتا کہ تم لوگ شیخ کبیر الدین کے کسی عتاب کا شکار ہو جاؤ''۔ شیخی کے لہجے میں گہرا کرب عیاں تھا۔

''اسے اس کے حال پر چھوڑ دو! یہ ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکتا، نیچے کی جانب بڑھو''۔ گل دقو ژ نے پُراعتماد لہجے میں کہا تو ان کے قدموں میں حرکت پیدا ہو گئی۔ شیخی انہیں روکنے کے لئے ہاتھ بڑھائے رہ گیا۔ وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر تیزی سے نیچے اترنے لگیں۔ گل دقو ژ نے مڑ کر اس پر ایک نگاہ ڈالی تو شیخی کی آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک دکھائی دی۔ آنسوؤں کی پرواہ کئے بغیر وہ نیچے کی جانب بڑھ گئی۔

''گل!'' شیخی کے کانپتے ہونٹوں میں لرزتی ہوئی جنبش ہوئی تو گل دقو ژ کو یوں لگا جیسے اس کے قدموں میں زمین نے بیڑیاں ڈال دی ہوں۔ وہ ٹھٹک کر مڑی۔ وہ متوحش نگاہوں سے شیخی کی جانب دیکھنے لگی۔ اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ آواز واقعی شیخی کی ہی تھی۔

❁ ❁ ❁

ملکہ بدر منیر لولو کو کچھ ہی دیر پہلے شاہی محل سے رخصت ہونے کا سلطانی حکم ملا تھا۔ وہ اپنے ذہن میں مرحوم شوہر سیف الدین قطوزی سلطان الملک المظفر کی حیثیت کے بل بوتے پر بے شمار منصوبے بنائے ہوئے تھی کہ اس کی موت کی خبر پاتے ہی شدتِ غم سے نڈھال ہو کر رہ گئی۔ سلطان کے قتل کا صدمہ اتنا شدید تھا کہ وہ کئی گھنٹے تک سکتے کے عالم میں ڈوبی رہی۔ سلطان الملک المظفر کی غیر متوقع موت کے باعث اس کے سارے خواب بکھر چکے تھے۔ اس نے دوبارہ ملکہ بننے کے لئے بے حد جتن کئے تھے مگر یہ اعزاز زیادہ دیر تک اس کے قبضے میں نہ رہ پایا۔ وہ قدرت کے اس عجیب فیصلے پر محض تلملا کر رہ گئی۔ جب اُسے شاہی کنیز نے سلطان الملک القاہر کا حکم سنایا تو وہ بے حد حیران ہوئی کہ اتنی تیزی سے نئے سلطان کا انتخاب بھی کیا جا چکا ہے۔ جب اس نے سلطان الملک القاہر کے بارے میں دریافت کیا تو اپنے شوہر کے قاتل کا نام بطور سلطان سننے پر وہ بے چینی و بے قراری سے پہلو بدل کر رہ گئی۔ غصے کے عالم میں وہ بپھری ہوئی دکھائی دی۔ اسے یہ اندازہ لگانے میں دقت نہ پیش آئی کہ سلطان الملک المظفر کا قتل مہرس کی سرکردگی میں مملوک امرأ کی ملی بھگت سے عمل میں آیا تھا۔ اس نے قتل کے بارے میں دمشق سے آنے والے اپنے حمایتی امرأ سے فوراً تفصیل طلب کی۔ کچھ ہی دیر میں اس کے پاس دمشق میں رونما ہونے والے حادثے کی کافی معلومات پہنچ گئیں۔

ان معلومات کی روشنی میں اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ سلطان الملک المظفر کے قتل کا معاملہ قاضی کے سامنے پیش کر کے انصاف طلب کرے گی تاکہ مہرس کو اس کے کئے کی سزا مل سکے۔ اس نے فوری طور پر سلطان الملک القاہر کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا کہ انہیں محل خالی کرنے کا حکم جاری کرتے وقت یہ خیال کرنا چاہئے تھا کہ وہ اپنے شوہر کی موت کے بعد عدت کی حالت میں ہے، شریعت اسے یہ حق دیتی ہے کہ وہ شاہی محل میں ٹھہر کر اپنی عدت پوری کرے لہٰذا وہ اس حالت میں کہیں نہیں جائے گی اور زمانہ عدت تک محل میں ہی مقیم رہے گی۔

سلطان مہرس کے پاس جب ملکہ بدر منیر لولو کا پیغام پہنچا تو اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد اسے شاہی محل میں قیام کی اجازت دے دی۔ سلطان مہرس کے ذہن میں یہ خدشہ موجود تھا کہ ملکہ بدر منیر اپنی بدطینت فطرت کے باعث ضرور کوئی نہ کوئی مشکل کھڑی کرے گی۔ اسے مشکلات سے نمٹنے کی فکر تو نہ تھی مگر حالات کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ ایسے بکھیڑوں میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔

ملکہ بدر منیر کو جب شاہی محل میں قیام کی اجازت مل گئی تو اس نے اپنے اختیارات کا استعمال کرتے

ہوئے اپنے بااعتماد اور وفادار مصری امراً سے خفیہ روابط بڑھائے۔ دن کے مختلف اوقات میں مصری امراً اس کے پاس آتے رہتے۔ یہ سلسلہ کافی دن تک جاری رہا۔ ملکہ بدر منیر نے ان امراً کو مختلف حربوں سے اس بات پر آمادہ کرنا چاہا کہ وہ سلطان الملک المظفر کے قتل کے معاملے میں ملکہ بدر منیر کا ساتھ دیں اور سلطان بیبرس پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے اُسے معزول کروانے میں اس کی معاونت کریں۔ ساتھ ہی اس نے انہیں یہ بھی باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ اس کے بھائی علاء الدین لولو کو اپنا نیا سلطان منتخب کریں کیونکہ وہ ہی اس کڑے وقت میں بلادِ مصر کا حقیقی محافظ ثابت ہو سکتا ہے۔ مصری امراً سلطان الملک المظفر کے قتل کے معاملے میں تو اس کا ساتھ دینے پر آمادہ دکھائی دیئے مگر علاء الدین لولو کو بطور نیا سلطان منتخب کرنے میں انہوں نے ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ یہ دیکھ کر ملکہ بدر منیر نے علاء الدین لولو کے معاملے میں زیادہ اصرار نہ کیا۔ ان ملاقاتوں کے دوران یہ طے پایا کہ ملکہ بدر منیر زمانہ عدت سے فارغ ہو کر خود قاضی کے سامنے یہ معاملہ پیش کرے گی اور امراً قاضی پر نظر رکھیں تاکہ وہ سلطانی حکم کے دباؤ میں نہ آئے۔ ملکہ بدر منیر کی خواہش یہ تھی کہ معاملہ قاضی کے پاس پیش ہونے کے بعد یہ افواہ پھیلا دی جائے کہ قاضی سلطان بیبرس کے دباؤ میں جانبداری اختیار کیئے ہوئے ہے اور وہ کسی صورت میں انصاف نہیں کرے گا۔ اس افواہ سے جہاں بیبرس کی شخصیت داغ دار ہو کر رہ جائے گی وہیں امراً بحالت مجبوری بیبرس کو منصب سلطانی چھوڑنے پر مجبور کریں گے۔ اس طرح پہلا مرحلہ انجام کو پہنچے گا۔ نئے سلطان کے لیے کس کا نام پیش کیا جائے، یہ معاملہ آنے والے وقت میں طے کر لیا جائے گا۔ مصری امراً نے ملکہ بدر منیر کو اپنی وفاداری کی مکمل یقین دہانی کرائی۔ چند دن گذرنے پر ملکہ بدر منیر کو یہ معلوم ہوا کہ سلطان بیبرس بلادِ شام جانے کی تیاری میں مصروف ہے تو اس نے بیبرس کی واپسی میں تاخیر کے پیشِ نظر فوراً یہ مسئلہ قاضی کے سامنے اُٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے ایک طویل مراسلے میں اپنی شکایت تحریر کی اور اپنے ایک وفادار غلام کے ہاتھوں قاضی کے پاس بھیج دی تاکہ بیبرس کو بلادِ شام جانے کا موقعہ ہی نہ مل سکے۔

دوسرے روز شاہی کنیزوں نے اسے حراست میں لئے جانے کا حکم سنایا تو وہ محض پہلو بدل کر رہ گئی۔ کنیزوں کے ساتھ سپاہی موجود تھے۔ جنہوں نے ملکہ بدر منیر کو مطلع کیا کہ سلطان الملک القاہر نے اسے اسی وقت دربار میں حاضر کرنے کا حکم جاری کیا ہے۔ شاہی حکم سن کر وہ پریشان سی ہو گئی۔ اس نے یہ جواب بھجوانے کی کوشش کی کہ وہ چونکہ ایامِ عدت میں ہے لہٰذا محل سے باہر نہیں نکل سکتی تو شاہی کنیزوں نے آگاہ کیا کہ سلطان الملک القاہر نے دربار میں اس کے پردے کا پورا اہتمام کیا ہے۔ ملکہ بدر منیر خدشات میں اُلجھی ہوئی چار و ناچار کنیزوں کے ساتھ دربار کی جانب روانہ ہو گئی۔ دربار پہنچنے پر اسے ایک جانب خاص قسم کے حصے میں بٹھایا گیا جہاں سونے کپڑے کے پردے لٹکا کر پردے کا اہتمام کیا گیا تھا۔

''ملکہ بدر منیر!'' سلطان بیبرس کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد دھیمے لہجے میں بولا۔ ''مجھے تم سے بے حد ہمدردی ہے، تمہارے شوہر کو میں نے جان بوجھ کر نہیں قتل کیا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تمہارے شوہر نے مجھ پر حملہ کرایا، اس کے پیچھے اس کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے میں اس سے بے خبر ہوں، البتہ میں نے اس کی حرکت کے بارے میں اس سے وضاحت چاہی تھی جو اس نے دینے سے انکار کر دیا تھا۔ دمشق میں مملوک امیر غیاث الدین قرطائی کی ہلاکت اور مجھ پر حملے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمہارا شوہر چالاکی و مکاری سے مملوک امراً کو راستے سے ہٹا کر اقتدار پر قابض ہونے کا خواہش مند تھا حالانکہ یہ اقتدار اسے انہی مملوک امراً کے باعث حاصل ہوا تھا۔ اگر میں تمہارے شوہر کے گناہوں کا پنڈارہ کھولوں تو وہ گنہگار نکلے گا۔ میں نے مرے ہوئے شخص کو مزید بدنامی سے بچانے کی کوشش کی ہے۔ اگر تمہیں امراً کے بیانات پر یقین نہیں ہے تو تمہیں اس امر کی اجازت

حاصل تھی کہ تم قاضی القضاۃ برہان الدین کے پاس معاملہ پیش کر سکتی تھی، تم نے درست راستے کو چھوڑ کر غلط طریقہ کار اختیار کیا اور ریاست میں بدامنی اور انتشار پھیلانے کی کوشش کی ہے، جو کہ قانون کی رو سے جرم قرار پاتا ہے۔ اس بغاوت و سرکشی کی سزا سلطانوں کے ہاں موت مقرر ہے۔ اگر بات صرف مجھ تک محدود ہوتی تو میں تمہیں فراخ دلی سے معاف کر دیتا مگر قانون سب کے لیے یکساں ہے اور تم قانون کی خلاف ورزی کر چکی ہو''۔

سلطان بیبرس کی بات مکمل ہونے پر امیر فخر الدین لقمان اپنی نشست سے اُٹھا اور بلند آواز میں بولا۔

''گذشتہ ایک ماہ سے سابق سلطان کی ملکہ بدر منیر نے سلطان الملک القاہر کے خلاف امراً کو بھڑکانے اور مختلف سازشوں کی تکمیل کی منصوبہ بندی کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے جو کہ نظامِ سلطنت میں خلل پیدا کرنے کی کوشش ہے۔ سلطان الملک المظفر کی موت کے عینی شاہدین نے اسے حادثہ قرار دیا ہے اور الملک القاہر بیبرس کو متفقہ طور پر اپنا سلطان تسلیم کیا ہے۔ اس وضاحت کے بعد امورِ سلطانی میں دخل اندازی کرنا ریاست کے قانون کے تحت جرم ہے۔ میں چاہوں گا کہ کسی فیصلے کے سنائے جانے سے پہلے سابق ملکہ بدر منیر اپنے اس طرزِ عمل کی وضاحت خود کرے''۔

''یہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے''۔ ملکہ بدر منیر تیز آواز میں بولی۔ ''مقتول سلطان کی بیوہ ہونے کی بناء پر مجھے یہ حق حاصل ہے کہ میں اپنے شوہر کے قتل کی چھان بین کروا سکوں۔ اس کے لئے میں نے قاضی القضاۃ برہان الدین کی عدالت میں اپنی فریاد بھیج دی ہے۔ وہ انصاف سے کام لیتے ہوئے معاملے کی از سرِ نو چھان بین کرائیں تاکہ اصلی قاتل کو سزا دی جا سکے چونکہ میرے پاس ایک معقول وجہ موجود ہے لہٰذا سلطان الملک القاہر کے خلاف مجھے کوئی سازش کرنے کی ضرورت نہیں ہے''۔

''ملکہ بدر منیر!'' امیر فخر الدین لقمان نے پوچھا۔ ''کیا تم اپنی قیام گاہ میں بے پردہ امراً کے ساتھ ملاقاتیں نہیں کرتی رہی ہو اور انہیں اس بات پر آمادہ نہیں کرتی رہی ہو کہ وہ سرکشی اختیار کر کے سلطان الملک القاہر پر بدگمانی ظاہر کریں اور فساد برپا کر کے قتل و غارت کا سلسلہ شروع کریں؟''

''یہ بات درست ہے کہ میرے شوہر کے خیر خواہ ازراہِ ہمدردی میرے پاس تعزیت کے لیے آتے رہے ہیں اور میری ڈھارس بندھاتے رہے ہیں مگر یہ جھوٹ ہے کہ میں نے فساد کے لئے انہیں آمادہ کرنے کی کوئی کوشش کی ہے''۔ ملکہ بدر منیر نے صفائی پیش کی۔

''ملکہ بدر منیر تمہارے ان تمام خیر خواہوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور ان سے حقیقت اگلوائی جا چکی ہے، علاوہ ازیں تمہارا وہ خط بھی تمہارے وفادار غلام سے برآمد کر لیا گیا ہے جس میں تم نے قاضی القضاۃ برہان الدین کو سلطان الملک القاہر کے خلاف فیصلہ کرنے کی صورت میں اس سے شادی اور اسے نیا سلطان بنانے کی پیشکش کی ہے''۔ امیر فخر الدین لقمان نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔ یہ سنتے ہی جیسے ملکہ بدر منیر کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ بے چینی سے پہلو بدلنے لگی، اس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ چکا تھا۔ کیونکہ یہ صرف اسے ہی معلوم تھا کہ قاضی کو روانہ کیے گئے خط کا متن کیا تھا؟ وہ کچھ نہ بولی اور خاموش بیٹھی رہی۔

''معززینِ دربار! مختلف شہادتیں اور ملکہ بدر منیر کے ہاتھ سے لکھا ہوا خط اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہیں کہ ملکہ بدر منیر نے نظامِ سلطنت میں خلل پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے اور معزز علمائے دین سلطنت اور امراً کو بغاوت و سرکشی پر اُکسایا ہے۔ اس جرم کی سزا کم از کم زنداں خانے کی قید اور زیادہ سے زیادہ سزائے موت مقرر کی جاتی ہے، اب فیصلہ سلطان الملک القاہر پر چھوڑا جاتا ہے کہ وہ اس بارے میں کیا حکم دیتے

ہیں؟'' امیر فخر الدین لقمان نے کاغذ کا ٹکڑا ان کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا۔ کچھ امرأ نے اس مراسلے کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی جس پر وہ خط ان کے حوالے کر دیا گیا۔ تھوڑی دیر تک وہ خط امرأ کے پاس گردش کرتا رہا پھر امیر فخر الدین لقمان کے پاس واپس پہنچ گیا۔

''سلطانِ محترم!'' ایک امیر اُٹھ کر بولا۔ ''ملکہ بدر منیر پر لگایا جانے والا الزام تمام شہادتوں کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے لہٰذا ہماری یہ گذارش ہے کہ اسے عورت ہونے کے ناطے قتل کی سزا نہ دی اور نہ ہی زنداں خانے میں ڈالا جائے بلکہ اسے بلادِ مصر سے جلاوطن کرتے ہوئے واپس موصل روانہ کر دیا جائے''۔

امیر کے خاموش ہونے کے بعد دوسرے کئی امرأ نے بھی اُٹھ کر اپنی اپنی آرأ پیش کیں۔ زیادہ تر امرأ اس بات کے خواہش مند دکھائی دیئے کہ ملکہ بدر منیر کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو کہ اس نے خود سابق ملکہ شجرۃ الدر کے ساتھ کیا تھا یعنی کنیزوں کے ہاتھوں اس کے سر پر لکڑی کی جوتیاں برسائی جائیں کہ اس کا بھیجا باہر نکل آئے۔ اپنے لئے یہ بھیانک سزا سن کر ملکہ بدر منیر کو سانس بند ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے شجرۃ الدر کی موت کا منظر گھومنے لگا۔

''نہیں یہ مناسب نہیں ہے''۔ سلطان بیبرس نے نفی میں ہاتھ لہرایا۔ ''میں ملکہ بدر منیر کو ایک اور موقعہ دینا چاہتا ہوں کہ وہ اپنی روش کی اصلاح کر سکے اور سابقہ طرزِ عمل پر شرمندگی محسوس کرتے ہوئے پُر امن زندگی گذارنے کا وعدہ کرے تو میں اسے تمام عمر شاہی محل میں رہنے کی اجازت دے سکتا ہوں اور اس کو وہ تمام سہولیات بھی مہیا کی جائیں گی جو کسی ملکہ کو حاصل ہوتی ہیں''۔

''سلطانِ محترم کا فیصلہ بے شک دریا دلی کا ثبوت ہے مگر یہ بدطینت عورت اس کی حقدار نہیں ہے، اگر آپ نے اسے بخش دیا تو ممکن ہے کہ آپ کا کوئی ''خیر خواہ'' اُسے موت کے گھاٹ اُتار دے اور آپ پر ایک اور الزام عائد ہو جائے لہٰذا نزاکت حالات کے لحاظ سے بہتری اسی میں مضمر ہے کہ اسے جلاوطن کر دیا جائے''۔ ایک امیر نے خدشہ ظاہر کیا۔ دوسرے امرأ بھی اس کی بات کی تائید میں شور مچانے لگے۔

''سلطانِ محترم!'' علاء الدین لولو نشست سے اُٹھتا ہوا بولا۔ ''میں اس معاملے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں''۔ اجازت ملنے پر اس نے بات کا سلسلہ جوڑا۔ ''سلطان کو یہ یاد ہوگا کہ زمانہ سالاری میں انہوں نے میرے ساتھ ایک وعدہ کیا تھا جس میں حلب کی ولایت مجھے بخشی گئی تھی۔ میرے پاس اس وعدے کی تحریری یاداشت بھی موجود ہے، میں استدعا کرتا ہوں کہ مجھے وعدے کے مطابق ولایت حلب عطا کی جائے اور میری بہن کو میرے ساتھ جانے کی اجازت دی جائے تاکہ ہم بہن بھائی حلب میں رہ کر امن کی زندگی گذار سکیں''۔

''علاء الدین!'' سلطان بیبرس مسکرا کر بولا۔ ''مجھے اپنا وعدہ بخوبی یاد ہے اور مجھے ولایت حلب تمہیں سونپنے پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے، لیکن کیا یہ ممکن ہو سکے گا کہ تم دونوں وہاں رہ کر پُر امن زندگی گذارو گے اور قاہرہ کے خلاف کسی سازش کے مرتکب نہیں ہو گے؟''

''سلطانِ محترم! آپ کے سامنے میرا ماضی بھی موجود ہے اور حال بھی، میں دائمی اطاعت گذاری اور وفاداری کا حلف دیتا ہوں اور تحریری وعدے کی شرائط کے مطابق کسی کوتاہی کا مرتکب نہیں ہوں گا۔ اس کے علاوہ میں اپنی بہن کی جانب سے بھی مکمل ضمانت دیتا ہوں کہ وہ آئندہ کسی ایسے معاملے میں ملوث نہیں پائی جائے گی جس کا تعلق آپ کی ذات سے ہو''۔ علاء الدین لولو نے سر کو خم دیتے ہوئے جواب دیا۔

''سلطانِ محترم!'' ایک مملوک امیر نے احتجاج میں مداخلت کی۔ ''اب جبکہ حالات منکشف ہو چکے ہیں اور ان لوگوں کی ذہنی اُپج کھل کر سامنے آ چکی ہے، ایسے حالات کے بعد ولایت حلب ان کے حوالے کرنا

درست معلوم نہیں ہوتا۔ میری رائے یہی ہے کہ ان دونوں کو بلادِ مصر و شام کی حدود سے باہر نکال دیا جائے''۔

علاء الدین لولو کی درخواست کا مملوک امرأ پر نہایت برا اثر پڑا۔ انہوں نے سلطان بیبرس کے سامنے علاء الدین لولو کی درخواست کو رد کئے جانے کا پُر زور مطالبہ کیا۔ سلطان بیبرس نے امرأ کو مطمئن رہنے کا اشارہ کیا۔

''میں نہ تو وعدہ شکن ہوں اور نہ ہی کسی کے حلف پر بداعتمادی کا اظہار کروں گا۔ علاء الدین نے آپ سب لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر اطاعت و فرمانبرداری کا حلف اُٹھایا لہٰذا میں اس پر اعتبار کرتے ہوئے ولایت حلب علاء الدین لولو کے حوالے کرنے کا اعلان کرتا ہوں اور ساتھ ہی اسے یہ تنبیہ کی جاتی ہے کہ کسی بھی غلط حرکت میں ملوث پائے جانے پر اسے بلا تاخیر قتل کر دیا جائے گا''۔

سلطان بیبرس کا حکم سن کر علاء الدین لولو کے چہرے پر بشاشت پھیل گئی۔ اس نے سلطان کے اعتماد کو برقرار رکھنے کا وعدہ کرتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا۔ جبکہ مملوک اور مصری امرأ نے اس فیصلے کو سلطان بیبرس کی ناعاقبت اندیشی قرار دیا۔

دوسرے ہی دن علاء الدین لولو اپنی بہن ملکہ بدر منیر لولو کو ساتھ لے کر حلب کی جانب روانہ ہو گیا۔ ملکہ بدر منیر نے اس ضمن میں ضد کرنے کی کوشش کی مگر علاء الدین اس کے ساتھ بے حد درشتی سے پیش آیا۔ وہ بخوبی سمجھ سکتا تھا کہ قاہرہ میں رہ کر وہ اپنی بہن کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ حلب کی ولایت پانے کے بعد اسے قوت کے اجماع کا موقعہ مل سکتا تھا حلب کے گرد بے شمار ایسی قوتیں موجود تھیں جو سلطان بیبرس کو شکست دینے کے لئے پوشیدہ طور پر تیاری میں مصروف تھیں۔ وہ علاء الدین لولو کی معاونت سے اپنے مقصد میں بھرپور انداز میں کامیاب ہو سکتے تھے۔ علاء الدین حلب کی جانب سفر کرتے ہوئے بے حد سرشار تھا، وہ عالم تصور میں بہت جلد بلادِ مصر کا تخت اپنے قدموں کے نیچے محسوس کر رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

''شنگ.....!'' گل دتو ژ کے ہونٹ غیر ارادی طور پر کھلتے چلے گئے۔

لڑکیاں گل دتو ژ کے منہ سے اجنبی نام سن کر چونک پڑیں۔ گل دتو ژ کو واپس لوٹتے دیکھ کر وہ بھی اس کے پیچھے لپکیں۔ گل دتو ژ متحیر و پریشان نگاہوں سے شینجی کی جانب دیکھ رہی تھی، جس کے نقاب کے پیچھے سے بالکل شنگ خان کی آواز برآمد ہوئی تھی۔ وہ بالکل خاموش کھڑا تھا۔ گل دتو ژ اپنی بے قراری پر قابو نہیں رکھ پائی، اس نے آگے بڑھ کر جھٹکے سے شینجی کا نقاب نوچ ڈالا۔ دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ ہچکیاں لے کر سسکنے لگی۔ وہ چہرہ شنگ خان کا ہی تھا، اس کے ماموں زاد کا، جسے اس نے ڈیڑھ ماہ پہلے زریں زینوں میں دیکھا تھا۔

''گل!'' شنگ خان بمشکل بول پایا۔ اس کے چہرے پر ندامت پھیلی ہوئی تھی۔

''اپنی زبان کو قابو میں رکھو شنگ!'' گل دتو ژ سسکتے ہوئے پھٹ پڑی۔ ''گل دتو ژ تو اسی دن مر گئی تھی جس دن تمہارے دادا منک آنہ نے اسے کوہ سرخ میں زندہ درگور کر دیا تھا۔ قبیلہ سرخ غر کی روایات دم توڑ چکی ہیں، تمہارے دادا سے تو اتنا بھی نہیں ہو سکا کہ مجھے وعدے کے مطابق ایک موقعہ تو دیتا۔ منک آنہ نے میرے ساتھ جو دھوکا کیا ہے اس کی سزا تو اُسے ایک دن بھگتنا ہی پڑے گی..... اور آج تم کس منہ سے اپنائیت کا اظہار کر رہے ہو، تمہیں اس وقت ذرا خیال نہیں آیا تھا جب تم مجھے غار سے نجات دے کر اس اجنبی قید خانے میں پھینک گئے تھے۔ کاش مجھے اسی غار میں مر جانے دیا ہوتا۔ تم اتنے دنوں سے میرے سامنے موجود ہو مگر میری بے چارگی و بے بسی پر ذرا ترس بھی نہیں آیا۔ تم جیسے خود غرض انسان کو تو اپنا ماموں زاد کہتے ہوئے بھی مجھے شرم

آتی ہے''۔

''گل!'' شنگ خان سر جھکا کر دھیمے سے بولا۔ ''اس سارے معاملے میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے، مجھے معلوم نہیں تھا کہ تمہیں سزا دی جا چکی ہے اور نہ ہی میں تمہیں اس غار سے نکال کر یہاں لایا ہوں، میں تو تمہاری تلاش میں وہاں پہنچا تھا مگر خالی غار دیکھ کر بے حد پریشان ہوا تھا، ساتھ ہی کسی حد تک یہ امید تو بندھی تھی کہ تم زندہ ہو.....!''

''کتنی ڈھٹائی سے جھوٹ بولتے ہو؟ اگر تم مجھے یہاں نہیں لائے تھے تو تمہاری یہاں موجودگی کو میں کیا نام دوں؟'' گل وتو ژ غرائی۔

''میری موجودگی محض اتفاق ہے اور کچھ نہیں! میں تو تمہاری تلاش میں مارا پھرتا رہا کہ ایک دن شیخ کبیر الدین کے پیروکاروں سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ میں نے انہیں خاصا نقصان پہنچایا۔ بالآخر انہوں نے مجھے پکڑ لیا اور گرفتار کر کے یہاں لے آئے، میری خنجر زنی کی مہارت کے بارے میں جب شیخ کبیر الدین کو معلوم پڑا تو اس نے میرا مقابلہ کرایا جس میں، میں بآسانی جیت گیا اور میرے فن کی مہارت شیخ کبیر الدین کو بھا گئی اور یوں میں مرنے سے بچ گیا''۔ شنگ خان نے بتایا۔

''میں اچھی طرح سے جانتی ہوں کہ ایسی کہانیاں گھڑ لینا تمہارے لئے کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ میں نے ایسی کئی سنسنی خیز کہانیاں تمہارے منہ سے پہلے بھی سنی ہیں''۔ گل وتو ژ مشکوک انداز میں بولی۔ شنگ خان جھنجھلاہٹ میں پہلو بدل کر رہ گیا۔

''گل وتو ژ! وقت ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے!'' زہرہ نے بات کو طول پکڑتے دیکھ کر مداخلت کی۔ ''ممکن ہے کہ کنیزوں کو ہوش آ چکا ہو۔ ہمیں جلدی کرنا ہوگی''۔

''تمہیں جادورانی آسمان کی قسم! واپس لوٹ جاؤ! میں سب کچھ سنبھال لوں گا۔ نیچے خوفناک موت اپنے پنجے پھیلائے بیٹھی ہے۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ جلد ہی تمہیں یہاں سے واپس لے جاؤں گا''۔ شنگ خان ساجت پر اتر آیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

''تیر ترکش سے نکل چکا ہے شنگ اب جو بھی ہوگا دیکھا جائے گا، اپنوں کے زخم کھا کر مرنے کے بجائے مجھے دوسروں کے زخم سے مرنا منظور ہے''۔ گل وتو ژ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

دوسرے ہی لمحے وہ اپنی ساتھی لڑکیوں کے ہمراہ زینے اتر گئی۔ شنگ خان وہیں کھڑا مٹھیاں بھینچتا رہ گیا۔ وہ گل وتو ژ کو موت کے منہ سے بچانے کا خواہشمند تھا مگر شیخ کبیر الدین کا بنا ہوا جال ہی کچھ ایسا پیچیدہ اور دشوار گذار تھا کہ اس میں سے بچ نکلنے کی کوئی راہ سجھائی نہیں دیتی تھی۔

❀ ❀ ❀

''میں پہلے ہی سے جانتا تھا کہ اس کی موت تمہارے ہاتھوں مقدر ہے مگر قبل از وقت یہ راز منکشف کرنا درست نہیں تھا''۔ شیخ عز الدینؒ بن سلام دمشقی کی مشفقانہ آواز سنائی دی تو سلطان بیبرس چونک کر ان کی صورت دیکھنے لگا۔

''یا شیخ! یہ کیسی بات آپ نے کہہ ڈالی؟''

''الملک المظفر نے جو خواب ابو العباس شمس الدین کو سنایا تھا، وہ تعبیر کے لئے میرے پاس بھی آیا تھا، میں خواب سنتے ہی سمجھ گیا تھا کہ اس کی موت قتل کی صورت میں ظاہر ہوگی البتہ قاتل یعنی سفید پرندے کے لئے میں کسی کا نام نہیں طے کر پایا۔ جب تم نے تاتاریوں کے خلاف مہم چلائی اور پورے لشکر کی سالاری حاصل

کر لی تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ قاتل کون ہے؟ میں جانتا ہوں تم یہاں صرف اس لئے آئے ہو کہ تمہارا ضمیر ابھی تک عالم شرمندگی میں غرق ہے اور احساس جرم مسلسل کچوکے لگاتا رہتا ہے!''

''شیخ! میں نے کبھی ایسی تمنا نہیں کی تھی کہ میں سلطان الملک المظفر کو قتل کر کے اقتدار حاصل کروں، پھر بھی ایسی صورت پیدا ہوگئی کہ وہ میری تلوار کا نشانہ بن گیا''۔

''جو گذر گیا باعث افسوس ہے مگر اب تمہیں اس غلطی کا ازالہ کرنے کی ضرورت ہے''۔

''میں کچھ سمجھا نہیں؟''

''میں تمہیں دن رات سجدوں میں پڑے رہنے کا مشورہ نہیں دے رہا بلکہ یہ واضح کر رہا ہوں کہ تم پر جو ذمہ داری ڈالی گئی ہے، اس کی تکمیل میں اخلاص و دیانتداری کو فروغ دو۔ خلقت خدا اس وقت ظلم و ستم میں مبتلا ہے۔ ان کے لئے راست اقدامات اُٹھاؤ۔ دشمنانِ اسلام کو اسلامی ریاستوں سے باہر نکال کر وہاں امن و عامہ قائم کرو۔ تم کل تک جس جذبے میں سرشار رہتے تھے، اسے آج استعمال کرو۔ ذہن پر سے وہ سارے بوجھ اُتار ڈالو جو تمہارے ماضی سے وابستہ ہیں۔ وہ سفر گذر گیا ہے، اب ان تصورات کو عملی جامہ پہناؤ جو تم اپنے دماغ میں چلتے پھرتے محسوس کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خلقت کی باگیں تمہارے ہاتھوں میں تھمادی ہیں۔ اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم انہیں کس طرف لے جاؤ گے۔ تباہی و بربادی کی جانب یا سکون اور خوشحالی کی طرف؟''

سلطان بیبرس خاموشی سے سنتا رہا۔ شیخ عز الدینؒ کے اندازِ گفتگو میں ایسا سحر تھا کہ چند لمحوں میں ہی اس کے ذہن کا سارا بوجھ کافور ہو کر رہ گیا۔ وہ خود کو بے حد ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا۔ اس کے چہرے پر پھیلنے والی طمانیت شیخ عز الدینؒ کی نگاہوں سے اوجھل نہ رہ سکی، وہ محض مسکرا دیئے۔

''یا شیخ! میں چاہتا ہوں کہ بلادِ شام کو بلادِ مصر کے ساتھ جوڑ دوں تاکہ دشمنانِ اسلام کو پیش قدمی کا موقعہ نہ مل سکے۔ بلادِ شام کی خستہ حالی پر کسی دشمن کا اس پر قابض ہو جانا مشکل امر نہیں ہے۔ کیا مجھے یہ قدم فوراً اُٹھا لینا چاہئے یا کچھ توقف اختیار کیا جائے؟'' بیبرس نے سوال کیا۔

''تمہیں ذرا سی بھی دیر نہیں کرنا چاہئے۔ فوراً بلادِ شام پہنچو اور وہاں مزید انتظامات کرو تاکہ وہ دشمنوں کی دسترس سے محفوظ ہو جائیں۔ بلادِ شام کے انتظام میں ہی تمہیں اپنی دوسری ذمہ داری بھی یاد آ جائے گی۔'' شیخ عز الدینؒ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

سلطان بیبرس ان کی بات پر چونک پڑا۔ اس نے مزید جاننے کی کوشش کی مگر شیخ عز الدینؒ نے مزید کچھ بتانے سے انکار کر دیا۔ سلطان بیبرس اپنی پرانی عادت کے مطابق اکثر و بیشتر شیخ عز الدینؒ کے پاس وقت گذارتا رہا۔ وہ کئی معاملات میں ان سے مشورہ لینا ضروری سمجھتا۔ بیبرس شیخ عز الدینؒ کی ہدایت پر مملوک افواج کے ساتھ بلادِ شام روانہ ہو گیا وہ وہاں پہنچ کر حالات کے مطابق انتظامات کرنا چاہتا تھا تاکہ تاتاری حملے کا سدباب کیا جا سکے۔ سلطان الملک القاہر بیبرس نے محرم 659ھ میں دمشق پہنچ کر ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا جس میں بلادِ شام کے تمام والیوں، روساء و معززین اور امراء کو دعوت دی جو تاتاریوں کے حملوں کے بعد بلادِ شام کی متعدد چھوٹی چھوٹی املاک اور ریاستوں پر قابض ہو چکے تھے۔

دربار کی رسمی کارروائیوں کے بعد سلطان بیبرس نے ایک پُر اثر خطاب کیا جس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ بلادِ شام کی بقاء ماضی میں بغداد کے ساتھ منسلک تھی اور سقوط بغداد کے بعد وہ بالکل غیر محفوظ اور تنہا رہ گیا ہے۔ تاتاریوں کی بربریت نے بلادِ شام کو ایسا پامال کر ڈالا ہے کہ اس کی سکت کمزور پڑ چکی ہے۔ صلیبی اور

تا تاری ابھی تک بلادِ شام کو اپنی گرفت میں لینے کے منصوبے بنائے بیٹھے ہیں۔ اگر ایسے حالات میں بلادِ شام مضبوط مرکز کے ساتھ منسلک ہو جائے تو اس کے تحفظ کی ذمہ داری میں دوسرے مسلمان بھائی بھی شریک ہو جائیں گے۔ سلطان بیبرس نے یہ بھی واضح کیا کہ تا تاریوں کی واپسی یقینی ہے۔ وہ کسی بھی وقت بلادِ شام اور پھر بلادِ مصر کا رُخ کر سکتے ہیں۔ ان کے بندوبست کا یہی ایک طریقہ ہے کہ انہیں بلادِ شام میں داخل ہی نہ ہونے دیا جائے اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہو سکے گا کہ جب بلادِ شام کی تمام ریاستیں قاہرہ کے ماتحت ہو جائیں۔

بیبرس کا اندازِ خطاب بے حد متاثر کن تھا بلادِ شام کے عمائدین و اکابرین نے سلطان بیبرس کی بات سن کر حالات کو بصیرت کی نگاہ سے پرکھا تو انہیں عین جالوت کا معرکہ دکھائی دیا۔ سلطان بیبرس میں انہیں تا تاریوں سے نمٹنے کی اہلیت کا احساس ہوا۔ مرکزِ خلافت کی تباہی کے بعد بلادِ شام کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ سلطان بیبرس کی بات کو رد کر دیتے۔ انہوں نے صلیبی اور تا تاری حریفوں سے محفوظ ہونے کے لئے سلطان بیبرس پر اعتماد کا اظہار کیا اور بلا تامل اس کی اطاعت قبول کر لی۔ بلادِ شام و شرقیہ پر قاہرہ کی مملوک حکومت کی سیادت تسلیم کر لی گئی بلادِ شام و شرقیہ کو ایک بار پھر بلادِ مصر کے ساتھ ملحق کر دیا گیا۔ اس الحاق کا شیرازہ سلطان الملک الصالح نجم الدین ایوب کی وفات کے بعد بکھر چکا تھا۔ سلطان بیبرس نے بارہ برس کے بعد اپنے آقا سلطان الملک الصالح کی بکھری ہوئی سلطنت کو باہم جوڑ دیا تھا۔ سلطان نے بلادِ شام و شرقیہ کی رعیت کو ہر معاملہ میں اہلِ مصر کے مساوی حقوق دینے کا اعلان کیا اور ساتھ ہی یہ واضح کیا کہ بلادِ شام سلطنتِ اسلامیہ مصر کا دوسرا بازو ہے اور دمشق اس متحدہ سلطنت کا دوسرا مرکزِ حکومت ہے۔ تالیفِ قلب کے طور پر اس نے بعض شہروں اور ریاستوں میں قدیم خاندانوں کی سیادت برقرار رکھی لیکن ان پر یہ شرط عائد کر دی کہ وہ مرکزی حکومت کے احکامات اور قانون کے پابند ہوں گے۔ احکامات کے بعد سلطان بیبرس نے کئی شہروں کا دورہ کیا اور وہاں کے حالات کے مطابق اقدامات اُٹھائے۔ تمام اندرونی انتظامات سے فراغت کے بعد سلطان بیبرس نے سرحدی شہروں کی جانب توجہ مبذول کی۔ مؤثر دفاع کے لئے سرحدی شہروں میں مختلف سہولیات پہنچائی گئی اور تا تاریوں کے ہاتھوں تباہ شدہ قلعوں اور فصیلوں کی مرمت کرائی گئی۔ اسی دوران سلطان بیبرس نے حلب سے لے کر حدود بغداد تک تمام آزاد جنگلوں اور گھاس کے میدانوں میں آگ لگوا دی تا کہ حملہ آور لشکر آسانی سے پیش قدمی نہ کر سکے۔ اس کا ایک مقصد یہ تھا کہ نہ صرف راستے معدوم ہو جائیں بلکہ دشمن کے لشکر کو جانوروں کے چارہ کے لئے پریشانی اُٹھانا پڑے۔ جہاد کی غرض سے آنے والے نوجوانوں کو مزید تربیت دیتے ہوئے انہیں مستقل سپاہی قرار دیا گیا۔ بلادِ شام میں زیادہ تر وہ لشکر تعینات کئے گئے جو مقامی افراد پر مشتمل تھے سلطان بیبرس نے صرف تا تاری حملوں کے سدباب کے لئے تمام قوت خرچ نہیں کی بلکہ صلیبی لشکر کی جانب بھی اس کی توجہ رہی۔ اس نے صلیبی لشکروں کے متوقع راستوں کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کیا۔ بلادِ شام کے انتظامات سے مطمئن ہونے کے بعد اس نے قاہرہ واپس لوٹنے کی تیاری شروع کر دی۔ اسی دوران سلطان بیبرس نے قاہرہ کی جانب حکم بھیجا کہ وہاں موجود تمام مہاجرین کو اپنے اپنے علاقوں میں روانہ کر دیا جائے تا کہ قاہرہ پر بڑھا ہوا بوجھ کسی قدر کم ہو سکے۔ سلطان بیبرس نے اپنی نگرانی میں بے حد تیز رفتاری سے انتظامات مکمل کروائے۔ یہ دیکھ کر بلادِ شام کی رعیت کو یقین ہونے لگا کہ واقعی قاہرہ کی سیادت تسلیم کر کے انہوں نے کوئی غلطی نہیں کی۔

❁ ❁ ❁

شنگ خان کی بات سچ نکلی، زینے کے اختتام پر ایک وسیع و طویل راہداری موجود تھی جہاں مشعلوں کی

تیز روشنی کا اہتمام کیا گیا تھا۔ راہداری میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مسلح محافظ چوکس انداز میں تعینات تھے۔ گل وتوژ اپنی ساتھیوں سمیت زینے کی دیواروں سے چپکے رہی۔ اتنے زیادہ محافظوں کی نگاہوں سے بچ نکلنا کسی صورت ممکن نہیں تھا۔ ان کے ساتھ بھڑ جانا بھی سراسر خودکشی کے مترادف تھا۔ گل وتوژ سمیت تمام لڑکیاں مخمصے کا شکار دکھائی دیں۔ ان کے پاس اس صورت کے سوا دوسرا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ واپس لوٹ جاتیں یا پھر محافظوں سے بھرپور انداز میں مقابلہ کرتیں۔ اس صورت میں شاید ہی فرار کا کوئی موقعہ میسر ہو پاتا۔

''اب کیا کیا جائے؟'' جفاء کی پریشان سرگوشی گل وتوژ کے کانوں میں پڑی۔

''وہی جو ہم نے رات کو نکلتے ہوئے طے کیا تھا!'' گل وتوژ نے دوٹوک جواب دیا۔

''اللہ کی قسم! قید کی زندگی کی نسبت جرأت کی موت زیادہ پُرکشش دکھائی دے رہی ہے''۔ زہرہ نے جوشیلے انداز میں سب کی ہمت بندھائی۔

''ہمیں اس موقعہ پر جوش کے بجائے ہوش سے کام لینا ہوگا۔ کسی طرح قریب کے محافظوں کو اپنی جانب متوجہ کر لیا جائے تا کہ ان کی تلواریں حاصل ہو سکیں۔ ہمارے خنجر زیادہ کارگر ثابت نہیں ہوں گے'' گل وتوژ نے مشورہ دیا۔

''تم ٹھیک کہتی ہو...... واپسی کی تمام راہیں مسدود ہو چکی ہیں، صبح ہوتے ہی ہمارے فرار کی خبر شیخ کبیر الدین تک پہنچ جائے گی، کنیزیں ہوش میں آتے ہی یقیناً شور مچا کر سب کو اپنی جانب متوجہ کر لیں گی اور پھر نہ جانے کون سی قیامت ہم پر ٹوٹ پڑے؟ یہی مناسب دکھائی دیتا ہے کہ ہم خود قیامت بن کر ٹوٹ پڑیں''۔ ایزیلا نے خدشے کا اظہار کیا۔

''ہم زینوں میں ہلکا پھلکا کھٹکا پیدا کریں گی جس سے یقیناً کوئی نہ کوئی محافظ اس جانب ضرور آئے گا، پھر اس کے ساتھ جو کچھ ہو سکے وہ نہایت خاموشی سے کیا جائے۔ ہم اتنی دیر تک سامنے نہیں ظاہر ہوں گی جب تک ہمارے قبضے میں چار تلواریں نہ ہو جائیں'' گل وتوژ نے انہیں ہوشیار کرتے ہوئے اپنی جوتی کی ایڑھی مدھم انداز سے زمین پر گھسائی۔ گھسٹ کی خفیف سی آواز نے گہرے سکوت میں ہلکا سا ارتعاش پیدا کیا۔ قریب موجود محافظ چونک کر زینوں کی جانب متوجہ ہوئے پھر انہوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

''تم دونوں ادھر جاؤ اور دیکھو وہاں کیا ہے؟'' ایک محافظ نے زینوں کے قریب موجود سپاہیوں کو حکم دیا۔ سپاہی محتاط انداز میں زینوں کی جانب بڑھ گئے۔ زینوں کے آغاز میں تو کسی قدر روشنی موجود تھی مگر بالائی حصہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ سپاہیوں نے آنکھیں پھاڑ کر اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کی مگر انہیں کچھ دکھائی نہیں دیا۔ وہ واپس لوٹنے ہی والے تھے کہ زینوں میں ہلکی سی سرسراہٹ ابھری۔ وہ چوکنے دکھائی دینے لگے۔ ان کی تلواریں نیاموں سے باہر نکل آئیں اور وہ زینوں پر پھونک پھونک کر قدم رکھنے لگے۔ وہ چند زینے اوپر گئے تھے کہ ان کی گردنیں کسی ناگہانی شکنجے میں کستی چلی گئیں۔ ان کے حلق سے خرخراہٹ برآمد ہوئی دوسرے ہی لمحے انہیں تیز دھار کا احساس ہوا۔ زہرہ اور جفاء نے انہیں ہمیشہ کے لئے زندگی سے محروم کر ڈالا تھا۔ گل وتوژ اور ایزیلا نے پھرتی سے ان کی تلواریں اپنے قبضے میں کر لیں تا کہ ان کے گرنے سے شور نہ پیدا ہو۔ جفا اور زہرہ نے سپاہیوں کی لاشیں اس طرح دیوار کے ساتھ لگا دیں کہ وہ بیٹھے ہوئے دکھائی دینے لگے۔ کچھ دیر یونہی گزر گئی۔ محافظوں کی توجہ زینوں کی جانب مبذول تھی جب کچھ دیر تک ان کی واپسی نہیں ہوئی تو انہیں شک گزرا۔ محافظ نے مزید چار سپاہیوں کو زینوں کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا۔ وہ سپاہی بھی لڑکیوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر گئے۔ تلواریں ان کے قبضے میں پہنچ چکی تھیں۔

''میرا خیال ہے کہ ہمیں کھل کر سامنے آ جانا چاہئے!'' زہرہ نے مشورہ دیا۔

''ابھی وہ وقت نہیں آیا..... محافظوں کو اسی انداز میں ختم کیا جا سکتا ہے، یہ سلسلہ جاری رہنے دو۔ جب وہ سب زینوں کی جانب بڑھیں گے تو پھر دیکھا جائے گا'' گل وتوڑ نے کہا۔

راہداری کے محافظ زینوں کی جانب گئے چھ سپاہیوں کی واپسی کے منتظر دکھائی دیئے۔ اچانک زینوں سے نیچے آنے والی خون کی لکیر نے ان کو خطرے کا احساس دلا دیا۔ محافظ دستے کے سالار نے سب کو خبردار کرتے ہوئے زینوں کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا۔ کافی سپاہی اپنی جگہ چھوڑ کر زینوں کے گرد جمع ہونے لگے۔ گل وتوڑ نے جھانک کر نیچے کی جانب دیکھا تو سپاہیوں کو دیکھ کر اس نے ٹوٹ پڑنے کا اعلان کیا۔ اسی لمحے لڑکیاں برق رفتاری سے سپاہیوں پر ٹوٹ پڑیں۔ تلواروں کی جھنکار نے خاموشی درہم برہم کر ڈالی۔ سپاہی لڑکیوں کو مقابلے میں پا کر جہاں کسی قدر متحیر تھے وہیں وہ ان پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگے۔ محافظ سالار شاید لڑکیوں سے واقف تھا۔ اس نے تیز آواز میں سپاہیوں کو حکم دیا کہ لڑکیوں کو ہر قیمت پر زندہ گرفتار کیا جائے، یہ بڑے آقا کا حکم ہے۔ سپاہی بڑے آقا کے حکم کا سن کر مدافعتی انداز میں لڑتے ہوئے انہیں گھیرنے کی کوشش کرنے لگے۔ لڑکیوں نے سپاہیوں کے مدافعانہ انداز کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے جارحانہ حملوں میں شدت پیدا کر دی۔

''یہ ہماری آزادی کی لڑائی ہے، ایک بھی سپاہی زندہ نہیں بچنا چاہئے'' گل وتوڑ نے سب کی ہمت بندھاتے ہوئے تیز لہجے میں کہا تو لڑکیوں کے حملوں میں شدت بڑھ گئی۔ سپاہیوں کی مدافعانہ لڑائی لڑکیوں کے حق میں بہترین ثابت ہوئی تھی، وہ تلواریں خنجر زنی کے انداز میں پوری کامیابی سے استعمال کر رہی تھیں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے سپاہیوں کی کئی پھٹی لاشوں میں اضافہ ہونے لگا۔ محافظ سالار ان کی برق رفتاری پر ششدر رہ گیا۔ اس نے بگڑتی ہوئی صورت حال کے پیش نظر اپنے حکم میں ترمیم کی اور لڑکیوں کو قتل کر دینے کا حکم سنایا۔ سپاہی بھی مدافعانہ لڑائی کے باعث خود کو بندھا محسوس کر رہے تھے، قتل کا حکم پاتے ہی ان کی لڑائی میں یکلخت تبدیلی پیدا ہو گئی اور وہ مخصوص زادیوں سے آگے پیچھے ہوتے ہوئے لڑکیوں پر وار کرنے لگے گل وتوڑ نے ساتھیوں کو پشت ملانے کی ہدایت کی۔ اب وہ ستارے کی مانند گھومتی ہوئی سپاہیوں کے شدید داروں کا جواب دینے لگیں۔ لڑائی کی شدت میں کسی حد تک کمی واقع ہو گئی۔ لڑکیاں اب داؤ پیچ کے ساتھ سپاہیوں کو نشانہ بنانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ یہ معرکہ کافی دیر تک جاری رہا۔ تلواریں چلاتے چلاتے لڑکیوں کو اپنے بازو شل ہوتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ جفاء کا چہرہ تکان سے ستا ہوا دکھائی دیا۔ زہرہ میں جوش و ولولہ تو برقرار تھا مگر اس کے ہاتھوں کی جارحیت بھی کمزور پڑنے لگی۔ ایزیلا کا پھولا ہوا سانس اس کی مدافعت کی پستی کا اعلان کر رہا تھا۔ نرم و نازک گل وتوڑ اس نہ ختم ہونے والے خونی کھیل کے سامنے خود کو کمزور محسوس کرنے لگی۔ وہ اپنی جان بچانے کی بھرپور کوشش کر رہی تھیں۔ اچانک ایزیلا کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی اور وہ زمین پر گرتی چلی گئی۔ دوسری لڑکیوں کے لئے یہ بڑا نازک مرحلہ تھا کیونکہ یہ بات عیاں ہو چکی تھی کہ لڑکیوں کا دم خم چند لمحوں کا مہمان ہے۔ گل وتوڑ نے ایزیلا کو اپنے حصار میں لینے کا اشارہ کیا وہ تمام اس کے گرد تکونے انداز میں بکھر گئیں اور محافظ سپاہیوں کے شدید داروں کو روکنے لگیں وہ مرحلہ بے حد کڑا تھا جب ان تینوں کے ہاتھوں سے تلواریں نکل گئیں۔ وہ بالکل نہتی ہو چکی تھیں۔ گل وتوڑ نے کمر میں اڑسا ہوا خنجر نکال لیا۔ وہ شکست تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ اس کی دیکھا دیکھی زہرہ اور جفاء کے ہاتھوں میں بھی خنجر دکھائی دینے لگے۔ لڑکیوں کے ہاتھوں میں خنجر دیکھ کر سپاہیوں کے چہروں پر مسکراہٹ سی رینگ گئی، لڑائی کا انجام ان کے سامنے ظاہر ہو چکا تھا کہ لڑکیاں

زیادہ دیر تک ٹھہر نہیں سکیں گی۔ سپاہیوں نے اپنے قدموں کو مخصوص حرکت دی اور تلواریں مختلف زادیوں سے گھماتے ہوئے لڑکیوں کی جانب بڑھنے لگے۔ گل وتوڑ اور اس کی ساتھی لڑکیاں ان کی حرکات پر گہری نظر رکھے ہوئے تھیں۔

''بس! یہ کھیل اب ختم کرو''۔ اچانک تیز آواز راہداری میں گونجی۔ سب سپاہی ٹھٹک کر اس جانب دیکھنے لگے۔ لڑکیوں کے چہروں پر مایوسی پھیل گئی۔

❀ ❀ ❀

سلطان الملک القاہر رکن الدین محمود بیبرس نے شام کے انتظامات سے فارغ ہو کر قاہرہ کی جانب روانگی اختیار کی۔ وہ بلاد شام و شرقیہ کے مختلف شہروں میں مختصر قیام کرتا رہا اور وہاں کی رعایا کی حوصلہ افزائی کرنے کے ساتھ مختلف احکامات جاری کرتا رہا۔ اس نے اس سفر کے دوران شہروں کے درمیان رابطے کی فضا کی جانب خاص توجہ کی کیونکہ تمام شہروں کی حالت سے باخبر رہنا بے حد ضروری تھا۔ محکمہ ڈاک کے نظام کی از سر نو تعمیر کی گئی۔ قلعہ جبل کے پاس ایک صدر دفتر بنایا گیا جو کہ نہایت اہمیت کا حامل علاقہ تھا۔ یہ قلعہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے 572ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ اس قلعے سے چار راستے مختلف سمتوں کو نکلتے تھے۔ ایک راستہ سکندریہ تک، دوسرا راستہ توس تک، تیسرا دمیاط اور غزہ تک، چوتھا راستہ عیذاب تک جاتا تھا جو کہ بحیرۂ احمر کی ایک مشہور اور اہم بندرگاہ تھی۔ یہاں پر یمن، حبشہ اور ہند کی جانب سے تجارتی قافلے آیا کرتے تھے جو کہ وہاں سے سمندری راستے سے جدہ پہنچتے تھے۔ قلعہ جبل کو مرکزی حیثیت دینے کے بعد سلطان بیبرس نے تمام شہروں اور قصبوں میں ڈاک چوکیاں قائم کرنے کا حکم دیا جو کہ قلعہ جبل سے آنے والی ڈاک کو حاصل کرتی اور انہیں متعلقہ افراد تک پہنچاتی۔ یہ سلسلہ والیوں اور سلطان کے درمیان رابطے کا ذریعہ تھا۔ تمام ڈاک چوکیوں میں تازہ دم اور تندرست گھوڑوں کی مخصوص تعداد فراہم کی گئی۔ ڈاک چوکیوں کو براہ راست والئی علاقہ کی نگرانی میں دیا گیا تاکہ ان کے افعال میں کوئی رکاوٹ یا خامی پیدا نہ ہو۔ ڈاک کے نظام کو مزید مستحکم اور تیز رفتار بنانے کے لئے ہوائی ڈاک کو فعال بنانے کا حکم دیا گیا۔ یہ ہوائی پیغام رسانی نامہ بر کبوتروں کے ذریعے کی جاتی تھی۔ سلطان نور الدین زنگی بھی اپنے عہد میں ہوائی پیغام رسانی کو بخوبی استعمال کر چکا تھا جو کہ بعد میں ختم ہوتی چلی گئی۔ سلطان بیبرس نے حالات کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس سلسلے کو نہایت سرگرمی سے مکمل کروایا اور نامہ بر کبوتروں کا مرکزی دفتر بھی قلعہ جبل میں ہی قائم کیا۔ قلعے کے برجوں میں نامہ بر کبوتروں کی بڑی تعداد رکھی گئی اور ساتھ ہی کبوتروں کو سدھانے اور ان کی غور و پرداخت کے لئے مخصوص انتظامات کئے گئے۔ کبوتروں کی اُڑان کی سمت کے لحاظ سے مناسب فاصلوں پر ڈاک چوکیاں قائم کی گئیں تاکہ پیغامات محفوظ طریقے سے منزل تک پہنچ سکیں۔ اسی طرح کے دوسرے کئی انتظامات کرتے ہوئے اس نے جمادی الاوّل 659ھ میں جشن نامی مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ وہ اپنے جاری کئے گئے احکامات پر عمل درآمد کا اطمینان کرنا چاہتا تھا۔ قاہرہ قریب ہی تھا مگر سلطان بیبرس نے قاہرہ جانے میں عجلت کا مظاہرہ نہ کیا۔

ایک شام وہ اپنے خیمے میں مملوک امراء کے ساتھ مصروف تھا کہ اسے ایک وفد کی آمد سے آگاہ کیا گیا جو کہ رحبہ سے خاص طور پر ملاقات کی غرض سے وہاں پہنچا تھا۔ سلطان بیبرس نے اس وفد کو ٹھہرانے اور مہمان داری کا حکم دیا۔ اپنے امور سے فارغ ہو کر وہ انہی کے پاس چلا آیا۔ وفد کے ارکین سلطان کو اپنے سامنے دیکھ کر بوکھلا اُٹھے۔ انہوں نے سرخم کر کے تعظیم دی اور عرض کیا کہ سلطان محترم انہیں بلوا لیتے۔ سلطان بیبرس نے ان رسمی تکلفات سے بے زاری کا اظہار کرتے ہوئے ان کی آمد کا مقصد دریافت کیا۔

''سلطان محترم!'' ایک شخص بولا۔ ''ہمیں آپ کے پاس خاندانِ خلافت کے فرزند احمد بن ابوعلی نے روانہ کیا ہے، جوان دنوں ہمارے پاس رحبہ میں مقیم ہیں۔ ہمارے پاس آپ کے لئے ان کا ایک پیغام ہے''۔

خاندانِ خلافت کا ذکر سن کر سلطان بیبرس بے تاب سا دکھائی دیا۔ اس نے فوراً پیغام پیش کرنے کا حکم دیا۔ وفد نے ایک لپٹا ہوا مراسلہ بیبرس کی جانب بڑھایا۔ سلطان بیبرس نے تیزی سے مراسلہ کھولا اور بے قراری سے پڑھنے لگا۔ مراسلہ پڑھنے کے بعد سلطان بیبرس بولا۔

''ہماری جانب سے عباسی شہزادے کو سلام دیجئے اور ان سے کہیے کہ میں آپ کی آمد کا منتظر ہوں۔ انہوں نے دشمنانِ اسلام کو شکست دینے کے لئے جو مبارک باد دی ہے میں اس کے لئے بے حد شکر گذار ہوں اور میں اپنے تیئں تہیہ کئے ہوئے ہوں کہ خلافت پر جو بجلی گرائی گئی ہے اس کے ذمہ داروں کو قبروں تک نہ چھوڑوں گا۔ ان سے یہ بھی کہیے گا کہ انہوں نے جو پیغام مجھے بھیجا ہے وہ میرے آئندہ اقدامات میں پہلے سے شامل ہے، میں انہیں پورا یقین دلاتا ہوں کہ وہ میرے پاس تشریف لائیں، جو کچھ انہیں درکار ہے میں نیک نیتی اور خلوص سے ان کی خدمت میں پیش کرنے کا وعدہ کرتا ہوں''۔

وفد سلطان بیبرس کا جواب ملنے کے بعد روانگی کا خواہش مند دکھائی دیا۔ سلطان بیبرس نے وفد کے ہاتھوں عباسی شہزادے احمد بن ابوعلی کی خدمت میں خطیر رقم اور دیگر تحائف روانہ کئے۔ وفد کے جانے کے بعد بیبرس نے چند دن تک جشن میں قیام کیا اور انتظامات کی جانب سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد قاہرہ کی جانب روانگی اختیار کی۔ قاہرہ میں دمشق سے آئے ہوئے ایک دوسرے وفد نے سلطان بیبرس سے ملاقات کی جو کہ ایک عباسی شہزادے احمد بن الظاہر بامراللہ کی طرف سے ملاقات کے لئے آیا تھا۔ اس وفد نے عباسی شہزادے کا ایک نامہ پیش کیا۔ سلطان بیبرس مختصر وقفے میں دو عباسی شہزادوں کے مراسلوں سے شک وشبہ میں مبتلا ہو گیا اور اس نے اس سلسلے کو فریب قیاس کیا۔ اس نے مراسلے کے مندرجات کو بغور پڑھا جو کہ پہلے والے مراسلے سے کسی قدر ملتے جلتے تھے۔ وفد کو اگلے دن تک قیام کرنے کا حکم دیا گیا۔ اسی دوران سلطان بیبرس نے بنومہارش کے سردار کو دربار طلب کیا۔ بنومہارش ان عرب قبائل میں سے ایک تھا جو کہ ایک عرصہ سے بلادِ مصر میں آباد تھا۔ سلطان بیبرس نے مراسلے اس کے سامنے رکھتے ہوئے اسے حکم دیا ہے کہ وہ اس وفد کے ساتھ دمشق کے اس قصبے میں جائے جہاں احمد بن الظاہر بامراللہ مقیم ہے۔ اگر وہاں عباسی شہزادہ موجود ہو تو اس سے تعارف حاصل کرتے ہوئے تصدیق حاصل کی جائے کہ وہ واقعی خاندان بنوعباسؓ سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر تصدیق حاصل ہو جائے تو اسے نہایت ادب واحترام کے ساتھ قاہرہ لایا جائے۔ اگر کوئی فریب ہو تو تمام لوگوں کو دمشق کے نائب السلطنت کے حوالے کر دیا جائے۔ ان کے بارے میں احکامات تم لوگوں کے دمشق پہنچنے سے پہلے پہنچ جائیں گے۔ دوسرے روز سلطان بیبرس نے ایک خطیر رقم بنومہارش کے منتخب دس افراد کے حوالے کی اور انہیں دمشق سے آئے ہوئے وفد کے ساتھ روانہ کر دیا۔ اسی دن سلطان بیبرس نے رحبہ کی جانب پیغام بھیجا کہ وہاں عباسی شہزادے احمد بن ابوعلی کی موجودگی کی تصدیق کر کے جواب بھیجا جائے۔

سلطان بیبرس نے عباسی شہزادوں کے بارے میں شیخ عزالدینؒ کو مطلع کیا اور ان سے مناسب رائے کی درخواست کی تو وہ دھیمے سے مسکراتے ہوئے گویا ہوئے۔

''بیبرس! ایک دن تم نے کسی کی پھٹی ہوئی چادر رفو کی تھی، کیا تمہیں وہ یاد ہے؟''

''یا شیخ! میں آپ کا مقصد سمجھ گیا ہوں! انشاء اللہ ویسا ہی ہوگا''۔

''بے شک! وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے''۔ شیخ عزالدینؒ نے سر ہلایا۔ سلطان بیبرس کو اب ان دونوں عباسی شہزادوں کی آمد کا بے چینی سے انتظار تھا۔

❀ ❀ ❀

وہ سب اس آواز کو پہچان چکی تھیں۔ وہ شیخ کبیر الدین کی آواز تھی جو کہ کسی وقت میں راہداری میں پہنچ چکا تھا۔ گل دتوڑ نے ہونٹ چباتے ہوئے ساتھی لڑکیوں کی جانب دیکھا تو ان کی کیفیت بھی کچھ بہتر نہیں تھی۔ جفاء بھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ان کے لباس اور چہرے خون سے بری طرح لت پت تھے۔ سپاہی اپنے آقا کا حکم پاکر یوں چھپٹ گئے جیسے انہیں لڑکیوں سے کوئی سروکار ہی نہ ہو۔ زینوں سے لے کر نصف تک راہداری انسانی لاشوں سے اٹی پڑی تھی۔ گل دتوڑ نے جب راہداری پر نظر ڈالی تو وہ خود متحیر رہ گئی۔ اتنے سارے سپاہی انہی کے ہاتھوں لقمۂ اجل بن گئے، اسے یقین نہیں آیا۔ شیخ کبیر الدین دھیمے قدموں سے چلتا ہوا ان کے قریب آ گیا۔

''بہت خوب!'' شیخ کبیر الدین کے چہرے پر سرشاری بکھر گئی۔ ''فرار کی جستجو نے تم لوگوں کی چھپی ہوئی حقیقی صلاحیتوں کو زندہ کر ڈالا۔ مجھے بخوبی اندازہ تھا کہ آج ضرور کچھ ایسا ہی ہوگا، اسی لئے اس راہداری میں کثیر تعداد میں سپاہیوں کو تعینات کیا گیا تھا۔ ممکن ہے تمہیں یہ جان کر بھی حیرت ہو کہ آج جان بوجھ کر بالائی حصے سے پہرہ ہٹا لیا گیا تھا، اسی لئے تم لوگ بآسانی یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئیں''۔ شیخ کبیر الدین کے چہرے پر سپاہیوں کی ہلاکت کا کوئی رنج نہیں تھا۔ اس کا چہرہ سفاکانہ درندگی کا آئینہ معلوم ہوتا تھا۔

''شیخ کبیر الدین!'' گل دتوڑ غصے سے بھری بولی۔ ''آج ہم ناکام ہو گئی ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہماری سوچ اور کوششوں پر قفل پڑ چکا ہے۔ ہم اپنی آزادی کے لئے ایسی کوششیں کرتی رہیں گی''۔

''اس کی دوبارہ نوبت نہیں آئے گی۔ سالار، کتنے سپاہی اس معرکے میں کام آئے ہیں؟''

''آقا! میرا خیال ہے کہ قریباً ساٹھ سپاہی مارے جا چکے ہیں اور بیشتر زخمی ہیں''۔

''سالار! یہ تم نے کیسے نکمے لوگ بھرتی کر رکھے ہیں جو کہ صرف چار لڑکیوں کو قابو نہیں کر پائے۔ چار لڑکیوں کے مقابلے میں ہمارے محافظوں کی اتنی بڑی تعداد ہلاک ہو گئی۔ کیا ہم اب بھی یہ سمجھیں کہ ایسے محافظوں کے حصار میں ہماری زندگی پر کوئی آنچ نہیں آ سکتی ہے''۔

سالار کا سر ندامت سے جھک گیا۔ اس کے پاس شیخ کبیر الدین کو دینے کے لئے کوئی جواب نہیں تھا۔

شیخ کبیر الدین نے سالار کو راہداری میں بکھری لاشوں کو ہٹانے کا حکم دیا۔

''تم لوگ اپنے کمروں میں واپس جاؤ، کل صبح تمہارے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا''۔ شیخ کبیر الدین نے لڑکیوں کی دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ زہرہ نے سوالیہ نگاہوں سے گل دتوڑ کی جانب دیکھا۔ گل دتوڑ کو کچھ سجھائی نہیں دیا تو اس نے لڑکیوں کو حکم کی تعمیل کا اشارہ کیا۔ وہ نڈھال قدموں سے زینوں کی جانب بڑھیں وہ سب اپنی کمزوری سے بخوبی آگاہ تھیں گذشتہ دن کے مقابلے اور رات کے اس خونی کھیل نے ان کی ہڈیوں کو بری طرح جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ انہیں آرام کی سخت ضرورت تھی وہ پژمردہ چہروں کے ساتھ زینے طے کرتی ہوئی فصیل کے بالائی حصے پر پہنچیں تو کنیزیں دروازے کے باہر موجود کینہ توز نگاہوں سے انہیں گھورتی ہوئی دکھائی دیں۔ لڑکیوں نے کنیزوں پر دھیان دیئے بغیر اپنے کمرے کی راہ لی۔ بمشکل انہوں نے اپنے اپنے لباس بدلے۔ جسم اور چہرے کے خون کو انہوں نے صاف کپڑے کی مدد سے پونچھ ڈالا۔ پھر وہ بوجھل قدموں سے اپنے اپنے بستروں کی جانب بڑھ گئیں ان کے فرار کا ادھورا منصوبہ ناکامی سے دوچار ہو چکا تھا۔ وہ سب اپنے تیئں یہ گمان کر رہی تھیں کہ شیخ کبیر الدین کے خاص اہتمام کے باعث وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں

ہوسکیں اگر شیخ کبیر الدین کے ہاتھوں زندہ بچ گئیں تو وہ دوبارہ کسی اور دن یہ کوشش دوبارہ کریں گی۔ گل دقوز بستر پر لیٹے شیخ کبیر الدین کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ وہ ان کے بارے میں کل کیا فیصلہ کرے گا.....؟ وہ زیادہ دیر تک کچھ سوچ نہ سکی نیند کا حملہ اس قدر شدید تھا کہ اسے خبر بھی نہ ہوسکی کہ کب اس کی آنکھوں میں نیند اتر آئی۔

❀ ❀ ❀

جمادی الثانی 659ھ میں سلطان بیبرس قاہرہ میں دیگر اصلاحات میں مصروف تھا کہ اسے عباسی شہزادے احمد بن الظاہر بامراللہ کی قاہرہ کے نزدیک پہنچنے کی اطلاع ملی۔ بنو مہارش کے وفد نے احمد بن الظاہر بامراللہ کے بارے میں تصدیق کر کے خبر پہلے سے ہی قاہرہ بھجوادی تھی۔ سلطان بیبرس نے انہیں ہدایت کی تھی کہ وہ عباسی شہزادے کو عزت و احترام کے ساتھ قاہرہ لائیں۔ عباسی شہزادہ احمد بن الظاہر بامراللہ سقوطِ بغداد کے وقت میں ایک قید خانے میں مقید تھا۔ جب ہلاکو خان کے حملے سے بغداد میں افراتفری برپا ہوئی تو احمد بن الظاہر دوسرے قیدیوں کے ہمراہ قید خانے سے نکل بھاگا اور مختلف جگہوں پر پناہ گزین رہا۔ ساڑھے تین سال کی گمنامی کے بعد وہ منظر عام پر آیا اور بیبرس کی درخواست کے پیشِ نظر دمشق سے قاہرہ پہنچا احمد بن الظاہر کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ ابوالقاسم احمد بغداد کے پینتیسویں عباسی خلیفہ الظاہر بامراللہ کا فرزند، چھتیسویں خلیفہ المستنصر باللہ کا بھائی اور سینتیسویں اور آخری متقول خلیفہ مستعصم باللہ کا چچا تھا۔ عباسی شہزادے کے ساتھ اس کے خاص رفقاء بھی محوِ سفر تھے۔ سلطان بیبرس نے عباسی شہزادے کی آمد کی اطلاع پاکر قاہرہ میں خصوصی انتظامات کئے۔ تمام شہر کو سجایا گیا اور بڑے پیمانے پر آئینہ بندی کرائی گئی۔ قاہرہ میں اس دن ایک عظیم الشان جشن کا سماں تھا۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ دو دن عباسی کے اس چشم و چراغ کے ورودِ قاہرہ کے موقع پر اظہارِ مسرت کے لئے جو تقریبات منعقد کی گئیں اور شہر کی آرائش و چراغاں کا جو اہتمام کیا گیا ان پر ایک کروڑ دینار سرخ خرچ ہوئے تھے۔

سلطان بیبرس نے قاہرہ کے صدر دروازے پر قضاۃ، علماء کرام، اعیان و عمائدین سلطنت اور مملوک و مصری امرا کے ساتھ عباسی شہزادے کا بھرپور استقبال کیا۔ ابوالقاسم احمد نے عباسی خلفاء کا مخصوص لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ سلطان بیبرس نہایت عزت و احترام سے پُرجوش انداز میں عباسی شہزادے ابوالقاسم کو ایک شاندار جلوس کے ہمراہ قلعہ جبل کی جانب لایا۔ قلعہ جبل میں پہلے عباسی شہزادہ داخل ہوا تو پھر سلطان بیبرس داخل ہوا۔ نشستوں میں پہلے عباسی شہزادہ بیٹھا تو بعد میں سلطان بیبرس۔ عباسی شہزادے کے برابر بیٹھنے اور گفتگو میں ہمسرانہ یا بے تکلفانہ رویہ اختیار کرنے سے بھی سلطان بیبرس نے مکمل اجتناب کیا۔ اس طرزِ عمل کا سبب جہاں مسلمانوں میں پایا جانے والا وہ دینی جذبہ تھا جو وہ خاندانِ نبوت سے مربوط تھا، وہیں بیبرس کی اس بصیرت افروز حکمت عملی پر بھی مبنی تھا کہ لوگوں کے دلوں میں سقوطِ بغداد کے بعد مقامِ خلافت کے بارے میں جو شکوک و شبہات پیدا ہو چکے تھے انہیں مٹا دیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ سلطان بیبرس کی دیکھا دیکھی مصری و مملوک امرا نے بھی عباسی شہزادے کے ساتھ ادب و احترام کا رویہ اختیار کیا۔ عباسی شہزادے کی آمد کی خوشی میں تین دن تک پورے شہر میں عید کا سا عالم طاری رہا۔ دن کو تقریبات کا انعقاد کیا جاتا تو راتوں کو چراغاں کیا جاتا۔

استقبال سے فرصت پاکر بیبرس نے عباسی شہزادے سے تنہائی میں کئی امور پر طویل گفتگو کی اور اسے اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ سلسلۂ خلافت کے تسلسل کو برقرار رکھنے میں اس کی معاونت کرے۔ سلطان بیبرس کی زبانی احیائے خلافت کی بات سن کر جہاں عباسی شہزادہ ابوالقاسم متحیر ہوا وہیں اس نے بخوشی خلیفہ بننے کی ہامی

بھر لی۔

13 رجب 659ھ بروز دوشنبہ سلطان بیبرس نے اپنے شاہی محل کے وسیع و عریض دالان میں ایک عالی شان دربار کا انعقاد کیا۔ جس میں قاہرہ سے لے کر حدودِ عراق تک تمام اعیانِ سلطنت، قاضیوں، علماء، امرا، حکومت اور سلطنت کے ممتاز افراد نے شرکت کی۔ اس دربار کے انعقاد کا مقصد عباسی شہزادے ابوالقاسم احمد کو بطور خلیفہ منتخب کرنا تھا۔ عباسی شہزادہ ابوالقاسم احمد اگرچہ کوئی مجہول النسب شخص نہ تھا تاہم ضابطہ کی کارروائی کے طور پر قاضی القضاۃ برہان الدین، قاضی القضاۃ تاج الدین بن بنت الاعز نے بہت سے ثقہ اور معزز افراد سے اس بات کی شہادت حاصل کی کہ ابوالقاسم احمد فی الواقع خاندان حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے تعلق رکھتے ہیں اور خلیفہ الظاہر بامراللہ بن خلیفہ الناصر الدین اللہ کے حقیقی فرزند ہیں۔ جب دربار میں موجود سب قاضیوں اور فقہاء نے ان شہادتوں کو شرعی لحاظ سے معتبر قرار دیا تو قاضی القضاۃ تاج الدین نے ان شہادتوں کی قبولیت پر مہر ثبت کی اور اعلان کیا کہ خلافت کے سلسلے کے اجرا کے موقع پر ابوالقاسم احمد کو صحیح النسب ہونے پر خلافت کا جائز اور درست حقدار قرار دیا جاتا ہے۔ لہٰذا لوگوں سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ ابوالقاسم احمد کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے انہیں منصب خلافت پر سرفراز کریں۔ شیخ اسلام شیخ عزالدینؒ بن عبدالسلام دمشقی سب سے پہلے آگے بڑھے اور ابوالقاسم احمد کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیا اور اپنی بیعت کا اعلان کیا۔ اس کے بعد بیعت عام کا سلسلہ شروع ہوگیا اور شرکاء اجتماع نے باری باری بیعت کی۔ تمام افراد کی بیعت کے بعد سلطان بیبرس آگے بڑھا اور اس نے قرآن و حدیث، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، جہاد فی سبیل اللہ اور مالیات کے شرعی نظام کے قیام پر خلیفہ ابوالقاسم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد سلطان بیبرس نے ریاست کے مختلف طبقوں سے خلیفہ ابوالقاسم احمد کے لئے بیعت کا اعلان کیا اور سکہ وقت اور خطبہ میں اس کا نام رائج کرنے کا فرمان جاری کیا۔ خلیفہ ابوالقاسم احمد نے آگے بڑھ کر سب لوگوں کا شکریہ ادا کیا اور نظامِ خلافت کے احیاء پر سلطان بیبرس کے نیک جذبات کو سراہا۔ خلیفہ ابوالقاسم نے خلفاء سابق کی روایات کے مطابق اپنے لئے لقب کا انتخاب خود کیا اور اپنے بھائی خلیفہ المستنصر باللہ کا لقب اختیار کیا۔

تقریب احیاءِ خلافت کافی دیر تک جاری رہی۔ فراغت کے بعد قلعہ جبل دربارِ خلافت قرار دیا گیا۔ خلیفہ ابوالقاسم احمد المستنصر باللہ اپنے رفقاء کے ساتھ قلعہ جبل واپس پہنچا۔ سلطان بیبرس نے خلیفہ ابوالقاسم احمد کے لئے ارباب مناصب مثل اتابک، استادار، آبدار، حاجب، کاتب، خزانچی وغیرہ مقرر کئے تاکہ اسے کسی امر میں مشکل نہ پیش آئے۔ سلطنت بلادِ مصر کے خزانے کا ایک حصہ اس کے تصرف میں دے دیا گیا تاکہ وہ اپنی منشاء کے مطابق انعامات دینے میں محتاجی محسوس نہ کرے۔ اس کے علاوہ قلعہ جبل میں سو گھوڑے، تیس خچر، دس قطار اونٹ اور دیگر جانور اصطبل میں بھجوائے اور اعزازی طور پر تمام سلطنتِ اسلامیہ خلیفہ ابوالقاسم کے قبضے میں دے دی۔

قیام خلافت کے اس موقع پر بے حد خوشی منائی گئی۔ اہل قاہرہ اپنے شہر میں خلیفہ کو پاکر بے حد مسرور دکھائی دیئے۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ خلیفہ ابوالقاسم احمد کے استقبال اور قیام خلافت میں اتنی کثیر رقم کے صرف کو جب اس پس منظر میں دیکھا جائے کہ اس زمانے میں مصر کڑی دقت کا شکار تھے اور مہاجرین کی آمد کے باعث سخت تنگی کا سامنا تھا۔ علاوہ ازیں تاتاریوں اور صلیبیوں کے خلاف اپنے دفاع کے لئے انہیں ایک ایک پائی کی ضرورت تھی تو بے حد حیرت ہوتی ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ بھی بخوبی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ بلادِ مصر کی حکومت اس وقت مالی لحاظ سے نہایت خوشحال تھی اور مسلمانانِ مصر کے نزدیک خلیفہ ابوالقاسم کا درد اتنا اہم اور مسرت بخش

تھا کہ ان تقریبات پر خواہ کسی قدر رقم خرچ ہو جاتی جائز سمجھی جاتی۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ اس کثیر خرچ پر ریاست کے کسی بھی گوشے سے اعتراض و احتجاج کی ہلکی سی بھی لہر نہ پیدا ہو پائی۔ فی الحقیقت اس دور میں مسلمان خلافت کی عدم موجودگی میں دنیائے اسلام کو بے نور سمجھ رہے تھے اور احیاء خلافت کا مطلب ان کے نزدیک یہی تھا کہ یہ ظلمت کدہ پھر سے روشن ہو رہا ہے اور اس مبارک موقع پر جس قدر بھی جشن کا اہتمام کیا جائے وہ کم ہے۔

قیام خلافت کے بعد پہلا جمعہ 17 رجب 659ھ کو آیا۔ اس دن خلیفہ ابوالقاسم احمد سوار ہو کر ایک شاندار جلوس کی صورت میں جامع مسجد الحاکمی میں آیا۔ اس کے ساتھ سلطان بیبرس اور امراء و معززین و رفقاء بھی موجود تھے۔ نماز سے قبل منبر پر چڑھ کر ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس میں حمد و ثناء اور درود کے بعد پہلے بنو عباس کا شرف و مجد بیان کیا پھر خلافت عباسیہ کے دوبارہ قیام پر سلطان رکن الدین بیبرس کی بے حد تعریف و توصیف کی اور سلطان بیبرس اور مسلمانانِ عالم کے لئے دعا مانگی گئی۔ اس کے بعد منبر سے اتر کر اس نے امامت کی اور سب کو نماز جمعہ پڑھائی۔ نماز سے فراغت کے بعد خلیفہ ابوالقاسم احمد نے قدیم رسم کی مناسبت سے سلطان بیبرس کو خلعت عطا کی۔

4 شعبان 659ھ بروز دوشنبہ کو خلیفہ ابوالقاسم احمد کی جانب سے سلطان رکن الدین بیبرس کو شرعی نیابت کی تفویض کے لئے قاہرہ میں ایک عظیم الشان دربار عام کا انعقاد کیا گیا۔ شہر کے باہر ایک وسیع میدان میں طویل و عریض شامیانے نصب کرائے گئے جس کے نیچے خلیفہ المستنصر باللہ، سلطان الملک القاہر بیبرس، قاضی القضاۃ، اراکین دولت، مشیران سلطنت، روسائے ملک و ملت اور کثیر تعداد میں رعایا مجتمع ہوئے۔ امیر فخر الدین لقمان نے منبر پر کھڑے ہو کر خلیفہ ابوالقاسم احمد کی طرف سے سلطان بیبرس کے لئے شرعی نیابت کی سند پڑھی، اس میں حمد و ثناء کے بعد خلیفہ ابوالقاسم احمد کے استحقاق خلافت، سلطان بیبرس کی ملت اسلامیہ کے لئے خدمات کا اعتراف اور اس کی اعلیٰ کارکردگی و صلاحیتوں کا ذکر کیا گیا اور آخر میں نظام حکومت معدلت گستری اور رعایا کی فلاح و بہبود کے بارے میں ہدایات کا ذکر کیا گیا تھا۔ اسی اجتماع میں خلیفہ ابوالقاسم احمد نے سلطان بیبرس کو سیاہ خلعت اور سیاہ عمامہ پہنایا پھر تمام مملکت اسلامیہ کا نظم و نسق اس کے حوالے کر کے اسے امیر المومنین کا لقب دیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ خلیفہ ابوالقاسم احمد نے اپنا روایتی لقب کسی دوسرے کے حوالے کیا تھا کیونکہ امیر المومنین کا لقب صرف خلیفہ وقت کے لئے مقرر تھا۔ سلطان بیبرس کی شرعی نیابت کے بعد امراء میں پائے جانے والے شبہات و گمان دب گئے کہ اس کا انتخاب مملوک امراء کی ملی بھگت کا پیش خیمہ ہے۔ احیائے خلافت کے بعد مصری و مملوک امراء کی نگاہوں میں سلطان بیبرس کی عزت و وقار پہلے سے بڑھ گیا تھا۔ وہ رعایا کے ساتھ ساتھ سب کی آنکھوں کا تارہ بن چکا تھا۔

سلطان بیبرس اپنے خواب کی تکمیل پر بے حد مسرور تھا۔ خلافت کی چاک چادر کو اس نے نہایت تحمل اور بردباری سے رفو کر ڈالا تھا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ وہ اپنے پہلے امتحان میں کامیاب و کامران ہو چکا ہے۔ اب اس کے سامنے وہ امور تھے جو عرصے سے ادھورے پڑے ہوئے تھے۔ جن میں ریاست کی اصلاحات کے ساتھ ساتھ دشمنانِ اسلام کا خطرہ بھی شامل تھا۔ سلطان بیبرس نے شرعی نیابت کے بعد بے شمار احکامات جاری کئے جن میں مسلمانوں کی وطن واپسی اور تاتاریوں کے ہاتھوں تباہ حال علاقوں کی مرمت اور تعمیر نو نمایاں تھی۔

❀ ❀ ❀

شیخ ابوالفضل کافی سوچ بچار کے بعد مطیع الدین کی عائد کردہ شرط پر رضامند ہو گیا۔ اگلے روز وہ اُسے اپنے ساتھ قہستان لے جانے کی تیاری کرنے لگا۔ دوسری صبح وہ شہر سمرقند کے باہر طے شدہ مقام پر موجود تھا۔ مطیع الدین ابھی تک وہاں نہیں پہنچا تھا۔ شیخ ابوالفضل مکمل سفری تیاری کر کے وہاں پہنچا تھا۔ وہ جہاں اس مخفی پیغام کی نوعیت جاننے میں متجسس دکھائی دے رہا تھا وہیں مطیع الدین کے بارے میں کئی خدشات کا بھی شکار تھا۔ اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ مطیع الدین کی صورت دکھائی دی۔ وہ اپنے ساتھ پہاڑی سفر کے لئے خچر لئے اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔ خچر پر ڈھیر سارا سامان لدا ہوا تھا، جسے دیکھ کر شیخ ابوالفضل کا ماتھا ٹھنکا۔ جب مطیع الدین قریب پہنچا تو شیخ ابوالفضل نے سامان کے بارے میں دریافت کیا۔

''شیخ ابوالفضل!'' مطیع الدین چہکتا ہوا بولا۔ ''مجھے اس معاملے میں بے حد احتیاط برتنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ ہماری اس روانگی سے کوئی باخبر ہو جائے۔ اس لئے ضروری ہے کہ میں تمہارے ساتھ ایک تاجر کے روپ میں قہستان جاؤں تاکہ کسی کو شک نہ ہو سکے''۔

''ہم اس وقت دونوں تنہا ہیں، میرا خیال ہے کہ تمہیں پیغام کی نوعیت بتانے میں کوئی مشکل نہیں پیش آئے گی''۔ شیخ ابوالفضل اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے مطلب پر اتر آیا۔

''خاصے بے چین معلوم ہوتے ہو۔ میرے پاس جو پیغام ہے وہ ہلاکو خان کے بارے میں ہے۔ ہلاکو خان کا ایک مخالف طاقتور فرد تمہارے گروہ کے ساتھ ایک سمجھوتہ کرنا چاہتا ہے، میرا خیال ہے کہ تمہارے لئے صرف اتنا ہی جاننا کافی ہوگا۔ باقی باتیں اب قہستان میں ہی ہوں گی''۔ مطیع الدین نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ شیخ ابوالفضل ہلاکو خان کا نام سن کر ہکا بکا سا رہ گیا ایلخانی حکمران ہلاکو خان وہی شخص تھا جس نے باطنی گروہ کو اس بری طرح پامال کیا تھا کہ انہیں بالآخر جان بچانے کے لئے فرار کے سوا کوئی اور راہ نہیں سوجھ پائی۔ اس نے نہایت بے دردی سے فدائین کی کثیر تعداد کو تہ تیغ کیا اور قلعوں کی فصیلیں منہدم کروا ڈالیں۔ گروہ فدائین کا ہر فرد ہلاکو خان کو موت کی نیند سلانے کا خواہش مند تھا مگر وہ اس قدر قلیل تعداد میں رہ گئے تھے کہ ایل خانی سلطنت سے ٹکر لینا اب ان کے بس کی بات نہیں رہی تھی۔ شیخ ابوالفضل کافی دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا۔

''میرا خیال ہے ہمیں اب روانگی اختیار کرنا چاہئے''۔ مطیع الدین نے اس کے کی خاموشی کو توڑا۔

''کیا تمہیں پورا یقین ہے کہ جس شخصیت کا پیغام لے کر تم ہمارے رئیس کے پاس جا رہے ہو وہ اس قدر قوت رکھتی ہے کہ ہلاکو خان سے ٹکر لے سکے؟'' شیخ ابوالفضل بے یقینی کے عالم میں بولا۔ مطیع الدین اس کی بات پر ہنس دیا۔

''اگر مجھے یقین نہ ہوتا تو میں سرائے سے یہاں تک دھکے نہ کھاتا دکھائی دیتا''۔

''عجیب بات ہے کہ مجھے ابھی تک اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا ہے''۔

''شیخ ابوالفضل!'' مطیع الدین اس کے کندھے کو تھپتھپاتا ہوا بولا۔ ''بے شمار اتفاقات ایسے ہوتے ہیں، جنہیں عقل انسانی گمان میں نہیں لا پاتی اور وہ وقوع پذیر ہو جاتے ہیں''۔

''میں نے اپنی پوری زندگی میں تم جیسا عجیب شخص نہیں دیکھا''۔

''بے کار کی باتیں چھوڑو! میں عام سا انسان ہوں، نہ تو میرے سر پر سینگ نکل آئے ہیں اور نہ ہی میرے جثے میں کوئی حیرت انگیز عضو موجود ہے''۔

شیخ ابوالفضل اس کی بات پر ہنسنے لگا۔ وہ دونوں اپنے اپنے خچروں کے ساتھ سمرقند سے اس پہاڑی سلسلے کی جانب بڑھ گئے جہاں سے قہستان کو راستہ جاتا تھا۔ دونوں کے پاس خنجر موجود تھے۔ شیخ ابوالفضل اپنے

طور پر تین خچر ہمراہ لایا تھا کہ شاید مطیع الدین اس امر سے بے خبر ہو۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے بڑھتے رہے۔ شیخ ابوالفضل نے باتوں باتوں میں مزید کریدنے کی کوشش کی تو مطیع الدین نے مسکرا کر اسے منع کر دیا کہ اپنا وقت اور توانائی برباد کرنے کی کوشش نہ ہی کرے تو اچھا ہے کیونکہ وہ جتنا بتانا چاہتا تھا وہ اس نے بتا ڈالا ہے اور مزید کوئی بات اگلوانا شیخ ابوالفضل کے بس کی بات نہیں ہے۔ وہ دونوں سفر کرتے ہوئے جب پہلے درّے کے پاس پہنچے تو انہیں چاروں سمت سے گھڑ سواروں نے گھیر لیا۔ شیخ ابوالفضل کے لئے یہ صورت بالکل نئی تھی۔ وہ بوکھلا سا گیا جبکہ مطیع الدین کا چہرہ بے حد پُرسکون دکھائی دیا۔ شیخ ابوالفضل نے جب اسے مطمئن دیکھا تو اس کے دل میں یہ شک ہونے لگا کہ مطیع الدین کا تعلق یقیناً انہی گھڑ سواروں سے ہے۔ اسے دھوکہ دے کر گھیر لیا گیا ہے۔ یکا یک اس کے چہرے کی رگیں کھچنے لگیں۔

❀ ❀ ❀

سلطان بیبرس کی جانب سے قاہرہ کی دعوت پر رحبہ میں مقیم عباسی شہزادہ احمد بن ابوعلی اپنے اہل و عیال کے ساتھ قاہرہ کی جانب روانہ ہوا۔ وہ سفر کرتا ہوا جب حلب پہنچا تو اسے قاہرہ میں خلیفہ ابوالقاسم احمد المستنصر باللہ کی بیعت عام کی خبر ملی۔ وہ بے حد رنجیدہ خاطر ہوا۔ اس نے قاہرہ جانے کا ارادہ مسترد کرتے ہوئے حلب میں مستقل قیام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ والئی حلب علاء الدین لولو کے پاس کسی ذریعے سے عباسی شہزادے کی حلب آمد کی خبر پہنچ گئی۔ اس نے فوری طور پر حلب کے سرکردہ عالم عبدالحلیم ابن تیمیہ کے پاس یہ درخواست بھیجی کہ عباسی شہزادہ ابوالعباس احمد حلب میں موجود ہے۔ اسے کسی بھی طرح اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ بلادِ مصر کے خلیفہ کے مقابلے میں حلب کی رعایا کی منزلت بڑھاتے ہوئے خلافت قبول کر لے۔ عبدالحلیم ابن تیمیہ نے علاء الدین کو سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ طریقہ مناسب نہیں ہے، اس سے مسلمانانِ اسلام منقسم ہو جائیں گے اور ذاتی عناد کو ہوا ملے گی۔ امیر علاء الدین لولو نے سلطان بیبرس کی مخالفت کرتے ہوئے یہ باور کرایا کہ سلطان بیبرس خلافت کو اپنی باندی بنانے کا خواہش مند ہے جبکہ میں پورے اخلاص سے خلافت کے حقیقی اجرا کا خواہش مند ہوں جو کہ صحیح معنوں میں خود مختار اور آزاد ہو گی۔ اس نے خلافت کے احیاء کی صورت میں یہ پیشکش کی کہ اگر عباسی شہزادہ ابوالعباس احمد خلافت کے لئے راضی ہو جائے تو وہ خود اس کے ہمراہ تمام افواج کے ساتھ بغداد کی جانب کوچ کرے گا اور بغداد کو تاتاری پنجے سے چھڑا کر خلیفہ کی خدمت میں تحفتاً پیش کرے گا کیونکہ بغداد ہی وہ واحد مقام ہے جہاں خلافت حقیقی معنوں میں طاقتور اور خود مختار رہ سکتی ہے۔

علامہ عبدالحلیم ابن تیمیہ نے والئی حلب علاء الدین لولو کی بات پر یقین کرتے ہوئے عباسی شہزادے ابوالعباس احمد سے ملاقات کی اور والئی حلب کی گزارش گوش گزار کی۔ عباسی شہزادہ احمد بن ابوعلی ایک مجاہد شخص تھا اور تاتاریوں کے خلاف کئی مہمات میں حصہ لے چکا تھا، اسے تاتاریوں کے ساتھ بے حد عداوت تھی۔ اس نے جب بغداد کی آزادی کے بارے میں والئی حلب کا وعدہ سنا تو وہ بلا ہچکچاہٹ خلافت قبول کرنے پر تیار ہو گیا، ساتھ ہی اس نے یہ شرط بھی عائد کر دی کہ والئی حلب کسی بھی صورت میں خلافت قاہرہ کی مخالفت نہیں کرے گا اور نہ ہی کسی کو اس امر پر اکسائے گا۔ علامہ عبدالحلیم ابن تیمیہ نے دونوں کے مابین مختلف امور پر سند تیار کر کے معززین حلب کے دستخط کرائے۔ امیر علاء الدین لولو نے قاہرہ کی جانب پیش قدمی کی ممانعت والی شرط پر پس و پیش اختیار کی تو علامہ عبدالحلیم ابن تیمیہ نے اس کی نیت پر شک کرتے ہوئے خود کو معاملے سے الگ کرنے کی دھمکی دی۔ جس پر امیر علاء الدین لولو نے فوراً معذرت خواہانہ روّیہ اختیار کیا۔

عباسی شہزادہ ابوالعباس احمد بن ابوعلی الحسن القبیؒ خاندان عباسیہ کے اٹھتیسویں خلیفہ المرشد باللہ بن خلیفہ المستظہر باللہ سے تعلق رکھتا تھا اور سقوطِ بغداد کے دنوں میں زنداں خانے میں قید تھا۔ وہ بھی دیگر قیدیوں کے ہمراہ بغداد سے نکلنے میں کامیاب ہوا تھا۔ موقع پا کر وہ عربوں کی ایک جماعت کے ساتھ امیر بنی خفاجہ حسین بن فلاح کے پاس چلا گیا۔ جب سلطان بیبرس نے شام کو تاتاریوں سے پاک کر دیا تو وہ شام چلا آیا اور رحبہ نامی قصبے میں سکونت اختیار کی۔

علامہ عبدالحلیم ابن تیمیہ کی کوششوں کی صورت میں ابوالعباس احمد خلافت کے لئے راضی ہو گیا اور یکم شعبان 659ھ میں حلب اور بلادِ شام و لبنان کے معزز لوگوں نے متفقہ طور پر اس کے ہاتھوں پر بیعت کر لی۔ امیر علاء الدین لولو نے اعزازی طور پر عنانِ اقتدار اس کے حوالے کر دیا۔ عباسی شہزادے ابوالعباس احمد بن ابوعلی نے اپنے لئے الحاکم بامراللہ کا لقب اختیار کیا۔

امیر حلب علاء الدین لولو کی یہ تمام کوششیں سلطان بیبرس کے مقابلے میں ایک بڑا محاذ قائم کرنے کا پیش خیمہ تھیں۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ خلافت پر دو خلیفہ قائم نہیں رہ سکتے۔ اس کے خیال میں قاہرہ کے لوگوں کے دلوں میں خلیفہ کے ساتھ محبت اور عزت و احترام موجود نہیں ہو سکتا جتنا بلادِ شام کے لوگوں کے دلوں میں موجود ہے۔

خلافت حلب خلافتِ قاہرہ کے مقابلے میں کمزور دکھائی دیتی تھی مگر خلافت کا حلب میں موجود ہونا، وہاں کی رعیت کے لئے کسی اعزاز سے کم نہیں تھا۔ انہوں نے خلیفہ الحاکم بامراللہ کی حفاظت کے لئے والئی حلب کے ساتھ مر مٹنے کی قسمیں کھائیں۔

❀ ❀ ❀

شیخ ابوالفضل تیز نگاہوں سے ان گھڑ سواروں کو گھور رہا تھا جو دائرے کی شکل میں انہیں گھیرے ہوئے تھے۔ مطیع الدین نے ان کی طرف اپنی گردن گھمائی اور شیخ ابوالفضل کو پُرسکون رہنے کا اشارہ کیا۔ گھڑ سواروں کی صورت دیکھنے کے بعد دونوں کو یہ اندازہ لگانے میں مشکل پیش نہ آئی کہ وہ سب منگول سپاہی تھے۔ ان میں سے ایک سپاہی بڑی تمکنت سے آگے بڑھا اور تیز لہجے میں قریباً چیختے ہوئے بولا۔

''تم لوگوں کو بلا اجازت ایل خانی حدود میں داخل ہونے کی جرأت کیسے ہوئی؟ کیا تم جانتے نہیں ہو کہ زیرِ خیل سلطنت سے ایل خانی سلطنت میں کسی بھی باشندے کے داخلے پر قاآن اعظم ہلاکو خان نے کڑی پابندی عائد کر رکھی ہے؟''

''ہم لوگ ریشمی کپڑوں کے تاجر ہیں اور مال کی خرید و فروخت کے سلسلے میں پہلے بھی ایل خانی سلطنت میں آتے جاتے رہے ہیں، یہ بات ہمارے علم میں قطعاً نہیں ہے کہ ایسی کوئی پابندی لگائی گئی ہے''۔ مطیع الدین قدرے حیرت سے پُراعتماد لہجے میں جواب دیا۔

''تم لوگ کیسے تاجر ہو؟...... کیا تمہیں یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ ہر ملک میں داخلے کا ایک قانون و ضابطہ ہوتا ہے اور اسی کے تحت تجارت کے محصولات کی ادائیگی کی جاتی ہے''۔ سپاہی بگڑ کر بولا۔ دوسرے منگول سپاہی اس کی بات پر کھلکھلا اُٹھے۔

''ہمیں تجارت کے رموز مت گنواؤ، مطلب کی بات کرو''۔ شیخ ابوالفضل اپنی بے عزتی پر تلملا اُٹھا۔

''شکل سے تو مسلمان لگتے ہو؟'' سپاہی کا لہجہ خاصا طنزیہ تھا۔

''ریشمی کپڑے کی تجارت ابھی تک مسلمانوں کے ہاتھ میں ہی ہے''۔ مطیع الدین دھیرے سے مسکرا

کر بولا۔ سپاہی اس کے جواب پر اسے گھورنے لگا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے دوبارہ بولا۔ ''تمہیں ہمارے ساتھ سرحدی چوکی تک جانا پڑے گا، وہاں ضروری لوازمات سے فارغ ہو کر ہی تم آگے جا سکو گے''۔

''اس میں اعتراض والی بات کوئی نہیں!'' مطیع الدین نے فراخدلی کا مظاہرہ کیا۔

''لیکن مجھے تم لوگوں کی نیت پر کوئی بھروسہ نہیں ہے، میں جانتا ہوں کہ چوکی میں پہنچ کر تم کیا کرنے والے ہو، جو معاملہ طے کرنا ہے یہیں کرو اور اپنا راستہ ناپو.....!'' شیخ ابوالفضل ناگواری سے بولا۔ مطیع الدین نے حیرت سے اس پر نگاہ ڈالی۔ سپاہی بھی اس کے منہ سے غیر متوقع جواب پر چونک پڑے۔ مطیع الدین نے کچھ سمجھانا چاہا مگر شیخ ابوالفضل نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے منع کر دیا۔

''تم شاید یہ جانتے نہیں کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو، وہ تمہاری موت کا باعث بن سکتا ہے؟'' سپاہی خونخوار نگاہوں سے دیکھتے ہوئے تلخی سے غرایا۔

''تم لوگ اپنی خیر مناؤ..... کیونکہ کچھ ہی دیر میں تمہارے تڑپتے ہوئے لاشے زمین پر دکھائی دیں گے۔ تمہارے بارے میں میں ایک عرصے سے بدعنوانیوں کی خبریں سنتا رہا ہوں، آج آنکھوں سے دیکھ کر میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تم جیسے خبیث منگولوں کو اب سبق سکھانا بے حد ضروری ہو چکا ہے''۔ شیخ ابوالفضل لفظ چبا کر پھنکارتے ہوئے بولا۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے خوف سے عاری تھا۔

منگول سپاہی اس کی دیدہ دلیری اور بلاخوفی پر دنگ دکھائی دینے لگے۔ پھر کچھ ہی دیر میں ان کے چہروں کے خدوخال کھنچتے ہوئے محسوس ہوئے۔ ان کے چہروں پر غصے و خوف کی ملی جلی کیفیت دیکھ کر شیخ ابوالفضل کے چہرے پر پُراسراری مسکراہٹ رینگنے لگی۔ مطیع الدین اس کے جارحانہ انداز پر فکرمند دکھائی دینے لگا۔ وہ صرف دو تھے جبکہ سپاہیوں کی تعداد ان کے مقابلے میں زیادہ تھی۔ ان کے ساتھ بھڑنا عام سی بات نہیں تھی۔ اگر وہ عام افراد ہوتے تو شاید انہیں تلواروں کے زور پر دبا دیا جاتا۔ وہ تو تربیت یافتہ سپاہی تھے جو تلواروں سے کھیلنے کے فن سے بخوبی آشنا تھے۔ مطیع الدین کی آنکھوں میں بڑھتی ہوئی سراسیمگی دیکھ کر شیخ ابوالفضل نے اس کا کندھا دھیرے سے دبایا۔ مطیع الدین جہاں اس کے جرأت مندانہ فعل اور دلیری پر معترف تھا وہیں وہ صورتِ حال کو قابو میں رکھنے کی تدبیریں سوچ رہا تھا۔ منگول سپاہیوں کی تلواریں نیاموں سے باہر کھسک آئیں اور ہواؤں کو کاٹتی ہوئی دکھائی دیں۔ شیخ ابوالفضل نے اسی لمحے مخصوص انداز میں سیٹی بجائی۔ درے میں موجود کئی جھاڑیوں میں یکایک حرکت پیدا ہوئی اور سفید چوغوں میں ملبوس کئی افراد ننگی تلواریں لئے نمودار ہوتے چلے گئے۔ منگول سپاہی اس تبدیلی پر سمجھ چکے تھے کہ انہیں کسی چال کے تحت گھیرا جا چکا ہے۔ سفید چوغوں کو دیکھ کر انہیں یہ اندازہ کرنے میں ذرا سی دیر نہیں لگی کہ وہ لوگ فدائی تھے جو ایک عرصے سے منگول سپاہیوں پر دن رات میں چھاپے مار کر نقصان پہنچاتے رہے تھے۔ ان فدائیوں کے بارے میں کئی قصے بھی منگولوں میں مقبولیت پا چکے تھے۔ وہ انہیں سفید غول کے نام سے پکارا کرتے۔ غول منگولی زبان میں چھلاوے کو کہا جاتا تھا۔

''ان میں ایک بھی بچ کر نہ جانے پائے''۔ ایک منگول سپاہی چیخ کر بولا۔

مطیع الدین، شیخ ابوالفضل کے جارحانہ پن پر پہلے سے اپنے ذہن کو تیار کر چکا تھا کیونکہ بلاجھڑپ ان سے کسی صورت چھٹکارا ممکن نہیں تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے دونوں گروہ آپس میں برسرِپیکار ہو گئے اور تلواروں کی کھنک فضا میں گونجنے لگی۔ منگول سپاہی اپنی مہارت کے باوجود فدائیوں پر قابو نہ پا سکے اور کچھ ہی دیر میں ڈھیر ہو گئے۔ منگول سپاہیوں کی موت پر مطیع الدین نے سکون کی سانس لی۔ شیخ ابوالفضل نے اپنے ساتھیوں کو

واپس لوٹنے کا اشارہ کیا تو وہ یوں اِدھر اُدھر گم ہو گئے جیسے ان کا کوئی وجود ہی نہ ہو۔

''میں نے تم پر واضح کیا تھا کہ تم تنہا میرے ساتھ سفر کرو گے مگر یہ سب کیا تھا؟'' مطیع الدین نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ شیخ ابوالفضل اس کی بات سن کر ہنسنے لگا۔

''ہم لوگ قہستان جا رہے ہیں، تمام راستے ویران اور دشوار گذار ہیں۔ ان علاقوں میں لٹیروں اور ڈاکوؤں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ ابھی تم دیکھتے جاؤ کہ کیسے کیسے واقعات وقوع پذیر ہوں گے۔ اپنی حفاظت کا بندوبست کرنا ضروری تھا اسی لئے یہ گروہ پوشیدہ انداز میں ہمارے ساتھ سفر کرتا رہا ہے۔ جب ہم محفوظ علاقے میں پہنچ جائیں گے تو یہ لوگ واپس لوٹ جائیں گے''۔

''تم اس بارے میں مجھے آگاہ کر سکتے تھے''۔ مطیع الدین سخت لہجے میں بولا۔

''میں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی''۔ شیخ ابوالفضل نے کندھے اچکائے۔

''تم یہ سمجھتے تھے کہ منگول سپاہی سرحدی چوکی میں ہمیں لوٹ لیتے''۔ مطیع الدین نے اچانک سوال کیا تو شیخ ابوالفضل کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''میرا خیال ہے کہ بے کار باتوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے ہمیں سفر جاری رکھنا چاہئے''۔

مطیع الدین سمجھ چکا تھا کہ شیخ ابوالفضل نے اس کے سوال کو جان بوجھ کر نظرانداز کر دیا ہے، اس نے آہستگی سے سر ہلایا اور منگول سپاہیوں کی لاشوں پر اچٹتی نگاہ ڈالتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔ وہ جلد از جلد قہستان پہنچنا چاہتا تھا جہاں اسے فدائیوں کے رئیس سے ملاقات کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہونا تھا۔ وہ اس اسراریت میں اب خود کو چند سا محسوس کرنے لگا تھا ہر موڑ پر نئی اور عجیب تبدیلی اسے کشمکش میں مبتلا کئے جا رہی تھی۔

❀❀❀

اگلے دن دوپہر کے وقت شیخ کبیرالدین نے گل دتو ژ سمیت تمام لڑکیوں کو قلعہ الموت کی دائیں فصیل پر سجائے ہوئے تخت پر نشست سنبھالتے ہوئے بلوایا۔ گذشتہ رات کے خونی معرکے اور فرار کی کوشش میں ناکامی نے گل دتو ژ اور اس کی ساتھیوں کی امیدوں پر اوس ڈال دی تھی۔ تمام رات بے پناہ تکان کے باوجود وہ سب اپنے اپنے بستروں میں کروٹیں بدلتی رہیں کہ آنے والی صبح جانے ان کے لئے کیسی طلوع ہو گی؟ ان ہی سوچوں کی منجدھار میں ڈوبی وہ بالآخر رات کے آخری پہر میں نیند کے آگے بے بس ہو کر رہ گئیں۔ دوسری صبح جب انہیں جھنجھوڑ کر بیدار کیا گیا تو ان کی نگاہ سب سے پہلے انہی کنیزوں پر پڑی جنہیں کل رات دھوکے سے بے ہوش کر کے وہ اپنی قیام گاہ سے فرار ہوئی تھیں۔ کنیزیں شعلہ بار نگاہوں سے انہیں گھورتی رہیں مگر کسی میں بھی اتنی ہمت نہ پڑی کہ وہ ان سے ان کے طرزِ عمل پر کوئی سوال جواب کرتیں۔ وہ منہ پھلائے کے کاموں میں مصروف رہیں۔ گل دتو ژ نے ان کی صورت پر اچٹتی نظر ڈالی تو بے اختیار ہلکی سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔ وہ لباس بدلنے کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی کیونکہ اسے بخوبی معلوم تھا کہ کچھ ہی دیر میں شیخ کبیرالدین کی جانب سے بلاوا آ ہی جائے گا۔ زہرہ نے جب کنیزوں کی بگڑی شکلیں دیکھی تو وہ کھلکھلا اُٹھی، ایزیلا نے زہرہ کی ہنسی پر اُسے آنکھیں دکھائیں تو وہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔ کنیزیں اہانت آمیز رویے پر دانت پیس کر رہ گئیں۔ یہ شیخ کبیرالدین کا سختی سے حکم تھا کہ لڑکیوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائی جائے اور نہ ہی کل رات کے بارے میں کوئی استفسار کیا جائے۔ کنیزیں اگر شیخ کبیرالدین کے حکم کی تابع نہ ہوتیں تو یقیناً اب تک گل دتو ژ وغیرہ کے چہرے نوچ چکی ہوتیں۔

وہ ابھی ناشتہ کر کے فارغ ہوئی تھیں کہ شیخ کبیر الدین کا غلام آپہنچا۔ گل وقوژ نے سب کو اشارہ کیا۔ اشارہ پاتے ہی تمام لڑکیاں اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ وہ اپنے خنجر پہلوؤں میں لگانا نہیں بھولی تھیں۔ انہیں یہ خدشہ بھی تھا کہ شیخ کبیر الدین نے اگر کوئی سخت فیصلہ لینے کی کوشش کی تو وہ ہر قسم کی مزاحمت کے لئے ذہنی طور پر تیار رہیں۔ کچھ راہداریوں سے گذرنے کے بعد وہ اس مقام پر پہنچادی گئیں جہاں شیخ کبیر الدین اپنی نشست سنبھالے براجمان تھا۔ شیخ کبیر الدین نے قریب لگائی گئی نشستوں پر انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ تمام لڑکیاں خاموشی سے بیٹھ گئیں۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد شیخ کبیر الدین نے سکوت توڑا۔

''تریسٹھ افراد کو تم لوگوں نے کل رات موت کے گھاٹ اتار دیا۔ وہ سب لوگ مجھ پر جان نچھاور کرنے والے تربیت یافتہ غلام تھے۔ ان کی تربیت میں ایک عرصہ خرچ ہوا۔ اگر تم لوگوں کی خاص تربیت مجھے مقصود نہ ہوتی تو یقیناً اس جرم کی سزا نہایت عبرت ناک ہوتی''۔

''شیخ کبیر الدین!'' گل وقوژ تیز لہجے میں بولی ''ہمیں دھمکانے کی کوشش مت کرو آج نہیں تو کل کامیابی ضرور ہمارے قدم چومے گی۔ کیا اصلی مجرم تم نہیں ہو؟ ایک طویل عرصہ سے تم نے ہمیں بلا جرم حبس بے جا میں رکھا ہوا ہے، ہم لوگ کھلی فضا میں پُر امن زندگی بسر کر رہے تھے کہ تم نے ہمیں اغوا کیا اور اپنی اس گھٹن گاہ میں محصور کر ڈالا''۔

''گل وقوژ!'' شیخ کبیر الدین مسکرا کر بولا۔ ''اس قلعہ کا نام الموت ہے، یہاں سے فرار ہونا ناممکنات میں سے ایک ہے، بے شک تم اپنے تئیں جتنی کوشش کر لو ہمیشہ ناکامی ہی تمہارے حصے میں آئے گی۔ رہا سوال اس بات کا کہ میں نے تمہیں محصور کر رکھا ہے تو اس میں تمہاری بہتری مضمر ہے، تمہاری پوشیدہ صلاحیتوں کو میں نے محسوس کیا اور پھر انہیں نکھارنے کی کوشش کی۔ تم اس کھلی فضا میں معمول کی زندگی بسر کرتے ہوئے ایک دن مٹ جاتی، تمہارا نام بھی زمانہ بھول جاتا مگر میں نے تمہارے لئے ایک ایسی روشن راہ متعین کرنے کی کوشش کی ہے جس پر سفر کرنے کے بعد آنے والے وقت میں تمہارا نام ہمیشہ کے لئے زندہ رہ جائے گا۔ تمہاری پھیکی زندگی میں ایسا جوش و ولولہ پیدا ہو جائے گا کہ ایک دن تم خود یہ تسلیم کرو گی کہ شیخ کبیر الدین سچ کہتا تھا''۔

''شیخ کبیر!'' انیزیلا تجسس آمیز لہجے میں بولی۔ ''تم جو کہنا چاہتے ہو، کھل کر صاف لفظوں میں کہو''۔

اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ جوشیلی طبع کی مالکہ تھی۔

''میں نے تم لوگوں کی تربیت پر کافی وقت برباد کیا، اپنے جانباز غلاموں کی موت برداشت کی، تمہاری بدتمیزیاں اور غلطیاں برداشت کیں، ان سب کے پیچھے میرا ایک خاص مقصد چھپا تھا، میں جانتا ہوں کہ تم سب وہ مقصد جاننے کے لئے عرصہ سے بے تاب ہو۔ اپنی بنیادی بات کے آغاز سے پہلے میں تم لوگوں کو خبردار کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اب تمہاری زندگی اور موت دونوں تمہارے اپنے ہاتھوں میں ہے۔ تمہارا انکار یا اقرار فیصلہ کر دے گا کہ تم نے اپنے لئے کیا پسند کیا ہے۔ کل تک میں سب کچھ برداشت کرتا رہا ہوں مگر آج آخری امتحان ہے اور نتیجہ کا اعلان بھی آج ہی کیا جائے گا۔ ایک بات اور کان کھول کر سن لو..... میں نہ تو بے وقوف ہوں اور نہ ہی غافل۔ تمہارے چہروں سے تمہاری دل کی پوشیدہ بات ایک لمحے میں پڑھنے کی صلاحیت رکھتا ہوں، اس لئے فیصلہ کرتے وقت مبالغہ آمیزی سے کام لینے کی کوشش مت کرنا''۔

گل وقوژ اور دوسری لڑکیوں کے چہروں پر اشتیاق کی چادر دبیز ہو گئی۔ وہ عرصے سے اس راز کی متلاشی تھیں کہ شیخ کبیر الدین ان سے کیا چاہتا ہے جس کے لئے اس نے اتنا لمبا چوڑا کھیل رچایا ہے۔ آج جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ وہ راز منکشف ہونے والا ہے تو انہیں اپنی سانسوں کی تانے بانے رُکتے ہوئے محسوس

ہوئے۔

❀❀❀

قاہرہ کے قلعہ جبل میں رات اور دن کی تمیز ختم ہو چکی تھی۔ ہر وقت وہاں ایسا سماں بندھا رہتا جیسے خاص تقریب کا انعقاد ہو۔ قلعہ جبل میں خلیفہ مستنصر باللہ کی موجودگی نے قاہرہ کی فضا پر بے حد خوشگوار اثر ڈالا تھا۔ احیائے خلافت کے امر نے جہاں سلطان بیبرس کی نیابت مضبوط و مستحکم کر دی تھی وہیں مصری امراً کو ایک نئی مصروفیت میسر آ گئی۔ وہ خلیفہ کے حضوریوں موجود رہتے جیسے بلادِ مصر کا حقیقی حکمران وہی ہو۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے امرائے مصر کی کسی بھی ایسی بات کی حوصلہ افزائی نہیں کی جس سے سلطان بیبرس کے اختیارات پر حرف آتا۔ کچھ شریر قسم کے امرا نے خلیفہ مستنصر باللہ کو یہ باور کرانے کی کوشش بھی کی کہ وہ سلطان بیبرس کو معزول کر کے بلادِ مصر کی عنان خود سنبھال لیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ خلیفہ مستنصر باللہ نہایت شریف النفس اور عالی ظرف شخص تھا وہ اپنے محسن کے بارے میں ایسا سوچنا بھی گناہ تصور کرتا تھا۔ اس نے فوری طور پر ایسے شریر امرا کو سختی سے تنبیہ کرتے ہوئے صاف الفاظ میں واضح کر دیا کہ اگر ان کی سوچ کا دھارا اسی ڈگر پر رواں رہا تو ممکن ہے کہ ان کے خلاف تادیبی کارروائی عمل میں لانا پڑے۔ خلیفہ مستنصر باللہ کی حوصلہ شکنی سے وہ اپنی سازشی حرکتوں سے باز آ گئے۔

27 رمضان المبارک 659ھ کو خلیفہ مستنصر باللہ نے قلعہ جبل کے بائیں باغ میں نہایت اہتمام سے افطار تقریب منعقد کی، جس میں مصری و مملوک امرا کی بڑی تعداد کو مدعو کیا گیا۔ سلطان بیبرس اور اعلیٰ مناصب کی سرکردہ شخصیات بھی اس افطار تقریب میں شامل ہوئیں۔ افطار سے فارغ ہو کر سب لوگوں نے خلیفہ مستنصر باللہ کی امامت میں نمازِ ادا کی اور بلادِ مصر و شام کی سلامتی کے لئے خصوصی دعا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر عمومی معاملات پر گفت و شنید کا سلسلہ شروع ہوا۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے کئی ضروری امور نمٹائے اور کئی معاملات میں سلطان بیبرس کو مختلف ہدایات دیں۔ سلطان بیبرس نے نہایت مؤدب انداز میں ان کی تکمیل کا وعدہ کیا۔ اسی دوران عشاء کا وقت ہو گیا۔ نماز اور تراویح ادا کی گئیں۔ فارغ ہونے پر ایک ایک کر کے امرا رخصت ہونے لگے۔ خلیفہ مستنصر باللہ سلطان بیبرس اور کئی اعلیٰ مناصب کے مملوک عہدیداروں کے ساتھ شاہی محل میں چلا آیا۔ شاہی محل میں عام گپ شپ کی قسم کی نشست لگی۔ گفتگو میں ہنسی مذاق جاری رہا۔ اچانک گفتگو کے سلسلے میں ایک سنجیدہ موڑ آ گیا۔ جب وزیر سلطنت زین الملت بہاء الدین ابن زہیر نے سلطان بیبرس کے لقب الملک القاہر پر کڑے انداز میں تبصرہ کیا۔ سلطان بیبرس بہاء الدین ابن زہیر کی بے حد عزت کرتا تھا مگر اپنے اختیار کردہ لقب پر تنقید کو برداشت نہیں کر پایا۔ خلیفہ مستنصر باللہ ابن زہیر کی بے باکی سے خوب واقف تھا لہٰذا اس نے مداخلت کرتے ہوئے پوچھا۔

''زین الملت ابن زہیر! الملک القاہر میں ایسی کیا کمی ہے کہ تمہیں یہ بالکل نہیں بھایا؟''

''امیر المومنین!'' ابن زہیر بولا۔ ''الملک القاہر میں کوئی کمی یا خامی نہیں ہے قاہر تو اللہ تعالیٰ کے خاص صفاتی ناموں میں سے ایک ہے۔ قاہر بطور نام یا لقب کسی انسان کے لئے بالکل موزوں نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہی صرف قاہر ہے کیونکہ وہ ابد سے موجود ہے جبکہ انسان تو فانی ہے جسے کچھ عرصے بعد اس دنیا کو چھوڑ جانا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کے کسی ایسے صفاتی نام کو نہیں رکھنا چاہئے جس کی موت واقع نہیں ہوتی۔ کیا یہ کسی کو پسند آئے گا کہ کل سلطان بیبرس کی موت پر لوگ یہ کہتے دکھائی دیں کہ سلطان القاہر مر گیا ہے''۔

''زین الملت ابن زہیر!'' خلیفہ مستنصر باللہ نرمی سے بولا۔ ''اس ضمن میں تمہاری سوچ کا دھارا بے

حد محدود ہے، اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام اختیار کرنے سے کوئی انسان خدائی کا دعویٰ نہیں کرتا بلکہ وہ دوسروں کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کرتا ہے کہ اس کے نام میں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت موجود ہے جسے جان کر دوسرے لوگ بھی اپنے اللہ کو یاد کر کے شکر ادا کیا کریں''۔

''ابن زہیر!'' امیر فخر الدین لقمان نے کہا۔'' سلطان ہمیشہ سے رعیت کے محافظ اور منتظم ہیں اور انہیں ہمیشہ سے یہ حق حاصل ہے کہ وہ ایسے القاب کو اختیار کریں جو ان کی حاکمیت کو اجاگر کریں''۔

''بات القاب اختیار کرنے کی نہیں بلکہ القاہر کے انتخاب کی ہے جسے اختیار کرنے والے نے کبھی بھی فلاح نہیں پائی کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص صفات میں کسی کی شرکت پسند نہیں فرماتا''۔ ابن زہیر تیزی سے بولا۔

''یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟'' خلیفہ مستنصر باللہ نے حیرت سے پوچھا۔

''امیر المومنین!'' ابن زہیر مؤدب انداز میں بولا۔'' آپ کو یاد ہوگا کہ امیر المومنین ابو منصور محمد بن معتضد باللہ نے القاہر کا لقب اختیار کیا تھا۔ وہ چند ہی روز میں معزول کر دیا گیا اور پھر قید خانے میں اس کی آنکھیں نکلوا دی گئیں۔ والئی موصل نے القاہر کا لقب اختیار کیا تو اسے زہر دے دیا گیا۔ اسی طرح کی کئی مثالیں ہمارے سامنے ہیں جن سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ سلطانوں کے لئے یہ لقب مناسب نہیں ہے۔''

''ابن زہیر! ...... ان منحوس واقعات کو القاہر کے لقب سے مت منسوب کرو۔ انہیں اُس عہد کے حالات کی روشنی میں دیکھا جائے تو وہ سب وقوعے ردِ عمل کے طور پر دکھائی دیتے ہیں''۔ امیر فخر الدین لقمان نے تلخی سے جواب دیا۔

''امیر لقمان! مجھے سلطان بیبرس سے ذاتی عناد نہیں ہے کہ بس یونہی مخالفت کروں حالانکہ میں بخوبی جانتا ہوں کہ میرا منصب انہی کی نظرِ کرم کا نتیجہ ہے۔ اگر میں القاہر کا لقب ترک کرنے پر اصرار کر رہا ہوں تو اس میں بھی میری نیک نیتی اور اخلاص شامل ہے''۔ ابن زہیر نے ناگواری سے کہا۔ امیر فخر الدین لقمان کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ خلیفہ مستنصر باللہ نے مداخلت کر کے اس روک دیا

'' سلطان بیبرس! میرا ذاتی خیال بھی یہی ہے کہ ابن زہیر کی بات کچھ غلط نہیں ہے۔ القاہر اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے سب سے زیادہ جلالی صفت ہے، ممکن ہے کہ اسے یہ بات پسند نہ آئے کہ کوئی دوسرا اس کی اس صفت سے پکارا جائے۔ اگر تم مناسب سمجھو تو اپنے لقب میں تبدیلی کر سکتے ہو''۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے نرم لہجے میں سلطان بیبرس کو مشورہ دیا۔

''امیر المومنین کا حکم سر آنکھوں پر...... آپ خود ہی میرے لئے کوئی دوسرا لقب منتخب فرما دیجئے۔ یہ میرے لئے کسی اعزاز سے کم نہیں ہوگا''۔ سلطان بیبرس نے منکسرانہ انداز میں کہا۔ یہ سن کر خلیفہ مستنصر باللہ سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ توقف کے بعد وہ دوبارہ بولا۔

''القاہر کے بجائے الظاہر زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ سلطان بیبرس کیا تم الملک الظاہر کہلانا پسند کرو گے؟''

''بے شک امیر المومنین!'' سلطان بیبرس خوشدلی سے بولا۔'' میرے تمام عہدیدار یہاں موجود ہیں، وہ سب سن لیں کہ آج کے بعد مجھے الملک الظاہر کے لقب سے پکارا جائے، میرے لقب کی تبدیلی کا اعلان کل صبح عام کر دیا جائے تاکہ عید الفطر کے موقع پر ہر شخص مجھے الملک الظاہر کے نام سے پہچانے۔ علاوہ ازیں نامہ بر کبوتروں کو ابھی بلادِ مصر و شام میں روانہ کر دیا جائے''۔ خلیفہ مستنصر باللہ سلطان بیبرس کی اطاعت و فرمانبرداری پر جھوم سا گیا۔ سلطان بیبرس نے بلا جھجک اپنے لقب کی تبدیلی کرتے ہوئے حقیقی معنوں میں حق

اطاعت ادا کیا تھا۔

❁ ❁ ❁

شیخ کبیر بغور ان کے مشتاق چہروں کا جائزہ لیتا رہا پھر کچھ دیر بعد کھنکار کر مخاطب ہوا۔

''ہم لوگ ایک خاص نظام کو برسر اقتدار لانے کے خواہش مند ہیں جسے اس دنیا کا حقیقی نظام کہا جا سکتا ہے۔ ہمارے اس نظام میں لوگوں کے دکھوں کا مداوا ہے، خوشحالی ہے، آزادی ہے، خود مختاری ہے، ہمارے رئیس حسن بن صباح نے اس نظام کو متعارف کرایا اور اس کے تحت بے شمار علاقے میں ایسی فضا قائم کر ڈالی جس سے لوگوں کو سکھ کا سانس لینا نصیب ہوا مگر حاسد سلطان یہ برداشت نہیں کر سکے کہ ہمارا نظام یوں پھل پھول سکے لہٰذا انہوں نے عسکری قوت سے ہمارے اس پُر امن منصوبے کو کچل ڈالا۔ مسلمان سلطانوں اور پھر ہلاکو خان نے کاری ضرب لگائی۔ ہم لوگ بھرپور مقابلہ کرنے کے باوجود ناکام ہوئے۔ عظیم محسن انسانیت حسن بن صباح کو اللہ تعالیٰ نے پردہ عطا فرمایا تاکہ اس کی بے حرمتی نہ ہو سکے مگر اس کی مہم کو جاری رکھنے کی ذمہ داری مختلف مراحل میں سفر کرتے ہوئے میرے کندھوں پر آ پڑی۔ اب میرا مقصد ان تمام علاقوں کو واپس حاصل کرنا ہے جہاں کبھی ہماری حکومت تھی اور ان سب حاسدوں کو کڑی سزائیں دینا ہے جن کے باعث ہماری پُر امن ریاست تہ و تیغ کر دی گئی۔ ہمارے لوگوں کا قتل عام کیا گیا۔ ہمیں پہاڑوں پر محصور کر دیا گیا اس عظیم مقصد کی تکمیل میں مجھے تم جیسے بے شمار لوگوں کی معاونت درکار ہے۔ تمہاری اور تم جیسے بے شمار لوگوں کی تربیت صرف انہی خطوط کو سامنے رکھ کر عمل میں لائی گئی ہے کہ تم اس عظیم تحریک کو کامیابی کی منزل تک پہنچاؤ۔ اس میں تمہاری بہتری پوشیدہ ہے۔ جب ہم اس ریاست کو صفحۂ ہستی پر منقش کر دیں گے تو اس تحریک کے سب لوگوں کو ان کی خدمات کے عوض نوازیں گے، ان کا نام تاریخ کے اوراق پر سنہرے حروف سے لکھا جائے گا، آنے والی نسلیں انہیں ہمیشہ یاد رکھیں گی اور ان کی مشکور رہیں گی''۔ شیخ کبیر الدین کا چہرہ جذبات کی شدت سے سرخ ہو چکا تھا۔ لڑکیاں عجیب نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتی رہیں۔

''شیخ کبیر!'' زہرہ حیرت بھرے لہجے میں بولی۔ ''تمہاری اس مہم میں بھلا ہم جیسی کمزور لڑکیوں کا کام...... اگر تم سمجھتے ہو کہ تم ہمیں اپنی عسکری طاقت بنا سکتے ہو تو تمہارا خیال ناقص ہے''۔

''زہرہ!'' شیخ کبیر الدین اس کی بات پر ہنس پڑا۔ ''تمہاری سوچ کا دائرہ محدود ہے، تم سب یقیناً میری عسکری قوت ہو اور یہ باہمی سمجھوتے کا سودا ہے۔ تم لوگوں کو ایک ایسی ذمہ داری نبھانا ہے جس کا نہ صرف مکمل معاوضہ ادا کیا جائے گا بلکہ کامیابی نصیب ہونے کے بعد تمہارے تصور سے بھی کہیں زیادہ نوازا جائے گا۔ میں اپنے محسنوں کو کبھی فراموش نہیں کیا کرتا۔''

''تم نے ابھی تک یہ واضح نہیں کیا کہ ہمیں کیا کرنا ہوگا؟'' گل دتوڑ نے مختصراً پوچھا۔

''میرے مخالفین کا خاتمہ......!'' شیخ کبیر الدین پراسرار انداز میں بولا۔ تمام لڑکیاں چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگیں۔ وہ شاید اس کی بات کا مفہوم سمجھ نہیں پائی تھیں۔ شیخ کبیر الدین نے ایک ایک کر کے سب کے چہروں پر گہری نظر ڈالی اور پھر مسکرا کر اپنی بات آگے بڑھائی۔ ''تم اور تمہاری جیسی دوسری کئی لڑکیاں اس قلعے کے مختلف حصوں میں تربیت حاصل کر رہی ہیں۔ کچھ لڑکیاں اپنی تربیت مکمل ہونے کے بعد میرے ساتھ سمجھوتہ کر کے اپنی اپنی مہمات پر روانہ ہو چکی ہیں اور کچھ انکار کر کے موت کے گھاٹ اتار دی گئی ہیں کیونکہ میرا راز جاننے کے بعد انہیں زندہ رہنے کا حق نہیں تھا''۔

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہم یہاں تمہارے ساتھ سمجھوتہ کر لیں اور باہر نکل کر مکر ہو جائیں''۔ گل دتوڑ

نے زہریلی مسکراہٹ سے کہا تو شیخ کبیر الدین کا قہقہہ نکل پڑا۔

''تم کسی بھی مہم میں تنہا نہیں ہو۔ میرے خاص لوگ ہر وقت تمہاری نگرانی اور حفاظت کریں گے اگر تم سے کوئی ایسی ویسی حرکت کی مرتکب ہوئی تو اسے یاد رکھنا چاہئے کہ کسی بھی موڑ پر ایک چھوٹا سا مگر زہر آلود خنجر اس کے جسم میں اتر جائے گا''۔

''مگر ہم تمہارے مخالفین کو کیسے ہلاک کر سکتی ہیں؟'' اینزیلا نے گومگوئی کے عالم میں پوچھا۔

''تمہیں خنجر زنی کی تربیت تو دی جا چکی ہے اب کچھ دوسری تربیت باقی ہے جو چند دنوں میں تمہیں دی جائے گی اس کے بعد تم کو الگ الگ مختلف مہمات پر روانہ کیا جائے گا۔ تمہارے ساتھ میرے خاص غلام جائیں گے جو تمہیں ان شہروں میں ہمارے خاص لوگوں تک پہنچائیں گے۔ اس کے بعد وہ خاص لوگ تمہیں کسی بھی انداز میں اس سرکردہ شخصیت تک پہنچا دیں گے۔ کوشش کی جائے گی کہ تمہیں ایسے اوقات میں وہاں پہنچایا جائے جب اس کے گرد حفاظت کا دائرہ محدود ہو۔ ایسے میں تمہارا کام ہے کہ تم اپنے خنجر اس کے جسم میں اتار کر وہاں سے نکل آؤ..... ممکن ہے کہ وہاں محافظوں سے بھی الجھنا پڑے تم میں یہ خوبی بھی موجود ہے کہ محافظوں سے نمٹا جا سکے''۔

''اگر ہم تمہارا ساتھ دینے پر آمادہ نہ ہوں تو.....؟'' گل وقوٹ نے اس کی آنکھوں میں گھورتے ہوئے پوچھا۔

''میرا خیال ہے کہ تم کافی سمجھدار ہو..... مجھے یقین ہے کہ تم میں سے کوئی ایسی غلطی کرنے کی کوشش نہیں کرے گی۔ میں تمہیں ایک آزاد زندگی بخش رہا ہوں جس میں سے چند دن میرے مقصد پر خرچ ہوں گے اور اس کا معاوضہ بھی ادا کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں تمہیں میں نے ایسا مضبوط بندھن بنا دیا ہے کہ انجان معاشرے میں بھی تم اپنی حفاظت کا سامان کر سکتی ہو۔ میری باریک بین نگاہوں نے بہت پہلے یہ جانچ لیا تھا کہ تم احسان فراموش نہیں ہو سکتیں''۔

''تم اپنے مفاد کے لئے ہمیں قاتلہ بننے پر مجبور کر رہے ہو'' زہرہ ناگواری سے بولی۔

''اس امر کی ادائیگی بھی ساتھ مشروط ہے، دوسری صورت میں انجام بھی کھلا ہے''۔

''اس بات کی ضمانت ہے کہ تم اپنا مفاد نکل جانے کے بعد ہمیں ہلاک کرنے کی کوشش نہیں کرو گے اور اپنے چنگل سے آزاد کر دو گے؟'' اینزیلا نے پوچھا۔

''میں وعدہ شکن نہیں ہوں اور جب میری ریاست وجود میں آ جائے گی تو تم خود اس میں رہنے کی خواہش کرو گی کیونکہ جو معاشرہ میں تشکیل دینا چاہتا ہوں وہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہے''۔ شیخ کبیر الدین نے جواب دیا۔ سب لڑکیاں خاموش ہو گئیں۔ شیخ کبیر الدین سپاٹ نگاہوں سے ان کے چہروں کے اتار چڑھاؤ دیکھتا رہا۔ کچھ دیر تک گہرا سکوت طاری رہا

''مجھے تمہارا فیصلہ منظور ہے''۔ گل وقوٹ نے غور و فکر کرنے کے بعد جواب دیا۔ دوسری لڑکیوں نے بھی فوراً اس پر صاد کیا۔ شیخ کبیر الدین کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس نے سب کے فیصلے کی تعریف کرتے ہوئے انہیں زندگی کی ہر آسائش کی دستیابی کا وعدہ کیا۔ پھر اس نے آگاہ کیا ہے دوسری تربیت اس قلعے میں نہیں دی جائے گی بلکہ یہ تربیت مختلف شہروں میں ہو گی۔ کل صبح انہیں الگ الگ اپنی اپنی منزل کی جانب روانہ کر دیا جائے گا جہاں انہیں اپنی وفاداری اور وعدے کا عملی نمونہ پیش کرنا ہو گا۔ لڑکیاں اس بات پر بجھ سی گئیں۔ انہیں آزادی سے زیادہ بچھڑنے کا دھچکا لگا تھا۔ وہ آزردہ سی دکھائی دیں۔ چند ماہ کی رفاقت نے ان کے درمیان قلبی تعلق سا قائم

کر دیا تھا جسے ایک ہی جھٹکے میں امتحان کی نذر کر دیا گیا۔ یہ فیصلہ بھی شیخ کبیر الدین کی شاطرانہ ذہنیت کا عکاس تھا کیونکہ وہ بخوبی جانتا تھا کہ ان کی بے پناہ قوت کی حقیقی کمزوری کیا ہے اور انہیں ایک دوسرے سے الگ الگ رکھنے میں ہی اس کے عظیم مفاد کی کامیابی کا انحصار ہے۔ پھر دوسری صبح انہیں قلعہ الموت سے مختلف شہروں کی جانب مخصوص افراد کے ساتھ روانہ کر دیا گیا جہاں ان کی اگلی تربیت کی جاتی۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین سفر کرتا ہوا قہستان کی سرحد پر پہنچ گیا۔ باقی راہ اُسے کوئی دشوار یا خوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا سرحد پر پہنچنے پر شیخ ابوالفضل نے اسے آگاہ کیا کہ وہ لوگ طے شدہ منزل پر پہنچ چکے ہیں لہٰذا وہ اب اس شخصیت کے بارے میں اسے بتائے جس کا پیغام وہ فدائی رئیس تک پہنچانا چاہتا ہے۔ مطیع الدین نے اس سے قلعہ الموت کے حدود اربعے کے سوال کیا تو وہ اسے مشکوک نگاہوں سے گھورنے لگا۔

''شیخ ابوالفضل!'' مطیع الدین نے مسکرا کر بولا۔ ''مجھے اپنا اطمینان کرنے کا پورا حق حاصل ہے، کیا معلوم تم مجھے اس مقام پر نقصان پہنچانے کی کوشش کرو''۔

''مطیع الدین!'' شیخ ابوالفضل چڑتے ہوئے بولا۔ ''اگر تم ہمارے رئیس کے لئے کوئی فائدہ بخش پیغام لائے ہو تو مجھے ایسی بے وقوفی کرنے کی قطعاً حاجت نہیں ہے اگر تمہیں نقصان پہنچانا مقصود ہوتا تو یہ کام میرے لئے کچھ دشوار بھی نہیں تھا''۔

''تمہاری بات اپنی جگہ درست ہے، مگر یہ بھی تو ہو سکتا ہے تم محض اپنے تجسس کے باعث یہ سب جاننا چاہتے ہو''۔ مطیع الدین نے جواب دیا۔

''قلعہ الموت نصف دن کے فاصلے پر موجود ہے، میں اتنی دیر تک ایک قدم بھی نہیں آگے بڑھاؤں گا جب تک تم وعدے کے مطابق مجھے اس شخصیت کا نام نہیں بتاؤ گے جس کا پیغام تمہارے قبضے میں ہے''۔ شیخ ابوالفضل اکھڑے ہوئے لہجے میں بولا۔ مطیع الدین نے اس کی آنکھوں میں سچائی کی جھلک دیکھ لی۔

''اب مجھے یقین آ گیا ہے کہ تم سچ بول رہے ہو..... طیش میں آنے کی ضرورت نہیں ہے، مجھے اپنا اطمینان کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ میرے پاس جس شخص کا پیغام ہے وہ زرّیں خیل قبیلے کا اہم فرد ہے اور وہ ہلاؤ خان سے ٹکر لینے کی اہلیت رکھتا ہے''۔

''نام تم پھر گول کر گئے ہو؟'' شیخ ابوالفضل کے چہرے پر بے زاری پھیل گئی۔

''نام تمہارے سامنے ضرور آئے گا مگر تمہارے رئیس کے سامنے''۔ مطیع الدین دوٹوک لہجے میں بولا۔ شیخ ابوالفضل پہلو بدل کر رہ گیا۔ اس نے مزید بحث کی ضرورت نہیں سمجھی اور پاؤں پٹختا ہوا آگے بڑھ گیا۔ مطیع الدین اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتا ہوا اس کے عقب میں روانہ ہو گیا۔ نصف دن کی مسافت دونوں افراد نے نہایت خاموشی سے طے کی۔ جب قلعہ الموت ان کے سامنے آ گیا تو شیخ ابوالفضل نے ایک بار پھر الجھنے کی کوشش کی مگر مطیع الدین نے اس کی اس کوشش کو خوبصورتی سے نظر انداز کر دیا۔ قلعہ الموت کے بیرونی محافظوں نے ان کی آمد پر ان کا محاصرہ کر لیا۔ شیخ ابوالفضل کی صورت دیکھ کر انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ شیخ ابوالفضل نے مختصراً اپنی آمد کا مقصد بتایا تو انہوں نے اسے وہیں ٹھہرنے کا حکم دیا اور پیغام قلعے میں موجود رئیس کے پاس پہنچا دیا گیا۔ کچھ ہی دیر بعد انہیں قلعے میں داخل ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ مختلف راستوں سے گذرنے کے بعد مطیع الدین کو ایک عالی شان کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ شیخ ابوالفضل اس سے الگ ہو گیا تھا۔ کچھ دیر میں خوشبودار کھانوں کے پکوان اس کے سامنے سجنے لگے۔ مطیع الدین کئی دن سے ایسی مسحور کن خوشبو

نہیں پا سکا تھا۔ وہ کھانوں پر یوں ٹوٹ پڑا جیسے سالوں کا بھوکا ہو۔ کھانے سے فراغت کے بعد اسے آرام کے لئے کہا گیا اور فدائی رئیس سے اگلی صبح ملاقات کا عندیہ دیا گیا۔ مطیع الدین کی خدمت کے لئے کنیزوں اور غلاموں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ مطیع الدین کھانے سے فراغت کے بعد مخملیں بستر پر لیٹ گیا اور سفر کی تکان کے باعث خواب خرگوش کے مزے لوٹنے لگا۔ اسے یاد نہیں کہ وہ کب تک سوتا رہا۔ کسی کے جھنجھوڑنے پر اس کی آنکھ کھلی۔ مطیع الدین چونک کر اُٹھ بیٹھا۔ ایک غلام اس کے سرہانے پر موجود تھا۔ مطیع الدین کو بیدار ہوتا دیکھ کر وہ مؤدب انداز میں پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ مطیع الدین نے اس کی جانب مستفسرانہ نگاہوں سے دیکھا تو اس نے اپنی آمد کا مقصد بتایا۔ ''آقا! آپ کے منتظر ہیں۔ آپ جلد ہی تیار ہو جائیں تاکہ ملاقات ہو سکے''۔

''کیا مطلب؟ انہوں نے تو مجھے صبح کے لئے کہا تھا!'' مطیع الدین حیرت سے بولا۔

''شاید آپ سفری تکان کے باعث کچھ زیادہ ہی گہری نیند میں اتر گئے تھے صبح تو کب کی ہو چکی ہے۔ آپ کے ناشتے کا انتظام بھی آقا کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ذرا جلدی کیجئے''۔ غلام نے وضاحت کی تو مطیع الدین کو بڑی حیرانی ہوئی کہ یہ کیسی تکان تھی کہ وہ کل دن کا سویا اگلی صبح بیدار ہوا وہ اپنی اس طویل نیند کو کوئی نام نہیں دے پایا۔ کھوئے سے انداز میں وہ اپنے بستر سے باہر نکلا اور غلام نے ایک صراحی سے اس کا ہاتھ منہ دھلایا۔ کچھ ہی دیر میں مطیع الدین لباس بدل کر غلام کے ساتھ مختلف راستوں سے ہوتا ہوا بڑی فصیل پر جا پہنچا جہاں فدائی رئیس موجود تھا۔ مطیع الدین نے اس سے مصافحہ کیا۔ رئیس نے اسے نشست پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو مطیع الدین اطمینان سے بیٹھ گیا۔ اسی لمحے پکوانوں کے طشت وہاں پہنچنا شروع ہو گئے۔ رئیس نے مطیع الدین کو کھانے کے لئے کہا اور باقی باتوں کو کھانے کے بعد کے لئے چھوڑ دیا۔ کچھ ہی دیر میں وہ کھانے سے فارغ ہو گئے۔ اسی دوران شیخ ابوالفضل بھی وہاں آ پہنچا۔ رئیس نے اسے بھی ایک جانب بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''مجھے تمہاری آمد کے بارے میں شیخ ابوالفضل نے بتایا ہے کہ تم ہمارے کسی دوست کا پیغام لے کر آئے ہو''۔ رئیس نے گفتگو کا آغاز کیا۔

''میرے نام سے آپ واقف ہو چکے ہوں گے، میں رزیں خیل قبیلے کی جانب سے ایک تجویز لے کر یہاں آیا ہوں، اس میں دونوں افراد کا فائدہ ہے۔ ہلاؤ خان آپ کا بھی دشمن ہے اور ہمارا بھی۔ ہم دونوں کا مفاد مشترک ہے لہٰذا ہمیں آپس میں مل کر کچھ کرنا چاہئے''۔ مطیع الدین بولا

''شیخ ابوالفضل کی باتوں سے ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ تمہاری آمد کا مقصد کیا ہے میرا خیال ہے تمہیں کھل کر بات کرنا چاہئے ... !'' رئیس نے مسکرا کر کہا۔

''اگر ناگوار نہ گذرے تو کیا ہمارا تعارف مکمل ہو سکتا ہے''۔ مطیع الدین نے کہا۔ اس پر شیخ ابوالفضل کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی۔

''یوں نہیں!'' رئیس نرمی سے بولا۔ ''میرا نام شیخ کبیر الدین ہے اور میں قلعہ الموت کا منتظم ہوں۔ تمام وادی میں پھیلے ہوئے فدائی میری یوں پرستش کرتے ہیں گویا میں ہی ان کا خدا ہوں''۔ اس کی بات پر مطیع الدین کو ہلکا سا جھٹکا لگا مگر اس نے فوراً خود پر قابو پا لیا کیونکہ وہ فدائیوں کے متعلق کسی حد تک جان چکا تھا کہ ان کے عقائد میں خرابی پیدا ہو چکی ہے۔

''بات یہ ہے کہ قاآن اعظم منگو خان کے دور میں ہلاؤ خان کے اختیارات کے تجاوز کے باعث کئی منگول قبائل ناراض تھے اور اس کی موت کے بعد یہ ناراضگی عداوت میں بدل گئی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ آپس میں لڑائی جھگڑوں کی نوبت آ گئی۔ رزیں خیل حکمران برقائی خان کے اسلام قبول کرنے کی صورت میں

معاملہ انتہا کو چھونے لگا۔ ہلاؤ خان نے کچھ ایسی حرکتیں کیں جن کے باعث رزیں خیل قاآن اعظم برقائی خان کو اپنے دفاع کی بابت میں گہری سنجیدگی سے سوچنا پڑا۔ قبائلی سرداروں کے متفقہ مشورے کے بعد یہ طے پایا کہ ہمیں ہلاؤ خان کے خلاف محاذ کھولنے سے پہلے تمام ایسے ساتھیوں سے مدد حاصل کرنا چاہئے جو کہ ہلاؤ خان کو ناپسند کرتے ہیں۔ آپ کا گروہ بھی ہلاؤ خان کی زیادتیوں کا شکار ہے لہٰذا آپ کو بھی حلیفوں کی فہرست میں شامل کر دیا گیا۔ لہٰذا میں برقائی خان کا نمائندہ بن کر یہ معلوم کرنے کے لئے یہاں آیا ہوں کہ کیا آپ اپنا نام حلیفوں کی فہرست میں برقرار رکھنا پسند کرتے ہیں یا نہیں ... ؟''

''رزیں خیل قاآن اعظم کی پیشکش کو ہم نہایت احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں مگر اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ آج ایک دوسرے کی جان کے دشمن منگول مستقبل میں دوبارہ صلح کر کے ہمیں ماضی جیسی گزند نہیں پہنچائیں گے''۔ شیخ کبیر الدین نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

''شیخ! میں نے ابھی اپنی تجویز بیان نہیں کی، ورنہ آپ کو یہ بات کہنے کی نوبت نہ پیش آتی''۔ مطیع الدین نے سنجیدگی سے جواب دیا جس پر شیخ کبیر الدین چونک گیا۔

''میں کچھ سمجھا نہیں تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''بات اس طرح ہے کہ آپ کو کسی بھی وقت سامنے آ کر ہلاؤ خان کا مقابلہ نہیں کرنا ہے، یہ کام صرف برقائی خان کا لشکر کرے گا۔ ایسی صورت میں ہلاؤ خان کو یہ معلوم ہی نہیں پڑے گا کہ آپ لوگ بھی برقائی خان کے حلیف ہیں''۔ مطیع الدین نے وضاحت کی۔

''یہ کیا بات ہوئی؟ اگر صرف برقائی خان نے ہی ہلاؤ خان سے نبرد آزما ہونا ہے تو پھر اس چکر میں ہماری کیا ضرورت ہے؟'' شیخ کبیر الدین بے اختیار ہو کر بولا۔

''میرا خیال تھا کہ آپ سمجھ جائیں گے مگر ایسا نہیں ہے، میں سمجھاتا ہوں کہ جب ہلاؤ خان اور برقائی خان کے لشکر ایک دوسرے کے سامنے پڑاؤ ڈالیں گے، آپ کا کام اس وقت شروع ہوتا ہے۔ آپ مختلف سمتوں سے ہلاؤ خان کے لشکر پر شب خون ماریں گے مگر آپ کے لباس زرد ہوں گے جو کہ رزیں خیل منگولوں کی پہچان ہیں۔ ہلاؤ خان اس طرح یہ گمان کرے گا کہ اس پر کئے جانے والے حملے برقائی خان کی منصوبہ بندی کا نتیجہ ہیں۔ اسے ذرا بھی شک نہیں ہوگا کہ فدائی بھی اس جنگ میں شریک ہیں۔ دو طرفہ حملوں سے ہلاؤ خان کو سخت نقصان اُٹھانا پڑے گا''۔

''بہت خوب!'' شیخ کبیر الدین بے اختیار ہو کر بولا۔ شیخ ابوالفضل بھی مسرور تھا کہ مطیع الدین کو لانے کے عوض میں اسے بہترین انعام سے نوازا جائے گا۔

''اس کے علاوہ ایک دوسری ذمہ داری یہ ہوگی کہ خراسان کی جانب سے آنے والی رسد اور کمک کو بھی آپ نے میدانِ جنگ کی طرف بڑھنے نہیں دینا ہے۔ رسد اور مالِ غنیمت آپ کا حصہ ہے، اس بارے میں کوئی دعویٰ نہیں کیا جائے گا۔ ہلاؤ خان کی شکست کی صورت میں قہستان میں آپ کی ایک محفوظ ریاست کا قیام عمل میں لایا جائے گا جس کی نگرانی براہ راست اردوئے زریں کرے گی اور ہر قسم کی ضرورت پر بھرپور ساتھ دے گی''۔

''تجویز خاصی پُرکشش ہے''۔ شیخ کبیر الدین نے مسرت کا اظہار کیا ''مجھے یہ پیشکش منظور ہے مگر برقائی خان کو یہ عہد تحریری صورت میں مجھے دینا ہوگا''۔

''اتنی عجلت کا مظاہرہ نہ کیجئے۔ میری بات ابھی پوری طرح مکمل نہیں ہوئی۔ برقائی خاں کی جانب سے قہستان کی ریاست کے قیام میں دو شرائط بھی موجود ہیں''۔ مطیع الدین نے کہا۔

''کیسی شرائط؟'' شیخ کبیر الدین پریشان سا ہوگیا۔

''پہلی شرط یہ ہے کہ آپ کے گروہ کا کوئی فرد اس راز کو منکشف نہیں کرے گا کہ برقائی خان کی جانب سے آپ کو کوئی پیشکش کی گئی ہے۔ اس کا عملی مظاہرہ آپ میری صورت میں دیکھ رہے ہیں کہ کسی منگول سردار کے بجائے مجھے ترجیح دی گئی ہے تاکہ سرائے سے قبستان کا تعلق طشت از بام نہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ماضی میں آپ کے فدائیوں نے رعیت کو بے حد تنگ کیا تھا بے جا قتل و غارتگری کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہ عمل انسانیت کے خلاف ہے۔ مجرم تو ہمیشہ حکمران ہوتے ہیں اور سزا صرف رعایا کو ہی بھگتنا پڑے، یہ دستور عالی ظرف بادشاہوں کے نہیں ہیں۔ آپ کو اس ضمن میں اپنے فدائیوں کی اصلاح کرنا ہوگی تاکہ نہ صرف آپ کی ریاست میں امن وسکون موجود رہے بلکہ دوسری ریاستوں کی رعیت بھی محفوظ رہ سکے''۔

''اوہ! میں تو کچھ اور سمجھا تھا!'' شیخ کبیر الدین نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''ہم لوگ نہ تو غارت گر ہیں اور نہ ہی ہمیں بے جا خون بہانے کا شوق ہے۔ اگر ماضی میں کسی آبادی کو نشانہ بنایا گیا ہے تو اس میں اس وقت کے حالات کے پیش نظر خطرات اور ہمارا تحفظ مضمر رہا ہے۔ بہرکیف میں وعدہ کرتا ہوں کہ فدائیوں کے ہاتھوں کسی کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ رہا سوال اس راز کے انکشاف کا تو بے فکر رہیں، یہ بات ہم تین افراد کے درمیان ہوئی ہے۔ ہم تینوں میں سے ہی کوئی اس بات کو کھول سکتا ہے''۔

''ٹھیک ہے شیخ!'' مطیع الدین نے کہا۔ ''میں کچھ دن تک آپ کے پاس ہی قیام کروں گا، آپ اپنا جواب تحریری شکل میں میرے حوالے کردیں تاکہ میں اس پر تصدیق کرکے برقائی خان کو روانہ کرسکوں''۔

''کیا تحریری مراسلہ خطرے کا باعث نہیں بنے گا؟''

''بے فکر رہیں۔ آپ کا مراسلہ آپ کے ذریعے ہی سمرقند پہنچے گا وہاں مراسلہ ایک خاص فرد کے حوالے کردیا جائے گا تاکہ وہ برقائی خان کے محفوظ ہاتھوں پہنچ جائے۔ اس کے بعد مزید لائحہ عمل اسی انداز میں یہاں پہنچے گا۔ برقائی خان کی جانب سے حملے کی تیاری قریباً مکمل ہو چکی ہے''۔

''شام تک تمہارے پاس ہمارا تحریری مراسلہ پہنچ جائے گا۔ تم آج سے ہمارے مہمان ہو، تمہیں یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی مگر ہماری بھی خواہش ہوگی کہ تم ہمارے کسی معاملے میں مداخلت نہیں کرو گے جس سے ہماری میزبانی میں کوئی فرق پیدا ہو''۔

مطیع الدین نے وہاں سے اجازت لی اور خادم کی رہنمائی میں واپس مہمان خانے کی جانب روانہ ہو گیا۔ مختلف راہداریوں سے ہوتا ہوا وہ اپنے مہمان خانے کی جانب بڑھنے لگا۔ اچانک مطیع الدین کو اپنے عقب میں کسی کا احساس ہوا جیسے کوئی اس کے بالکل قریب پہنچ چکا ہو۔ اس نے غیر ارادی طور پر گردن گھما پیچھے کی جانب دیکھا تو اس پر حیرت کا پہاڑ ٹوٹتا چلا گیا۔ اسے اپنی بصارت پر قطعی یقین نہیں آرہا تھا کہ کیا واقعی اس کے عقب میں شنگ خان ہی موجود ہے۔

❀ ❀ ❀

ملکہ بدرالدین لولوا اپنے بھائی علاء الدین لولو کے ساتھ حلب تو آچکی تھی مگر بلادِ مصر میں سلطان بیبرس کا اقتدار اسے ایک آنکھ نہیں بھایا۔ وہ ہر پل غم وغصے کے عالم میں سلگتی رہی۔ سلطان بیبرس نے اسے شاہی محل میں امراء کے سامنے جس طرح بے عزت کیا تھا وہ اس کی برداشت سے باہر تھا۔ علاء الدین لولو اسے زبردستی اپنے ہمراہ حلب تو لے آیا تھا مگر اس کی زخم خوردہ رُوح کا مداوا نہ کرسکا۔ حلب میں خلیفہ الحاکم بامر اللہ کی خلافت کے قیام کے بعد علاء الدین لولوا سے یوں فراموش کر گیا جیسے اس کا کوئی وجود ہی نہ باقی ہو۔ یہ امر اس کے زخموں پر

نمک چھڑکنے کے مترادف تھا۔ وہ کچھ دن تک صدمے کا شکار رہی۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی طبیعت سنبھلنے لگی۔ وہ خود اپنی بگڑتی حالت پر غور کرنے لگی کہ کیا اس طرح کی زندگی گذارنا اس کے لئے درست ہے؟ اس کا شاطر دماغ بیدار ہوگیا وہ کوئی ایسا راستہ تلاش کرنے لگی جس سے وہ سلطان بیبرس کو اقتدار سے محروم کرپاتی۔ اس نے قاہرہ کی مانند حلب میں بھی مختلف امراء کے حلقے میں اپنا اثر رسوخ بڑھانا شروع کیا۔ کچھ ہی ماہ میں وہ امراء کے حلقے میں بے حد عزت کی نگاہ سے دیکھی جانے لگی۔ حلبی امراء کے کئی ناجائز کاموں کی پشت پناہی کرنے کے باعث ملکہ بدرمنیر لولو کی حیثیت مستحکم ہوگئی۔

علاء الدین لولو تک اس کی حرکات کی خبر پہنچتی رہی مگر اس نے ان چھوٹے معاملات کی جانب دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔ ملکہ بدرمنیر نے جب امراء کو اپنی مضبوط گرفت میں دیکھا تو اس نے سلطان بیبرس کے اقتدار کو نقصان پہنچانے کے لئے منصوبہ بندی شروع کی۔ ایک دن اس نے خاص بااعتماد امراء کو اپنی قیام گاہ پر مدعو کیا۔ شراب وسرود کا اہتمام کیا گیا۔ امراء نے اس خاص محفل میں خوب دل کھول کر عیاشی کی۔ ملکہ بدرمنیر نے محفل کے اختتام پر ان مدہوش امراء کے سامنے ایسی قاتل اداؤں کا مظاہرہ کیا کہ وہ دل وجان سے اس پر فریفتہ دکھائی دینے لگے۔ امراء اس کے ایسے دیوانے دکھائی دینے لگے کہ ہر کوئی اپنے تئیں یہ قیاس کرنے لگا کہ ملکہ بدرمنیر کا جھکاؤ اسی کی جانب ہے۔ ملکہ بدرمنیر نے تھوڑے تھوڑے وقفے کے ساتھ ایسی محافل کا اہتمام کا سلسلہ جاری رکھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امراء کا بڑا حلقہ اس کی زلفوں کا اسیر ہوتا چلا گیا۔

علاء الدین لولو کے پاس اپنی بہن کی خبریں پہنچتیں تو بسا اوقات وہ بھی حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ بدرمنیر کو کیا ہوگیا ہے؟ وہ ایسی عورت تو نہ تھی۔ علاء الدین نے اس کی شرمناک حرکتوں کو سلطان الملک المظفر کے قتل کے صدمے کا ردعمل قرار دیتے ہوئے نظرانداز کردیا۔ البتہ امراء کے حلقے کی قربت کو تشویش بھری نگاہوں سے دیکھا۔ اس نے کئی مخبروں کو امراء کی حرکات پر گہری نظر رکھنے کے لئے مامور کردیا تاکہ اس کے خلاف کوئی سازش پروان نہ چڑھ سکے۔

ملکہ بدرمنیر لولو نے جب یہ دیکھا کہ امراء کا حلقہ مکمل طور پر اس کا گرویدہ ہو چکا ہے تو اس نے اپنی منصوبہ بندی کے تحت انہیں سلطان بیبرس کے خلاف بھڑکانا شروع کردیا۔ سلطان بیبرس کے بارے میں ان کی معلومات کچھ زیادہ نہیں تھیں۔ انہوں نے ملکہ بدرمنیر کی باتوں پر اندھا یقین کرلیا۔ کچھ دن تک یہ سلسلہ جاری رہا جس کے باعث وہ امراء سلطان بیبرس کو اپنا ذاتی دشمن گمان کرنے لگے۔ ملکہ بدرمنیر نے جب یہ کامیابی دیکھی تو اس نے ایک دن تین خاص امراء کو بلوایا جو کہ دل وجان سے اس پر فدا تھے۔ ملکہ بدرمنیر نے اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد اچانک سلطان بیبرس کا ذکر چھیڑ دیا۔ ملکہ بدرمنیر کے منہ سے سلطان بیبرس کا نام نکلنے کی دیر تھی کہ فرطِ طیش سے ان کے چہرے دہکنے لگے۔ آنکھوں میں خون سا اتر آیا۔

''ابن ذبب! یوں تاؤ کھانے سے کچھ نہیں ہوگا سلطان بیبرس کو اقتدار سے ہٹانے کی بابت کچھ کرکے دکھاؤ تو بات بنتی ہے''۔ ملکہ بدرمنیر نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

''ملکہ عالیہ! قسم ہے اس رب کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، مجھے تو کچھ بھائی نہیں دیتا کہ کیا کیا جائے۔ اگر وہ سلطان نہ ہوتا تو میں اسے قتل کرنے میں ایک لمحہ کی تاخیر نہ کرتا''۔

''ملکہ عالیہ!'' دوسرا امیر ابوبکر حماد تیزی سے بولا۔ ''قاہرہ دور تو ضرور ہے مگر یہ فاصلہ کسی مقصد کے تحت ہی طے کیا جائے تو مناسب ہے''۔

''میرے ذہن میں ایک ترکیب موجود ہے جس سے سلطان بیبرس کا اقتدار خطرے سے دوچار ہوسکتا

ہے''۔ ملکہ بدرمنیر نے سرگوشی میں کہا وہ تینوں چونک کر اس کی جانب بے تاب نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ ملکہ بدرمنیر نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''قاہرہ میں دو قسم کی حکومتیں موجود ہیں بالکل اسی طرح جیسے کہ حلب میں..... ایک حکومت سلطان بیبرس کی ہے اور دوسری نئے عباسی خلیفہ کی۔ جیسے ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں اسی طرح قاہرہ میں دو حکومتیں کیونکر موجود رہ سکتی ہیں۔ کیا تم لوگ اس موقعے سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے''۔

بات کسی حد تک معقول بھی تھی، وہ تینوں یوں ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے جیسے انہیں اپنی نادانی پر تعجب ہو کہ یہ بات پہلے ان کے ذہن میں کیوں نہیں آئی۔

''ملکہ عالیہ! آپ کی بات تو درست ہے مگر جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے کہ دونوں حکومتیں باہم مربوط ہیں اور ان کے درمیان کوئی ایسا رخنہ موجود نہیں ہے جہاں کسی کو فائدہ حاصل کرنے کا موقعہ میسر آ سکتا ہو''۔ امیر ابن زہب نے کہا۔

''سب کچھ ممکن ہے ابن زہب!'' ملکہ بدرمنیر اک ادا سے مسکرائی۔ ''اپنے ذہن کا استعمال کرو تو موقعہ خود پیدا ہو جاتا ہے۔ کیا تم نے اس بارے میں کبھی سوچا ہے کہ خلیفہ کا اصلی مقام بغداد ہے نا کہ قاہرہ..... خلافت کی عزت و حرمت اس وقت تک بحال نہیں ہو سکتی جب تک بغداد کو تاتاریوں کی گرفت سے واپس نہ حاصل کیا جائے''۔

''یعنی خلیفہ کے ذہن میں ایسا زہر اتارا جائے کہ وہ فرطِ جوش میں بغداد کی جانب کوچ کرنے پر مجبور ہو جائے اور خلیفہ کی رفاقت میں بیبرس کو بھی تاتاریوں سے بھڑنا پڑے''۔ ابوبکر حماد نے وضاحت طلب کرتے ہوئے کہا۔

''کسی حد تک ممکن ہے کہ سلطان بیبرس بھی میدان میں نکلے یا وہ کھلا انکار کر دے۔ دونوں صورتوں میں فائدہ ہو سکتا ہے۔ اختلاف کو سر اُٹھانے کا موقعہ مل جائے گا اور پھر یہ کام آسان ہو جائے گا''۔ ملکہ بدرمنیر نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''تاتاریوں کو شکست دے کر بیبرس کا حوصلہ کافی بڑھ چکا ہے میرا نہیں خیال کہ وہ اس مرحلے میں پیچھے ہٹے گا یا تاتاریوں سے شکست کھا جائے گا''۔ ابن زہب نے خدشہ ظاہر کیا۔

''معرکہ عین جالوت میں ہلاکو خان خود مقابل نہیں تھا اور دوسرا میدان جنگ میں تاتاریوں کی تعداد بھی ناکافی تھی۔ ہر بار خوش قسمتی ساتھ نہیں دیتی۔ ہلاکو خان کے بارے میں اطلاعات ہیں کہ وہ جلد ہی اس جانب واپس لوٹنے والا ہے۔ اگر اسے یہ خبر مل جائے کہ خلیفہ یا سلطان بیبرس بغداد کی واپسی کے لئے عسکری تیاری کر رہے ہیں تو وہ اپنے سفر میں تیزی پیدا کر دے گا۔ اصلی معرکہ بغداد کی بازیابی پر ہی دیکھنے کو ملے گا کہ کون فاتح ہے اور کون مفتوح''۔

''ملکہ عالیہ! آپ بے فکر رہیں میں جلد ہی قاہرہ روانہ ہو جاؤں گا اور خلیفہ سے مل کر اسے اس امر پر آمادہ کروں گا کہ قاہرہ خلافت کے شایانِ شان نہیں ہے بغداد مسلمانوں کی وحدت کا حقیقی مرکز ہے اور وہ اپنے پایہ تخت بغداد کو دوبارہ آباد کرنے کی کوشش کرے''۔

''مجھے امید ہے کہ اگر ایسا ہو گیا تو یقیناً سلطان بیبرس کا اقتدار مختصر ہو کر رہ جائے گا''۔ ملکہ بدرمنیر نے شراب کا ایک جام ابن زہب کو پیش کرتے ہوئے ایسی دلکشی کا مظاہرہ کیا کہ وہ پہلو بدلنے پر مجبور ہو گیا۔

❁ ❁ ❁

ذی قعدہ 659ھ میں حلبی امیر ابن زہب نے قاہرہ میں عباسی خلیفہ مستنصر باللہ سے ملاقات کی اور اس کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے نہ صرف سلطان بیبرس کے احیائے خلافت کے اقدام کو سراہا بلکہ اس کے سامنے بغداد کے حسین شب و روز اور بازاروں کا ذکر کچھ ایسی خوبصورتی سے پیش کیا کہ خلیفہ مستنصر باللہ اپنی جگہ تڑپ کر رہ گیا۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے بغداد کے آخری ایام کی بہاریں اپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں اور اس کی عمر کا ایک حصہ انہی بازاروں، باغات اور محلوں میں بسر ہوا تھا۔ ابن زہب کے منہ سے بغداد کا ذکر سن کر بغداد کا سارا نقشہ اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا۔ امیر ابن زہب نے چرب زبانی سے متقول خلیفہ مستعصم باللہ کی اعلیٰ شاہی مجالس و ضیافتوں اور زرق برق دربار کی بھی تصویر کشی کی۔ خلیفہ مستنصر باللہ جہاں اس کے منہ سے بغداد کا ذکر سن کر مسرور ہوا تھا وہیں اس کے چہرے پر غم و مایوسی کی سلوٹیں پڑ گئیں۔

''امیر المومنین! کیا بات ہے آپ کے چہرے پر یاسیت کیسی؟'' ابن زہب بولا۔

''بغداد کا نام سن کر ہماری رُوح کو گہری تکلیف پہنچی ہے مگر ہم اللہ تعالیٰ کے مصلحت کے سامنے کیا کر سکتے ہیں؟ بغداد کی تباہی و بربادی ہی اس کا مقدر بن چکی تھی تو بھلا اسے کون روک سکتا تھا؟ جب تک ہماری سانس باقی ہے بغداد کے حسین و خوابناک مناظر ہمیشہ ہماری نگاہوں کے سامنے گردش کرتے رہیں گے''۔

''امیر المومنین!'' ابن زہب مؤدب لہجے میں بولا۔ ''شہروں پر ایسی قیامت ٹوٹتی رہتی ہے، آپ ہمت نہ ہاریئے بلکہ کچھ ایسی تدبیر کیجئے کہ بغداد کی اجڑی ہوئی رونقیں واپس لوٹ آئیں۔ پرانے محلات کی جگہ نئے محلات سر اُٹھائیں۔ ایک نیا بغداد وجود میں آ جائے''۔

''بہت مشکل ہے، ہمارا دشمن بے حد طاقتور ہے، جب تک اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہدایت نصیب نہیں ہو گی ایسا ہونا دشوار ہو گا۔ ہم جنگ لڑنے سے نہیں گھبراتے مگر خلقت خدا کو ان درندوں کے ہاتھوں سونپ دینا ہمیں گوارا نہیں ہے۔ وہ ایسے وحشی ہیں کہ جنگوں میں ہونے والے نقصان کا بدلہ ہمیشہ رعیت کے قتال سے وصول کرتے ہیں''۔

''امیر المومنین! آپ اگر خود ہمت کریں گے تو ایسا ہونا مشکل نہیں ہے۔ اگر بغداد کی تباہی کو حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو اس میں امیر المومنین مستعصم باللہ بھی برابر کے قصوروار دکھائی دیتے ہیں کہ انہوں نے اس طاقت ور دشمن کے مقابلے میں خود میدان میں اترنے کے بجائے سالاروں سے کام لیا اگر وہ خود میدان میں اتر آتے تو یقیناً بہت سارے لوگ ان کے ساتھ چل پڑتے۔ آج بھی اگر آپ بغداد کی مہم کا اعلان فرمائیں تو یقیناً ملت اسلامیہ کے تمام کونوں سے مجاہدین جوق در جوق آپ کے پرچم تلے جمع ہو جائیں گے پھر تاتاریوں کو سبق سکھانا دشوار نہیں ہو گا''۔ ابن زہب نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

''تمہاری بات اپنی جگہ درست ہے مگر ہم خود میں اتنی سکت نہیں محسوس کرتے کہ مسلمانوں کے اجڑے ہوئے دیار میں اتنی بڑی مہم کا بیڑہ اُٹھایا جائے اور محض بغداد کی بازیابی کے لئے خلقت خدا کی کثیر تعداد کو امتحان میں ڈال دیا جائے۔ ہمارے محسن سلطان الملک الظاہر نے ہمارے لئے بہت کچھ کیا ہے۔ اتنی بڑی مہم کا بوجھ اس کے کندھوں پر ڈالنا بھی ہماری فطرت کو گوارا نہیں ہے''۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے جواب دیا

''امیر المومنین! حقیقت تو یہ ہے کہ ہلاکو خان مراغہ سے واپس لوٹنے والا ہے اور وہ یقیناً تاتاری شکست کا بدلہ لے گا اور قاہرہ کی جانب موت کا بگولا بن کر نازل ہو گا اگر اس کی آمد سے پہلے ہی بغداد پر قبضہ کر لیا جائے اور بغداد کے دوسری جانب ہی بھرپور انداز میں اس کا مقابلہ کیا جائے تو کیا زیادہ موزوں نہیں ہو گا؟''

''بالکل موزوں رہے گا ....'' اچانک سلطان بیبرس کی آواز سنائی دی۔ امیر ذہب اور دیگر لوگوں نے اٹھ کر اس کا خیر مقدم کیا۔ امیر ذہب نے سلطان بیبرس کو پہلی بار دیکھا تھا اس لئے وہ جز بز سا دکھائی دیا۔

''امیر المومنین!'' سلطان بیبرس بولا۔ ''آپ بے فکر رہیں میں ہلاکو خان کی آمد کا منتظر ہوں جیسے ہی وہ مرانغہ سے نکلے گا تو مجھے خبر ہو جائے گی۔ ہم یہ معرکہ بلادِ شام کی سرحدوں پر ہی لڑیں گے اور تاتاریوں کو یہ بتا دیں گے کہ وہ خدا نہیں ہیں، ان کی تسخیر ہمارے لئے کوئی مشکل امر نہیں ہے''۔

امیر ذہب اسی دوران ساتھ بیٹھے امراً سے سلطان بیبرس کے بارے میں جان چکا تھا۔

''امیر المومنین!'' امیر ابن ذہب بولا۔ ''میری رائے ہے کہ تاتاریوں سے یہ مقابلہ آپ خود کریں تاکہ خلافت پر لگے ہوئے سب داغ دھل جائیں۔ اگر آپ سلطان محترم کے ساتھ اس مقابلے میں جاتے ہیں یا انہیں روانہ کرتے ہیں تو مقام خلافت محکوم متصور ہوگا۔ ویسے بھی بلادِ شام و شرقیہ میں قاہرہ کی خلافت کو شک کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے جبکہ حلب کی خلافت کو قاہرہ کی خلافت کی نسبت زیادہ موزوں خیال کیا جا رہا ہے کیونکہ وہ نہ صرف بلادِ فلسطین میں موجود ہے بلکہ بغداد کے حصول کے لئے عسکری تیاریوں میں بھی مصروف ہے''۔

''تم حلب سے قاہرہ آئے ہو، ہماری میزبانی کا ناجائز فائدہ نہ اُٹھاؤ۔ حلب میں علاء الدین نے جو کچھ کیا ہے ہم بخوبی اس سے واقف ہیں اور جو کچھ کرنے کا تہیہ کئے ہوئے ہے، ہم خوب جانتے ہیں۔ تمہارے سنا سب یہی ہوگا کہ یہاں شرانگیزی پھیلانے کے بجائے آج ہی واپس لوٹ جاؤ''۔ سلطان بیبرس درشت لہجے میں بولا۔ امیر ابن ذہب سلطان بیبرس کی باخبری پر دنگ رہ گیا۔ اس نے ادھر ادھر گھومنا چاہا مگر سلطان بیبرس نے اسے وقت ضائع کئے بغیر قلعہ جبل سے نکلوا دیا۔ خلیفہ مستنصر باللہ سب کچھ خاموشی سے دیکھتا رہا۔ جاتے ہوئے امیر ابن ذہب نے واویلا مچاتے ہوئے یہ زہر بھی اگل ڈالا کہ سلطان بیبرس نے امیر المومنین کا احترام بھی ملحوظ نگاہ نہیں رکھا اور اپنا فیصلہ سنا کر یہ واضح کر دیا ہے کہ قاہرہ میں خلافت برائے نام ہے، اصلی حکومت سلطان بیبرس کی ہی ہے۔ یہ زہر فشانی کسی حد تک خلیفہ کے ذہن میں سرایت کر گئی تھی۔ وہ پہلی بار یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کیا واقعی یہی حقیقت ہے؟ وہ ایک لمحے کے لئے جب سلطان بیبرس کی عنایتوں پر نظر ڈالتا تو اسے اپنے احساس پر ندامت سی محسوس ہوتی مگر بغداد کی خود مختار زندگی کا احساس قاہرہ کی نسبت زیادہ پُرکشش تھا۔

سلطان بیبرس نے امیر ابن ذہب کے جانے کے بعد اپنے طرزِ عمل کی معافی مانگتے ہوئے خلیفہ مستنصر باللہ پر واضح کیا کہ یہ سب کچھ شرارت کے پیشِ نظر کیا گیا ہے، امیر ابن ذہب کا حلب سے یہاں پہنچنا اور پھر رخنے ڈالنے کی کوشش کرنا اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ حلب کے خلیفہ کو خلقِ خدا کے بجائے بغداد کی زیادہ فکر ہے۔ وہ ایک طاقت ور دشمن کی موجودگی میں مجاہدین کو تقسیم کر کے اس اتحاد کو پارہ پارہ کرنا چاہتا ہے جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ہمیں تاتاریوں پر فتح عطا فرمائی ہے۔ سلطان بیبرس کی وضاحت نے ماحول کی بدمزگی کو رفع تو کر دیا تھا مگر خلیفہ مستنصر باللہ کے دل میں گرہ پڑ چکی تھی۔ وہ مقامِ خلافت کی حیثیت کی بقاء کی فکر میں مبتلا ہو گیا۔ امیر ابن ذہب جس ناپاک عزم کی تکمیل کے لئے قاہرہ آیا تھا اس میں وہ کسی حد تک کامیاب ہو چکا تھا۔

خلیفہ مستنصر باللہ نے چند دن بعد سلطان بیبرس کو بلوا بھیجا اور اس کے سامنے بغداد کی واپسی کا ارادہ ظاہر کیا۔ سلطان بیبرس خلیفہ مستنصر باللہ کے منہ سے یہ سن کر چونک پڑا۔ اسے اس بات کا احساس ہو گیا کہ ابن ذہب کی بات امیر المومنین کے دل میں گھر کر چکی ہے لہٰذا اس نے بلا تکرار خلیفہ مستنصر باللہ کی تائید کرتے

ہوئے اس کے خیال کی تعریف کی۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ خلافت کی عظمت اسی میں مخفی ہے کہ اس مہم کی قیادت وہ خود کرے۔ سلطان بیبرس نے اس کی مخالفت نہیں بلکہ اس معرکے کے لئے اپنی تمام مملوک افواج روانہ کرنے کی پیشکش کی۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے مملوک افواج کے بجائے رضا کار مجاہدین کی نئی فوج تشکیل دینے کی خواہش ظاہر کی جو کہ بغداد کے حصول کے بعد اس کی حفاظت پر تعینات کی جا سکتی۔ خلیفہ مستنصر باللہ کی اس خواہش سے آشکار ہو چکا تھا کہ وہ قاہرہ کے بجائے بغداد میں ہی سکونت چاہتا ہے۔ اس حیران کن اور منگی فرمائش پر سلطان بیبرس تذبذب کا شکار ہو گیا۔ کچھ دیر کے غور و خوض کے بعد اس نے خلیفہ مستنصر باللہ کی خواہش پوری کرنے کا وعدہ کر لیا۔

سلطان بیبرس قلعہ جبل سے نکل کر شیخ عزالدینؒ کے پاس پہنچا اور ان کے سامنے تمام احوال و کیفیت بیان کر دیا۔ شیخ عزالدینؒ نے کچھ دیر کے بعد اسے یہ مشورہ دیا کہ ابھی بغداد کی واپسی کا وقت نہیں ہے۔ امیر المومنین کو یہ کڑا قدم نہیں اُٹھانا چاہئے سلطان بیبرس ان کی بات سن کر پریشان سا ہو گیا کیونکہ امیر المومنین کی دلی خواہش کو مسترد کیا جانا حالات کی کشیدگی کا باعث بن سکتی تھی۔ دوسرا یہ بھی ممکن تھا کہ خلیفہ مستنصر باللہ سلطان بیبرس کے عزل کا اعلان کر دیتا۔ ایسی صورت میں مملوک و مصری امراً کا ساتھ بھی ختم ہو سکتا تھا کافی سوچ و بچار کے بعد اس نے امیر المومنین کے لئے نئی فوج کی تشکیل کا حکم دے دیا۔ یہ فوج رضا کار مجاہدین پر مشتمل تھی جس میں کئی امراً بھی شامل تھے۔ ان میں کثیر تعداد ایسے مجاہدین کی تھی جنہوں نے معرکہ عین جالوت میں حصہ لیا تھا۔ انہیں پہلے سے تربیت دی گئی تھی لہٰذا انہیں مزید تربیت دے کر دستوں کی شکل میں بانٹ دیا گیا۔ نہایت زور و شور سے بغداد کی واپسی کی مہم کا اجرأ عمل میں لایا گیا۔ سلطان بیبرس نے اس کام کے لئے دس لاکھ دینار مختص کئے۔ نئی فوج کے لئے بھرپور ساز و سامان کا انتظام کیا گیا۔ خلیفہ مستنصر باللہ یہ سب دیکھ کر بے حد مسرور ہوا اور عالمِ تصور میں اجڑے ہوئے بغداد کو دوبارہ بسانے کے خواب دیکھنے لگا۔

❀ ❀ ❀

حلب کے سلطان علاء الدین لولو کو بہت جلد قاہرہ میں ہونے والی اس نئی پیش رفت کی خبر ہو گئی۔ وہ سلطان بیبرس کے اس اقدام پر جل بھن کر رہ گیا۔ حلبی خلیفہ الحاکم بامراللہ کے ساتھ خلافت کا اجرأ کے موقعے پر اس نے اسی شرط کے تحت طے کیا تھا کہ وہ بغداد کی واپسی کی مہم کے لئے بہت جلد تیاری کر کے نکلے گا۔ اگر سلطان بیبرس اس سے پہلے بغداد کی مہم پر روانہ ہو جاتا تو قرین قیاس یہی تھا کہ خلیفہ الحاکم بامراللہ اپنے ہاتھ کھڑے دیتا۔ وہ اس گھمبیر صورتِ حال میں پھنس کر رہ گیا۔ ایک جانب حلب کی حکومت اور خلافت سے اس کی حیثیت مستحکم تھی تو دوسری طرف مالی طور پر ایسے حالات نہیں تھے کہ اتنے بڑے معرکے کا فوری بندوبست کیا جاتا۔

سلطان علاء الدین نے غور و خوض کے بعد یہ طے کیا کہ اسے سلطان بیبرس کی مہم کو ناکام بنا دینا چاہئے تاکہ اس کی شہرت داغ دار ہو جائے۔ پھر کچھ عرصہ میں اپنی تیاری مکمل کر کے تاتاریوں سے بغداد واپس لیا جائے۔ اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے اس نے ایسے امراً کا انتخاب کیا جو سلطان بیبرس کو ناپسند کرتے تھے۔ امیر ابن ذہب بھی انہی میں شامل تھا۔ اسے سلطان بیبرس پر بے حد غصہ تھا۔ سلطان علاء الدین نے تمام صورتِ حال ان امراً کے سامنے رکھتے ہوئے انہیں باور کرایا کہ اگر قاہرہ کی حکومت تاتاریوں سے بغداد واپس لینے میں کامیاب ہو گئی تو پھر حلب کی حکومت کا وجود ختم ہو جائے گا۔ خلیفہ کا اعزاز جو ہمارے پاس موجود ہے، اس کی کوئی قدر باقی نہیں رہے گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خلیفہ الحاکم بامراللہ خود ہی قاہرہ کی خلافت کے حق میں

دستبردار ہو جائے۔ ریاست حلب کی بہتری اسی امر میں مضمر ہے کہ فوری طور پر ایسے اقدامات اُٹھائے جائیں جن سے سلطان بیبرس کی مہم تاخیر کا شکار ہو جائے یا پھر معرکے میں سلطان بیبرس کو یقینی شکست ہو۔

سلطان بیبرس کے مخالف امرأ نے سر جوڑ کر سوچ بچار کے بعد یہ مشورہ دیا کہ قاہرہ کا جاسوسی نظام بے حد مضبوط ہے وہاں رہتے ہوئے کسی قسم کی منصوبہ بندی کو پایہ تکمیل تک پہنچانا کافی دشوار ہے چونکہ خلیفہ مستنصر باللہ نے بغداد کے لئے عام جہاد کا اعلان کیا ہے اس لئے اگر ہم نے کسی بھی رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی تو ممکن ہے رعیت ہی ہمارے خلاف ہو جائے۔ اس لئے عسکری قوت کی روانگی میں تاخیر پیدا نہیں کی جا سکتی البتہ یہ ہو سکتا ہے فی الوقت تاتاریوں کے ساتھ خفیہ طور پر سمجھوتہ کر لیا جائے اور انہیں سلطان بیبرس کی ہر پیش رفت کی قبل از وقت آگاہی دے دی جائے تاکہ وہ مؤثر انداز میں اپنا دفاع کرتے ہوئے انہیں شکست سے دوچار کر دیں۔

امرأ کا مشورہ سلطان علاء الدین لولو کو بے حد بھایا۔ وقت کا تقاضا کچھ ایسا تھا کہ سلطان بیبرس کی شکست کا سامان اسی طریقے سے ممکن تھا۔ سلطان علاء الدین نے بظاہر امرأ کے سامنے تاتاریوں سے کسی بھی قسم کے سمجھوتے پر صاف الفاظ میں انکار کر دیا اور یہ ظاہر کیا کہ آنے والے وقت میں وہ خود بغداد کی جانب پیش قدمی کا ارادہ رکھتا ہے اس لئے سمجھوتے کے پیش نظر وہ اس معرکے سے معذور ہو سکتا ہے اور خلیفہ الحاکم بامر اللہ بغداد کی مہم میں تاخیر پر ناراض ہو سکتا ہے۔ اس نے امرأ کو یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ وہ اس کے علاوہ اور سوچیں اور پھر اسے آگاہ کریں۔

اسی شام سلطان علاء الدین نے اپنے خاص بااعتماد غلاموں کا ایک وفد تیار کیا اور انہیں ایک طویل مراسلے کے ساتھ بغداد روانہ کیا جہاں ہلاکو خان کا نائب موجود تھا۔ اس مراسلے میں سلطان علاء الدین لولو نے تاتاریوں کے خاص حلیف اپنے باپ سلطان بدر الدین لولو امیر موصل کی خدمات کا تذکرہ کیا اور اپنے باپ کی طرح اپنی مکمل اطاعت کی یقین دہانی کرائی، ساتھ ہی سلطان بیبرس کی تازہ مہم کے بارے میں تفصیل سے تحریر کیا اور مزید خبروں سے باخبر کرنے کا وعدہ کیا۔ اس مراسلے کے ساتھ اس نے ہلاکو خان کی خدمت میں کئی نادر تحائف بھی روانہ کئے۔ یہ سب اتنے خفیہ انداز میں کیا گیا کہ کسی کو بھی خبر نہ ہو سکی۔

سلطان علاء الدین ہر قیمت پر سلطان بیبرس کو بدترین شکست سے دوچار کرنا چاہتا تھا تاکہ بلادِ مصر میں بغاوت و انتشار کی فضا گرم ہو جائے۔ مملوک اور مصری امرأ سلطان بیبرس کے انتخاب پر دل برداشتہ ہو کر اسے معزول کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ ایک ایسے دور میں سلطان علاء الدین لولو کا یہ اقدام مسلمانانِ اسلام کے لئے نہایت خطرناک تھا۔ انہیں تاتاریوں سے نجات ملے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ اگر سلطان علاء الدین لولو اپنے ارادوں میں کامیاب ہو جاتا تو کم از کم اگلے پچاس برس تک تاتاریوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتال جاری رہ سکتا تھا۔ بلادِ شام و شرقیہ اور بلادِ فلسطین کے بعد بلادِ مصر و افریقہ بھی تاتاریوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو جاتے۔

❁ ❁ ❁

زرّیں خیل قا آن اعظم برقائی خان کی تمام عسکری تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ اس نے ہلاکو خان پر خود آگے بڑھ کر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اسی دوران مطیع الدین کا پیغام بھی اسے موصول ہو گیا جس میں اس نے فدائیوں کے ساتھ دینے پر آمادگی کی خبر دی۔ برقائی خان نے اپنے عسکری سالاروں سے صلاح مشورہ کر کے ایک خاص درّے کو میدان جنگ قرار دیا۔ اس مقام سے ریاست اردوئے زریں بھی محفوظ رہ سکتی تھی اور خراساں کی جانب آنے والی کمک اور رسد کا رستہ بھی روکا جا سکتا تھا۔ پہاڑی علاقے کے باعث فدائی حملہ

آوروں سے ہلاکو خان کے لشکر کو نقصان پہنچ سکتا تھا اور وہ حملہ آور ان کی نگاہوں سے بچ کر نکل بھی سکتے تھے۔

برقائی خان کے پاس جب معرکہ عین جالوت کی خبر پہنچی تو اسے بے حد خوش ہوئی۔ اس کے فہم و تدبر نے اس کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی کہ ہلاکو خان کو شکست دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سلطان مصر سے بھی تعلقات استوار کئے جائیں۔ اس نے اپنے مخبروں کو ہدایت کی کہ وہ بلادِ مصر کے سلطان کے بارے میں صحیح اور مکمل تفصیل روانہ کریں۔ سلطان بیبرس کی بلادِ شام و شرقیہ میں مختلف کارروائیوں اور مقبوضات میں سے تاتاری انخلاء کی خبریں اس ملتی رہیں جن سے اس کی نگاہ میں سلطان بیبرس کی قدر و منزلت بڑھ گئی۔

برقائی خان نے فوری طور پر ایک منگول وفد تیار کیا اور ایک مراسلہ سلطان بیبرس کے نام تحریر کیا جس میں واضح کیا گیا کہ الحمدللہ ہم لوگ مسلمان ہیں اور ہمارے قلوب ایمان کی روشنی سے پوری طرح منور ہیں۔ ہم اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کے لئے اپنے کافر رشتہ داروں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ انہیں کسی بھی قیمت پر اسلامی مقبوضات کی جانب بڑھنے نہیں دیں گے لہٰذا سلطان مصر کو چاہئے کہ وہ پوری تندہی سے ان تمام علاقوں پر چڑھائی کر دے جہاں جہاں ایل خانی منگول قابض ہیں۔ اسلامی علاقوں سے ایل خانی منگولوں کا انخلاء ہی مسلمانوں کے حق میں بہتر ہے۔

برقائی خان نے مراسلہ وفد کے حوالے کیا اور انہیں محفوظ علاقوں کی جانب سے قاہرہ روانہ کر دیا۔

برقائی خان نے منگول وفد کو سرکاری انداز میں روانہ کرنے کے بجائے مطیع الدین کی طرح انہیں بھی تاجر کے روپ میں بھیجا تاکہ کسی کو شک نہ گذرے۔ برقائی خان کی کوشش تھی کہ ہلاکو خان کے تمام حریفوں کو ایک ساتھ اس کے سامنے لا کھڑا کیا جائے تاکہ ہلاکو خان کی شکست یقینی ہو جائے۔ ہلاکو خان کی شکست کی صورت میں اسلامی مقبوضات نہ صرف آزاد ہو جاتے بلکہ ڈیڑھ سو سال سے جاری قتال و غارت گری کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا۔ ہلاکو خان کی شکست آسان بات نہیں تھی کیونکہ وہ اس قدر وسیع رقبے پر قابض تھا کہ اسے بزورِ شمشیر فتح کرنے میں کافی وقت درکار تھا اور سب سے بڑی مشکل انتہائی سرد موسم کی تھی جس میں سفر کرنا محال ہو جاتا ہے۔

انہی دوران برقائی خان کو ہلاکو خان کے لشکروں میں موجود اردوئے زرّیں کے باشندوں کی خبریں بھی موصول ہوئیں۔ یہ لوگ چنگیز خان اور منگو خان کے ادوار میں مفلسی اور بے روزگاری کے باعث اپنے وطن سے نکل کر مختلف منگول افواج میں شامل ہوئے تھے۔ ہلاکو خان اور برقائی کی کھلی عداوت کے باعث ان زرّیں خیل دستوں کو حقارت سے دیکھا جانے لگا اور ایل خانی سپاہی برملا انہیں برا بھلا کہنے لگے۔ باہمی چپقلش کی شکایات جب ہلاکو خان تک پہنچیں تو اس نے بھی اپنے حلیف قبیلوں کی حمایت کی جس سے ناراضگی اور بغاوت کے آثار پیدا ہو گئے۔ برقائی خان کے سامنے یہ تمام صورتِ حال آئی تو اس نے صاف الفاظ میں اعلان کر دیا کہ ایل خانی سلطنت میں اردوئے زرّیں کے باشندوں پر ہونے والے ظلم کے بعد کسی قسم کے سمجھوتے کی گنجائش باقی نہیں رہی لہٰذا تمام زرّیں خیل سپاہی ہلاکو خان کا لشکر چھوڑ کر اپنے وطن واپس آ جائیں یا دوسرے محفوظ مقامات کی جانب نکل جائیں۔

اس اعلان کی خبر جب ان دستوں تک پہنچی تو انہوں نے جوق در جوق روانگی اختیار کی۔ ہلاکو خان نے اس امر کو کھلی بغاوت قیاس کرتے ہوئے ان دستوں کے قتلِ عام کا حکم جاری کر دیا۔ مراغہ سے حدود اردوئے زرّیں تک مختلف مقامات پر جھڑپوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ زرّیں خیل سپاہی لڑتے بھڑتے درِ بند کی راہ سے دشتِ قپچاق سے ہوتے ہوئے واپس وطن لوٹتے رہے۔ جن سپاہیوں کو اس جانب آنے کا موقعہ نہ مل سکا وہ

سمرقند و بخارا کی جانب نکل گئے۔ زرین خیل دستوں کے دستے اسلامی مقبوضات میں داخل ہوتے گئے۔ ہلاکو خان نے اسلامی مقبوضات میں ان کے داخلے کو خطرہ سمجھتے ہوئے خراساں کی حکومت کو ان کے قتلِ عام کا حکم دے دیا۔ اس طرح یہ دستے جان بچانے کے لئے لڑتے بھڑتے بلادِ شام و شرقیہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ سینکڑوں کی تعداد میں زرین خیل سپاہی سفر کرتے ہوئے بلادِ شرقیہ و شام میں داخل ہو گئے۔

سلطان بیبرس کو جلد ہی منگول دستوں کی آمد کی خبریں موصول ہونا شروع ہو گئیں۔ یہ اتفاق تھا کہ زرین خیل دستوں میں زیادہ تر تعداد مسلمان منگولوں کی تھی۔ سلطان بیبرس نے ان کی آمد پر فوراً بلادِ شام کی جانب مراجعت کی۔ سلطان بیبرس نے ان منگول سپاہیوں سے خود ملاقات کی۔ منگول سپاہیوں نے سلطان بیبرس سے پناہ کی درخواست کی۔ سلطان بیبرس کو انہی پناہ گیر سپاہیوں سے برقائی خان اور اس کی عظیم سلطنت کے مفصل حالات معلوم ہوئے۔ سلطان بیبرس کی دور بیں نگاہوں نے فوراً بھانپ لیا کہ برقائی خان سے دوستانہ مراسم قائم کرنے میں کتنے فوائد مضمر ہیں چنانچہ اس نے فوراً ایسے زرین خیل سپاہیوں کو بلادِ شام و شرقیہ سے جمع کر کے مصر کی جانب بھیجنے کا حکم جاری کر دیا۔ قاہرہ واپس پہنچ کر اس نے ایک سفارت مرتب کی اور اسے قسطنطنیہ کے راستے اردوئے زرین کے دارالحکومت سرائے کی جانب روانہ کر دیا۔ چند ہی دن کے بعد مخبروں نے سلطان بیبرس تک یہ خبر پہنچائی کہ قیصرِ روم نے سلطان بیبرس کی اس سفارت کو قسطنطنیہ میں ہی روک لیا ہے۔ قیصرِ روم ہلاکو خان کا خاص حلیف تھا اور وہ اس کی خوشنودی سے تاتاریوں کا رُخ اسلامی علاقوں کی جانب موڑے ہوئے تھا۔ سلطان بیبرس کو پہلی بار یہ محسوس ہوا کہ قیصرِ روم کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کو کسی دوسرے ڈھب پر استوار کرنا ضروری ہے۔

ابھی سلطان بیبرس قیصرِ روم کے بارے لائحہ عمل سوچ رہا تھا کہ اسے خبر ملی کہ برقائی خان کی جانب سے ایک سفارت بلادِ مصر کی حدود میں داخل ہو چکی ہے۔ سلطان بیبرس نے فوری طور پر اسے اپنے پاس بلوایا۔ زرین خیل منگول وفد نے سلطان بیبرس کی خدمت میں پہنچ کر نہ صرف معرکہ عین جالوت کی فتح کی مبارکباد دی بلکہ زرین خیل منگولوں کی جانب سے مکمل حمایت کا اظہار بھی کیا۔ سلطان بیبرس نے بھرے دربار میں برقائی خان کا خط پڑھوایا اور اس کے دل میں موجود اسلام کے لئے جذبات کی تعریف و توصیف کی۔ سلطان بیبرس کے عالی ذہن نے اس بات کو فوری محسوس کر لیا تھا کہ تاتاریوں کے خلاف سب سے بڑے دشمن اسے ان کے اندر ہی سے مل سکتے ہیں جو کہ صحیح معنوں میں ان سے مقابلے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ منگولوں کے منقسم ہونے کی اطلاع اس کے لئے بے حد خوش آئند تھی۔ سلطان بیبرس نے سفارتی وفد کے ساتھ عمدہ سلوک کیا جس سے ان کی طبیعت خوش ہو گئی۔ سلطان بیبرس نے ان کی ملاقات خلیفہ مستنصر باللہ سے کرائی جہاں انہیں قیمتی خلعتوں سے نوازا گیا۔ سلطان بیبرس نے ان کی دلجوئی کے لئے پناہ گیر زرین خیل دستوں میں کئی قابل افراد کو اپنے حلقے میں اعلیٰ مراتب پر فائز کیا۔ علاوہ ازیں اس نے امیر المومنین سے رسمی اجازت لے کر بلادِ مصر کے خطبات میں ان کے اور اپنے نام کے ساتھ برقائی خان کے نام کو شامل کیا۔ سفارتی وفد کی ایسی آؤ بھگت کی گئی کہ وہ سلطان بیبرس کے حسنِ سلوک کے معترف ہو گئے۔

سلطان بیبرس نے اپنے ہاتھوں سے برقائی خان کے لئے طویل مراسلہ تحریر کیا جو کہ ستر صفحات پر مشتمل تھا۔ اس خط میں اس نے کفار سے جہاد کرنے کے بارے میں قرآن مجید کی جملہ آیات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی احادیث درج کیں اور برقائی خان کو لکھا کہ وہ خود بھی دشت قپچاق کا رہنے والا ہے اور ایک عاجز قپچاقی مسلمان کی حیثیت سے خیام زرین کے عظیم نومسلم خان کو برادرانہ سلام بھیجتا ہے۔ اس کے لئے

یہ بات بڑی مسرت بخش ہے کہ عظیم برقائی خان اپنے چچازاد بھائی ہلاکو خان کی سرگرمیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ہلاکو خان اسلام کو نیست و نابود کرنے پر تلا ہے اور یہ عاجز بیبرس اسلام کو بچانے کی جدوجہد میں مصروف ہے۔ اس نے نہ صرف خلافت کو مصر میں بحال کر دیا ہے بلکہ اب وہ کفار تاتاریوں کے خلاف جہاد کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ یہ عاجز اپنے مسلمان بھائی برقائی خان کو یہ اطلاع دینے میں بڑی مسرت محسوس کرتا ہے کہ قاہرہ کی جامع مسجد میں امیر المومنین اور اس عاجز کے نام کے ساتھ برقائی خان کے نام کا بھی خطبہ پڑھا گیا ہے اور خان کی جانب سے ایک متدین مسلمان کو حج بدل کے لئے مکہ معظمہ روانہ کر دیا گیا ہے۔ یہ عاجز اور مصر و شام کے مسلمان برقائی خان کے بے حد ممنون ہوں گے اگر وہ ہلاکو خان کے عقب سے پے در پے حملوں کا سلسلہ شروع کر دے تاکہ وہ اسلامی علاقوں کی پامالی نہ کر پائے۔

اس مراسلے کے ساتھ سلطان بیبرس نے اردوئے زرین کی سفارت کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ رخصت کیا۔ سفارت کے کچھ عہدیداروں کو سلطان بیبرس نے اس درخواست کے ساتھ روک لیا کہ وہ مملوک افواج کو منگولوں کی جنگی مبارزت کی تربیت دیں۔ انہوں نے سلطان بیبرس کے حسن سلوک کے پیشِ نظر یہ درخواست قبول کر لی اور بلادِ مصر میں قیام کیا۔ برقائی خان کی سفارت کے ساتھ سلطان بیبرس نے بے شمار قیمتی تحائف بھی روانہ کئے۔ مؤرخین نے ان تحائف کی بڑی طویل فہرست دی ہے۔ ان میں قرآن مجید کا ایک نادر نسخہ جس پر خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ کی مہر لگی ہوئی تھی۔ اس کے ریشمی زربفت کے غلاف پر سنہرا کام کیا گیا تھا۔ ہاتھی دانت اور آبنوس سے بنایا ہوا ایک مرصع تخت، کئی منقش اور زرتار مصلےٰ جات اور چاندی کی طشتریاں، نقرئی دستوں کی نفیس تلواریں، خوارزم کی زینیں، ریشم کی ڈوری والی دمشقی کمانیں، منقش نیزے، درجنوں تیر کش، مختلف رنگوں کے نفیس پردے، یکتہ روزگار شمع دان، پنکھے، غلاف، گاؤ تکیے، سنگی دیگیں، نمدے، سدھائے ہوئے بندر جنہیں ریشمی لباس پہنائے گئے تھے، تازی گھوڑے، جنگلی گدھے، زرافے، صبا رفتار اونٹ، اعلیٰ درجے کے طوطے، حبشی غلام، خواجہ سرا اور تربیت یافتہ کنیزیں، اور بے شمار اشیاء شامل تھیں۔ یہ سفارت کیا تھی ساز و سامان سے لدا پھندا ایک طویل قافلہ تھا۔

اس سفارت کی واپسی کے لئے ایک بار پھر قسطنطنیہ کی راہ تجویز کی گئی۔ سلطان بیبرس نے اس خدشے کے پیش نظر کہ اس سفارت کو بھی روک لیا جائے گا۔ یہ سدباب کیا کہ ایک تیز رفتار قاصد کے ہاتھ دھمکی آمیز خط بھیجا جس میں یہ تحریر تھا کہ اگر اس نے اس بار مصر کی سفارت کو روکا یا پریشان کرنے کی کوشش کی تو وہ اپنی سلطنت میں موجود تمام بزنطینی تاجروں کو گرفتار کر لے گا قیصرِ روم سے تمام تجارتی تعلقات ختم کر دے گا اس خط کے ساتھ ہی اس نے اپنی سلطنت کے تمام عیسائی بطریقوں سے قیصرِ روم کو یہ دھمکی دلوائی کہ وہ اسے کلیسا کا اسقفِ اعظم تسلیم کرنے سے انکار کر دیں گے۔ سلطان بیبرس کی اس کڑی کارروائی کے باعث قیصرِ روم کے ہوش ٹھکانے آ گئے اور اس نے نہ صرف فوری طور پر پہلی سفارت کو روانہ کر دیا بلکہ دوسری سفارت کو بھی روکنے کی کوشش نہیں کی۔

❀ ❀ ❀

''تو تم گل دقوز کی تلاش میں یہاں تک پہنچ ہی گئے''۔ شنگ خان کاٹ دار لہجے میں بولا۔ مطیع الدین پہلے ہی قلعہ الموت میں اس کی موجودگی پر حیران و پریشان کھڑا تھا۔ گل دقوز کا نام سن کر وہ دم بخود سا رہ گیا۔ اس کے ذہن میں تیز آندھیاں سی چلنے لگیں۔ شنگ خان، گل دقوز اور قلعہ الموت...... یہ عجیب سی مثلث تھی جو اسے کسی بھی طرح سمجھ نہیں آ پائی۔

"تمہاری یہاں موجودگی میرے لئے متحیر کن ہے مگر گل دتوڑ کا ذکر یہاں کچھ سمجھ نہیں آیا"۔

"یعنی اب تم یہ کہو گے کہ تمہیں معلوم نہیں گل دتوڑ یہاں موجود ہے؟"

"کک...... کک...... کیا مطلب؟" مطیع الدین کو اپنے بدن میں لرزے کا شدید جھٹکا محسوس ہوا۔ وہ بے یقینی کے عالم میں شنگ خان کو تکتا رہا۔

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اتنی اچھی اداکاری بھی کر لیتے ہو۔ اب زیادہ انجان نہ بنو۔ صاف صاف بتاؤ کہ تمہاری گل دتوڑ سے ملاقات ہو چکی ہے یا نہیں؟" شنگ خان نے تیزی سے کہا۔

"میرے خیال میں یا تو تم میرے جذبات سے کھلواڑ کرنے کی کوشش کر رہے ہو یا تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے"۔ مطیع الدین پریشانی کے عالم میں بولا۔

"تو تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟" شنگ خان تنک کر بولا۔

"یہ بتانا ضروری نہیں ہے...... البتہ تمہارے بجائے مجھے پوچھنے کا یہ حق حاصل ہے کہ تم سرخ غر کو چھوڑ کر اتنی دور کیا کر رہے ہو؟" مطیع الدین نے الٹا سوال کر دیا۔

"خود کہتے ہو کہ ضروری نہیں اور مجھ سے جواب کی توقع رکھتے ہو"۔

"آقا کا حکم تھا کہ میں آپ کو بلاز کے مہمان خانے تک پہنچاؤں...... !علاوہ ازیں آپ کو یہاں کے بارے میں کسی قسم کی معلومات حاصل کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ شیخی تمہیں مہمان سے بات کرنے کے لئے آقا سے اجازت لینا ہو گی کیونکہ یہ ان کے خاص مہمان ہیں"۔ غلام نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"شیخی!" مطیع الدین ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "بہت خوب!"

"خاص مہمان!!!؟" شنگ خان حیرت سے غلام کی صورت دیکھنے لگا۔ وہ جانتا تھا خاص مہمان سے کیا مراد ہے؟ خاص مہمان وہ لوگ ہوتے تھے جن کا تعلق براہ راست شیخ کبیر الدین سے ہوتا تھا اور ان کی مدارات میں خصوصی انتظامات کئے جاتے تھے۔ دوسرا ایسے مہمانوں کے ساتھ کسی بھی عام فرد کو بات چیت کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ غلام نے مطیع الدین کو چلنے کا اشارہ کیا تو وہ طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ شنگ خان اس کی خصوصی اہمیت کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ اس نے فوراً شیخ کبیر الدین سے ملاقات کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اسے مطیع الدین کے بارے میں بتانا چاہتا تھا کہ وہ یقیناً وہاں گل دتوڑ کی تلاش میں ہی پہنچا ہے۔

❁ ❁ ❁

ذی قعدہ 659ھ میں ایک چھوٹا سا نصرانی تجارتی قافلہ سمندری رستے سے دمیاط کی بندرگاہ پر پہنچا۔ یہ قافلہ ریاست اطالیہ اور صقلیہ کے جزائر سے تجارتی سامان لے کر آیا تھا وہ قافلہ بلادِ مصر کے دارالخلافہ قاہرہ کی جانب کوچ کا خواہش مند تھا۔ ان دنوں قاہرہ کو تجارت کے معاملے میں بے حد شہرت حاصل تھی۔ تاتاریوں کی غارتگری سے محفوظ ہونے اور خلافت اسلامیہ کا مرکز بننے کے بعد بلادِ مصر نہ صرف مسلمان تاجروں کے لئے کشش کا باعث بن چکا تھا بلکہ غیر مسلم تجارتی گروہ بھی عمدہ منافع کی غرض سے اسی سرزمین کا رُخ کر رہے تھے۔ مرکزِ اسلام بغداد کی تباہی اور بلادِ عراق و شام میں تاتاریوں کے تاخت و تاراج کے بعد وہاں کی نفع تجارت کے لئے پُرکشش نہیں رہ گئی تھی۔ نصرانی قافلہ تیزی سے سفر کرتا ہوا ذی قعدہ کے آخری عشرہ میں قاہرہ پہنچ گیا۔ اتفاق کی بات تھی کہ اس قافلے میں شامل تمام تر افراد پہلی بار بلادِ مصر میں داخل ہوئے تھے۔ ان کے پاس اعلیٰ ترین مصنوعات تھیں جن کے اچھے داموں کے حصول کی لالچ انہیں قاہرہ کھینچ لائی تھی۔

قاہرہ کے صدر دروازے پر اس قافلے نے ٹھہر کر شہر کا جائزہ لیا۔ وہ ابھی اس فکر میں غلطاں تھے کہ قاہرہ میں انہیں کس مقام پر قیام کرنا چاہئے کہ ایک بلند قامت شخص ان کے پاس چلا آیا۔ وہ عام سا لباس زیب تن کئے ہوئے تھا۔ قافلے کا سردار ایک اجنبی کو اپنی جانب بڑھتے دیکھ کر کسی قدر تشویش میں مبتلا دکھائی دیا۔ وہ شخص مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور سب لوگوں سے ہاتھ ملاتے ہوئے انہیں قاہرہ میں خوش آمدید کہنے لگا۔ قافلے کے سب اراکین اس کی جانب شکوک بھری نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ وہ سب قاہرہ میں نووارد ضرور تھے مگر فنِ تجارت کے اسرار و رموز سے بھی خوب واقف تھے۔ اجنبی کی اس غیر متوقع حرکت پر انہیں جس قدر تشویش لاحق تھی۔ اجنبی نہایت خوش اخلاقی سے پیش آیا۔ کچھ ہی دیر میں اجنبی نے ان سے یہ معلوم کر لیا کہ وہ قاہرہ میں پہلی بار آئے ہیں اور انہیں اپنے قیام کے بندوبست میں کسی قدر مشکل کا سامنا ہے۔ اجنبی نے بلا دریغ اپنی خدمات پیش کر دیں۔ ان کے انکار کے باوجود وہ انہیں ساتھ لے کر قاہرہ کے ایک معروف بازار کی جانب بڑھ آیا اور ایک معروف سرائے میں انہیں ٹھہرنے کا مشورہ دیا۔ قافلے کے نصرانی سردار نے بالخصوص اُس سرائے کے انتخاب کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھا۔ اس نے معذرت کرنا چاہی مگر جانے اس اجنبی کے لہجے میں کیا بات تھی کہ وہ اس کی بات کو رد نہ کر سکے۔ وہ اجنبی انہیں اس سرائے میں چھوڑ کر آناً فاناً رخصت ہو گیا۔ قافلے کے سب افراد اس کی اس حرکت پر تذبذب کا شکار ہو گئے۔ قافلے کے کچھ لوگ یہ قیاس آرائی کرنے لگے کہ وہ اجنبی نہایت چالاک اور مکار قسم کا نوسرباز ہے جو انہیں اپنے اعتماد میں لے کر کسی جال میں پھنسانا چاہتا ہے مگر وہ اس کی خوش خلقی اور حسن سلوک کو کوئی نام نہ دے سکے۔ قافلے کے سردار نے اجنبی کے معاملے کو نظرانداز کرتے ہوئے فی الوقت اسی سرائے میں قیام کا فیصلہ کیا۔ قافلے کے سب لوگ اُس اجنبی کو بھول کر اگلے تین دنوں تک مختلف بازاروں میں اپنے مال کی فروخت میں مصروف رہے۔ انہیں جلد ہی یہ احساس ہو گیا کہ ان کے مال کی نوعیت کے لحاظ سے وہی سرائے بے حد موزوں تھی جہاں وہ قیام کئے ہوئے تھے، نہ صرف ان کے مال کی فروخت کے لئے متعلقہ بازار اس سرائے کے قریب تھے بلکہ دوسرے بازاروں کی نسبت ان بازاروں میں منافع کی شرح زیادہ تھی۔ اس حقیقت کے ادراک نے ان کے دل میں اجنبی کے لئے وقعت بڑھا دی۔ ایک ہفتے کے مختصر قیام میں ہی وہ اپنا تمام مال بیچ کر فارغ ہو چکے تھے۔ کئی تاجروں نے ریشم اور دیگر اجناس کا ذخیرہ کرتے ہوئے اپنی واپسی کا سامان تیار کر لیا۔ وہ قاہرہ سے واپسی کی تیاری میں مصروف تھے کہ اچانک وہ اجنبی ان کے پاس چلا آیا۔ وہ یکدم اس اجنبی کی صورت اپنے کمرے میں دیکھ کر دم بخود سے رہ گئے۔

❁ ❁ ❁

ریاست اردوئے زریں کے قاآن اعظم جلال الدین برقائی خان کو جب سے معرکہ عین جالوت میں ایل خانی افواج کی شکست ہوئی تھی وہ بے حد مسرور رہنے لگا۔ اس نے بلادِ مصر کے سلطان بیبرس کی طرف کا ہاتھ محض اس لئے بڑھایا تھا کہ مسلمان تاتاریوں کو نہ صرف تحفظ حاصل ہو جائے بلکہ سلطان بیبرس بھی بخوبی سمجھ لے کہ ایل خانی منگولوں کی بربریت کا دور اب اختتام پذیر ہو رہا ہے۔ یہ اعلانِ دوستی جہاں بلادِ مصر و شام کے مسلمانوں کے لئے نوید مسرت بنا تھا وہیں ہلاکو خان کے رعب و دبدبے سے کھڑی دیوار کو بھی منہدم کر چکا تھا۔ سابق قاآن اعظم منگو خان کی ڈھیل کے باعث معاملات اس قدر بگڑ چکے تھے کہ منگولوں میں اتحاد کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تھی ...... قائی خان کے مسلمان ہونے کے باعث اس کی ہمدردیوں کا رُخ مسلمانوں کی جانب مڑ چکا تھا تو ہلاکو ...... ن کی مخالفت میں نصرانیوں کی حمایت کی دلدل میں دھنستا چلا گیا۔ ممکن تھا کہ

برقائی خان کو ہلاکو خان کی اس حمایت پر کوئی اعتراض نہ ہوا مگر گذشتہ پانچ سالوں میں مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے ستم و غارتگری کے طوفان بدتمیزی اور بغداد کی دردناک تباہی نے برقائی خان کو اس کے مدمقابل کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہر اس مسلمان حکمران کو سہارا دینے کی کوشش کر رہا تھا جس میں منگولوں کے خلاف اُٹھ کھڑا ہونے کا دم دکھائی دیتا۔ ہلاکو خان کو جب سے برقائی خان کی اس سفارت کے بارے میں معلوم ہوا تھا تو وہ پیچ و تاب کھاتا ہوا دکھائی دیا۔ خیام زرّیں منگولوں کی سلطنت اتنی مختصر نہیں تھی کہ وہ چند دن کی لشکر کشی سے اسے فتح کر سکتا۔ دوسرا اُسے بخوبی احساس تھا کہ اس کے مقابل کمزور عراقی و شامی مسلمان نہیں ہیں بلکہ اسی کے ہم نسل منگول ہیں جو نہ صرف آپس میں رشتہ داریوں میں بندھے ہوئے ہیں بلکہ ان سب جنگی تدابیر و رموز سے آشنا ہیں جن کی بدولت منگول سلطنت کی وسعت میں بے پناہ اضافہ ہوا تھا۔

مصری سفارت جب اردوئے زرّیں کے دارالحکومت سرائے پہنچی تو برقائی خان نے سلطان بیبرس کی سفارت کا گرم جوشی سے خیر مقدم کیا۔ سلطان بیبرس کے بھیجے ہوئے تحائف دیکھ کر اس کو دلی مسرت ہوئی۔ اس نے شکریہ کے لئے ایک طویل خط لکھا۔ سلطان بیبرس کی بھیجی ہوئی تجویز اسے بے حد بھائی، وہ پہلے سے ہی ہلاکو خان کو بلادِ اسلامیہ میں بڑھنے سے روکنا چاہتا تھا۔ برقائی خان نے اپنے شکریئے کے پیغام میں اپنی بھرپور مدد اور تعاون کی یقین دہانی کرائی اور ساتھ ہی ماہر جنگجو بھی مصر روانہ کئے تاکہ وہ اسلامی لشکر کو منگولوں کی لڑائی کا طریقہ کار عمدگی سے سکھا سکیں۔ زرّیں خیل منگولوں نے قاہرہ کے حسن و جمال کا نقشہ جب برقائی خان کے سامنے پیش کیا تو برقائی خان اپنی جگہ دم بخود سا رہ گیا۔ اس نے فوری طور پر سلطان بیبرس سے ایسے معمار، کاریگر اور صناع طلب کئے جو عمارتی و تعمیراتی فنون میں ماہر ہوں۔ اس نے مراسلے میں لکھا کہ سرائے میں مکانات کی بے حد کمی ہے ہماری رعیت کی اکثریت خیموں میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے، موسم سرما میں ہمیں بے حد تنگی کا سامنا رہتا ہے اگر سلطان بیبرس مصری معماروں کو سرائے میں روانہ کر دے تو وہ اس کا بے حد مشکور ہوگا۔ سلطان بیبرس نے برقائی خان کی اس فرمائش کو اس قدر سرعت سے پورا کیا کہ برقائی خان سلطان بیبرس کے قول و فعل سے متاثر دکھائی دینے لگا۔ اُسے کامل یقین ہو گیا کہ اب اسے بلادِ شام و عراق کی فکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، سلطان بیبرس اتنی قوت رکھتا ہے کہ ان علاقوں میں موجود ایل خانی منگولوں سے نبٹ سکے۔ برقائی خان نے مصری معماروں کے ساتھ کثیر تعداد میں منگولوں کو کام پر لگا دیا جس کے نتیجے میں سرائے میں تیزی سے مکانات، دکانیں، شاہی محلات، مدارس، مساجد، سرائیں اور مہمان خانے وجود میں آنے لگے۔ مدارس اور مساجد کی تعمیر سب سے اوّل کی گئی۔ سمرقند اور بخارا سے کئی نامور علماء کو سرائے آنے کی دعوت دی گئی تاکہ منگول نوجوانوں اور بچوں کی صحیح خطوط پر تربیت کی جا سکے۔ خیام زرّیں منگولوں میں اسلام سے اجنبیت ابھی تازہ تھی، برقائی خان یہ نہیں چاہتا تھا کہ اجنبیت کا یہ دور اس قدر طویل ہو جائے کہ وہ اسلام کی نامکمل تعلیمات کے باعث مذہب کی حقیقی رُوح ہی نہ سمجھ پائیں۔ وہ منگولوں کی اخلاقی تربیت کرتے ہوئے انہیں مہذب اور معتدل رعیت بنانا چاہتا تھا۔

برقائی خان اپنی ریاست کی تعمیر و ترقی کے ساتھ ساتھ ہلاکو خان سے بھی بالکل غافل نہیں تھا اس کے مخبر اسے ہر پل کی خبر متواتر مہیا کر رہے تھے۔ 659ھ کے اواخر میں برقائی خان کو ایسی اطلاعات ملیں کہ ہلاکو خان جو کہ عرصے سے اپنی عسکری تیاریوں میں مصروف تھا۔ وہ اپنی افواج کو ترتیب دے رہا ہے تاکہ مراغہ سے باہر نکل کر پیش قدمی کی جائے۔ برقائی خان نے اس اطلاع پر اپنی افواج کو مکمل طور پر تیار کر دیا تاکہ ہلاکو خان جونہی مراغہ سے نکلے تو خیام زرّیں منگول سپاہیوں کی سرحد کی جانب روانگی کا عمل شروع کر دیا جائے۔ برقائی

خان اچھی طرح جانتا تھا کہ ہلاکو خان اس سے دو دو ہاتھ کئے بغیر فارس و عراق کی راہ نہیں لے گا مگر نئی اطلاع نے اسے مخمصے میں ڈال دیا کہ ہلاکو خان نے اپنے امراء اور فقاء اور سالاروں کو برقائی خان کی جانب بڑھنے کے بجائے فارس روانہ ہونے کا حکم دے دیا ہے۔ برقائی خان نے اسے ہلاکو خان کی چال خیال کرتے ہوئے اپنی عساکر کو سرحدوں کی جانب روانگی کا حکم دے دیا۔ وہ کسی بھی صورت میں ہلاکو خان کو کامیاب نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ اسے یہی محسوس ہو رہا تھا کہ ہلاکو خان عیاری سے اردوئے زرّیں کو اپنی عساکر کے حصار میں لے کر اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ ایک لمبے عرصے سے سپاہی عسکری مشقوں میں مصروف تھے وہ روانگی کا مژدہ سن کر بے حد خوش دکھائی دیئے کہ انہیں اب اپنی بہادری و شجاعت دکھانے کا موقعہ ملے گا۔ برقائی خان نے اس عسکری مہم کی قیادت کسی سالار کو سونپنے کے بجائے خود میدان میں اترنے کا تہیہ کیا۔

❁ ❁ ❁

اجنبی ان کے حیرت زدہ چہرے دیکھ کر مسکرانے لگا۔ انہیں سلام کرنے کے بعد اس نے انہیں پُرسکون رہنے کا اشارہ کیا اور خود چھوٹی سی کرسی کھینچ کر ان کے مقابل بیٹھ گیا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ اس دن قافلے کے سب تاجر سرائے میں موجود تھے۔ قافلے کے سب لوگ اسے فراموش کر چکے تھے مگر اس کی اچانک آمد نے ان کے ذہنوں میں کھلبلی مچادی۔ وہ اپنے دبائے ہوئے شکوک وشبہات کو سر اُٹھانے سے نہ روک پائے۔ قافلے کے سردار کو گہری سوچ میں ڈوبے دیکھ کر وہ اجنبی خود ہی دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ ان سے مخاطب ہوا۔

''میرا خیال ہے شاید تم لوگوں کو میری آمد یا میری بے تکلفی ناگوار گذری ہے؟''

''اجنبی!'' سردار چونک کر بولا۔ ''ہمیں نہ تو تمہاری آمد ناگوار گذری ہے اور نہ ہی کوئی خوشی ہوئی ہے۔ نہ تو ہمیں اس بے تکلفی سے کچھ غرض ہے اور نہ ہی تم سے کوئی خوف ہے ہمیں تو صرف یہ بات کھٹک رہی ہے کہ تمہارے ساتھ ہماری کوئی آشنائی تک نہیں اور تم نے ہمیں موقع محل کی مناسبت سے ایک ایسی جگہ ٹھہرایا جو کہ ہمارے لئے نہایت سود مند تھی۔ یہ سب تم نے کس مقصد کے تحت کیا ہے؟ اس بارے میں بھی ہم کوئی اندازہ لگانے میں ناکام ہیں''۔

''آپ لوگ بلاوجہ شکوک وشبہات کا شکار ہو رہے ہیں، میری ایسی کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ میں آپ لوگوں سے کوئی مالی منفعت حاصل کروں، یہ سب تو میں نے اپنا فرض سمجھتے ہوئے کیا ہے آپ لوگ چونکہ قاہرہ میں پہلی بار آئے تھے اور یہ شہر آپ کے لئے ناآشنا تھا، اسی لئے میں نے صرف رہنمائی کرتے ہوئے یہ خدمت سرانجام دی، میری اس میں کوئی غرض شامل نہیں ہے۔ اگر آپ لوگ مجھے اپنے مال کے بارے مطلع نہ کرتے تو شاید میں آپ لوگوں کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا میں کیا یہاں میرے جیسے کئی لوگ موجود ہیں جو آپ جیسے لوگوں کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں میں تو محض یہ معلوم کرنے آیا تھا کہ آپ لوگوں کو یہاں کسی قسم کی تکلیف تو نہیں ہوئی ہے''۔

اجنبی کے لہجے میں کوئی گھماؤ پھراؤ نہیں تھا، وہ لوگ اس کے انسانی جذبے پر کسی قدر متاثر دکھائی دیئے۔ ان میں کچھ تاجروں کے ذہنوں پر چھایا ہوا شکوک کا غبار ڈھل نہ پایا۔

''کیا تم سرکاری طور پر اس کام کے لئے معین ہو؟'' سردار قافلہ چونک کر بولا۔

''ایسا ہی کچھ سمجھ لیجئے''۔ اجنبی نے مختصراً جواب دیا۔

''خداوند یسوع کی قسم!'' سردار بے اختیار بولا۔ ''میں سمجھتا تھا کہ غیر قوموں کے انتظام وانصرام میں شاید ہمارا بادشاہ ہی واحد مثال ہے مگر بلادِ مصر کے حکمران کا حسن انتظام دیکھ کر مجھے آج اپنی رائے میں یقیناً ترمیم کرنا پڑے گی''۔

''کیا مطلب..... میں کچھ سمجھا نہیں؟'' اجنبی حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''میرا نام جون کارڈ ہے اور میں اطالیہ سے یہاں آیا ہوں، شاید تمہیں یہ تک معلوم نہ ہو کہ اطالیہ کس جانب واقع ہے؟'' سردار خود ہی ہنس پڑا پھر بات آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''ہمارا فرمانروا شاہ منفریڈ بے حد مشفق اور رعایا نواز بادشاہ ہے۔ وہ علم وحکمت کی بے حد قدر کرتا ہے، اس کی علم دوستی کے ثبوت میں محض اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اُسے اقلیدس کی دس کتب ازبر ہیں۔ اس نے اپنی سلطنت میں نہ صرف غیر نصرانیوں کو کھلی آزادی دے رکھی ہے بلکہ انہیں اپنی مذہبی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی اجازت بھی دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں کئی شہروں میں مسلمانوں کی اکثریت آباد ہے اور کئی خوبصورت و بے مثال مساجد بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ایسی انسانی ہمدردی دیکھ کر میں یہی سمجھتا تھا کہ شاید شاہ منفریڈ جیسا بادشاہ اس روئے زمین پر اور کوئی نہیں ہو سکتا مگر یہاں آکر مجھے احساس ہوا ہے کہ قاہرہ کا بادشاہ بھی غیر مسلموں کے حقوق کا مکمل خیال رکھتا ہے''۔

''تم عجیب بات کر رہے ہو؟ میں نے تو سن رکھا ہے کہ نصرانی ممالک میں سرکاری عہدے دار غیر نصرانی تاجروں کے ساتھ امتیازی سلوک کرتے ہیں اور تاجروں کو زیادہ مقدار میں ریاستی مال ساتھ لے جانے کی اجازت تک نہیں دی جاتی، واپسی پر اتنے خطیر محصول ان پر ڈال دیئے جاتے ہیں کہ کئی تاجر جان بچ جانے پر ہی شکر ادا کیا کرتے ہیں''۔

''تم بالکل درست کہتے ہو کچھ نصرانی ریاستوں میں ایسا بھی ہوتا ہے مگر اطالیہ کو ان کے ساتھ ملانا درست نہیں ہے۔ غیر نصرانیوں پر سختی نہ کرنے کے باعث شاہ منفریڈ نے عظیم پوپ سے دشمنی مول لے لی ہے۔ یہاں تک کہ انہیں کلیسا سے بھی خارج قرار دیا جا چکا ہے اگر تمہیں یقین نہ ہو تو ہمارے ساتھ چلو اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ شاہ منفریڈ کے دربار میں کئی مسلمان اعلیٰ مناصب پر موجود ہیں''۔ جون کارڈ جوشیلے انداز میں بولا۔

''حیرت کی بات ہے؟'' اجنبی کی آنکھوں میں بے یقینی جھلکتی دکھائی دی۔ ''میری جہاں تک معلومات ہیں کہ اطالیہ اور قسطنطنیہ میں کچھ زیادہ فاصلہ نہیں ہے، اس کے باوجود شاہ منفریڈ کا انداز جرأت مندی کا اعلیٰ نمونہ دکھائی دیتا ہے!'' وہ سب اجنبی کی بات پر دنگ رہ گئے ان کے وہم وگمان تک میں نہیں تھا کہ ایک معمولی سے شخص کو اطالیہ اور قسطنطنیہ کی جغرافیائی ہیئت سے واقفیت ہو سکتی ہے۔

''تم قسطنطنیہ یا اطالیہ گئے ہو شاید!'' جون کارڈ تیزی سے بولا۔

''میرا علم محض کتب کا محتاج ہے''۔ اجنبی مسکرایا۔

''تم حقیقتاً حیرت انگیز آدمی ہو''۔ جون کارڈ مرعوب دکھائی دینے لگا۔ ''میں تمہیں فراموش نہیں کر پاؤں گا''۔ سب تاجر اجنبی کی جانب مشتاق نگاہوں سے دیکھتے رہے۔ ان کے دل میں سر اُٹھانے والے وسوسے بالکل مٹ چکے تھے۔ اس اجنبی نے اپنا کچھ وقت مزید وہاں گذارا۔ باتوں کا موضوع تجارتی منفعت کی جانب مڑ گیا۔ وہ سب اجنبی کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنے لگے۔ اجنبی نے ان کی واپسی کی اطلاع پا کر کچھ ضروری تفصیل معلوم کی اور وہاں سے نکل آیا۔ اس کا ذہن تیزی سے حالات کا تجزیہ کرنے میں مشغول تھا۔ اس کی سوچوں کا محور شاہ منفریڈ تھا جس کی منفرد شخصیت مسلمانوں کے حق میں نہایت اہم تھی۔ قسطنطنیہ کے بالکل بازو میں ایک ایسی ریاست کی اطلاع اس کے لئے بے حد خوش آئند تھی۔ اس نے واپس لوٹتے ہوئے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ شاہ منفریڈ سے تجارتی اسفارتی روابط وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

وہ اجنبی کوئی اور نہیں تھا بلکہ بلادِ مصر کا سلطان سبرس تھا جو کہ روپ بدل کر عموماً رعایا میں ایک عام شخص کی طرح گھومتا رہتا۔ بھیس بدل کر رعایا اور مملکت کا حال معلوم کرتے رہنا اس نے اپنے معمولات زندگی میں

شامل کر رکھا تھا۔ اس میں وقت کی کوئی قید نہیں تھی وہ عام لوگوں کے مسائل اور سرکاری عہدے داروں کی بدعنوانیوں کو اپنی نگاہ سے پرکھتا اور فوری قسم کے اقدامات کرتا۔ نصرانی تاجروں سے ملاقات محض اتفاق تھی کہ اُس وقت جب وہ لوگ قاہرہ میں داخل ہو رہے تھے سلطان بیبرس ان کے قریب موجود تھا۔ وہ ان کے حلیوں سے پہچان چکا تھا کہ وہ نصرانی ہیں مگر جب اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ تجارت کی غرض سے وہاں پہنچے ہیں تو سلطان بیبرس نے ان کی مکمل رہنمائی کی اور اپنے مسلمان ہونے کا حق ادا کر دیا۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے فوری اجر کے طور پر ایک ایسے مددگار کی خبر دی تھی جو نصرانیوں میں رہتے ہوئے مسلمانوں کی حفاظت کر رہا تھا۔

سلطان بیبرس نے اس صورت حال سے فائدہ اُٹھانے میں مطلق تامل نہ کیا اور دوسرے ہی دن مملکت کے ایک برآوردہ عالم جمال الدین ابوعبداللہ محمد بن سالم معروف بہ ابن واصل کی سرکردگی میں ایک دوستانہ سفارت تیار کرتے ہوئے شاہ منفریڈ کے دربار کی جانب روانہ کر دی۔ علامہ ابن واصل نے پہلے بلادِ شام کے شہر حماۃ میں سلسلہ درس و تدریس کیا اور حالات کی کشیدگی محسوس کرتے ہوئے قاہرہ کی راہ لی۔ قاہرہ میں چند ہی سال میں ان کے تبحر علمی کا غلغلہ ہو گیا اور انہیں امام وقت تسلیم کر لیا گیا۔ سلطان بیبرس نے ان کی علمی خدمات کے پیش نظر انہیں قاضی کے عہدے کی پیش کش کی مگر انہوں نے معذرت اختیار کی۔ علامہ ابن واصل علمی فضائل، خداداد ذہانت اور فصیح بلیغ خطابت جیسی خوبیوں کے جوہر سے مالا مال تھے۔ سلطان بیبرس کی نگاہوں میں اطالیہ وصقلیہ کی سفارت کے لئے ان سے بڑھ کر کوئی اور موزوں قرار نہیں پایا۔ ذی قعدہ 659ھ میں اہلِ مغرب کی جانب سلطان بیبرس کی دوستانہ سفارت روانہ ہو گئی

❁ ❁ ❁

شنگ خان تیز قدموں سے چلتا ہوا شیخ کبیر الدین کے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے میں موجود شیخ کبیر الدین کے رفقاء نے اس کی بلا اجازت آمد پر ناگواری کا اظہار کیا جس پر شنگ خان نے فوری معذرت کر لی۔ شیخ کبیر الدین نے اسے ایک جانب انتظار کرنے کا حکم دیا اور اپنے رفقاء کے ساتھ مشغول ہو گیا۔ یہ گفتگو ہلاکو خان کے بارے میں کی جا رہی تھی۔ شنگ خان کو اس موضوع سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لہٰذا وہ ان باتوں سے غافل ہو کر مطیع الدین کے بارے میں سوچنے لگا۔ کچھ دیر بعد شیخ کبیر الدین فرصت پا کر اس کی جانب متوجہ ہوا اور اس سے آمد کا مقصد دریافت کیا۔

''شیخ الرئیس!'' شنگ خان مؤدب لہجے میں بولا۔ ''آج میں نے ایک غلط آدمی کو قلعے میں دیکھا جس کے بارے میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ آپ کا خاص مہمان ہے؟''

''تمہارا اشارہ مطیع الدین کی جانب ہے شاید......!'' شیخ کبیر الدین عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ شنگ خان نے اثبات میں سر ہلایا تو اس نے غلط قرار دینے کی وجہ دریافت کی۔

''شاید آپ اس شخص کے بارے میں کچھ نہیں جانتے، مجھے یہ نہیں معلوم کہ اس نے یہاں آ کر آپ کو کیا بتلایا ہے کہ آپ اسے شاہی مہمان خانے میں ٹھہرانے پر رضامند ہو گئے مگر مجھے پورا یقین ہے کہ وہ یقیناً گل وقوژ کی تلاش میں یہاں آیا ہے''۔ شنگ خان پُر جوش لہجے میں بولا۔

''گل وقوژ کا اس سے کیا لینا دینا؟'' شیخ کبیر الدین غیر متوقع وجہ پر دم بخود سا رہ گیا۔

''مطیع الدین گل وقوژ کا وہ عاشق ہے جس کے لئے گل وقوژ نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔ میری اس سے ملاقات کوہ سرخ کے دامن میں ہوئی تھی۔ اس نے مجھے صاف الفاظ میں یہ باور کرایا تھا کہ وہ ایک دن گل وقوژ کو پاتال کی گہرائیوں میں کھوج نکالے گا''۔ شنگ خان نے کہا۔

''ہاں کچھ کچھ مجھے یاد پڑتا ہے گل وقوژ کسی مسلمان زادے کے عشق میں مبتلا رہی ہے مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ یہی مطیع الدین ہی تھا مگر تم یہ سب کیسے جانتے ہو؟'' شیخ کبیر الدین نے چونک کر پوچھا تو شنگ خان گھبرا اُٹھا۔ اس نے بہانہ بازی سے کام لینا چاہا مگر شیخ کبیر الدین ہنسنے لگا۔

''بھتیجی! شاید تمہیں معلوم نہیں کہ میں تمہاری اصلیت سے بھی پوری طرح واقف ہوں۔ تمہارا نام شنگ خان ہے اور تمہارا تعلق قبیلہ سرخ غر سے ہے، تم منک آنہ کے پوتے ہو اور یہ کہ گل وقوژ کے ماموں زاد بھی ہو''۔

شنگ خان خوف و حیرت بھری نگاہوں سے شیخ کبیر الدین کی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ ابھی تک اسی غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ شیخ کبیر الدین اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ جوش میں آ کر وہ مطیع الدین کی چغلی تو کھا چکا تھا مگر اپنی اصلیت کو بھی بچا نہیں پایا اس کے کانوں میں شیخ کبیر الدین کی آواز گونجتی سنائی دی جو کہہ رہا تھا۔

''شنگ خان! تمہاری خنجر زنی کی مہارت میں نے وادی قاف کی ایک لڑائی میں جب دیکھی تو میں تمہارا گرویدہ ہو کر رہ گیا۔ میرے ذہن میں مبہم سا خاکہ جو کسی وقت میں ابھرا تھا، تمہیں دیکھ کر مجھے اس کی تکمیل دکھائی دی میں نے جان بوجھ کر تمہاری زندگی میں دخل دیا۔ گل وقوژ کو میں محض اسی لئے غار سے نکال لایا تھا کہ تم میرے لئے کام پر آمادہ ہو جاؤ۔ پھر جب تمہیں میں نے خنجر زنی کی تربیت کے لئے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی تو گل وقوژ کا ریشمی رومال جان بوجھ کر تمہاری نگاہوں کے سامنے سے گذارا تھا تاکہ تم تلاش کے چکر میں میری بات مان لو۔ ایسا ہی ہوا۔ تم نے تجسس کے تحت میری بات مان لی اور میں نے تمہیں خاص طور پر چہرہ چھپا کر تربیت دینے پر آمادہ کیا۔ میں جانتا تھا کہ تم گل وقوژ کی تلاش میں قلعہ کا کونا کونا چھانو گے اسی لئے میں نے گل وقوژ کو قریبی قلعے میں منتقل کر دیا اور تمہاری مہارت سے فیض یاب ہوتا رہا۔ تم نے اس عرصے میں سینکڑوں لڑکیوں کو تربیت دی اور وہ آج مختلف مقامات پر میری سلطنت کے قیام کے لئے کام کر رہی ہیں۔ جب میں نے یہ دیکھا کہ تم اکتا کر قلعہ چھوڑنے کے چکر میں ہو تو میں نے جان بوجھ کر گل وقوژ کو تمہارے سامنے کیا۔ میرے اس اقدام کے باعث تم ایک بار پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اس تمام دورانئے میں تمہاری خفیہ طور پر نگرانی کی گئی تاکہ تم گل وقوژ کو ساتھ لے کر فرار نہ ہو سکو البتہ میں یہ بات آج تک نہیں سمجھ پایا کہ تم نے گل وقوژ پر اپنی حقیقت پہلے دن منکشف کیوں نہیں کی۔ گل وقوژ کے آخری ایام میں جب تم سیڑھیوں پر موجود تھے اور گل وقوژ سے باتیں کر رہے تھے وہ بھی میرے علم میں ہیں''۔

''اب گل وقوژ کہاں ہے؟'' شنگ خان اس کی باتوں پر متحیر تھا مگر جلد ہی وہ اس حیرت سے باہر نکل آیا۔ اس کے لہجے میں غصہ اور تلخی جھلک رہی تھی۔

''شنگ خان! یہ مت بھولو کہ تم اس وقت کہاں ہو اور میری قوت کتنی ہے؟ اس سے تم بخوبی آگاہ ہو بہر کیف یہ بتانے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ گل وقوژ کہاں ہے؟ لیکن تم اس تک پہنچ نہیں سکو گے...... یہ میرا دعویٰ ہے''۔ شیخ کبیر الدین زہریلی ہنسی سے بولا۔

''یہ بات وقت طے کرے گا کہ میں اس تک پہنچ سکتا ہوں یا نہیں...... وہ اب کہاں ہے؟''

''اسے شام بھیج دیا گیا ہے''۔ شیخ کبیر الدین مختصراً بولا۔

''میں اب اس جگہ مزید نہیں رہنا چاہتا۔ اگر تمہارے غلاموں نے مجھ سے بھڑنے کی کوشش کی تو یہ اچھا نہیں ہوگا۔ میں مرتے مرتے بھی تمہارے غلاموں کی ایک بڑی تعداد ہلاک کرنے کی اہلیت رکھتا ہوں''۔ شنگ خان فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

''مجھے بلاوجہ اپنے غلاموں کو ہلاک کروانے کا کوئی شوق نہیں۔ تم اسی وقت جانا چاہو تو بخوشی جا سکتے ہو، یہ اجازت اس لئے نہیں ہے کہ میں تم سے مرعوب ہو چکا ہوں بلکہ اس خدمت کا صلہ سمجھو جو تم نے میرے لئے انجام دی ہے۔ اگر چاہو تو اپنا معاوضہ بھی لے سکتے ہو مجھے یہ چکانے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ البتہ اگر تم میرے کام کو جاری رکھنے پر آمادگی ظاہر کرو گے تو مجھے زیادہ خوشی ہوگی کیونکہ میں مہارت یافتہ نگینوں کی قدر کرنا جانتا ہوں''۔ شیخ کبیر الدین نے کہا۔

''تمہاری قدر دانی کے لئے شکریہ..... مگر میں اب یہاں مزید نہیں رہ پاؤں گا''۔ شنگ خان نے اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔ شیخ کبیر الدین نے اسی وقت ایک غلام کو بلوا کر سمجھا دیا کہ شنگ خان کو اس کے تمام سامان اور خطیر رقم کے ساتھ قہستان کی حدود سے بحفاظت باہر بھیج دیا جائے۔ اگر وہ واپس جانا چاہے تو اسے مشرق میں وادی قفقاز کے پاس پہنچا دیا جائے۔ اگر وہ مغرب کی جانب سفر کرنا چاہے تو اسے حدود شام کے پاس پہنچا دیا جائے۔ شنگ خان خاموشی سے یہ ستار ہا اس کا ذہن بری طرح منتشر تھا۔ وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پایا کہ اسے کس جانب روانہ ہونا چاہئے۔ وہ اسی کشمکش میں وہاں سے اپنے کمرے میں پہنچا۔ اپنا ضروری سامان سمیٹنے کے بعد وہ غلاموں کی معیت میں قلعہ الموت سے باہر نکل آیا۔ اسے شیخ کبیر الدین کی نیت پر شک تھا کہ وہ کوئی نہ کوئی نامناسب حرکت ضرور کرے گا۔ قلعہ الموت سے باہر نکلتے ہی اس نے فوری طور پر فیصلہ کیا کہ اسے واپس لوٹ جانا چاہئے اور پھر کسی دوسرے راستے سے بلادِ شام روانہ ہونا چاہئے۔ شام کی راہیں اس کے لئے مکمل طور پر اجنبی تھیں۔ ممکن تھا کہ وہ شیخ کبیر الدین کی کسی چال کا شکار ہو جاتا۔

❁ ❁ ❁

ذی الحجہ 659ھ میں الملک الظاہر سلطان بیبرس نے خلیفۃ المسلمین مستنصر باللہ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے رضا کار مجاہدین کا لشکر مکمل کر لیا۔ اس لشکر کی تشکیل میں کثیر سرمایہ خرچ ہوا تھا۔ تلواریں، خنجر، نیزے، ڈھالیں، زرہیں اور گھوڑوں کا ازسرِ نو بندوبست کیا گیا۔ یہ تمام ساز و سامان مملوک افواج کے ساز و سامان کے علاوہ تیار کیا گیا تھا۔ جب سے لوگوں کو یہ معلوم ہوا تھا کہ تاتاریوں کے خلاف اعلانِ جہاد امیر المومنین کی جانب سے کیا گیا ہے اور اس معرکے کی قیادت بھی وہ خود کریں گے تو ان کے جسموں میں خون کی جگہ برقی لہریں دوڑنے لگیں۔ وہ شوقِ جہاد میں جوق در جوق آتے رہے اور امیر المومنین کے پرچم تلے جمع ہوتے رہے۔ سلطان بیبرس نے تمام تیاریوں کے مکمل ہوتے ہی امیر المومنین سے ملاقات کی اور انہیں مطلع کیا۔ سلطان بیبرس نے بارگاہِ خلافت میں ایک بار پھر درخواست کی کہ امیر المومنین اس مہم کا بار خود اُٹھانے کے بجائے کسی تجربہ کار سالار کے کندھوں پر ڈال دیں، خدانخواستہ کوئی حادثہ رونما ہو گیا تو لوگوں کا اعتبار خلافت سے اُٹھ جائے گا۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے سلطان بیبرس کی استدعا کو خاموشی سے سنا اور ارادے کی تبدیلی سے صاف انکار کر دیا۔ سلطان بیبرس خلیفہ مستنصر باللہ کے سامنے کافی دیر تک خاموش بیٹھا رہا، خلیفہ مستنصر باللہ کی روانگی سے اسے اپنے اندر عجیب سی بے چینی پیدا ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ خلافت کے لئے جو حیثیت بغداد کو حاصل رہی ہے قاہرہ اسے پوری طرح بحال نہیں کر سکتا مگر قاہرہ اتنا بھی کم حیثیت شہر نہیں تھا کہ اسے بغداد کے مقابلے میں ٹھکرا دیا جاتا۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے سلطان بیبرس کے سکوت کو توڑتے ہوئے یہ دریافت کیا کہ کیا وہ ایک دو روز میں روانہ ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ سلطان بیبرس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''امیر المومنین!'' سلطان بیبرس دھیمے لہجے میں بولا۔ ''زیادہ بہتر ہوتا کہ اس ذمہ داری کو اس خادم

کے کندھے پر ڈال دیا جاتا مگر چونکہ آپ اپنے استحقاق کے لئے یہ جنگ لڑنا چاہتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر میں یہ چاہوں گا کہ آپ اپنے لشکر میں مجھے بھی شامل رکھئے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایک عام سپاہی کی مانند اس معرکے میں حصہ لوں گا''۔

''سلطان بیبرس!'' خلیفہ مستنصر باللہ نفی میں اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''ہم تمہاری قلبی حالت سے بخوبی واقف ہیں، بخدا ہمیں کوئی شوق نہیں ہے کہ ہم اس معرکہ میں اپنے نام کی شان و شوکت بڑھائیں اور خلقت خدا پر احسان جتاتے پھریں، ہمیں تو صرف اس بات کا قلق ہے کہ لوگ اب یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ان کا خلیفہ اس قدر اپاہج و معذور ہو چکا ہے کہ اسے اپنی جان بچانے کے لئے بغداد سے دور قاہرہ میں پناہ لینے پر مجبور ہونا پڑا، وہ مردانہ وار تاتاریوں کے مقابلے میں میدان میں اترنے کے بجائے شاہی محلات کی بلند و بالا منقش چھتوں تلے جامِ طمانیت نوش کر رہا ہے۔ خلافت کی جانب اُٹھنے والی انگلیاں تمہارے خلوص کا دامن بھی داغ دار کرنے لگی ہیں۔ اگر آج ہم تمہارے جذبے کی قدر کرتے ہوئے تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کا فیصلہ کرتے ہیں تو یقیناً لوگ یہ قیاس آرائیاں کرتے دکھائی دیں گے کہ مقامِ خلافت کی بحالی صرف سلطان بیبرس کی مرہونِ منت ہے۔ کل اس نے خلیفہ کو منتخب کیا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور آج بغداد تاتاریوں سے چھین کر واپس دیا ہے، کیا تم خود اپنے لئے یہ پسند کرو گے کہ ملت اسلامیہ کی زبان پر امیر المومنین کے بجائے تمہارا نام زیادہ اعزاز کا باعث ہو۔ اگر اس مہم میں ہمارے ساتھ جاؤ گے تو یاد رکھو کہ مقامِ خلافت مقام وزارت سے کم تر ہو جائے گا۔ یہ ہمارا قول نہیں لوگوں کا اعتقاد ہے''۔

''امیر المومنین!'' سلطان بیبرس مؤدب لہجے میں بولا۔ ''یقین مانئے کہ میرا دل آپ کو اس مہم میں تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا، مجھے معلوم ہے کہ بلادِ شام کے کچھ شریر لوگ آپ کے خلاف کسی نہ کسی سازش کا ارتکاب ضرور کریں گے۔ وہاں ابھی تک ایسے امرأ و رؤسا کی کثرت ہے جن کے دلوں میں سلطان بیبرس کا تو خوف موجود ہے مگر خلیفہ کا ادب و احترام ان کی سرشت میں شامل نہیں۔ وہ یقیناً آپ کے لئے مشکلات پیدا کر سکتے ہیں آپ مجھے صرف اتنی اجازت مرحمت فرما دیں کہ میں آپ کو بحفاظت بلادِ شام کی سرحد تک پہنچا دوں''۔

''ہم بخوبی جانتے ہیں کہ خلافت کا احیاء کن لوگوں کی آنکھوں کا کانٹا بنا ہے لیکن ان پر بھی یہ ثابت کرنا از حد ضروری ہے کہ خلافت درحقیقت ہمارا ہی حق ہے اور بنو عباسؓ کے فرزند اپنے حق کی حفاظت کرنا بخوبی جانتے ہیں''۔ خلیفہ مستنصر باللہ کے لہجے میں شدت پیدا ہو چکی تھی۔

''امیر المومنین! جلد بازی نہ اختیار کیجئے، کیونکہ جلد بازی سے کام لینے کی ممانعت اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی ہے۔ آپ میری بات پر ذرا ٹھنڈے دماغ سے غور کیجئے پھر کسی فیصلے پر پہنچئے''۔ سلطان بیبرس نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''میں جانتا ہوں کہ تم کسی بھی صورت نہیں مانو گے لہٰذا میں تمہیں صرف اس شرط پر ساتھ لے جانے پر تیار ہوں کہ تم صرف دمشق تک ہمارے ساتھ چلو گے اس کے بعد وہیں قیام کرتے ہوئے ہمارے اگلے حکم کا انتظار کرو گے''۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا تو سلطان بیبرس نے اطاعت میں سر جھکا لیا۔ وہ مزید بحث و تکرار سے ماحول میں بدمزگی پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ بات تو اس پر روز روشن کی مانند عیاں ہو چکی تھی کہ خلیفہ مستنصر باللہ کسی صورت میں قاہرہ کو مرکز خلافت تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا وہ خلافت کے اصلی مرکز بغداد کے حصول کو ہی خلافت کی تکمیل تصور کئے ہوئے تھا۔

❁ ❁ ❁

ایل خانی سلطنت کا قاآن اعظم ہلاکو خان سخت جاڑے کے موسم میں اپنے وسیع و عریض لشکر کے ساتھ مراغہ سے۔ ۱۱۔ اس کی منزل سلطنت اُردوئے زرّیں نہیں بلکہ بلادِ شام تھی۔ ہلاکو خان کا پہلے یہی ارادہ تھا کہ وہ برقائی خان کو سبق سکھانے کے بعد ہی بلادِ شام و مصر کی راہ لے گا مگر حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ وہ اپنا ارادہ تبدیل کرنے پر مجبور ہو گیا۔ گذشتہ دنوں اسے کئی مراسلے موصول ہوئے جن میں ایک قیصرِ روم کی جانب سے تھا، جس میں اس نے بلادِ مصر کی جانب سے کی جانے والی بھرپور تیاری کو شبے کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اپنے خدشات کا اظہار کیا تھا۔ اس نے سلطان بیبرس کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ تحریر کیا تھا کہ بلادِ مصر میں مسلمانوں نے اپنا نیا خلیفہ منتخب کر لیا ہے جس سے وہ مرکزیت دوبارہ بحال ہو چکی ہے جسے عظیم مسیحی خادم ہلاکو خان نے بغداد میں موت کی نیند سلا دیا تھا خلیفہ کا وجود نصرانیت کی بقاء کے لئے ایک بڑا خطرہ ہے لہٰذا ہلاکو خان کو بلا تاخیر اس مسئلے کا حل سوچنا چاہیے۔ اس سے پہلے کہ مسلمان متحد ہو کر نصرانیت کی دھجیاں اُڑاتے ہوئے ہلاکو خان کی فتوحات کو بھی داستان پارینہ بنا کر رکھ دیں اسے فوراً کوئی قدم اُٹھانا ہو گا۔ اس کے علاوہ اسے شاہ فرانس لوئی نہم نے عکہ نامی شہر (جو کہ ایک عرصے سے صلیبی قبضے میں تھا) سے بھی ایک مراسلہ بھیجا جس میں اس کی وطن واپسی کو کڑی کوتاہی قرار دیتے ہوئے معرکہ عین جالوت کی شکست کو ہلاکو خان کی غلطی قرار دیا گیا اور اس کے غصے کو ہوا دینے کی کوشش کی گئی کہ وہ اتنا غافل ہو چکا ہے کہ اسے سلطان مصر کی کارروائیاں تک دکھائی نہیں دے رہیں کہ وہ تیزی سے نہ صرف منگولوں کو مقبوضات سے باہر نکال رہا ہے بلکہ عیسائیوں پر اس کے ظلم و ستم بڑھتے جا رہے ہیں۔ شاہ ریمنڈ چہارم کی جانب سے بھی ایسا ہی ایک سلگتا ہوا مراسلہ ملا۔

اس کے علاوہ سب سے اہم مراسلہ اسے اپنے پرانے حلیف بدر الدین لولو امیر موصل کے بیٹے علاء الدین لولو امیر حلب کا ملا، جس میں اس نے خلیفہ مستنصر باللہ کی تیاری کا احوال بڑی تفصیل سے درج کیا تھا۔ اس نے واضح الفاظ میں یہ باور کرایا کہ خلیفہ اسلام کا مقصد نہ صرف تاتاریوں کو کچلنا ہے بلکہ بغداد بھی ان کے قبضے سے واپس لینا ہے۔ یہ نہایت اہم اطلاع تھی۔ سلطان بیبرس اگر اس مہم کی قیادت کر رہا ہوتا تو شاید اتنی اہم بات نہ ہوتی مگر خلیفہ اسلام کا لشکر کے ساتھ پیش قدمی کرنا بے حد خطرناک تھا۔ اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو ہلاکو خان کے نام کا چھایا ہوا خوف مسلمانوں کے ذہنوں سے زائل ہو جاتا اور منگولوں کی سرزمین کی جانب اسلامی لشکروں کا نہ رُکنے والا سلسلہ شروع ہو سکتا تھا۔ اس خبر کے ملتے ہی ہلاکو خان نے فوراً اپنی مشاورت کو طلب کیا اور ان سے صلاح و مشورہ کیا۔ قریباً سب امراُ و رفقاء نے متفقہ طور پر یہی مشورہ دیا کہ بلادِ شام کی جانب فوری کوچ کرنا وقت کی اوّلین ضرورت ہے لہٰذا ہلاکو خان نے بلا تامل اپنے سالاروں کو مراغہ سے نکلنے کا حکم سنا دیا۔

ہلاکو خان نے مراغہ سے کئی کوس دور اپنا پہلا پڑاؤ ڈالا۔ اس قیام کا مقصد وہ مشترکہ عبادت کرنا تھا جس کی بدولت منگولوں کے بدن شجاعت و بہادری کی قوتوں سے بھر جایا کرتے تھے۔ سورج کے طلوع ہوتے ہی عبادت کا آغاز کیا گیا۔ ہلاکو خان نے اس عبادت میں مرکزی کردار ادا کرتے ہوئے جاودانی آسمان کے خدا سے اپنی فتح و نصرت کی خصوصی دُعا کی۔ اسی قیام کے دوران اسے برقائی خان کی افواج کے خروج کی اطلاعات ملیں اس نے حالات پر گہری نگاہ ڈالتے ہوئے اعلان کیا کہ برقائی خان سے بھڑنا اس وقت مناسب نہیں، اگر ایسا ہوا تو ہمارا خاصا وقت اور قوت یہیں برباد ہو جائے گی اور خلیفہ اسلام اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس نے تیز ترین قاصدوں کو خراسان کی جانب روانہ کیا کہ وہ مکمل تیاری کے ساتھ بلادِ شام کی راہ لیں اور وہاں پہنچ کر اسلامی لشکر کو آگے بڑھنے سے روکیں، اسی دوران وہ خود بھی اپنے لشکروں سمیت پہنچ جائے گا۔ کافی

سوچ بچار کے بعد یہ طے پایا کہ قفقاز کے دروں کو عبور کرتے ہوئے بلادِ شام کی راہ لی جائے تاکہ برقائی خان اگر پیچھا کرنے کی کوشش بھی کرے تو انہیں پا نہ سکے۔ برقائی خان جب تک قفقاز پہنچتا، وہ اس کی گرفت سے بہت دور نکل چکے ہوتے۔ عبادت کا دورانیہ مختصر کرتے ہوئے ہلاکو خان نے اسی دن قفقاز کے دروں کی جانب روانگی کا حکم دے دیا۔ منگول دانشوروں نے ہلاکو خان کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ عبادت کو مکمل کرے، یوں عبادت کو مختصر کرنا بدشگونی کی بات ہے مگر ہلاکو خان نے ان کی بات تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ کوہ قفقاز کی وادی نہایت دشوار پہاڑی علاقہ تھا۔ جہاں جنگ چھیڑنا بے حد مشکل اور نقصان دہ امر تھا۔ ہلاکو خان سوچ سمجھ کر اس جانب بڑھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر برقائی خان اس کا تعاقب کرتے ہوئے وہاں پہنچ بھی گیا تو وہ اسے کوئی بڑا نقصان نہیں پہنچا پائے گا۔ اسے برقائی خان کی قوت کا کوئی خوف نہیں تھا، صرف اپنا وقت بچانے کی فکر لاحق تھی کہ وہ تیز رفتاری سے بلادِ شام پہنچ جائے۔

❀ ❀ ❀

7 ذی الحجہ 659ھ کو خلیفہ مستنصر باللہ اپنے ساتھ ساٹھ ہزار مجاہدین کا لشکر لے کر قاہرہ سے نکلا۔ سلطان الملک الظاہر بیبرس اور ریاست کے اعلیٰ منصب دار اور امراُ کا کثیر گروہ امیر المومنین کا ساتھ دینے کے لئے قاہرہ سے ساتھ ہو لیا۔ خلیفہ مستنصر باللہ کی خواہش تھی کہ وہ تیز رفتاری سے سفر کرتے ہوئے جلد از جلد بغداد پہنچ جائے لہٰذا تمام راستے کم سے کم پڑاؤ ڈالے جائیں۔ قاہرہ سے نکل کر پہلا پڑاؤ غانہ کے قریب ڈالا گیا جو کہ حلب سے متصل تھا۔ مجاہدین کا گروہ تمام راستے نعرہ تکبیر کی آوازیں بلند کرتا رہا۔ وہ اپنے خلیفہ کو اپنے درمیان پا کر روحانی تقویت محسوس کر رہے تھے۔ بڑے عرصے کے بعد یہ موقع آیا تھا کہ کسی جنگی مہم کی قیادت خود خلیفہ اسلام کر رہا تھا۔ پڑاؤ ڈالنے کے بعد مجاہدین کے ہمت و عزم میں جوش و ولولہ پیدا کرنے کے لئے خلیفہ مستنصر باللہ نے غانہ میں ایک خطاب کیا جس میں جہاد کی فضیلت کو خصوصیت سے بیان کیا گیا۔ سلطان بیبرس نے امیر المومنین کے حکم کے باعث تمام وقت آدابِ خلافت کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے اپنی خاموشی برقرار رکھی۔ غانہ میں مجاہدین کے قیام کی خبریں دور دور تک پھیل گئیں۔ ریاست حلب میں بھی اس جنگی مہم کے چرچے ہر خاص و عام کی زبان پر تھے۔ سلطان علاء الدین لولو تذبذب کا شکار تھا کہ کہیں خلیفہ مستنصر باللہ کا رُخ اس کی ریاست کی جانب نہ مڑ جائے۔ حلب میں موجود خلیفہ الحاکم بامر اللہ کو جب اپنے عباسی بھائی کی غانہ میں آمد کا معلوم ہوا تو اس نے علاء الدین لولو کو فوراً پیغام پہنچایا کہ وہ اسی وقت خلیفہ مستنصر باللہ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ علاء الدین لولو اپنے خلیفہ کی اس عجیب سی فرمائش پر بوکھلا گیا۔ اس نے طوعاً کرہاً رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے علامہ ابن تیمیہ اور دیگر ریاستی عہدیداروں کے ساتھ خلیفہ الحاکم بامر اللہ کو غانہ بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

خلیفہ الحاکم بامر اللہ کو جلد ہی یہ معلوم ہو گیا کہ خلیفہ مستنصر باللہ غانہ میں زیادہ دیر تک قیام کا ارادہ نہیں رکھتا لہٰذا اس نے ایک تیز ترین قاصد کو اپنے آگے روانہ کیا تاکہ وہ اسے ملاقات کے لئے روک سکے۔ حلبی امراُ کے جلو میں خلیفہ الحاکم بامر اللہ سفر کرتا ہوا غانہ پہنچا۔ خلیفہ مستنصر باللہ کو اس کی آمد کی خبر مل چکی تھی وہ خود اس کے استقبال کے لئے پڑاؤ سے باہر آیا۔ سلطان بیبرس اور دیگر مملوک امراُ نے خلیفہ مستنصر باللہ کے ساتھ حلبی خلیفہ الحاکم بامر اللہ کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ دونوں عباسی بھائی ایک دوسرے کو دیکھ کر غمگین ہو گئے۔ پُرزور مصافحے کے ساتھ ان کے دلوں میں چھپا ہوا جذبات کا تلاطم آنکھوں میں چھلکنے لگا۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے اپنے خاص خیمے میں حلبی خلیفہ الحاکم بامر اللہ کو برابر میں نشست دی۔ حال احوال کے بعد گفتگو کا سلسلہ آگے بڑھا۔

''ابو العباس!'' خلیفہ مستنصر باللہ بولا۔ ''میں نہیں سمجھتا کہ اب کوئی ایسا موقعہ ہے کہ ہمیں آپس میں لڑنا

چاہئے اور اپنے خاندان کے بچے کھچے افراد کو بھی ہلاکت میں ڈال دینا چاہئے''۔

''ابوالقاسم! میں تمہارا مطلب سمجھا نہیں؟'' خلیفہ الحاکم بامراللہ حیرت سے بولا۔

''کیا تم نے عداوت میں پہل نہیں کی کہ تم یہ جانتے ہوئے بھی کہ مجھے ملت اسلامیہ نے متفقہ طور پر خلیفہ منتخب کرتے ہوئے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے، پھر بھی تم نے حلب میں اپنی خلافت کی آواز بلند کی......'' خلیفہ مستنصر باللہ کی آواز میں شکوہ تھا۔

''ابوالقاسم! اللہ جانتا ہے کہ اس میں میری کوئی خواہش نہیں تھی، یہ ابن تیمیہ موجود ہیں، یہ میری جانب سے گواہی دیں گے کہ میں تو آخری دم تک انکار کرتا رہا مگر حلب کے لوگ اور امراُ اصرار کرتے رہے''۔ خلیفہ الحاکم بامراللہ نے صفائی پیش کرنا چاہی۔

''میں تمہاری بات تسلیم کئے لیتا ہوں اگر واقعی تمہاری نیت صاف تھی تو تمہیں میری بیعت کا مشورہ دینا چاہئے تھا۔ کیا ہمارے اجداد میں بھائی خلیفہ کے لئے بیعت نہیں لیا کرتے تھے''۔

''مجھے اقرار ہے کہ آج میں غلطی پر ہوں''۔ خلیفہ الحاکم بامراللہ کی نگاہیں جھک گئیں۔

''ہمارے محسن سلطان بیبرس کی اعلیٰ ظرفی دیکھو کہ اس نے تمہاری خلافت کی جانب ایک بار بھی نہ تو آنکھ اُٹھائی اور نہ ہی ہم سے کبھی شکوہ کیا حالانکہ وہ ایسا کرسکتا تھا مگر اسے احیائے خلافت صرف اس لئے نہیں کرنا تھی کہ وہ خلافت کو اپنے گھر کی لونڈی بنالے۔ وہ خلقت خدا کو اسی مرکز پر دوبارہ متحد کرنا چاہتا ہے جس کا فقدان آج ہماری بربادی کا باعث بنا ہے۔ وہ تو ایک غلام زادہ ہے اور اتنا کچھ سوچ لیتا ہے کیا تمہاری نگاہوں میں اپنے نسب کی اتنی بھی وقعت باقی نہیں رہی ہے؟'' خلیفہ مستنصر باللہ کاٹ دار لہجے میں بولتا گیا۔ خلیفہ الحاکم بامراللہ نگاہیں نیچی کئے بیٹھا رہا۔ اس کے کانوں میں خلیفہ مستنصر باللہ کی تیز آواز گونج رہی تھی۔ ''اگر تم سمجھتے ہو کہ خلافت پر تمہارا حق ہے تو میں ان سب لوگوں کے سامنے اپنی دستبرداری کا اعلان کرتا ہوں تم یہ منصب سنبھال لو اور مجاہدین کے ساتھ جاؤ اور بغداد تاتاریوں سے واپس لے لو۔ یقین رکھو! میں تمہارے ہر حکم کا تابع رہوں گا''۔

''امیرالمومنین!'' الحاکم بامراللہ کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ ''میں آپ کے حق میں اپنی خلافت سے دستبردار ہوتا ہوں اور اپنے سب رفقاء کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ نیک نیتی سے آپ کی بیعت کرلیں سچ جانئے کہ مجھے کبھی بھی خلافت کی حرص نہیں تھی اور نہ ہی میں نے آپ سے عداوت کا گمان کیا ہے''۔

دوسرے لمحے الحاکم بامراللہ نے اُٹھ کر امیرالمومنین مستنصر باللہ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے اپنی بیعت کی مہر ثبت کردی۔ حلبی امراُ اپنے خلیفہ کی یکا یک دستبرداری پر ہکا بکا کھڑے رہ گئے۔ یہ سب اس قدر آناً فاناً ہوا کہ انہیں سوچنے سمجھنے کی مہلت بھی نہ مل سکی۔ اپنے خلیفہ کی دست برداری کے بعد ان کے پاس دوسری کوئی صورت نہ تھی کہ وہ آگے بڑھ کر خلیفہ مستنصر باللہ کی بیعت کریں۔ وہ بحالتِ مجبوری آگے بڑھے اور بیعت کرتے گئے۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے ان امراُ کو اپنی جانب سے تمام حلب سے بیعت حاصل کرنے کی ہدایت کی اور حلب کے منتظم علاء الدین لولو کے نام ایک مراسلہ بھی تحریر کرکے دیا جس میں اپنی بیعت اور سلطان بیبرس کی سیادت کو تسلیم کرنے کا حکم تحریر تھا۔ تھوڑی دیر بعد الحاکم بامراللہ کی خواہش پر امراُ اور رفقاء کو خیمے سے باہر بھیج دیا گیا۔ اب خیمے میں صرف خلیفہ مستنصر باللہ، سلطان بیبرس، امیر فخرالدین لقمان، امیر قلاؤن الفی اور الحاکم بامراللہ رہ گئے تھے۔

''امیرالمومنین!'' الحاکم بامراللہ قدرے توقف کے بعد بولا۔ ''خلوت کی ضرورت اس لئے پیش آئی کیونکہ جو بات میں اب کرنا چاہتا ہوں وہ صرف ہم لوگوں کے درمیان رہنا زیادہ بہتر ہے''۔

''ابوالعباس! کھل کر بات کرو، ہمیں تمہارے انداز سے کچھ خوف محسوس ہورہا ہے''۔ خلیفہ مستنصر باللہ پریشان سا ہوگیا۔ سلطان بیبرس پوری طرح چوکنا بیٹھا تھا کہ کہیں الحاکم بامراللہ کوئی غلط حرکت نہ کردے۔

''امیرالمومنین! بات یہ ہے کہ میں آپ کو خلوص نیت سے یہ مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ آپ بغداد کی مہم کا ارادہ ترک کردیں''۔ الحاکم بامراللہ نے دھیمے انداز میں کہا تو سب لوگ اپنی جگہ بیٹھے سناٹے میں آگئے۔ خلیفہ مستنصر باللہ عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی مستفسرانہ نگاہیں بدستور اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھی جبکہ آنکھوں کی پتلیوں کا پھیلاؤ اس کی ناگواری کا احساس بھی دلا رہا تھا۔ الحاکم بامراللہ نے سب کے چہروں پر اچٹتی نظر ڈالی اور اپنی بات کو آگے بڑھایا۔

''امیرالمومنین! بغداد کی واپسی کے بارے میں تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا کہ وہ کس کے ہاتھوں تاتاریوں کے خونخوار پنجوں سے نجات پائے گا مگر یہ بات یقینی ہے کہ کوئی بھی عباسی شخص اسے واپس نہیں حاصل کرسکتا خواہ وہ آپ ہوں یا میں یا کوئی اور''۔

''تم یہ بات اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو؟'' خلیفہ مستنصر باللہ لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔

''آپ بخوبی جانتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشارت فرمائی تھی کہ آل عباس کی حکومت کا خاتمہ چپٹے چہروں والے گروہ کے ہاتھوں ہوگا جن کی آنکھیں چھوٹی اور قریب قریب ہوں گی، ان کے جوتے بالوں کے ہوں گے اور جسم کھالوں اور چمڑوں سے لپیٹے ہوں گے...... کیا تاتاری درندگی اور شباہت میں اس بشارت کے مصداق نہیں؟''

''یہ سب تو سچ ہے مگر تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ آل عباس کو تاتاریوں پر فتح حاصل نہیں ہوسکتی؟'' خلیفہ مستنصر باللہ معترض انداز میں بولا۔

''امیرالمومنین! میں نے یہ نہیں کہا کہ تاتاریوں کو مغلوب نہیں کیا جاسکتا بلکہ میری بات کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری حکومت کا خاتمہ ان کے ہاتھوں بیان فرمایا ہے، ہمارے ہاتھوں ان کے خاتمے کی نوید نہیں سنائی۔ اس سے صاف مراد ہے کہ ان کی آمد کے بعد ہماری حکومت کا باب بند ہوجائے گا، آپ کے مشاہدے میں آچکا ہے کہ عین جالوت کے معرکے میں سلطان بیبرس کے ہاتھوں تاتاریوں کو شکست ہوگئی مگر بغداد کی خلافت اور محافظ ان سے مقابلہ کرنے میں عاجز رہے''۔

''تمہارا فلسفہ و منطق ہماری سمجھ سے باہر ہے دوسرا ہم صرف اپنے اللہ پر یقین رکھتے ہیں، وسوسوں اور تاویلوں کے شگون ہماری راہ نہیں روک سکتے۔ ہم اپنا ارادہ نہیں بدلیں گے اور یہ لشکر اپنے مقام تک ضرور پہنچے گا''۔ خلیفہ مستنصر باللہ کے چہرے پر جوش و ولولہ پھیلتا ہوا دکھائی دیا۔ سلطان بیبرس نے ایک بار پھر نرم انداز میں الحاکم بامراللہ کی بات پر غور کرنے کا مشورہ دیا اور معرکے کی کمان کو امیر قلاؤن الفی کو سونپنے کی سفارش کی مگر خلیفہ مستنصر باللہ کا جواباً ردِ عمل یہ اس قدر تیز اور غضب ناک تھا کہ اس نے مزید گفتگو مناسب نہیں سمجھی۔ الحاکم بامراللہ خلیفہ مستنصر باللہ سے ملاقات کے بعد غانہ میں ہی ٹھہر گیا کیونکہ وہ اب واپس حلب نہیں جاسکتا تھا۔ علاء الدین لولو اس کی دستبرادری پر سخت ردعمل ظاہر کرسکتا تھا جبکہ خلیفہ مستنصر باللہ نے اگلے دن اپنے لشکر کو کوچ کرنے کا حکم دیا۔ لشکر اپنے خلیفہ کا حکم پاتے ہی نہایت تیز رفتاری سے دمشق کی جانب بڑھنے لگا۔

❁ ❁ ❁

برقائی خان کے پاس بروقت یہ اطلاع پہنچ گئی کہ ہلاکو خان اردو ئے زریں کے بجائے واقعی بلادِ شام کی طرف روانہ ہوچکا ہے۔ وہ سرحدی علاقوں میں موجود اس کی آمد کا انتظار کررہا تھا۔ یہ بے حد نازک مرحلہ تھا

کہ ہلاکو خان بڑی صفائی سے پہلو بچا کر اپنا مقصد حل کر چکا تھا۔ برقائی خان کے لئے کڑا امتحان تھا کہ وہ سلطان بیبرس سے کئے گئے قول و قرار کو کس طرح نبھاتا ہے؟ اس کی ہر ممکن کوشش یہی تھی کہ وہ کسی بھی طریقے سے ہلاکو خان کو اسلامی مقبوضات کی جانب نہ بڑھنے دے۔ وادی قفقاز کی جانب سے روانگی اختیار کرنا ہلاکو خان کی شاطرانہ چال جس کی ہولناکی برقائی خان کو بھی معلوم تھی۔ اس نے گہرے غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اسے وقت ضائع کئے بغیر قفقاز کی جانب بڑھنا چاہئے۔ اب یہی راستہ باقی بچا تھا کہ قفقاز کی وادی کو ہی میدان جنگ بنالیا جائے۔

برقائی خان نے اپنے تجربہ کار سالاروں سے مشورہ کیا تو انہوں نے اس مہم کو سراسر خودکشی قرار دیا مگر برقائی خان نے ان کے خدشے کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں کی۔ اس نے اس مشکل معرکے پر محض اتنا ہی تبصرہ کیا کہ کیا خیام زریں سپاہی اتنے کمزور اور بزدل ہو چکے ہیں کہ انہیں مہمات میں آسان اور مشکل کا فرق دکھائی دینے لگا ہے۔ مہمات مشکل ہی ہوتی ہیں اور مشکل معرکے کا سامنا کرنا ہی مردانگی ہے۔ برقائی خان کی اس گہری طنز نے خیام زریں منگولوں کے دل و دماغ میں بجلیاں بھر دی تھیں وہ ایل خانی منگولوں کے مقابلے میں مرنے مارنے پر تل گئے۔ برقائی خان نے تیز ترین قاصد سمرقند کی جانب روانہ کیا تا کہ وہ فدائیوں کو باخبر کر سکے کہ معرکے کا وقت آن پہنچا ہے۔ اس مراسلے میں اس نے جنگی حکمتِ عملی کی مکمل تفصیل درج کی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہاں مطیع الدین موجود ہے جو کہ انہیں مزید آسان پیرائے میں سمجھا سکتا ہے۔ پھر کچھ غور کرنے کے بعد اس نے دو سو جنگجو سپاہیوں کا دستہ فوکنا جو خان کی قیادت میں سمرقند کے راستے قہستان روانہ کر دیا تا کہ وہ قہستان پہنچ کر فدائی سپاہیوں کے ساتھ مل کر سامنے کی جانب سے ہلاکو خان کو پریشان کر سکے۔

برقائی خان نے ان امور سے فارغ ہوتے ہی تمام لشکر کو ساتھ لیا اور وادی قفقاز کی جانب راہ لی۔ اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ اس نے راستے میں کسی بھی مقام پر قیام نہیں کیا۔ وہ اپنی جوشیلی طبیعت کی وجہ سے ہر کام کو نہایت تیز رفتاری سے مکمل کیا کرتا تھا۔ ویسے بھی اس کے پاس وقت بہت کم تھا اگر ہلاکو خان وادی قفقاز عبور کر جاتا تو اسے پکڑنا خاصا دشوار ثابت ہو سکتا تھا۔ برقائی خان کی یہ کوشش تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح ہلاکو خان سے پہلے ہی وادی قفقاز پہنچ جائے اور وہاں اپنے مورچے سنبھال کر بیٹھ جائے۔ یہ ایک مشکل ترین امر تھا جس کا پایہ تکمیل تک پہنچ جانا بے حد دشوار تھا۔

❀ ❀ ❀

سخت سردی کے موسم میں سمرقند سے ایک قاصد تیز رفتاری سے سفر کرتا ہوا قلعہ الموت پہنچا۔ اس نے محافظوں کو بتایا کہ اس کے پاس مطیع الدین کے نام ایک خاص پیغام ہے۔ محافظوں نے یہ اطلاع شیخ کبیر الدین کو فوراً پہنچا دی۔ شیخ کبیر الدین نے اسے مطیع الدین کے پاس پہنچانے کا حکم صادر کیا۔ وہ شخص دو گھنٹے تک مطیع الدین کے کمرے میں موجود رہا اور پھر رخصت ہو گیا۔ مطیع الدین نے اس کی رخصت کے بعد ایک غلام کو کہا کہ وہ اپنے رئیس تک پیغام پہنچائے کہ مہمان اس سے فوری ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ شیخ کبیر الدین پہلے سے ہی منتظر بیٹھا تھا۔ اس نے فوراً اسے اپنے پاس بلوا لیا۔ مطیع الدین نے کچھ دیر کے بعد اپنی بات کا آغاز کیا اور اسے اطلاع دی کہ برقائی خان نے یہ پیغام بھیجا ہے کہ ہلاکو خان وادی قفقاز کی جانب بڑھ رہا ہے لہٰذا آپ لوگوں کو پوری تیاری کے ساتھ درّے کے سامنے والے حصے کو اپنے قبضے میں لینا ہوگا۔

''حیرت کی بات ہے، اتنے خراب موسم میں وادی قفقاز کی جانب ہلاکو خان کے لشکر کی آمد کیسے ممکن ہے؟ ایسے موسم میں تو منگول اپنے علاقوں سے کبھی باہر نہیں نکلتے''۔

''شیخ الرئیس! میری بات کی صداقت کی تحقیق آپ خود بھی کرا سکتے ہیں بے شمار ذرائع آپ کے پاس موجود ہیں''۔ مطیع الدین نے کہا۔

''تم تو برا مان گئے''۔ شیخ کبیر الدین ہنسنے لگا۔ ''میرا کہنے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ یہ خبر جھوٹی ہے بلکہ مجھے اس امر پر حیرت ہے کہ ایسے موسم میں ہلاکو خان کو کیا ضرورت پیش آئی ہے کہ وہ لشکر کشی کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا ہے؟''

''اگر آپ کی جانب سے آمادگی دکھائی دے گی تو میں اپنی بات کو آگے بڑھا سکوں گا''۔

''اگر ہماری آمادگی شامل نہ ہوتی تو تم الموت میں بطور مہمان نہیں رہ سکتے تھے''۔ شیخ کبیر الدین کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ مطیع الدین نے ایک مراسلہ اس کی جانب بڑھا دیا جو کہ برقائی خان کی جانب سے فدائیوں کے رئیس کے نام تھا۔ اس میں ہلاکو خان کی بلادِ شام کی جانب روانگی کی تفصیل موجود تھی اور ساتھ ہی وہ حکمت عملی بھی درج تھی جس کے تحت فدائیوں کو اپنا فرض نبھاتے ہوئے حلیف ہونے کا حق ادا کرنا تھا۔ شیخ کبیر الدین نے کئی بار اس خط کو پڑھا۔ معرکے کی حکمتِ عملی اس کے لئے قابلِ قبول تھی۔ اس نے اپنی رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''ہم مقررہ وقت پر وادی قفقاز میں پہنچ جائیں گے مگر مجھے اس معرکے کا انجام کوئی سودمند دکھائی نہیں دیتا''۔

کچھ ضروری امور پر شیخ کبیر الدین نے مطیع الدین سے گفتگو جاری رکھی، جب بات مکمل ہو گئی تو مطیع الدین نے تین آتش بازیاں فضا میں چھوڑنے کی یکایک فرمائش کر ڈالی۔

''کافی ذہین ہو''۔ شیخ کبیر الدین اس کی فرمائش پر بے اختیار بولا۔ ''تم نے قاصد کو پہلے ہی روانہ کر دیا تا کہ اس کا وقت بچ جائے اور تمہارا جواب آتش بازی کی صورت میں اس تک پہنچ جائے''۔ مطیع الدین اس کی بات پر محض مسکرا دیا۔

شیخ کبیر الدین نے فوری طور پر اپنی سپاہ کو تیار ہونے کا حکم دیا۔ ان کے پاس اپنی منزل تک پہنچنے کے لئے صرف نصف دن باقی تھا۔ وادی قفقاز یوں تو زیادہ دور نہیں تھی مگر موسم کی خرابی کے باعث انہیں وہاں پہنچنے میں دیر بھی ہو سکتی تھی۔

❀ ❀ ❀

دمشق پہنچتے ہی خلیفہ مستنصر باللہ نے سلطان بیبرس کو یہ حکم سنا دیا کہ وہ اپنے مملوک رفقاء کے ساتھ اب وہیں قیام کرے گا۔ مجاہدین کا لشکر اب صرف خلیفہ کی قیادت میں ہی بغداد کی جانب روانہ ہوگا۔ سلطان بیبرس کا خیال تھا کہ دمشق پہنچنے کے بعد ممکن ہے کہ امیر المومنین کا خیال بدل جائے مگر اس کی ضد برقرار دیکھ کر اس نے اُلجھنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس نے امیر المومنین کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر اس بات کا اقرار کیا کہ وہ اس معرکے میں بالکل شمولیت نہیں کرے گا البتہ جب اسے امیر المومنین خود طلب کریں گے تو وہ فوراً حاضر ہو جائے گا۔ ایک دن کے مختصر قیام کے بعد خلیفہ مستنصر باللہ ساٹھ ہزار سے زائد مجاہدین کی جماعت لے کر بغداد کی جانب روانہ ہو گیا۔ سلطان بیبرس خلیفہ مستنصر باللہ کو دمشق کے باہر تک چھوڑنے کے لئے ساتھ آیا۔ خلیفہ اسلام کی سرکردگی پا کر اسلامی لشکر میں بلادِ شام سے ہزاروں کی تعداد میں تاتاریوں کے خلاف جہاد کے لئے رضاکار مجاہدین شامل ہوتے رہے۔ سلطان بیبرس خلیفہ مستنصر باللہ کے رویئے سے نہایت آزردہ خاطر تھا پھر بھی اس نے اس کی فتح و نصرت کے لئے دُعا کی۔ خلیفہ مستنصر باللہ اپنے گرد اتنا بڑا لشکر دیکھ کر پھولے نہیں

سایا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد کے لئے اتنی کثیر تعداد میں خلقت کو ساتھ کر دیا۔ وہ عالم تصور میں بغداد کی نئی تعمیر اور پُر رونق بازاروں کو محسوس کر کے زیر لب مسکراتا رہا۔

سلطان بیبرس نے خلیفہ مستنصر باللہ کی حفاظت کے لئے کچھ خفیہ مملوک سپاہی بھی ساتھ روانہ کئے تھے جن کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ نازک ترین حالات میں خلیفہ کو نقصان نہ پہنچنے دیں۔ اس کے علاوہ سلطان بیبرس نے خلیفہ کے لشکر کی مدد کے لئے امیر قلاوون الفی کی زیر قیادت ایک تجربہ کار اور مہارت یافتہ مملوک دستہ بھی تیار کیا۔ سلطان بیبرس نے مخبروں کو کڑی ہدایات کیں کہ وہ ایک ایک پل کی خبریں دمشق روانہ کرتے رہیں۔ سلطان بیبرس کے پُر خلوص جذبے کا اظہار اور اطاعت کی یہ مثال تاریخ میں ایک مثال ہے۔ خلیفہ مستنصر باللہ کا لشکر اوسط رفتار سے بغداد کی جانب بڑھ رہا تھا۔ کسی جانب سے کسی خاص تبدیلی یا خطرے کی کوئی خبر نہیں آئی جس پر سلطان بیبرس خاصی حد تک مطمئن ہو گیا البتہ اسے تاتاریوں کی جانب سے اس قدر خاموشی پر حیرت بھی تھی کہ انہوں نے ابھی تک کوئی خاص پیش قدمی کیوں نہیں کی۔

دمشق میں قیام کئے ہوئے سلطان بیبرس کا ساتواں دن تھا کہ اسے کسی وفد کی آمد کے بارے میں آگاہ کیا گیا۔ سلطان بیبرس نے اس ملاقاتی وفد کو اپنے شاہی کمرے میں ہی طلب کر لیا۔ سلطان بیبرس کے ہمراہ اس وقت اس کا معتمد خاص امیر فخر الدین لقمان بھی موجود تھا۔ آنے والا وفد پانچ افراد پر مشتمل تھا۔ وہ سب لوگ ادھیڑ عمر دکھائی دیتے تھے۔ انہوں نے روایتی امراء کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ سلطان بیبرس نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ سب مؤدب انداز میں سلام کرتے ہوئے سلطان کے سامنے نشستوں پر بیٹھ گئے۔ نو وارد وفد کی خاموشی کو دیکھتے ہوئے سلطان بیبرس مسکرا دیا۔ وہ لوگ اجازت کے لئے طلبگار نگاہوں سے سلطان بیبرس کی جانب دیکھ رہے تھے۔ سلطان بیبرس نے انہیں بات کرنے کا اشارہ کیا۔

''سلطانِ محترم!'' ان میں سے ایک خوش وضع اور ادھیڑ عمر شخص بولا۔ ''میرا نام غیاث الدین ہے اور میرا تعلق ریاست حلب سے ہے۔ میں ایک خاص خبر کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں''۔

سلطان بیبرس نے اس کے منہ سے حلب کا تذکرہ سن کر ناگواری کا اظہار کیا۔ ان نازک حالات میں وہ امیر حلب علاء الدین لولو کی سازشوں میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔

''دیکھو مجھے صرف وہی بات بتانا جس میں کوئی صداقت ہو..... میں بے کار کی باتوں میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا''۔ سلطان بیبرس کا لہجہ کسی قدر سخت ہو گیا۔

''سلطانِ محترم! ہمارا شمار ایسے امراء میں ہوتا ہے جنہیں نہ تو دولت و حشمت کی کوئی ہوس ہے اور نہ ہی سلطانوں کے سامنے اپنی حیثیت مستحکم بنانے کی خواہش..... ہم لوگ صرف اس مقصد کے لئے یہاں آئے ہیں کہ لوگوں نے آپ پر جس یقین و اعتماد کا اظہار کیا ہے، اسے چند مفسد اور شریر لوگوں کی خفیہ ریشہ دوانیوں سے بچایا جا سکے''۔ غیاث الدین مؤدب انداز میں کسی قدر لفظ چباتے ہوئے بولا۔ اس کے چہرے پر کسی قسم کا خوف یا پریشانی دکھائی نہیں دی۔ سلطان بیبرس نے تیز نگاہوں سے اُس کے سراپے کا جائزہ لیا۔ غیاث الدین کے چہرے پر پھیلی ہوئی سچائی کی جھلک نے سلطان کے دل میں نرمی کا گوشہ پیدا کر دیا تھا۔

''تم اطمینان سے اپنی بات مکمل کرو، ہم سن رہے ہیں''۔

''سلطانِ محترم! ہمیں کچھ قریبی خاص احباب کی بدولت یہ معلوم ہوا ہے کہ امیر حلب علاء الدین لولو نے بلادِ مصر کی حکومت کو نیچا دکھانے کے لئے پہلے الحاکم بامر اللہ کو خلیفہ نامزد کیا اور اس سے یہ اعلان کرانے کی کوشش کی کہ وہ بلادِ مصر کی حکومت کو ناجائز قرار دیتے ہوئے لشکر کشی کا حکم جاری کرے مگر اس نے ایسے مذموم

فعل کی مذمت کرتے ہوئے علاء الدین لولو کا مطالبہ رد کر دیا، اپنی اس ناکامی کے بعد علاء الدین لولو اور اس کے رفقاء نے یہ منصوبہ سازی کی کہ امیر المومنین مستنصر باللہ کے دل میں بغداد کی تڑپ اس قدر بھڑکا دی جائے کہ وہ تاتاریوں کے مقابلے میں اُٹھ کھڑے ہوں اور اپنے اس منصوبے میں وہ پوری طرح کامیاب ہو گئے، اب جبکہ خلیفہ الحاکم بامر اللہ نے اپنی خلافت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا ہے اور ان کے پاس شرعی نیابت کا سہارا بھی ختم ہو چکا ہے تو وہ غصے سے دیوانے ہو چکے ہیں اور یہ مذموم منصوبہ بنا رہے ہیں کہ سلطان بیبرس تو قاہرہ سے بے حد دور دمشق میں بیٹھا ہوا ہے لہٰذا اس نادر موقعہ کا فائدہ اُٹھا کر قاہرہ پر دھاوا بول دیا جائے۔ کچھ ذرائع سے یہ اطلاع بھی ملی ہے کہ انہوں نے تاتاریوں کو خلیفہ مستنصر باللہ کی روانگی کی خبر بھی روانہ کر دی ہے، خفیہ مراسلت میں تاتاریوں کو یہ پیغام دیا گیا ہے کہ وہ خلیفہ کو شکست دے کر قید کر لیں اگر سلطان بیبرس اس کے عقب میں پہنچے تو اُسے بھی گرفتار کر کے بلا تاخیر موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے اگر تاتاری ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ انہیں خود بلادِ مصر میں دعوت دیں گے اور اپنے ہاتھوں عنان اقتدار سونپیں گے۔ یہ بھی خبر سنی گئی ہے کہ مشہور صلیبی سردار اور سابق شاہ یروشلم فریڈرک بھی اس منصوبہ بندی میں شامل ہیں''۔

''معزز امراء!'' امیر فخر الدین لقمان خاموش نہ بیٹھ سکا۔ ''آپ لوگوں کو شاید ان باتوں کی شدت کا اندازہ نہیں ہے جو آپ بلا دھڑک کئے جا رہے ہیں۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگ علاء الدین سے کسی ذاتی عناد کا بدلہ لینا چاہتے ہیں اور یہاں صرف سلطان محترم کو بھڑکانے کی نیت سے آئے ہیں''۔

''معزز امیر!'' غیاث الدین کا چہرہ احساس ذلت سے لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔ ''میں یہ نہیں جانتا کہ آپ کا دربار سلطانی میں کیا منصب ہے؟ مگر ہمارے جذبات کی تذلیل کرنے سے پہلے آپ کو یہ سوچ لینا چاہئے تھا اگر ہمیں علاء الدین لولو سے کسی قسم کا عناد ہوتا تو ہم یہاں مدد کے لئے کبھی نہیں نہ آتے بلکہ ہمارے گرد نصرانیوں کی بڑی تعداد موجود ہے، ان سے رابطہ کر کے اپنی دشمنی بآسانی نکالی جا سکتی تھی''۔

امیر فخر الدین لقمان نے مزید کچھ کہنے کی کوشش کی مگر سلطان بیبرس نے اسے روک دیا۔ وہ غیاث الدین کے چہرے کے اتار چڑھاؤ پرکھ چکا تھا۔

''یہ تو نہایت بچگانہ بات ہے، کیا علاء الدین کو یہ معلوم نہیں کہ قاہرہ میں پوری مملوک فوج موجود ہے، جسے اپنی سرزمین کی حفاظت کرنے کا فن بخوبی آتا ہے، تم لوگ بے فکر رہو اگر وہ ایسی کوئی نادانی کرے گا تو یہ سراسر خودکشی کے مترادف ہوگا اور رہا امیر المومنین کا معاملہ..... تو اس میں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے انشاء اللہ تعالیٰ جلد ہی تاتاریوں کی غلامی کا طوق مسلمانوں کی گردنوں سے اتر جائے گا''۔ سلطان بیبرس ہنس کر بولا۔

''سلطان محترم! ہم آپ کو جو ہو چکا ہے اس کی خبر نہیں دینے آئے ہیں بلکہ جو کچھ ہونے والا ہے اس سے خبردار کرنا چاہتے ہیں۔ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ علاء الدین لولو کی قاہرہ کی جانب پیش قدمی کی حوصلہ افزائی کے پیچھے قاہرہ کے کچھ سرکردہ لوگوں کا بھی ہاتھ ہے، ہمیں صرف ایک نام معلوم ہوا ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کی حیثیت قاہرہ میں بے حد مستحکم ہے اور مملوک افواج اس کی مٹھی میں ہیں''۔ غیاث الدین کسی قدر التجائیہ لہجے میں بولا۔

''تم ہمیں نام بتاؤ تاکہ ہمیں اپنی بے خبری کا اندازہ ہو سکے''۔ امیر فخر الدین لقمان نے کہا۔

''اس شخص کا نام فارس الدین اقطائی سنا گیا ہے''۔ غیاث الدین مختصراً بولا۔ امیر فخر الدین لقمان نام سنتے ہی سکتے کے عالم میں ڈوبتا چلا گیا جبکہ سلطان بیبرس کا چہرہ متغیر سا ہو گیا۔ فارس الدین اقطائی واقعی معمولی حیثیت کا مالک نہیں تھا۔ حقیقتاً مملوک افواج اس کی بات رد کرنے کی مجال نہیں رکھتی تھیں۔ سلطان بیبرس کو اپنی

سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ کیا واقعی فارس الدین اقطائی کا ہی نام کچھ دیر پہلے کمرے میں گونجا تھا۔ کئی لمحوں تک کمرے میں سکوت طاری رہا۔

''امیر غیاث الدین! تم نے سلطنت بلادِ مصر کی اہم شخصیت کا نام منہ سے نکالا ہے جس کے بارے میں ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایسا پست سوچنا بھی گناہ سمجھتا ہے۔ کیا تمہیں مکمل یقین ہے کہ جو تم کہہ رہے ہو وہ سچ ہے؟'' سلطان بیبرس دھیمی آواز میں درشت لہجے میں بولا۔

''سلطان محترم! ہمیں آپ کے سامنے جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، آپ خود اس معاملے کی تحقیق کرائیں، نتیجہ خود بخود سامنے آ جائے گا''۔ غیاث الدین مستحکم لہجے میں بولا۔

''ٹھیک ہے تم لوگ واپس حلب جاؤ، میں جلد ہی اس معاملے کو دیکھ لوں گا، اگر تم لوگ جھوٹے ثابت ہوئے تو یاد رکھنا کہ میرے غضب سے پناہ نہیں حاصل کر پاؤ گے''۔ سلطان بیبرس نے انہیں متنبہ کرتے ہوئے رخصت کر دیا۔ ان کے جاتے ہی امیر فخر الدین لقمان نے کچھ کہنا چاہا مگر سلطان بیبرس نے خلوت کا حکم دے دیا۔ وہ فارس الدین اقطائی کے بارے میں مزید خدشات کا شکار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ وہ تنہائی میں حلبی وفد کی باتوں پر غور کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ جو کچھ کہہ رہے تھے، وہ بڑا حساس معاملہ تھا۔ امیر غیاث الدین کا لہجہ صاف بتا رہا تھا کہ وہ دروغ گوئی سے کام نہیں لے رہا۔ یہ معلومات اس تک اسی حالت میں پہنچی تھیں جیسا اس نے بیان کیا۔ بہرکیف سلطان بیبرس پر یہ سچائی کھل چکی تھی کہ علاء الدین لولو کی حریص نگاہیں قاہرہ کی جانب مرتکز ہیں اور وہ جان بوجھ کر ایسے حالات پیدا کرنا چاہتا ہے کہ سلطان بیبرس کے ہاتھوں مملوک امراء مارے جائیں اور قاہرہ میں خانہ جنگی کی سی نوبت پیدا ہو جائے۔ علاء الدین کی دن بدن بڑھتی ہوئی ریشہ دوانیوں کے پیشِ نظر وہ نہایت سنجیدگی سے غور و خوض کرنے لگا کہ اب علاء الدین لولو کی حکومت کا وجود ختم کر دینا ضروری ہو گیا ہے۔

❀ ❀ ❀

وادیٔ قفقاز سلسلہ قراقرم کے بائیں کنارے پر چھوٹے چھوٹے درّوں پر مشتمل ایک اہم ترین مقام تھا جو ترکستان اور سلطنت منگولیانہ کو بلادِ اسلامیہ کے درمیان رابطے کا کام دیتا تھا۔ اس وادی میں اہم ترین مگر پُرخطر درّے موجود تھے جن میں سے قافلے اور لشکر گذر کر بالائی راستوں سے دوسری ریاستوں میں آ جا سکتے تھے۔ کچھ صدیاں پیشتر انہی راستوں کے ذریعے قتیبہ بن مسلم اور افشیں بہادر نے ترکستان کے مختلف علاقوں کی فتوحات کی تھیں۔ چنگیز خان بھی انہی راہوں سے سلطنت خوارزم میں داخل ہوا تھا۔ ویسے تو آسان ترین راستے سمرقند اور بخارا میں بھی موجود تھے مگر مراغہ کی جانب عجم اور قسطنطنیہ کی جانب سے جانے کے لئے وادیٔ قفقاز سے گذرنا پڑتا تھا۔ چنگیز خان کے بعد ان راستوں پر حسن بن صباح کے پیروکاروں نے قبضہ کر لیا تھا اور ان کی لوٹ مار اور غارتگری نے بیشتر مسلمان قافلوں پر عتاب ڈھایا۔ اس وادی سے اوپر دشوار پہاڑی سلسلوں میں کئی مضبوط قلعے قائم کئے گئے جن میں الموت نامی قلعہ سب سے زیادہ مشہور رہا۔ اس پہاڑی سلسلے کو قہستان کا نام دیا گیا تھا۔ وادیٔ قفقاز کے ذریعے ہی سلطنت روسیا تک رسائی حاصل کی جاتی تھی جو کہ ان دنوں چغتائی منگولوں کے قبضے میں آ چکی تھی۔ یہ علاقے بے حد سرد ہونے کے باعث مسلمانوں کے لئے کشش نہیں رکھتے تھے یہی وجہ تھی کہ ان کی فتوحات کی جانب کچھ زیادہ سرگرمی بھی نہیں دکھائی دی۔

منگولوں کے اتحاد نے ان علاقوں کی اہمیت سے مسلمانوں کو آشنا کر دیا تھا۔ تمام مغلوب اور حلیف سلطان اپنی ریاست کے تحفظ کے لئے انہی علاقوں میں سے گذر کر مراغہ جاتے رہے اور اپنے تحفظ کی یقین دہانی حاصل کرتے رہے۔ وقت گذرنے پر وادیٔ قفقاز تجارتی قافلوں کی اہم ترین گذرگاہ بن گئی۔ اس اہمیت

کا فائدہ سب سے زیادہ فدائی گروہ کو ہوا۔ انہوں نے اپنی لوٹ مار میں بے پناہ اضافہ کر دیا اور قافلوں کے قافلے موت کی نیند سلا دیئے گئے۔ ان کے حوصلے اتنے بلند ہو گئے کہ منگول قافلے بھی ان کی زد میں آنے لگے۔ سلطنت منگولیانہ خوراک کے معاملے میں انہی قافلوں کی محتاج تھی۔ انتہائی سرد موسم کے باعث وہاں انہیں سوائے برفانی جانوروں کے اور کچھ دستیاب نہیں تھا۔ فدائی گروہ کی بڑھتی ہوئی غارتگری کے پیشِ نظر سابق قاآن اعظم منگو خان مجبور ہو گیا کہ وہ اس جانب خصوصی طور پر توجہ دے۔ اس نے ہلاکو خان کو بلوا کر فدائی گروہ کے خاتمے کا حکم دیا۔ حیرت کی بات ہے کہ فدائی گروہ نصف صدی سے زیادہ عرصے تک مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہاتا رہا مگر دربارِ خلافت بغداد سے ان کی سرکوبی کے لئے کوئی قابلِ ذکر لشکر روانہ نہیں کیا گیا۔ سمرقند اور بخارا کے والیوں نے اپنے تئیں انہیں روکنے کی کوشش جاری رکھی مگر وہ بھی بھرپور نہیں کہی جا سکتی تھی۔ ہلاکو خان نے جہاں سلطنت اسلامیہ کو عظیم نقصان سے دوچار کیا تھا وہیں یہ کارنامہ بھی اس کے سر ہے کہ اس نے اس دشوار گذار پہاڑی سلسلے میں داخل ہو کر فدائی گروہ کے مضبوط و مستحکم قلعوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ مسلمانوں کے ان خونخوار قاتلوں کو عبرت ناک سزائیں دیں اور حسن بن صباح کے نام نہاد مذہب کا قلع قمع کر ڈالا۔ لاکھوں کی تعداد میں فدائی ہلاک کر دیئے گئے۔ قدرت کو ابھی اس گروہ کے فتنے کا خاتمہ منظور نہیں تھا، اسی لئے سینکڑوں افراد ان پہاڑی سلسلوں میں روپوش ہو گئے اور کچھ وہاں سے نقل مکانی کر کے شام کے پہاڑی سلسلے میں موجود قلعوں پر قابض ہو گئے۔ شام میں ان کی آمد اور قبضے کی اطلاعات دربار خلافت بغداد میں موصول ہوتی رہیں مگر پھر بھی وہاں سے ٹھوس اقدامات نہیں اُٹھائے گئے۔ لوٹ مار اور غارت گری کا سلسلہ بلادِ شام کی سرحدوں میں بھی شروع ہو گیا۔ ہلاکو خان فدائی گروہ کے خاتمے کے بعد ان قلعوں کو ٹوٹی پھوٹی حالت میں چھوڑ کر واپس لوٹ گیا۔ اس نے ان مقامات پر منگول دستے تعینات کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اس کی واپسی کے بعد پہاڑی سلسلوں میں روپوش فدائی اپنے قلعوں میں واپس لوٹ آئے اور انہوں نے ان کی تعمیر و مرمت کا کام شروع کیا۔ بعد میں انہوں نے اپنے لئے شیخ کبیر الدین کو اپنا امیر مقرر کیا اور اس کی زیرِ قیادت اپنی سابقہ روش کو مختصر پیمانے پر جاری رکھا۔ فدائی گروہ تھوڑے ہی عرصے میں دوبارہ قوت پکڑ گیا۔ شیخ کبیر الدین اب کھل کر جنگ کرنے کے بجائے داؤ پیچ کی جنگ چھیڑ چکا تھا۔ وہ منگولوں اور مسلمانوں کے کندھوں کو استعمال کرتے ہوئے اپنی عظیم ریاست کے خواب دیکھ رہا تھا۔

1262ء میں جاڑے کے موسم میں ہلاکو خان کا وسیع و عریض لشکر مراغہ سے سفر کرتا ہوا وادیٔ قفقاز میں داخل ہوا۔ وہ نہایت خاموشی سے ان درّوں کو عبور کر کے بلادِ اسلامیہ میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ ہلاکو خان نے چند لمحے ٹھہر کر وادی کا جائزہ لیا۔ کچھ تجربہ کار سپاہیوں کو اطراف میں پھیلا کر اردگرد کا جائزہ بھی لیا گیا کہ کہیں کوئی خطرے والی بات تو نہیں ہے۔ ہر سو اطمینان پانے کے بعد ہلاکو خان نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ وہ پوری طرح چوکس رہتے ہوئے درّوں کے دوسری طرف اُتر جائے۔ لشکر مناسب رفتار سے درّوں کی جانب بڑھنے لگا۔ جونہی وہ درّوں کے کافی قریب پہنچا تو انہیں اپنے اطراف اور سامنے سے نعرہ تکبیر کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ اس اچانک گونج سے کسی قدر پریشان دکھائی دیئے۔ ہلاکو خان سمجھ گیا کہ برقائی خان ان کے قریب پہنچ گیا ہے۔ کچھ ہی دیر میں زرد لباسوں میں ملبوس اور دوئے زرّیں کے لشکر درّوں کے پیچھے سے نمودار ہوئے اور ایل خانی لشکر سے اُلجھ گئے۔ ایل خانی لشکر ایسے مقام پر پہنچ چکا تھا کہ انہیں ناگہانی حملے کا بھرپور انداز میں جواب دینا مشکل ہو گیا۔ ہلاکو خان نے تیزی سے اپنے سالاروں کو حکم دیا کہ وہ آگے بڑھنے کے بجائے پسپائی اختیار کرتے ہوئے وادی کے میدانی حصے میں صفیں سیدھی کر لیں تاکہ برقائی خان کو منہ توڑ جواب دیا جا سکے۔ خیام

زریں منگولوں کا حملہ چونکہ تین اطراف سے ہوا تھا اس لئے ایل خانی لشکر کو سنبھلنے کا مناسب موقعہ نہیں ملا۔ اسی اثناء میں انہیں عقب سے بھی جوشیلی آوازیں سنائی دیں۔ ہلاکو خان کا لشکر اتنا مختصر نہیں تھا کہ انہیں گھیر کر ختم کیا جا سکتا۔ تلواروں اور نیزوں کی جھنکار اور گھوڑوں اور انسانوں کی چیخ و پکار نے وادی کے سکوت کو برباد کر ڈالا۔ چنگیز خان کے معاہدۂ اتحاد کی دھجیاں اُڑنے لگیں۔ منگول سپاہی آپس میں برسرپیکار ہو کر ایک دوسرے کے خون کی ندیاں بہاتے دکھائی دے رہے تھے۔ دونوں جانب سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ مارے گئے تمام دن لڑائی جاری رہی مگر کوئی نتیجہ نہیں برآمد ہو سکا۔ ہلاکو خان کی سب تدبیریں برقائی خان کے لشکر کے سامنے بے کار ثابت ہوئیں۔ ہلاکو خان تمام وقت اسی کوشش میں مصروف رہا کہ وہ کسی طرح درّوں تک رسائی حاصل کر لے مگر یہ ممکن نہیں ہو سکا۔ بالآخر اس نے جنگ کے خاتمے کا اعلان کرتے ہوئے واپسی کا حکم دے دیا۔ اگر وہ فوری طور پر یہ قدم نہ اُٹھاتا تو ممکن تھا کہ کئی دن کی طویل جنگ کے بعد وہ یقیناً شکست کھا جاتا کیونکہ وادی قفقاز کے معقول اور اہم ترین حصے خیام زریں لشکر کے قبضے میں تھے۔ منگولوں کے درمیان یہ پہلا معرکہ بغیر کسی فیصلے کے اختتام پذیر ہو گیا۔ ہلاکو خان اپنے لشکر کو وادی قفقاز سے دور لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔ برقائی خان نے ایل خانی لشکر کی پسپائی پر ان کے تعاقب کی بھی کوشش نہیں کی وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا اور اس کا سلطان بیبرس سے کیا ہوا وعدہ بھی پورا ہو چکا تھا۔

ہلاکو خان غیظ و غضب کی حالت میں واپس مراغہ لوٹ آیا۔ یہ اس کی پہلی شکست تھی۔ اپنے چچازاد بھائی برقائی خان کے ہاتھوں اسے جو سبکی اُٹھانا پڑی اس نے اس کا چین و سکون غارت کر ڈالا۔ اسی دوران ہلاکو خان پر یہ حقیقت بھی منکشف ہو گئی کہ برقائی خان کے فدائیوں کے ساتھ بھی گہرے رابطے موجود ہیں اور درّوں پر سامنے کی جانب سے حملہ آور ہونے والے افراد درحقیقت فدائی تھے۔ فدائی گروہ کی جرأت نے اس کے تن بدن میں آگ لگا دی۔ اس نے قہستان کی جانب کئی لشکروں کو یکے بعد دیگرے روانہ کیا تاکہ سب سے پہلے فدائیوں کی مکمل سرکوبی کرتے ہوئے برقائی خان کے ایک مضبوط حلیف کو مٹا دیا جائے اور انہیں سلطنت منگولیانہ کے خلاف سر اُٹھانے کی عبرت ناک سزا دی جائے۔ وہ اب برقائی خان کے بارے میں بھی سنجیدگی سے غور و خوض کر رہا تھا۔

وادی قفقاز کے جنگی معرکے نے ہلاکو خان پر واضح کر دیا کہ برقائی خان سے نبٹے بغیر وہ اب بلادِ شام و مصر کی جانب نہیں بڑھ سکتا لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم تھی کہ ان دونوں حکومتوں کے رقبے اس قدر وسیع و عریض تھے کہ ہر ایک کے لئے دوسرے کو زیر کرنا قریب قریب ناممکن تھا تاہم وادی قفقاز کا نامکمل معرکہ اس امر کا کھلا فیصلہ کر چکا تھا کہ ہلاکو خان بحیرۂ خزر کے مشرق اور مغرب میں دونوں طرف سے محصور ہو چکا تھا۔ معرکہ قفقاز کی دھوم بہت جلد ہی سمرقند اور بخارا تک جا پہنچی، وہاں سلطنت خوارزم کے سابق، راسخ العقیدہ اور جنگجو مجاہدوں کے حوصلے ایک بار پھر سے جوان ہو گئے اور انہوں نے یکجا ہو کر برقائی خان کی حمایت کا اعلان کر دیا اور اپنی تیز ترین جھڑپوں سے ہلاکو خان کی پریشانیوں میں مزید اضافہ کر دیا۔ ہلاکو خان دن بہ دن اپنے مخالفین کی تعداد میں اضافے پر پریشان ہو کر رہ گیا۔

❁ ❁ ❁

ریاست حلب جب سے علاء الدین لولو کے حصے میں آئی تھی یہاں کے حالات میں خاطر خواہ تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ صلیبی اثرات واضح طور پر دکھائی دینے لگے۔ جب تک یہ ریاست صلیبی مقبوضات میں شامل رہی یہاں موجود مسلمانوں پر ظلم و ستم ٹوٹتا رہا۔ صلیبی نصرانیوں نے مسلمانوں کو اس قدر مجبور کر دیا کہ وہ اپنی املاک و

جائیداد چھوڑ چھاڑ کر دوسرے علاقوں میں ہجرت کر جائیں۔ صلیبی فلسطین میں مکمل نصرانی حکومت قائم کرنے کے خواہشمند تھے جہاں مسلمانوں کا دور دور تک نام و نشان نہ ہو۔ ایوبی سلطان ابونصر داؤد جو کہ ریاست حران کا والی تھا، اس نے 637ھ میں صلیبی حملہ آوروں پر پے در پے حملوں کے بعد انہیں پیچھے دھکیل کر یروشلم سمیت کافی وسیع علاقے ان کے قبضے سے چھڑا لئے۔ ایوبی سلطان کی فتوحات کے باعث مسلمانوں کے گروہ دوبارہ ان علاقوں میں لوٹ آئے اور یہاں عیسائیوں کے ساتھ امن کی زندگی بسر کرنے لگے۔ سلطان علاء الدین لولو کی حکومت کے قیام کے بعد ایک بار پھر صلیبی لڑاکوں کو ان علاقوں میں آنے کی اجازت مل گئی۔ سلطان علاء الدین نے اپنی حکومت کے استحکام کے لئے شاہ فریڈرک، سردار ریمنڈ چہارم اور شاہ لوئی نہم سے کئی معاہدے کئے۔ ان معاہدوں کی رو سے ریاست حلب صلیبی سپاہیوں کی آماجگاہ بننے لگی۔ یہ سپاہی نہ صرف عام شاہراہوں پر دندناتے دکھائی دیتے بلکہ غنڈہ گردی اور کھلی بدمعاشی کے مظاہرے بھی کرنے لگے۔ ریاست حلب میں بالکل اسی طرح کے حالات پیدا ہوتے چلے گئے جیسا کہ تھوڑا عرصہ پہلے سلطان الملک الصالح عماد الدین اسمٰعیل کے دورِ حکومت میں دمشق کے تھے۔ یہ حالات جہاں مسلمانوں کے لئے خطرناک تھے وہیں صلیبی قوتوں کی حوصلہ افزائی اور بے خوفی میں اضافہ کئے جا رہے تھے۔ صلیبی قوتیں قسطنطنیہ سے لے کر انطاکیہ تک مضبوط گرفت قائم کر چکی تھیں

سلطان علاء الدین کو حلب میں خلافت کے اجراء پر بے حد خوشی تھی وہ خود کو اس خطے میں محفوظ اور شرعی حیثیت سے مسلمانوں کا واحد سلطان سمجھتا تھا۔ خلیفہ ابوالحاکم بامراللہ کی عانہ کی جانب روانگی اور وہاں خلیفہ مستنصر باللہ کے حق میں دستبرداری کے عمل نے اسے بری طرح توڑ کر رکھ دیا۔ وہ خلافت کی آڑ میں بلادِ مصر پر قابض ہونے کے خواب دیکھ رہا تھا جو کہ ایک ہی ساعت میں بکھر کر رہ گئے۔ اس نے حلبی خلافت کے زائل ہوتے ہی صلیبی قوتوں سے کئی نامناسب سمجھوتے کئے تاکہ وہ بلادِ مصر پر حملے کے لئے اس کے اتحادی بن سکیں۔ ان معاہدوں کی رو سے ارضِ فلسطین ایک بار پھر صلیبی استعمار کی گرفت میں جا سکتی تھی۔

ریاست حلب میں نصرانیوں کی کھلی بدمعاشی اور مسلمانوں کو تنگ کرنے کی وارداتوں میں اضافہ ہو گیا۔ جس پر امراء، رئیس اور تاجر خود علاء الدین لولو کے پاس آ کر شکایات کرنے لگے۔ علاء الدین لولو کو احساس تھا کہ یہ سب اس کی حکومت کو کمزور کر رہا ہے مگر وہ کئے گئے معاہدوں کے ہاتھوں مجبور ہو کر رہ گیا۔ اس نے نصرانیوں کے خلاف اقدامات اُٹھانے کے قول و قرار تو کئے مگر ان پر عمل پیرا ہونے سے قاصر رہا۔ اس کی چشم پوشی نے ریاستی امراء کو اس سے بدظن و بدگمان کر دیا، رعیت بھی علاء الدین لولو کے خلاف دکھائی دینے لگی۔

یکم محرم 660ھ کو حلب کے وسطی حصے میں علاء الدین لولو نے کھلے دربار کا انعقاد کیا۔ جہاں لوگوں کی شکایات اور فریاد رسی کا اہتمام کیا گیا۔ سلطان علاء الدین لولو نے مختلف طبقوں کے لوگوں کی شکایات خود سنیں اور ان پر مناسب احکامات جاری کئے۔ ریاستی چھوٹے موٹے معاملات پر اس نے درباری عہدیداروں کو ڈانٹ پلائی اور انہیں لاپرواہی اور غفلت برتنے کے الزام میں معزول کیا۔ یہ امر محض رعایا کی دلجوئی اور بڑھتی ہوئی ناراضگی کے اثر کو زائل کرنے کا بہانہ تھا۔ اسی دوران ایک گروہ سلطان علاء الدین لولو کے سامنے پیش ہوا۔ اس نے جھک کر تعظیم دی اور سلطان کے سامنے نصرانیوں کی بڑھتی ہوئی ناروائی اور ظلم و ستم کے خلاف صدائے فریاد بلند کی۔ سلطان علاء الدین لولو خاموشی سے ان کی شکایات سنتا رہا جب ان لوگوں نے اپنی اپنی شکایات گوش گزار کر دیں تو اس نے دوٹوک انداز میں نصرانیوں کے سلسلے میں کسی بھی قسم کی کارروائی عمل میں لانے سے صاف انکار کر دیا اور یہ تاویل پیش کی کہ اگر نصرانیوں کے خلاف کوئی کارروائی عمل میں لائی گئی تو

ریاست حلب کا امن و امان خطرے میں پڑ جائے گا، ریاست حلب کے گرد ہزاروں کی تعداد میں نصرانی سپاہی موجود ہیں جو کسی بھی ایسے موقعہ کی تلاش میں تیار بیٹھے ہیں کہ سلطان حلب کسی ایسی حرکت کا مرتکب ہو کہ وہ حملہ آور ہو جائیں۔ ریاست کی خیر خواہی اسی امر میں ہے کہ ان کی چھوٹی موٹی زیادتیوں کو برداشت کرتے ہوئے نظر انداز کر دیا جائے، بہر کیف نصرانیوں کے ہاتھوں جن لوگوں کا نقصان ہوا ہے اس کی تلافی شاہی خزانے سے کر دی جائے گی۔ اس گروہ نے سلطان علاء الدین لولو کے نامناسب جواب پر شدید احتجاج کیا مگر سلطان علاء الدین لولو نے ان کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اس گروہ میں ایک عمر رسیدہ شخص دھیمے انداز میں آگے بڑھا اور نحیف لہجے میں بولا۔

''سلطان محترم! کچھ تو اللہ تعالیٰ سے ڈریئے، ایک طرف تو آپ نے نصرانیوں کو کھلی چھٹی دے رکھی کہ وہ ہمارے ملک میں جو چاہیں کریں اور دوسری طرف آپ اپنی رعیت کے تحفظ کے لئے کوئی اقدام بھی نہیں اُٹھانا چاہتے۔ آپ ہمیں کیا یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہمارا حاکم کمزور اور مفلوج ہے؟''

''معزز امیر! ہمیں جو کہنا تھا ہم نے کہہ دیا، ہم کوئی بھی ایسا قدم نہیں اُٹھائیں گے جس سے ہمارے گرد پھیلے ہوئے نصرانیوں کو حلب پر دھاوا بولنے کا موقعہ میسر آ جائے، آج ایسا کچھ کرنا ممکن نہیں یہی وقت کی مصلحت ہے''۔ سلطان علاء الدین ناگوار انداز میں بولا۔

''آپ کی چاہے جو بھی مصلحت ہو مگر یہ ہمارے حق میں ٹھیک نہیں ہے۔ اگر آپ اس سنگین مسئلے کے حل کے لئے کچھ بھی کرنا نہیں چاہتے تو صاف الفاظ میں اعلان فرما دیجئے کہ رعیت آپ کے بھروسے پر زندہ رہنا چھوڑ دے اور آپ کی جگہ کسی ایسے شخص کو اپنا حاکم بنا لے جو ان کے تحفظات کی مکمل حفاظت کر سکنے کی اہلیت رکھتا ہو''۔ عمر رسیدہ شخص تیز لہجے میں بولا۔

سلطان علاء الدین لولو اس شخص کی بدتمیزی کو برداشت نہیں کر پایا اور اس نے دوسرے لمحے اپنے محافظوں کو حکم دیا کہ وہ اسے فوراً گرفتار کر کے زنداں کے تاریک حصے میں پھینک دیں۔ محافظ سپاہی اپنے سلطان کا حکم پاتے ہی اس کی جانب لپکے۔ دوسرے ہی لمحے سلطان علاء الدین لولو کی نگاہوں نے عجیب نظارہ دیکھا۔ اس ادھیڑ عمر شخص نے اپنے پہلو سے تلوار نکال لی اور اس کی تقلید میں تمام گروہ کے افراد کے ہاتھوں میں تلواریں دکھائی دیں۔ آناً فاناً محافظ سپاہی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ حالات کو یوں پلٹا کھاتے دیکھ کر فریاد کے لئے جمع شدہ لوگوں کے چہروں پر گہرا استعجاب پھیل گیا۔ اس ادھیڑ عمر شخص نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے سرعت کے ساتھ سلطان علاء الدین لولو کو تلواروں کے حصار میں لے لیا۔ درباری عمائدین بھی اس غیر متوقع صورتِ حال میں بے بسی کی تصویر بنے بیٹھے رہ گئے۔ سلطان علاء الدین لولو کو ایسی سنگین حرکت کی قطعاً توقع نہیں تھی۔ خود کو تلواروں کے سائے میں گھرا پا کر خوف سے اس کا چہرہ سپید پڑ گیا اس کی سوچنے سمجھنے کی حیت جیسے مفقود ہو کر رہ گئی۔ وہ ہراساں نگاہوں سے ادھیڑ عمر شخص کی جانب دیکھنے لگا۔

''ریاست حلب کے لوگو! آج فیصلے کا وقت ہے!'' ادھیڑ عمر شخص بلند آواز میں بولا۔ ''علاء الدین میں تمہارا حاکم رہنے کی اہلیت نہیں ہے یہ شخص درپردہ تمہارا مستقبل نصرانیوں کو سونپ چکا ہے لہٰذا تمہاری خیر خواہی اور حفاظت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ اسے منصب سے ہٹا کر اس کی جگہ تمہارے ایک امیر غیاث الدین کو حاکم بنا دیا جائے''۔

درباری ایک عام شخص کی اتنی جرأت دیکھ کر دنگ بیٹھے تھے البتہ اس شخص کا لب و لہجہ سننے کے بعد سلطان علاء الدین کو اپنی دنیا اندھیر ہوتی دکھائی دی شاید وہ . . . پہچان چکا تھا۔

''تم کون ہوتے ہو ریاست حلب کا فیصلہ کرنے والے ہم خود اپنے حاکم کا انتخاب کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں''۔ ایک درباری امیر نے تیز آواز میں کہا۔

''میرا نام بیبرس ہے اور میں اس اسلامی سلطنت کا نگران و نگہبان ہوں۔ میں ریاست حلب کے وفاداروں کو حکم دیتا ہوں کہ وہ علاء الدین کو فوراً قتل کر دیں اور اس کی شر پسند بہن کو زنداں خانے میں ڈال دیں اگر تم لوگوں نے میرے حکم کی تعمیل میں ذرا سی بھی ہچکچاہٹ دکھائی تو میں سخت ترین اقدامات کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔ تم لوگوں کی بہتری اسی امر میں ہے کہ تم اپنا الحاق بلادِ مصر کے ساتھ برقرار رکھو اور میری اطاعت کے سامنے اپنے سروں کو خم رکھو۔ میں تمہاری جانب اُٹھنے والی ہر نگاہِ بد کو نیست و نابود کر دوں گا''۔

سلطان بیبرس کی موجودگی پا کر علاء الدین لولو کے پسینے چھوٹ چکے تھے وہ ہکا بکا سا بیٹھا مترحم اور ملتجیانہ نگاہوں سے سلطان بیبرس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ لوگوں پر جب حقیقت آشکار ہوئی تو انہوں نے سلطان بیبرس کی حمایت میں نعرے بلند کر دیئے درباری عمائدین بھی بھیگی بلی کی مانند دبک کر بیٹھ گئے۔ حلبی سپاہی سلطان بیبرس کے سامنے سرنگوں ہوتے چلے گئے۔ پھر انہوں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سلطان علاء الدین لولو کو گرفتار کر لیا اُس نے بہتیرا واویلا مچایا اور سلطان بیبرس کی خفیہ آمد کو ریاست حلب کی سلامتی پر حملہ قرار دیتے ہوئے الٹا اسے گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ سلطان بیبرس کا رعب و دبدبہ ان کے اعصاب پر اس قدر حاوی ہو چکا تھا کہ وہ سلطان علاء الدین لولو کی بات سمجھنے سے قاصر دکھائی دیئے۔ سلطان بیبرس نے امیر غیاث الدین کو بلادِ مصر کی جانب سے حلب کا نیا والی مقرر کیا اور اُسے عمدگی سے معاملات نبٹانے کی ہدایت کی۔

سلطان بیبرس ذی الحجہ 659ھ کے آخری عشرے میں ایک چھوٹے سے دستے کے ہمراہ حلب روانہ ہو گیا تھا۔ یہ روانگی نہایت خفیہ انداز میں عمل میں لائی گئی۔ تمام لوگ تاجروں کا بھیس بدل کر حلب پہنچے۔ سلطان بیبرس کی روانگی کا مقصد علاء الدین لولو کی جانب سے موصول ہونے والی خبروں کی تصدیق کرنا تھی۔ حلبی وفد سے ملاقات کے بعد سلطان بیبرس نے حلب و فلسطین کی جانب موجود مخبروں کو تیزی سے تازہ ترین صورتِ حال روانہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ مخبروں کی جانب سے موصول ہونے والی اطلاعات کے بعد یہ حقیقت آشکار ہو گئی کہ واقعی علاء الدین لولو مختلف قسم کی سازشوں کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اس کے صلیبی سرداروں اور ہاسپٹلرز سے رابطے ہیں۔ نصرانی سپاہی کھلے عام حلب کی شاہراہوں پر دندناتے پھرتے ہیں اور مسلمانوں کو بھی پریشان کرتے ہیں۔ ایسی حرکات کی پشت پناہی کے باعث سلطان بیبرس نے فیصلہ کیا کہ اسے فوری طور پر ریاست حلب کی جانب توجہ دیتے ہوئے مناسب کارروائی عمل میں لانا چاہئے۔ سلطان بیبرس کا دمشق میں رہنا بھی ضروری تھا کیونکہ خلیفہ مستنصر باللہ کو اس کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔ سلطان بیبرس نے گہری سوچ بچار کے بعد امیر قلادون الفی کو اپنے پاس بلوا کر ضروری باتیں سمجھا دیں۔ بلادِ شام کا تمام علاقہ اب امیر قلادون الفی کی زیرِ نگرانی تھا۔ سلطان بیبرس خاموشی سے حلب میں پہنچا اور وہاں نصرانیوں اور ایل خانی تاتاریوں کے جتھے دیکھ کر اس کے غصے کی انتہا نہ رہی۔ سلطان بیبرس اگر چاہتا تو وہ فوری طور پر علاء الدین لولو کو معزول کر سکتا تھا مگر وہ اس تلاش میں مصروف رہا کہ امیر غیاث الدین کے اس دعویٰ میں کتنی صداقت ہے کہ فارس الدین اقطائی درپردہ علاء الدین لولو سے ملا ہوا ہے۔ مختلف امراء کے ساتھ اس نے بطور تاجر ملاقات کرتے ہوئے خود کو سلطان بیبرس کا مخالف قرار دیا اور برملا خود کو ہی برا بھلا کہتا رہا۔ کئی امراء نے فرطِ طیش میں اس کی خوب خاطر تواضع کی اور کچھ امراء نے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے سلطان بیبرس کی برائیوں اور شکایات کے دفتر کھول دیئے۔ انہی امراء کی بدولت سلطان بیبرس کو یہ معلوم ہو گیا کہ فارس الدین اقطائی کا نام خاص حلقے میں

پھیلا ہوا ہے مگر اسے کوئی ایسا ثبوت نہ مل سکا جس سے فارس الدین اقطائی کی جانب سے کوئی پیش رفت ثابت ہو پاتی۔ فارس الدین اقطائی نے سلطان الملک المظفر کے قتل کے حوالے سے سلطان بیبرس کی مخالفت کرتے ہوئے اسے کڑی تنقید کا نشانہ بنایا تھا مگر مملوک امرأ کی حمایت دیکھ کر وہ یکا یک پینترا بدل گیا تھا۔ وہ سارا نقشہ سلطان بیبرس کی آنکھوں کے سامنے موجود تھا۔ اتفاق کی بات تھی کہ اس دن کے بعد فارس الدین اقطائی نے کسی بھی موقع پر سلطان بیبرس کی مخالفت کا اظہار نہیں کیا بلکہ وہ جب بھی اس سے ملا تو اس کے انداز میں ہمیشہ گرم جوشی جھلکتی دکھائی دی تھی۔ سلطان بیبرس کو اسی وجہ سے یقین نہیں ہو پایا کہ وہ کسی ایسی سازش کا حصہ بن سکتا ہے۔ جب سلطان بیبرس اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ فارس الدین اقطائی کا نام محض غلط فہمی پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے تو اس نے کھل کر سامنے آنے کا فیصلہ کیا۔ سلطان بیبرس کے علم میں سابق ملکہ بدر منیر لولو کی شرمناک حرکات بھی آئیں جس کے باعث اس نے علاء الدین لولو کے خاتمے کے ساتھ ہی ملکہ بدر منیر کا بھی فیصلہ کر دیا تھا۔ امیر غیاث الدین کو ذرا بھی توقع نہیں تھی کہ سلطان بیبرس کی نگاہِ انتخاب اس پر پڑ سکتی ہے۔ اس نے ذمہ داری سنبھالتے ہی سب سے پہلے ایسے عمائدین کو معزول کیا جو سلطان علاء الدین لولو کی آڑ میں اپنے گھناؤنے کھیل کھیل رہے تھے۔ اس کی بروقت کارروائیوں نے ریاست حلب میں نصرانی عمل وخل کا مکمل خاتمہ کر دیا تھا۔ سلطان بیبرس نے چند دن مزید قیام کرنے کے بعد دمشق واپسی اختیار کی۔ صلیبی قوتیں سلطان بیبرس کے اس فوری اقدام پر محض تلملا کر رہ گئیں۔

❀ ❀ ❀

بلادِ مصر کے پہلے خلیفہ مستنصر باللہ کا لشکر متوسط رفتار سے چلتا ہوا بغداد کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جوں جوں بغداد قریب آ رہا تھا خلیفہ مستنصر باللہ کے دل کی دھڑکن میں اضافہ ہو رہا تھا۔ بغداد کی سنہری یادوں کے ایام اس کی نگاہوں کے سامنے مچلنے لگے۔ وہ بار بار بارگاہِ خداوندی میں پیش ہوتا اور اپنی فتح ونصرت کی دعائیں کرتا۔ خلافت کا اجرأ تو پایۂ تکمیل پہنچ تک چکا تھا، اب امتحانِ خلافت قریب تھا جس میں کامیابی وکامرانی نہ صرف خلافت کے تقدس کو بحال کر دیتی بلکہ پوری امت کو مرکزِ خلافت کے تلے ایک بار پھر سے سکون کا سانس لے سکتی تھی۔ سلطان بیبرس کے پھیلائے گئے مخبروں کا جال اس کے چاروں جانب اپنی اپنی خبریں لشکر میں موجود مملوک امرأ تک پہنچا رہا تھا۔ یہ سب سلسلہ خلیفہ مستنصر باللہ سے مخفی رکھا گیا تاکہ وہ یہ خیال نہ کرے کہ اس جنگ میں سلطان بیبرس بھی کسی نہ کسی طریقے سے شریک ہے۔ یہ سلسلہ زیادہ دن خلیفہ مستنصر باللہ کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رکھا جا سکا۔ مملوک امرأ کے پاس مشکوک لوگوں کی آمد ورفت کے سلسلے اس تک پہنچا دیئے گئے۔

یہ عقدہ رضا کار مجاہدین میں شامل ان سالاروں کی بدولت منکشف ہوا جو خود کو زیادہ وفادار ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے ان مملوک امرأ کو اپنے حضور بلوا کر ان سے وضاحت طلب کر لی۔ وہ اس بارے میں خود کو روک نہ پائے اور انہوں نے کھلے الفاظ میں لشکر کے چاروں جانب پھیلے ہوئے مخبروں کے اس گروہ کی نقل وحرکت کے بارے میں امیر المومنین کو آگاہ کر دیا۔ بجائے اس کے خلیفہ مستنصر باللہ اس امر پر مسرت کا اظہار کرتا، اس نے اسے سلطان بیبرس کی مکارانہ چال قرار دیتے ہوئے سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔ اس نے مخبروں کے پھیلاؤ کا مطلب یہ اخذ کیا کہ سلطان بیبرس خلیفہ مستنصر باللہ کی مکمل نگرانی کر کے اسے اپنے تسلط میں دبائے رکھنا چاہتا ہے۔ اس منفی تاثر کو کچھ مفاد پرست رفقاء نے مزید تقویت دی اور مملوک سرداروں کو لشکرِ اسلامی سے نکالنے کا مشورہ دیا۔ مملوک امرأ نے بے حد کوشش کی کہ امیر المومنین

وقت کی نزاکت کا خیال رکھتے ہوئے ایسی غلطی نہ کریں مگر خلیفہ مستنصر باللہ بلادِ مصر کے لوگوں سے بری طرح بدظن ہو چکا تھا۔ اس نے مملوک امرأ کے ساتھ ساتھ کئی مصری سالاروں کو بھی واپس لوٹ جانے کا حکم سنا دیا۔ یہ لوگ نہ چاہتے ہوئے امیر المومنین کے حکم پر لشکرِ اسلامی سے نکل کر واپس دمشق لوٹ گئے۔ ان امرأ کے واپس لوٹنے سے مخبروں کا سارا نظام بری طرح متاثر ہوا اور ان کا اسلامی لشکر سے رابطہ منقطع ہو کر رہ گیا۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے ہیت نامی مقام پر مختصر سا قیام کیا تاکہ جانور اور سپاہی کسی قدر سستا لیں۔ یہاں سے بغداد زیادہ دور نہیں تھا۔ چونکہ ان کی اگلی منزل بغداد تھا، اس لئے کسی قدر آرام کرنا مجاہدین کے لئے بہتر تھا۔ ایک رات کے مختصر قیام کے بعد اسلامی لشکر اپنے خیمے اُٹھا کر بغداد کی جانب روانہ ہو گیا۔ وہ خود کو ذہنی طور پر تیار کر چکے تھے کہ ان کی اگلی منزل پر انہیں آرام نہیں مل پائے گا بلکہ ایک خوفناک معرکہ سے واسطہ پڑے گا۔

3 محرم 660ھ کو اسلامی لشکر ہیت سے نکل کر تھوڑی ہی دور پہنچا کہ تیز آوازوں کی گونج نے انہیں اپنے حصار میں لے لیا۔ یہ لمبا چوڑا تاتاری لشکر تھا جو کہ ہلاکو خان کا حکم پاتے ہی خراسان سے آندھی کی طرح سفر کرتا ہوا خلیفہ مستنصر باللہ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ خلیفہ چونکہ مخبروں کے نظام کو معطل کر چکا تھا اس لئے اسے ان کی آمد کی خبر نہ مل پائی۔ مجاہدین نے جب خود کو خونخوار تاتاریوں میں گھرا پایا تو پریشان دکھائی دینے لگے۔ خلیفہ مستنصر باللہ بھی تاتاریوں کی اچانک آمد پر بوکھلا گیا۔ اس نے اپنے سالاروں کو حکم دیا کہ وہ تیز رفتاری کا مظاہرہ کریں اور مجاہدین کی صف بندی کرتے ہوئے تاتاریوں کا حصار توڑنے کی کوشش کریں اور انہیں اپنا گھیرا تنگ نہ کرنے دیں۔ خلیفہ کے حکم کی تعمیل کے لئے تمام سالار اپنے اپنے فرائض کی تکمیل میں جت گئے۔ تاتاری سپاہی خلیفہ مستنصر باللہ کے لشکر کی کیفیت سے پوری طرح آگاہ تھے اور بھرپور تیاری کے ساتھ آئے تھے، اس لئے انہوں نے پوری قوت سے حملہ کرتے ہوئے مجاہدین کو صفیں سیدھی کرنے کا کوئی موقعہ نہیں دیا۔ ہیت کے قریب تیز ترین جنگ کا آغاز ہوا۔ مجاہدین اپنے تئیں پوری کوشش کر رہے تھے کہ تاتاریوں کو پیچھے کی جانب دھکیل دیا جائے لیکن تجربہ کار سالاروں کی کمی اور نامکمل رہنمائی ان کے حملوں کو مؤثر نہ بنا سکی۔ تاتاریوں کا حلقہ تنگ ہوتا چلا گیا اور مجاہدین ان کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترنے لگے۔

یہ صورتِ حال بے حد خطرناک تھی، خلیفہ مستنصر باللہ نے پُرجوش نعروں سے جہاد کے لئے مجاہدین کو ابھارا مگر مجاہدین کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ تاتاریوں کا خوف ان کے ذہنوں پر بری طرح گھر کر چکا تھا۔ تاتاریوں نے حصار کو تنگ کرنے میں اپنی ساری قوت صرف کر ڈالی۔ وہ ایک بھی سپاہی زندہ نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ مجاہدین نے جب یہ دیکھا تو انہوں نے فرار کی راہ اختیار کی۔ دیکھتے ہی دیکھتے جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ مجاہدین تاتاریوں سے لڑ بھڑ کر نکلنے کی کوشش میں مگن ہو گئے۔ اسلامی لشکر کی نصف تعداد فرار ہونے کی کوشش میں کامیاب ہو گئی تھی اور نصف تعداد تاتاریوں کے ہاتھوں لقمۂ اجل بن گئی۔ ایک ہی دن کی خونریز لڑائی نے بغداد کی قسمت کا فیصلہ کر دیا خلیفہ مستنصر باللہ کو شکست فاش ہوئی۔ اس کا سارا لشکر تباہ وبرباد ہو گیا۔ سلطان بیبرس کے لاکھوں درہم ودینار پانی کی طرح بہہ گئے۔ خلیفہ مستنصر باللہ کی آخری لمحات میں ناعاقبت اندیشی اختیار کرنے اور مملوک امرأ کو لشکر سے نکالنے کے غلط فیصلے نے اس کا باب ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔ اس نے بغداد سے خلافت کا دربار ہمیشہ کے لئے ختم کر دینے پر مہر ثبت کر دی تھی۔ تاتاریوں پر یہ منکشف ہو چکا تھا کہ مسلمان ابھی اتنے طاقتور نہیں ہوئے ہیں جتنے کہ سلطان بیبرس سے جنگ کے بعد تصور کئے جا رہے تھے۔ اسلامی لشکر کی بربادی کی خبر قیامت کی طرح پوری ملت اسلامیہ میں پھیل گئی۔

❀ ❀ ❀

سلطان بیبرس ریاست حلب سے نکل کر دمشق کی جانب بڑھ رہا تھا، جب اُسے راستے میں خلیفہ مستنصر باللہ کے لشکر کی تباہی اور تاتاری حملے کی خبر ملی۔ وہ کئی لمحے سکتے کے عالم میں کھڑا رہا۔ اس کے وہم وگمان میں نہیں تھا کہ خلیفہ مستنصر باللہ تاتاری لقمہ بن جائے گا۔ چالیس ہزار کے قریب مسلمان مجاہدین کی موت کی خبر نے اسے بری طرح نڈھال کر ڈالا۔ وہ شکستہ انداز میں دمشق پہنچا، بلادِ شام میں خلیفہ مستنصر باللہ کی شکست نے صف ماتم بچھا دی تھی۔ سلطان بیبرس جب دمشق آیا تو اسے وہ سب مملوک امرا منتظر دکھائی دیئے جنہیں اس نے خاص طور پر امیر المومنین کے ساتھ روانہ کیا تھا۔ سلطان بیبرس ان کی صورت دیکھتے ہی آگ بگولہ ہو گیا۔ انہوں نے اپنی صفائی میں آخری لمحات میں ہیت سے کچھ دور پیش آنے والے حالات اس کے گوش گزار کیے اور خلیفہ کی جانب سے خود کو نکالے جانے کا حکم سنایا تو سلطان بیبرس تاسف سے ہاتھ مل کر رہ گیا۔ اس نے دبے الفاظ میں کہا کہ اگر ایسا ہوا تھا تب انہیں چاہئے تھا کہ وہ اسلامی لشکر سے واپس نہ لوٹتے بلکہ اس سے کچھ فاصلے پر رہتے ہوئے پیچھے پیچھے چلتے رہتے۔ سلطان بیبرس نے جب امیر قلاوُدن کو طلب کیا تو معلوم ہوا کہ وہ امیر المومنین کے لشکر کی خبر پاتے ہی تیز رفتاری سے اپنے دستوں کے ساتھ ہیت کی جانب روانہ ہو گیا تھا۔

سلطان بیبرس نے دمشق میں موجود باقی تمام لشکر کو فوراً تیار ہونے کا حکم دیا۔ وہ انہیں ساتھ لے کر امیر قلاوُدن الفی کے پیچھے روانہ ہونا چاہتا تھا کیونکہ یہ بے حد نازک موقع تھا۔ خلیفہ مستنصر باللہ تاتاریوں کے قبضے میں تھا، اسلامی لشکر تباہ ہو چکا تھا، مجاہدین کی جمعیت کا کچھ پتہ نہیں تھا اس امر پر تاتاریوں کے حوصلے بلند ہو چکے تھے عین ممکن تھا کہ وہ اپنی کامیابی کے نشے میں سرشار پیش قدمی کرتے ہوئے بلادِ شام میں گھس آتے اس کے علاوہ بھرپور تاتاری لشکر امیر قلاوُدن الفی کے مختصر دستوں کو نقصان پہنچا سکتا تھا۔

سلطان بیبرس انتہائی تیز رفتاری سے سفر کرتا ہوا بہت جلد ہیت کے اس مقام تک پہنچ گیا جہاں مجاہدین کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ تاتاری لشکر مال غنیمت سمیٹ کر واپس لوٹ گیا تھا۔ انہیں ہلاکو خان کی برقائی خان کے ہاتھوں ذلت اور پسپائی کی خبریں مل گئیں، جس کے نتیجے میں انہوں نے مزید پیش قدمی کے بجائے اپنے مقبوضات کی حفاظت ضروری سمجھی۔ سلطان بیبرس مسلمانوں کی لاشیں دیکھ کر رو نہ پایا اور بچوں کی مانند رونے لگا۔ امیر قلاوُدن الفی وہاں پہنچ کر لاشوں کی تدفین کے انتظامات میں مشغول تھا۔ اس نے سلطان بیبرس کو یوں زار و قطار روتا دیکھ کر اس کی ہمت بندھائی اور صبر کرنے کی تلقین کی۔

سلطان بیبرس نے امیر قلاوُدن سے امیر المومنین کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ تمام لاشوں کو فرداً فرداً دیکھا گیا۔ مقتولوں میں خلیفہ مستنصر باللہ کی لاش نہ مل پائی جس پر یہ خیال سامنے آیا کہ ممکن ہے کہ خلیفہ مستنصر باللہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہو یا تاتاریوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا ہو۔ سلطان بیبرس نے خیام زرّیں منگول افراد کو طلب کیا اور انہیں ہدایت کی وہ خراسان پہنچ کر کھوج لگائیں کہ کیا خلیفہ مستنصر باللہ ایل خانی حکومت کی قید میں ہے یا انہوں نے اس کے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس بارے میں ٹھوس خبر حاصل کی جائے۔ خیام زرّیں منگول مخبروں نے سلطان بیبرس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے فوراً خراسان کی راہ لی۔

تاتاری سیلاب ایک بار پھر بلادِ اسلامیہ میں داخل ہوتے ہوتے رُک گیا تھا۔ سلطان بیبرس نے بلادِ شام کی سرحدوں پر کئی مؤثر اقدامات کیے اور اپنے لشکر کے ساتھ واپس دمشق لوٹ آیا۔ اس سفر سے واپسی پر سلطان بیبرس نے خود کو بے حد تھکا ہوا محسوس کیا تھا۔ یہ تھکاوٹ سفر کی نہیں تھی بلکہ مسلمانوں کی کثیر تعداد کی ہلاکت اور امیر المومنین کی گمشدگی کی تھی جس نے سلطان بیبرس کے مضبوط حوصلے کو چکنا چور کر کے رکھ دیا تھا۔

❀❀❀

مطیع الدین قلعہ الموت کے خاص مہمان خانے میں تنہا موجود تھا۔ وہ بے تابی سے شیخ کبیر الدین کی واپسی کا منتظر تھا۔ چند دن پہلے شیخ کبیر الدین برقائی خان کی جانب سے ملنے والی اطلاعات و ہدایات کے مطابق اپنی تمام تر قوت جمع کر کے وادی قفقاز کی جانب روانہ ہوا تھا مگر اس کے بعد ابھی تک اس کی جانب سے کوئی خبر نہیں آئی تھی۔ روانگی سے قبل شیخ کبیر الدین نے اس بات کی وضاحت کر دی تھی کہ وادیٔ قفقاز میں معرکہ لڑنا زیادہ سود مند ثابت نہیں ہوگا کیونکہ اس وسیع و عریض وادی کو پوری طرح اپنے اختیار و قابو میں رکھنا ناممکن سی بات ہے، وادی کی سطح ناہموار اور پتھریلی ہے۔ دشمن کو گھیرتے ہوئے کسی بھی وقت اپنا نقصان ہونے کا اندیشہ رہے گا۔ چونکہ شیخ کبیر الدین، ہلاکو خان سے عداوت رکھتا تھا اور کسی بھی ایسے موقع سے نکلنے نہیں دینا چاہتا تھا، اس لئے وہ برقائی خان کی پُرخطر منصوبہ بندی پر آمادہ ہو گیا۔ مطیع الدین کو اس بات کی خبر بھی ہو گئی کہ برقائی خان نے شیخ کبیر الدین کی تشفی کے لئے خیام زرّیں منگول دستہ بھی روانہ کیا ہے۔ وہ اس دستے کو تو دیکھ نہیں پایا مگر اُسے اپنے ذمے لگائے گئے فرض کی تکمیل پر بے حد دلی مسرت ہوئی۔ برقائی خان نے اس کے سر پر جس ذمہ داری کا بوجھ ڈالا تھا وہ اسے احسن طریقے سے پایہ تکمیل تک پہنچا چکا تھا۔

قلعہ الموت میں رہتے ہوئے مطیع الدین کو تنہائی کا احساس ہونے لگا۔ قلعہ الموت کوئی شہر نہیں تھا کہ جہاں رنگا رنگ رونقیں دکھائی دیتیں۔ یہ تو ایک قسم کی عسکری چھاؤنی تھی جہاں فدائی گروہ پوشیدہ رہ کر اپنی ریاست کے قیام کی کوششوں میں مصروف تھے۔ یہ الگ بات تھی کہ یہاں مطیع الدین کے ڈھنگ کا کوئی آدمی موجود نہیں تھا، جس کی معیت میں اسے تنہائی کا احساس نہ ہوتا۔ قلعہ الموت میں حشیشی غلاموں کی بڑی تعداد تھی مگر شاید ان کے منہ میں سرے سے زبان ہی نہیں تھی۔ مطیع الدین نے ان میں سے کئی افراد سے گفتگو کرنے کی کوشش کی مگر ان کے سرد رویے نے اسے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مطیع الدین گھٹ سا گیا قلعہ الموت کے مکین اس کی جانب عجیب سی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے خاموشی سے دوسری طرف نکل جاتے۔ مطیع الدین کو یہ شدت سے محسوس ہونے لگا کہ ان لوگوں کے درمیان وہ کوئی اجنبی ہے۔ شیخ ابوالفضل بھی کئی دنوں سے اسے نظر نہیں آیا وہ شاید واپس لوٹ چکا تھا۔

مطیع الدین گہرے سکوت سے گھبرا کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس کے ذہن میں اچانک شنگ خان کا خیال عود کر آیا جسے وہ فراموش کر چکا تھا۔ شنگ خان سے مختصر ملاقات نے اسے وقتی طور پر چونکا دیا تھا مگر اس کی دوبارہ صورت بھی نہیں دکھائی دی۔ وہ سوچنے لگا کہ شنگ خان کی قلعہ الموت میں موجودگی کو کیا نام دیا جا سکتا ہے؟ شنگ خان تو خالص تاتاری ہے اور خیام زرّیں منگولوں میں اس کے خاندان کو اچھی شہرت حاصل تھی۔ اس کے ذہن میں شنگ خان کا وہ جملہ کلبلانے لگا کہ وہ وہاں گل وتوڑ کی تلاش میں آیا ہے۔ شنگ خان تو وہاں موجود تھا مگر گل وتوڑ اسے ایک بار بھی نہیں دکھائی دی۔ وہ شنگ خان، گل وتوڑ اور فدائی تعلق کی مثلث میں اُلجھ کر رہ گیا۔ ان تینوں روابط کو وہ کوئی نام نہ دے سکا۔ سوچ سوچ کر اس کا ذہن ماؤف سا ہونے لگا۔ بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اس موقعہ پر گل وتوڑ کا ذکر شنگ خان نے صرف اس لئے چھیڑا تھا تاکہ وہ اس کی جذبات کو ٹھیس پہنچا کر تسکین حاصل کر سکے۔ اس نتیجے پر پہنچنے کے باوجود پہلا سوال اپنی جگہ موجود تھا۔ وہ شنگ خان کی موجودگی کی وجہ نہیں تلاش کر پایا۔

''معلوم نہیں یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ جب سے سرائے سے قدم نکالا ہے، ذہن نے درست خطوط پر کام کرنا ہی چھوڑ دیا ہے، ہر ساعت اسراریت کی تاریکی میں ڈوبی دکھائی دیتی ہے'' مطیع الدین نے دانت

کپکپاتے ہوئے سوچا۔

''کیا ہوا..... سر میں درد ہو رہا ہے کیا؟'' اچانک کمرے میں مترنم سی آواز گونجی۔ مطیع الدین کمرے میں اجنبی آواز سن کر قریباً گرتے گرتے بچا۔

❀ ❀ ❀

سلطان الملک الظاہر بیبرس بلاد شام و شرقیہ کا تمام انتظام و انصرام مملوک امیر قلاوون الفی کے حوالے کر کے امراً کے ساتھ واپس قاہرہ پہنچ گیا۔ امیر قلاوون الفی نہایت وفادار اور جرأت مند شخص تھا۔ سلطان بیبرس اور امیر قلاوون الفی میں ایک چیز مشترک تھی کہ ان دونوں کا مولد دشت قپچاق ہی تھا۔ امیر قلاوون الفی کو سلطان نجم الدین ایوب کے خاص سالار امیر آقسنقر نے ایک ہزار دینار میں خریدا تھا، اسی وجہ سے اس کی عرفیت الفی مشہور ہو گئی۔ سلطان ملک الصالح نے اس کی قابلیت و جرأت مندی سے متاثر ہو کر اسے 647ھ میں آزاد کر دیا۔ وہ ترقی کی منازل طے کرتا ہوا امراً کے حلقے میں پہنچ گیا۔ سلطان بیبرس نے اپنے اقتدار میں اسے تمام مملوک عساکر کا سالار اعظم مقرر کر دیا تھا۔ پہلی ترقی کے حصول بعد یہ دوسرا موقعہ اسے میسر آیا کہ اسے اسلامی سلطنت کے ایک بڑے حصے کا کلی اختیار سونپ دیا گیا۔

سلطان بیبرس نے قاہرہ پہنچتے ہی ضروری نوعیت کے تمام معاملات نہایت سرعت سے نمٹائے۔ اسی دوران اس کے پاس برقائی خان کی جانب سے سفارت پہنچی جس میں ہلاکو خان کو بلاد شام کی جانب بڑھنے سے روکنے اور واپس مراغہ لوٹنے کی خبر ارسال کی گئی تھی۔ سلطان بیبرس نے جوابی مراسلے میں برقائی خان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسلامی سلطنت کو درپیش مسائل سے آگاہ کیا۔ سلطان بیبرس نے برقائی خان سے خلیفہ اسلام کی گمشدگی کی بابت آگاہ کرتے ہوئے یہ درخواست کی کہ وہ اپنے طور پر مخبروں کے ذریعے مراغہ میں چھان بین کرائے تاکہ صحیح صورت حال معلوم ہو سکے۔ سلطان بیبرس نے جوابی مراسلہ تحریر کر کے قاصد کے حوالے کیا اور اسے تاکید کی کہ وہ کم سے کم وقت میں سرائے پہنچے۔

سلطان بیبرس نے ضروری امور سے فرصت پاتے ہی شیخ عزالدینؒ کے حجرے کی راہ لی۔ شیخ عزالدینؒ کی طبیعت کئی دنوں سے ناساز تھی۔ ان کی عمر اکیاسی برس ہو چکی تھی، موسم کی تبدیلی نے انہیں بستر پر لیٹنے پر مجبور کر دیا۔ سلطان بیبرس نے ان کی عیادت کے ساتھ خلیفہ مستنصر باللہ کا حال گوش گذار کیا۔ شیخ عزالدینؒ نے خلیفہ مستنصر باللہ کی افسوس ناک شکست پر گہرے رنج کا اظہار کیا اور اسے تقدیر کا فیصلہ قرار دیا۔ سلطان بیبرس نے کچھ توقف کے بعد خلیفہ مستنصر باللہ کی تلاش کا ذکر کیا اور غیر محسوس طریقے سے یہ کوشش کی کہ شیخ عزالدینؒ اس ضمن میں کوئی تبصرہ کریں۔ شیخ عزالدینؒ اس کے دل کے حال سے واقف ہو چکے تھے، انہوں مسکرا کر صرف اتنا ہی کہا۔ ''ابھی کچھ انتظار کرو''۔ سلطان بیبرس نے مزید کچھ کہنا بہتر نہیں سمجھا۔ کچھ دیر کی صحبت کے بعد سلطان بیبرس نے اُٹھتے ہوئے شاہی طبیب کی خدمات پیش کیں تو شیخ عزالدینؒ نے صاف الفاظ میں یہ سہولت لینے سے انکار کر دیا۔ ان کا لہجہ کچھ تیز تھا جس پر سلطان بیبرس دوبارہ بیٹھ گیا اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر نرمی سے دبانے لگا۔

''یا شیخ!'' سلطان بیبرس دھیمے انداز میں بولا۔ ''کیا ہوا؟ آپ نے پہلے تو کبھی ایسے سختی سے منع نہیں فرمایا''۔

''بیبرس! تم سلطان بن گئے ہو! تمہارے پاس سب آسائشیں ہیں، بیمار پڑ جاؤ تو شاہی طبیب حاضر خدمت کے لئے غلام و کنیزیں موجود..... مگر کیا تم نے کبھی یہ سوچا ہے کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوتا ہے جنہیں

بیماری کے حال میں دوا کے لئے دھکے کھانا پڑتے ہیں۔ حکماء اپنی دُکانداری چمکانے کی فکر میں ان کی بیماری کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں اور دونوں ہاتھوں سے لوٹتے ہیں''۔

''یا شیخ! آپ کی بات درست ہے، میں نے اپنے طور پر کئی ایسے اقدامات کئے ہیں کہ لوگوں کو ہر قسم کی سہولت آسانی سے پہنچ سکے۔ ایک پوری مجلس اس کام کے لئے تعینات ہے جو اپنے طور پر تمام امور کی مکمل نگرانی کرتی ہے اور نرخوں کو بڑھنے سے روکتی ہے بہرکیف میں اس ضمن میں مزید اقدامات اُٹھاؤں گا مگر اس میں شاہی طبیب کی سہولت لینے سے انکار کی کیا بات ہے؟'' سلطان بیبرس نے پوچھا

''اگر تم مجھے شاہی طبیب کی خدمات دینے پر مصر ہو تو پہلے اسے تمام بیمار لوگوں کے گھروں میں بھیجو۔ ان کا علاج کرنے کے بعد وہ میرے پاس چلا آئے، میں بھی اس سے اپنا مرض تشخیص کروا لوں گا''۔ شیخ عزالدینؒ نے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔

''ایسا ہونا تو ناممکن ہے، ایک شخص بھلا کتنے گھروں میں جا پائے گا؟'' سلطان بیبرس بولا۔

''یعنی یہ بات تمہاری سمجھ میں آ گئی کہ بیمار لوگ زیادہ ہیں اور ان کا علاج کرنے والے طبیب کم.....!'' شیخ عزالدین آہستگی سے مسکرائے۔ سلطان بیبرس ان کی بات کو کسی حد سمجھ گیا۔

''میں تمام مدارس میں یہ پیغام بھجوا دیتا ہوں کہ اساتذہ طالب علموں کو طب کی تعلیم زیادہ دیں اور نوجوانوں کو اس جانب رغبت دلائیں، اس تعلیم کے لئے میں خصوصی وظیفے کا بھی اعلان کروں گا''۔

''یہ تو سب ٹھیک ہے، مگر یہ سوچو کہ وہ نوجوان طبیب بننے کے بعد غریب افراد کا مفت علاج کریں گے کیا.....؟'' شیخ عزالدینؒ نے حقیقی وجہ کی جانب توجہ مبذول کرائی۔ سلطان بیبرس ان کی بات سن کر گہری سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ توقف کے بعد وہ دوبارہ بولا۔

''اس مسئلے کا واحد حل بیمارستان ہی دکھائی دیتا ہے۔ تمام شہروں میں بیمارستان بنائے جائیں تو شاید کسی حد تک یہ ممکن ہو سکے کہ غریب افراد کو معالجے کی سہولت مل پائے''۔

''میں بھی یہی کہنا چاہتا ہوں کہ نوجوانوں کو طبی تعلیم کی جانب متوجہ کیا جائے اور بعد میں ان کی ملازمت کا بھی مناسب بندوبست کیا جائے۔ ہر شخص کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ جلد از جلد اپنے قدموں پر کھڑا ہو جائے اور معقول آمدنی کمائے۔ کوئی بھی طبیب انسانی ہمدردی کے جذبے کے تحت خدمت خلق پر آمادہ نہیں ہو گا، تم چاہے لاکھ کوشش کرو، بے ایمانیاں اور سرکشیاں ہوتی رہیں گی۔ اگر تم بیمارستان قائم کر کے ان طبیبوں کو معقول معاوضہ پیش کرو گے تو پھر انہیں خدمت خلق میں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ زیادہ بہتر صورت یہ ہے کہ تم شاہی خزانے پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ لوگ خراج کے بار تلے آ جائیں۔ بیمارستان کی دیکھ بھال اور ان کے اخراجات کی ذمہ داری روساء و امراً کو سونپ دو۔ ان کے پاس بہت مال جمع ہے، وہ خود ہی بیمارستان کے اخراجات اُٹھا لیں گے''۔ شیخ عزالدینؒ نے راہ سجھائی۔

''یا شیخ! آپ تو اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ امراً کا طبقہ زیادہ تر لالچی و حریص ہے، وہ اپنے اموال کو یوں لٹانے پر ہرگز آمادہ نہیں ہوں گے''۔ سلطان بیبرس نے اعتراض کرتے ہوئے کہا۔

''میں جانتا ہوں! اسی لئے تمہیں یہ صلاح دے رہا ہوں کہ تم امراً پر ایک نیا خراج لگا دو جو کہ ان کے صدقات و خیرات پر منحصر ہو، ایک مناسب رقم مقرر کر دو جو کہ ہر ماہ ان سے وصول کی جائے''۔

''یا شیخ! ایسا کرنے سے امراً مخالفت پر اتر آئیں گے اور بلاوجہ ریشہ دوانیوں کا سلسلہ شروع ہو جائے گا''۔ سلطان بیبرس گھبرا کر بولا۔

''بیبرس!'' شیخ عزالدینؒ کا لہجہ سخت ہو گیا۔ ''تمہیں اللہ تعالیٰ نے اسلامی سلطنت میں موجود تمام مسلمانوں کی نگرانی کا اعزاز سونپا ہے اور ان کی خدمت پر مامور کیا ہے، یاد رکھو! یوم حشر کو تمہیں اپنی تمام حرکات سکنات کا پورا پورا احساب دینا ہوگا۔ تمہیں رعیت کی خوشی عزیز ہے یا پھر امراٗ اور روساء کی''۔

''یا شیخ! ناراض نہ ہوئیے! میں آپ کی ہدایت پر عمل کروں گا''۔ سلطان بیبرس تیزی سے بولا۔

''بیبرس! تم وقت کے سلطان ہو، تم سے پہلے بھی کئی سلطان حکومت کر چکے ہیں اور تمہارے بعد بھی کئی سلطان حکومت کریں گے۔ یاد رکھو! جنہوں نے اچھے کام کیے، رعیت انہیں دُعائیہ کلمات سے یاد کرتی ہے اور جنہوں نے اپنی خواہش کو اوّلیت دی انہیں وقت نے فراموش کر دیا اور جو ظلم و جور کا بازار گرم کیے رہے ان پر لوگ لعن طعن کرتے ہیں اور قیامت تک ان کے حصے میں صرف بدُعائیں ہی جمع ہوتی رہیں گی۔'' شیخ عزالدینؒ کا لہجہ خاصا درشت تھا سلطان بیبرس ان کی باتوں کی گہرائی محسوس کر کے خوف سے لرزنے لگا۔ سلطان بیبرس نے انہیں پورا یقین دلایا کہ وہ فوری طور پر بیمارستان کا قیام عمل میں لائے گا اور امرأ اور روساء پر ذمہ داری کا بوجھ ڈالے گا۔ شیخ عزالدینؒ کا جلال دھیرے دھیرے ماند پڑ گیا تو انہوں نے نرمی سے اس نظام میں پوشیدہ افادیت اجاگر کی اور کئی مفید مشورے بھی دیئے۔ سلطان بیبرس انہیں یقین دہانی کرا کے وہاں سے نکل آیا۔ اس نے دوسرے روز تمام سلطنت کے مدارس میں خصوصی ہدایت روانہ کر دی اور ساتھ ہی قاہرہ میں ایک بیمارستان قائم کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس ضمن میں سلطان بیبرس نے تمام امرأ اور روساء کو خاص دربار میں طلب کیا تا کہ انہیں اعتماد میں لے کر بیمارستان کا کام مکمل کیا جاتا۔

❁ ❁ ❁

صلیبی مقبوضات کا ایک اہم شہر عکہ بے شمار اہم شخصیتوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ان میں یروشلم کا سابق شکست خوردہ حکمران فریڈرک، فرانس کا عظیم مقدس شہنشاہ لوئی نہم اور شہرت یافتہ صلیبی سردار ریمنڈ شامل تھے۔ ان کے علاوہ بھی کئی اہم صلیبی جنگجو سردار مسلمان والیوں کے ہاتھوں شکست کھا کر فرار ہو کر یہاں پہنچ گئے تھے۔ ان سب افراد نے مل کر سلطان علاء الدین لولو کو شیشے میں اتارا اور اسے سلطان بیبرس کے مقابل لانے کی کو پوری کوشش کی۔ سلطان علاء الدین لولو کو سلطان بیبرس سے ذاتی عداوت تھی اور وہ تمام بلادِ اسلامیہ کا واحد حکمران بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ صلیبی قوتوں کی امداد پا کر وہ خود کو طاقت ور سمجھ رہا تھا مگر سلطان بیبرس نے اچانک ظاہر ہو کر تمام بازی ہی پلٹ دی۔ سلطان علاء الدین لولو کی گردن صلیبیوں کے ساتھ ساز باز کے جرم میں اُڑا دی گئی۔ سلطان بیبرس نے نہایت سرعت سے ایسے تمام افراد کو گرفتار کر لیا جو صلیبی قوتوں کا آلہ کار بنے ہوئے تھے۔ ان میں کئی مشہور نصرانی امرأ بھی شامل تھے۔ امیر غیاث الدین کو نیا امیر مقرر کرتے ہوئے سلطان بیبرس نے صلیبیوں پر یہ واضح کر دیا تھا کہ وہ اتنا بے خبر نہیں ہے جتنا وہ گمان کیے ہوئے ہیں۔

ریاست حلب میں انقلابی تبدیلی اور نصرانی ذرائع کے خاتمے کی خبر جب ان لوگوں تک پہنچی تو وہ تلملا اُٹھے اور تاسف سے محض ہاتھ ملتے رہ گئے۔ شاہ لوئی جس جوش و خروش سے فرانس سے صلیبی مہم لے کر نکلا تھا وہ ایوبی اور مملوک حکمرانوں کے ہاتھوں رسوا و خوار ہو چکی تھی۔ منصورہ کے میدان میں شکست کھانے کے بعد وہ صیدا، یافا، قیساریہ اور پھر عکہ میں پہنچا۔ شکست کھانے کے باوجود اس کے حوصلے جوان تھے۔ وہ اس تیاری میں مصروف تھا کہ صلیبی انتشار کو ختم کر کے سب لوگوں کو ایک مرکز پر جمع کر لے تا کہ مسلمانوں پر کاری ضرب لگائی جا سکے مگر صلیبی سرداروں کی مذموم حرکات اور مطلب برآری کا رویہ دیکھ کر وہ مایوس ہو گیا۔ شاہ فریڈرک نے اس کی ہمت بندھائی اور یقین دہانی کرائی کہ وہ ایک دن ضرور یروشلم واپس حاصل کر لیں گے۔ سلطان

علاء الدین لولو کی مدد پا کر شاہ لوئی نہم کو ایک بار پھر سے امید کی کرن دکھائی دی مگر سلطان بیبرس کے جرأت مندانہ عمل نے ان کی اس کوشش پر بھی پانی پھیر دیا۔ وہ جہاں فرط طیش میں دانت پیستے رہے وہیں سلطان بیبرس کی شخصیت کا دبدبہ بھی انہیں ہراساں کرتا گیا۔ وہ سلطان بیبرس کی ہمت کی داد دیئے بغیر بھی نہ رہ سکے کہ اس نے تن تنہا ریاست حلب کا منظر ہی بدل ڈالا تھا۔ سلطان بیبرس کے اس کارنامے پر تمام عیسائی ریاستوں میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں سنائی دیں۔ کچھ لوگ تو اسے چھلاوہ اور جادوگر قرار دے رہے تھے اور کچھ لوگ اس کی باخبری و بہادری کے قصیدے پڑھ رہے تھے۔ صلیبی مقبوضات میں بھی گہرا اضطراب دکھائی دینے لگا۔ مقبوضات کے منتظم صلیبی سردار تشویش بھرے خطوط شاہ لوئی نہم کو ارسال کرنے لگے۔ شاہ لوئی نہم نے تمام صورتِ حال کا از سرِ نو جائزہ لیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ان مقبوضات میں مقیم رہنا محض وقت برباد کرنے کے مترادف ہے، اسے فرانس واپس لوٹ جانا چاہئے اور وہاں سے نئی تازہ دم افواج لے کر مکمل تیاری کے ساتھ دوبارہ ادھر کا رُخ کرنا چاہئے۔ اس نے شاہ قسطنطنیہ سے اس ضمن میں مشورہ کیا۔ اس نے اس کے فیصلے کا خیر مقدم کرتے ہوئے لکھا کہ شاہ لوئی نہم کو زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ عظیم صلیبی خدمت گار ہلاکو خان ابھی زندہ ہے، وہ اپنے اندرونی معاملات میں اُلجھا ہوا ہے، تھوڑے عرصے کی بات ہے، وہ بہت جلد واپس لوٹے گا اور پھر مسلمانوں کا تختہ اُلٹ جائے گا۔ سلطان بیبرس چاہے لاکھ کوششیں کر لے، ہلاکو خان کو سنبھالنا اس کے بس کی بات نہیں ہے۔

شاہ لوئی نہم نے شاہ قسطنطنیہ کے مراسلے پر کسی قدر اطمینان کا اظہار کیا اور اپنی فرانس واپسی کا اعلان کر دیا۔ شاہ فریڈرک کے لئے یہ اعلان خاصا پریشان کن ثابت ہوا۔ اس نے شاہ لوئی نہم سے ملاقات کر کے اسے رد کئے کی کوشش کی اور اس پر واضح کیا کہ اس کی واپسی صلیبی جنگجوؤں کے حوصلوں کو پامال کر ڈالے گی مگر شاہ لوئی نہم نے اس کے اصرار پر بھی اپنا فیصلہ نہ بدلا اور موسم سرما میں اپنے عمائدین کی جماعت اور بچے کھچے لشکر کے ساتھ فرانس واپس لوٹ گیا۔ صلیبی مقبوضات میں اس کی واپسی کے گہرے اثرات مرتب ہوئے، صلیبی سردار خود کو تنہا محسوس کرنے لگے۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین چونک کر اس طرف پلٹا جدھر سے آواز سنائی دی تھی۔ وہ متحیر نگاہوں سے اس کے سراپے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ نوجوان اور کسی قدر حسین تھی۔ اس کے جسم پر سفید لباس کو دیکھ کر مطیع الدین کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ کوئی کنیز ہے۔ اس کا کھلا ہوا رنگ اور پُر وقار قامت دیکھ کر مطیع الدین کے دل پر چوٹ سی لگی۔ وہ یقیناً کسی متمول گھرانے کی بیٹی رہی ہوگی جسے وقت کے بے درد لمحات نے کنیز بنا ڈالا۔

''آپ نے کوئی جواب نہیں دیا؟'' وہ حیرت میں ڈوبے مطیع الدین کو دیکھ کر مسکرائی۔

''تم کون ہو؟ صورت سے تو کنیز نہیں لگتی ہو''۔

''میرا لباس اس بات کی وضاحت کر رہا ہے کہ میں کنیز ہی ہوں، شاید آپ مجھے اپنے سامنے اچانک دیکھ کر حیران ہو رہے ہیں کہ اتنے دن تک تو آپ کی مدارات کے لئے کوئی کنیز نہیں آئی اور آج یہ تبدیلی کیسی؟'' وہ لاپروائی سے پہلو جھٹکتی ہوئی بولی۔

''حیران ہونا تو لازم بات ہے..... مگر تمہاری بات مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آئی؟'' مطیع الدین کے انداز دلچسپی کا پیدا ہو گئی۔ وہ تنہائی کے احساس کے مٹنے پر خود میں نئی توانائی محسوس کر رہا تھا۔

''ویسے تو عام کنیزوں کے نام نہیں ہوتے مگر میں چونکہ خاص کنیز ہوں اس لئے مجھے مرارہ کہتے ہیں،

آج سے میں ہی آپ کی ہر طرح خاطر مدارت کیا کروں گی''۔

''تمہارا انداز خاصا پُر تکلف ہے، مجھے امید ہے کہ تمہاری مہمان نوازی میں اچھا وقت گزرے گا۔ کیا تم یہ بتانا پسند کرو گی کہ مجھ پر اس خاص عنایت کا سبب کیا ہے؟'' مطیع الدین نے دریافت کیا۔

''اوہ یہ تو میں تمہیں بتانا ہی بھول گئی کہ آقا کی جانب سے مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں آپ کی خدمت میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھوں، میں خاص کنیزوں میں سے ایک ہوں، آپ بڑے خوش قسمت ہیں کہ آپ کے حصے میں آقا کی کوئی خاص کنیز آئی ہے۔ میرے آقا آپ سے بے حد خوش ہیں، سنا ہے کہ آپ کے تعاون کے باعث وادی قفقاز میں تاتاریوں کو ہزیمت اُٹھانا پڑی ہے''۔ مراہ نے بتایا۔

مطیع الدین اس کی بات سنتے ہی سمجھ گیا کہ مراہ کو اس کے پاس کیوں بھیجا گیا ہے؟ یقیناً شیخ کبیر الدین اور برقائی خان کو ہلاکو خان پر فتح حاصل ہوئی ہوگی۔ وہ یہ سوچ کر مسکرانے لگا۔

''آپ مجھ سے بلا تکلف بات چیت کر سکتے ہیں اور ہر قسم کی ضرورت طلب کر سکتے ہیں، بے فکر رہئے، میں دن رات آپ کے کمرے میں ہی مقیم رہوں گی''۔ مراہ نے بالوں کی لٹ چہرے سے ہٹاتے ہوئے جاہت بھرے لہجے میں کہا۔ مطیع الدین چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا مراہ کی آنکھوں میں اسے عجیب سی مستی چھائی ہوئی دکھائی دی۔

''سنو مراہ!'' مطیع الدین گڑبڑائے انداز میں بولا۔ ''تم شاید کسی غلط فہمی کا شکار ہوئی ہو، پہلی بات کہ میں ایسا آدمی نہیں ہوں کہ جسے کنیزوں کی صحبت کی حاجت ہو اور دوسری بات میں تنہائی کو زیادہ ترجیح دیتا ہوں، تم یہاں بیٹھو، باتیں کرو اور وقت پر طعام کا بندوبست کرو اور پھر شام کے وقت مجھے اپنی تنہائی کے ساتھ چھوڑ دو''۔

''آپ مروّت اور جھجک میں مت پڑیئے بلکہ خود پر فخر کیجئے کہ میرا آقا آپ پر مہربان ہوگیا ہے، قلعہ الموت کی وہ دوشیزہ آپ کے سامنے موجود ہے جس کے آنچل کی چھاؤں پانے کی خواہش میں یہاں موجود ہر شخص ٹھنڈی آہیں بھرتا دکھائی دیتا ہے''۔ مراہ قاتلانہ ادا سے ہنسی۔

''میرا آہوں والا خانہ زیادہ تر خرابی کا شکار رہتا ہے اس لئے مجھے آہیں بھرنے کی نوبت پیش نہیں آتی۔ تم بے فکر رہو، جب میں یہاں سے روانہ ہوں گا تب بھی میں ایسا ہی مسکراتا ہوا دکھائی دوں گا''۔ مطیع الدین کی طبیعت پر چھائی پژمردگی اور اکتاہٹ کے بادل چھٹ چکے تھے اور آہستہ آہستہ وہ اپنے آپ کو ہلکا ہوتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ مراہ عجیب سی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''قسم ہے پیدا کرنے والے کی! تم دوسرے فرد ہو جس سے مل کر مجھے گہرا تعجب ہوا ہے''۔ مراہ کا انداز میں یکسر تبدیل ہوگیا۔ وہ مطیع الدین کی عدم توجہ اور بے رغبتی سے خاصی متاثر ہوئی تھی۔

''کیا میں پہلے کا نام پوچھ سکتا ہوں؟'' مطیع الدین چہکتے ہوئے بولا۔

''وہ مرد نہیں تھا!'' مراہ نے منہ بنا کر کہا۔

''کک..... کیا مطلب؟ تم مجھے کہاں ملانے کی کوشش کر رہی ہو''۔ مطیع الدین متفکر سا ہوگیا۔

''تم غلط سمجھے''۔ وہ دھیرے سے ہنسی۔ ''وہ ایک عورت تھی جس کی شخصیت نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا۔ وہ بلا کی شرارہ عورت تھی جس کے انگ انگ میں جیسے بجلیاں بھری ہوئی تھی مگر اسے مرد کی ضرورت کبھی پیش نہیں آئی۔ اس کے منہ سے میں نے آج تک کوئی ایسا جملہ نہیں سنا، جس سے یہ اندازہ ہو پاتا کہ وہ مرد کے بغیر تنہا اور ادھوری ہے''۔

''تھی سے کیا مراد ہے؟..... کیا وہ.....؟'' مطیع الدین بولتے ہوئے خاموش ہوگیا۔

''نہیں..... جیسا تم سوچ رہے ہو ویسا نہیں ہے، وہ پچھلے دنوں یہاں سے چلی گئی ہے''۔

''اوہ! چلو چھوڑو، کوئی اور بات کرو! تم نے ابھی تک اپنے بارے میں تو کچھ بتایا ہی نہیں؟'' مطیع الدین نے بات کا رُخ بدلتے ہوئے کہا۔ مراہ عورت کا ذکر کرتے ہوئے کھو گئی، شاید وہ اس عورت کے عکس کو ذہن کے کینوس پر تازہ کرنے میں مصروف تھی۔ مطیع الدین کی بات پر دھیرے سے مسکرائی۔

''تمہارا نام مطیع الدین ہے نا!''

''یہ کیا بات ہوئی؟'' مراہ کے غیر متوقع سوال پر مطیع الدین خجل ہو کر رہ گیا۔

''میں جانتی ہوں کہ تم بھی اسی کی مانند ایک دن چلے جاؤ گے مگر میں تمہارا نام بالکل اسی طرح اپنے ذہن میں نقش کر لینا چاہتی ہوں جیسے اس کا نام اور اس کی معصوم سی صورت..... گل وقوز..... جسے شاید میں کبھی بھول نہیں پاؤں گی''۔ مراہ بے خودی کے عالم میں بولتی چلی گئی۔ مطیع الدین کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ چہرے پر پھیلی ہوئی ظرافت کی علامتیں پل بھر میں غائب ہو چکی تھیں۔ اس کے ذہن میں زلزلے برپا تھے۔ وہ کتنی معصومیت سے اس کے زخموں کو کرید گئی تھی۔

❀❀❀

رجب 660ھ میں سلطان بیبرس کو قاضی تاج الدین بن بنت الاعز نے باقاعدہ نوٹس دیتے ہوئے اپنی عدالت میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ قاضی تاج الدین بن بنت الاعز بلادِ مصر اور سمندری محاذی علاقوں پر قاضی القضاۃ مقرر تھے جبکہ قاہرہ اور ساحلی علاقوں کی عدالت کی ذمہ داری قاضی برہان الدین بخاری کے پاس تھی۔ قاضی برہان الدین بخاری راسخ العقیدہ سنی تھے جبکہ تاج الدین شافعی مسلک کے پیرو تھے اور اپنے مسلک میں نہایت شدت رکھتے تھے۔ سلطان بیبرس کو جب قاضی کی عدالت میں حاضری کا پروانہ ملا تو وہ اطمینان کے ساتھ 9 رجب 660ھ کو عدالت پہنچا۔ سلطان بیبرس کی صورت دیکھ کر تمام لوگ تعظیماً اپنی اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ قاضی تاج الدین بن بنت الاعز نے جب سب لوگوں کو کھڑے دیکھا تو اس کی انا قیات نے یہ گوارا نہیں کیا کہ وہ بیٹھا رہے، اس نے اُٹھنے کی کوشش کی ہی تھی کہ سلطان بیبرس نے اسے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔ قاضی تاج الدین نے اُٹھنے کی کوشش ترک کرتے ہوئے نشست سنبھالے رکھی۔ سلطان بیبرس مختلف معاملات میں آئے ہوئے لوگوں کے ساتھ ہی زمین پر ایک طرف بیٹھ گیا۔ عدالت کے ملازمین نے اسے کرسی پیش کرنا چاہی مگر سلطان بیبرس نے نرمی سے انہیں منع کر دیا۔

کچھ دیر بعد سلطان بیبرس کے مقدمے کی باری آئی تو سلطان ملزمان کے حلقے میں جا بیٹھا۔ اس کے خلاف ایک قصبے کے افراد نے مقدمہ دائر کیا تھا کہ سرکاری عہدہ داروں نے ان کی زمین میں کنواں کھود دیا ہے، وہاں اردگرد کا تمام حصہ ناقابل استعمال ہو کر رہ گیا ہے، وہاں ہر وقت پانی اور کیچڑ پھیلا رہتا ہے۔ کنواں کھودنے کے لئے ان سے اجازت بھی نہیں حاصل کی گئی۔

قاضی تاج الدین نے سلطان بیبرس سے دریافت کیا کہ وہ اس الزام کے جواب میں کیا کہنا چاہتا ہے؟ سلطان بیبرس نے چند سوالوں میں ان افراد سے متنازعہ جگہ کا حدود اربعہ معلوم کیا۔ ضروری معلومات کے بعد سلطان بیبرس نے قاضی تاج الدین کے سامنے کنوئیں کی ضرورت کا ذکر کیا اور مبنی عادلہ پیش کیا۔ سلطان بیبرس نے اس جگہ پر کنوئیں کے سیاق وسباق واضح کرتے ہوئے اس قدر بلیغ بیان دیا کہ وہ افراد بھی دنگ رہ گئے۔ انہیں یہ خدشہ ہونے لگا کہ جیسے بیبرس انہی کے درمیان موجود رہتا ہو۔ قاضی تاج الدین نے تمام معاملہ

سننے کے بعد شرعی حیثیت سے حاکم وقت کی ضرورت اور اختیار کو تسلیم کرتے ہوئے فیصلہ سلطان بہرس کے حق میں دے دیا اور مدعا علیہ کو باقی زمین پر قناعت کرنے کا مشورہ دیا۔ یہ حقیقت تھی کہ کنوئیں کے فاضل پانی کا کثیر فائدہ انہی کی زمینوں کو زیادہ ہوتا تھا اور کاشت بھی بڑھ گئی تھی۔ سلطان بہرس نے ان کی دلجوئی کے لئے انہیں ذاتی ملکیت سے کچھ رقم بھی ادا کی تاکہ وہ اس فیصلے پر مایوس و ناراض نہ ہوں۔ وہ افراد سلطان کی عنایت پا کر بے حد مسرور ہوئے اور کامل اطمینان سے واپس لوٹ گئے۔

سلطان بہرس اس معاملے سے فارغ ہو کر واپس دربار کی جانب لوٹا۔ راستے میں ہی اسے امیر فخر الدین لقمان مل گیا جو مقدمے کی اطلاع پا کر فکر مند ہو گیا تھا اور سلطان بہرس کے پیچھے چلا آیا۔ سلطان بہرس کی صورت دیکھ کر اس نے عجلت میں معاملہ دریافت کیا تو سلطان بہرس نے مسکرا کر اس کی بات ٹال دی۔ وہ دونوں عام آدمیوں کی طرح بازار میں چلتے ہوئے شاہی محل کی جانب بڑھ رہے تھے۔ ان کے گرد کوئی سپاہی نہیں تھا اور نہ ہی کسی حفاظتی دستے کا انتظام کیا گیا تھا۔ لطف کی بات یہ تھی کہ بازار میں چلنے پھرنے والے بیشتر لوگوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کے درمیان ان کا سلطان موجود ہے۔ یہ سلطان بہرس کا خاصہ تھا کہ اس نے اپنی نمود و نمائش کا کبھی اہتمام نہیں کیا اور نہ ہی بلاسبب لوگوں کو پریشان کیا۔ وہ چاہتا تو سابق سلطانوں کا طرزِ زندگی اپنا سکتا تھا مگر اسے شاہی محل میں گھٹ کر پابند زندگی گزارنے کی عادت نہیں تھی۔ وہ کھلی فضا میں زیادہ مسرت اور سکون محسوس کرتا۔ اس کا زیادہ وقت عموماً قاہرہ کے بازاروں اور گلی کوچوں میں گذرتا۔ اس طرح نہ صرف وہ اپنی طبیعت پر چھائی بے چینی کا تدارک کرتا رہتا بلکہ اسے اپنے گرد پھیلے ہوئے بے شمار معاملات کی بھی خبر رہتی۔

''امیر لقمان!'' سلطان بہرس بولا۔ ''میں گذشتہ چند دنوں سے ایک بات سوچ رہا ہوں مگر ہر بار خود ہی اسے سوچ کر رد کرنے پر مجبور ہو جاتا ہوں، میرا خیال ہے اس معاملے میں تم میری مدد کر سکتے ہو''۔ امیر فخر الدین لقمان نے تعجب سے سلطان بہرس کی جانب دیکھا۔

''سلطانِ محترم! اگر آپ نے بندہ کو اس قابل سمجھ ہی لیا تو یقین جانئے کہ میں پوری دیانتداری سے جواب دینے کی کوشش کروں گا''۔ امیر فخر الدین لقمان نے مؤدب انداز میں جواب دیا۔

''میں نے کتب احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پڑھا ہے کہ جو شخص نبی کریمؐ کی سنت پر عمل پیرا نہیں ہوگا وہ اللہ کے دین سے خارج تصور ہوگا۔ پچھلے دنوں کچھ فرصت میسر آئی تو میں نے اپنا محاسبہ کیا تو یہ حقیقت مجھ پر منکشف ہوئی کہ میں سنت نبویؐ پر عمل پیرا نہیں ہوں''۔ سلطان بہرس نے جواباً کہا

''سلطانِ محترم! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ ہم نے تو آج تک آپ میں کوئی ایسی برائی نہیں دیکھی''۔ امیر فخر الدین لقمان چونک کر ٹھٹک گیا۔

''میں برائی کی بات نہیں کر رہا بلکہ اچھائی کی بات کر رہا ہوں، ایک اہم اچھائی..... جس سے میں ابھی تک محروم ہوں''۔ سلطان بہرس نے ہنس کر جواب دیا۔

''سلطان محترم! میں سمجھ گیا آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ مگر اس میں قباحت والی کیا بات ہے؟'' امیر فخر الدین لقمان کا چہرہ کھل اُٹھا۔

''میں ابھی اس بکھیڑے میں پڑنا نہیں چاہتا..... میرے سامنے ابتر و پریشان بلادِ اسلامیہ موجود ہیں، دشمنانِ اسلام چاروں جانب منہ کھولے کھڑے ہیں کہ انہیں کب موقعہ ملے اور وہ ہلّہ بول دیں''۔

''سلطانِ محترم! میرے خیال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ پر نگاہ ڈالی جائے تو آپ

کو کسی پریشانی کا سامنا نہیں رہے گا۔ انہوں نے تمام ضروری امور کے ساتھ ساتھ ازدواجی زندگی بھی گذاری ہے۔ بلادِ اسلامیہ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ آپ کو اپنی صحت اور ذمہ داری کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔ کیا یہ زیادہ موزوں نہیں رہے گا کہ آپ اس سلطنت کو ایک ایسا جانشین دیں جو آپ کے بعد آپ کی راہوں پر چل کر ملت اسلامیہ کی حفاظت کر سکے''۔ امیر فخر الدین لقمان نے کہا۔

''تم نے کسی قدر ہماری پریشانی کو کم کیا ہے لہٰذا یہ ذمہ داری بھی تمہارے کندھوں پر ڈالی جاتی ہے کہ تم میری ازدواجی زندگی کے قیام کی کوشش میں مصروف ہو جاؤ، لیکن یاد رہے کہ مجھے ملکہ عالیہ نہیں بلکہ ایک بیوی چاہئے''۔ سلطان بہرس نے مسکرا کر کہا۔

''سلطانِ محترم کا حکم سر آنکھوں پر..... کیا آپ کے ذہن میں کوئی ایسی خاتون موجود ہے جسے رشتہ زوج میں باندھنا پسندیدگی کا مظہر ہو''۔ امیر فخر الدین لقمان نے دریافت کیا۔

''ہاں! میری نظر میں ایک رشتہ موجود ہے مگر مجھے خدشہ ہے کہ کہیں سبکی نہ اُٹھانا پڑے''۔

''سلطانِ محترم! ایسا کون بدنصیب ہوگا جو آپ کا زندگی بھر ساتھ دینے پر آمادگی ظاہر نہ کرے''۔ امیر فخر الدین لقمان حیرت سے بولا۔

''فارس الدین اقطائی!'' سلطان بہرس مختصراً بولا۔ امیر فخر الدین لقمان جواب سنتے ہی ششدر رہ گیا۔ چند لمحوں تک اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی زبان گنگ ہو کر رہ گئی ہو۔ سلطان بہرس کا کھلا اشارہ امیر فارس الدین اقطائی کی جواں سال بیٹی کی جانب تھا۔ امیر فخر الدین لقمان نے تیزی سے خود کو سنبھالا۔ اس نے سلطان بہرس کو بھرپور انداز میں یقین دلایا وہ اس رشتے کے لئے خود جائے گا اور امیر فارس الدین اقطائی کو راضی کرے گا۔

''امیر لقمان! فارس الدین اقطائی کو اس رشتے کے لئے ہاں کہنا ہی ہوگی.....!'' سلطان بہرس نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ امیر فخر الدین لقمان کے قدم سلطان بہرس کے لہجے پر رُک گئے جبکہ سلطان بہرس آگے بڑھتا چلا گیا۔ امیر فخر الدین لقمان کے ذہن میں دمشق کا وہ دن گھوم رہا تھا جب ریاست حلب کے کچھ امراء نے فارس الدین اقطائی کے علاء الدین لولو کے ساتھ گٹھ جوڑ کا ذکر کیا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں آندھیاں چلتی رہیں۔

''تو کیا یہ حقیقت ہے کہ فارس الدین اقطائی نے حقیقتاً کسی سرکشی کا ارتکاب کیا تھا''۔

ایک چبھتا ہوا سوال اس کے لبوں پر مچل اُٹھا۔ جس کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا کیونکہ سلطان بہرس نے اس تمام معاملے کی چھان بین خود کی تھی۔

❁ ❁ ❁

نوئنا جوخان، اردوئے زرّیں خیل کے سلطان برقائی خان کے حکم پر خیام زرّیں منگول دستوں کے ساتھ سرقندی لواح سے گذر کر قبچستان آیا تھا۔ وادی قفقاز کی لڑائی میں وہ شیخ کبیر الدین کے ساتھ ہی تھا۔ لڑائی کے خاتمے پر شیخ کبیر الدین اور برقائی خان کی مختصری ملاقات ہوئی، جس میں دونوں نے اپنے اپنے تحفظات سامنے رکھتے ہوئے کچھ نئے معاملے و معاہدے کئے۔ چونکہ وادی قفقاز کی لڑائی کسی نتیجے پر نہیں پہنچی تھی، اس لئے شیخ کبیر الدین نے برقائی خان کے سامنے یہ درخواست پیش کی کہ وہ مدد کے لئے بھیجے گئے منگول دستوں کو قبچستان میں ہی ٹھہرا رہنے دے۔ برقائی خان نے اس کی دلجوئی کے لئے منگول دستوں کو وہیں تعینات کر دیا۔ نوئنا جوخان کو ان دستوں پر مستقلاً سالار مامور کر دیا گیا۔ بھاری بھرکم نوئنا جوخان کو دیکھ کر شیخ کبیر

الدین نے کسی قدر بے زاری ظاہر کی۔ وہ اپنے تئیں یہ سوچ رہا تھا کہ اس کی حفاظت کے لئے ایسے افراد کا تقرر کیا گیا ہے جن کے جثے قوی ہیکل ضرور ہیں مگر ان میں عسکری مہارت کا فقدان پایا جاتا ہے۔ شیخ کبیر الدین نے اس خیال کے پیشِ نظر کسی طرح کا تبصرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا کہ سپاہی کمزور ہی سہی! تو کیا ہوا، حقیقت تو یہی ہے کہ برقائی خان جیسے مضبوط حکمران کی مکمل حمایت و تعاون اُسے حاصل ہے۔ جس کے ساتھ مل کر وہ ہلاکو خان سے اپنے ساتھیوں کا انتقام لے سکتا ہے۔ شیخ کبیر الدین اپنے خیشی لشکر اور منگول دستوں کے ساتھ واپس قلعہ الموت لوٹ آیا۔ منگول دستوں کو قلعہ الموت کے نچلے حصے میں صدر دروازے کے پہلو میں موجود بیرکوں میں ٹھہرایا گیا۔ سالار فونائجو خان کو وہ اپنے ساتھ قلعہ الموت کے بالائی حصے میں لے آیا۔ شیخ کبیر الدین نے فونائجو خان کے لئے اپنا خاص مہمان خانہ پیش کیا اور اسے مطیع الدین کے ساتھ ٹھہرنے کی پیش کش کی۔ مطیع الدین کا نام سن کر فونائجو خان کا منہ بگڑ سا گیا اور اس نے صاف الفاظ میں واضح کر دیا کہ اگر اسے مطیع الدین کے ساتھ ٹھہرایا گیا تو اگلی صبح یقیناً اس کی لاش ملے گی۔ شیخ کبیر الدین نے فونائجو خان کے بگڑے تیور دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ ان دونوں میں پرانی عداوت پائی جاتی ہے لہٰذا اس نے فونائجو خان کے رہنے کے لئے مطیع الدین سے دور ایک دوسری جگہ بندوبست کر دیا۔

فونائجو خان قلعہ الموت میں رہتے ہوئے مطیع الدین سے بے پرواہ دکھائی دیا۔ شیخ کبیر الدین نے بھی کوئی ایسا موقعہ نہیں آنے دیا کہ وہ دونوں آمنے سامنے آ پاتے۔ فونائجو خان کا معمول تھا کہ وہ دن کا نصف سے زائد حصہ نیچے منگول سپاہیوں کے پاس گذارتا اور انہیں عسکری مشقیں کرواتا۔ شیخ کبیر الدین کو ایک دن یہ مشقیں دیکھنے کا اتفاق ہوا تو وہ فونائجو خان کی مہارت پر دنگ رہ گیا۔ وہ جسے ناکارہ تصور کئے بیٹھا تھا، وہ چھپا رستم محسوس ہوا۔ شیخ کبیر الدین کو کسی قدر اطمینان نصیب ہوا کہ اس کی حفاظت کے لئے برقائی خان نے ادھورا بندوبست نہیں کیا ہے۔

ایک شام فونائجو خان اپنے معمول سے فارغ ہو کر واپس آیا تو اسے مہمان خانے میں کوئی دکھائی نہیں دیا۔ کھانے کا وقت تھا اور اسے شدید بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے بلند آواز میں خدمت کے لئے مامور غلام کو پکارا۔ کوئی جواب نہ ملنے پر وہ کمرے سے باہر نکلا۔ دائیں بائیں نظر دوڑائی مگر وہاں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ وہ حیرانگی سے دیکھتا ہوا فصیل کی راہداری میں داخل ہو گیا۔ وہاں بھی کوئی موجود نہیں تھا۔ غلاموں کی اچانک گمشدگی اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ یکا یک اس کے ذہن میں یہ خیال کوندا کہ کہیں کوئی خطرے والی بات تو نہیں ہے۔ وہ دبے قدموں سے شیخ کبیر الدین کی کمرے کی جانب بڑھنے لگا۔ تلوار کے دستے پر اس کی گرفت مضبوط تھی۔ وہ ہر قسم کی صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے خود کو پوری طرح تیار کر چکا تھا۔ وہ دھیمے انداز میں چلتا ہوا شیخ کبیر الدین کے کمرے کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ وہ ابھی اسی خیال میں تھا کہ کمرے میں جھانکے کہ باریک سی آواز اس کے کانوں میں پڑی جو کمرے میں سے آ رہی تھی۔ وہ چونک کر رُک گیا اس نے اپنی حس سماعت کو کمرے سے نکلنے والی آوازوں پر مرتکز کر لیا۔

''آقا! اس کی زرد رنگت پڑتے ہی میں سمجھ گئی تھی کہ وہ گل وقوڑ کو اچھی طرح جانتا ہے اور اس کے ساتھ اس کا قلبی تعلق ضرور ہے''۔ بولنے والی عورت تھی۔ فونائجو خان گل وقوڑ کے نام پر دم بخود سا رہ گیا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ شنگ خان صحیح کہہ رہا تھا کہ گل وقوڑ کا وہ مسلمان عاشق یہی مطیع الدین ہی تھا۔ میں نے تمہیں صرف اسی تصدیق کے لئے اس کے پاس بھیجا تھا۔ اسے تم پر کوئی شک تو نہیں ہوا''۔ یہ آواز شیخ کبیر الدین کی تھی۔ فونائجو خان اس غیر متوقع بات چیت پر متفکر سا ہو گیا۔

''نہیں! اتفاق سے کچھ ایسی صورتِ حال پیدا ہو گئی کہ مجھے باتوں باتوں میں گل وقوڑ کا سلسلہ چھیڑنے کا موقع مل گیا، اگر ایسا نہ ہوتا تو بھی میری صلاحیتیں اتنی کمزور نہیں ہیں کہ میں گل وقوڑ کا ذکر چھیڑنے میں ناکام ہو جاتی''۔

''اس نے گل وقوڑ کے بارے میں تم سے مزید کوئی سوال نہیں کیا؟'' شیخ کبیر کی آواز سنائی دی۔

''بڑے کمال کا شخص ہے، اس نے ایک دو سوال سرسری سے انداز میں کئے مگر ان کی نوعیت کچھ خاص نہیں تھی۔ اس نے اپنی کیفیت پر فوراً قابو پا لیا۔ شاید میری جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ اس بات پر یقین کر لیتا کہ گل وقوڑ کا ذکر اس کے لئے زیادہ معنی نہیں رکھتا''۔

''گل وقوڑ کی بھنک اس کے کانوں میں پڑ چکی اور شنگ خان بھی اس سے مل چکا ہے لہٰذا ضروری ہو گیا ہے کہ اسے قلعہ الموت سے رخصت کر دیا جائے۔ بہرکیف اس بارے میں میں کچھ سوچتا ہوں، تم جا سکتی ہو، فی الحال اس کے ساتھ رہو اور دیکھو کہ وہ کس قسم کی کوششیں کرتا ہے''۔ شیخ کبیر الدین کی آواز سنائی دی۔ کمرے میں چوڑیوں کی تیز آواز کھنکی۔ فونائجو خان سمجھ گیا کہ وہ باہر نکلنے کے لئے اُٹھی ہے۔ وہ تیزی سے چند قدم پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ اس کی نگاہ دروازے پر بدستور جمی ہوئی تھی۔ جونہی اسے لڑکی کی صورت دکھائی دی تو وہ ٹھٹک سا گیا اور اسی ساعت میں اس کے قدم آگے کی جانب بڑھنے لگے۔ اس نے لڑکی کی صورت پر اچٹتی نگاہ ڈالی اور اس کے پہلو میں سے گذر کر دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ وہ شیخ کبیر الدین سے ملاقات کر کے اپنے کھانے کے بارے میں دریافت کرنا چاہتا تھا اور اس گمشدہ غلام کی بابت بھی پوچھنا چاہتا تھا۔ شیخ کبیر الدین کے چہرے پر گہرا اطمینان چھایا ہوا تھا۔ فونائجو خان کی صورت دیکھ کر وہ مستفسرانہ انداز میں اس کی جانب دیکھنے لگا۔ فونائجو خان اندر داخل ہوتے ہی قریباً بستے ہوئے اپنی شکایت پیش کرنے لگا۔ شیخ کبیر الدین کو جب معاملے کا علم ہوا تو وہ اس کے سراپے پر گہری نظر ڈالتے ہوئے زیرِ لب مسکرانے لگا۔

❁ ❁ ❁

ہلاکو خان وادی قفقاز سے پسپا ہو کر مراغہ واپس لوٹ آیا۔ وادی قفقاز میں پیش آنے والے ناگوار واقعے نے اس کے اعصاب پر بری طرح اثر ڈالا۔ وہ برقائی خان کے بارے میں سوچ کر فرطِ غیظ میں تلملانے لگتا۔ اسے اس بات کا گہرا قلق تھا کہ برقائی خان جب مسلمان ہوا تھا اسے اسی وقت خفیہ ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے اسے ہلاک کروا دینا چاہئے تھا۔ اگر وہ ایسی کوشش کرتا تو یقیناً اسے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ اس پر یہ بات بھی آشکار ہو چکی تھی کہ مسلمانوں کو ایک چالاک اور ذہین حکمران مل چکا ہے جو اپنی مخصوص تدبیروں سے اس کی تمام راہیں مسدود کر سکتا ہے۔ برقائی خان کو اس کے مقابلے پر لا کھڑا کر دینے میں سلطان سنجر کا بہت عمل دخل تھا۔ وہ اب برقائی خان کے بجائے سلطان سنجر کے متعلق گہرے انہماک سے سوچنے لگا۔ برقائی خان کے پیچھے اصل متحرک قوت تو اسی کی تھی جو اسے بھرپور انداز میں استعمال کر رہی تھی۔ وہ اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ اس کے پاس ہیت کے میدان کی خبر پہنچی اسلامی لشکر کی شکست اور خلیفہ اسلام کا خاتمہ بڑی تفصیل سے اسے پیش کیا گیا۔ یہ نہایت مسرت آمیز خبر تھی جس نے ہلاکو خان کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے رنج کا کسی قدر ازالہ کر دیا۔ ہلاکو خان نے اس خوشی میں جشنِ عظیم کا اعلان کیا اور کھلے الفاظ میں اعلان کیا کہ اس کے رشتہ دار مخالفین جو چاہیں جتن کر لیں۔ ایل خانی سلطنت کی بنیادیں اس قدر مستحکم ہیں کہ انہیں ہلانا کسی کے بس کی بات نہیں۔ ان کے ہم مذہب بھائیوں کی بربادی کا بیڑہ ایل خانی منگولوں کی قسمت میں لکھا جا چکا ہے۔ ہلاکو خان بے شک ان کے مقابلے میں نہ موجود ہو، تب بھی فتح و کامرانی اسی کا مقدر بنتی ہے۔ یہ اعلان

درحقیقت برقائی خان کے حملے پر گہرا طنز تھا۔

جشن عظیم سے فارغ ہو کر کچھ دنوں بعد ہلاکو خان نے تمام عمائدین اور امرا اپنے پاس طلب کئے اور ان سے حالات کے بارے میں مشاورت طلب کی۔ تمام لوگوں نے اپنی اپنی عقل کے مطابق کئی مفید مشورے ہلاکو خان کے سامنے پیش کئے مگر ان میں کوئی ایسا مشورہ نہ تھا جو قابلِ قبول ہوتا۔ کچھ مشورے محض وقتی نوعیت کے تھے، جو کچھ عرصے کے بعد غیر مؤثر ہو کر جاتے اور کچھ مشورے اتنے مشکل اور دیرطلب تھے کہ خاصا وقت برباد ہونے کا احتمال دکھائی دیتا۔

ہلاکو خان کافی دیر تک نہایت صبر و تحمل سے اپنے عمائدین کی بحث و تکرار سنتا رہا۔ جب ان میں کوئی بھی کسی خاص نتیجے پر نہ پہنچ پایا تو ہلاکو خان کا پارہ چڑھ گیا۔ اس نے ان سب کو صرف ایک گھنٹے کی مہلت دی کہ وہ سب آپس میں سر جوڑ کر کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچ جائیں اور کوئی ایسا لائحہ عمل اس کے سامنے پیش کریں جس سے سلطان سنجر کی قوت کا خاتمہ ممکن ہو سکے اور برقائی خان کو فراہم ہونے والی قوت بھی منقطع ہو جائے۔ ہلاکو خان نے صاف الفاظ میں واضح کر دیا کہ اگر وہ سب لوگ کسی بھی ایسے لائحہ عمل کو تجویز کرنے میں ناکام رہے تو ان سے زندہ رہنے کا حق چھین لیا جائے گا اور ان کے مراتب کا بھی کوئی خیال نہیں کیا جائے گا۔ اسے یہ ہرگز گوارا نہیں کہ وہ اپنے گرد کند اذہان کی مجلس سجائے رکھے۔ عمائدین و امرا ہلاکو خان کا فیصلہ سن کر لرز گئے۔ انہوں نے دی گئی مہلت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کسی معقول تجویز پیش کرنے کا وعدہ کیا۔ ہلاکو خان وہاں سے اُٹھ کر محل میں چلا گیا۔ امرا و عمائدین سب سر جوڑ کر صلاح و مشورے میں مصروف ہو گئے۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ ہلاکو خان کے منہ سے نکلے ہوئے کلمات کبھی غلط ثابت نہیں ہوئے تھے۔ اس بار ان میں کوئی چپقلش یا اختلاف (رونما) نہیں ہوا۔ وہ سب حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے کسی ایسی منزل پر پہنچنے میں مصروف تھے، جو ہلاکو خان کے لئے پسندیدگی کا باعث بن پاتی۔

ایک گھنٹے کا وقت پورا ہوتے ہی ہلاکو خان دربار میں لوٹ آیا۔ سب لوگوں نے اُٹھ کر اسے تعظیم دی۔ ہلاکو خان نے نرمی سے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور دوبارہ اپنا سوال دہرایا۔

''قاآن اعظم!'' ایک منگول امیر بولا۔ ''ہمیں جن مشکلات کا سامنا ہے، ان میں تین نہایت اہم ہیں، پہلی مشکل ہمارے لئے سلطان سنجر کی ذات ہے، دوسری مشکل برقائی خان اور تیسری مشکل باطنی گروہ۔ اس کے علاوہ مختلف علاقوں کے مسلمان جنگجو گروہ بھی سرکشی کرتے ہوئے ریاستی نظام میں خلل پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم سب لوگوں کی متفقہ رائے یہ ہے کہ ہمیں سب سے پہلے کسی ایک حریف کے ساتھ پوری قوت سے نمٹنا چاہئے، پھر دوسرے کی جانب توجہ کرنا چاہئے۔ سلطان سنجر چونکہ یہاں سے کافی دور ہے، اس لئے اس کی فوری فکر کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ دو حریف باہمی اتحاد سے ہمارے گرد موجود ہیں، باطنی گروہ اور خیام زرّیں منگول۔ ہمارے خیال میں ہمیں سب سے پہلے اس اتحاد کو توڑنا چاہئے۔ ہمارے سامنے جو نتیجہ موجود ہے، اس کے مطابق جو مہم باطنی گروہ کے خاتمے کے لئے بھیجی گئی ہے، اسے راستے میں ہی برقائی خان کے دستوں نے جا لیا اور انہیں ناکام واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ برقائی خان نے تمام سرحد بڑے لشکر کے ساتھ محفوظ بنا رکھی ہے۔ اگر پہلے برقائی خان کی جانب توجہ دی جائے تو اس میں بہت زیادہ وقت ضائع ہو گا۔ زیادہ بہتر یہی ہے کہ فوری طور پر باطنی گروہ کا استیصال کیا جائے۔ اس کے دو فائدے ہیں۔ ایک تو یہ قوت ہماری راہ سے ہٹ جائے گی اور دوسرا ہمیں بلادِ فارس کی جانب بڑھنے کے لئے ایک محفوظ راستہ میسر آ جائے گا۔''

''باطنی گروہ کو تو ان کی سرکشی کی سزا ضرور دی جائے گی مگر یہ امر کیسے ممکن بنایا جائے کہ ہمارے لشکر برقائی خان کی عساکر کی نگاہوں میں آئے بغیر کامیابی کے ساتھ قہستان پہنچ سکیں''۔ ہلاکو خان بولا۔

''قاآن اعظم! اس کے لئے تین طرفہ محاذ کھولا جائے۔ ایک محاذ اس مقام پر جہاں پر برقائی خان کے قہستان سے رابطے ہیں۔ یہ سرحدی علاقہ زیادہ طویل نہیں ہے، اس مقام پر یہ کوشش کی جائے کہ لڑائی شدید بھی نہ ہو اور رابطے کی رکاوٹ کا انتظام بھی مکمل ہو جائے۔ دوسرے محاذ کے لئے بالکل وسطی علاقہ یعنی وادی قفقاز کا علاقہ منتخب کیا جائے۔ یہ وہ اہم راستہ ہے جس کے ذریعے باطنی گروہ ہماری ریاست میں مختلف بہروپ اختیار کر کے گھس آتے ہیں اور ہماری افواج کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ تیسرا حملہ بالکل بالائی علاقوں کی جانب سے کیا جائے۔ یہ دشوار گزار راستے ہیں، ہمارے لشکروں کو قہستان پہنچنے میں کسی قدر دقت کا سامنا تو ضرور ہو گا مگر فائدہ یہ ہو گا کہ ہمارے لشکر باطنی گروہ کے بالکل عقب میں پہنچ جائیں گے۔ باطنی گروہ چونکہ پہلے سے دو مقامات پر بٹ کر لڑائی میں مصروف ہو گا اس لئے اسے اپنے عقب سے حملے کا دفاع کرنا مشکل ہو جائے گا''۔

''تمہاری تجویز قابلِ عمل ہے۔ دو طرفہ محاذ میں انہیں اُلجھا کر فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ باطنی گروہ کے خاتمے کے بعد برقائی خان یقیناً تنہا رہ جائے گا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ سلطنت ہند کے فرمانروا ناصر الدین محمود نے بھی برقائی خان کی مدد سے انکار کر دیا ہے۔ برقائی خان کے پاس صرف ایک ہی حلیف رہ جاتا ہے..... سلطان سنجر!''

''قاآن اعظم! سلطان سنجر فوری طور پر تو یہاں پہنچ نہیں سکتا۔ اسے پہلے بلادِ عراق اور پھر بلادِ فارس کو عبور کرنا ہو گا۔ اگر آپ باطنی گروہ کی جانب تھوڑی سی توجہ دیں تو ہمارے لئے بلادِ فارس کی جانب بڑھنا مشکل نہیں ہو گا۔ بے شمار لشکر مدد کے لئے روانہ کئے جا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس مدت کے درمیان برقائی خان کے خاندان میں کسی ایسے شخص کو بھی تلاش کیا جا سکتا ہے جسے برقائی خان سے عداوت ہو اور وہ اردوئے زرّیں کا حکمران بننے کا خواب دیکھ رہا ہو یا کسی خفیہ غلام کی مدد سے برقائی خان پر قاتلانہ حملہ بھی کرایا جا سکتا ہے''۔

''تمہاری پہلی بات معقول ہے، ہم ایل خانی سلطنت کے وفادار خیام زرّیں منگولوں میں چند افراد کو اس کام کے لئے متعین کر دیں گے جو سرائے پہنچ کر شاہی خاندان کے افراد کو ٹٹول کر ہماری منشاء کے کسی شخص کو ڈھونڈ نکالیں گے۔ کسی مضبوط اور طاقتور سلطنت کی قوت کو منہدم کرنے کے لئے ظاہری حملے کی نسبت اندرونی خفیہ بغاوت زیادہ موزوں رہتی ہے''۔ ہلاکو خان نے رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

ہلاکو خان کا موافق اور خوشگوار ردِعمل دیکھ کر ان سب عمائدین و امرا کی رُکی ہوئی سانسیں اعتدال پر آ گئیں۔ تھوڑی دیر ہلاکو خان کو جیسے کچھ یاد آ گیا۔

''تم لوگوں نے باطنی گروہ اور برقائی خان کے بارے میں ہی صرف سوچا تھا..... اس تمام مدت میں سلطان سنجر کی قوت تو اپنی جگہ مستحکم و برقرار رہے گی''۔

''قاآن اعظم!'' منگول امیر کسی قدر ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ''اس بارے میں ہم سوچ چکے ہیں، اگر جان کی امان حاصل ہو تو عرض کریں''۔ ہلاکو خان نے اس کی جانب تیز نگاہ ڈالی۔

''کہو! تمہیں امان ہے''۔

''آپ کو بھی سلطان سنجر جیسا انداز و طریق کار اپنانا ہو گا''۔ وہ دبے الفاظ میں بولا۔

ہلاکو خان سمجھ نہیں پایا اس نے نرمی سے بات کی وضاحت طلب کی۔

''قاآن اعظم!'' وہ امیر آہستگی سے بولا۔ ''سلطان بیبرس کی تدبیروں میں ایک یہ بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ وہ اپنی قوت بڑھانے کے لئے دوسری ریاستوں سے دوستانہ تعلقات استوار کررہا ہے اور ان تعلقات کو کسی نہ کسی زنجیر میں پرو دیتا ہے۔ جیسے برقائی خان کی جانب بھیجی گئی سفارت کا معاملہ تھا۔ قیصرِ روم نے اس سفارت کو قسطنطنیہ میں گرفتار کرلیا مگر سلطان بیبرس نے اپنی ریاست میں موجود بطریقوں اور نصرانی علماء کا سہارا لیا اور ان کی جانب سے دھمکیاں دلوائیں۔ اگر آپ بھی کچھ ایسا ہی کریں تو.....!'' وہ بولتے بولتے رُک گیا۔

''تم بلا دھڑک بات کرو۔ مجھے محسوس ہوا ہے کہ تمہاری بات میں وزن ہے''۔ ہلاکو خان بولا۔

''قاآن اعظم! میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ قیصرِ روم کے ساتھ اپنے تعلقات کو مزید مضبوط و مستحکم بنالیں تو آپ کو ایک ایسا حلیف میسر آجائے گا جو بوقت ضرورت کوئی انکار نہیں کر پائے گا۔ اس کے علاوہ اس کے بل بوتے پر آپ کو فرانس، انگلستان، یونان، وینس اور جینوا کی ریاستوں کی معاونت بھی حاصل ہو جائے گی۔ میرے خیال میں تعلقات اسی صورت میں مستحکم ہو سکتے ہیں کہ آپ .....قیصرِ روم کی صاحبزادی کا رشتہ.....اپنے لئے.....!'' اس کی زبان لڑکھڑانے لگی۔

''ہم سمجھ گئے تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ ہمیں تمہاری یہ تجویز سب سے زیادہ پسند آئی ہے۔ یہ سلطان بیبرس اور برقائی خان دونوں کی قوت کے خاتمے کے لئے زیادہ مؤثر ہے''۔ ہلاکو خان کا چہرہ مسرت سے دمکنے لگا۔ وہ منگول امیر اپنی بات کی پسندیدگی پر خوشی سے جھوم گیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ہلاکو خان کو خوش کرنے پر اس کی زندگی میں راحتیں اور خوشیاں عود کر آئیں گی۔ اس کی توقع غلط بھی ثابت نہیں ہوئی۔ ہلاکو خان نے تمام لوگوں کو خوب نوازا۔ دربار برخاست کردیا گیا۔

ہلاکو خان کو جلد ہی قیصرِ روم کی بیٹیوں کے کوائف معلوم ہو گئے۔ اس نے ان میں جس لڑکی کا اپنے لئے انتخاب کیا، وہ میریا (مریم) تھی۔ ہلاکو خان کے فیصلے میں کچھ خاندانی بزرگوں نے اس سے اختلاف کیا اور اسے اس شادی سے منع کیا۔ ہلاکو خان نے جب اپنی ضرورت ان کے سامنے رکھی تو انہوں نے یہ مشورہ دیا کہ وہ یہ رشتہ اپنے جوان بیٹے اباقہ خان کے لئے مانگ سکتا ہے۔ ہلاکو خان سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ بڑھاپے کی شادی سے اسے کیا حاصل ہوگا زیادہ بہتر یہی ہے کہ وہ سلطنت کے ولی عہد اباقہ خان کے لئے یہ کوشش کرے۔ اس کے خیال میں یہ بھی ممکن تھا کہ قیصرِ روم اس کے بڑھاپے کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ رشتہ مسترد کردے۔ اباقہ خان کے لئے عمر کا کوئی تنازعہ نہیں اُٹھے گا۔ اس نے ایک شاندار سفارت تیار کی اور ایک زوردار مراسلہ شاہ قسطنطنیہ کے نام لکھا جس میں دین نصرانیت کے لئے اپنی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی بیٹی میریا کا رشتہ اپنے ہونہار بیٹے اور سلطنت کے ولی عہد اباقہ خان کے لئے مانگا۔ اس سفارت کے ساتھ ہی ہلاکو خان نے دو سفارتیں اور تیار کرائیں۔ ایک سفارت شاہ انگلستان کے لئے تھی جس میں دین نصرانیت کا تذکرہ کرتے ہوئے سلطان بیبرس کے خلاف نصرانی اتحاد و تعاون کی درخواست کی گئی اور دوستانہ و تجارتی تعلقات کو مضبوط و مستحکم بنانے کا عندیہ ظاہر کیا گیا۔ دوسری سفارت روم کے پوپ کی خدمت میں بھیجی گئی۔ پوپ روی کیتھولک کلیسا کا منتظم اعلیٰ تھا۔ اس کے ایک اشارے پر روی کلیسا کے لاکھوں افراد میدان جنگ میں اتر سکتے تھے۔ ہلاکو خان اپنی خدمات اور دبدبے پر پُر امید تھا کہ اسے یقیناً مثبت جواب ملے گا۔

❁❁❁

امیر فخر الدین لقمان سلطان بیبرس کی خواہش کے مطابق امیر فارس الدین اقطائی کے گھر چلا آیا۔ اس نے کافی غور و فکر کرنے کے بعد فارس الدین اقطائی سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ امیر فارس الدین سلطان

بیبرس کی تخت نشینی کے بعد غیر محسوس انداز میں حکومتی امور سے لاتعلق سا ہو گیا تھا۔ اس کی ایک وجہ مملوک افواج پر امیر قلاوؤن الفی کی بطور سالارِ اعظم تقرری بھی تھی۔ گذشتہ ادوار میں اسے مملوک فوج میں خاصی اہمیت حاصل تھی اور سلطان الملک العزز، سلطان الملک المنصور اور سلطان الملک المظفر کے دور میں وہ براہ راست افواج کا سالارِ اعظم تھا۔ اس کے علاوہ سلطان بیبرس کے ساتھ بھی اس کے دوستانہ تعلقات تھے یہ تعلقات چند دنوں پر محیط نہیں تھے بلکہ سلطان نجم الدین ایوب کے عہد سے دوستی کے مضبوط حصار میں بندھے ہوئے تھے۔ سلطان بیبرس نے اپنی تخت نشینی کے موقعے پر اس کی کڑی مخالفت پا کر اس کے خلاف کوئی شدید کارروائی تو نہیں کی مگر اسے سالارِ اعظم کے عہدے سے معزول کر کے اسے گہرے صدمے سے ضرور دوچار کیا تھا۔ وہ کئی دنوں تک اپنے گھر سے ہی باہر نہ نکلا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ پُر سکون ہوتا چلا گیا۔ سلطان بیبرس میں اسے ابھی تک کوئی ایسی خامی یا برائی نہیں دکھائی دی جس پر وہ اس کے خلاف آواز بلند کرتا۔

فارس الدین اقطائی اپنا زیادہ تر وقت اپنے گھر میں گذارتا یا پھر خاص احباب کے پاس چلا جاتا۔ وقت کے کئی ادوار دیکھنے کے بعد اسے اپنی زندگی میں پھیکا پن سا محسوس ہونے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے تین خوب صورت بیٹیوں سے نوازا تھا۔ شکل و صورت میں وہ زیادہ خوبصورت نہیں تھیں مگر ان کے پاس عمدہ سیرت کا زیور موجود تھا۔ چند ماہ پیشتر وہ اپنی بڑی بیٹی کو بیاہ چکا تھا اور باقی دونوں کی فکر میں تھا۔ فارس الدین اقطائی نے جب امیر فخر الدین لقمان کی صورت اپنے دروازے پر دیکھی تو اس کے چہرے پر تفکر کی سلوٹیں گہری ہو گئیں۔ وہ اس کے ساتھ نہایت خوش اخلاقی سے پیش آیا اور مہمان خانے میں لے آیا۔ فارس الدین اقطائی مملوک امرأ میں خاصا معروف شخص تھا مگر اس کی ذاتی زندگی ہر قسم کے تصنع سے پاک تھی۔ اس کے گھر میں زیادہ سجاوٹ اور سامان موجود نہیں تھا البتہ صفائی ستھرائی اور دیگر امور کے لئے کنیزوں اور غلاموں کی کافی تعداد اس کی ملکیت میں تھی۔ امیر فارس الدین اقطائی نے امیر فخر الدین لقمان سے آنے کی وجہ دریافت کی۔ وہ اپنے تئیں یہ اخذ کر چکا تھا کہ اس کی آمد کے پیچھے کوئی اہم بات مخفی ہے۔ وہ ایسا اندازہ لگانے میں ناکام بھی کیسے ہو سکتا تھا کیونکہ سارا زمانہ جانتا تھا کہ امیر فخر الدین لقمان سلطان بیبرس کا معتمد خاص ہے۔ امیر فخر الدین نے بات کا آغاز کرنے میں کسی عجلت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ بلکہ نہایت اطمینان سے قہوہ پینے کی فرمائش کی۔ فارس الدین اقطائی نے مسکرا کر اسے بتایا کہ قہوہ اور کھانے کا کہہ دیا گیا ہے۔

''امیر اقطائی!'' امیر فخر الدین لقمان دھیمے انداز میں بولا۔ ''سلطان بیبرس کو اقتدار سنبھالے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا، تم کچھ عرصہ پہلے تک تو شاہی دربار میں بڑے جوش و خروش سے دکھائی دیا کرتے تھے اور اپنے سلطانوں کے سامنے ہمیشہ سلطان محترم کے حق میں آواز بلند کیا کرتے تھے۔ اب ایسی کون سی مجبوری پیش آگئی کہ تم نے نہ صرف دربار میں آنا ترک کر دیا بلکہ حلقہ امرأ سے بھی منہ موڑ لیا؟ کیا تم مجھے اپنا دوست سمجھتے ہوئے بتانا پسند کرو گے''۔

''امیر لقمان!'' فارس الدین بولا۔ ''کیا تمہیں سلطان نے یہ معلوم کرنے کے لئے میرے پاس بھیجا ہے یا تم اپنے طور پر یہ سب پوچھ رہے ہو''۔

''مجھے سلطانِ محترم نے تم سے ملاقات کرنے کے لئے ضرور کہا ہے مگر یہ سوال میرا اپنا ہے''۔

''اگر تم حقیقت جاننا چاہتے ہو تو میرا دل حلقہ اقتدار سے اسی دن ٹوٹ گیا تھا جس دن ملکہ شجرۃ الدر کی کٹی پھٹی لاش میں نے جبل کی خندق سے نکالی تھی۔ میں نے ایک پُر وقار عورت کا تکلیف دہ انجام دیکھ کر عبرت پکڑی تھی۔ شاید میں اسی دن سے اس نظام کو خیر باد کہہ چکا ہوتا..... مگر مملوک افواج کی محبت نے میرے قدم

ہمیشہ باندھے رکھے۔ تمہیں شاید معلوم نہیں، ان سپاہیوں میں بے شمار ایسے ہیں جنہیں میں نے اپنے بچوں کی مانند پال کر جوان کیا ہے۔ انہیں میدانِ جنگ کے رموز سکھائے۔ وہ مجھ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ تمہارا سلطان بھی انہی میں شامل ہوا کرتا تھا۔ ایک وقت تھا کہ اسے مجھ سے ملے بنا ایک پل بھی سکون نہیں ہو پاتا تھا اور اب......'' فارس الدین اقطائی گہری آہ بھر کر رہ گیا۔ ''خیر! میں نے ملکہ شجرۃ الدر کی موت کے بعد کئی بار کوشش کی کہ اقتدار کے حصار سے نکل کر سادہ طرز کی زندگی گزاروں مگر سلطانوں نے مجھے جانے نہیں دیا۔ میں ان کی ضرورت بن چکا تھا۔ مملوک سپاہی میری بات کو فوقیت دیتے تھے اور امرائیں بھی اچھی ساکھ رہی۔ میں دونوں طبقوں کو سنبھال سکتا تھا۔ سلطانوں کی نصف مشکلات کا حل تو میری ذات تھی۔ تمہارے سلطان نے برسرِ اقتدار آتے ہی مجھے اس ذمہ داری سے پرے کر دیا اور یہ سب خود اپنے ذمے لے لیا۔ مجھے خوشی ہے کہ وہ اس میں کامیاب رہا اور مجھے اپنی خواہش پر عمل کرنے کا موقعہ میسر آ گیا۔ قاہرہ میں آمد پر مجھے اس بات پر غصہ نہیں تھا کہ سلطان الملک المظفر کو قتل کر دیا گیا ہے بلکہ مجھے اس بات کا قلق تھا کہ بیبرس نے ایسا کیوں کیا۔ مجھے اس سے ایسی توقع نہیں تھی۔ میری نگاہ میں اس کا جو مقام ہے، میں اسے وہاں سے گرتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ میری محبت کا جوش تھا جو میرے جذبات کی رو میں بہہ کر سب کے سامنے عیاں ہو گیا تھا۔ لوگوں نے اسے جو بھی سمجھا، مجھے اس سے غرض نہیں۔ جب بیبرس کے دامن پر لگا ہوا داغ مجھے ڈھلتا ہوا دکھائی دیا تو میں نے اپنے رویے پر معذرت کی تھی۔ کچھ لوگ یہ کہتے رہے کہ مجھے معزول کرنے کی ایک وجہ یہ بات بھی رہی۔ مملوک سپاہیوں نے غم و غصے کا اظہار کیا مگر میں نے انہیں پیار و محبت سے سمجھا ڈالا کہ میری ہڈیاں بڑھاپے کا شکار ہو رہی ہیں اور بلادِ مصر کو مضبوط ہاتھوں کی ضرورت ہے۔ سلطان بیبرس ہی اصل حقدار ہے، وہ مجھ سے زیادہ مضبوط محافظ ہے''۔

امیر فارس الدین اقطائی نے جب اپنی بات ختم کی تو امیر فخر الدین لقمان کو یہ احساس ہوا کہ واقعی طویل عرصے سے اس کے اندر کا رُکا ہوا طوفان اس کے لبوں سے نکلنے کے لئے بے تاب تھا جو آج نہ جانے کیوں بپھر سا گیا تھا۔ اس کی بات سے یہ تاثر بھی جھلکتا تھا کہ اسے اپنی معزولی کا بھی گہرا رنج تھا۔

''امیر اقطائی! تمہارے خیال میں سلطان بیبرس کیسا شخص ہے؟'' امیر فخر الدین نے پوچھا۔

''یہ کیسی بے تکی سی بات کی تم نے...... ارے میں اسے اس وقت سے جانتا ہوں جب اس کی ڈاڑھی مونچھ نہیں نکلی تھی، اس کی تمام تربیت میرے سامنے ہوئی۔ میں اس کی فطرت سے بھی اچھی طرح واقف ہوں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس نے تمہیں یہاں کیوں بھیجا ہے؟'' فارس الدین اقطائی تیزی سے بولا۔

امیر فخر الدین لقمان نے عجیب نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا اور استفسار کیا۔

''جا کر اپنے سلطان سے کہہ دینا کہ مجھے اس کے ساتھ کوئی عداوت نہیں ہے اور نہ ہی میں اس کے خلاف کسی تحریک کا حصہ ہوں، وہ حلب میں جو کچھ کرتا ہے، وہ مجھ سے ڈھکا چھپا نہیں ہے''۔

امیر فخر الدین لقمان چونک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ فارس الدین اقطائی کا یہ جملہ اسے مجرموں کے کٹہرے میں لا کھڑا کر سکتا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ریاست حلب میں پکنے والی کھچڑی میں یقیناً فارس الدین کا بھی ہاتھ شامل رہا ہوگا۔ اسے ریاست حلب تک رسائی حاصل تھی اور بقول اپنے وہ اس گورکھ دھندے کو خیر باد کہہ چکا تھا۔ امیر فخر الدین لقمان اس کی بات پر اُلجھ سا گیا۔ اسی دوران قہوہ آ گیا۔ فارس الدین اقطائی نے اس کی توجہ قہوے کی جانب دلائی تو اسے ادراک ہوا کہ وہ فارس الدین اقطائی کے پاس موجود ہے۔ قہوے کی چسکی لیتے ہوئے وہ دوبارہ مخاطب ہ ۔

''امیر اقطائی! جو تم اندازہ قائم کئے بیٹھے ہو، ویسا کچھ نہیں ہے، میں یہ تو نہیں جانتا کہ حلب میں سلطان کیا کچھ کرتے رہے ہیں یا وہاں کے حالات کا کوئی تعلق تمہارے ساتھ ہے۔ میں ایک دوسرے کام سے تمہارے پاس آیا تھا، اسی کی نسبت میں نے تم سے یہ رائے طلب کی تھی کہ تم سلطان محترم کو کیسا خیال کرتے ہو؟...... کیا وہ اچھا انسان ہے، اس میں خوبیاں پائی جاتی ہیں، اس کی حاکمیت میں جور و ستم تو نہیں ہے؟'' فارس الدین اقطائی اس کی بات کو سمجھ نہ پایا اور متعجب نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''تمہارا اس کی اچھائیوں اور خوبیوں کا میرے منہ سے سننا کیا معنی رکھتا ہے، وہ جیسا ہے سارے زمانے کو معلوم ہے۔ وہ یقیناً ایک بہادر اور جرأت مند شخص ہے جسے میں خود بھی پسند کرتا ہوں''۔

''امیر اقطائی! کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تم حقیقتاً سلطان محترم کو اپنی فرزندی میں لے لو''۔

فارس الدین اقطائی اس کی بات پر دم بخود بیٹھا رہ گیا۔ اس کی آنکھوں سے گہرا استعجاب جھلکنے لگا۔ اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے کانوں نے چند لمحے پہلے جو کچھ سنا تھا، وہ واقعی امیر فخر الدین لقمان کے منہ سے نکلا تھا۔

''یہ خیال بیبرس کے دل میں کیونکر آیا؟'' فارس الدین آہستگی سے بولا۔

''امیر اقطائی! تم سمجھدار ہو...... مجھے وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں ہے''۔ امیر لقمان نے کہا

''شاید مجھے کسی اور موقعے پر اس بات کی زیادہ خوشی ہوتی مگر اس حالت میں افسوس ہوا ہے''۔

''میں تمہاری بات سے کیا مراد لوں؟'' امیر فخر الدین گہرے لہجے میں بولا۔

''تم اپنے سلطان سے جا کر کہہ دو! میں نے اسے ہمیشہ اپنے بیٹوں کی طرح ہی سمجھا ہے، اگر وہ یہ سمجھتا ہے، اس رشتہ داری سے وہ اپنے شک کو مٹا لینے میں کامیاب ہو سکتا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں''۔ امیر فارس الدین اقطائی نے دبے ہوئے الفاظ میں اپنے غصے کا اظہار کیا۔

امیر فخر الدین لقمان نے اس کی نامناسب رضامندی پر شکریہ ادا کیا اور یقین دلایا کہ جیسا وہ سوچ رہا ہے ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ سلطان بیبرس ایسا شخص نہیں ہے جو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ایسی مذموم حرکت کرے گا بلکہ وہ حقیقتاً فارس الدین اقطائی کو وہ شرف دینا چاہتا ہے جس کا وہ حق دار ہے۔ امیر فارس الدین اقطائی نے زیادہ تبصرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ امیر فخر الدین وہاں سے نکل کر قصر سلطانی پہنچا اور اپنی کارگزاری سلطان بیبرس کے سامنے پیش کر دی۔ سلطان بیبرس نے امیر فارس الدین اقطائی کی رضامندی پر خوشی کا اظہار کیا اور سادہ انداز میں رسم نکاح کا اعلان کر دیا۔ ماہ شعبان میں نہایت سادگی کے ساتھ سلطان بیبرس فارس الدین اقطائی کی بیٹی زہرہ خاتون کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں بندھ گیا۔ سلطان بیبرس نے اپنی شادی پر زیادہ دھوم دھام کا اہتمام نہیں کیا۔ یہ وقت خوشی منانے کا نہیں تھا بلکہ سلطنت اسلامیہ میں ماتم کی سی فضا قائم تھی۔ ہیت کے میدان میں ساٹھ ہزار مجاہدین موت کے گھاٹ اتر چکے تھے۔ ان کے گھرانوں میں ابھی تک تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ خلیفہ اسلام بھی لاپتہ تھا۔ ایسے دردناک حالات میں سلطان بیبرس اپنی شادی کی خوشی کیسے منا سکتا تھا؟ اس نے سادگی سے رسم نکاح ادا کی اور قاہرہ میں غرباء و مساکین کو کافی مقدار میں اناج تقسیم کیا۔

❁ ❁ ❁

فوئنا جو خان کئی دن سے متفکر گھوم پھر رہا تھا، وہ کسی بھی طرح مطیع الدین سے ایک ملاقات کرنا چاہتا تھا، وہ چاہتا تو سیدھا مطیع الدین کے پاس چلا جاتا مگر وہ برقائی خان کے حکم کی خلاف ورزی بھی نہیں کرنا چاہتا

تھا۔ برقائی خان نے اسے روانہ کرتے وقت سختی سے حکم دیا تھا کہ وہ تمام مدت مطیع الدین سے دور رہے گا، اگر اتفاق سے کہیں آمنا سامنا بھی ہو جائے تو وہ دونوں اجنبیوں کی طرح گزر جائیں۔ ممکن تھا کہ فوئنا جوخان اس حکم پر سختی سے کاربند رہتا مگر حالات ہی کچھ ایسے پیدا ہو چکے تھے کہ اس کا مطیع الدین سے بات کرنا بے حد ضروری ہو گیا تھا۔ وہ چاہتا تو براہ راست مطیع الدین کے پاس پہنچ جاتا مگر وہ شیخ کبیر الدین کو بھی شک میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ شیخ کبیر الدین کے منہ سے گل وتوژ کا نام سن کر جہاں اسے شدید حیرت کا دھچکا لگا تھا وہیں یہ خوف بھی پیدا ہو گیا کہ وہ کہیں مطیع الدین کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔ وہ اپنے روزانہ معمول میں مصروف رہا اور کوئی ایسا موقعہ ڈھونڈتا رہا کہ مطیع الدین سے اتفاقاً ملاقات ہو جائے۔ پہلے تو وہ سپاہیوں کی مشقوں سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں چلا جاتا تھا مگر اب اس نے کچھ وقت فصیل اور کھلی چھت پر گزارنا شروع کر دیا۔ یہ ایک طریقہ تھا جس سے اسے اپنے مقصد میں کامیابی ہو جاتی۔

ایک شام وہ فصیل پر کھڑا کسی خیال میں منہمک تھا کہ اسے اپنے شانے پر دباؤ محسوس ہوا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو مطیع الدین کی صورت دکھائی دی۔ فوئنا جوخان اس کی صورت اتنی مدت کے بعد دیکھ کر کھل اُٹھا۔ مطیع الدین کی حالت بھی عجیب ہو رہی تھی۔ اس کا چہرہ خوشی و حیرت کے ملے جلے اثرات کی غمازی کر رہا تھا۔

''ارے موٹے! تم اور یہاں......؟'' مطیع الدین کی چہکتی ہوئی آواز فضا میں گونجی۔

''میں خیام زرّیں دستوں کا سالار ہوں!'' فوئنا جوخان سنبھل کر خشک لہجے میں بولا۔

''اوہ!'' مطیع الدین کے ہونٹ سکڑ گئے۔ ''تم تو یہ جانتے تھے کہ میں بھی یہیں ہوں تو پھر تم نے مجھ سے ملنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ یہ تو آج اتفاقاً میری نظر تم پر پڑ گئی''۔

''مجھے تم سے دور رہنے کی ہدایت کی گئی تھی لہٰذا مجبوری تھی''۔ فوئنا جوخان مختصراً بولا۔

''تمہارا اشارہ برقائی خان کی جانب ہے......'' مطیع الدین چونک کر بولا۔ فوئنا جوخان نے اثبات میں سر ہلایا۔ کچھ دیر سکوت چھایا رہا۔ پھر فوئنا جوخان دھیمے لہجے میں بولا۔

''تم جانتے ہو کہ یہاں کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے؟''

''کیا مطلب......؟'' مطیع الدین اس کی جانب متحیر نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''گل وتوژ یہیں کہیں موجود ہے اور شیخ کبیر الدین کو معلوم ہو چکا ہے کہ تمہارا اس کے ساتھ تعلق ہے''۔ فوئنا جوخان نے جلدی سے کہا۔ مطیع الدین غیر متوقع بات سن کر پریشان دکھائی دیا۔ فوئنا جوخان اسے شیخ کبیر الدین کی گفتگو کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگا۔

''میرا تو اسی وقت ماتھا ٹھنکا تھا جب وہ کنیز میرے کمرے میں آئی تھی، میں سمجھ گیا تھا کہ اس نے جان بوجھ کر گل وتوژ کی بات چھیڑی ہے مگر اس سے وہ کیا حاصل کرنا چاہتی تھی، یہ میں سمجھ نہیں پایا''۔ مطیع الدین سنجیدگی سے بولا۔

''میری رائے ہے کہ تم یہاں سے واپس لوٹ جاؤ۔ اس سے پہلے کہ شیخ کبیر الدین کوئی غلط حرکت کرے''۔ فوئنا جوخان نے مشورہ دیا۔

''اس بارے میں بعد میں دیکھا جائے گا۔ ابھی مجھے اپنا فرض پورا کرنا ہے۔ گل وتوژ جہاں کہیں بھی ہو گی میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔ میں شنگ خان کو دیکھ کر سمجھ گیا تھا یہاں کچھ گڑبڑ ضرور ہے''۔ مطیع الدین نے بے پروائی سے کہا۔ شنگ خان کا نام سن کر فوئنا جوخان کے چہرے کی رگیں کھنچنے لگیں۔ مطیع الدین نے اسے نرمی

سے سمجھایا کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے شیخ کبیر الدین کو کوئی شک پڑ جائے۔ دوسرا یہ کہ وہ فاصلے ختم کر کے بلا تکلف اس کے پاس آیا جایا کرے تاکہ وقت پڑنے پر انہیں کوئی صفائی نہ دینا پڑے۔ وہ ابھی گفتگو کر رہے تھے کہ شیخ کبیر الدین بھی ادھر آ نکلا۔ اس نے ان دونوں کو ساتھ دیکھا تو حیران رہ گیا۔ وہ اپنے تئیں یہ اندازہ قائم کئے ہوئے تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھنا بھی نہیں پسند کرتے مگر یہاں تو حالات برعکس دکھائی دے رہے تھے۔ مطیع الدین نے شیخ کبیر الدین کو بتایا کہ وہ اور فوئنا جوخان ایک دوسرے کے بے حد قریبی دوست ہیں اور سرائے میں ایک چھوٹی سی بات پر ان دونوں میں ان بن ہو گئی تھی۔ آج اس کی صورت اچانک دکھائی دی تو وہ نہ رہ پایا اور آگے بڑھ کر اس نے ناراضگی کی فضا مٹا ڈالی۔ شیخ کبیر الدین کو ان کی دوستی دشمنی سے کوئی غرض نہیں تھی۔ اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا البتہ اس نے ان کی ناراضگی دور ہونے پر کسی قدر خوشی کا اظہار ضرور کیا تھا۔

❁ ❁ ❁

سلطان بیبرس کو جب یہ خبر پہنچی کہ ہلاکو خان نے تین سفارتیں روانہ کی ہیں تو اس نے اپنے مخبر رابطوں کو اس ضمن میں متحرک کر دیا۔ جلد ہی نامہ بر کبوتروں کی مدد سے اسے معلوم ہو گیا کہ ہلاکو خان نے قیصرِ روم کی لڑکی میریا کا رشتہ اباقہ خان کے لئے مانگ لیا ہے۔ یہ اس کی گہری تدبیر تھی جسے سلطان بیبرس سمجھ گیا۔ اسے قسطنطنیہ سے بھی ایسی خبریں ملیں کہ قیصرِ روم ہلاکو خان کی فرمائش پر اس کے بیٹے اباقہ خان کے لئے اپنی بیٹی میریا کا رشتہ دینے کے لئے آمادہ دکھائی دیتا ہے۔ وہ ہلاکو خان جیسے طاقت در عیسائی نواز حکمران کو اپنے قبضۂ قدرت سے باہر نکلنے کا موقعہ نہیں دینا چاہتا تھا۔ یہ اتحاد اور رشتہ داری مسلمانوں کے حق میں نہایت نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی۔ صلیبی فائٹرز قیصرِ روم کے اشارے پر ناچتے تھے۔ جب قیصرِ روم ان کی ڈور ہلاتا تو وہ مسلمانوں پر چڑھائی کر دیتے اور قتل و غارت کا بازار گرم کر دیتے۔ ابھی تک ہلاکو خان کو صرف اپنی تاتاری فوج پر بھروسہ تھا۔ مسلمان حلیف اس کے لئے کرائے کے ٹٹو سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ تاتاری لشکر تعداد میں بھی زیادہ تھے اور ان کا انداز حرب بھی مسلمانوں پر بھاری پڑا تھا۔ اگر ایسے میں صلیبی گروہ اس کے ساتھ مل جاتے تو اسلامی سلطنت کے باقی بچے کھچے حصے بھی بربادی کا شکار ہو جاتے۔ یہ حالات بے حد تشویش ناک تھے۔ ہلاکو خان کی اس تدبیر کا ازالہ بے حد ضروری تھا۔ سلطان بیبرس نے نہایت سوچ بچار کے بعد اس تدبیر کا یہ توڑ نکالا کہ قیصرِ روم کو منگولوں کا ہی نوالہ بنا دیا جائے۔ وہ منگولوں کی کشمکش کے بیچ میں پس کر رہ جائے اور اس کی قوت منقسم کر دی جائے۔ سلطان بیبرس نے فوراً کاتب کو بلوایا اور اسے اردوئے زرّیں کے سلطان برقائی خان کے نام مراسلہ لکھنے کی ہدایت کی۔ اس مراسلے میں سلطان بیبرس نے ہلاکو خان کی تدبیر کا ذکر کیا اور قیصرِ روم کے ساتھ رشتہ داری کو عالم اسلام کے لئے سنگین خطرہ قرار دیا۔

اس نے لکھوایا:

''اس خطرے سے بچنے کا ایک ہی طریقہ کا ہے جسے برقائی خان ہی عمل میں لا سکتا ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ جیسے ہلاکو خان نے اپنے بیٹے اباقہ خان کے لئے قیصرِ روم کی بیٹی میریا کا رشتہ مانگا ہے بالکل اسی طرح برقائی خان بھی اپنے بھتیجے نوگائی خان کے لئے قیصرِ روم کی دوسری لڑکی کا رشتہ طلب کر لے۔ اس طرح قیصرِ روم بندھ کر رہ جائے گا۔ یا تو وہ دونوں سے معذرت کر لے گا اور کسی کے ساتھ بھی رشتہ داری نہیں بنائے گا، دوسری صورت میں وہ دونوں کی مانگ پوری کرتے ہوئے اپنی بیٹیاں منگولوں سے بیاہ دے گا۔ دونوں صورتوں میں وہ اتحاد قائم نہیں ہو پائے گا جس کا خطرہ اس وقت امت مسلمہ کے سر پر منڈلا رہا ہے۔ قیصرِ روم

دونوں کی مدد کرنے سے عاجز دکھائی دے گا۔

یہ مراسلہ مکمل کروا کر سلطان بیبرس نے اس پر اپنی مہر ثبت کی اور اسے نامہ بر کبوتروں کی مدد سے بلادِ شام پہنچا دیا۔ وہاں سے قاصد کے ذریعے یہ قسطنطنیہ کے راستے اردوئے زرّیں پہنچ گیا برقائی خان نے مراسلہ پڑھا اور سلطان بیبرس کے مشورے پر غور و خوض کیا۔ اس نے اپنے بھتیجے نوگائی خان کو بلوایا اور اس پر یہ آشکار کر دیا کہ قیصرِ روم کے ہاں اس کی شادی طے کی جا رہی ہے، اسے اس ضمن میں کوئی اعتراض تو نہیں۔ نوگائی خان نے فرمانبرداری کا مظاہرہ کیا تو برقائی خان نے ایک طویل مراسلہ قیصرِ روم کے نام تحریر کرایا۔ جس میں منگولوں کی عظمت اور شان کے قصیدے بیان کئے گئے اور ان کی بہادری کی داستانیں رقم کیں۔ اس کے بعد اس نے اس سے اس کی دوسری بیٹی کا رشتہ اپنے بھتیجے نوگائی خان کے لئے طلب کیا۔ ساتھ ہی ڈھکے الفاظ میں اس پر یہ بھی ظاہر کر دیا کہ قسطنطنیہ کی سرحدیں اردوئے زرّیں کے ساتھ ملحق ہیں۔ قیصرِ روم کی سلامتی اسی میں مضمر ہے کہ وہ برقائی خان سے اپنے تعلقات استوار رکھے۔ برقائی خان نے یہ مراسلہ ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعے قیصرِ روم کی جانب بھیج دیا۔ اتفاق کی بات تھی کہ قیصرِ روم ہلاکو خان سے رشتہ داری پر مکمل رضامند ہو چکا تھا اور اس ضمن میں اپنی رضامندی کا ایک مراسلہ ہلاکو خان کو روانہ کیا جا چکا تھا۔ جب اسے برقائی خان کا مراسلہ ملا تو وہ بے حد پریشان ہوا۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ برقائی خان اور ہلاکو خان دونوں چچازاد بھائی ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے ہیں۔ اگر وہ برقائی خان کو انکار کر دیتا تو یقیناً برقائی خان کے لشکروں کا رُخ قسطنطنیہ کی جانب مڑ جاتا۔ قسطنطنیہ برقائی خان کی پہنچ سے زیادہ دور نہیں تھا۔ حالات کا تقاضا یہی تھا کہ اس کی طلب کو پورا کر دیا جاتا۔ قیصرِ روم نے برقائی خان کو بھی رضامندی کا پروانہ روانہ کر دیا کہ اسے نوگائی خان کا رشتہ منظور ہے۔ یہ قیصرِ روم کا نہایت دانش مندانہ فیصلہ تھا، جسے غیر مسلم مؤرخین نے بے حد سراہا۔ یہ سب کو معلوم تھا کہ برقائی خان ایک مسلمان حکمران تھا اور مسلمانوں کے لئے قسطنطنیہ کی فتح کارِ عظیم کی حیثیت رکھتی تھی۔ ہر کوئی اس بارے میں سوچتا ضرور تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں سب سے پہلی مہم قسطنطنیہ روانہ کی گئی تھی۔ جس میں کئی جلیل القدر صحابہ صرف اس لئے شامل ہوئے تھے کہ وہ اس فتح سے نوید جنت پا سکیں مگر موسم کی خرابی کی وجہ سے اس مہم کو ختم کر دینا پڑا اور لشکر واپس لوٹ آیا۔ دوسری بار حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں کوشش کی گئی مگر کوئی نتیجہ نہ نکل پایا۔ یہ سلسلہ بدستور جاری تھا مگر قسطنطنیہ کو فتح نہیں کیا جا سکا۔

اگر برقائی خان کا رُخ قسطنطنیہ کی جانب ہو جاتا تو اس کی فتح زیادہ مشکل نہیں تھی۔ منگولوں کی ثابت قدمی اور درندگی کسی سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔ قیصرِ روم کا یہ فیصلہ درحقیقت امت مسلمہ اور سلطان بیبرس کے حق میں گیا۔ قیصرِ روم ہلاکو خان اور برقائی خان دونوں کی مدد کرنے سے قاصر ہو گیا تھا۔ سلطان بیبرس کو اس بات کا اندیشہ ابھی باقی تھا کہ قیصرِ روم خفیہ طور پر ہلاکو خان کی مدد کر سکتا ہے۔ وہ خود نہ سہی تو دوسری نصرانی ریاستوں کو اس بات کی سفارش کر سکتا ہے کہ وہ ہلاکو خان کی معاونت کریں تاکہ وہ ارضِ مقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے چھڑا سکے۔ اس اندیشہ کو سلطان بیبرس نے کچھ اس انداز میں رفع کرنے کی کوشش کی کہ اس نے ایک مراسلے میں شاہِ قسطنطنیہ کو یہ پیشکش کی کہ وہ چاہے تو دونوں ممالک میں تجارتی معاملات اعلیٰ پیمانے پر فروغ پا سکتے ہیں۔ اگر وہ قسطنطنیہ میں مسلمان تاجروں کے تحفظات کی ضمانت فراہم کرے تو سلطان بلادِ اسلامیہ میں نصرانی تاجروں کی مکمل حفاظت کی ذمہ داری لے گا اور انہیں ہر سہولت بہم پہنچائے گا۔ دونوں کے سمندری راستے پُرامن بن جائیں گے، سمندروں میں جنگی بیڑوں کے بجائے تجارتی قافلے سفر کر سکیں گے اور اس سے نہ صرف رعیت کو آرام میسر آئے گا بلکہ دفاعی امور پر خرچ ہونے والی کثیر رقم بھی بچ جائے گی۔ قیصرِ روم نے سلطان

بیبرس کی پیشکش کا بغور جائزہ لیا تو اسے اس میں اپنا فائدہ زیادہ دکھائی دیا۔ قسطنطنیہ کو جن اشیاء کی ضرورت رہتی تھی، وہ زیادہ تر بلادِ اسلامیہ سے ہی وہاں لائی جاتی تھیں اس تجارتی معاہدے میں افادیت زیادہ تھی اور دفاعی اخراجات بھی کم ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔ دونوں قوتوں کو آپس میں جس تصادم کا احتمال تھا، وہ بھی امن و سکون میں ڈھل سکتا تھا۔

قیصرِ روم نے سلطان بیبرس کی پیش کش کو قبول کر لیا اور تجارتی معاہدے پر دستخط کر دیئے۔ سلطان بیبرس نے اپنی ذہانت کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے ایک قطرہ خون کا بہائے بغیر ہی قیصرِ روم کو عالمی سیاست سے نکال باہر کھڑا کیا۔ اس کی حیثیت ایک غیر جانبدار فریق کی سی ہو چکی تھی۔

❁ ❁ ❁

1262ء کے موسم سرما کے خاتمے کے فوراً بعد ایک وسیع و عریض لشکر قہستان کی بالائی پہاڑیوں سے نمودار ہوا اور اس نے باطنی جماعت کے تمام قلعوں کو محاصرے میں لے لیا۔ وادیٔ قفقاز کی جانب موجود باطنی لشکر پر عقب سے حملہ کر کے انہیں ڈھیر کر دیا گیا۔ اس محاصرے کی خبر برقائی خان تک نہ پہنچنے دی گئی۔ وادیٔ قفقاز مکمل طور پر ہلاکو خان کے قبضے میں آ چکی تھی۔ قلعہ الموت میں خیام زرّیں منگولوں کے دستے بھی محصور ہو کر رہ گئے۔ شیخ کبیر الدین اپنی جماعت کی ہلاکت اور اپنے گرد پھیلے ہوئے منگولوں کو دیکھ کر دیوانہ ہو رہا تھا۔ وہ بدحواسی کے عالم میں دن میں کئی بار مطیع الدین کے پاس آتا اور ہر بار اسے برقائی خان سے رابطہ کرنے کی ہدایت دیتا۔ مطیع الدین کو بھائی نہیں دے رہا تھا کہ وہ کس طرح برقائی خان سے رابطہ قائم کرے۔ ہر طرف منگولوں کے لشکر پھیلے ہوئے تھے اور وہ کسی بھی غیر منگول کو اپنے بیچ دیکھ کر گرفتار کر لیتے۔ کئی فدائیوں نے وہاں سے نکلنے کی کوشش کی مگر وہ منگولوں کے ہاتھوں لقمہ اجل بن گئے۔ مطیع الدین نے شیخ کبیر الدین پر صاف الفاظ میں ظاہر کر دیا تھا کہ وہ کسی طرح سر قند تک یہ خبر پہنچا دے تو پھر کچھ ہو سکتا ہے۔

شیخ کبیر الدین اپنے تئیں مختلف انداز میں یہ کوششیں کرتا رہا مگر وہ بری طرح ناکام رہا۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب اسے شنگ خان کی یاد ستائی۔ شنگ خان منگول تھا اور وہ ان لشکروں کے درمیان بآسانی گھل مل جاتا اور موقعہ پا کر سر قند روانہ ہو سکتا تھا۔ شیخ کبیر الدین نے جب کوئی بات بنتے نہ دیکھی تو اس نے شب خون کی تیاری شروع کر دی۔ اس نے اپنے باہمت غلاموں کے دستے تیار کئے اور ان کے سامنے پُراثر خطاب کر کے انہیں ارضی جنت کی نوید سنائی۔ ایک ایک منگول سپاہی کے قتل کے عوض سینکڑوں حوریں دینے کا وعدہ کیا۔ انہیں دی جانے والی حشیش کی مقدار میں اضافہ کر دیا۔ جس کی بدولت وہ جان لٹانے کے درپے دکھائی دینے لگے۔ پھر راتوں کو شب خون مارنے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ یہ حملے اچانک اور ہر بار مختلف سمتوں میں کئے جانے لگے۔ غلاموں کے دستے وحشیانہ انداز میں قتل و غارت کرتے اور واپس لوٹ آتے۔ دن کے وقت فوگا جو خان اور اس کے منگول دستوں کی ذمہ داری تھی کہ وہ ایل خانی لشکر کو قلعہ الموت سے دور رکھیں۔ یہ بڑا مشکل مرحلہ تھا۔ قلعہ الموت میں خوراک کے ذخیرے بھی اتنے زیادہ نہیں تھے کہ بہت زیادہ دیر تک وہ بحفاظت محصور رہ سکے۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ قلعہ الموت ایک ایسے مقام پر تعمیر کیا گیا تھا جہاں ایل خانی لشکر کو آسانی سے رسائی حاصل نہ تھی، وہ جونہی آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تو قلعے سے نوکیلے پتھروں کی بارش کی جاتی۔ جس کے نتیجے میں انہیں پیچھے ہٹنا پڑتا۔ اسی آنکھ مچولی میں ڈیڑھ ماہ سے زائد عرصہ گذر گیا۔ خورد و نوش کا سامان بھی قریباً ختم ہونے کے قریب تھا۔ شیخ کبیر الدین کا حوصلہ بھی جواب دے گیا۔ اس نے فوگا جو خان، مطیع الدین اور دوسرے اہم احباب کے ساتھ ایک ملاقات کی۔ اس میں درپیش مسئلے کا کوئی حل نکالنے پر غور و فکر کیا گیا تمام

افراد نے حتمی رائے یہی دی کہ قلعہ میں محصور رہ کر ہمارے حوصلے پست ہوتے جا رہے ہیں، اور خوراک کی کمی کے باعث ہماری قوت بھی کم ہو رہی ہے۔ اگر یہاں سے نکلنے کی کوئی تدبیر نہ کی گئی تو یقیناً وہ دن دور نہیں کہ بھوک سے ہمارے جسم نقاہت کا شکار ہو جائیں گے اور ہم ایک دوسرے کو نوچ کھانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ قلعہ الموت میں غلاموں اور سپاہیوں کی بڑی تعداد موجود ہے۔ ان کے ساتھ ایل خانی لشکر پر بھرپور حملہ کیا جائے اور لڑتے ہوئے ان کے حصار کو توڑ کر محفوظ مقامات کا رُخ کیا جائے۔ قلعہ الموت کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ خالی قلعہ کی حفاظت ایل خانی لشکر کے بس کی بات نہیں۔

شیخ کبیر الدین نے ان کی رائے پر یہ تبصرہ کیا کہ ایل خانی لشکر اس بار قلعہ الموت کو سابقہ انداز میں نظر انداز نہیں کریں گے بلکہ اسے چھاؤنی کی حیثیت سے استعمال کیا جائے گا۔ ایک دفعہ یہ قلعہ ان کے قبضے میں چلا گیا تو اسے دوبارہ واپس حاصل کرنا ناممکن ہو جائے۔ جہاں تک منگول حصار توڑنے والی بات ہے، وہ سراسر خودکشی کے مترادف ہے۔ اس میں صرف ایک فی صد امکان ہے کہ کوئی شخص ان کے چنگل سے بچ کر زندہ نکل پائے۔ البتہ یہ سب صرف ایک طرح ممکن ہے کہ موسم خراب ہو جائے اور اس کا فائدہ اُٹھا کر یہاں سے نکل جائیں۔ شیخ کبیر الدین کی بات سے سب نے اتفاق کیا اور محصور موت کے بجائے میدان میں اتر کر موت کو گلے لگانے پر زور دیا۔ مطیع الدین نے اس ضمن میں کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وہ اس فکر میں دبلا ہو رہا تھا کہ وہ اگر جان لڑانے کی کوشش بھی کرے تو یہاں مخالفین کی تعداد سینکڑوں میں نہیں بلکہ ہزاروں میں ہے۔ فوئنا جو خان نے شیخ کبیر الدین کو ہر قسم کے تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ یہ حقیقت سب پر ظاہر تھی کہ وہ موت کے حصار میں بری طرح پھنسے ہوئے ہیں جہاں سے نکلنا ان کے بس کی بات نہیں۔

پھر شاید قدرت کو ان کی حالت زار پر ترس آ گیا۔ ایک صبح جب سورج نے سر اُٹھایا تو شمال کی جانب سے تیز ہوا نے بھی سرکشی دکھائی۔ شیخ کبیر الدین نے جب موسم کی تندی دیکھی تو اس نے فوراً تیاری کا حکم دے دیا۔ باطنی جماعت کے افراد اور فوئنا جو خان کے دستے یوں تو مکمل طور پر تیار تھے۔ انہوں نے اپنے ذہنوں کو پوری طرح تیار کر لیا۔ شیخ کبیر الدین نے ایک زوردار خطاب کرتے ہوئے اس بازی کو پہلی اور آخری بازی قرار دیا اور اپنے جانبازوں کے جوش کو دو چند کر ڈالا۔ ہواؤں میں تیزی کی رفتار بڑھنے لگی۔ شیخ کبیر الدین نے سب کے سامنے قلعہ الموت کے باہر کا نقشہ رکھا اور اس میں وہ راستے منتخب کیے جہاں سے گزر کر وہ محفوظ علاقوں میں جا سکتے تھے۔ شیخ کبیر الدین نے سب پر واضح کر دیا کہ وہ یہاں سے نکل کر شام کے پہاڑی علاقوں میں پہنچیں اور وہاں موجود شیخ جبل کے پاس جمع ہوں، اب دوبارہ وہیں ملاقات ہو گی۔ فوئنا جو خان کو شام کی جانب جانے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے صاف الفاظ میں کہا کہ وہ شام کے بجائے اپنے وطن کی جانب سفر کریں گے۔ شیخ کبیر الدین نے سمجھانے کی کوشش کی کہ اس جانب سے سرائے یا سمرقند بڑھنا سراسر موت کے مترادف ہے، وہ ان کے ساتھ چلیں اور بلادِ عراق کی سرحدوں سے گھوم کر واپس سمرقند کی جانب لوٹ آئیں۔

ایل خانی لشکر موسم کی خرابی کے باوجود اپنے اپنے مقامات پر جما رہا۔ انہیں کسی قدر اندازہ تھا کہ موسم کی اس خرابی میں باطنی گروہ یقیناً حملہ آور ہو گا یا ان میں کوئی فرد قلعے سے نکل کر سمرقند کی جانب جانے کی کوشش ضرور کرے گا، اس لئے وہ پوری طرح چوکس تھے حالانکہ ہواؤں کی تیزی، انہیں اپنے فرض کی ادائیگی میں رکاوٹ ڈال رہی تھی۔ ایل خانی سپہ سالار گھوڑوں پر تمام علاقے میں گشت کرتے رہے اور اپنے سپاہیوں کو ہوشیار رہنے کی تاکید کرتے رہے۔ شیخ کبیر الدین نے تمام لوگوں کو ساتھ لیا اور وہ سب قلعے کے صدر

دروازے کے پاس جمع ہو گئے۔ وہ شیخ کبیر الدین کے اشارے کے منتظر تھے کہ صدر دروازہ کھول کر باہر موجود ایل خانی لشکر پر ہلہ بول دیتے۔ شیخ کبیر الدین ایک جانب کھڑا اپنی ہمت بندھا رہا تھا۔ اسے کسی حد تک یہ امید تھی کہ وہ زندہ نکلنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس کی باطنی سلطنت کے قیام کا خواب مایوسی کے دھندلکوں میں چھپ چکا تھا اس وقت صرف اسے اپنی جان بچانے کی فکر لاحق تھی۔ اچانک مطیع الدین کے ذہن میں ایک خیال بجلی کی مانند کوندا۔ وہ تیزی سے صدر دروازے کے پاس پہنچا اور لکڑی پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ مطیع الدین کی اس حرکت پر سب لوگ عجیب نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگے۔ کچھ دیر مطیع الدین خاموش کھڑا رہا، پھر وہ واپس پلٹا اور شیخ کبیر الدین کی طرف رُخ کر کے بولا۔ ''میں ابھی آتا ہوں''۔ وہ تیز رفتاری سے بالائی حصے کی جانب بڑھ گیا۔ کافی دیر کے بعد اس کی واپسی ہوئی۔ اس کا چہرہ دمکتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔

''مطیع الدین! تم یہ کیا کرتے پھر رہے ہو؟ ہمارے پاس وقت بے حد کم ہے، ہوائیں کسی بھی وقت ٹھہر سکتی ہیں اور اگر دن ڈھل گیا تو ہمیں سفر کرنے میں بھی مشکل پیش آئے گی''۔ شیخ کبیر الدین تلخی سے بولا۔ مطیع الدین کا چہرہ بے حد پُرسکون تھا۔

''شیخ الرئیس!'' مطیع الدین بلند آواز میں بولا۔ ''میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے، جو ہمیں یہاں سے نکلنے میں کسی حد تک معاونت دے سکتی ہے''۔ مطیع الدین کی بات پر سب لوگ اشتیاق سے اس کی جانب دیکھنے لگے۔ شیخ کبیر الدین نے اسے بولنے کا اشارہ کیا۔

''تم جانتے ہو کہ اس قلعہ کو ایل خانی لشکر قبضے میں لے لیں گے اور پھر یہ چھاؤنی کی شکل اختیار کر لے گا۔ اگر تم میری ترکیب پر عمل کرو تو ایسا نہیں ہو سکے گا''۔

''تم کیسی بے وقوفی کی باتیں کر رہے ہو، ہمیں یہاں جان کے لالے پڑ رہے ہیں اور تمہیں قلعہ کی سوجھ رہی ہے''۔ شیخ کبیر الدین غصے سے چیختا ہوا بولا۔

''غصے سے کام مت لو بلکہ اس قلعہ کو آگ لگا دو''۔ مطیع الدین اطمینان سے بولا۔

سب لوگ اس کی بات پر بھونچکا رہ گئے، شیخ کبیر الدین کا غصہ یکلخت مٹ گیا اور وہ اس کی جانب یوں دیکھنے لگا جیسے مطیع الدین کا دماغ چل گیا ہو۔ فوئنا جو خان کی حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی، وہ مطیع الدین کی اس احمقانہ رائے پر دانت پیس رہا تھا۔

''شیخ الرئیس!'' مطیع الدین توقف سے بولا۔ ''ہمیں یہاں سے بحفاظت نکل کر محفوظ مقام کی جانب بڑھنا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ قلعے کو فوراً آگ لگا دی جائے۔ میں نے معلوم کر لیا ہے کہ اس وقت ہواؤں کا رُخ ہمارے موافق ہے، ہواؤں کی تیزی کے باعث آگ بھڑکنے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا اور قلعہ سے اُٹھنے والی آگ کی حدت اور دھواں ہمارے مسئلے کو بخوبی حل کرے گی۔ ایل خانی لشکر اس حدت کی شدت کے باعث ہمارے زیادہ قریب نہیں آ پائے گا اور ہم آگ ماند پڑنے تک کافی دور نکل جائیں گے یا ہمارا واسطہ تمام لشکر کے بجائے اس کے کسی ایک حصے سے ہی پڑے گا''۔

شیخ کبیر الدین بات کی تہہ تک پہنچ گیا۔ اس نے مسرت کا اظہار کیا اور اپنے رویے پر معذرت طلب کی۔ مطیع الدین نے مسکرا کر اسے وقت نہ ضائع کرنے کی ہدایت کی۔ شیخ کبیر الدین نے قلعہ کے ایسے حصوں میں آگ لگانے کا حکم دیا جہاں سے تیز ہوا آگ کو بھڑکانے میں مدد دے سکتی تھی۔ دیواروں پر لگی ہوئی مشعلیں قلعے کے مختلف حصوں میں اچھال دی گئیں۔ آگ پھیلنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ کچھ ہی دیر میں پورا قلعہ آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ شیخ کبیر الدین مطیع الدین کی جانب دیکھ رہا تھا جو انہیں ابھی ٹھہرنے کا اشارہ

کیے ہوئے تھا۔ قلعے کی فصیل کے طاقوں میں سے وہ باہر کا جائزہ لیتا رہا۔ آگ کی حدت تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ قلعے کے مکینوں کی حالت بری ہو رہی تھی۔ دھوئیں کے بڑے بڑے بادل ہواؤں کے زور پر علاقے میں پھیلتے جا رہے تھے۔ ایل خانی لشکر حیرت و پریشانی سے قلعہ الموت کی جانب دیکھ رہے تھے۔ وہ قلعہ الموت میں لگی ہوئی آگ کو کوئی بھی نام دینے سے قاصر رہے۔ دھوئیں کے بادل ہوا کے ساتھ ان کی جانب جب بڑھے تو انہیں سانس لینا دشوار ہو گیا۔ وہ دھوئیں سے بچ کر اپنی اپنی جگہوں سے ہٹنا شروع ہو گئے۔ یہ دیکھتے ہی مطیع الدین نے اشارہ کیا۔ غلاموں کی جماعت تیزی سے صدر دروازے کا لیور گھمانے لگی۔ فضا میں دروازے کی چرچراہٹ گونج اٹھی۔ فدائی گروہ کا پیادہ لشکر تیزی سے باہر نکلا اور اپنے سامنے موجود منگولوں سے بھڑ گیا۔

مطیع الدین نے فونتا جو خان کے قریب پہنچ کر آہستگی سے کہا کہ وہ زیادہ لڑنے بھڑنے کے چکر میں نہ پڑے بلکہ شیخ کبیر الدین کے بتائے ہوئے رستوں کی جانب بڑھنے کی کوشش کرے۔ ایل خانی لشکر کی تعداد زیادہ ہے، بھرپور لڑائی سے کوئی نتیجہ نہیں نکل پائے گا۔ فونتا جو خان اپنے دستوں کو منظم انداز میں ساتھ لئے طے کردہ راستوں کی طرف بڑھنے لگا۔ قلعہ الموت سے اٹھنے والے دھوئیں کے کثیف بادلوں نے وادی میں تاریکی پیدا کر دی تھی۔ ایل خانی لشکر اس چال کو بخوبی سمجھ چکا تھا مگر انہیں دھوئیں اور آگ کی تپش کے باعث قلعہ عبور کرنے کی ہمت نہیں ہو پائی۔ قلعے کے دوسرے جانب موجود ایل خانی لشکر فدائیوں کی راہ روکنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ وہ کسی بھی صورت میں انہیں اپنے حصار سے باہر نکلنے نہیں دینا چاہتے تھے۔

❀❀❀

سلطان بیبرس کا قسطنطنیہ کے ساتھ تجارتی معاہدہ بے حد مقبول ہوا۔ جہاں اس معاہدے کے تحت سلطان بیبرس نے امت مسلمہ پر صلیبی خطرات کو بے اثر بنا دیا تھا وہیں صلیبی قوتوں کو فراہم ہونے والی مغربی طاقت منقطع ہو کر رہ گئی اس تجارتی معاہدے کی رو سے قسطنطنیہ تمام یورپ سے بھرپور تجارتی فائدہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا قسطنطنیہ کے راستے سے خوراک و سامان کی کثیر مقدار فرانس، انگلستان، جرمنی، اور دوسری ریاستوں میں پہنچنے لگی۔ مغربی حکمرانوں کے لئے ماضی کی دشمنیاں بھلانا ضروری ہو گئیں، ہر کوئی اپنی اپنی ریاست کے تحفظات کی فکر میں پڑ گیا۔ سلطان بیبرس نے مسلمانوں کو نئے تجارتی مراکز کی جانب متوجہ کر دیا۔ تاتاری یلغار کے نتیجے میں جو تباہی بغداد و شام کی ہوئی تھی اور لوگوں میں جس کسمپرسی و افلاس کا دورہ تھا، ایسے حالات میں سلطان بیبرس کا یہ فیصلہ مثبت اثرات مرتب کرنے لگا سلطان بیبرس کی رعب دار شخصیت نے مغربی معاشرے میں بے حد شہرت پائی، نصف صدی کے بعد مسلمانوں میں سے کوئی ایسی شخصیت وقت کے کینوس پر دکھائی دی جسے بلاد اسلامیہ اور یورپ دونوں جگہ یکساں مقبولیت حاصل تھی۔ منگولوں کا دبدبہ بھی اس کے سامنے چھوٹا پڑ گیا۔ یورپ کی دو اہم ریاستوں نے خود آگے بڑھ کر سلطان بیبرس کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے کی خواہش کی۔ یہ دونوں ریاستیں قسطنطنیہ کے گرد واقع تھیں۔ ریاست جنیوا اور ریاست وینس کا شمار دو مضبوط اور خوشحال ممالک میں ہوتا تھا، جہاں نصرانیت تو ضرور موجود تھی مگر حلقہ اقتدار میں اسے کوئی عمل دخل حاصل نہیں تھا۔ سلطان بیبرس نے ان کے ساتھ بھی سمندری راستوں کے تجارتی معاہدے کر لئے۔

ان نئے معاہدوں کے بعد قیصر روم کے آخری وار کا اندیشہ بھی مٹ گیا۔ سلطان بیبرس کو خدشہ تھا کہ کسی بھی وقت قیصر روم اپنے اس معاہدہ کا ناجائز فائدہ اٹھا سکتا تھا، اب وہ معاہدے کے زور پر کوئی غلط مقصد نہیں حاصل کر پاتا۔ سلطان بیبرس نے وینس و جینوا کے تجارتی وفود سے مختلف بہروپ میں ملاقاتیں کیں اور ان سے ان ریاستوں کے حالات معلوم کرتا رہا۔ بہت جلد اس پر آشکار ہو گیا کہ دونوں ریاستوں کے بیچ

میں سرد مہری اور عداوت پائی جاتی ہے، یہ روش صرف حلقہ اقتدار تک محدود نہیں ہے بلکہ دونوں ریاستوں کے باشندے بھی ایک دوسرے کو دیکھ کر شدید نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ سلطان بیبرس نے ان دونوں تجارتی گروہوں کے مابین مبارزت کے احتمال کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک نیا قانون تشکیل دیا اور ان دونوں گروہوں کو اس کا پابند کر دیا۔ اس قانون کی رو سے یہ تجارتی گروہ اگر آپس میں نبرد آزما ہونے کی کوشش کرتے تو ان دونوں کا تمام سامان بحکم سلطان ضبط کر لیا جاتا۔ اس قانون کے بعد ایسے واقعات کا خدشہ معدوم ہو گیا۔ سلطان بیبرس اندرونی ریاستی نظام پر بھی مکمل نظر رکھے ہوئے تھا۔ اس نے پوری کوشش کی کہ ریاستی محکموں میں بدعنوانی اور بے ایمانی کی مکمل روک تھام کی جا سکے۔ اس سلسلے میں وہ خود مختلف بہروپ بدل کر محکموں کی نگرانی کیا کرتا۔ اس کا طریقہ کار بہت جلد مشہور ہو گیا جس کے بعد سرکاری عہدے دار چاق و چوبند ہو گئے اور ریاست میں بدعنوانی بہت کم ہو گئی۔

❀❀❀

ایل خانی فوج نے فدائیوں کے گروہ کی مزاحمتی و دفاعی لڑائی کو دیکھتے ہوئے جارحانہ حملوں کا سلسلہ شدید کر دیا۔ وہ سمجھ چکے تھے کہ وہ پسپائی کی آڑ میں وہاں سے فرار ہونا چاہتے ہیں۔ مطیع الدین کی ترکیب کارگر ثابت ہوئی۔ ایل خانی لشکر دو حصوں میں بٹ کر رہ گیا۔ ایک حصہ قلعہ سے آنے والی شدید تپش اور گہرے دھوئیں میں پھنس گیا اور دوسرا حصہ فدائیوں کے ساتھ جنگ میں مصروف رہا۔ دھوئیں کے بادلوں کے باعث اجالا کم ہو چکا تھا۔ فونتا جو خان نے ایل خانی حلقے کو تنگ ہوتے دیکھ کر بلند آواز میں اپنے دستوں کو للکارا۔ اس کی آواز کا ایل خانی لشکر پر بے حد برا اثر پڑا۔ وہ اپنے ہم زبان کی آواز کو سن کر غلط فہمی کا شکار ہو گئے اور یہ قیاس کیا کہ شاید برقائی خان کی جانب سے کوئی کمک پہنچ گئی ہے۔ ان کی توجہ بٹتے ہی فدائیوں کو ان پر شدت سے حملہ آور ہونے کا موقع مل گیا۔ منگولوں کی صفیں گرنا شروع ہو گئیں۔ فونتا جو خان کے دستے پیادہ تھے۔ اس لئے انہیں گھڑ سوار سپاہیوں سے بھڑنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ مطیع الدین بھی پوری جانفشانی سے لڑ رہا تھا۔ مطیع الدین نے کوشش کرتے ہوئے ایک گھوڑا قابو کر لیا اور جست لگا کر اس پر جا بیٹھا۔ اس نے گھوڑے کا رخ فونتا جو خان کی جانب کیا اور قریب آتے ہی فونتا جو خان سے چیخ کر کہا کہ وہ اپنے سپاہیوں کو ہدایت دے کہ وہ خالی گھوڑوں پر سوار ہونے کی کوشش کریں۔ فونتا جو خان سمجھ گیا۔ اس نے تیز آواز میں اپنے سپاہیوں کو ہدایت کی۔ تھوڑی ہی دیر میں بے شمار سپاہی گھوڑوں پر سوار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ فونتا جو خان بھی گھوڑا حاصل کر چکا تھا۔ اس کے حملوں میں زیادہ شدت پیدا ہو گئی تھی فدائیوں کے پاس کافی گھوڑے تھے مگر جو پیادہ غلام تھے انہوں نے اپنے ساتھیوں کی دیکھا دیکھی ایل خانی لشکر کے گھوڑے ہتھیا لئے۔ اسی اثناء میں گہرے دھوئیں کے بادلوں کا جھرمٹ چھٹنے لگا۔ یہ نہایت کڑا مرحلہ تھا۔ شیخ کبیر الدین نے مطلع صاف ہوتے دیکھ کر اپنے ساتھیوں کو ہدایت کی کہ وہ منگولوں کی صفیں چیرتے ہوئے راستہ بنائیں تاکہ وہ جلد از جلد اس نرغے سے نکل جائیں۔

فدائی غلاموں نے اپنے آقا کا حکم پا کر جان ہتھیلی پر رکھتے ہوئے شام کی طرف جانے والے رستے پر ایل خانی صفوں کو پچھاڑنا شروع کر دیا۔ دونوں طرف سے شدید حملوں کے باعث لاشوں میں اضافہ ہونے لگا۔ فدائی گروہ اپنی جان کی بازی لگا کر راستہ بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ان کی کوششیں بالآخر کارگر ہوئیں اور وہ ایل خانی لشکر کی صفوں کو وہاں سے پیچھے ہٹنے پر مجبور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مطیع الدین اور شیخ کبیر الدین نے جب راستہ صاف دیکھا تو انہوں نے منظم انداز میں اپنے ساتھیوں کو دوسری جانب منتقل کرنا شروع

کر دیا۔ وہ لڑائی کے ساتھ پسپائی اختیار کرتے رہے۔ فونا جو خان نے آگے بڑھ کر ایل خانی لشکر کا راستہ روکنے کی کوشش جاری رکھی۔ لڑائی کی صورت یکسر بدل گئی تھی۔ فدائی گروہ بخوبی منگولوں کا نرغہ توڑنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ یہ الگ بات تھی کہ اس خوفناک لڑائی میں کثیر تعداد موت کی بھینٹ چڑھ گئی۔ شیخ کبیر نے مطیع الدین کو اشارہ کیا کہ وہ فونا جو خان سے کہے کہ لڑائی کا کوئی فائدہ نہیں، انہیں تیز رفتاری سے گھوڑے دوڑاتے ہوئے نکل جانا چاہئے۔ مطیع الدین نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور فونا جو خان کے پاس آ گیا۔ دشمن کے وار روکتے ہوئے اس نے فونا جو خان کو سمجھا دیا کہ ہمیں میدان چھوڑ دینا چاہئے۔ فدائی غلام اور خیام زرّیں سپاہی ایل خانی لشکر کو کچھ دیر تک روکے رکھیں گے، اسی دوران وہ ایل خانی لشکر کی گرفت سے دور نکل جائیں گے۔ فونا جو خان نے مطیع الدین کی بات سمجھنے کے بعد کینہ توز نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا اور چیخ کر بولا۔

''مطیع الدین! یہ کوئی بہادری والی بات نہیں ہے، دوسرا میں اس مقام پر اکیلا نہیں ہوں، میرے ساتھ سپاہی بھی ہیں۔ میں انہیں دھوکا نہیں دے سکتا''۔

مطیع الدین سمجھ گیا کہ فونا جو خان کسی قیمت پر اس کی بات نہیں مانے گا۔ اس نے ایل خانی سپاہیوں پر حملہ کرتے ہوئے غفلت کے عالم میں فونا جو خان کے سر کے عقبی حصے میں اپنی تلوار کا دستہ جڑ دیا۔ فونا جو خان کا خود سر سے گر چکا تھا اس لئے وہ اس ضرب کی تاب نہ لا سکا۔ اس نے اپنی گھومتی ہوئی کھوپڑی کو سنبھالنے کی کوشش کی مگر مطیع الدین نے دوسرا اور پھر تیسرا وار کر کے اسے ہوش سے بیگانہ کر دیا۔ وہ گھوڑے پر جھولنے لگا۔ مطیع الدین کے لئے یہ مرحلہ بڑا نازک تھا۔ اس نے جست لگائی اور فونا جو خان کے گھوڑے پر پہنچ گیا۔ فونا جو خان پورا گوشت کا پہاڑ تھا۔ گھوڑا بری طرح بلبلا رہا تھا۔ مطیع الدین نے فونا جو خان کے پہلوؤں سے ہاتھ نکال کر گھوڑے کی باگیں تھامیں اور اسے لے کر تیزی سے شیخ کبیر الدین کی جانب بڑھ آیا۔ شیخ کبیر الدین نے حیرت سے مطیع الدین کی جانب دیکھا

''اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میرا خیال ہے ہمیں نکلنے میں تاخیر نہیں کرنا چاہئے۔ اگر ہو سکے تو کوئی خالی گھوڑا بھی اپنے ساتھ لے لیجئے''۔

شیخ کبیر الدین نے اپنے خاص احباب کو اشارہ کیا۔ انہوں نے کنیزوں کے گھوڑوں کے ساتھ پہاڑی پگڈنڈی پر تیز رفتاری سے سفر شروع کر دیا۔ شیخ کبیر الدین اور مطیع الدین کچھ غلاموں کے ہمراہ ان کے عقب میں گھوڑے بھگانے لگے۔ چند لمحوں میں ہی فدائی گروہ اور خیام زرّیں سپاہیوں پر یہ حقیقت آشکار ہو گئی کہ ان کے سالار انہیں میدان میں چھوڑ کر فرار ہو چکے ہیں۔ وہ بھی ان کے پیچھے فرار ہونے کی کوششیں کرنے لگے۔ ایل خانی لشکر نے فدائیوں کے قدم اکھڑتے دیکھ کر انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ بہت کم لوگ ایل خانی لشکر کے ہاتھوں بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو سکے۔ دھوئیں کے بادل پوری طرح چھٹ چکے تھے اور قلعہ کو آگ بدستور لگی ہوئی تھی۔ یہ ہواؤں کے ٹھہراؤ کے باعث ہوا تھا۔ ایل خانی لشکر کافی دور تک فدائیوں کا پیچھا کرتا ہوا گیا اور جو ان کے ہاتھ لگ پایا، اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ یہ ہلاکو خان کی جانب سے کڑی ہدایت تھی کہ کسی بھی شخص کو قیدی بنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جو کوئی فرد زندہ ملے یا جو ہتھیار پھینک کر امان کا طالب ہو، سب کو ہلاک کر دیا جائے۔

شیخ کبیر الدین اپنے ساتھیوں کے ساتھ بغیر رُکے مسلسل سفر کرتا رہا۔ وہ ایل خانی لشکر کی پہنچ سے بہت دور نکل آئے تھے۔ جب شام کی تاریکی چھانے لگی تو انہوں نے پہاڑی درّوں میں ایک بڑا غار ڈھونڈ نکالا۔

تمام لوگ اس غار میں پناہ گزین ہو گئے۔ گھوڑوں کو غار کے عقبی حصے میں باندھ دیا اور کچھ ہی دیر میں وہاں لکڑیاں جلا کر آگ روشن کر لی۔ سب لوگوں کی حالت خستہ ہو رہی تھی۔ کپڑوں پر خون کے بڑے بڑے دھبے موجود تھے اور چہروں پر ہوائیاں اُڑی دکھائی دیتی تھیں۔ شیخ کبیر الدین نے اس خدشے کے پیشِ نظر غار کے منہ پر خیموں کے کپڑے باندھ ڈالے کہ دور سے روشنی دکھائی نہ دے۔ ایک حصہ میں کپڑے کا بڑا پردہ لٹکا دیا گیا جہاں شیخ کبیر کی خاص کنیزیں ٹھہرائی گئیں۔ غلاموں کا زیادہ حصہ غار کے باہر نگرانی پر تعینات کیا گیا۔ فونا جو خان کو ہوش آ چکا تھا۔ اس نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا تو اسے معلوم ہوا کہ سر میں زخم موجود ہے۔ مطیع الدین نے اس کے سر میں نظر ڈالی تو ہنسنے لگا۔ زخم معمولی نوعیت کا تھا۔ خون نکل کر جم چکا تھا۔

''تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا''۔ فونا جو خان الفاظ چبا کر بولا۔

''یہ میں زیادہ بہتر جانتا ہوں کہ کیا درست تھا اور کیا غلط؟ تم لڑائی کے نشے میں یہ شاید بھول گئے تھے کہ ہمارے پاس قوت بے حد کم تھی اور ہمارے بیشتر افراد نقاہت کا شکار تھے۔ ہماری منصوبہ بندی جم کر جنگ کرنے کی نہیں تھی بلکہ انہیں اُلجھا کر رستہ حاصل کرنے کی تھی''۔ مطیع الدین طمانیت سے بولا۔ فونا جو خان محض تلخی سے گھور کر رہ گیا۔

''خان! ہمیں تمہاری بہادری و جرأت پر فخر ہے مگر حالات کچھ ایسے تھے کہ وہاں یہ سب دکھانے کا فائدہ نہیں تھا''۔ شیخ کبیر الدین نرمی سے بولا۔ فونا جو خان خاموش رہا۔

''شیخ الرئیس!'' مطیع الدین بولا۔ ''اب ہم کہاں پہنچ چکے ہیں؟''

''تم لوگ صبح حالات کو دیکھتے ہوئے جانا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں، البتہ اگر تم میرے ساتھ شام چلو گے تو مجھے زیادہ خوشی ہو گی''۔ شیخ کبیر الدین مسکرا کر بولا۔

''اگر ایل خانی لشکر تعاقب کرتا ہوا صبح تک یہاں پہنچ گیا تو.....؟'' ایک شخص نے خدشہ ظاہر کیا

''اس بات کا فیصلہ تو صبح ہی ہو سکے گا کہ ہمارا تعاقب کیا جا رہا ہے یا نہیں! میں نے اپنے خاص غلام قلعہ الموت کی جانب روانہ کر دیئے کہ وہ یہ معلوم کریں کہ ایل خانی لشکر کس حالت میں ہے۔ اگر وہ صبح روانگی اختیار کرے گا تو ہمیں کچھ دن تک اسی غار میں مزید چھپنا پڑے گا''۔

''کیا یہ غار لشکر کی نگاہوں میں نہیں آئے گا''۔ مطیع الدین نے تعجب سے پوچھا۔

''نہیں!'' شیخ کبیر الدین بولا۔ ''یہ غار شام کو جانے والے صحیح راستے سے کافی دور ہے۔ ہم اس وقت برقائی خان کی ریاست اور قسطنطنیہ کے بالکل وسط میں ہیں۔ یہاں سے نیچے کی جانب اترنے والی راہ اردوئے زرّیں کی جانب جاتی ہے جبکہ بالائی جانب کے دوسری جانب قسطنطنیہ کی سرحدیں شروع ہو جاتی ہیں۔ ہمیں شام جانے کے لئے گھوم کر بالائی راہ سے سیدھا مشرق میں بڑھنا ہو گا یہ تمام رستہ اسی پہاڑی سلسلے میں ہی پوشیدہ ہے''۔ شیخ کبیر الدین نے وضاحت کی۔

''کوہ قاف یہاں سے کس جانب واقع ہے؟'' اچانک فونا جو خان بول اُٹھا۔

''جب تم اس غار سے نکلو گے تو اس کے گرد گھوم کر دوسری جانب نیچے اتر جاؤ گے۔ وہاں سے تمہیں سامنے ایک بڑا پہاڑ دکھائی دے گا۔ تم اس کی سیدھ میں دو دن تک مسلسل سفر کرتے رہنا۔ اس کے بعد سبز وادی کی سرزمین شروع ہو گی۔ وہاں سے اس بڑے پہاڑ کے مخالف سمت میں سفر ہو گا۔ نصف دن کے فاصلے پر تمہیں اپنے سامنے کوہ قاف دھندلا سا دکھائی دے گا''۔ شیخ کبیر الدین نے بتایا۔

''ہمیں کس راستے سے سفر کرنا ہو گا؟'' مطیع الدین نے پوچھا۔

''اسی راستے سے، مگر سبزوادی سے کوہ قاف کی طرف نہیں بلکہ اس کے دائیں پہلو میں نصف دن کے سفر کے بعد تم سمرقند کی حدود میں پہنچ جاؤ گے''۔ شیخ کبیر الدین نے جواب دیا۔

اسی دوران ایک غلام تیزی سے اندر چلا آیا۔ اس نے آتے ہی شیخ کبیر الدین کو تعظیم دی۔ مطیع الدین کو اس کے کندھے پر کچھ لٹکتا ہوا دکھائی دیا تو وہ سمجھ گیا کہ ان کے لئے شکار لایا گیا ہے۔ وہ پہاڑی جانور تھا جس کی شناخت مطیع الدین کی عقل سے باہر تھی۔ کچھ ہی دیر میں وہ جانور آگ پر بھونا جانے لگا اور پھر سب اپنے اپنے پیٹ کی آگ بجھانے میں مشغول ہو گئے۔

دوسری صبح جب وہ بیدار ہوئے تو کافی دن نکل آیا تھا۔ دوپہر کے وقت جاسوس غلام یہ خبر لائے کہ منگول لشکر قلعہ الموت کی مرمت میں مشغول ہے، البتہ ان کے سپاہی تمام وادی میں بکھرے ہوئے ہیں۔ منگول لشکر نے اپنے خیمے بھی نہیں اکھاڑے۔ شیخ کبیر الدین سمجھ گیا کہ وہ تعاقب کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ اس نے سفر کی تیاری کا حکم دے دیا۔ وہ شام ہونے سے پہلے دوسرے طے کر وہ غار تک پہنچنا چاہتا تھا۔ مطیع الدین نے اس سے اجازت طلب کی تو اس نے انہیں گھوڑے اور دو خیمے دیئے اور معذرت اختیار کرتے ہوئے کہا کہ اس کے کھانے کے سامان کا بندوبست نہیں ہے، انہیں شکار پر ہی گذارا کرنا ہوگا۔ مطیع الدین اس کی بات پر ہنسنے لگا۔ شیخ کبیر الدین نے اپنے ایک خاص غلام کو ہدایت کی وہ انہیں صحیح راستے پر ڈال کر واپس لوٹ آئے۔

شیخ کبیر الدین نے نہایت پُر جوش انداز میں انہیں رخصت کیا۔ مطیع الدین اور فونا جو خان دونوں اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر غلام کے ساتھ پہاڑی کے عقبی حصے کی جانب بڑھ گئے۔ قریباً چار کوس کا فاصلہ طے کرنے کے بعد غلام نے انہیں چند ضروری باتیں سمجھائیں، اور واپس لوٹ گیا۔ وہ دونوں خاموشی سے بتائی گئی راہ پر مناسب انداز میں سفر کرتے رہے۔ مطیع الدین فوری طور پر سمرقند پہنچنا چاہتا تھا تاکہ وہ برقائی خان کو تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہ کر سکے۔ ہلاکو خان کی لگاتار کوششوں کے بعد برقائی کا ایک حلیف تباہ کر دیا گیا۔ فدائیوں میں ساٹھ یا ستر افراد بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو پائے تھے، جن میں شیخ کبیر الدین بھی شامل تھا جبکہ خیام زرّیں دستے موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے، قہستان میں مکمل طور پر ہلاکو خان کا اختیار تھا۔ اب اس کے لئے بلادِ فارس کے راستے بھی کھل چکے تھے۔ وہ بڑی آزادی کے ساتھ آجا سکتا تھا۔ قلعہ الموت کو ایل خانی چھاؤنی میں بدل دیا گیا۔ یہ الگ بات تھی کہ یہاں وہ زیادہ دیر تک ٹھہر نہیں سکتے تھے کیونکہ موسم کی شدت انہیں بیمار کر دینے کے لئے کافی تھی۔ اگر وہ موسم کے خلاف انتظام کرنے کی کوشش بھی کرتے تو انہیں کڑی محنت سے کام لینا پڑتا۔ مطیع الدین کی تدبیر کے باعث وہاں موجود خشک لکڑی کے تمام ذخیرے جل کر خاک ہو چکے تھے۔

وہ دونوں مسلسل سفر کرتے بالآخر سمرقند کی حدود میں پہنچ گئے۔ مطیع الدین نے سفر کی تکان کے پیشِ نظر فونا جو خان کو مخاطب کیا اور اسے خیمہ زن ہونے کا مشورہ دیا۔ فونا جو خان نے اس کی صورت پر گہری نظر ڈالی۔ وہ اندازہ لگانے میں ناکام نہیں رہا کہ مطیع الدین کا ستا ہوا چہرہ اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ اگر فوری آرام نہ کیا گیا تو ممکن ہے کہ وہ بے ہوش ہو کر گر جائے۔ فونا جو خان نے اس کی ہمت بندھائی اور مشورہ دیا کہ قریب ہی کوئی چشمہ ملے گا تو وہیں خیمے لگا لئے جائیں گے۔ انہیں زیادہ تر دو نہیں اُٹھانا پڑا۔ کچھ فاصلے پر انہیں ایک قدرتی چشمہ دکھائی دے گیا۔ وہ دونوں وہاں پہنچ کر نڈھال سے زمین پر لیٹ گئے۔ فونا جو خان کی ہمت کچھ باقی تھی۔ اس نے چند لمحے سستا کر دونوں گھوڑوں کی باگیں ایک بڑے پتھر کے نیچے دبائیں، اور چشمے کے پانی کے چھینٹے منہ پر مارنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد مطیع الدین نے بھی ہمت کی اور پانی کے چھینٹوں سے اپنے ہوش

و حواس درست کئے۔ فونا جو خان نے تھوڑی دیر میں اپنے خیمے کھڑے کر لئے۔ اسی دوران ایک پہاڑی بکرا پانی پینے کے لئے چشمے کی جانب آنکلا۔ مطیع الدین نے اسے دیکھ کر فونا جو خان کو چوکنا کیا۔ فونا جو خان نے بکرے کی صورت دیکھی تو اس کا چہرہ کھل اُٹھا۔ وہ اس پر یوں ٹوٹ پڑا جیسے اس کا من پسند مشغلہ ہاتھ لگ گیا ہو۔ پہاڑی بکرا بھاری بھرکم فونا جو خان کے آگے زیادہ دیر مزاحمت نہ کر سکا اور زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ فونا جو خان اسے گھسیٹتا ہوا خیمے کی جانب لایا۔ مطیع الدین ایک پتھر سے ٹیک لگا کر بوجھل نگاہوں سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بے خوابی کے باعث انگارہ ہو رہی تھیں۔

''تم کون لوگ ہو بھئی.....؟'' ایک اجنبی آواز ان کے عقب میں گونجی۔ وہ دونوں چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگے، وہ شکل وصورت سے تاتاری ہی دکھائی دیتا تھا۔

❁ ❁ ❁

قاضی جمال الدین ابوعبداللہ محمد بن سالم، اپنے دور کی ایک سرآمد روزگار شخصیت تھے۔ ان کے دادا کا نام ''واصل'' تھا اور اسی نسبت سے وہ دُنیائے علم وفن میں علامہ ابن واصل کے نام سے مشہور ومعروف ہوئے۔ 604ھ میں علامہ ابن واصل پیدا ہوئے اور اس دور کے نامور اساتذہ سے مختلف علوم کی تحصیل کی۔ سند فراغت کے بعد حماۃ نامی شہر میں سلسلۂ درس وتدریس شروع کیا اور پھر تاتاری یلغار کے باعث وہاں سے ہجرت کر کے قاہرہ چلے آئے۔ مشہور مؤرخ اور جغرافیہ داں علامہ اسمٰعیل بن علی ایوبی المعروف بہ علامہ ابو الفداء ان کے معروف شاگردوں میں سے ایک تھے۔ علامہ ابوالفداء اپنے استادِ محترم کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''علامہ قاضی جمال الدین محمد امامِ وقت اور فضلائے زمانہ میں سے ایک ہیں۔ مختلف علوم فقہ، اصولِ دین، منطق، ہندسہ، ہیئت اور تاریخ میں دستگاہِ کامل رکھتے ہیں۔ ان کی مختلف تصنیفات میں ''مفرج الکروب فی اخبار بنی ایوب'' خاصی شہرت یافتہ تاریخ کی کتاب تصور کی جاتی ہے''۔ ایک دوسری جگہ قاضی جمال الدین محمد کے بارے علامہ ابوالفداء لکھتے ہیں۔ ''میں بارہا ان کے پاس حماۃ گیا اور کتاب اقلیدس کی اکثر مشکلات کو ان سے حل کیا اور ان سے بھرپور استفادہ کیا، عروض میں ابن حاجب کے منظوم رسالہ کی شرح بھی میں نے انہی سے پڑھی کیونکہ انہوں نے اس رسالہ کی نہایت عمدہ شرح لکھی تھی اور اسی طرح کتاب الاغانی میں جو اسماء ہیں، ان کی تصحیح بھی انہی سے حاصل کی''۔

659ھ میں سلطان بیبرس نے اپنی خارجہ حکمتِ عملی کے تحت قاضی جمال الدین ابن واصل کو اطالیہ اور سسلی کے حکمران شاہ منفریڈ سے دوستانہ مراسم کے لئے اطالیہ روانہ کیا۔ شاہ منفریڈ سے تعلقات کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ سلطنتِ اسلامیہ پر تاتاریوں کی جانب سے ٹوٹنے والے ظلم وستم کے باعث جو نا اُمیدی اور بے اطمینانی کی فضا چھائی ہوئی تھی، اس میں نصرانی اور صلیبی خطرات کے بڑھتے ہوئے دباؤ کو کسی بھی طرح کم کیا جائے۔ شاہ منفریڈ کے بارے میں اس قسم کی خبریں موصول ہوئی تھیں کہ وہ بیزنطینی کلیسا کا شدید مخالف ہے اور ان کے ناپسندیدہ عزائم کے خلاف آواز بلند کرتا رہتا ہے۔ سلطان بیبرس نے تمام اطلاعات کی روشنی میں غور وخوض کیا تو اسے ایک ایسی سفارت کی ضرورت محسوس ہوئی جو نہایت غیر معمولی صلاحیتوں کی حامل ہو۔ قاضی جمال الدین محمد ابن واصل کے علمی فضائل اور خداداد ذہانت کا ڈنکا قاہرہ میں ہر سو بج رہا تھا لہٰذا سلطان بیبرس کی نگاہِ انتخاب انہی پر ٹھہری۔ قاضی جمال الدین کو شاہی محل میں طلب کیا گیا اور انہیں شاہ منفریڈ کے حوالے سے ضروری نوعیت کی معلومات فراہم کی گئیں۔ قاضی جمال الدین نے تمام تفصیلات کو بڑی طمانیت

اور دھیان سے سنا۔ وہ امتِ مسلمہ کے حالات کی سنگینی اور نزاکت سے بخوبی آگاہ تھے، انہوں نے نہ صرف اپنے انتخاب پر سلطان بیبرس کا شکریہ ادا کیا بلکہ اس کی اس حکمت عملی کو بھی سراہا۔ کیونکہ سلطنت اسلامیہ پر چھائے ہوئے بدترین حالات میں شاہ منفریڈ سے دوستی کی کوشش نہایت عمدہ اقدام میں شمار کی جاسکتی تھی۔ قاضی موصوف نے بخوشی اس ذمہ داری کو قبول کرلیا۔ سلطان بیبرس نے شاہ منفریڈ کے ایک بہترین مراسلہ اور بیش بہا قیمتی تحائف ان کے حوالے کئے۔ قاضی جمال الدین ابن واصل ضروری تیاری کے ساتھ قاہرہ سے نکل کر دمیاط پہنچے اور پھر وہاں سے سمندری راستے سے سسلی (صقلیہ) اور پھر اطالیہ پہنچ گئے۔

مختلف شہروں میں سے سفر کرتے ہوئے وہ اطالیہ کے دارالحکومت انبولیہ (ایولیا) پہنچ گئے۔ یہ شہر اندلس کی سلطنت سے متصل تھا۔ کسی زمانے میں اس شہر پر مسلمانوں کی حکومت ہوا کرتی تھی مگر مسلمانوں کی ناعاقبت اندیشی اور باہمی جھگڑوں کے باعث اب یہ نصرانیت کے پرچم تلے آچکا تھا۔ تعصب اور کمینگی کا یہ عالم تھا کہ نصرانی حکمرانوں اور رعیت نے مسلمانوں کی سالہا سال کی خدمات و احسانات کو فراموش کرتے ہوئے یکلخت آنکھیں ماتھے پر رکھ لی تھیں اور سلطنت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی مسلمان رعیت کے ساتھ ظلم و ستم کا رویہ اختیار کرلیا تھا۔ انہیں جبراً عیسائی بنایا جانے لگا اور جو کوئی دینِ حق سے پیچھے ہٹنے پر آمادہ نہ ہوا اسے اپنے مقبوضہ علاقوں سے نکال باہر کیا۔ بے بس ولاچار اور مجبور مسلمان اپنے گھربار اور ساز و سامان چھوڑ کر اطالیہ کے شہروں سے نکل کر جزیرہ سسلی میں پناہ گزین ہوئے مگر وہاں بھی ان کی آپسی نااتفاقی اور اختلافات ان پر حاوی ہوگئے۔ اطالیہ کے نصرانی فرمانرواؤں نے مسلمانوں میں باہمی اتحاد کا فقدان دیکھتے ہوئے آگے بڑھ کر سسلی پر بھی قبضہ کرلیا۔ یوں مسلمان حاکمیت سے دورِ غلامی کی دلدل میں دھنستے چلے گئے۔ نصف صدی سے زائد عرصہ تک مسلمان نصرانی ظلم و جور کی چکی میں پستے رہے کہ قدرت کو ان کی حالتِ زار پر رحم آگیا اور جرمن فرمانروا شاہ فریڈرک دوم نے اطالیہ و سسلی کی فتح کے بعد ان کے کسی قدر حقوق بحال کئے اور انہیں سسلی سے نکال کر واپس اطالیہ میں آباد کیا۔ شاہ فریڈرک دوم نے مسلمانوں کو اطالیہ کے صوبے ''فوگیا'' کے دو غیر آباد شہروں لوشیریہ اور نوشیریہ میں آباد کیا۔ جہاں انہیں مکمل مذہبی آزادی دی گئی۔ مؤرخین کے مطابق ان دونوں شہروں کی آبادی اسی ہزار نفوس سے زائد تھی۔ اس کے علاوہ جو مسلمان اطالیہ کے دیگر علاقوں میں اقلیت کی صورت میں رہتے تھے وہ علیحدہ تھے۔ شاہ فریڈرک دوم کے اس اقدام کے پیشِ نظر بیزنطینی کلیسا نے سخت اور کڑی تنقید کا رویہ اختیار کیا مگر شاہ فریڈرک دوم نے بیزنطینی شہنشائیت کو جوتے کی نوک پر رکھتے ہوئے ان کے سب مطالبات رد کردیئے۔ وہ خود کو صرف فرمانروا کہلانا پسند کرتا تھا نا کہ دینِ نصرانیت کا خادم۔ شاہ قسطنطنیہ کو شاہ فریڈرک دوم کا یہ جارحانہ رویہ ذرا نہیں بھایا مگر وہ اپنے ریاستی انتشار اور قوت کی کمی کے باعث کچھ کر گزرنے سے قاصر رہا۔

شاہ فریڈرک دوم کی موت کے بعد اس کا بیٹا کانرڈ چہارم کے لقب سے 648ھ میں تخت پر بیٹھا۔ بیزنطینی کلیسا نے ایک بار پھر مسلمانوں کو ان علاقوں سے باہر نکالنے کا مطالبہ کیا اور دینِ نصرانیت کی خدمت اختیار کرنے پر زور دیا۔ اس کے علاوہ کئی پُرکشش سہولتیں بھی دینے کے وعدے کئے مگر شاہ کانرڈ چہارم نے بھی اپنے باپ کی روش کو برقرار رکھا اور مشرقی کلیسا کے نصرانیت زدہ مطالبات کو نظرانداز کرتے ہوئے مسلمانوں سے عمدہ سلوک کیا۔ شاہ کانرڈ چہارم 652ھ میں وفات پاگیا تو سلطنت کا بوجھ اس کے بھائی شاہ منفریڈ کے کندھوں پر ڈال دیا گیا جو کہ پہلے سے جانشین مقرر تھا۔ بیزنطینی کلیسا نے ایک بار پھر کوشش کی تو شاہ منفریڈ نے مشرقی کلیسا کے سابقہ اقدامات کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا اور اس کے خلاف پُرزور پروپیگنڈا کا آغاز کردیا۔ شاہ

منفریڈ کی پوری کوشش تھی کہ پورے یورپ کے نظامِ سلطنت کو نصرانی اثرات سے بالکل پاک کردیا جائے اور مسلمانوں کی مانند متوازن اقتدار کی روش ڈالی جائے اگر دیکھا جائے تو اس کی کوشش نہایت عمدہ اور قابلِ تعریف تھی، جس کے باعث پورے یورپ میں مسلمانوں کی مخالفت کے بجائے باہمی اتفاق سے نہ صرف امن واماں کی فضا قائم ہوجاتی اور طویل عرصے سے چھڑی ہوئی تعصب پسندی کی مذہبی جنگ مٹ جاتی بلکہ تمدن و ترقی کی نشوونما کی نئی راہیں کھل جاتیں مگر شاہ منفریڈ کی اس قابلِ تحسین کوشش میں کوئی بھی مکمل ساتھ دینے پر آمادہ نہیں تھا۔ اندلس تازہ تازہ نصرانی قبضے میں آیا تھا، وہاں کے تعصب پسند حکمران یہ قطعاً نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو زیادہ دیر تک ان کی سرزمین پر رہنے کا کوئی موقعہ فراہم کیا جائے۔ ان کا تو صرف یہی مطالبہ تھا کہ اندلس صرف نصرانیوں کا ہے۔ وہاں مسلمانوں کے مستقل رہنے یا عارضی قیام کی کوئی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ انہیں تو غرناطہ کی اسلامی سلطنت بھی کانٹے کی مانند چبھ رہی تھی۔ وینس اور جینوا کی ریاستیں مفاد اور مطلب پرستی میں مشہور تھیں۔ فرانس، انگلستان، اینکوطونیا، ڈنمارک کی بڑی ریاستیں مشرقی و مغربی کلیسا کے جال میں پھنسی ہوئی تھیں۔

شاہ منفریڈ نے نصرانیت کے چنگل میں پھنسی ہوئی ریاستوں کی جانب سے اپنی مخالفت کو دیکھتے ہوئے بھی ہمت نہیں ہاری اور اپنے مؤقف اور کوششوں پر ڈٹا رہا۔ وہ ہر روز شاہی فرمان لکھواتا اور مختلف فرمانرواؤں کو بھجواتا رہتا۔ اُسے جب بلادِ مصر کی جانب سے سفارت کی آمد کا علم ہوا تو اس نے بڑے اہتمام سے قاضی جمال الدین ابن واصل کو شاہی دربار میں بلوایا۔ قاضی جمال الدین کے علمی فضائل سے وہ کسی قدر آگاہ ہوچکا تھا لہٰذا اس نے خود اُٹھ کر ان کا استقبال کیا۔ قاضی جمال الدین کو خصوصی نشست دی گئی۔ قاضی جمال الدین نے اپنی آمد کا مقصد واضح کرتے ہوئے سلطان بیبرس کی جانب سے دوستی کا پیغام پڑھ کر سنایا اور مسلمانوں کی حمایت اور ان کے حقوق کا خصوصی خیال رکھنے پر اس کے حسنِ سلوک کو سراہا تو شاہ منفریڈ بے حد مسرور دکھائی دیا۔ اس نے سلطان بیبرس کا شکریہ ادا کیا اور ریاست اطالیہ میں مسلمانوں کے لئے اُٹھائے گئے اقدامات کے بارے میں قاضی جمال الدین کو تفصیل کے ساتھ بتایا۔ باتوں باتوں میں مشہور فلسفی اقلیدس کا ذکر چھڑ گیا تو شاہ منفریڈ نے اقلیدس کی کتب کے کئی پہرے زبانی سنا ڈالے جس پر قاضی جمال الدین جیسی شخصیت بھی دم بخود رہ گئی۔ قاضی جمال الدین کے استفسار پر شاہ منفریڈ نے خود بتایا کہ اسے اقلیدس کی تمام کتب ازبر ہیں۔ شاہ منفریڈ کی علم دوستی کا حال دیکھتے ہوئے قاضی جمال الدین نے انہیں چند اپنے لکھے ہوئے رسائل پیش کئے۔ جن کا اس نے تہہ دل سے شکریہ ادا کیا اور انہیں اپنی شاہی کتب خانے کی زینت بنایا۔ اس نے قاضی جمال الدین کو لوشیریہ نامی شہر کے قریب ٹھہرایا اور خصوصی گذارش کی کہ وہ ان کے لئے علمِ منطق پر ایک رسالہ تحریر فرمائیں۔ قاضی جمال الدین نے بخوشی اس کی خواہش کے مطابق علمِ منطق پر کتاب لکھنے کا وعدہ کرلیا۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین گردن گھما کر شک بھری نگاہوں سے اس بلند قامت اجنبی تاتاری کو دیکھ رہا تھا جو گھوڑے کی باگیں سنبھالے ان کے قریب پہنچ چکا تھا۔ فوناجو خان کو اس بات پر حیرت تھی کہ کوئی شخص کچھ دیر پہلے اپنے گھوڑے کے ساتھ وہاں پہنچ جائے اور اسے اس کی آمد کی کوئی خبر تک نہ ہو، یہ کیسا معمہ ہے۔ ممکن تھا کہ وہ جب پہاڑی بکرے کے ساتھ نبرد آزما تھا، اس وقت وہ ان کی جانب بڑھ رہا ہو، بہرکیف جو کوئی بھی تھا نہایت دبے قدموں ان کی جانب بڑھا تھا۔ سرخی مائل بالوں کا لباس اس کے جسم پر موجود تھا۔ وہ شکل وصورت سے تاتاری

ضرور دکھائی دیتا تھا مگر نہ جانے کیا بات تھی کہ مطیع الدین کو اس کے تاتاری نہ ہونے پر ہلکا سا شبہ ہونے لگا۔ فونا جو خان پہاڑی بکرے کو ایک جانب ڈال کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اجنبی تاتاری پاس پہنچ چکا تھا۔ اس کے چہرے پر ابھی تک اپنے سوال کے جواب کی توقع جھلک رہی تھی۔

''پہلے تم بتاؤ کہ تم کون ہو؟'' مطیع الدین نے نرمی سے پوچھا۔

''یہ کیا بات ہوئی؟ پہلے سوال میں نے کیا تھا لہٰذا اخلاق کا تقاضہ یہی ہے کہ تم میرے سوال کا جواب دو''۔ اجنبی تاتاری کے لہجے میں شرارت سی عود کر آئی۔ مطیع الدین اس کے ظریفانہ انداز پر جز بز سا ہوا جبکہ فونا جو خان کی آنکھوں میں عجیب سی ناگواری ابھری۔

''ٹھیک ہے! ہم اخلاقیات کا لحاظ کرتے ہوئے اپنا تعارف کرا دیتے ہیں۔ میرا نام مطیع الدین ہے، یہ میرا ساتھی فونا جو خان ہے اور ہم سرائے کے مسافر ہیں''۔ مطیع الدین نے بتایا۔

''اس سے پہلے کہ میں یہ سوال اُٹھاؤں کہ تمہارے لباسوں پر یہ خون کے خشک دھبے کیسے ہیں؟ پہلے اپنے بارے بتا دینا ضروری ہوگا، میرا نام ارزق ہے، میں صحرائی ہوں اور پیشے کے لحاظ سے مغنی ہوں''۔ اجنبی نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ مطیع الدین اس کے اندازِ گفتگو پر مسکرانے لگا۔ فونا جو خان اس کی جانب سے بے پرواہ ہو کر بکرے کی کھال اتارنے میں مصروف ہو گیا۔

''تمہارا تعلق کس قبیلے سے ہے؟'' مطیع الدین نے پوچھا۔

''میرا تعلق کسی قبیلے سے نہیں۔ میں خود کو صحرائے گوبی کا بیٹا سمجھتا ہوں۔ کل تک قبیلے کی بیڑیاں میری شناخت ہوا کرتی تھیں مگر الحمدللہ جب سے میں حلقۂ اسلام میں داخل ہوا ہوں، خود کو آزاد اور ہر رسم سے پاک سمجھتا ہوں''۔ ارزق نے جواب دیا۔ فونا جو خان اس کی بات پر چونکا اور تیز نگاہ اس پر ڈالی۔ یہ حقیقت تھی کہ اُسے تاتاریوں کا مسلمان ہونا ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔

''مجھے تم سے مل کر دلی خوشی ہوئی''۔ مطیع الدین کا چہرہ کھل سا گیا۔ ''کیا میں تمہاری منزل کے بارے میں کچھ دریافت کر سکتا ہوں''۔

''یوں تو میری کوئی منزل نہیں۔ فی الوقت میں بھی سرائے کی راہ اختیار کیے ہوئے ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ ہمارا قاآن اعظم برقائی خان اسلام کی خدمت میں بڑا پُرجوش مبلغ بن چکا ہے۔ بس اسی کی ایک جھلک دیکھنے کی خواہش مجھے خراسان سے کھینچ لائی ہے''۔ ارزق نے کہا۔

خراسان کا نام سنتے ہی مطیع الدین کے ماتھے پر بل پڑنے لگے۔ خراسان ایل خانی منگولوں کے مقبوضات میں سے ایک تھا۔ مطیع الدین کے دل میں یہ شبہ سر اُٹھانے لگا کہ کہیں یہ ایل خانی مخبر نہ ہو۔ ارزق مطیع الدین کے چہرے کے تغیر کو بخوبی محسوس کر چکا تھا، اس نے فوراً کہا۔

''شیطان کا کام ہی دلوں میں وسوسے ڈالنا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہو؟ مگر مجھے تمہیں اپنی صفائی دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اب چونکہ یہ بات کھل چکی ہے کہ ہم سب لوگوں کی منزل ایک ہی ہے تو اگر تم لوگ رضامندی کا اظہار کرو تو ہم سب اکٹھے سرائے تک کا سفر کر سکتے ہیں ورنہ مجھے تنہا سفر کرنے میں کوئی عار نہیں''۔ ارزق نے کہا۔

مطیع الدین اس کی بات پر کچھ سوچنے لگا۔ فونا جو خان کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے اسے ارزق کی باتوں سے کچھ دلچسپی نہ ہو۔ وہ ساتھ چلے یا ان سے الگ۔ وہ بدستور بکرے کے ساتھ زور آزمائی میں مصروف رہا۔ اس دوران ارزق نے گھوڑے کی باگیں چھوڑ دیں اور وہ چشمے کی گھاس میں منہ مارنے لگا۔

''تم ہمارے ساتھ سفر کر سکتے ہو..... جب ہماری منزل ہی ایک ہے تو الگ الگ سفر کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ البتہ اگر تم نے کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو ہم سے خیر خواہی کی امید نہ رکھنا''۔ مطیع الدین نے جواب دیا۔

''غلط حرکت.....؟'' ارزق کے چہرے پر تعجب پھیل گیا۔ ''میں کچھ سمجھا نہیں''۔

''میرا مقصد سمجھا نا نہیں صرف آگاہ کرنا ہے''۔ مطیع الدین نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''تم صورت سے تو عرب دکھائی دیتے ہو مگر تمہارے تیور عربوں جیسے نہیں ہیں۔ انداز و اطوار سے یہی واضح ہوتا ہے کہ تم یقیناً ترک ہو، تمہاری سوچ کے زاویے میں سمجھ چکا ہوں میں ایک مغنی ہوں، نغمات و سُر کی لطافت سے میرا وجود رقص کرتا ہے، ناروا سلوک اور گھناؤنی حرکات سے مجھے گھن آتی ہے۔ تمہارے شکوک و شبہات کے سائے میں رہنے کے بجائے زیادہ بہتر یہی ہے کہ میں تنہا ہی سفر کروں''۔ ارزق کے لہجے میں عجیب سی چبھن چھپی ہوئی تھی۔

''تم تو برا مان گئے، میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں تھا''۔ مطیع الدین خجل ہو کر بولا۔

ارزق نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسی دوران فونا جو خان بکرے کی کھال اتار کر اسے بھوننے کے لئے تیار کر چکا تھا۔ اس نے مطیع الدین کو لکڑیاں اکٹھی کرنے کے لئے کہا۔ مطیع الدین خاموشی سے اُٹھ کر چشمے سے کچھ دور بکھری ہوئی خشک لکڑیاں چننے میں مصروف ہو گیا۔ ارزق نے گھوڑے کی کاٹھی سے بربط اتاری اور ہلکی سی لے پر دھیمے دھیمے گنگنانا شروع کر دیا۔ وہ کوئی صحرائی گیت گا رہا تھا۔ فونا جو خان اس کے گیت پر چونک سا گیا۔ وہ تاتاریوں کا قدیم لوک گیت تھا جس سے دلوں کے تار جھنجھنا اُٹھتے تھے۔ ارزق کی خوش الحانی کے باعث فونا جو خان کے من میں عجیب سی گھنٹیاں گونجنے لگیں۔

❁❁❁

قاضی جمال الدین نے لوشیریہ میں قیام کرتے ہوئے اطالیہ کے شاہ منفریڈ کے لئے علم منطق کا رسالہ مکمل کرتے ہی اُسے خبر دی۔ وہ دوران تحریر کئی بار قاضی موصوف کے پاس خود آ چکا تھا۔ اس کی یہ بے چینی اس کی علم و فن سے دوستی اور محبت کا کامل ثبوت تھی کہ وہ ایک چھوٹی سی کتاب کے بارے میں کس قدر فکرمند اور جنون میں مبتلا تھا۔ شاہ منفریڈ نے کتاب کی تکمیل کا سنتے ہی لوشیریہ کی راہ لی۔ اسی دوران پورے اطالیہ میں فرانسیسی پیش قدمی کی تیاریوں کی خبریں سر اُٹھانے لگیں۔ قاضی جمال الدین کو بھی اس بابت خبر مل چکی تھی۔ شاہ منفریڈ سے ملاقات پر قاضی جمال الدین نے کتاب پیش کرتے ہوئے فرانسیسی حملے کی تیاری کے بارے میں گفتگو چھیڑ دی شاہ منفریڈ یہ ذکر سن کر استہزائیہ انداز میں ہنسا اور کہنے لگا۔

''وہ بڈھا کھوسٹ شاہ لوئی نہم! جانے خود کو کیا سمجھتا ہے، ارضِ مقدس میں ذلت آمیز خواری اُٹھانے کے بعد اب اُسے کسی طرح اپنا دامن بھی تو دھونا تھا، ارضِ مقدس نہ سہی تو اطالیہ ہی سہی''۔ شاہ منفریڈ کا انداز بے حد لاپروائی کا سا تھا جیسے اُسے شاہ لوئی نہم کی اس حرکت پر ذرا سی بھی تشویش نہ ہو یا اسے اپنی عسکری قوت پر پورا بھروسہ ہو۔

''شاہ کی بے پروائی کا دامن کچھ زیادہ ہی وسیع دکھائی دیتا ہے، دانا کہتے ہیں کہ دشمن کو کسی حال میں بھی اپنے سے کمزور نہیں سمجھنا چاہئے''۔ قاضی جمال الدین نے فکرمندی سے کہا۔

''قاضی محترم! زندگی سے صرف یہی سبق سیکھا ہے کہ جینا ہے تو شیروں کی مانند جیو، کیڑے مکوڑوں کی طرح جینا بھی بھلا کوئی زندگی کہلاتی ہے۔ وہ میدان ہی کیا جہاں مردانگی کا مظاہرہ دیکھنے کو نہ ملے۔ دشمن اگر

بہادر و شجاع ہے تو ہم نے بھی اپنی عمر ایوانوں میں نہیں گنوائی''۔

''شاہ محترم!'' قاضی جمال الدین اس کے جذبہ شجاعت کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''آپ کا کہنا بجا! مگر بیزنطینی کلیسا میں ابھی بھی دم خم باقی ہے۔ اس کی طاقت و حمایت فرانسیسی لشکر کے ساتھ ہونا کسی قدر فکرمندی کی بات ہے۔ اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو میں سلطان سپرس سے اس ضمن میں مشورہ کروں۔ میں خود بھی ریاست اطالیہ کی خیر خواہی کے اس کار نیک میں شریک ہونے کا متمنی ہوں''۔

''قاضی ابن واصل! کیا آپ کو جنگی ہتھیاروں سے کچھ آگاہی بھی ہے؟'' شاہ منفریڈ بولا۔

''کیوں نہیں شاہ محترم!'' قاضی جمال الدین مسکرا کر بولے۔

''ہمارے لئے یہ بات کسی تعجب سے کم نہیں کہ آپ جیسا ذہین اور عالم شخص بھی جنگی علوم سے دلچسپی رکھتا ہوگا۔ بہرکیف آپ جیسی قابل احترام شخصیات کو میں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھنا تو پسند کرسکتا ہوں مگر آپ جیسے لوگوں کو میدان جنگ میں جھونکنا میرے لئے ناپسندیدہ اور ناقابل برداشت بات ہوگی''۔ شاہ منفریڈ دوٹوک انداز میں بولا۔

''میرے کہنے کا مطلب تو یہ تھا کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں سلطان محترم سے عسکری معاونت کی بات کروں''۔ قاضی جمال الدین نے جلدی سے کہا۔

''قاضی ابن واصل!'' شاہ کے چہرے پر مسکراہٹ سی پھیل گئی۔ ''آپ بخوبی جانتے ہیں کہ بلاد مصر اور اطالیہ کے درمیان طویل و عریض فاصلہ موجود ہے اور اس فاصلے میں گہرے سمندر کا پھیلا ہوا وسیع حصہ بھی شامل ہے۔ سلطان کی مخلصانہ مدد کے بارے میں ہمیں کوئی شک نہیں مگر ایسا فوری طور پر ہونا ممکن نہیں''۔ شاہ منفریڈ نے جواب دیا۔

''شاہ محترم! مسلمانوں کے لئے فاصلے کوئی معنی نہیں رکھتے۔ آپ ایک بار سلطان محترم کو اشارہ کر کے تو دیکھیں''۔ قاضی جمال الدین کے لہجے میں شدت تھی۔

''قاضی ابن واصل!'' شاہ منفریڈ کے چہرے پر خوشگواری جھلکنے لگی۔ ''ہمیں تمہاری ہمدردی اور خلوص سے دلی مسرت ہوئی ہے۔ ہمیں سلطان کی آزمائش مقصود نہیں ہے مگر پھر بھی وہ ہماری مدد کرنے پر تیار ہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ مجھے اپنی افواج پر پورا بھروسہ ہے کہ وہ شاہ لوئی نہم جیسے شکست خوردہ حکمرانوں سے نمٹنا بخوبی جانتی ہیں''۔

''شاہ منفریڈ کو اللہ تعالیٰ کامیابی و فتح نصیب سے ہمکنار کرے۔ میں آج ہی واپسی کی تیاری کروں گا اور انشاء اللہ جلد ہی سلطانی افواج اطالیہ میں پہنچ جائیں گی''۔ قاضی جمال الدین نے پُرجوش انداز میں جواب دیا۔ شاہ منفریڈ نے قاضی جمال الدین کے آخری جملے پر کچھ تبصرہ نہیں کیا اور وہ اس مختصر ملاقات کے بعد واپس لوٹ گیا۔ فرانسیسی لشکر کی بھرپور تیاریوں کی خبریں پورے ملک میں پھیل چکی تھیں۔ قاضی ابن واصل نے جمعہ کی نماز سے پہلے جامع مسجد لوشیریہ میں ایک زوردار وعظ کیا اور انہیں شاہ منفریڈ کا مکمل ساتھ دینے کی ہدایت کی تاکہ اطالیہ میں مسلمانوں کی مذہبی آزادی محفوظ رہ سکے۔ قاضی جمال الدین اطالیہ میں سات ماہ کے قیام کے بعد شاہ منفریڈ کی جانب سے سلطان سپرس کے لئے قیمتی تحائف اور سفارتی مراسلے کے ساتھ واپس قاہرہ کی جانب روانہ ہوگئے۔

❁❁❁

شیخ کبیر الدین قلعہ الموت سے فرار ہو کر شام پہنچ گیا۔ جہاں فدائی گروہ نے کئی قدیم اور ویران

پہاڑی قلعوں پر قبضہ کر رکھا تھا۔ باطنیہ فرقہ حشیشی یا حشاشہ کے نام سے مشہور تھا۔ اس فرقہ کی خفیہ تحریک کی بنیاد حسن بن صباح نے 483ھ میں رکھی تھی۔ حسن بن صباح دنیوی لحاظ سے معمولی حیثیت کا حامل شخص تھا لیکن اپنی غیر معمولی ذہانت اور بلند ہمتی کی بدولت اس نے بڑا عہدہ حاصل کیا۔ اس نے سب سے پہلے قلعہ الموت پر قبضہ کیا جو کہ ماژندران میں نہایت پیچیدہ گھاٹیوں کے اندر ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا اور حریفوں کے لئے خون کے دریا میں تیرے بغیر اس پر قبضہ کرنا محال تھا۔ حسن بن صباح نے اسی قلعہ کو اپنا صدر مقام بنایا۔ سلطان ملک شاہ سلجوقی کے آخری دور میں حسن بن صباح کی قیادت میں باطنیہ فرقہ نے بڑا زور پکڑا۔ انہوں نے طبس، قائن، تون، خالنجان، گردکوہ، خور، خوسف، اردبن، الناظر، الطبور اور بیسیوں دوسرے قلعوں پر قبضہ کر کے زبردست فوجی قوت منظم کر لی ان کاوشوں کے بعد حسن بن صباح نے دولت اسمٰعیلیہ شرقیہ (دولت ملاحدہ قہستان) کے نام سے ایک علیحدہ مملکت قائم کر لی۔ اس مملکت کے حکمرانوں کا لقب شیخ الجبل یا شیخ الجبال تھا۔

باطنیہ فرقہ میں نظام حکومت کی تشکیل کے بعد کئی درجات ترتیب دیئے گئے جن میں داعی الدعاۃ، داعی الکبیر، داعی رفیق اور فدائی وغیرہ شامل تھے۔ فدائی گروہ کے علاوہ باقی تمام عہدوں کے لوگ تبلیغ و انتظام میں مشغول رہتے تھے جبکہ فدائی طبقہ آنکھیں بند کر کے بلا عذر و حجت شیخ الجبل کے ہر حکم کی تعمیل کرنا اپنا فرض عین سمجھتا تھا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ حسن بن صباح نے اپنے فدائین کو قبضہ میں رکھنے کے لئے قہستان کی دشوار گذار پہاڑیوں سے گھری ہوئی ایک پُرفضا گھاٹی میں ایک مصنوعی جنت تعمیر کر رکھی تھی۔ مؤرخین نے اس مصنوعی جنت کا ایسا دلکش نقشہ کھینچا ہے کہ نگاہوں کے سامنے اصلی جنت کے نظارے گھوم جاتے ہیں۔ حسن بن صباح اپنے منظور نظر فدائیوں کو بھنگ پلا کر مدہوش کر دیتا تھا اور ان کو اسی مدہوشی کے عالم میں اپنی اس مصنوعی جنت میں پہنچا دیتا۔ چند دن تک انہیں وہیں رکھ کر بھنگ کی مدہوشی میں مبتلا کر کے اپنی جنت سے باہر نکال دیتا تھا۔ یہ لوگ اس مصنوعی جنت کی خواہش میں ایسے مبتلا ہو جاتے کہ وہ سب کچھ کر گذرنے پر تیار رہتے۔ وہ جب اپنے ساتھیوں سے اس جنت کا ذکر کرتے تو وہ سب اس ''جنت'' کی آرزو میں دیوانے دکھائی دیتے۔ حسن بن صباح کے بعد دوسرے حکمرانوں نے بھی اس روش کو برقرار رکھا۔ اس کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ فدائین شیخ الجبل کے حکم پر پہاڑ سے کود کر یا کسی بھی دوسرے طریقے سے جان دینے کو کھیل سمجھنے لگے۔ حسن بن صباح نے باطنیہ فرقہ میں ایسا جوش و خروش پیدا کر دیا تھا کہ وہ چند ہی سالوں میں اردگرد کے علاقوں پر چھا گئے۔ سلطان محمد سلجوقی اور سلطان سنجر سلجوقی جیسے زبردست حکمرانوں نے ان کی بیخ کنی کی پوری کوشش کی مگر ان کا قلع قمع نہ کر پائے۔

حسن بن صباح کے جانشینوں نے خفیہ حملوں کی روش کو اختیار کرتے ہوئے اپنے فدائیوں سے بے شمار قیمتی شخصیات کو ہلاک کروایا۔ وہ جس شخص کو اپنی مخالفت میں زوردار پاتے، اسے اپنے کسی فدائی کے ہاتھوں قتل کروا ڈالتے۔ فدائیوں کا آلۂ قتل بالعموم زہر میں بجھا ہوا تیز دھار خنجر ہوا کرتا تھا۔ فدائی حملوں کا شکار بے شمار سیاسی، مذہبی اور دینی شخصیات ہوتی رہیں۔ دینی پیشوا عموماً باطنیہ فرقہ کے عقائد پر کڑی تنقید کیا کرتے تھے۔ دربار خلافت بھی ان کی شورش سے نہ بچ پایا۔ بغداد کا عباسی خلیفہ مسترشد باللہ بھی فدائی خنجر کا نشانہ بن چکا تھا۔ ایل خانی منگول حاکم آقسنقر بھی اس کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر گیا۔ مسلمان حکمرانوں اور ایل خانی منگولوں کی بھرپور کوششوں کے باوجود فدائیوں کے خلاف مؤثر انتظام نہ کیا جا سکا۔ اکابرین وقت کے علاوہ عام مسلمان رعیت بھی ان کی بھینٹ چڑھتی رہی۔ سلطان محمد سلجوقی کے عہد میں اصفہان نامی شہر میں سے ایک

فدائی سازش بے نقاب ہوئی، جس میں پانچ سو کے قریب مسلمانوں کی لاشیں ایک مکان سے برآمد ہوئیں۔ فدائی گروہ نے سلطان صلاح الدین ایوبی جیسی مجاہد کبیر شخصیت پر بھی قاتلانہ حملے سے دریغ نہیں کیا۔ یہ الگ بات تھی کہ سلطان صلاح الدین ایوبی اپنی خوبی قسمت سے بچ گیا ورنہ فرقہ باطنیہ نے اپنی طرف سے اس کی زندگی کا چراغ گل کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی۔ اسلام کا قالب اوڑھے ہوئے یہ دہشت گرد گروہ پونے دو سو سال تک عالمِ اسلام کے جسد کا ناسور بنا رہا۔

قدرت کا انصاف دیکھئے کہ اس خونخوار گروہ کا استیصال اسلام دشمن گروہ کے ہاتھوں ہوا۔ 654ھ میں ہلاکو خان سیل بلا کی طرح قلعہ الموت کی جانب بڑھا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا ڈالی۔ اس وقت فرقہ باطنیہ کا ساتواں حکمران خورشاہ بن علاء الدین حاکم تھا ہلاکو خان نے سلطنت باطنیہ کے دو درجن کے قریب قلعوں کو تباہ و برباد کیا اور بارہ ہزار سے زائد باطنیوں کو ہلاک کر ڈالا۔ ہلاکو خان نے سلطنت باطنیہ پر گہری کاری ضرب لگائی تھی لیکن وہ ان کا کلیۂ خاتمہ نہ کر سکا۔ اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ سلطان ظہیر نے معرکہ جالوت کے فوراً بعد آگے بڑھ کر تاتاریوں کو شکست دے کر شام سے نکال باہر کیا۔ اس طرح تہستان سے شام تک قلعوں کے سلسلے میں سے بلادِ شام کے تمام قلعے مکمل طور پر محفوظ رہ گئے تھے۔ ہلاکو خان کی واپسی پر پہاڑوں میں روپوش فدائیوں نے دوبارہ قلعہ الموت پر قبضہ کر لیا اور باطنی سلطان خورشاہ کے بھتیجے شیخ کبیر الدین نے اپنی آزاد حکومت قائم کر لی، یہ حکومت سابقہ حکومتوں جیسی زبردست تو نہ تھی مگر اس کا دوبارہ قائم ہو جانا ایک اہم بات تھی۔

قلعہ الموت کے باطنی حاکم شیخ کبیر الدین کو برقائی خان جیسے طاقتور حاکم کی مدد سے کسی قدر یہ امید پیدا ہوئی تھی کہ وہ جلد ہی دوبارہ اپنی سابقہ حیثیت بحال کرنے میں کامیاب ہو جائے گا مگر قدرت کو یہ بات منظور نہیں تھی۔ برقائی خان کا ساتھ دینے کے جرم میں وہ ہلاکو خان کے عتاب کا شکار ہو گیا۔ قلعہ الموت مکمل طور پر ایل خانی قبضے میں جا چکا تھا۔ شیخ کبیر الدین اپنی جان بچا کر شام کی اہم پناہ گاہوں کی جانب روانہ ہوا۔ سرحد شام کے پہاڑی سلسلے میں بانیاس، مصیاف، الکہف اور خوابی کے قلعے ابھی تک فدائیوں کے قبضے میں موجود تھے شیخ کبیر الدین جب قلعہ بانیاس پہنچا تو اسے دو اہم مرحلے درپیش تھے۔ سب سے اہم مرحلہ اپنی حاکمیت قائم کرنا تھی، دوسرا فدائی گروہ کے اکھڑے ہوئے قدموں کو مضبوط کر کے ہلاکو خان سے بدلہ لینا تھا۔

❁ ❁ ❁

تاتاری مغنی ارزق کے گیتوں نے نوئنا جو خان کے دل میں نرمی کا گوشہ پیدا کر ڈالا تھا وہ اپنے لوک گیتوں کے باعث اس کا دیوانہ دکھائی دینے لگا۔ وہ ارزق کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گذارنا پسند کرتا تھا۔ مطیع الدین بھی ارزق کے حسن سلوک اور خوش اخلاقی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ارزق کی شخصیت میں کئی خوبیاں موجود تھیں۔ وہ ایک اچھا مغنی ہونے کے ساتھ ساتھ ہر کام میں ماہر دکھائی دیتا۔ نوئنا جو خان کے شکار کردہ پہاڑی بکرے کو جس عمدگی سے ارزق نے بھونا تھا، اس کی لذت کئی دنوں تک ان کے منہ میں بسی رہی۔ وہ سب ایک ساتھ سفر کرتے ہوئے سمرقند پہنچ گئے جہاں انہیں معلوم ہوا کہ خیام زرّیں سلطان برقائی خان سرائے میں موجود نہیں بلکہ وادی قفقاز کے نواح میں موجود ہے۔ انہوں نے باہمی صلاح سے اپنا رُخ موڑا اور قفقاز کی جانب بڑھنے لگے۔ ارزق کو کہیں قیام کی خواہش نہیں تھی بلکہ وہ صرف برقائی خان سے ایک ملاقات کرنے کا خواہشمند تھا۔ نوئنا جو خان کے رد کھے پن کو مطیع الدین نے محسوس کر لیا تھا۔ ایک دن وہ اس کے گرد ہو گیا اور وجہ دریافت کرنے لگا۔ تاتار اصرار پر عقدہ کھلا کہ نوئنا جو خان مطیع الدین کی اس حرکت کو بھلا نہیں پایا

جو اس نے قلعہ الموت کی وادی میں اس کے ساتھ کی تھی۔

''یعنی تم مجھ سے صرف اس لئے ناراض ہو کہ میں نے تمہیں موت کے منہ میں دیکھ کر بے ہوش کر ڈالا تاکہ تمہاری زندگی بچ جائے''۔ مطیع الدین تیز لہجے میں چیخا۔

''جادوانی آسمان کی قسم! یہ میرے لئے موت کا مقام ہے کہ تمہاری بدولت میں آج بزدلی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوں''۔ نوئنا جو خان نے ناگواری سے کہا۔

ارزق کو ساتھ رہتے ہوئے قلعہ الموت کا تمام واقعہ معلوم ہو چکا تھا۔ وہ نوئنا جو خان کی دلی کیفیت کو سمجھ رہا تھا۔ اس نے بھی مطیع الدین کی مخالفت کرتے ہوئے میدانِ جنگ سے فرار کو اچھا عمل نہیں گردانا۔

''تم نہیں جانتے ارزق!'' مطیع الدین جلدی سے بولا۔ ''وہاں کی صورتِ حال ایسی نہیں تھی کہ جم کر مقابلہ کیا جا سکتا۔ چند سو سپاہیوں کے بل پر ہزاروں کے لشکر سے بھڑنا سراسر خودکشی کی بات تھی۔ دوسرا ہمارا مقصد وہاں فتح و شکست نہیں تھا بلکہ سر پر چھائے ہوئے شدید ترین خطرے کے عالم میں اپنے حلیف شیخ کبیر الدین کی زندگی کی حفاظت کرنا تھا۔ تم دیکھ لینا جب یہ بات برقائی خان کو معلوم ہو گی تو یقیناً میری تعریف کرے گا''۔

''اگر تمہارے مؤقف کی نگاہ میں تمہارے فعل کو جانچا جائے تو یقیناً یہ حرکت قابلِ تعریف ہو سکتی ہے مگر ایک جنگجو کی نگاہ سے تمہارا فعل بزدلی کی عکاسی کرتا ہے''۔ ارزق نے مختصر آرائے دی۔

''نوئنا جو خان بخوبی جانتا ہے کہ میں نہ تو بزدل ہوں اور نہ ہی مجھے میدان جنگ سے فرار سے کوئی دلچسپی ہے۔ میں سپاہی نہ سہی مگر ایک باشعور غیرت مند ضرور ہوں۔ اگر میں کسی کو ساتھ دینے کا قول دے دوں تو پھر میں ہر جائز و ناجائز طریقے سے اس کی حفاظت کرنا اپنا اوّلین فرض سمجھتا ہوں''۔ مطیع الدین ٹھوس لہجے میں بولا۔

ممکن تھا کہ دونوں اپنے اپنے مؤقف پر یونہی جمے رہتے۔ ارزق نے نہایت خوبصورتی سے ان کے درمیان تلخی کی فضا کو مٹاتے ہوئے ان کی صلح کروا دی۔ کوئی اور موقعہ ہوتا تو نوئنا جو خان کو منانا آسان کام نہیں تھا۔ وہ پہلے ہی ارزق سے متاثر ہو چکا تھا اس لئے اس کی بات ٹال نہ پایا۔ کچھ ہی دیر میں دونوں کے درمیان سابقہ انداز کی نوک جھونک بحال ہو گئی۔ وہ دونوں ایک دوسرے پر فقرے کستے ہوئے خوشگوار انداز میں وادی قفقاز کی جانب بڑھنے لگے۔ ان دونوں کی نوک جھونک میں گل وقوڑ کا سلسلہ بھی چھڑ گیا۔ تاتاری مغنی ارزق گل وقوڑ کا نام سن کر مطیع الدین سے تفصیل دریافت کرنے لگا۔ مطیع الدین عجیب سے انداز میں جھینپا سا دکھائی دیا۔ کچھ ہی دیر میں ارزق گل وقوڑ کی شخصیت سے پوری طرح آگاہ ہو چکا تھا۔ اسے مطیع الدین کی نرالی محبت پر حیرت بھی تھی۔ مطیع الدین گل وقوڑ کے ذکر پر مغموم سا ہو کر گیا۔ اس کی تیزی طراری معدوم ہو کر رہ گئی۔ گل وقوڑ سے جدائی کا عرصہ شمار کرتا رہا۔ کئی بار اسے گل وقوڑ کی موجودگی کی خبر ملی مگر منزل پر پہنچنے کے بعد وہ محض خاک چھانتا رہ گیا۔ گل وقوڑ اس کے لئے ایک معمہ بن کر رہ گئی تھی۔ وہ اس کی بھولی بھالی صورت دیکھنے کو ترس سا گیا۔ ارزق نے مطیع الدین میں پیدا ہونے والی اس تبدیلی کو واضح طور پر محسوس کر لیا تھا۔ اس نے نوئنا جو خان کو علیحدہ کر کے ہلکے پھلکے انداز میں سمجھایا کہ وہ مطیع الدین کو مزید نہ تنگ کرے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ صدمے و غم کی حالت میں اس پر پل پڑے۔

وہ تینوں سفر کرتے ہوئے کوہ قفقاز کے قریب ایک بڑی وادی میں پہنچ گئے جہاں دریائے مرزند کے کنارے زرخیموں کا ایک بڑا شہر آباد تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں خیام زرّیں سپاہی عسکری مشقوں میں مصروف

تھے۔ مطیع الدین نے سب سے پہلے برقائی خان تک اپنی آمد کا پیغام پہنچایا۔ برقائی خان نے اسے خیموں میں ہی قیام کی ہدایت کی۔ شام کے وقت وہ اپنی مصروفیات سے فارغ ہو کر دریائے مرژند کی جانب نکل آیا۔ اس نے وہیں مطیع الدین کو طلب کیا۔ مطیع الدین پیغام پاتے ہی فونا جو خان اور ارزق کے ہمراہ دریا کی جانب روانہ ہو گئے۔ دریا کے کنارے پر ایک وسیع اور خوبصورت خیمہ نصب تھا جہاں محافظوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ یہ خصوصی خیمہ برقائی خان کا تھا۔

محافظوں نے ان تینوں کی جامہ تلاشی کے بعد انہیں اندر جانے کی اجازت دی۔ وہ تینوں مؤدب انداز میں اندر داخل ہو گئے برقائی خان ایک شاندار قالین پر گاؤ تکیہ سے ٹیک لگائے ہوئے براجمان تھا۔ اس نے ان تینوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ارزق حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ وہاں نہ تو کوئی شاندار تخت تھا اور نہ ہی کرسیوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ برقائی خان سادہ انداز میں زمین پر نشست اختیار کئے ہوئے تھا۔ اس میں حکمرانوں جیسی کوئی بات دکھائی نہیں دیتی تھی۔ ان تینوں نے رسمی انداز میں تعظیم دی اور اس کے سامنے بیٹھ گئے۔

''میں اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر گذار ہوں کہ اس نے تمہاری بدولت مجھے سلطان سبرس کے سامنے سرخرو ہونے کا موقعہ نصیب فرمایا۔ مطیع الدین! مجھے خوشی ہے کہ میری نگاہِ انتخاب اور فیصلہ پر تم پورے اترے ہو۔ تم نے میری دوستی اور اطاعت کا پورا پورا حق ادا کیا۔ تم مجھ سے جو چاہو، مانگ سکتے ہو''۔ برقائی خان نے کہا۔ مطیع الدین کے چہرے پر فخریہ تاثرات پھیل گئے۔ اس نے شرارت بھری نگاہ سے فونا جو خان کی جانب دیکھا جو اپنی جگہ کسمسا تا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

''قا آن اعظم! مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے دستے کی حفاظت نہیں کر سکا اور عین وقت پر آپ کے اس نادان دوست کی سازش کا شکار ہو گیا''۔ فونا جو خان تیزی سے بولا۔ وہ راستے میں جس بات کو فراموش کر چکا تھا، وہ برقائی خان کی تعریف کے باعث دوبارہ خلش بن کر چبھ سی گئی۔

''مجھے قلعہ الموت کی لڑائی کی مکمل خبر مل چکی ہے۔ ہمارے حلیف شیخ کبیر الدین نے شکریہ بھرے مراسلے میں تمام تفصیل لکھ بھیجی ہے۔ یہ سب کچھ اس قدر خاموشی سے عمل میں لایا گیا کہ ہمیں ذرا سی خبر بھی نہیں مل سکی۔ ورنہ میں کسی بھی صورت میں قلعہ الموت پر ایل خانی قبضہ نہ ہونے دیتا۔ مجھے فدائی حکومت کی شکست پر گہرا افسوس ہے مگر شیخ کبیر الدین کی زندگی بچا کر مطیع الدین نے جو احسان ہم پر کیا ہے، وہ قابل تعریف ہے۔ تمہارے دستے کی ہلاکت بھی ہمارے لئے باعث رنج ہے، ہمارا ایک ایک سپاہی نہایت قیمتی تھا مگر جو ہو چکا ہے اسے بھول کر ہمیں آئندہ کی فکر کرنا چاہئے۔ میں تمہیں پانچ سو سپاہیوں کے دستے کا امیر مقرر کرتا ہوں تا کہ تمہارے دل میں کوئی خلش باقی نہ رہ جائے''۔ برقائی خان کے لہجے میں کسی قدر افسردگی تھی۔ فونا جو خان، مطیع الدین کی دوبارہ تعریف پر مزید کچھ نہ کہہ پایا۔ اس نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔ برقائی خان نے مطیع الدین کے حوالے سے اسے چند ہدایات دیں اور پھر اسے جانے کی ہدایت کی۔ فونا جو خان خاموشی سے وہاں سے رخصت ہو گیا۔

''مطیع الدین!'' برقائی خان بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ فونا جو خان تمہارے ساتھ رہ کر خوش نہیں، اس کے لبوں پر ہمیشہ تمہارے بارے میں شکایتیں مچلتی رہتی ہیں۔ زیادہ بہتر یہی ہوگا کہ تم بھی اس سے دور رہا کرو''۔

''مگر میں نے تو اسے کبھی تنگ نہیں کیا اور نہ ہی اس کی مخالفت کا خیال میرے دل میں پیدا ہوا ہے''۔ مطیع الدین کے لہجے میں غم و حیرت عود کر آئی۔

''تمہیں آگاہ کرنا میرا کام تھا..... آگے جو تمہارے جی میں آئے وہ کرتے رہو..... تمہارے ساتھ یہ کون ہے؟ اس کا تعارف تو تم نہیں کرایا''۔ برقائی خان نے ارزق کی موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

''میں قا آن اعظم کا ایک پرستار ہوں، بہت دور سے لمبی مسافت طے کر کے صرف ملاقات کی غرض سے آیا ہوں اگر اجازت فرمائی جائے تو میں اپنا تعارف تخلیے میں کرانا چاہوں گا''۔ ارزق مطیع الدین کے بولنے سے پہلے خود ہی بول اُٹھا۔ مطیع الدین نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر برقائی خان نے اسے منع کر دیا۔ وہ مطیع الدین کے ماتھے پر شکوک و شبہات کی سلوٹیں بخوبی دیکھ چکا تھا۔

''تمہاری مراد صرف مطیع الدین ہے یا یہاں موجود باقی تمام لوگ بھی .....؟'' برقائی خان نے پوچھا۔ یہ سن کر ارزق کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''آپ نہایت سمجھ دار ہیں میرا اشارہ یقیناً سمجھ چکے ہیں''۔ ارزق مسکراتے ہوئے بولا۔ مطیع الدین اس جواب پر پہلو بدل کر رہ گیا۔ اسے ارزق کی بے اعتنائی پر غصہ آنے لگا۔

''مطیع الدین!'' برقائی خان اس کی جانب متوجہ ہو کر بولا۔ ''تمہارے لئے ایک خیمہ لگوا دیا گیا ہے۔ تم وہاں آرام کرو۔ اگر کچھ مزید کہنا چاہو تو کہہ سکتے ہو''۔

''قا آن اعظم!'' مطیع الدین مؤدب انداز میں بولا۔ ''آپ مجھے کچھ دن کے لئے رخصت کی اجازت فرمائیں، میں شام کی طرف جانا چاہتا ہوں''۔

''مطیع الدین! میں جانتا ہوں کہ تم وہاں کیونکر جانا چاہتے ہو۔ نادان مت بنو، وہ عورت اب تمہیں نہیں مل سکتی۔ شیخ کبیر الدین نے خصوصاً اس کے بارے میں مجھے آگاہ کیا ہے اور درخواست کی ہے کہ مطیع الدین کو اس امر سے باز رکھا جائے''۔ برقائی خان نے متنبہ کیا۔

''میری خواہش ہے کہ آپ اس معاملے کو میرے اور شیخ کبیر الدین تک ہی رہنے دیں اور مجھے مجبور نہ کریں''۔ مطیع الدین نے دھیمے لہجے میں کہا۔ اس کے انداز میں کسی قدر سرکشی تھی۔

برقائی خان اس کی بات پر ہنسنے لگا اور اس نے اسے شام جانے کی اجازت دے دی۔ مطیع الدین برقائی خان کے شاہی خیمے سے نکل کر محافظ کی رہنمائی میں اپنے خیمے کی جانب بڑھا۔ وہ برقائی خان کی جانب سے گل وقوژ کو بھولنے کی بات سن کر رنجیدہ سا ہو گیا۔ اس کے خیالات کے دھارے یکایک شیخ کبیر الدین کی جانب مڑ گئے۔ گل وقوژ اس کی محبت تھی، جسے گردشِ وقت نے اس سے دُور کر ڈالا تھا۔ وہ فراق کے سارے پل پار کر کے اس کے پاس پہنچنے کے لئے بے تاب تھا۔ اسے بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ گل وقوژ کو حاصل کرنے کے لئے اب اسے اپنی تلوار کو حرکت دینا ہوگی۔ شیخ کبیر الدین نے برقائی خان کے ذریعے اس کو گل وقوژ کے لئے پیغام بھیج کر کھلم کھلا للکارا تھا۔ وہ اپنے ذہن میں اس نئی صورتِ حال کے تانے بانے بننے لگا۔

''شیخ کبیر الدین! میں تم سے ملنے دوبارہ آ رہا ہوں..... مگر اب ملاقات دوستی کی نہیں، دشمنی سے تعبیر ہوگی''۔ مطیع الدین دھیمے انداز سے بڑبڑایا۔ یکلخت گھوڑے کی ہنہناہٹ کی تیز آواز نے اس کے خیالوں کا سلسلہ توڑ ڈالا۔ وہ چونک سا گیا۔ یہ یقیناً ارزق کے گھوڑے کی آواز تھی۔ وہ تیزی سے اپنے خیمے سے باہر نکلا۔ اس نے دُور سے برقائی خان کے خیمے کی جانب نگاہ دوڑائی۔ ایک محافظ ارزق کا گھوڑا لئے خیمے کی جانب بڑھتا دکھائی دیا۔ اسی اثناء میں اسے ارزق کی صورت دکھائی دی جو برقائی خان کے ساتھ خیمے سے باہر نکلتا ہوا دکھائی دیا۔ برقائی خان کے چہرے پر خوشی کے آثار موجود تھے۔ پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے برقائی خان نے ارزق سے پرجوش مصافحہ کیا۔ ارزق برقائی خان سے علیحدہ ہو کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اس کی کسی بات پر برقائی خان

نے وادی قفقاز کی جانب اشارہ کیا تو ارزق نے ہاتھ ہلا کر رخصت لی اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر وادی کی جانب بڑھا دیا۔ مطیع الدین حیرت سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ جس منظر کا اس کی آنکھوں نے مشاہدہ کیا تھا، اسے وہ کوئی مفہوم نہ پہنا سکا۔ تاتاری مغنی ارزق اسے اچانک سمرقند کے مضافات میں ملا تھا۔ وہ ان کے ساتھ سفر کرتے ہوئے یہاں تک آیا اور پھر اس کی نگاہوں کے سامنے وہ ایل خانی ریاست کی جانب روانہ ہو گیا اور برقائی خان نے بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی، الٹا اسے رخصت کرنے کے لئے خود اُٹھ کر خیمے سے باہر آیا۔ یہ عجیب پہیلی تھی جس نے لمحہ بھر کے لئے مطیع الدین کو چکرا کر رکھ دیا تھا۔

❁ ❁ ❁

شیخ کبیر الدین کی آمد پر قلعہ بانیاس کے داعی الدعاۃ شیخ ابو راضیاء نے اسے خوش آمدید کہا۔ شیخ ابو راضیاء سلطنت باطنیہ میں حکمران کے بعد سب سے اعلیٰ عہدے پر فائز تھا۔ اس کا کام تمام باطنی داعیوں کو ہدایات دینا اور ان کے امور کی جانچ پڑتال کرنا تھا۔ شیخ کبیر الدین نے قلعہ الموت میں رہتے ہوئے شیخ ابو راضیاء کو کسی قدر اپنا گرویدہ بنا لیا تھا مگر اس کی اطاعت پر کامل بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ خورشاہ جیسے حاکم کی موت کے بعد ہر اعلیٰ منصب کے حامل فرد کے دل میں حاکمیت کا شوق پیدا ہو چکا تھا۔ وہ سب خود کو ہی حرف آخر سمجھنے لگے تھے۔ شیخ کبیر الدین کی حالت بھی کچھ بہتر نہیں تھی۔ وہ قلعہ الموت سے شکست کھا کر وہاں پہنچا تھا۔ شیخ ابو راضیاء نے نہ صرف ہلاکو خان جیسے طاقتور فرمانروا کے سامنے اس کی شکست کو معمولی حادثہ قرار دیا بلکہ خوشامد کی حد تک اس کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ اتنے عرصے تک وہاں جما رہا۔ شیخ کبیر الدین نے شیخ ابو راضیاء کے سامنے صاف بات کی کہ وہ اگر اس کے اقتدار میں معاون ثابت ہو گا تو اسے وزارت کا قلمدان سونپ دیا جائے گا۔ دوسری صورت میں یہ منصب کسی دوسرے کے حصے میں بھی جا سکتا ہے۔ شیخ ابو راضیاء گھاگ اور ہوشیار شخص تھا۔ اس نے فوراً بلا حیل و حجت شیخ کبیر الدین کا بھرپور ساتھ دینے کا اقرار کیا۔ شیخ کبیر الدین نے یقین دہانی کے لئے اس سے باطنی حلف اٹھوایا تاکہ وہ بعد میں منکر نہ ہو جائے۔ یہ حلف محض قلبی اطمینان کا ذریعہ تھا ورنہ اگر کوئی سرکشی پر اُتر ہی آتا تو اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑا جا سکتا تھا۔

شیخ کبیر الدین نے قلعہ بانیاس میں رہتے ہوئے دوسرے تمام قلعوں میں اپنے مراسلے روانہ کئے اور تمام باطنی افراد کو اپنی اطاعت قبول کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی انہیں متنبہ کر دیا کہ اگر وہ اطاعت سے روگردانی کریں گے تو ان کے حق میں بہتر نہیں ہو گا، کوئی پوشیدہ خنجر انہیں موت کی نیند سلا دے گا۔ سابق باطنی حکمران خورشاہ سے تعلق کے باعث تمام اعلیٰ و ادنیٰ مناصب پر فائز باطنی افراد نے بلا تردد شیخ کبیر الدین کی اطاعت قبول کر لی۔ اس طرح شیخ کبیر الدین قہستان سے دربدر ہونے کے بعد شام کے سلسلہ کوہ کے تمام قلعوں اور اراضی کا تنہا حکمران بن گیا۔ اس نے وہاں رُکے ہوئے کاموں کا جائزہ لیا اور ان کو مناسب ہدایات دیں۔

ایک شام شیخ کبیر الدین اپنے دست راست شیخ ابو راضیاء کے ہمراہ بیٹھا ہوا تھا کہ اکابرین وقت کے قتل کی تفصیل کا باب زیر بحث آ گیا۔ شیخ ابو راضیاء نے فخریہ انداز میں اسے بتایا کہ بلادِ شام سے بے شمار اسمٰعیلی مخالفین کا صفایا کیا جا چکا ہے۔ اب اکا دکا لوگ رہ گئے ہیں، وہ بھی قتل کے خوف سے کھل کر مخالفت نہیں کرتے دکھائی دیتے۔ البتہ بلادِ فارس و عراق اور بلادِ مصر میں ہماری مخالفت میں کئی محاذ کھلے ہوئے ہیں، کئی عالم ہمارے خلاف زہر اگل رہے ہیں۔ ان کا سدباب کرنا بے حد ضروری امر ہے مگر مجبوری یہ ہے کہ ہمارے بے شمار لوگ اپنی مہم میں ناکام رہتے ہوئے وہاں مارے جا چکے ہیں۔

شیخ کبیر الدین نے تفصیل سننے کے بعد ان لڑکیوں کے بارے استفسار کیا جنہیں خنجر زنی کی خاص تربیت کے بعد شام روانہ کیا گیا تھا۔ شیخ ابو راضیاء نے بتایا کہ ان لڑکیوں میں تیس کے قریب ہلاک ہو چکی ہیں اور پانچ کو گرفتار کر کے ان پر باقاعدہ مقدمہ چلا کر موت کی سزا دی جا چکی ہے۔

شیخ کبیر الدین کو ان لڑکیوں کی موت کا سن کر گہرا صدمہ پہنچا، وہ کسی قدر مغموم سا دکھائی دیا۔ اچانک اسے کچھ یاد آ گیا۔ اس نے نصرانی لڑکی ایزیلا کے بارے میں دریافت کیا۔ اس کے لہجے میں بے تابی سی پوشیدہ تھی۔ شیخ ابو راضیاء نے تعجب سے اس کا چہرہ دیکھا اور بتایا کہ ایزیلا تہامہ کے عالم بدر الدین خاکستری کو ہلاک کرنے کی مہم پر بھیجی گئی تھی مگر اس کا نشانہ چوک گیا اور وہ محافظوں کے داروں کا شکار بن گئی۔ شیخ کبیر الدین یہ سن کر اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

''شیخ الجبال! اس نصرانی لڑکی میں ایسی کیا بات تھی؟ جس نے آپ کو اتنا بے چین کر ڈالا ہے''۔ شیخ ابو راضیاء اشتیاق بھرے انداز میں بولا۔

''وہ بڑی قیمتی تھی ابو راضیاء!'' شیخ کبیر الدین تاسف بھرے لہجے میں بولا۔ ''اسے میں نے خاص مہم کے لئے تیار کیا تھا۔ مجھے خیال نہیں رہا کہ اس کے بارے میں پیشگی ہدایت بھیج دیتا ہے کہ اسے کسی دوسری مہم پر روانہ نہ کیا جائے''۔

''کیسی خاص مہم!'' شیخ ابو راضیاء کا تجسس بڑھتا گیا۔

''اپنے سب سے طاقتور دشمن ہلاکو خان کے قتل کی مہم کے لئے.....! وہ لڑکی نصرانی تھی، اس لئے وہ بآسانی ہلاکو خان کے بہت قریب پہنچ سکتی تھی۔ تم تو جانتے ہی ہو کہ ہلاکو خان تک پہنچنے کا صرف یہی راستہ کھلا ہے ورنہ.....اس تک رسائی آسان کام نہیں''۔ شیخ کبیر الدین نے بتایا۔

''یہ بات تو درست ہے مگر اب تو کچھ نہیں کیا جا سکتا''۔ شیخ ابو راضیاء سوچ میں ڈوب گیا۔

''ایزیلا کے ساتھ دو لڑکیاں اور بھی تھیں۔ زہرہ اور گل دتو ژ.....؟''

''زہرہ تو قلعہ الکہف میں موجود ہے البتہ گل دتو ژ کو حماۃ میں ایک مہم پر روانہ کیا گیا ہے۔ یہ اس کی پہلی مہم ہے دیکھئے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟'' شیخ ابو راضیاء نے جواب دیا۔

''گل دتو ژ کے ساتھ کتنے لوگ حفاظت کے لئے بھیجے گئے ہیں؟'' شیخ کبیر الدین نے پوچھا

''سات افراد.....!!!''

''کم ہیں.....اس کے پیچھے فوراً کم از کم پچیس افراد مزید بھیجو''۔

''شیخ الجبال! میں کچھ سمجھا نہیں''۔ شیخ ابو راضیاء چکرا سا گیا۔

''بے وقوف! وہ سات آدمیوں پر اکیلی بھاری ہے، وہ مہم چھوڑ کر الٹا اپنے ہی ساتھیوں کو ہلاک کر ڈالے گی۔ اسے کتنے دن پہلے یہاں سے روانہ کیا گیا ہے؟'' شیخ کبیر الدین تیز لہجے میں بولا۔ شیخ ابو راضیاء ہونقوں کی مانند اس کی صورت دیکھ رہا تھا جیسے شیخ کبیر الدین غلط کہہ رہا ہو۔

''ایک ہفتہ قبل وہ قلعہ مصیاف سے روانہ کی گئی ہے۔ اسے حماۃ پہنچنے میں ابھی دو دن مزید لگیں گے''۔ شیخ ابو راضیاء نے دھیمے انداز میں کہا۔

''تیز ترین قاصد کو فوراً اس کے عقب میں روانہ کر دو کہ وہ حماۃ تک تمام فدائیوں کو باخبر کر دیں کہ اگر گل دتو ژ اپنے ساتھیوں کو ہلاک کر کے فرار ہونے کی کوشش کرے تو اسے زندہ گرفتار کر یہاں لائیں''۔ شیخ کبیر الدین نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

''گرفتار کیوں.....؟ فرار کی سزا تو موت مقرر کی گئی ہے''۔ شیخ ابو راضیاء نے تعجب بھرے لہجے میں پوچھا۔ شیخ کبیر الدین نے غصے سے اس کی جانب دیکھا۔ وہ اس کے سوالات سے بے زار سا ہو گیا تھا۔ شیخ کبیر الدین کو اس کے رویے پر یہ احساس ہونے لگا کہ جیسے وہ اپنی عقل استعمال کرنا ہی نہ جانتا ہو۔ شیخ ابو راضیاء شیخ کبیر الدین کی ناگواری کو محسوس کر چکا تھا فوراً امان کا طلبگار ہو گیا۔ شیخ کبیر الدین کا خدشہ یقین کی منزل کو چھو رہا تھا کہ گل وقوز یقیناً فرار کی کوشش کرے گی اور زیادہ تر امکانات اس امر کے تھے کہ وہ اپنے مقصد میں یقیناً کامیاب ہو جائے گی۔ شیخ کبیر الدین اب گل وقوز کے ذریعے اپنے سب سے بڑے دشمن کی ہلاکت کا خواب دیکھ رہا تھا۔ نصرانی اینزیلا نہ سہی..... منگول..... گل وقوز تو ابھی اس کے قبضہ قدرت میں تھی۔

❁ ❁ ❁

ارزق سلطنت اُردوئے زرّیں سے نکل کر وادی قفقاز کے راستے ایل خانی سلطنت میں داخل ہوا اور کئی دنوں کے پرصعوبت سفر کے بعد مختلف راستوں سے ہوتا ہوا دارالحکومت مراغہ میں نمودار ہوا۔ تمام راستے میں اسے کئی شاہی لشکروں سے سابقہ پڑا مگر وہ اپنی کمال مہارت سے انہیں مطمئن کرتا ہوا سفر کرتا رہا۔ وہ قریہ قریہ گھوما پھرا۔ اس کی عقابی نگاہیں ہر طرف ایل خانی انتظام وانصرام کا جائزہ لینے میں مشغول رہتیں۔ وہ ہر قسم کے لوگوں میں باآسانی گھل مل جایا کرتا تھا۔ مغنی ہونے کے ناطے لوگ اسے پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ ایک دن وہ ہلاکو خان کے دربار میں جا پہنچا اور اپنا تعارف کراتے ہوئے ایک گیت پیش کرنے کی اجازت چاہی۔ ہلاکو خان نے بخوشی اسے اجازت دے دی۔ ارزق نے تاتاریوں کا ایک پُرجوش لوک گیت ایسی خوش الحانی سے سنایا کہ تمام دربار جھوم اُٹھا۔ ہلاکو خان نے خوش کر اسے بڑے انعام واکرام سے نوازا اور شاہی مغنی کے عہدے کی پیش کش کی مگر ارزق نے مسکراتے ہوئے اتنی عمدگی سے اسے ٹال دیا کہ وہ اس کے اندازِ بیان کا معترف دکھائی دیا۔ ہلاکو خان سے داد پانے کے بعد ارزق شاہی دربار سے نکل آیا۔ وہ بازاروں میں بے مقصد گھومتا پھر رہا تھا کہ اسے بھوک محسوس ہوئی۔ اس نے قریب ہی ایک نانبائی کی دکان دیکھی تو وہیں جا پہنچا۔ اس نے نانبائی سے کھانا طلب کیا۔ کچھ ہی دیر میں اس کے سامنے سالن کا پیالہ اور ایک بڑی سی روٹی رکھ دی گئی۔ ارزق نے نانبائی کو ہاتھ دھونے کے لئے آواز دی تو وہ پانی کا ایک بڑا سا پیالہ لے آیا۔ ارزق نے اطمینان سے ہاتھ دھوئے اور کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد فارغ ہو کر اس نے نانبائی کے دام چکائے اور اپنی قیام گاہ پر چلا آیا۔ وہ عجیب سی متلون فطرت کا مالک تھا۔ اسے کسی ایک جگہ پر شاید ہی ٹک کر رہنا نصیب ہوا تھا۔ وہ مراغہ میں یوں ٹہلتا رہتا جیسے وہ کوئی سیاح ہو۔ مختلف لوگوں سے ہنسی مذاق کرنا شاید اسے مرغوب تھا۔ کچھ دن کے قیام کے بعد اس کا دل بھر گیا۔ اس نے گھوڑے پر کاٹھی ڈالی اور قیام گاہ کا حساب چکتا کر کے مراغہ سے نکل پڑا۔ وہ ایک بار پھر کوہ قفقاز کی جانب بڑھ رہا تھا۔ وادی قفقاز سے گذرتا ہوا وہ قلعہ الموت کے سامنے سے گذرا۔ وہاں منگول سپاہ نے اسے روک کر پوچھ گچھ کی اور تلاشی لی مگر اس کے پاس کچھ بھی برآمد نہ ہوا۔ اس نے قلعہ الموت کے پاس ایک دردناک سا گیت سنایا۔ منگول سپاہی اس کے گیت کے بولوں پر افسردہ دکھائی دیئے۔ قلعہ الموت سے نکل کر وہ سیدھا قسطنطنیہ پہنچا اور وہاں سے چکر کاٹتا ہوا شام پہنچ گیا۔ بلادِ شام کے بازاروں میں گھومتا ہوا اور حالات وسکنات کا جائزہ لیتا ہوا وہ دمشق جا پہنچا۔ اس نے شاہی محل کی راہ لی۔ شاہی محل کے محافظوں نے جب ایک تاتاری کو محل کی جانب بڑھتے دیکھا تو وہ چوکنا ہو گئے۔ جونہی ارزق ان کے قریب پہنچا تو ان کے نیزے اس کی جانب اُٹھ گئے۔ محافظوں نے تیز آواز سے آمد کا سبب دریافت کیا۔

''نیزے پرے ہٹالو..... میں تمہارا سلطان ہوں''۔ وہ تاتاری بھرائے ہوئے انداز میں بولا۔ محافظ اس آواز کو بخوبی پہنچانتے تھے۔ وہ کوئی اور نہیں تھا بلادِ مصر وشام کا سلطان بیبرس تھا جو تن تنہا ایک پُرخطر اور طویل سفر سے واپس لوٹا تھا۔ محافظ حیرت بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔ ان کے نیزے لاشعوری انداز میں پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ سلطان بیبرس تاتاری کے بہروپ میں شاہی محل میں داخل ہو گیا۔ سلطان بیبرس دراصل امیر المومنین خلیفہ مستنصر باللہ کی گمشدگی کے بارے میں نہایت پریشان تھا۔ مختلف علاقوں میں بھیجے گئے مخبروں کی جانب سے بھی کوئی صحیح خبر نہیں ملی تو اس نے خود حالات معلوم کرنے کی ٹھانی۔ وہ تاتاری مغنی کے روپ میں سلطنت تاتار میں پہنچ گیا اور وہاں غیر محسوس انداز میں مکمل چھان بین کی۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ ایل خانی منگول بھی خلیفہ مستنصر باللہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تو وہ اس انداز کے ساتھ واپس لوٹ آیا کہ ہیئت کے معرکے میں یقیناً خلیفہ مستنصر باللہ ہلاک ہو گیا ہے، اور اس کی لاش سپاہیوں سے پہچانی نہیں جا سکی اور دوسری لاشوں کے ساتھ دفن ہو چکی ہے۔ خلیفہ کی گمشدگی کا عقدہ حل کرنے کے ساتھ ساتھ وہ ایل خانی سلطنت کے تمام حفاظتی نظام کا جائزہ لے چکا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنے ذہن میں ایک نقشہ بھی ترتیب دے چکا تھا جو ہلاکو خان کے مقابلے کی صورت میں نہایت کارآمد ثابت ہو سکتا تھا۔ برقائی خان سے ملاقات کے دوران وہ اسے اپنا تعارف کروا چکا تھا۔ اس سے تو صرف ملاقات مقصود تھی۔ برقائی خان نے کافی کوشش کی کہ سلطان بیبرس کچھ دن اس کے پاس قیام کرے مگر سلطان نے اپنی آمد کو راز میں رکھنے کی ہدایت کے ساتھ وہاں سے رخصت اختیار کی۔ برقائی خان سلطان بیبرس کی شجاع اور پُرعزم شخصیت سے متاثر ہو کر رہ گیا۔

دوسری صبح سلطان بیبرس نے کاتب کو بلوایا اور اسے ہلاکو خان کے نام ایک مراسلہ لکھنے کی ہدایت کی۔ کاتب نے تیاری مکمل کر کے آگاہ کیا تو سلطان کے لب ہلنا شروع ہو گئے۔

''سلطنت تاتار کے فرمانروا ہلاکو خان کے نام!

میں گذشتہ دنوں میں تمہاری مملکت کے حالات کا معائنہ کرنے کے تمہارے شہروں میں گھومتا رہا ہوں۔ مجھے وہ گیت بھی یاد ہے جو تمہیں کسی مغنی نے تمہارے دربار میں سنایا تھا۔ اگر خواہش ہو تو میں اس گیت کے تمام مصرعے لکھ کر بھیج دوں گا۔ یہ مراسلہ لکھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ تمہارے شہر میں شاہی دربار کے متصل تیسرے بازار میں ایک نانبائی کی دکان ہے۔ میں نے وہاں سے کھانا کھایا تھا۔ ہاتھ دھوتے وقت میری شاہی انگوٹھی اس کے پیالہ میں رہ گئی تھی۔ تم صرف یہ مہربانی کرو کہ وہ انگوٹھی تلاش کروا کر مجھے واپس بھیج دو۔

سلطان بیبرس''

سلطان بیبرس مراسلے کا مضمون مکمل کروا چکا تھا جبکہ کاتب حیرت بھری عجیب نگاہوں سے سلطان بیبرس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ سلطان بیبرس نے اس کے چہرے کے تاثرات پڑھ لئے اور محض مسکرا کر رہ گیا۔ کاتب نے مراسلہ خوشخطی سے مکمل کیا اور سلطان کے سامنے پیش کر دیا۔ سلطان بیبرس نے ایک نظر مراسلے پر ڈالی اور شاہی مہر لگا کر ایک قاصد کے حوالے کر دیا اور اسے ہدایت کی کہ وہ سیدھا ہلاکو خان کے دربار جائے اور اس کی ہدایت کا منتظر رہے اگر وہ کوئی چیز اسے دے تو وہ بحفاظت اسے سلطان کو پہنچا دے۔ اس قاصد کے روانگی کے بعد سلطان بیبرس نے تین مخبر نما قاصدوں کو اس کے عقب میں روانہ کیا جو کہ اس کی خاص نگرانی پر مامور کئے گئے تھے۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین اردوئے زریں کے حکمران برقائی خان کے جواب سے دلبرداشتہ ہوکر رہ گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ برقائی خان اس کی دوستی کی خاطر شیخ کبیر الدین سے گل وقوژی کی واپسی کا مطالبہ اُٹھائے گا مگر برقائی خان نے اس معاملے میں سردمہری کا رویہ ظاہر کیا تھا اور اُلٹا اسے گل وقوژ بھلانے کا مشورہ دیا تھا۔ مطیع الدین نے وادی قفقاز سے نکلتے ہوئے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ اکیلا ہی گل وقوژ کو شیخ کبیر الدین کے چنگل سے چھڑائے گا، چاہے اس کے لئے اسے کوئی بھی قیمت چکانا پڑے۔ اس نے اپنے ساز وسامان پر نگاہ ڈالی۔ زادِ راہ موزوں مقدار میں موجود تھا۔ اس نے اسی راستے سے شام کی راہ اختیار کی جس راستے سے وہ فونکا جوخان کے ساتھ واپس آیا تھا۔ فونکا جوخان کا خیال آتے ہی اس کا برا سا منہ بن گیا۔ وہ خود سے باتیں کرنے لگا۔ ''وہ بھی عجیب احمق شخص ہے، ساتھ میں رہتا ہے تو اس کا مزاج درست دکھائی دیتا ہے اور جونہی برقائی خان کی صورت دیکھتا ہے تو اس کے تیور ہی بدل جاتے ہیں۔ چھوٹے بچوں کی مانند شکایات کا پنڈار لے کر بیٹھ جاتا ہے''۔ بہرکیف وہ اب دوبارہ فونکا جوخان سے کبھی نہیں ملے گا۔ اس نے دل میں فیصلہ کیا۔ وہ اوسط رفتار سے گھوڑا دوڑائے جارہا تھا۔

وہ سمرقند سے ہوتا ہوا اسی پہاڑی سلسلے میں داخل ہوگیا جو کوہستان کے نام سے مشہور تھا۔ یہ سلسلہ کوہ قاف سے لے کر شام، لبنان، ترکی اور یونان تک ہلال کی صورت میں پھیلا ہوا تھا۔ اسی دشوار گذار سلسلے میں کئی قلعے موجود تھے جن میں سے زیادہ تباہ وبرباد ہوچکے تھے باقی فرقہ باطنیہ کے قبضے میں تھے۔ مطیع الدین دن کے وقت سفر میں مشغول رہتا اور رات کے وقت کسی نہ کسی غار میں پناہ لے لیتا۔ اس نے خوراک کا استعمال بھی کم کردیا تھا کیونکہ اسے صحیح اندازہ نہیں تھا کہ شام کے ان قلعوں کا فاصلہ کس قدر طویل ہے جو اس کی منزل ہیں، اس نے کئی چشموں کے قریب پہاڑی پھلوں کے درختوں سے پھل گھوڑے پرلادلئے۔ وہ اپنے اندازے سے سفر کرتا ہوا بلادِ شام کے بجائے بلادِ قونیہ کی سرحدوں کے قریب پہنچ گیا۔ یہ سلجوقی ترک سلطنت تھی، جہاں نصرانیوں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی کثیر تعداد آباد تھی۔ اس سلطنت پر قلمش سلجوقی کے جانشین حکمران تھے۔ یہ سلطنت کسی قدر بالائی حصے میں واقع تھی اس لئے یہاں منگولوں کا بغداد جیسا عتاب نازل نہیں ہو پایا تھا۔ سلجوقی حکمرانوں نے تاتاری زور کو دیکھتے ہوئے ان کے ساتھ کئی امن کے معاہدے کرلئے تھے اور انہیں خراج دے کر کسی قدر اپنی سلطنت کو محفوظ کرلیا تھا۔ بلادِ قونیہ کا یہ بالائی حصہ منگولوں کے چغتائی خاندان کے زیرنگیں تھا، اس لئے یہاں ایل خانی منگولوں کا طرز حکومت نہیں تھا۔ مطیع الدین کو یہ گمان ہوا کہ شاید یہی ریاست شام ہے لہٰذا اس نے اپنے گھوڑے کا رُخ قونیہ کی جانب موڑ دیا۔

❀❀❀

ہلاکو خان کو جب سلطان بیبرس کا مراسلہ ملا تو وہ اس کی جرأت وجسارت پر لمحہ بھر کے لئے اپنی جگہ پر ششدر رہ گیا۔ اس نے مراسلے کا مضمون دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا کہ واقعی اس کا مفہوم وہی تھا جو اس کے کانوں نے چند لمحے پہلے سماعت کیا تھا۔ مراسلے کا مضمون دوبارہ سننے کے بعد اس نے تمام دربار میں نظر دوڑائی تو سب لوگ یوں دم بخود بیٹھے دکھائے دیئے جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو۔ اس نے قاصد کو مہمان خانے میں ٹھہرانے کا حکم دیا اور مراسلے کی نشاندہی کے مطابق فوراً شاہی انگوٹھی کی برآمدگی کا حکم جاری کیا۔

اس تلاش کے لئے اعلیٰ مناصب پر مشتمل افراد کی مجلس تشکیل دی گئی جس کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ معاملے کی تہہ تک پہنچ کر حقیقت اس کے سامنے لائیں۔ اس ضمن میں نانبائی سے پوچھ گچھ کی گئی تو اس نے کسی قسم کی انگوٹھی کے بارے میں اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ طعام خانے کے دیگر ملازمین سے بھی انگوٹھی کے بارے میں

تفتیش کی گئی مگر کوئی نتیجہ نہیں نکل پایا۔ اس ذمہ داری کے متعین اہلکاروں نے شام تک اپنی رپورٹ مرتب کر کے ہلاکو خان کے سامنے پیش کردی۔ ہلاکو خان نے خود رپورٹ پڑھی مگر اسے یقین نہیں آیا۔ اس نے صاف الفاظ میں کہا کہ سلطان بیبرس چاہے جیسا بھی حکمران ہے، کم ازکم ایسا سنجیدہ مذاق ہرگز نہیں کرسکتا، وہ یقیناً اپنی انگوٹھی یہیں کہیں چھوڑ کر گیا ہے۔ جاؤ دوبارہ چھان بین کرو اور کل صبح تک انگوٹھی برآمد کر کے لاؤ ورنہ تم سب کے سر قلم کردیئے جائیں گے''۔ ہلاکو خان کے عتاب زدہ حکم پر افسران لرز کر رہ گئے۔ ہلاکو خان سے ایسی حرکت غیر متوقع بھی نہیں تھی۔ وہ اکثر دیوانگی کے عالم میں بڑے سے بڑے منصب دار کو یوں مسل کر رکھ دیا کرتا تھا جیسے اس کی حیثیت چیونٹی سے زیادہ نہ ہو۔

ہلاکو خان کی سختی کے باعث انہوں نے تینوں بازاروں کے نانبائیوں کو اکٹھا کرلیا اور ان سے فرداً فرداً پوچھ گچھ کرنا شروع کردی۔ انہیں دھمکایا بھی گیا اور انعام واکرام کا لالچ بھی دیا گیا مگر کوئی نتیجہ نہ نکل پایا۔ افسران کو اپنی تمام بھاگ دوڑ رائیگاں جاتی دکھائی دی تو انہوں نے تمام نانبائیوں کو ایک قطار میں کھڑا کر ڈالا اور انہیں رات بھر سونے نہ دیا۔ ان سے بار بار انگوٹھی کا سوال کیا جاتا رہا۔ نانبائی اس دشوار صورتِ حال سے تنگ آگئے۔ بالآخر ان میں سے ایک نانبائی نے انگوٹھی کے بارے میں بتانے پر آمادگی ظاہر کی مگر پہلے اپنی جان کی امان طلب کی۔ افسران نے اس معاملے کو ہلاکو خان کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا۔ دوسری صبح اس نانبائی کو شاہی دربار میں ہلاکو خان کے سامنے پیش کردیا گیا۔ نانبائی خود کو فرمانروا کے سامنے پاکر رونے پیٹنے لگا۔ ہلاکو خان کو تمام صورتِ حال سے آگاہ کردیا گیا تو اس نے پہلا سوال یہی کیا کہ نانبائی نے اس معاملہ کو کیونکر پوشیدہ رکھا۔

''قاآن اعظم کا اقبال بلند ہو!'' نانبائی دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''گذشتہ دنوں میں ایک شخص میری دکان سے کھانا کھا کر گیا تھا۔ اس نے ہاتھ دھونے کے لئے پانی مانگا تو میں نے پانی کا پیالہ اس کے سامنے رکھ دیا اور خود کام میں جت گیا۔ وہ شخص کھانا کھانے کے بعد دام چکا کر چلا گیا۔ میں جب خالی برتن لینے کے لئے وہاں پہنچا تو مجھے پانی والے پیالے میں کوئی چیز چمکتی ہوئی دکھائی دی۔ میں ہاتھ ڈال کر اسے نکالا تو ایک انگوٹھی تھی۔ میں نے اسے فوراً چھپالیا۔ مجھے خدشہ ہوا کہ وہ چوری کی ہے کیونکہ وہ شخص شکل وصورت سے کوئی متمول فرد نہیں دکھائی دیتا تھا۔ میں کئی دن سے سوچ رہا تھا کہ اس انگوٹھی کا کیا کروں؟ کہ آپ کے سپاہیوں نے پوچھ گچھ شروع کردی۔ دراصل میں ڈر گیا تھا کہ کہیں چوری کے الزام میں نہ دھرلیا جاؤں۔ اسی لئے میں بتانے سے گریزاں تھا۔ جاودانی آسمان کی قسم! میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں...... اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے''۔

''ہم جانتے ہیں! کہ تمہارا قصور نہیں ہے۔ وہ انگوٹھی ہمارے حوالے کردو''۔ ہلاکو خان دھیمے انداز میں بولا۔ نانبائی نے تیزی سے اپنے لباس میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولنا شروع کردیا۔ کافی مشقت کے بعد اس نے اپنے لباس میں سے چمکتی ہوئی انگوٹھی برآمد کی اور شاہی ملازم کی جانب بڑھا دی۔ ہلاکو خان انگوٹھی لے کر اسے دیکھنے میں مشغول ہوگیا۔ وہ شاندار منقش انگوٹھی تھی جس کے اوپر قیمتی ہیرا جڑا ہوا تھا۔ ہلاکو خان غور سے اس انگوٹھی کا جائزہ لے رہا تھا۔ اسے اس کے حلقے پر سلطان الملک الظاہر کے الفاظ بھی دکھائی دیئے۔ یہ بات کا عین ثبوت تھا کہ یہ انگوٹھی واقعتاً سلطان بیبرس کی ہی تھی۔ ہلاکو خان پر جب یہ حقیقت واضح انداز میں منکشف ہوگئی تو وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

انگوٹھی کی برآمدگی اور ہلاکو خان کے چہرے کے تغیر نے تمام درباری امراؤ روساء پر یہ بات عیاں کر دی تھی کہ سلطان بیبرس کا مطالبہ حقیقت پر مبنی تھا۔ وہ یقیناً گذشتہ دنوں میں ان کے درمیان موجود رہا تھا۔ حلقہ

امرأ میں خاصے لوگ سلطان بیبرس کی شخصیت سے مرعوب دکھائی دیے جبکہ کئی لوگ ہراساں ہو گئے۔ انہیں ہلاکو خان جیسے طاقتور فرمانروا کا سایہ بھی کمزور دکھائی دینے لگا۔ وہ اس سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے کہ جس سلطنت کا حکمران اتنا جری اور بیدار مغز ہے، اس کا مقابلہ کیسے کیا جا سکے گا۔ ہلاکو خان خود بھی بہادر اور شجاع حکمران تھا مگر وہ ایسی جسارت تصور میں بھی نہیں لا سکتا تھا۔ وہ اپنی زندگی میں پہلی بار کسی شخص سے اتنا متاثر ہوا تھا۔ اس نے مصری قاصد کو بلوا کر شاہی انگوٹھی اس کے حوالے کی اور سلطان بیبرس کی جرأت مندی کی تعریف کرتے ہوئے لکھا کہ وہ اپنے برابر قوت کے دشمن سے جلد ہی ایک زبردست فیصلہ کن معرکے کے لئے نکلے گا اگر سلطان بیبرس یہ سمجھتا ہے کہ وہ ایسی حرکات سے مجھے مرعوب کر سکتا ہے تو یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ البتہ دیانت داری کی نگاہ سے دیکھا جائے تو دشمنوں کو ہراساں کرنے کے لئے تمہاری جیسی جرأت و دلیری کا ہونا ضروری امر ہے۔

ہلاکو خان نے نانبائی سے اس شخص کا حلیہ دریافت کیا جو اپنی انگوٹھی اس کی دکان پر چھوڑ گیا تھا۔ نانبائی نے سوچ سوچ کر کچھ نشانیاں بیان کیں۔ ہلاکو خان نے مصری قاصد سے سوال کیا کہ یہ شخص جو نشانیاں بتا رہا ہے اس طرح کا کون شخص تمہارے ہاں موجود ہے۔ مصری قاصد نے دوبارہ نشانیاں سننے کی فرمائش کی۔ نانبائی نے دوبارہ بتایا تو مصری قاصد غور سے سنتا رہا۔ جب وہ اپنی بات مکمل کر چکا تو مصری قاصد کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس نے بمشکل بتایا کہ یہ نشانیاں تو سلطان بیبرس کی ہیں۔ مصری قاصد کی تصدیق نے شاہی دربار میں گہری خاموشی طاری کر دی تھی۔

ہلاکو خان نے نانبائی کو جانے کی اجازت دی تو وہ اتنی عجلت سے دربار سے نکلا جیسے اسے خوف ہو کہ قاآن اعظم کہیں اپنا فیصلہ بدل نہ ڈالے۔ مصری قاصد کو عزت و احترام سے واپس روانہ کیا گیا۔ سلطان بیبرس اپنی حکمت عملی میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اس کا مقصد صرف یہی تھا کہ وہ ایل خانی سلطنت کو یہ باور کرا دے کہ ان کی عسکری تیاریاں اس کی نگاہوں سے مخفی نہیں ہیں دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ ایل خانی تاتاری سالاروں کے حوصلے لرز کر رہ گئے۔ وہ سلطان بیبرس کو چھلاوا سمجھنے لگے جو انسان کا روپ دھار کر ان کے مقابلے پر آ گیا ہو۔ معروف مؤرخ ہیرلڈ لیم اس ضمن میں لکھتا ہے کہ معلوم نہیں اس ستم ظریفی کا ہلاکو خان پر کیا اثر ہوا لیکن قاہرہ کے بازاروں میں لوگ یہ قصہ سن کر تمسخر لگایا کرتے تھے۔ یہ الگ بات تھی کہ ہلاکو خان کو بعد میں اس بات کا احساس ہوا کہ اس معاملے کو شاہی دربار میں نہیں آنا چاہئے تھا کیونکہ امرأ و روساء اور سالاروں کے چہروں پر نامعلوم خوف کے سائے رقصاں ہو چکے تھے۔ جنہیں اب صرف سلطان بیبرس کی شکست سے ہی معدوم کیا جا سکتا تھا.....

❁ ❁ ❁

سلطان بیبرس نے سلطنت تاتار میں اپنے خفیہ سفر کے باعث تاتاریوں کے طریق جنگ کے بارے میں بیش بہا معلومات حاصل کی تھیں۔ ان معلومات کی روشنی میں اس نے بلادِ شام میں عسکری نظام کو ازسرِ نو منظم کرتے ہوئے کئی نئے اقدامات اٹھائے۔ اسی کارروائی کے دوران اسے یہ خبر ملی کہ حلب کا سابق خلیفہ ابوالعباس احمد دمشق کے ایک سربرآوردہ رئیس عیسیٰ بن مہنا کے ہاں مقیم ہے۔ سلطان بیبرس کے ذہن میں خلافت کی بحالی کا خیال دوبارہ عود کر آیا۔ اس نے رئیس عیسیٰ بن مہنا کے گھر جا کر ابوالعباس احمد سے بالمشافہ ملاقات کی اور اسے خلافت کا منصب سنبھالنے کی پیشکش کی۔ عباسی شہزادے ابوالعباس احمد نے خلیفہ مستنصر باللہ کے بارے میں استفسار کیا تو سلطان بیبرس نے اس کی گمشدگی کو موت سے تعبیر کیا اور اس کی موت کا باضابطہ اعلان کر دیا۔ اس موقعے پر خلیفہ مستنصر باللہ کے حق میں دعائے مغفرت کی گئی۔ مسند خلافت خالی

دیکھ کر عباسی شہزادہ ابوالعباس احمد رضامند ہو گیا مگر اس نے یہ شرط عائد کی کہ سلطان بیبرس قاہرہ پہنچ کر اُسے باقاعدہ قاہرہ آنے کی دعوت دے تاکہ لوگوں کے ذہن میں یہ خیال نہ پیدا ہو کہ ابوالعباس احمد خلافت کا حریص تھا اور وہ سلطان بیبرس کی منت سماجت کے باعث ان کا خلیفہ بنا ہے۔ سلطان بیبرس نے ضروری امور پر گفتگو کے بعد وہاں سے رخصت لی اور چند دن کے قیام کے بعد قاہرہ لوٹ آیا۔ وہاں سے باضابطہ طور پر ابوالعباس احمد کو قاہرہ آنے دعوت بھیجی گئی۔ اسی دوران سلطان بیبرس نے اپنے پیر و مرشد شیخ علامہ عزالدینؒ سے بھی مشورہ کیا۔ شیخ عزالدینؒ نے سلطان بیبرس کے اقدام کی تائید کر کے اپنی رضامندی کی مہر ثبت کی۔

عباسی شہزادہ ابوالعباس احمد سلطان بیبرس کی دعوت پا کر بلا تاخیر اپنے بیٹوں اور رفیقوں کے ساتھ قاہرہ پہنچ گیا۔ سلطان بیبرس نے عباسی شہزادے کا نہایت جاہ و حشم اور دھوم دھام سے استقبال کیا اور اس کی سواری کو کمال اعزاز و احترام کے ساتھ قلعہ سلطانی کے بڑے برج پر اتارا۔ حسب قاعدہ ابوالعباس احمد کے خاندان خلافت سے ہونے پر شہادتیں لی گئیں۔ جب تمام لوگوں کے نزدیک اس کے حسب و نسب کی تصدیق ہو گئی تو سلطان بیبرس نے جمعرات 8 محرم 661ھ کو قلعہ سے علیحدہ دربار عام منعقد کیا۔ ابوالعباس احمد قلعہ کے ایوان سے اُٹھ کر دربار میں آیا۔ سلطان بیبرس نے اُٹھ کر استقبال کیا اور اس کی خلافت کا اقرار کر کے بیعت کی۔ اس کے بعد تمام شرکاء و امراء و روساءِ ریاست نے حسب مراتب بیعت کا سلسلہ شروع کر دیا اور بلا اعتراض اُسے اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا۔ ابوالعباس احمد نے سلطان بیبرس کو حسب روایت خلعت شاہی عنایت کی اور سلطنت کا تمام نظام اس کے ہاتھوں میں سونپنے کا اعلان کیا اور اس نے اپنے لئے اسی لقب کو دوبارہ اختیار کیا جس لقب سے وہ ریاست حلب میں خلافت کر چکا تھا۔ تمام افراد نے اس کے لقب ''الحاکم بامراللہ'' پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

دوسرے دن جمعہ کے روز اس نے جامع مسجد میں امامت کا فرض ادا کیا اور ایک طویل خطبہ پڑھا۔ اس خطبے میں اس نے جہاد فی سبیل اللہ، خلافت کی اہمیت اور فضیلت بیان کی اور ساتھ ہی خلافت کی بے حرمتی کا ذکر کرتے ہوئے لوگوں کو عبرت دلائی اور کہا۔

''اس اللہ تعالیٰ کی حمد جس نے آلِ عباس کے لئے ایک مددگار کھڑا کر دیا۔ جب دشمن ہمارے گھروں میں گھس آئے تھے اور انہوں نے قیامت کے فتنے برپا کر رکھے تھے تو ایسے نازک ترین حالات میں سلطان رکن الدین بیبرس اپنی چھوٹی سی سلطنت کے باوجود امت مسلمہ کی امداد و اعانت کے لئے اُٹھا اور اس نے شجاعت و بہادری سے کفر کے لشکروں کو منتشر کر کے رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی خیر خواہی کو قبولیت کا شرف بخشا اور نظام خلافت کے احیاء کی تحریک اسے عطا کی۔ میرے بھائی مستنصر باللہ کی خلافت بھی اسی نیک نیتی کا باعث تھی مگر اس کی قسمت میں شہادت کی موت لکھی ہوئی تھی، اس لئے وہ کفر کے خلاف لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔ اگر اس کا کوئی بیٹا زندہ ہوتا تو یقیناً یہ حق اسے تفویض کر دیا جاتا مگر اب چونکہ ایسا نہیں ہے اس لئے یہ ذمہ داری میرے کندھوں پر ڈالی گئی ہے جس کی ادائیگی میں میں پوری نیک نیتی سے کام لوں گا''۔

اس خطبے کے بعد تمام مملکت میں خلیفہ الحاکم بامراللہ کی خلافت کا باقاعدہ اعلان کر دیا گیا۔ بلادِ مصر میں خلافت کی عدم موجودگی پر جو بے چینی پیدا ہو رہی تھی وہ یکسر ختم ہو کر رہ گئی۔ سلطان بیبرس نے اپنے قصر کبیر میں ایک محل خلیفہ کی سکونت کے لئے مخصوص کر دیا اور اس کی تمام ذاتی ضروریات اور لوازمِ خلافت کا انتظام کر دیا۔

❁ ❁ ❁

قاضی جمال الدین ابن واصل اطالیہ دسکی کی کامیاب سفارت کے ساتھ قاہرہ واپس پہنچے۔ انہوں

نے ضروری امور سے فارغ ہو کر سلطان سحرس کو اپنی آمد کی خبر دی۔ سلطان سحرس ایک عرصے سے ان کی واپسی کا منتظر تھا۔ ان کی واپسی کی خبر پاتے ہی وہ خود ان کے پاس چلا آیا۔ یہ سلطان سحرس کا خاص وصف تھا کہ وہ اکابرین وعلماء کا نہایت احترام واکرام کرتا تھا۔ جب سے اس نے اقتدار سنبھالا تھا، اس کا نظام حکومت انہی علماء ومشائخ کے مشوروں کی روشنی میں منزلیں طے کر رہا تھا۔ ان شخصیات میں شیخ عزالدین کو خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ سلطان سحرس ان قابل قدر ہستیوں کو انتہائی ضرورت کے وقت اپنے پاس آنے کی تکلیف دیا کرتا ورنہ ان کی صحبت میں وقت گذارنا وہ اپنے لئے باعث اعزاز سمجھتا تھا۔ قاضی جمال الدین ابن واصل بھی اس کے عہد کی ایک نہایت معروف شخصیت تھے۔ سلطان سحرس جب قاضی جمال الدین کے گھر پہنچا تو انہوں نے بڑی محبت سے اسے مہمان خانے میں بٹھایا۔ سلطان سحرس اطالیہ وسسلی کے حالات جاننے کے لئے بے تاب دکھائی دے رہا تھا۔ قاضی جمال الدین نے اس کے صبر کا زیادہ امتحان لینا پسند نہیں کیا اور شاہ منفریڈ کے بارے میں تفصیل کے ساتھ بتانا شروع کر دیا۔ سلطان سحرس نہایت غور سے ان کی باتیں سنتا رہا۔ وہ شاہ منفریڈ کی خصوصیات جاننے کے بعد اس کی تعریف کئے بغیر نہ رہ پایا۔ اس کی علم دوستی اور مسلمانوں کی مذہبی آزادی کے ضمن میں اُٹھائے گئے اقدامات قابل تحسین تھے۔ لوشیریہ اور نوشیریہ نامی شہروں میں قیام اور مختلف طبقوں کے لوگوں سے ملاقات کے بارے میں بھی قاضی جمال الدین نے نہایت تفصیل سے بتایا۔ قاضی جمال الدین بدستور شاہ منفریڈ کی خوبیاں بیان کئے جا رہے تھے، جس پر سلطان سحرس ہنسنے لگا۔ قاضی موصوف نے خاموش ہو کر اس کی جانب تعجب سے دیکھنا شروع کر دیا۔ اس کی آنکھوں میں گہرا استفسار جھلک رہا تھا۔

''الملک الظاہر! یہ کیا بات ہوئی؟ ہم تمہیں اپنے سفر کی تفصیل بتا رہے ہیں اور تم بیچ میں بلا مقصد ہنسے جا رہے ہو.....؟'' قاضی جمال الدین نے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

''قاضی محترم!'' سلطان سحرس نے اپنی ہنسی دباتے ہوئے کہا۔ ''میں نے آپ کو اطالیہ وسسلی اس لئے تو نہیں بھیجا تھا کہ آپ وہاں سے شاہ منفریڈ کی سیرت وکردار کی تحقیق کر کے لائیں۔ میں جب سے آیا ہوں آپ سوائے اس کی تعریفوں کے کوئی دوسری بات نہیں کر رہے''۔

قاضی جمال الدین سلطان سحرس کی بات پر کسی قدر جھینپ سے گئے۔ انہوں نے بلا تردد اعتراف کیا کہ واقعی ایک نصرانی بادشاہ میں عمدہ حسن سلوک اور اعلیٰ اخلاق پا کر مجھے روحانی مسرت نصیب ہوئی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ میں اس کی تعریف میں کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا ہوں۔

''قاضی محترم!'' سلطان سحرس سنجیدہ ہو کر بولا۔ ''کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اطالیہ کی ریاست اس قدر مضبوط ہے کہ اسے قسطنطنیہ کے مقابل لا کر کھڑا کیا جا سکے''۔

''الملک الظاہر!'' قاضی جمال الدین بھرائے ہوئے لہجے میں بولے۔ ''اگر یہ بات شاہ منفریڈ کے بارے میں کہی جاتی تو میرا جواب اثبات میں ہوتا مگر میں نے وہاں کی عسکری حالت کا بھی بھرپور جائزہ لیا ہے، جو مجھے متاثر نہیں کر سکی۔ البتہ اطالیہ کی عسکری مضبوطی یا کمزوری کی خبر ہمیں جلد ہی مل جائے''۔

''قاضی محترم! کھل کر بات کیجئے تاکہ میں آپ کا مفہوم اچھی طرح سمجھ سکوں''۔ سلطان سحرس نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''جن دنوں میں واپسی کے بارے میں سوچ رہا تھا، انہی دنوں میں مجھے وہاں یہ خبریں سنائی دی کہ فرانس کا شاہ لوئی نہم دیگر ریاستی اتحاد کے ساتھ اطالیہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کئے ہوئے ہے اور وہ اس سلسلے میں بھرپور تیاریاں کر رہا ہے''۔

''یہ یقیناً شاہ قسطنطنیہ کی حرکت ہوگی..... بیزنطینی کلیسا نے ہی شاہ لوئی نہم کو بھڑکایا ہوگا کہ وہ شاہ منفریڈ پر حملہ آور ہو''۔ سلطان سحرس نے قیاس آرائی کی۔

''الملک الظاہر!'' قاضی جمال الدین دھیمے انداز میں بولے۔ ''تمہارا اندازہ بالکل درست ہے، مشرقی کلیسا نہیں چاہتی کہ اس خطے میں مسلمانوں کا وجود باقی رہے۔ اندلس کے کثیر حصے کو مسلمان پہلے ہی کھو چکے ہیں، اب صرف غرناطہ کی ریاست باقی بچی ہے۔ نصاریٰ کی حریص نگاہیں وہاں بھی لگی ہوئی ہیں کہ کب انہیں موقعہ میسر آئے اور وہ اس چھوٹی سی سلطنت کو نگل جائیں اور باقی اندلس میں بھی ان کے ظلم کی چکی مسلمانوں کو پیس رہی ہے، جہاں ابھی بھی مسلمانوں کی کچھ آبادی باقی رہ گئی ہے۔ شاہ منفریڈ کا برقرار رہنا مسلمانوں کے حق میں یقیناً مفید ہے مگر مجھے نہیں لگتا کہ وہ زیادہ عرصہ تک فرمانروا رہ پائے گا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس خطے میں اس کا کوئی حلیف یا مددگار نہیں''۔

''کیا ہم اس کی مدد نہیں کر سکتے؟'' سلطان سحرس نے مختصر اسوال کیا۔

''پہلے میرا خیال تھا کہ ہمیں شاہ منفریڈ کی مدد کرنا چاہئے، اور میں نے اس مدد کی پیشکش بھی شاہ منفریڈ کو کی تھی مگر اس نے جو جواب مجھے دیا تھا، اسے جب میں نے خود اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کیا تو میں اس بات کا قائل ہو گیا ہوں کہ وہ واقعی صحیح کہہ رہا تھا''۔ قاضی جمال الدین نے کہا۔

''کیسا جواب.....؟'' سلطان سحرس حیرانگی سے بولا۔

''فاصلے کی طوالت اور دونوں کے درمیان گہرا سمندر''۔ قاضی جمال الدین نے کہا۔

''ہمارے لئے فاصلے کیا معنی رکھتے ہیں؟ جہاں تک سمندر کی بات ہے تو ہمارے اسلاف نے انہی سمندروں میں گھوڑے دوڑائے تھے۔ ہم آج بھی ایسا کر گذرنے کی سکت رکھتے ہیں''۔ سلطان سحرس جوشیلے انداز میں بولا۔

''الملک الظاہر! سمندر گھوڑوں سے نہیں بیڑوں سے پار کئے جاتے ہیں۔ میں نے واپسی پر خاص طور پر دمیاط کے بحری کارخانے کا معائنہ کیا تھا۔ میں تو اس کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر پریشان ہو گیا ہوں۔ یہ وہی کارخانہ تھا جسے مصر کی فاطمی حکومت نے تعمیر کیا تھا اور یہیں سے ان کے طاقتور بیڑوں کا قافلہ وجود میں آیا تھا۔ ایوبی خاندان کے حکمرانوں نے بھی اسی کارخانے سے اپنی جنگی کشتیاں تیار کی تھیں اور نصاریٰ کے صلیبی حملوں کو مدت تک منہ توڑ جواب دیتے رہے مگر جوں جوں ایوبیوں کا آفتاب ڈھلتا چلا گیا۔ یہ کارخانہ ویران ہوتا چلا گیا۔ بحری بیڑے کی قوت آج نہ ہونے کے برابر ہے۔ سپاہی تو اب ان کمزور بحری بیڑوں میں اترنے پر آمادہ نہیں ہیں جو کسی بھی وقت انہیں موت کے منہ میں دھکیل سکتے ہیں۔ یہ تو صرف دمیاط کے کارخانے کی حالت ہے، جزیرہ روضہ میں موجود کارخانہ کیا حالت اختیار کئے ہوئے ہے، اس کا اندازہ لگانا کوئی زیادہ مشکل نہیں''۔

قاضی جمال الدین فرط شدت سے بولتے چلے گئے۔ سلطان سحرس ان کی باتوں پر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس جانب اسے توجہ دینے کا موقعہ ہی نہیں مل سکا تھا۔ اس نے وہیں بیٹھے ہوئے فیصلہ کر لیا کہ وہ فوری طور پر نئے بحری بیڑے تیار کروائے گا اور جلد از جلد شاہ منفریڈ کی مدد کے لئے عسکری قوت روانہ کرے گا جو کہ عظیم تر صلیبی اتحاد کے مقابلے میں اطالیہ وسسلی کے مستقبل کا فیصلہ کرے گی۔ دیگر گفتگو میں سلطان سحرس نے قاضی جمال الدین سے درخواست کی کہ وہ حماۃ میں قاضی کا منصب قبول کریں۔ قاضی جمال الدین ابن واصل صرف درس وتدریس میں مصروف رہتے تھے۔ وہ باقاعدہ طور پر قاضی نہیں تھے۔ سلطان سحرس نے ان کی علمی قابلیت اور فضل وکرم سے عام لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے یہ عہدہ انہیں پیش کیا۔ جسے انہوں کسی قدر

انکار کے بعد قبول کرلیا۔

سلطان بیبرس نے 661ھ کے اواخر میں بحری بیڑوں کے کارخانوں کی جانب توجہ کی اور دمیاط اور اسکندریہ میں جہاز سازی کے دو نئے کارخانے قائم کئے، جبکہ پرانے کارخانوں کی جانب بھرپور توجہ دی۔ ان کے لئے ہر قسم کی سہولت مہیا کیں۔ وہ اس کام میں ذاتی دلچسپی لیتا رہا جس کے باعث سپاہیوں میں دوبارہ بحری مہارت حاصل کرنے کا رجحان پیدا ہونے لگا۔ جہاز سازی کے ان کارخانوں کو ''دار الصناعۃ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ سلطان بیبرس دس پندرہ روز بعد خود تمام کارخانوں کے معائنے کے لئے پہنچ جاتا۔ اس کی نگرانی کے باعث کام کی رفتار میں مزید اضافہ ہوگیا۔ جہاز سازی کے لئے مخصوص لکڑی استعمال کی جاتی تھی جو کہ زیادہ تر ریاست حلب کے جنگلات سے حاصل ہوتی تھی۔ سلطان بیبرس نے محافظوں کا ایک بڑا دستہ ان جنگلات پر تعینات کردیا جس کا کام صرف یہ تھا کہ وہ عام لوگوں کو اس مخصوص لکڑی کے استعمال سے باز رکھیں۔ ساتھ ہی سلطان بیبرس نے اس لکڑی کو دوسرے مقاصد کے لئے استعمال کرنے پر پابندی کا اعلان کردیا۔ بلادِ مصر میں ایک بار پھر جہاز سازی کا کام زور و شور سے شروع ہوگیا، جس کی خبر جلد ہی دور دور تک پھیل گئی۔ یہ خبر سب سے زیادہ پریشان کن شاہ قسطنطنیہ کے لئے تھی، جس کی سلطنت کا تین چوتھائی حصہ سمندر سے وابستہ تھا۔

❁❁❁

وہ بگولوں کی مانند اپنا گھوڑا دوڑا رہا تھا۔ اسے اپنی منزل پر پہنچنے میں بے حد عجلت تھی۔ اس کی نگاہیں بار بار آسمان پر ڈھلتے ہوئے سورج کا طواف کرتیں۔ جوں جوں سورج نیچے کی جانب سفر کر رہا تھا اس کی بے قراری میں اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ دانت کچکچاتے ہوئے زیرلب گھوڑے کو برا بھلا کہتا۔ اس کی خواہش تھی کہ گھوڑے کو پر لگ جائیں اور آندھی و طوفان کی رفتار سے دوڑتا ہوا اسے اس کی منزل پر پہنچا دے۔ شاید اس کی رفتار بڑھ بھی مگر رستہ بھی ہموار نہیں تھا۔ اونچے نیچے سنگلاخ پتھروں پر کئی بار اس کے گھوڑے نے بدک کر اسے گرانے کی کوشش کی تھی۔ یہ تو اس کی مہارت تھی کہ وہ اس نے خود کو اچھے انداز میں بروقت سنبھال لیا، ورنہ وہ گھوڑے سے گر کر اچھا بھلا زخمی ہوسکتا تھا۔ وہ پتھریلے راستے عبور کرتا ہوا اپنی منزل کی جانب بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ سورج پہاڑوں کے عقب میں چھپنے لگا۔ ڈوبتے سورج کو دیکھ کر اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ آسمان پر ابھی تک کسی قدر روشنی تھی۔ وہ بار بار یہ سوچ کر خود تسلی دیتا رہا کہ ابھی تو روشنی ہے، منزل بھی کچھ زیادہ دور نہیں۔ وہ بروقت پہنچنے میں کامیاب ہوجائے گا۔ جب سورج نے پہاڑیوں سے دور کہیں مکمل طور پر اپنا چہرہ چھپا لیا اور اندھیرے کے بڑھتے سائے اس کی جانب بڑھنے لگے تو اس کی حالت متغیر سی ہونے لگی۔ اس کی منزل زیادہ دور تو نہیں تھی مگر وہ اندھیرا پھیل جانے کے باعث اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا تھا، اس کے لئے روشنی بے حد ضروری تھی۔

پھر کچھ ہی دیر میں گہرے اندھیرے نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ فضا میں سورج کی حدت سے موجود حرارت زائل ہوچکی تھی اور خنکی اور کہر پھیلنے لگا تھا۔ وہ گھوڑے کی پیٹھ پر یوں نڈھال ہوگیا جیسے اس کی ساری محنت رائیگاں ہوگئی ہو۔ گھوڑے کی رفتار میں کمی پیدا ہونا شروع ہوگئی۔ وہ گہرے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد اسے دور ننھا سا ٹمٹماتا ہوا شعلہ دکھائی دیا۔ اس کی سانسیں یکدم تیز ہوگئیں۔ وہ اپنی منزل کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا مگر اسے روشنی کی ضرورت تھی۔ وہ ایک عمدہ شکاری ضرور تھا مگر اندھیرے میں شکار کا درست نشانہ لینا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس نے گھوڑے کی لگام کھینچ لی اور جست لگا کر گھوڑے کی پیٹھ سے اتر آیا۔ اس کی نگاہیں بدستور اس ٹمٹماتے ہوئے

شعلے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

❁❁❁

مطیع الدین سنگلاخ دشوار گزار راستے پر اندھا دھند گھوڑا دوڑانے میں مگن تھا۔ وہ ایک اچھا گھڑسوار ہونے کا مظاہرہ کرنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ راستہ بھی خاصا پُرخطر تھا۔ وہ ذرا سی کوتاہی کے باعث گھوڑے سے گر کر غیر معمولی طور پر زخمی ہوجاتا۔ اس کے پاس ایک ہی گھوڑا تھا، اگر اسے کوئی زک پہنچ جاتی تو مطیع الدین کے پاس پیدل سفر کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ وہ اپنی منزل سے بھی بے خبر تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ شام کی جانب بڑھ رہا ہے جبکہ ایسا نہیں تھا وہ سلطنت قونیہ کے طول و عرض میں بڑھتا چلا جا رہا تھا، جو کہ سلجوقی سلطان کے ساتھ ساتھ کسی حد تک چنگیزی منگولوں کے زیر نگیں تھا۔ مسلسل سفر کے باعث اس کی ہڈیاں بلبلا اُٹھیں مگر اس کے جوش و جذبے میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ اس بار ہر قیمت پر گل وتوڑ کے بارے میں معلوم کرنے کا متمنی تھا۔ اسے اپنے ماضی کی یادوں کی چبھن بے قرار کئے ہوئے تھی۔ اچانک اسے ٹھٹکنا پڑا۔ سامنے کی جانب سے اُٹھنے والے گرد کے غبار نے اس کے خیالوں کا تسلسل منقطع کر ڈالا تھا۔ وہ اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ کر اسے روکنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ غبار اس کے دیکھتے ہی دیکھتے پانچ گھڑسواروں کی شکل میں تبدیل ہوگیا، جو کہ نہایت تیز رفتاری سے مطیع الدین کی جانب بڑھ رہے تھے۔ مطیع الدین خاموشی سے ان کی جانب دیکھتا رہا کیونکہ وہ ابھی تک کوئی رائے قائم نہیں کر پایا تھا کہ وہ کون لوگ ہوسکتے ہیں؟ کچھ ہی دیر میں وہ پانچوں گھڑسوار اس کے قریب پہنچ گئے۔ ان کے گھوڑوں کی رفتار سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بھی مطیع الدین کی موجودگی پر متحیر ہیں۔ ان سب کے چہرے سیاہ ڈھاٹوں میں پوشیدہ تھے۔ وہ سیاہ رنگ کے چمکیلے لباسوں میں ملبوس تھے۔ پانچوں گھڑسواروں کی رفتار میں کمی دکھائی دی پھر وہ سب مطیع الدین کے قریب پہنچ کر اس کے گرد دائرے کی شکل میں گھومنے لگے۔ مطیع الدین ان کے حلیوں پر غور کرتے ہوئے یہ سوچ رہا تھا کہ یہ سب لوگ یقیناً فدائی ہی ہوسکتے ہیں۔ ان گھڑسواروں میں سے ایک شخص مطیع الدین کے گرد آلود چہرے کو غور سے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا، اچانک اس کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی۔

''تم مطیع الدین ہی ہو نا.....؟'' وہ جوشیلے لہجے میں چلا کر بولا۔

مطیع الدین شناسا سی آواز سن کر لمحہ بھر کے لئے چونکا۔ دوسرے لمحے وہ اس کے لب و لہجے سے سیاہ پوش کو پہچان چکا تھا۔ وہ یقیناً شیخ ابوالفضل کی آواز تھی، جو کچھ عرصہ پہلے مطیع الدین کو سرقند سے شیخ الرئیس سے ملانے کے لئے اپنی رہنمائی میں قہستان کی جانب لے کر گیا تھا۔

''شیخ ابوالفضل!'' سرشاری کے عالم میں مطیع الدین کے ہونٹ تھرتھرائے۔

''مطیع الدین! تم اس طرف کدھر.....؟'' شیخ ابوالفضل نے تیزی سے پوچھا۔ مطیع الدین کو اس کی سانس پھولی ہوئی محسوس ہوئی۔

''میں شیخ الرئیس سے ملنے شام جا رہا ہوں''۔ مطیع الدین نے جواب دیا۔

''شام!!'' شیخ ابوالفضل کی آنکھیں پھیلتی ہوئی دکھائی دیں۔ ''شام اس جانب کہاں؟ تم تو ارضِ قونیہ میں آچکے ہو، آگے کی جانب دو سو کوس کے فاصلے پر قونیہ کا پہلا شہر تمہیں دکھائی دے گا''۔

''ارضِ قونیہ!!!'' مطیع الدین اس کی بات پر دم بخود رہ گیا۔ ''مگر میں تو.....''

''ہمارے پاس وقت بہت کم ہے، ہمارے تعاقب میں سلجوقی سپاہی دستہ آرہا ہے، ہمیں تیزی سے یہاں سے نکلنا ہوگا۔ تم ہمارے ساتھ چلو، ہم سب بانیاس قلعے کی جانب جا رہے ہیں۔ شیخ الرئیس آج کل وہیں

موجود ہیں''۔ شیخ ابوالفضل اس کی بات کاٹتے ہوئے جلدی سے بولا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا تو انہوں نے گھوڑوں کو آگے کی جانب بڑھا دیا۔ مطیع الدین سلجوقی دستے کے تعاقب کی بات پر متفکر سا دکھائی دینے لگا۔ اس نے اپنے خیال کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے گھوڑے کو ان پانچوں کے عقب میں دوڑا دیا۔ وہ سب تیز رفتاری سے ان بلند و بالا پہاڑوں کی جانب بڑھ رہے تھے، جن کے عقب میں بلادِ شام کی سرحد شروع ہو جاتی تھی تو دائیں جانب قسطنطنیہ کی۔ مطیع الدین اپنے گھوڑے کو مہارت سے دوڑاتا ہوا شیخ ابوالفضل کے پاس لے آیا، وہ اس سے بات کرنے کا متمنی تھا۔ شیخ ابوالفضل اس کی قربت دیکھ کر اس کا مقصد سمجھ گیا۔ اس نے چیختے ہوئے اُسے منزل پر پہنچنے کے بعد بات کرنے کی ہدایت کی۔ مطیع الدین خاموشی سے اس نئے سفر میں مگن ہو گیا۔ شیخ ابوالفضل کی بے قراری اور عجلت دیکھ کر اسے کسی قدر اندازہ ہونے لگا کہ یقیناً کوئی خطرے والی بات ہے، اسی لمحے اس کے ذہن میں سلجوقی دستے کا خیال کوندا۔ اس کی گردن لاشعوری انداز میں پیچھے کی طرف گھوم سی گئی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں، شیخ ابوالفضل نے اس کے ساتھ واقعی جھوٹ نہیں بولا تھا ان کے تعاقب میں حقیقتاً ایک پھیلا ہوا غبار دکھائی دے رہا تھا جو نہایت سرعت کے ساتھ ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

قاہرہ کا قصر خلافت خلیفہ الحاکم بامراللہ کے انتخاب کے بعد ایک بار پھر روشنیوں اور رونق کی آماجگاہ بن چکا تھا۔ مصری اور مملوک امرأ و روساء تمام دن خلیفہ کے گرد جمع رہتے اور طرح طرح کے روایتی مباحثوں کا سلسلہ جاری رہتا۔ خلیفہ الحاکم بامراللہ سابق خلیفہ مستنصر باللہ سے خاصا مختلف تھا اسے سابق خلیفہ کی نسبت اپنے گرد محافل سجائے رکھنے کی عادت تھی۔ مصری امرأ کی باریک بین نگاہوں نے بہت جلد ہی خلیفہ الحاکم بامراللہ کی اس کمزوری کو بھانپ لیا۔ درباری محافل نے بہت ہی جلد خوشامد اور چاپلوسی کا لبادہ اوڑھ لیا۔ خلیفہ الحاکم بامراللہ امرأ کے خوشامدی حلقے کی چکنی چپڑی باتوں میں بے حد مسرور رہنے لگا اُسے تو صرف نظامِ خلافت کے برقرار رکھنے سے غرض تھی۔ حکومتی معاملات میں اس کی دلچسپی واجبی سی تھی۔ سلطان بیبرس سے کبھی کبھار ملاقات ہو جاتی تو وہ سلطنت کا حال معلوم کر لیا کرتا۔ سلطان بیبرس اس عرصے میں سلطنت کے استحکام کے سلسلے میں مختلف پیش بندیوں میں اُلجھا رہا۔ اس کا ایک قدم قاہرہ میں ہوتا تو دوسرا دمشق میں، تیسرا ارضِ فلسطین میں، ان دنوں سلطان بیبرس کا زیادہ تر وقت گھوڑے کی پیٹھ پر ہی گزرتا رہا۔ وہ اسلامی سلطنت کے تحفظ و یکجہتی میں دن رات مصروف رہتا۔ قاہرہ کا انتظام و انصرام سلطان بیبرس کے معتمد خاص امیر فخر الدین لقمان اور امیر فارس الدین اقطائی کے سپرد تھا۔ سلطان بیبرس کی قاہرہ میں عدم موجودگی نے مصری امرأ کو ایک بار پھر سر اُٹھانے کا موقعہ فراہم کر دیا۔ وہ آغاز سے ہی مملوک حاکمیت سے نالاں تھے اور بلادِ مصر پر اقتدار کے حقیقی وارث ایوبی سلطانوں کو ہی تصور کرتے تھے۔ مصری امرأ نے موقعہ پا کر خلیفہ الحاکم بامراللہ کے سامنے سلطان بیبرس اور مملوک امرأ کی شکایات کے دفتر کھول دیئے اور نظامِ حکومت پر کڑی تنقید کرنا شروع کر دی۔ وہ رعیت میں سے طرح طرح کی شکایات ڈھونڈ نکالتے اور موقعہ کی مناسبت سے سلطان بیبرس کے خلاف خلیفہ الحاکم بامراللہ کے کان بھرتے رہتے۔ خلیفہ الحاکم بامراللہ نے ان امرأ کو تسلی دیتے ہوئے معاملات کی چھان بین کا ذمہ قاہرہ کے قاضی القضاۃ برہان الدین بخاری کے ذمے لگا یا۔ قاضی برہان الدین شرعی امور کے معاملے میں بے حد سخت اور راسخ العقیدہ حنفی تھے۔ انہوں خلیفہ الحاکم بامراللہ کے حکم کو سر آنکھوں پر رکھتے ہوئے امرأ کی بیان کردہ شکایات کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ خلیفہ حاکم بامراللہ نے تمام امرأ کو ہدایت کر دی کہ وہ اپنی جملہ

شکایات تحریری شکل میں قاضی برہان الدین بخاری کے پاس جمع کروایا کریں تاکہ قاضی برہان الدین ان کا معائنہ کر کے جامع رپورٹ تیار کر سکیں۔ اس رپورٹ کے بعد سلطان بیبرس سے معاملات دریافت کئے جائیں گے۔ امرأ نے مختلف محکمہ جات کے افسروں کی چھوٹی موٹی بدعنوانیوں اور لاپرواہیوں اور کوتاہیوں کی جھوٹی سچی شکایات قاضی برہان الدین بخاری کے پاس جمع کرانا شروع کر دیں۔ یہ سلسلہ ایسا طویل ہوا کہ قاضی برہان الدین بخاری کو معاملات کی تحقیق کے لئے مختلف محکمہ جات اور متاثرہ افراد کے پاس خود جانا پڑا۔ وہ ہر ایک سے پوری بات سنتے اور شکایت کے ذمہ دار لوگوں کو بھی برا بھلا کہتے اور انہیں نیک چال چلن کی ہدایت کرتے۔ ان کا روزانہ کا معمول یہی بن گیا تھا کہ وہ ضروری معاملات سے فارغ ہوتے ہی شکایات کی تحقیق میں نکل پڑتے۔

ایک دن وہ اپنی عادت کے مطابق دیوان جزیہ جا پہنچے۔ یہ محکمہ غیر مسلموں سے ان کی جان و مال کی حفاظت کے لئے جزیہ کی مقررہ رقم وصول کرتا تھا اس محکمے کی ایک دوسری اہم ذمے داری ان لوگوں سے جزیہ وصول کرنا بھی تھا جو لوگ جسمانی و مالی استطاعت رکھنے کے باوجود عسکری خدمت سے مستثنیٰ تھے۔ ان سے دوسری سہولتوں کے عوض خاص شرح کے مطابق جزیہ لیا جاتا تھا۔ اس جزیہ کی مقدار بالعموم دس سے پچیس درہم ماہانہ کے درمیان مقرر کی گئی تھی۔ قاضی برہان الدین بخاری کو یہ شکایت ملی کہ افسران اپنے مناصب سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے زیادہ جزیہ وصول کرتے ہیں اور اندراج کم کرتے ہیں۔ قاضی برہان الدین بخاری عام افراد کی قطار میں شامل ہو کر تمام وقت مشاہدے میں مصروف رہے۔ تمام وقت میں ایک شخص انہیں ایسا دکھائی دیا جس نے مقررہ شرح سے کچھ زائد جزیہ ادا کیا جبکہ افسر نے کم کا اندراج کیا۔ قاضی برہان الدین بخاری نے جزیہ ادا کرنے والے شخص کا ہاتھ تھاما اور اسے ساتھ لئے تیزی سے اس افسر کے سر پر جا پہنچے۔ قاضی برہان الدین بخاری نے اپنی جلالی طبیعت کے باعث بلا سوچے سمجھے فرطِ طیش کے عالم میں افسر کا گریبان پکڑ لیا اور غصیلے انداز میں اس سے دریافت کیا کہ اس نے اس شخص سے زائد رقم کیوں لی اور کم اندراج کیوں کیا؟ افسر قاضی برہان الدین کی صورت اور منصب سے واقف نہیں تھا اس نے جھٹکے سے اپنا گریبان چھڑاتے ہوئے ردعمل کا مظاہرہ کیا۔ دونوں میں تو تڑاخ شروع ہو گئی۔ باقی لوگ تماشائی بنے کھڑے طرح طرح کی بولیاں بولنے میں مصروف رہے اسی اثناء میں ایک باریش شخص آگے بڑھا۔ اس کے ہاتھوں میں موٹے دانوں والی تسبیح تھی۔ اس نے دونوں کو خاموش ہونے کے لئے کہا اور افسر سے قاضی برہان الدین بخاری کا تعارف کرایا کہ وہ قاہرہ کے قاضی القضاۃ ہیں۔ جنہیں وہ بخوبی جانتا ہے۔ افسر قاضی موصوف کا منصب سن کر ایک قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر خوف و پریشانی سی جھلکنے لگی۔ باریش شخص نے دھیمے انداز میں دونوں سے معاملہ دریافت کیا۔ قاضی برہان الدین بخاری نے غصے بھرے لہجے میں وقوعہ بیان کیا۔ باریش شخص نے افسر کو قریباً ڈانٹتے ہوئے پوچھا کہ یہ کیا بدعنوانی ہے؟ وہ افسر قاضی برہان الدین بخاری کا نام سن کر کافی گھبرا چکا تھا قریباً گھگیائے ہوئے انداز میں بولا۔

''حضور! یہ کوئی بدعنوانی نہیں ہے بلکہ اس شخص نے گذشتہ مہینے کم رقم ادا کی تھی اور باقی رقم کا ادھار کر کے چلا گیا تھا۔ میں نے اس کے حصے کے پیسے اپنی جیب سے ادا کئے۔ اس مہینے اس نے رقم کے ساتھ گذشتہ ماہ کا بقایا بھی ادا کر دیا تو گذشتہ ماہ اپنی شامل کردہ رقم میں نے اس میں سے الگ کر کے رکھ لی۔ اس کے علاوہ اور کوئی معاملہ نہیں ہے، آپ بلاشبہ اس شخص سے دریافت کر سکتے ہیں؟'' افسر کے خاموش ہوتے ہی وہ شخص تیزی سے بول پڑا۔ اس کی تائید کے ساتھ مجمع میں سے بھی ایک دو لوگوں نے صاد کیا تو قاضی برہان

الدین بخاری اپنی جلد بازی پر نادم دکھائی دیئے۔ وہ نرمی سے بولے، اگر وہ پہلے ہی بتا دیتا تو تلخی کی نوبت نہ پیدا ہوتی۔ افسر نے جلدی سے جواب دیا کہ اگر آپ سیدھی طرح مجھ سے پوچھتے تو میں یقیناً آپ کو بتا دیتا مگر آپ نے بھی تو سیدھا میرے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا تھا...... قاضی برہان الدین بخاری نے سب لوگوں کے سامنے اس سے اپنے رویّے کی معافی مانگی۔ باریش شخص اس معاملے کے خاتمے پر قاضی برہان الدین بخاری کی جانب متوجہ ہوا۔

''قاضی برہان الدین! آپ کو سلطان نے قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز کیا تھا، یہ آپ کس دھندے میں پڑے ہوئے ہیں؟''

''یہ بھی سرکاری ذمہ داری ہے جو کہ امیر المومنین نے مجھے سونپ رکھی ہے''۔ قاضی برہان الدین بخاری دھیمے انداز میں بولے۔

''کیا اس وقت آپ کی جگہ پر کوئی دوسرا نائب موجود ہے؟ جو آپ کے فرائض سرانجام دے رہا ہے''۔ باریش شخص نے اچانک سوال کیا۔ قاضی برہان الدین بخاری نے عجیب سی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔ انہیں شاید باریش شخص کا سوال ناگوار گذرا تھا لہٰذا وہ خاموش رہے۔

''قاضی محترم! میں نے آپ سے کچھ دریافت کیا ہے؟'' باریش شخص کسی قدر سختی سے بولا تو قاضی برہان الدین نے ناراضگی کے عالم میں جواب دیا۔

''بزرگوارم! میں آپ کے اس سوال کا جواب دینے کا پابند نہیں ہوں''۔

''قاضی محترم! آپ دوسروں کی بے ضابطگیوں کا تو خفیہ معائنہ کر رہے ہیں کیا آپ خود بے ضابطگی کے مرتکب نہیں ہو رہے، کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی عدالت سے عدم موجودگی کے باعث وہاں کتنے لوگ پریشان ہو رہے ہوں گے؟'' باریش شخص تیز لہجے میں بولا۔

''یہ فرض میں نے اپنے تئیں اختیار نہیں کیا ہے، بلکہ مجھے ایسا کرنے کا حکم ملا ہے''۔ قاضی برہان الدین اس بوڑھے شخص کی بے باکی پر تنک کر بولے۔

''بہر کیف! میں امیر المومنین سے اس بارے میں بعد میں بات کروں گا۔ آپ ابھی یہ تمام کام چھوڑ کر اپنے گھر تشریف لے جایئے، میں نے آج آپ کا جو انداز ملاحظہ کیا ہے اس کے بعد میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ آپ کو قاضی القضاۃ کے منصب سے معزول کر دیا جائے''۔ باریش شخص سخت آواز میں بولا۔ قاضی برہان الدین بخاری اس کی بات پر یکدم چکرا کر رہ گئے۔ وہ حیرت و پریشانی سے اس باریش شخص کو دیکھ رہے تھے۔ شاید وہ اسے پہچاننے کی کوشش میں مصروف تھے۔ وہ باریش شخص کوئی اور نہیں تھا ...... بلکہ بلاد مصر و شام کا سلطان ...... بیبرس تھا جو گذشتہ کئی دن سے قاہرہ میں موجود تھا اور پوشیدہ انداز میں مختلف محکمہ جات کی کارکردگی کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ یہ اتفاق تھا کہ وہ آج دیوان جزیہ میں موجود تھا اور اس نے قاضی برہان الدین کو وہاں دیکھا۔ سلطان بیبرس کافی دیر تک ان کی حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اسے تمام وقت یہ معلوم نہ ہو پایا کہ قاضی برہان الدین وہاں کیا کر رہے ہیں۔ جب اس کی جذباتیت کھلی تو وہ سمجھ گیا۔ ممکن تھا کہ وہ ان کی اس خدمت پر مسرور ہوتا مگر معاملے کو غلط انداز میں حل کرنے کی وجہ سے اسے یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ قاضی برہان الدین بخاری جیسا شخص قاضی القضاۃ جیسے اہم منصب کے لائق نہیں۔ اسی لئے سلطان بیبرس نے فوری پر قاضی موصوف کی معزولی کا فیصلہ کر لیا۔ مملوک حکومت کے قیام کے بعد قاضی القضاۃ کے عہدوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ایک حصے پر قاضی برہان الدین بخاری فائز تھے تو دوسرے حصے پر قاضی تاج الدین بنت

الاعز مقرر تھے۔ سلطان بیبرس نے اس منصب کے دو حصوں کو ختم کر کے قاضی تاج الدین کو ہی مکمل اختیارات سونپ دیئے۔ اس اعلان کے ساتھ سلطان بیبرس خلیفہ الحاکم بامراللہ کی خدمت میں پیش ہوا اور قدم بوسی کے بعد انہیں آگاہ کیا کہ نظام سلطنت مکمل طور پر اس کی گرفت میں ہے اور کسی قسم کی بدعملی یا کوتاہی کا کوئی وجود نہیں ہے۔ وہ محتاط انداز میں امراء اور وساء سے پیش آئیں اور اپنی محافل میں شریر لوگوں کو نہ بیٹھنے دیں۔

سلطان بیبرس کی جانب سے یہ مشورہ خلیفہ الحاکم بامراللہ کو کسی قدر ناگوار گذرا۔ قاضی برہان الدین بخاری کی معزولی کو بھی اپنی بے اختیاری سے موسوم کیا۔ سلطان بیبرس حرمت خلافت کو محفوظ رکھنے کے بارے میں سوچ رہا تھا تو خلیفہ الحاکم بامراللہ اس کی جانب سے بدگمانی کا شکار ہو رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین اپنے عقب میں اُٹھنے والے گرد کے بادل دیکھ کر تشویش میں مبتلا ہو گیا، اس نے تیزی سے شیخ ابوالفضل کی توجہ اس طرف دلائی شیخ ابوالفضل نے جلدی سے گردن گھما کر اڈتے ہوئے غبار کو دیکھا تو قریباً چیخ کر اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوا ''سلجوقی دستے کی رفتار ہماری رفتار سے زیادہ تیز ہے، وہ ہر حال میں ہمیں پکڑنا چاہتے ہیں، ہمیں کسی بھی طریقے سے انہیں قریب پہنچنے نہیں دینا چاہئے، یاد رکھو کہ فاصلوں کے سمٹنے سے پہلے پہلے سامنے والے پہاڑ کے درّوں تک پہنچنا ہے، وہاں پہنچ کر ہی ہم انہیں جُل دینے میں کامیاب ہو سکیں گے جیسے تیسے ہو اپنی رفتار تیز کر لو''۔

''شیخ اگر رفتار زیادہ بڑھائی گئی تو ہمارے گھوڑے زخمی ہونے کا قوی امکان ہے۔ اس سے زیادہ رفتار ممکن نہیں''۔ اس کے ایک ساتھی نے چیخ کر جواب دیا۔ شیخ ابوالفضل اس کی بات سن کر دیوانہ سا دکھائی دینے لگا۔

''شیخ ابوالفضل! تم لوگ وہاں ایسا کیا کر کے آئے ہو کہ سلجوقی سپاہی تمہاری جان کے دشمن بن کر یوں پیچھے پڑے ہیں''۔ مطیع الدین اپنے تجسس پر بند نہ باندھ پایا۔ نامناسب موقعے پر مطیع الدین کا سوال شیخ ابوالفضل کو پسند نہیں آیا اس نے شعلہ بار نگاہیں مطیع الدین کے چہرے پر ڈالی۔

''یہ وقت کچھ بتانے کا نہیں ہے، صرف جان بچانے کا ہے، میں نے تمہیں کہا ہے نا کہ محفوظ مقام پر پہنچ کر سب کچھ پوچھ لینا''۔ اس کے لہجے میں تلخی عیاں تھی۔ مطیع الدین اس کے ناگوار لہجے پر برا سا منہ بنا کر رہ گیا جبکہ شیخ ابوالفضل اس کی جانب سے قطعی لاپرواہ دکھائی دیا۔ وہ سب اس حقیقت سے آگاہ ہو چکے تھے کہ ان کے پاس وقت بہت قلیل ہے۔ اس پُرخطر پتھریلے راستے کو طے کر کے درّوں تک پہنچنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ سلجوقی دستے کی رفتار اس بات کی عکاس تھی کہ انہیں ان پتھریلی راہوں پر سفر کرنے میں بے حد مہارت حاصل ہے۔ دونوں گروہوں کی دوڑ یکساں لگی رہی، البتہ سلجوقی دستے کے سوار فاصلوں کی حدود سکیڑتے چلے گئے۔ شیخ ابوالفضل کو اس بے چینی کے عالم میں اپنی سانسیں اکھڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ درّے کچھ زیادہ دور نہیں رہ گئے تھے جبکہ سلجوقی دستے کے سوار صاف دکھائی دینے لگے۔ مطیع الدین کو صاف اندازہ ہو گیا کہ سلجوقی دستہ یقیناً انہیں درّوں تک پہنچنے سے پہلے ہی آ لے گا۔ دوسرے فدائی سوار بار بار گردن پھیر کر عقب کا فاصلہ ناپنے کی کوشش کرنے لگے۔ شیخ ابوالفضل یہ دیکھ کر فرط طیش سے چیخا۔ ''یوں بزدلوں کی مانند پیچھے مڑ مڑ کر مت دیکھو۔ تمہاری ہمت ٹوٹ جائے گی''۔

گھڑسواروں نے شیخ ابوالفضل کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اپنی تمام تر توجہ گھوڑوں پر مرکوز کر لی۔ پہاڑی درّوں اور فدائی گھڑسواروں کے درمیان بہت کم فاصلہ رہ گیا تھا۔ سلجوقی دستہ بھی قریباً ان کے سر پر پہنچ

چکا تھا۔ سلجوقی سپاہیوں کی کوشش یہی تھی کہ وہ ان گھڑسواروں کو کسی قیمت پر پہاڑی درّے میں داخل نہ ہونے دیں۔ پہاڑی درّے بالکل نزدیک تھے کہ شیخ ابوالفضل نے اپنے تین ساتھیوں کو ہدایت کی وہ گھوڑوں کا رُخ پھیر کر سلجوقی دستے سے بھڑ جائیں اور انہیں اتنی دیر تک اُلجھائے رکھیں کہ وہ ان درّوں میں گم ہو سکیں۔ مطیع الدین شیخ ابوالفضل کے اس انوکھے حکم پر دنگ رہ گیا۔ وہ اپنے تین ساتھیوں کو موت کے منہ میں دھکیل رہا تھا جہاں ان کی زندگی بچنا ناممکن تھا۔

شیخ ابوالفضل کا حکم سنتے ہی وہ تینوں گھڑسوار مقناطیسی انداز میں مڑ کر سلجوقی دستے کی جانب بڑھنے لگے۔ مطیع الدین ان کی بلاچوں و چرا فرمانبرداری پر پریشان ہو کر رہ گیا۔ سلجوقی دستہ شیخ ابوالفضل کی چال کو شاید سمجھ گیا تھا سپاہیوں نے اپنی کمانیں سیدھی کرتے ہوئے ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر ڈالی۔ یہ بڑا مشکل مرحلہ تھا۔ تیروں کی شدید بارش ان کے عقب میں ہو رہی تھی اور وہ کسی بھی وقت ان تیروں کی زد میں آسکتے تھے۔ مطیع الدین نے آخری بار مڑ کر حالات کا جائزہ لیا۔ وہ پہاڑی درّے میں داخل ہونے سے پہلے اپنے تحفظ کی یقین دہانی کرنا چاہتا تھا۔ اس کی نگاہ ان تینوں گھڑسواروں پر پڑی جو کچھ ہی دیر پہلے ان سے الگ ہو کر واپس مڑ گئے تھے۔ ان تینوں کی جھولتی ہوئی لاشیں گھوڑوں پر لٹکی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ ایک عجیب سے خوف کا غلبہ مطیع الدین کے جسم پر طاری ہو گیا، اسے اپنا وجود بے جان ہوتا محسوس ہوا۔ شیخ ابوالفضل اس کی کیفیت کو جان گیا۔ اس نے اپنی چابک لہراتے ہوئے مطیع الدین کے گھوڑے کی پچھلی ٹانگوں پر رسید کی۔ مطیع الدین کا گھوڑا بری طرح سے تڑپا اور بے قابو سا ہو کر درّے میں داخل ہو گیا۔ اسی لمحے ایک تیز چیخ فضا میں گونجی۔ مطیع الدین چیخ کی آواز پر جیسے ہوش میں آگیا۔ اس نے تیزی سے گردن گھمائی۔ اسے یہ جاننے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ چیخ شیخ ابوالفضل کی ہی تھی۔ ایک سنسناتا ہوا تیر اس کے حلق میں نکلا ہوا دکھائی دے رہا۔ شیخ ابوالفضل کا ایک ہاتھ حلق پر جما ہوا تھا، اس نے دوسرے ہاتھ کے ساتھ ایک طرف خفیف سا اشارہ کیا۔ مطیع الدین اپنے ساتھی گھڑسوار کے ساتھ اسی رستے کی جانب مڑ گیا۔ درّے کے اندر عجیب سی بھول بھلیاں تھی۔ تنگ راستوں کا جال بکھرا ہوا تھا۔ آخری بچنے والا گھڑسوار تیزی سے ان تنگ راستوں میں آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ مطیع الدین کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ اس کے عقب میں خاموشی سے سفر کرتا رہے۔ درّے کی ویران راہداریوں میں صرف ان کے گھوڑوں کی ٹاپیں گونج رہی تھیں۔ یہ گونج ایسی تھی کہ تعاقب کرنے والے بھی اس بات کا صحیح اندازہ نہیں کر سکے کہ وہ دونوں گھڑسوار کس جانب سفر کر رہے ہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں مطیع الدین کو اندازہ ہو گیا کہ اس کا رہنما گھڑسوار ان پُر پیچ راستوں سے بخوبی واقف ہے۔ مطیع الدین کا بدن ارضِ قونیہ میں داخل ہوتے وقت ہی تکان سے چور تھا، دوسرا سلجوقی دستے کے تعاقب نے اس کا عضو عضو جھنجوڑ ڈالا تھا۔ اسے اب یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اب کسی بھی وقت گھوڑے سے نیچے جا گرے گا۔ دوسرے گھڑسوار کی رفتار میں دھیما پن آگیا۔ اس نے گردن گھما کر مطیع الدین کی جانب دیکھا۔ وہ بخوبی سمجھ گیا کہ مطیع الدین کی حالت درست نہیں ہے۔ اس نے ایک طرف مڑنے کا اشارہ کیا۔ مطیع الدین نے اپنی پوری استطاعت سمیٹتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ دونوں ایک چھوٹے رخنے میں پہنچ گئے۔ مطیع الدین نے اس رخنے پر نگاہ ڈالی تو اسے یہ اندازہ لگانے میں دیر نہیں ہوئی کہ یہ تنگ رخنہ ان کے لئے یقیناً عمدہ پناہ گاہ ثابت ہو سکتا تھا۔ مطیع الدین جھولتا ہوا بمشکل گھوڑے سے نیچے اترا اور ایک جانب ڈھیر ہوتا چلا گیا۔ گھڑسوار نے نیچے اتر کر دونوں گھوڑوں کو ایک جانب کھڑا کیا اور ان کی باگیں ایک پتھر کے نیچے دبا دیں۔ اپنے کام سے فارغ ہو کر اس نے چھوٹا سا مشکیزہ نکالا اور مطیع الدین کی جانب بڑھا دیا۔ مطیع الدین پانی

دیکھ کر چونک پڑا افراتفری کے اس عالم میں اسے اتنا بھی ہوش باقی نہیں رہا کہ وہ اپنے پہلو میں لٹکے ہوئے مشکیزے سے پانی ہی پی لیتا۔ پانی کے چند گھونٹ حلق سے نیچے اتارنے کے بعد وہ بری طرح ہانپنے لگا۔ کچھ دیر میں اس کی سانسیں بحال ہوتی چلی گئیں۔ تکان کے باعث اُسے اپنی آنکھیں خود بخود بند ہوتی محسوس ہوئیں پھر وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہوتا چلا گیا۔

❁ ❁ ❁

شہنشاہ فرانس شاہ لوئی نہم کی اطالیہ کے شاہ منفریڈ کے خلاف زور و شور سے عسکری تیاریوں کی خبریں بہت جلد صلیبی علاقے میں پہنچ گئیں۔ صلیبی مخبروں نے قاہرہ کے حالات معلوم کر کے یہ خبر اپنے سرداروں تک پہنچا دیں کہ سلطان بیبرس بڑی تیز رفتاری سے بحری بیڑوں کی تیاری میں مصروف ہے۔ اس کا قوی امکان ہے کہ وہ شاہ منفریڈ کی مدد کے لئے مملوک افواج کو روانہ کرے گا۔ صلیبی سردار اس اطلاع پر باہم سر جوڑ کر بیٹھ گئے، ان سرداروں کی متفقہ رائے یہی تھی کہ سلطان بیبرس کو شاہ منفریڈ کی مدد سے کسی بھی طرح روکا جائے۔ وہ بظاہر اس حالت میں نہیں تھے کہ وہ لشکر لے کر قاہرہ پر چڑھائی کر دیتے۔ اگر وہ قاہرہ پر حملے پر متفق بھی ہو جاتے تو ان کے درمیان منتظم اعلیٰ کی جنگ چھڑ جاتی کیونکہ ہر سردار اپنے آپ کو اعلیٰ وارفع خیال کرتا تھا اور دوسرے کی حاکمیت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوتا۔ صلیبی حملوں میں صرف اسی وقت تیزی آتی تھی جب انہیں کوئی رہنما میسر آجاتا۔ یہ حقیقت تھی کہ صلیبی جنگوں کے منتظم اعلیٰ ہمیشہ دوسری سلطنتوں کے شاہ یا ڈیوک ہوا کرتے تھے۔ مقامی صلیبی سپاہ میں ایسی صلاحیت مفقود تھی وہ صرف اپنے محفوظ قلعوں کے گرد و پیش میں لوٹ مار کرنے میں ماہر تھے۔ صلیبی سرداروں کی باہمی ملاقات میں مختلف فارمولے پیش کئے گئے مگر جس طریق کار پر سب متفق ہوئے وہ یہی تھا کہ تمام صلیبی قلعوں سے مسلمانوں پر حملوں کا سلسلہ بڑھا دیا جائے اور قافلوں کی لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار اس قدر گرم کر دیا جائے کہ سلطان بیبرس شاہ منفریڈ کو بھول کر ان کی جانب متوجہ ہو جائے۔ یہ منصوبہ بندی ایک طرح کی خودکشی پر مبنی تھی۔ صلیبی سردار وں کو اپنے مضبوط قلعوں پر پورا بھروسہ تھا۔ زیادہ سے زیادہ سلطان بیبرس ان قلعوں کا محاصرہ کر لیتا۔ اس طرح کی حرکات سے شاہ منفریڈ کی مدد کا وقت گزارا جا سکتا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ سلطان بیبرس بھی سابق سلطانوں کی مانند بالآخر ان سے صلح پر آمادہ ہو جائے گا اور وہ اپنا مقصد پانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس مشترکہ فیصلے کا مراسلہ بنا کر انطاکیہ، انا طولیہ، طرابلس الشام اور قسطنطنیہ روانہ کیا گیا تا کہ شدید حالات میں وہاں سے فوری طور پر مدد حاصل کی جا سکے۔ دیگر ریاستوں کی نسبت قسطنطنیہ سے اس عمل درآمد کی اجازت ملنا بے حد ضروری خیال کی جاتی تھی کیونکہ ارض فلسطین و لبنان میں صلیبی اقتدار کی اصل ڈور تو شاہ قسطنطنیہ کے ہاتھ میں تھی۔

شاہ قسطنطنیہ کو صلیبی سرداروں کا یہ طریقہ کار بے حد پسند آیا۔ فی الوقت اسے یہی خواہش تھی کہ کسی بھی طرح شاہ منفریڈ کو شکست سے دوچار کر دیا جائے اور اطالیہ میں نصرانیت کا بول بالا ہو جائے۔ شاہ منفریڈ اس کے لئے عزت کا نشان بن کر رہ گیا تھا۔ سلطان بیبرس سے اس کے اچھے تعلقات کی بھنک شاہ قسطنطنیہ کو بھی پڑ چکی تھی۔ شاہ قسطنطنیہ بظاہر کھل کر سلطان بیبرس کی مخالفت نہیں کر سکتا تھا کیونکہ سلطان بیبرس نے اپنی حکمت عملی سے اس کے دونوں ہاتھ باندھ رکھے تھے۔ اس نے صلیبی سرداروں کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا اور جوابی مراسلے میں ان کے اقدام کی حمایت کرتے ہوئے سلطان بیبرس کا مقابلہ کرنے کی پُرزور سفارش کی۔ اس کا مراسلہ کلیسا کی مناجات اور دعاؤں کا بھرپور نمونہ تھا۔ صلیبی سردار شاہ قسطنطنیہ کا آشیر باد پا کر تیزی سے اپنے منصوبے پر عمل درآمد کرنے لگے۔ ارض لبنان کے سواحل سے لے کر بلادِ شام تک صلیبی قلعوں کا ایک زنجیر نما

بڑا حلقہ اسلامی سلطنت کو پوری طرح اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھا۔

صلیبی سرداروں نے اپنی اپنی عسکری سپاہ کو نئے طے شدہ لائحہ عمل کے مطابق قلعوں سے باہر نکالا۔ پہلے پہل صلیبی لٹیروں نے مختلف سفری راستوں پر غارت گری مچائی اور بے شمار بے گناہ قافلوں کو موت کے گھاٹ اتار ڈالا۔ صلیبی سرداروں نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ قریبی شہری آبادی کو بھی نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ مختلف شہروں کے والیوں نے اپنے طور پر بے شمار اقدامات اُٹھائے مگر صلیبی جم کر مقابلے کی نیت سے نہیں آتے تھے، وہ مسلمانوں کی بے خبری کا فائدہ اُٹھا کر واپس لوٹ جاتے۔ جب یہ معاملہ ریاستی والیوں کے بس سے باہر نکلنے لگا تو انہوں نے سلطان بیبرس کو تمام حالات سے آگاہ کیا اور صلیبی لوٹ مار اور قتل و غارت کی تفصیلات بھیجنا شروع کر دیں۔ سلطان بیبرس ایک عرصے سے صلیبی چیرہ دستیوں کو دیکھ رہا تھا۔ صلیبی تاتاری معاونت پر اپنی حدود سے باہر نکل چکے تھے اور ظلم و جور میں نڈر ہو چکے تھے۔ سلطان بیبرس ان اطلاعات کے بعد یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ صلیبی قوت سے نمٹنا اب ضروری ہو چکا ہے۔ تاتاری خطرہ اپنی جگہ بدستور موجود تھا۔ ہلاکو خان کسی بھی وقت اسلامی سلطنت کا رُخ کر سکتا تھا۔ اس نازک ترین دور میں صلیبی سرکشیوں کا منہ توڑ جواب دینا بھی اشد ضروری ہو چکا تھا۔ سلطان بیبرس نے اپنی مجلس مشاورت سے صلیبی لٹیروں کے بارے میں مشورہ کیا تو سب نے باہمی طور پر سلطان بیبرس کے دل کی بات کہی۔ سب لوگوں نے صلیبی حملہ آوروں کو سبق سکھانے پر زور دیا۔

سلطان بیبرس نے بلادِ مصر کا انتظام فارس الدین اقطائی کے حوالے کیا اور امیر فخر الدین لقمان کو اس کا خاص معتمد مقرر کیا جبکہ بلادِ شام کا انتظام بدستور امیر قلاوون الفی کے پاس رہنے دیا۔ اس نے فوری طور پر مملوک لشکر کو تیاری کا حکم جاری کر دیا کہ وہ کسی بھی وقت کوچ کر سکتے ہیں۔

❁ ❁ ❁

گھوڑے کی ہنہناہٹ کی آواز اس کے دماغ میں بڑی شدت سے اترتی چلی گئی۔ اس کے ذہن پر چھائے ہوئے تاریکی کے بادل ایک ایک کر کے ہٹتے چلے گئے۔ ہوش و حواس درست ہونے پر وہ چونک کر اُٹھ بیٹھا اور اِدھر اُدھر آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا اسے لمحہ بھر کے لئے کچھ سجھائی نہیں دیا پھر آہستہ آہستہ اس کے ذہن کے آئینے پر پڑی ہوئی گرد صاف ہوتی چلی گئی۔ گزرے ہوئے لمحوں کا منظر اس کی نگاہوں کے سامنے گھومنے لگا۔ شیخ ابو الفضل کے حلق میں تیر پیوست ہونے سے ہلاکت اور فدائی گھڑ سوار کی ہمراہی میں ہی وہ اس رخنہ میں پہنچا تھا اور تکان سے نیند کی گہرائیوں میں اتر گیا تھا۔ اس کی نگاہیں فدائی گھڑ سوار کی تلاش میں بھٹکنے لگیں۔ دونوں گھوڑے بدستور اپنی جگہ پر موجود تھے جبکہ وہ فدائی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ مطیع الدین اپنی جگہ سے اُٹھا تو اسے احساس ہوا کہ ابھی اس کی تکان مکمل طور پر نہیں اُتر پائی اور اس کا جسم شدید درد کی لپٹوں میں جکڑا ہوا ہے۔ اس نے کھڑے ہو کر اپنے جسم کو مختلف زاویوں میں حرکت دی تاکہ وہ کسی قدر سفر کرنے کے قابل ہو جائے ارض قونیہ پر وہ جس شدید خطرے سے دوچار ہوا تھا اس نے اس کے اعصاب کو مضمحل کر ڈالا تھا۔ مطیع الدین فدائی کے بارے میں سوچتا ہوا اس رخنے سے باہر نکل آیا۔ یہ عجیب سی نیم تاریک راہداریاں تھیں جنہیں شیخ ابو الفضل کچھ دیر پہلے تک درّوں کا نام دے رہا تھا۔ رخنے کے قریب ہی اسے پانی کا ہلکا شور سنائی دیا۔ اس کے قدم خود بخود اس جانب بڑھ گئے۔ شور کی آواز کا اندازہ کرتے ہوئے وہ اس چھوٹے سے پانی کے تالاب کے قریب پہنچ گیا جو بے ڈھنگے سے دائرے کی شکل میں دکھائی دے رہا تھا۔ پانی کی ننھی ننھی بوندیں پتھروں میں سے رس کر اس تالاب میں گر رہی تھیں۔ تالاب کے قریب ہی اسے وہ فدائی بیٹھا دکھائی

دیا۔ اس کا چہرہ ابھی تک ڈھانے میں چھپا ہوا تھا۔ وہ شاید کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ قدموں کی آواز پر اس کی گردن مطیع الدین کی جانب مڑ گئی۔ اس نے مطیع الدین کا چہرہ دیکھ کر اطمینان کی سانس لی۔ مطیع الدین بوجھل قدموں سے چلتا ہوا تالاب کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے جھک کر پانی کے چند چھپاکے چہرے پر مارے۔ پانی کی پُر کیف ٹھنڈک سے اسے تازگی کا احساس ہوا۔ مطیع الدین نے اپنے چہرے کی گرد کو اچھی طرح صاف کرنے کے بعد اس فدائی کی جانب نگاہ ڈالی۔ وہ ابھی تک خاموش بیٹھا تھا۔

''لگتا ہے کہ تم اس جانب اکثر آتے رہے ہو، ان راستوں سے اچھی طرح واقف بھی ہو''۔

اس فدائی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مطیع الدین نے عجیب سی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا، فدائی کی سیاہ سیاہ آنکھیں مطیع الدین کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''یہ پہلا موقعہ ہے کہ میں نے کسی نقاب پوش سے اتنی بات کی ہے۔ ورنہ مجھے تو نقاب زدہ چہروں سے بات کرنے میں بڑی کوفت ہوتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہم سلجوقی سپاہیوں سے محفوظ ہو چکے ہیں لہٰذا اب یہ پردہ داری ختم کر دو''۔ مطیع الدین بلا تکلف بولتا چلا گیا۔ فدائی نے ایک بار پھر کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر تک وہاں پہاڑی چشمے پر پانی کی بوندوں کی آوازوں کے سوا کچھ سنائی نہ دیا۔ مطیع الدین فدائی کی خاموشی اور بے اعتنائی پر تلملا کر رہ گیا۔

''کیا بات ہے کیا تم میری زبان سمجھ نہیں سکتے یا پھر تمہارے منہ میں زبان نہیں ہے۔ تم میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے۔ شیخ ابو الفضل کے سامنے تمہیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ میں کوئی انجان یا دشمن نہیں ہوں بلکہ تم لوگوں کا دوست ہوں اور تمہارے رئیس کے پاس ملاقات کے لئے جا رہا ہوں''۔ مطیع الدین کے لہجے میں کسی قدر تلخی عود کر آئی۔ فدائی اس کی بات پر پہلو بدلنے لگا۔ اس کے بے تابانہ انداز سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ مطیع الدین سے بات کرنا چاہتا ہے مگر کوئی وجہ اس کا دامن باندھے ہوئے ہے۔ بالآخر فدائی نے خاموشی کی مہر توڑ دی اس کی آواز فضا میں گونجی۔

''مطیع الدین! بالکل سچ بتانا کہ تم یہاں کیا کرنے آئے ہو؟''

فدائی کی آواز نے مطیع الدین کے اعصاب کو بری طرح جھنجوڑ کر رکھ دیا، اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ کچھ لمحے پہلے جو آواز اس کی سماعت میں اتری ہے، وہ اس فدائی کے منہ سے ہی برآمد ہوئی تھی۔ وہ تعجب بھری نگاہوں سے اس فدائی کی جانب دیکھتا رہ گیا۔

❁ ❁ ❁

661ھ بمطابق 1263ء کے وسط میں سلطان بیبرس نے ایک جرار لشکر تیار کیا اور نہایت اہتمام کے ساتھ قاہرہ سے نکلا۔ خلیفہ الحاکم بامر اللہ خود قصر خلافت سے نکل کر اسے رخصت کرنے کے لئے شہر کے صدر دروازے تک آیا۔ شیخ عز الدینؒ نے صلیبیوں کے مقابلے پر سلطان بیبرس کی فتح و نصرت کے لئے خصوصی دُعا کی۔ صلیبی سرداروں کو قاہرہ کی خبریں مسلسل پہنچ رہی تھیں۔ انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ سلطان بیبرس ان کے منصوبے کا شکار ہو چکا ہے۔ اس کی توجہ شاہ منفریڈ کی جانب سے ہٹ کر ان کی جانب مبذول ہو چکی ہے۔ لہٰذا انہوں نے پورے زور و شور سے عسکری تیاریاں شروع کر دیں۔ چونکہ تمام قلعے ایک مخصوص زنجیر کی شکل میں تھے اس لئے ان سب میں رابطے کے سلسلے پر خاص توجہ دی گئی۔ صلیبی مخبروں نے جلد ہی یہ اطلاع پہنچا دی کہ سلطان بیبرس کا رُخ شمال کی جانب ہے۔ وہ بلادِ شام کی جانب سے ان پر حملہ آور ہونے کا منصوبہ بنائے ہوئے ہے۔ بلادِ شام کی جانب والے تمام قلعوں میں حفاظتی اقدامات سخت کر لئے گئے۔

سلطان بیبرس نے تمام لشکری سالاروں سے اپنی منزل مخفی رکھی تھی۔ ان کے دریافت کرنے پر سلطان بیبرس نے مختصراً کہا کہ ابھی اس نے کچھ طے نہیں کیا ہے۔ وقت آنے پر انہیں معلوم ہو جائے گا۔ مملوک افواج مسلسل شمال کی جانب سفر کرتی رہیں۔ بلادِ شام کے قریب پہنچنے پر اچانک سلطان بیبرس نے لشکر کو جنوب مشرق میں مڑنے کا حکم دیا۔ لشکری سالار سلطان بیبرس کا یہ انوکھا حکم سن کر دنگ رہ گئے۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنا رُخ جنوب مشرق کی جانب موڑ دیا۔ سلطان بیبرس نے بغیر رُکے اچانک قلعہ الکرک کی جانب برق رفتاری سے پیش قدمی کی قلعہ الکرک ایک قدیم اور مستحکم قلعہ تھا اور اس پر کینہ خصلت ٹیمپلرز قابض تھے۔ صلیبی ٹیمپلرز نے مسلم آزاری اور غارت گری کو اپنا پیشہ بنا رکھا تھا۔ حجاج کے قافلے ان کی خون آشامیوں کا خاص ہدف تھے، چونکہ بلادِ مصر سے حجاز جانے والا راستہ قلعہ الکرک کے قریب سے گزرتا تھا، اس لئے جونہی حجاج کا کوئی قافلہ الکرک کے نواح میں پہنچتا تو الکرک کے شریر صلیبی اس پر بھوکے بھیڑیوں کی طرح ٹوٹ پڑتے۔ حاجیوں کو قتل کر دیا جاتا اور ان کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا جاتا۔ یہ سلسلہ طویل عرصے سے جاری تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس ناپاک امر کو اپنی کامیاب حکمت عملی سے ناکام بنا ڈالا تھا مگر ایوبی سلطنت کی ڈھیلی گرفت کے باعث ٹیمپلرز اپنی سابقہ روش پر دوبارہ قائم ہو گئے تھے۔ یہی وہ قلعہ تھا جہاں سلطان بیبرس کا مرحوم آقا علاء الدین بندقداری اپنا سب کچھ لٹا کر بستر مرگ پر جا پہنچا تھا۔ سلطان بیبرس نے جب قلعہ الکرک کی بلند و بالا فصیل پر نگاہ دوڑائی تو اسے اپنے آقا کی یاد نے بے تاب سا کر دیا۔

یہ حسنِ اتفاق تھا کہ جس وقت سلطان بیبرس اپنے لشکر سمیت قلعہ الکرک کے قریب پہنچا تو قلعہ الکرک کا صدر دروازہ کھلا ہوا تھا اور صلیبی لشکر لوٹ مار کی کسی مہم سے واپس لوٹ رہا تھا۔ صلیبی لشکر نے جب اپنے عقب میں شور و غلغلہ سنا تو ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ انہیں پہلے پہل اپنی بصارت پر یقین نہیں آیا کہ سلطان بیبرس اچانک یہاں نمودار ہو جائے گا۔ سلطان بیبرس کی حکمت عملی نے صلیبی ٹیمپلرز کو حواس باختہ کر ڈالا تھا۔ انہوں نے فوری طور پر یہی فیصلہ کیا کہ جلد از جلد قلعے میں داخل ہو کر صدر دروازہ بند کر لیں تاکہ مقابلے کی صورت ہی نہ پیدا ہو۔ سلطان بیبرس کی مشاق نگاہیں صورتِ حال کو بھانپ چکی تھیں۔ مسلمان سپاہی بھی مسلسل سفر کی بدولت کسی قدر تکان کا شکار تھے۔ سلطان بیبرس نے اپنے سپاہیوں کی ہمت بندھائی اور انہیں ہدایت کی وہ کسی بھی صورت قلعہ کا صدر دروازہ نہ بند ہونے دیں۔ اسلامی لشکر اپنے سلطان کے حکم کی تعمیل میں برق رفتاری سے ان کی جانب بڑھا اور صلیبی لشکر کو صدر دروازے کے قریب ہی جا لیا۔ اب چونکہ صورتِ حال بدل چکی تھی صلیبی لشکر کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ مقابلے پر اتر پڑتے۔ وہ چار و ناچار واپس مڑے اور صفیں سیدھی کرتے ہوئے اسلامی لشکر پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرنے لگے ان کے اس فیصلے میں خاصی تاخیر رونما ہو چکی تھی۔ سلطان بیبرس نے اپنی مملوک طرزِ جنگ کے باعث بہت جلد ان کے قدم اکھاڑ ڈالے۔ چند گھنٹوں کی لڑائی کے بعد ہی صلیبی لشکر میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ مجاہدین نے بھرپور کوشش کی کہ ان میں کوئی بچ کر نہ جانے پائے مگر صلیبی لشکر کی بڑی تعداد فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔

سلطان بیبرس فاتحانہ انداز میں قلعہ الکرک میں داخل ہوا۔ قلعہ میں زیادہ لوگ نہیں تھے۔ انہیں گرفتار کر کے اسیر بنا لیا گیا۔ تمام قلعے پر مکمل گرفت حاصل ہونے کے بعد سلطان بیبرس نے خود بڑھ کر تمام قلعے کا معائنہ کیا۔ قلعہ الکرک میں اسے معلوم ہوا کہ یہاں صلیبیوں نے قلعہ نما تاریخی گرجا الناصرہ کو اپنی جنگی سرگرمیوں کا مرکز بنا رکھا تھا۔ مجاہدین نے جب گرجا الناصرہ سے بھاری مقدار میں اسلحہ برآمد کیا تو سلطان بیبرس نے گرجے کو مسمار کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ حکم کے مطابق الناصرہ کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا گیا۔

اگلے دنوں میں سلطان بیبرس نے قلعہ کی بلند و بالا اور مضبوط ترین فصیل کو مسمار کروایا اور قلعہ الکرک کی حالت ایسی خستہ و شکستہ کر ڈالی کہ وہ دوبارہ عسکری استعمال کے قابل ہی نہ رہا۔ سلطان بیبرس نے قلعہ الکرک کی تمام کارروائی سے فارغ ہو کر اپنے لشکر کو واپس قاہرہ کی جانب کوچ کرنے کا حکم جاری کیا تو وہ سب حیرت سے اس کی صورت دیکھنے لگے۔ ان کا خیال تھا کہ ابھی دوسرے صلیبی قلعوں کو بھی نشانہ بنایا جائے گا مگر سلطان بیبرس نے فوری طور پر اس کارروائی کو ضروری نہیں سمجھا۔

سلطان بیبرس کے اس اچانک حملے نے جہاں صلیبی سرداروں کو لرزہ بہ اندام کر ڈالا تھا، وہیں قلعہ الکرک کی بربادی سے مسلمان ایک طویل عرصے پر محیط صلیبی شر سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئے تھے۔ صلیبی سردار سلطان بیبرس کی زیرک و حکمت عملی پر بے حد محتاط ہو گئے انہیں یہ سبق مل چکا تھا کہ اسلامی لشکر کے بارے میں آئندہ جو اطلاعات مخبروں کے ذریعے ان تک پہنچیں گی ان پر بھروسہ کرنا خالصتاً حماقت ہو گی۔

❁ ❁ ❁

وہ اپنے چہرے پر ہاتھ کی انگلیاں پھیلائے ہوئے بڑے انہماک سے اس روشنی کو گھورے جا رہا تھا۔ کافی دیر گذر گئی مگر وہ اس چکر سے ایسا چپکا کہ جیسے وہ خود بھی اسی کا حصہ ہو۔ وہ مسلسل ٹکٹکی باندھے بھڑکتے ہوئے اس الاؤ کو دیکھ رہا تھا جو کہ درمیانی فاصلے کی زیادتی کے باعث اُسے دیا سلائی کے شعلے سے بڑا نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ ڈھلتی ہوئی رات اور سفر کی تکان اس سے بار بار یہی تقاضا کر رہے تھے کہ اسے کچھ دیر لیٹ کر آرام کرنا چاہئے مگر اس کی سوچ کے دھارے کسی تذبذب کا شکار تھے۔ وہ جسم کے پیغامات کو رد کرتے ہوئے اسے بیدار رہنے کی ترغیب دے رہے تھے۔ وہ تمام وقت اسی گومگو کی حالت میں مبتلا رہا کہ کیا اسے ان لوگوں کے پاس پہنچ جانا چاہئے؟ پھر بار اس کے دماغ کا یہی جواب ہوتا کہ نہیں..... یہ وقت مناسب نہیں صبح سے پہلے ان کے قریب پہنچنا کسی غلطی کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ روشنی کا شعلہ کئی بار مدھم ہوا مگر پھر کچھ دیر بعد اس میں تیزی دکھائی دی۔ یہ دیکھ کر اسے بخوبی اندازہ ہوتا رہا کہ اس الاؤ کے مکین یقیناً بیدار ہیں لگاتار بیٹھے رہنے کے باعث اس کے جسم پر ڈھیلا پن سا طاری ہونے لگا۔ وہ چونک کر اپنی بدلتی ہوئی کیفیت سے آگاہ ہو گیا۔ اس نے پتھر کی نشست چھوڑ کر خود کو ٹہلنے میں مصروف کر لیا۔ وہ کافی دیر تک یونہی بے کار میں ارد گرد ٹہلتا رہا۔ اس کی نگاہیں بار بار اس روشنی کی جانب اُٹھ جاتیں پھر اچانک اس کے قدم ٹھٹک گئے۔ روشنی کا ہالہ سمٹتا ہوا دکھائی دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے روشنی تاریکی میں مدغم ہو کر رہ گئی۔ اس کے جسم پر ہیجان سا طاری ہونے لگا۔ وہ اب یہ سوچ رہا تھا کہ روشنی کی موجودگی تو اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ لوگ وہیں موجود ہیں، تاریکی کے باعث اگر وہ وہاں سے روانہ ہو گئے تو وہ یقیناً انہیں پکڑنے میں ناکام ہو جائے گا کیونکہ وہاں سے شہر زیادہ دور نہیں تھا۔ وقت کے معمولی سے ضیاع کے باعث وہ انہیں ہمیشہ کے لئے کھو سکتا ہے۔ اتنے بڑے شہر میں ان لوگوں کو تلاش کر لینا کوئی آسان بات نہیں تھی اس کے جسم میں عجیب سی بے چینی پیدا ہونے لگی۔ وہ کچھ دیر پہلے تک جس ارادے پر قائم تھا وہ کمزور پڑنے لگا۔ اس کا دماغ اب اسے تلقین کر رہا تھا کہ اسے ان لوگوں کے قریب جا کر حالات کا جائزہ لینا چاہئے۔ وہ اگلے چند لمحوں تک اسی کشمکش میں اُلجھا رہا۔ بالآخر اس نے طے کر لیا کہ وہ ان لوگوں کے قریب پہنچ کر ہی صحیح صورتِ حال کا جائزہ لے گا۔ اس نے اپنے گھوڑے کی جانب قدم بڑھائے۔ گھوڑا آرام ملنے پر سستا چکا تھا۔ اس نے گھوڑے کی باگیں اپنی بغل میں دبائیں اور دھیمے دھیمے سے انداز میں الاؤ کی جانب بڑھنے لگا۔ وہ حتی الامکان یہی کوشش کر رہا تھا کہ گھوڑے کے چلنے کی چاپ زیادہ پیدا نہ ہو۔ یہ اس کی مہارت تھی کہ وہ بغیر آواز پیدا کئے آہستہ آہستہ الاؤ کی جانب بڑھتا چلا گیا۔ روشنی کے خاتمے کے باعث اسے

درست اندازہ نہیں ہو پایا کہ وہ لوگ اس سے کتنی دور موجود تھیں البتہ اس کی حساس ناک فضا میں رچے دھوئیں کی بو کو محسوس کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ وہ کافی دیر تک یونہی چلتا رہا۔ اچانک اُسے ٹھٹک کر رُک جانا پڑا۔ آسمان کی رنگت میں تغیر پیدا ہو رہا تھا۔ تاریکی کے گھنگھور اندھیروں میں صبح کا اجالا پھوٹنے کی کوشش کرنے لگا۔

''کیا واقعی رات بیت چکی ہے؟'' اس نے لمحہ بھر کے لئے سوچا، وہ اس الاؤ کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔ روشنی میں اس کا ان لوگوں کی نگاہوں سے چھپا رہ جانا ممکن نہیں تھا۔ اس نے فوری طور پر فیصلہ کر لیا کہ روشنی کے اس آغاز پر ہی اسے اپنا شکار کھیل لینا چاہئے۔ رتجگے اور تکان کے باعث اسے یہ اندیشہ بھی لاحق تھا کہ کہیں اس شکار میں اس سے خطا نہ ہو جائے۔ اس نے وسوسوں کے چنگل سے اپنے دامن چھڑاتے ہوئے خود کو جسمانی طور پر تیار کرنا شروع کر دیا۔ وہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پہلے ہی رات کی تاریکی تاخیر کا باعث بن چکی تھی۔ پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے صبح صادق کے اجالے نے سیاہ آسمان کا چہرہ سپید کر ڈالا۔ بادِ نسیم اس کے اعصاب پر بے حد بھاری پڑنے لگی۔ وہ اپنی تمام قوت مجتمع کرتے ہوئے گھوڑے پر جست لگا کر سوار ہو گیا۔ گھوڑے کی باگ کھینچتے ہوئے وہ اپنی منزل کی جانب بڑھنے لگا۔ روشنی میں اسے معلوم ہوا کہ جس جگہ سے الاؤ کی روشنی دکھائی دے رہی تھی وہ درختوں کا ایک چھوٹا سا جھنڈ تھا۔ وہ دھیمے انداز میں اس جھنڈ کی طرف بڑھ گیا۔ اسے اس وقت شدید ترین جھٹکا لگا، جب درختوں کے درمیان اسے صرف الاؤ کی راکھ ہی دکھائی دی۔ وہاں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ اس نے بے تابی و پریشانی سے گھوڑے سے نیچے چھلانگ لگائی۔ وہ اس جگہ کا جائزہ لینے لگا۔ جہاں الاؤ کی ٹھنڈی راکھ پڑی اسے منہ چڑھا رہی تھی۔ وہاں اس راکھ کے سوا کوئی دوسرا نشان باقی نہیں تھا۔ نہ تو خیموں کے لگائے جانے کے نشان اور نہ ہی کچھ لوگوں کی وہاں موجودگی کے آثار۔

''یہ کیا ہوا؟...... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' وہ زیر لب بڑبڑایا۔ اسے اپنا ذہن درہم برہم سا ہوتا محسوس ہوا۔ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اس کا شکار اس کے تعاقب سے آگاہ ہو چکا ہے، اسی لئے اس نے اسے اتنا زبردست فریب دیا ہے۔ وہ لوگ یقیناً کسی دوسری جگہ پر مقیم ہوں گے۔ یہ سوچ کر وہ تیزی سے گھوڑے پر سوار ہوا اور ایڑ لگاتے ہوئے اسے شہر کی جانب دوڑانے لگا۔ وہ ان لوگوں کو شہر میں داخل ہونے سے روکنا چاہتا تھا۔

❀ ❀ ❀

مطیع الدین متفکر انداز میں چشمے کے قریب بیٹھتا چلا گیا۔ اس کی نگاہیں بدستور فدائی کے چہرے پر جمی رہیں۔ فدائی کے لبوں سے نکلنے والی باریک سی مترنم آواز اس کی سماعت میں پہلے سے محفوظ تھی مگر اس موقعے پر اسے قطعی یاد نہیں آ پایا کہ وہ کون ہو سکتی ہے......؟ وہ جسے تمام وقت فدائی سمجھتا رہا وہ درحقیقت ایک فدائیہ نکلی۔ اس کے لبوں کی جنبش نے مطیع الدین کو گہرا جھٹکا دیا تھا۔

''تت...... تم کون ہو...... تمہاری آواز مجھے کچھ کچھ سنی سی محسوس ہوتی ہے''۔ مطیع الدین سنبھلتے ہوئے بولا۔ وہ کافی حد تک خود کو بحال کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ فدائیہ اس کی بات پر چونکی پھر اس نے کچھ سوچتے ہوئے اپنے چہرے کے گرد لپٹے ہوئے نقاب کو ہٹا ڈالا یہ دوسرا موقعہ تھا کہ مطیع الدین دم بخود رہ گیا وہ اس لڑکی کی صورت بھلا کیسے بھول سکتا تھا یہ وہی تھی جس نے اسے کوہ سرخ غر میں گل وقوژ کے بارے میں ایک عجیب سی کہانی سنائی تھی اور پھر رات کے اندھیرے میں جانے کہاں غائب ہو گئی۔ اتنے دنوں بعد اسے اچانک اپنے سامنے دیکھ کر مطیع الدین ہکا بکا سا ہو گیا۔

''گہنانم......!'' مطیع الدین کے ہونٹ فرطِ حیرت سے تھرتھرائے۔

''میں جانتی تھی کہ تم مجھے بھول نہیں پائے ہو گے''۔ گہنانم نے دھیمی سی مسکراہٹ سے کہا۔

''تم سے دوبارہ ملاقات فدائیہ کے روپ میں ہو گی...... میں یہ سوچ نہیں سکتا تھا۔ اللہ کی قسم! مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا''۔ مطیع الدین گم صم سے انداز میں بولا۔

''مطیع الدین! شاید اسی کا نام زندگی ہے، جانے ابھی کون کون سے موڑ دیکھنا باقی ہیں''۔ گہنانم تلخی سے بولی۔ مطیع الدین محض سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔ اسے گہنانم کے لہجے کے پیچھے کوئی درد بھری کہانی چھپی ہوئی محسوس ہوئی۔

''تمہارے ساتھ ایک نوجوان بھی تھا...... کیا نام تھا اس کا...... ہاں یاد آیا...... شکنان!'' مطیع الدین جلدی سے بولا۔ شکنان کا نام سنتے ہی گہنانم کی آنکھیں چھلک سی گئیں۔

''وہ میری حفاظت کی کوشش میں موت کے گھاٹ اتر گیا''۔ وہ مختصراً بولی۔ مطیع الدین پہلو بدلنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا وہ شکنان کے بارے میں مزید کوئی سوال کرے؟ گہنانم کا مغموم چہرہ اسے ایسا کرنے سے باز رکھ رہا تھا۔ گہنانم مختصر توقف کے بعد خود ہی بولی۔

''ہمیں معلوم ہو گیا تھا کہ تم دونوں ہمارے بارے میں مشکوک ہو چکے ہو، اسی لئے رات کے اندھیرے میں ہم تمہارے خیمے سے فرار ہو گئے۔ گل وقوژ کے ساتھ کیا ہوا تھا، اس بارے میں ہمیں کچھ زیادہ خبر نہیں تھی۔ ہم اسے غار میں ہی چھوڑ آئے تھے۔ رات کے وقت ہی سردار منک آنہ نے ہمیں بیدار کر کے وہاں سے بھاگ جانے کے لئے کہا۔ میں سردار منک آنہ کی صورت دیکھ کر دہل گئی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ہمیں مار ڈالے گا مگر اس کے رویے پر مجھے ایسا لگا کہ اسے ہماری نسبت گل وقوژ کی زیادہ فکر ہے۔ ہم جان بچنے پر وہاں سے نکل کر کسی محفوظ مقام کی تلاش میں بھٹکنے لگے، کئی دن تک انہی جنگلوں میں دھکے کھانے کے بعد ہم تمہارے پاس پہنچ گئے۔ وہاں تمہارے رویے سے ہمیں ایسا لگا کہ منک آنہ کے جرم کی پاداش میں تم یقیناً ہمیں نقصان پہنچاؤ گے۔ تمہارے خیمے سے نکل کر ہم ایک بار پھر اسی برفانی جنگل میں بھٹکتے پھر رہے تھے کہ ایک دن شنگ خان کی صورت ہمیں وہاں دکھائی دی۔ وہ منک آنہ کا پوتا تھا۔ اس نے ہم سے گل وقوژ کے بارے میں سوال کئے، جب اسے یہ معلوم ہوا کہ میں شکنان کے ساتھ فرار ہونے کی کوشش کر رہی ہوں تو غصے سے دیوانہ ہو کر مجھے مارنے کو بڑھا۔ یہ دیکھ کر شکنان آگے بڑھ کر اس سے اُلجھ پڑا۔ کافی دیر دونوں میں زور آزمائی کا سلسلہ جاری رہا اور پھر شکنان میری آنکھوں کے سامنے شنگ خان کے خنجر کا نشانہ بن گیا''۔ گہنانم بتاتے ہوئے ہچکیاں بھرنے لگی۔

مطیع الدین کو کچھ دیر پہلے تک دکھائی دینے والی ایک مضبوط فدائیہ، اب ایک کمزور و بے بس عورت لگی۔ وہ خاموشی سے بیٹھا اس کی باتوں پر غور کر رہا تھا۔ اسے ابھی بھی اس کی باتوں میں جھوٹ کی آمیزش محسوس ہوئی۔ اس نے اس کے بیان پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اس کی ڈھارس بندھانے لگا۔ کچھ دیر بعد جب گہنانم کا جی ہلکا ہوا تو اس نے دوبارہ سلسلہ کلام جوڑا۔

''شکنان کی موت کے بعد شنگ خان قہقہے لگانے لگا۔ میں تو یہ منظر دیکھ کر ہی مر گئی تھی، میں نے اس سے التجا کی کہ مجھے بھی ہلاک کر دے تاکہ جاودانی آسمان ہماری روحوں کا سنگم کرا دے مگر وہ بڑا ظالم نکلا۔ اس نے مجھے اسی جنگل میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا اور خود چلا گیا۔ میں کئی دن تک شکنان کی لاش کے پاس ماتم کرتی [illegible] دن شیخ کبیر...ین وہاں دکھائی دیا۔ اسے میری وہاں موجودگی پر سخت حیرت تھی۔ اس نے میرے

ساتھ میٹھی میٹھی باتیں کیں اور مجھے اس بات کی ترغیب دی کہ میں اس کے ساتھ چلوں۔ وہ مجھے اس قابل بنا دے گا کہ میں ایک دن شنگ خان سے خود بدلہ لینے کے قابل ہو جاؤں گی۔ میں نے کچھ دیر سوچا اور پھر اس کے ساتھ چل پڑی۔ مجھے واقعی اس قابل بننا تھا کہ شنگ خان کو موت کا ذائقہ معلوم ہو جاتا..... اور آج یقیناً میں اس قابل بن چکی ہوں'' ۔ گہنانم کی آنکھیں خون کی مانند سرخ ہو گئی تھی۔ اس کے چہرے پر شنگ خان کے لئے نفرت کے سوا کچھ نہ تھا۔ مطیع الدین اس کے اس خونخوار روپ کو دیکھ کر متفکر سا دکھائی دینے لگا۔

''مجھے اندازہ ہے کہ شیخ کبیر الدین جھوٹ بولنے والا شخص نہیں ہے مگر تم اب قونیہ کی جانب سے آ رہی ہو، یہ ماجرا میرے پلے نہیں پڑا'' ۔ مطیع الدین کو جیسے گذرا ہوا وقت یاد آ گیا۔

''وہاں ہم نے ایک شاہی درباری کو ہلاک کیا تھا، ہمیں وہاں سے نکلنے میں کچھ تاخیر ہو گئی جس کے باعث اس کی ہلاکت کی خبر منکشف ہو گئی اور شاہی سپاہی ہمارے تعاقب میں لگ گئے'' ۔

''اسے تم نے قتل کیا تھا.....؟'' مطیع الدین چونک کر بولا۔

''ہاں! مجھے خاص طور پر خنجر زنی کی تربیت دی گئی ہے'' ۔ گہنانم نے لاپروائی سے جواب دیا۔

''تم شاید اس جانب کئی بار آ چکی ہو'' ۔ مطیع الدین نے پوچھا۔

''ارض قونیہ پر تمام مہمات زیادہ تر میرے ہی ذمے لگائی جاتی ہیں'' ۔ گہنانم نے مختصراً کہا۔ کچھ توقف کے بعد گہنانم دوبارہ بولی۔

''مطیع الدین! میں نے تم سے سوال کیا تھا کہ تم اس بے رحم نگری میں کیا لینے آئے ہو؟''

''میں گل وقوڑ کی تلاش میں آیا ہوں'' ۔ مطیع الدین نے سیدھا جواب دیا۔

''مجھے بھی کسی حد تک یہی اندازہ تھا'' ۔ گہنانم زہریلی ہنسی سے بولی۔

''کک..... کیا مطلب..... کیا تم گل وقوڑ کے بارے میں جانتی ہو؟'' مطیع الدین اس کی بات پر تڑپ کر رہ گیا۔ اس کی آنکھیں بے تابی سے اس کی صورت کا طواف کر رہی تھیں۔

''ہاں!'' گہنانم نے سر اثبات میں ہلایا تو مطیع الدین کو ایسے لگا جیسے اس کا کلیجہ اچھل کر حلق میں آ گیا ہو۔ گہنانم نے مطیع الدین کے چہرے پر ہوائیاں اڑتی دیکھ کر اسے پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

''مطیع الدین! سوچ سمجھ کر جواب دینا..... کیا اب تم اس گل وقوڑ کو قبول کرنے پر رضامند ہو گے جو ایک ماہر قاتلہ ہے، کئی زندگیاں اس کے ہاتھوں اپنے انجام تک پہنچ چکی ہیں۔ اس کے ہاتھ صرف موت کا تحفہ دیتے ہیں اور کچھ نہیں.....!'' گہنانم نے پُراسرار لہجے میں کہا۔

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟'' گہنانم کی بات سن کر مطیع الدین کو اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس ہوا۔

''مطیع الدین! شیخ کبیر الدین کے پاس جو لڑکی پہنچتی ہے وہ اسے ماہر قاتلہ بنا دیتا ہے اور پھر مجھ جیسی ہزاروں لڑکیاں اس کے مقاصد کی انجام دہی کی خدمت میں اپنی زندگی بسر کر دیتی ہیں، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ شیخ کبیر الدین کے پاس جا کر تم اس سے گل وقوڑ مانگو گے اور وہ تمہیں ہنس کر بخش دے گا؟ ہرگز نہیں! شیخ کبیر الدین اپنے کارآمد کھلونے کسی کو نہیں دیتا۔ میری بات مانو..... ابھی وقت ہے تم واپس لوٹ جاؤ اور گل وقوڑ کو اپنے دل و دماغ سے نکال دو..... ورنہ گل وقوڑ بھی میری مانند تمہیں اپنی آنکھوں کے سامنے مرتا ہوا دیکھ کر تمام عمر کڑھتی رہے گی'' ۔ گہنانم کا لہجہ بھر آیا۔

''گہنانم! میرا نام مطیع الدین ہے، میں ایک بار آگے بڑھ جاؤں تو پیچھے ہٹنے کے بارے میں سوچنا بھی مجھے اپنی توہین لگتا ہے۔ میں گھر سے یہ ارادہ باندھ کر نکلا ہوں کہ گل وقوڑ کو ساتھ لے کر ہی سرائے میں قدم

رکھوں۔ تم صرف مجھے شیخ کبیر الدین کے پاس لے چلو'' ۔ مطیع الدین جذباتیت کا شکار ہو گیا۔ گہنانم نے اس کی جانب دیکھ کر گہری سانس لی۔

''ٹھیک ہے، تم اگر اپنی کوشش سے باز نہیں آنا چاہتے تو مجھے بھی کوئی غرض نہیں۔ تم تیاری کرو، ہم کچھ ہی دیر میں یہاں سے نکل جائیں گے۔ سلجوقی سپاہی درّوں میں گھنٹے سے گریز کرتے ہیں، اس لئے ہمیں اب کوئی خطرہ نہیں ہے'' ۔

مطیع الدین نے گہنانم کی بات پر اثبات میں اشارہ کیا پھر وہ دونوں رخنے کی جانب واپس لوٹ گئے جہاں ان کے گھوڑے ان کے منتظر تھے۔

❁❁❁

قاضی برہان الدین بخاری کی معزولی نے مصری امراً کو سلطان سحرس کے خلاف زہر افشانی کرنے کے لئے ایک زبردست موقعہ فراہم کر دیا تھا۔ انہوں نے خلیفہ الحاکم بامر اللہ کے پاس پہنچ کر اسے یہ باور کرایا کہ سلطان سحرس اپنی حیثیت کا ناجائز فائدہ اُٹھا رہا ہے، قاضی موصوف کی معزولی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ سلطان سحرس کی بے ضابطگیوں کی تہہ تک پہنچ چکے تھے، اسی لئے سلطان سحرس نے انہیں گھر میں مقید کر ڈالا ہے۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں تھی مگر درباری امراً کے انداز بیان میں کچھ ایسی لگاوٹ اور درد تھا کہ خلیفہ الحاکم بامر اللہ بھی اپنے تئیں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ سلطان سحرس مطلق العنان آمر حکمران بننے کی کوشش کر رہا ہے۔ خلیفہ الحاکم بامر اللہ کسی ٹھوس وجہ کے بغیر سلطان سحرس کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے اپنے ذاتی عملے میں کچھ غلاموں کو اپنے قریب کیا اور ان سے تنہائی میں اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا حلف لیا۔ وہ غلام ویسے ہی خلیفہ کی خدمت کو کسی اعزاز سے کم نہیں سمجھتے تھے۔ خلیفہ الحاکم بامر اللہ نے انہیں راز داری سے مخفی حقائق معلوم کرنے کا حکم دیا کہ ان امراً کے بیانات اور سلطان سحرس کے افعال کی درحقیقت اصلیت کیا ہے۔ غلاموں نے اپنے خلیفہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے نہایت خفیہ انداز میں مخبری کا کام شروع کر دیا۔ بہت جلد ہی خلیفہ الحاکم بامر اللہ کو یہ معلوم ہو گیا کہ اس کے دل میں پیدا ہونے والی بدگمانی بے بنیاد تھی۔ سلطان سحرس کے تمام اعمال و افعال مثبت نتائج کے حامل تھے۔ اس نے حقیقت کھلنے پر ایسے امراً کی خوب مدارت کی اور انہیں نیکی و راستی کی راہ پر چلنے کی تلقین کی۔ خلیفہ الحاکم بامر اللہ کی نگاہ عنایت سلطان سحرس کی جانب دیکھ کر شریر امراً کا حلقہ جل بھن کر رہ گیا۔ انہوں نے دوسری روش اختیار کی کہ سلطان سحرس کی مخالفت کے ساتھ ساتھ خلیفہ الحاکم بامر اللہ کے خلاف بھی زہر افشانی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ وہ بڑے فخر سے دربار خلافت میں جاتے اور باہر نکل کر خلیفہ الحاکم بامر اللہ کے کردار و اوصاف کے بارے میں طرح طرح کی افواہیں اُڑاتے۔ یہ سلسلہ زیادہ ہی طول پکڑ گیا تو قصرِ خلافت کے بارے میں رعیت میں عجیب و غریب روایات گردش کرنے لگیں۔ لوگ قصرِ خلافت کو الف لیلوی قحبہ خانہ سمجھنے لگے، جہاں ہر وقت نیم عریاں کنیزوں کے رقص اور شراب و شباب کی رونقیں منعقد کی جاتی ہوں۔ ایسا کرنے کا مقصد صرف یہی تھا کہ خلیفہ الحاکم بامر اللہ بدنام ہو جائے اور قصرِ خلافت پر سے لوگوں کا اعتماد و یقین اُٹھ جائے۔ بغداد کی نسبت قاہرہ میں نظام خلافت میں یہ بڑی خامی دکھائی دی کہ خلیفہ قصرِ خلافت کے اندر ہی محصور ہو کر رہ گیا اس کا عام رعیت سے کوئی رابطہ نہیں تھا اور نہ ہی قصرِ خلافت سے عامۃ الناس کے لئے احکامات جاری ہوتے تھے۔ رعیت کے معاملات کی ذمہ داری مجلس انتخاب کی منتخب حکومت کی ذمہ داری تھی، سلطان سحرس اور اس کے منصب داروں کا فرض تھا کہ وہ رعیت کی مشکلات و مصائب پر توجہ دیں۔ سلطان سحرس ان دنوں صلیبی مہم پر تھا اس لئے قاہرہ کے مخدوش حالات اسے معلوم نہ ہو

سکے، امیر فخر الدین لقمان نے اُڑتی ہوئی خبروں پر توجہ دینا مناسب نہیں سمجھا۔

جب بھرس قلعہ الکرک کی فتح کے بعد واپس قاہرہ آیا تو یہ چہ میگوئیاں اس کے کانوں سے دور نہ رہ پائیں۔ سلطان بھرس چونکہ عام رعیت میں مختلف بہروپ بدل کر گھومتا رہتا، اس لئے جلد ہی اسے امرأ کی مصنوعی کہانیوں کے بارے میں معلوم ہو گیا۔ اس نے فوری طور پر کئی اقدامات کئے اور کئی شریر امرأ کو گرفتار کر کے قاہرہ سے شہر بدر کر دیا اور کئی سرکش امرأ کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔ اس ساری کارروائی کا مقصد صرف یہی تھا کہ قصر خلافت کے بارے میں جو غلط بیانی ان لوگوں نے شروع کر رکھی ہے، وہ سلسلہ موقوف ہو جائے۔ ایسی شرارتوں میں ملوث کئی اُمرأ حلقہ زد میں نہیں آئے، انہوں نے سلطانی اقدامات کے خوف سے اپنی زبانیں سی لیں۔ سلطان بھرس نے خلیفہ الحاکم بامر اللہ کے پاس جا کر یہ نئی صورتِ حال گوش گزار کر دی اور اس سے التماس کی کہ وہ ایسے شرارتی عناصر سے محتاط رہیں اور امرأ کے ساتھ زیادہ محافل کا اہتمام نہ کریں۔ خلیفہ الحاکم بامر اللہ کو جب یہ حقیقت حال معلوم ہوئی تو اس نے عام دربار منعقد کیا اور سب امرأ کو نصیحت کرنے کی کوشش کی۔ اس نے لوگوں کے ذہنوں پر طاری اس بدگمانی کو صاف کیا اور عظمت خلافت کی پامالی کرنے والوں کے خلاف کڑے اقدامات کرنے کا اعادہ کیا۔ یہ بڑا عجیب دور تھا یا اسے مسلمانوں کی بدقسمتی خیال کریں کہ پُرآشوب دور میں جب مسلمانوں کا اقبال زوال کا شکار ہو چکا تھا، وحشی اور خونخوار تاتاریوں کا منہ زور سیلاب اسلامی تہذیب و تمدن کو بہا کر لے گیا تھا، بغداد کی تباہی کے بعد مسلمانوں کو اپنی حفاظت کی کوئی راہ سجھائی نہیں دے رہی تھی، ایک جانب تاتاریوں کا ظلم و ستم جاری تھا تو دوسری جانب متعصب یورپی صلیبی لٹیرے گذشتہ ڈیڑھ صدی سے ارض اسلامیہ میں ناسور بنے بیٹھے تھے، وقتی امن کے معاہدے وجود میں آتے رہے اور پھر ان معاہدوں کی خلاف ورزیاں ہوتی رہیں، صلیبی ارض مقدس میں اپنی مذہبی حکومت بنانے کا خواب دیکھتے تھے اور اس کے وجود کے لئے کئی بار بھرے پُرے شہر تباہ کر چکے تھے۔ ہر وقت صلیبی لوٹ مار کا اندیشہ طاری تھا۔ تیسری جانب فدائی گروہ اپنی حکومت کی تعمیر میں مسلمانوں کی لاشیں بچھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑے ہوئے تھا۔ ہر طرف سے مسلمان پس رہے تھے لیکن پھر ان کے اندر کچھ ایسے لوگ بھی موجود تھے جنہیں دوسروں کی کوئی فکر نہیں تھی، وہ مسلمان بھائیوں کو اپنے جسم کا حصہ نہیں سمجھتے تھے۔ انہیں صرف اپنے مفادات کی تکمیل سے غرض تھی۔ عزت و دولت، نمود و نمائش اور فخر و تکبر نے ان کی عقل پر دبیز پردے ڈال رکھے تھے۔ انہیں ہر وقت یہی آرزو تھی کہ وہ کسی طرح سلطان بھرس کی حکومت گرا دیں اور ایوبیوں کو ان کا حق دلا دیں۔ ان کی عقل پر افسوس بھی ہوتا ہے اور حیرت بھی کہ سلطان بھرس ایک جانب تاتاریوں کو بلادِ عراق سے پیچھے دھکیل آیا تھا تو دوسری طرف قلعہ الکرک کی کارروائی سے صلیبی قوتوں کو بھی دہشت زدہ کر چکا تھا وہ اپنا دن رات کا سکون صرف اسی امر کے پیچھے برباد کئے ہوئے تھا کہ سلطنت اسلامیہ کا شیرازہ جو بکھر چکا ہے کسی طرح سمٹ جائے۔ اس نے اپنی فہم و ذہانت سے سب مخالف قوتوں پر دھاک جما کر رکھ دی مگر نادان مسلمانوں کا ایک گروہ پھر بھی اس کی مخالفت میں جتا رہا۔

❁ ❁ ❁

''دیکھو! وہ اب بھی تعاقب کر رہا ہے کیا؟'' ایک نسوانی آواز فضا میں گونجی۔

''ہاں! وہ ہمارا پیچھا ایسے نہیں چھوڑنے والا..... اس بار اس کی رفتار کچھ زیادہ ہی تیز ہے''۔ ایک شخص نے جلدی سے جواب دیا۔ وہ ایک چھوٹا سا قافلہ تھا جس میں تین عورتیں اور سات مرد شامل تھے۔ وہ تین دن سے لگاتار سفر کر رہے تھے۔ جب سے ان کا سفر شروع ہوا تھا، انہیں اپنے تعاقب کے بارے میں معلوم ہو گیا

تھا۔ انہیں کسی قدر حیرت بھی تھی کہ تعاقب کرنے والا ہمیشہ ان کے قیام کے وقت کچھ فاصلے پر رُک جاتا تھا۔ وہ ان کے قریب ایک بار بھی نہیں آیا۔ وہ لوگ گذشتہ دو دن سے یہی کوشش کر رہے تھے کہ تعاقب کرنے والے کو جل دے کر نکل جائیں مگر وہ بھی نہایت چالاک معلوم ہوتا تھا کہ دن کے پہلے پہر میں ہی ان کے عقب میں دکھائی دیتا۔ ساتوں مرد اس پُراسرار شخص کے بارے میں بے حد چوکنا تھے۔ انہوں نے اپنے سردار سے کئی بار یہ درخواست کی کہ انہیں اجازت دی جائے کہ وہ اسے پکڑ کر حقیقی صورتِ حال کا پتہ لگائیں مگر ان کے سردار نے ہمیشہ انہیں منع کر دیا۔ اس قافلے کا سردار کوئی اور شخصیت نہیں تھی، ایک جواں اور خوبصورت عورت تھی۔ اس کی بہادری اور جرأت کے کئی قصے مشہور تھے۔ اسی لئے وہ ساتوں مرد اس کی رہنمائی میں سفر کر رہے تھے۔ ان مردوں میں ایک شخص بے تاب سا دکھائی دیا۔ شاید وہ واپس مڑ کر اس تعاقب کرنے والے کو سبق سکھانے کا متمنی تھا۔ کافی دیر تک وہ خود پر ضبط کرنے کی کوشش کرنے کے بعد خاموش نہ رہ سکا۔ وہ اپنا گھوڑا تیزی سے گل وقوڑ کے قریب لایا اور تیزی سے بولا۔

''گل وقوڑ! یہ درست ہے کہ اس مہم کی ذمہ داری شیخ ابوالضیاء نے تمہارے کندھوں پر ڈالی ہے اور ہمیں ہر حال میں تمہاری اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے مگر اب یہ امر برداشت سے باہر ہو چکا ہے ہم اس شخص کے چکر میں اپنی قوت ضائع کرتے پھریں''۔

''خاموش رہو!'' گل وقوڑ تیز لہجے میں غرائی۔ ''میں تمہاری سردار ہوں سمجھے! جو کرنا ہے مجھے ہی کرنا ہے، تمہیں سوچنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر مزاج میں اتنی ہی تیزی بھڑک رہی ہے تو تنہا جا کر وہ سب کر ڈالو جس کے لئے مجھے یہ مہم سونپی گئی ہے''۔

گل وقوڑ کے غصے کے باعث یہ چھوٹا سا قافلہ ٹھہر گیا۔

''گل وقوڑ اپنے آپ میں رہو کبھی! ہماری حیثیت تم سے کم تر نہیں ہے۔ ہم غلام ضرور ہیں مگر ہماری عزت و منزلت تم سے زیادہ ہے کیونکہ ہم حقیقی فدائی ہیں۔ اگر اس مہم میں تمہیں ہمارا سردار بنا دیا گیا ہے تو یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ تم ہمیں گری ہوئی نگاہ سے دیکھو''۔ وہ بھڑک کر بولا۔

''تم اسی وقت میرے قافلے سے باہر نکل جاؤ، اسی میں تمہاری بھلائی ہو گی''۔ گل وقوڑ نے دانت پیس کر جواب دیا تو اس شخص نے جھٹکے سے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں اور دوسری کوئی بات کئے بغیر واپس مڑ گیا۔ اس کی غصہ ور طبیعت شاید آغاز سے ہی اس بات کو تسلیم کرنے میں مانع تھی کہ وہ کسی عورت کے ماتحت کوئی مہم سر انجام دے۔

''یہ یقیناً اس تعاقب کرنے والے سے بھڑے گا''۔ گل وقوڑ نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

''لیکن گل وقوڑ..... ہمیں کم از کم یہ تو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کون ہے اور ہم سے کیا چاہتا ہے؟ وہ تین دن سے لگاتار ہمارا تعاقب کر رہا ہے، کہیں وہ کوئی مخبر ہی نہ ہو ہمیں ہر حال میں احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ یہی امر ہماری مہم کی سب سے بڑی کامیابی ہے''۔ ایک دوسرا شخص بولا۔

''میں اسے خوب اچھی طرح جانتی ہوں''۔ گل وقوڑ نے انکشاف کیا تو سب کے منہ کھل گئے۔ وہ حیرت بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگے۔

''تم اسے جانتی ہو.....؟ میں کچھ سمجھا نہیں''۔ اس نے پوچھا۔

''میں صرف یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ وہ شنگ خان ہے، خبیث شنگ خان! میں پہلی نظر میں اسے پہچان گئی تھی''۔ گل وقوڑ نے عقبی جانب جاتے ہوئے فدائی پر نگاہ غلط ڈالتے ہوئے کہا۔ باقی

سب لوگ عجیب سی نگاہوں سے گل وقوژ کی جانب دیکھنے لگے، انہیں یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ شنگ خان کون ہے؟ کچھ توقف کے بعد انہوں نے شنگ خان کے بارے میں استفسار کیا تو گل وقوژ نے گہری سانس لیتے ہوئے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

''وہ میرا رشتہ دار ہے، کسی زمانے میں وہ مجھ سے محبت کا دعویٰ کیا کرتا تھا مگر جب اس کی محبت کی آزمائش کا وقت آن پہنچا تو اس کی بزدلی اور نامردی آڑے آگئی''۔

''مگر اسے یہ کیسے پتہ چلا ہے کہ تم ہمارے ساتھ حماۃ جا رہی ہو؟''

''یہ پتہ لگا لینا اس کے لئے کوئی بڑی بات نہیں، قلعہ الموت میں، میں نے شنگ خان کو شیخ کبیر الدین کے خاص ساتھی کے روپ میں دیکھا تھا''۔ گل وقوژ نے بتایا۔

''تو کیا یہ بھی فدائی ہے؟'' ایک شخص تیزی سے بولا۔

''معلوم نہیں!'' گل وقوژ نے مختصراً جواب دیا۔

دوسرے لمحے گل وقوژ نے اپنے ساتھیوں کو سفر جاری رکھنے کا حکم دیا تو سب نے اپنے گھوڑے شہر کی جانب بھگانا شروع کر دیئے۔ گل وقوژ کو قلعہ الموت میں خنجر زنی کی مخصوص تربیت کے بعد شیخ کبیر الدین نے بلاد شام کے قلعوں میں روانہ کر دیا تھا۔ یہاں اسے قلعہ میصاف میں رکھا گیا۔ جہاں اس کی بنیادی تربیت کی گئی۔ اسے صحیح ڈھنگ سے عربی بولنا سکھائی گئی اور عرب خواتین کی مانند زندگی بسر کرنے کے قرینے بتائے گئے۔ وہ ماہر اساتذہ کے سپرد کی گئی جن میں خواتین بھی شامل تھیں یہیں اسے مزید جنگی تربیت دی گئی اور فدائیوں کے حلیف صلیبی ماہروں نے مسلمانوں کے واروں اور ان سے بچاؤ کے بھی کئی داؤ پیچ سکھائے۔ اس تربیت کا مقصد صرف یہی تھا کہ گل وقوژ جب سلطنت اسلامیہ میں داخل ہو تو کوئی اس کے لب و لہجہ سے یہ اندازہ نہ کر پائے کہ وہ عرب نہیں ہے۔ اسے دین اسلام کے بارے میں مخصوص باتیں ازبر کرائی گئیں تاکہ وہ اپنی حفاظت میں دوسروں کی بھرپور تسلی کرا سکے۔ گل وقوژ اپنی ذہانت اور لگاؤ کے باعث یہ سب کچھ اتنی جلدی سیکھ گئی کہ سکھانے والے بھی دنگ رہ گئے۔ اس کی غیر معمولی مہارت کے باعث اسے قابل تعریف نگاہوں سے دیکھا جانے لگا۔ شیخ ابوراضیاء نے اس کی غیر معمولی تعریف کے باعث حماۃ کی ایک خاص مہم اس کے ذمے لگائی تو گل وقوژ نے کھلے الفاظ میں یہ باور کرا دیا کہ وہ فدائیوں کا ساتھ دینے اور ان کے مفادات کے لئے یہ کام کسی مجبوری یا دباؤ کے تحت نہیں کرنا چاہتی، اس لئے اسے مکمل طور پر یہ اختیار دیا جائے کہ اپنے ذمے لگائی گئی مہمات کی کامیابی کی ذمہ دار خود ہو۔ شیخ ابوراضیاء نے سوچ کر اس کی بات تسلیم کرتے ہوئے سرداری کا اعزاز اسے بخش دیا۔ فدائی امراء کو صرف اس بات سے غرض تھی کہ اس کے ذہن میں اترنے والے تخیل کو حقیقت کا جامہ پہنا دیا جائے، خواہ وہ کسی بھی قیمت پر ہی کیوں نہ ہو..... گل وقوژ اور اس جیسی سینکڑوں لڑکیاں ان کی خواہشات کی تکمیل میں مصروف تھیں۔ کوئی اور موقعہ ہوتا تو شاید گل وقوژ کے ساتھ اتنی بھیڑ نہ دکھائی دیتی۔ یہ چونکہ اس کی پہلی مہم تھی، اس لئے خاص غلاموں میں سے سات افراد اور دو کنیزیں اس کے ساتھ روانہ کی گئیں۔ یہ سب صرف اس کی حفاظت کے لئے کیا گیا تھا۔ شیخ ابوراضیاء کو گل وقوژ پر پورا بھروسہ تھا کہ وہ دل و دماغ سے ایک جوشیلی فدائیہ بن چکی ہے۔ یہ الگ بات تھی کہ گل وقوژ نے بھی اپنا ماضی فراموش کرتے ہوئے زندگی کو نئی سج دھج سے گذارنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ کم از کم زندگی کے اس نئے انداز میں اسے اپنے تحفظات کا اندیشہ تو لاحق نہیں تھا۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین، گہنائم کے ساتھ سنگلاخ پہاڑوں کے درمیان سفر کرتا ہوا قلعہ بانیاس پہنچ گیا، جہاں مطیع الدین کا پرانا دست اور نیا فدائی حکمران شیخ کبیر الدین موجود تھا۔ شیخ ابوراضیاء نے مطیع الدین کو مہمان خانے میں ٹھہرایا اور گہنائم کو ساتھ لے کر شیخ کبیر الدین کے پاس چلا گیا۔ گہنائم نے شیخ الرئیس کو اپنی سبکوتی مہم کی تفصیل بتائی۔ مہم کی کامیابی کے ساتھ ساتھ اس نے آخری لمحوں میں شیخ ابوالفضل کی ہلاکت اور مطیع الدین سے ملاقات کے بارے میں بتایا۔ شیخ کبیر الدین کو اپنے قابل ترین فدائی کی موت پر بے حد تاسف ہوا مگر اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ البتہ مطیع الدین کی آمد کا سن کر اس کی پیشانی شکن آلود ہو کر رہ گئی۔ اس نے نرم انداز میں گہنائم کو تنبیہ کی کہ مطیع الدین کو اسے اپنے ساتھ نہیں لانا چاہئے تھا، کیونکہ اس کی یہ آمد شیخ کبیر الدین کو پسند نہیں آئی تھی گہنائم کو رخصت کر دیا گیا۔ شیخ ابوراضیاء نے مطیع الدین کی بابت استفسار کیا تو شیخ کبیر الدین گہری سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ توقف کے بعد اس نے اگلی صبح مطیع الدین سے ملاقات کا عندیہ دیا۔ شیخ ابوراضیاء شیخ الرئیس کا حکم سن کر وہاں سے چلا آیا۔ دوسرے دن مطیع الدین کو آگاہ کیا گیا کہ اسے شیخ الرئیس سے ملاقات کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔ مطیع الدین ہلکی پھلکی تیاری کر کے شیخ ابوراضیاء کے ساتھ ہو لیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ شیخ کبیر الدین کے سامنے پہنچ گیا شیخ کبیر الدین ہلکے سبز رنگ کی پوشاک پہنے ہوئے ایک چھوٹے سے تخت پر براجمان تھا۔ مطیع الدین نے اسے دیکھ کر رسمی انداز میں تعظیم دی۔ شیخ کبیر الدین نے سر کے اشارے سے اثبات میں جواب دیا۔

''کہو مطیع الدین! کیسے آنا ہوا؟'' شیخ کبیر الدین ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

''شیخ الرئیس! میرا خیال ہے کہ آپ کو میری آمد اور بے تابی سے بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اس قدر جلد دوبارہ ملاقات کی نوبت کیونکر پیش آئی''۔ مطیع الدین گہری مسکراہٹ سے بولا۔

''مطیع الدین! اگر تم میرے خیال کے مطابق اُسی مقصد کے لئے آئے ہو تو یہ تمہاری نادانی گردانی جائے گی کیونکہ میں نے خاقان برقائی خان کو اس ضمن میں پہلے ہی باخبر کر دیا تھا کہ وہ تمہیں کم از کم اُس مقصد کے لئے میری جانب نہ بڑھنے دے''۔ شیخ کبیر الدین نے متنبہ انداز میں کہا۔

''شیخ الرئیس کو بخوبی اندازہ ہو چکا ہوگا کہ مطیع الدین کس مٹی کا بنا ہوا ہے، اگر وہ دوستی کی خاطر اپنی جان قربان کرنے سے دریغ نہیں کر سکتا تو اپنی چاہت کی حصولیابی کی خاطر اس دُنیا سے ٹکر لینے کا اہل بھی ہے''۔ مطیع الدین نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''مطیع الدین! کھل کر بات کرو، کیا کہنا چاہتے ہو؟'' شیخ کبیر الدین نے پوچھا۔

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ گل وقوژ آپ کے پاس ہے، وہ میری پہلی محبت ہے اور میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ براہ مہربانی گل وقوژ کو میرے ساتھ جانے کی اجازت دیجئے''۔ مطیع الدین کے چہرے پر گہرا اطمینان چھایا ہوا تھا۔

''میں تمہاری آمد پر ہی سمجھ گیا تھا کہ تم اسی معاملے کے تحت یہاں آئے ہو، میرا خیال تھا کہ خاقان برقائی خان نے تمہیں میرے جواب سے آگاہ کر دیا ہوگا اور تم کم از کم یہ غلطی دُہرانے کے لئے یہاں قدم نہیں ڈالو گے، تمہاری گل وقوژ کوہ سرخ کے تاریک غار میں مر چکی ہے، میرے پاس جو گل وقوژ ہے وہ ایک جانباز فدائیہ ہے، جس کے سینے میں دل نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ بہتر یہی ہوگا کہ تم اسے اپنے ذہن سے نکال دو اور کسی ایک اچھے دوست نواز میزبان بننے کا موقعہ دو''۔

''شیخ الرئیس کو اچھی طرح معلوم ہے کہ مطیع الدین جس چیز کی طلب ٹھان لیتا ہے، اس کے حصول میں

کسی قسم کی دلیل کو تسلیم نہیں کرتا۔ میں دوبارہ گزارش کرتا ہوں کہ قلعہ الموت میں ہمارے درمیان جو تعلقات استوار ہوئے تھے، انہیں تلخی کے بھنور سے بچایا جائے''۔ مطیع الدین کا لہجہ خشک ہو گیا۔ شیخ کبیر الدین کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ شیخ ابوراضیاء حیرت سے ان دونوں کی گفتگو سن رہا تھا اسے سخت حیرت تھی کہ شیخ الرئیس مطیع الدین کے ساتھ اتنی نرمی کیوں برت رہے ہیں، مطیع الدین کو تو فوری طور پر موت کی سزا سنا دینا چاہئے تھی۔

''مجھے دلی افسوس ہے کہ میں اپنے سابقہ محسن کی یہ خواہش پوری کرنے سے قاصر ہوں اور یہ بات بھی برداشت نہیں کر سکتا ہے کہ کل تک جو میرا دوست اور ہمدرد تھا آج وہ میرے دشمن کا روپ دھار لے لہٰذا میں بڑے افسوس کے ساتھ تمہیں گرفتار کرنے کا حکم دیتا ہوں''۔ شیخ کبیر الدین نے محافظ سپاہیوں کی جانب دیکھتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔ شیخ کبیر الدین کا حکم سنتے ہی سپاہیوں کی تلواریں نیاموں سے باہر جھانکنے لگیں۔ مطیع الدین ہر قسم کی صورتِ حال کے لئے ذہنی طور پر تیار تھا اس نے بھی جھٹکے سے اپنی تلوار باہر نکال لی۔ شیخ کبیر الدین اس کی حرکت پر پہلو بدل کر رہ گیا۔

''شیخ کبیر الدین! قلعہ الموت میں تم میری شجاعت کا مظاہرہ دیکھ چکے ہو۔ اپنا حکم واپس لے لو اور مجھے سرکشی کا موقعہ نہ دو تو ہی زیادہ بہتر ہوگا''۔ مطیع الدین چوکس انداز میں غرایا۔ اس کے لب و لہجہ سے احترام و تہذیب مٹ چکی تھی۔ شیخ ابوراضیاء اس کی اس بدتمیزی کو برداشت نہیں کر پایا۔ اس نے فرطِ طیش میں اپنی تلوار کھینچ لی۔

''نہیں ابوراضیاء!'' شیخ کبیر الدین تخت سے اُٹھتے ہوئے بولا۔ ''اس نوجوان نے قلعہ الموت میں میری جان بچانے میں مدد کی تھی، میں اسے ہلاک نہیں کرنا چاہتا''۔

شیخ ابوراضیاء دانت پیستا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے محافظ سپاہیوں کو اشارہ کیا کہ وہ مطیع الدین کو گرفتار کر لیں۔ محافظ سپاہی مطیع الدین کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر قریب سے اس کی جانب بڑھنے لگے انہیں اندازہ ہو چکا تھا کہ ان کا پالا ایک جنگجو شخص سے ہے، وہ کسی قسم کی غلطی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ مطیع الدین اس انتظار میں تھا کہ پہل محافظوں کی جانب سے ہو۔ پھر وہ لمحہ آ پہنچا جب وہ سب مخصوص گھیراؤ میں بڑھتے ہوئے مطیع الدین پر برس پڑے۔ مطیع الدین اپنی مہارت کے ساتھ ان سے بھڑنے لگا۔ شیخ کبیر الدین اطمینان سے واپس تخت پر بیٹھ گیا۔ اسے تو ویسے ہی اس طرح کے خونخوار مقابلے دیکھنے کا شوق تھا۔ وہ اپنے محافظوں کی ماہرانہ کوششوں میں ان غلطیوں کو تلاش کرتا رہا جو ان سے سرزد ہو رہی تھیں۔ مطیع الدین کو جلد ہی احساس ہو گیا کہ ان محافظوں کی مہارت غیر معمولی ہے، ان کے ساتھ طاقت کے بجائے عقل سے کام لینا پڑے گا۔ وہ مخصوص انداز میں جھکائی دے کر ان کے وار دل کو روکتا اور انہیں ضرب لگانے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ اپنی کوشش میں کامیاب بھی ہو گیا۔ دو محافظ بری طرح گھائل ہو کر میدان سے نکل گئے۔ یہ دیکھ کر شیخ کبیر الدین کا ماتھا ٹھنک گیا۔ اس نے غیر محسوس انداز میں شیخ ابوراضیاء کو کوئی اشارہ کیا۔ شیخ ابوراضیاء چپکے سے آگے کی سمت کھسک آیا۔ مطیع الدین کو یہ احساس ہی نہ ہو سکا کہ محافظوں کے علاوہ شیخ ابوراضیاء بھی میدان میں اتر آیا ہے۔ جونہی مطیع الدین کا رُخ دوسری جانب مڑا تو شیخ ابوراضیاء برق کی مانند اس پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے تلوار کے دستوں کی ایسی ضربیں مطیع الدین کے سر پر لگائیں کہ اس کے ہوش گم ہوتے چلے گئے۔ مطیع الدین بے ہوش ہو کر ان کے سامنے زمین پر گر پڑا۔

شیخ کبیر الدین نے محافظوں کو ہدایت کی کہ وہ اسے لے جا کر قلعہ کے زنداں خانے میں ڈال دیں۔ محافظ تعمیل کرنے میں مصروف ہو گئے۔ شیخ ابوراضیاء متفکر انداز میں شیخ کبیر الدین کی جانب بڑھا۔

''شیخ الرئیس! آپ اس بدتمیز نوجوان کو قتل کرنے کے بجائے زندہ رکھنے پر کیوں بضد ہیں؟ حالانکہ اس کی بے ادبی کا تقاضا یہ سزا نہیں تھا''۔ شیخ کبیر الدین اس کی بات پر ہنس پڑا۔

''تم نہیں سمجھو گے ابوراضیاء! گل وتوڑ کی کمزوری مطیع الدین ہے، اور مطیع الدین کی کمزوری گل وتوڑ..... ہم ان دونوں کے ان نازک پہلوؤں سے بھرپور فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ مطیع الدین کی ذہانت و شجاعت کا مظاہرہ ہم دیکھ چکے ہیں۔ تم فکر نہ کرو تھوڑے عرصے کی بات ہے یہ بھی ہمارے ڈھب پر آ جائے گا، البتہ ہمارا حکم ہے کہ اس کی غذا میں ''جنتی مشروب'' خصوصی طور پر وافر مقدار میں فراہم کیا جائے''۔ شیخ کبیر الدین مکارانہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولا تو شیخ ابوراضیاء کے بھدے دانت دکھائی دینے لگے۔

❀ ❀ ❀

وہ اس گھڑسوار کی جانب عقابی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا جو تیز رفتاری سے اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔ وہ درختوں کے جھنڈ سے نکل کر بہت جلد ان لوگوں کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ وہ کافی دیر سے دور رہتے ہوئے ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ اس وقت اسے بڑی حیرت ہوئی جب وہ قافلہ کچھ دیر کے لئے ٹھہر گیا اور ان میں ایک گھڑسوار الگ ہو کر اس کی جانب بڑھنے لگا۔ وہ دل میں سوچنے لگا کہ کیا وہ لوگ اپنے تعاقب سے باخبر ہو چکے ہیں۔ پھر اپنی نادانی پر مسکرا کر وہ اس گھڑسوار کا ٹھہر کر انتظار کرنے لگا جو برق رفتاری سے اس کی جانب بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ وہ گھڑسوار بگولے کی مانند بڑھتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو باگیں کھینچ کر روکا۔ وہ غصیلی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''اے کون ہو تم..... اور تین دن سے ہمارا تعاقب کس خوشی میں کر رہے ہو؟'' وہ چیخ کر بولا

''میں کون ہوں، اس سے تمہیں کوئی غرض نہیں ہونا چاہئے؟ تم یہاں کیوں آئے ہو، اس بارے میں بتاؤ تو زیادہ بہتر ہوگا''۔ اس نے سرد لہجے میں کہا۔

''تم خود کو سمجھتے کیا ہو؟ اگر اتنا ہی دم ہے تو میدان میں آؤ..... ابھی دودھ کا دودھ، پانی کا پانی ہو جاتا ہے''۔ وہ ہتھے سے اکھڑ کر چیخا۔

''مجھے تم سے مقابلہ کرنے کا کوئی شوق نہیں، آنے کی وجہ بتاؤ اور چلتے بنو''۔ وہ بدستور سرد لہجے میں غرایا۔ اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات نمودار ہو گئے۔

''تمہاری یہ جرأت.....'' وہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ پایا۔ دوسرے لمحے اس کے ہاتھ میں چمکتی ہوئی تلوار لہرانے لگی۔ اس کی حرکت کے باوجود اس کا دماغ ٹھنڈا رہا۔

''نادانی کا مظاہرہ مت کرو۔ سیدھی طرح اپنے آنے کی وجہ بیان کرو اور واپس لوٹ جاؤ''۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کرتے ہوئے کہا۔

''میں تمہارے تعاقب کا یہ سلسلہ ہی ہمیشہ کے لئے ختم کرنے آیا ہوں، سمجھے تم!'' وہ دانت کچکچا کر بولا۔ یہ سن کر اس کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

''ٹھیک ہے تم اپنی موت کے اتنے ہی دیوانے ہو رہے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں، لیکن مرنے سے پہلے اتنا ضرور جان لو کہ میرا نام شنگ خان ہے اور میں خاص النسل تاتاری ہوں''۔

''تاتاری ہو تو کیا ہوا؟ میں کسی تاتاری سے ڈرنے والا نہیں ہوں''۔ وہ طیش کے عالم میں چیخا۔

دوسرے لمحے اس کی تلوار حرکت میں آئی اور شنگ خان کی جانب برق کی تیزی سے لپکی۔ شنگ خان جھکائی دے کر اس کے وار کو خالی کر گیا۔ وہ یہ دیکھ کر آپے سے باہر ہونے لگا۔ اس نے پے در پے کئی وار کئے مگر شنگ خان ہر بار اسے جل دینے میں کامیاب ہو جاتا۔ اپنے واروں کو رائیگاں جاتا دیکھ کر وہ سنبھل گیا۔ اسے

اندازہ ہو گیا کہ اس کا مقابل عام شخص نہیں ہے۔ اس نے فوری طور پر اپنے دماغ کو ٹھنڈا کیا۔ شنگ خان اس کے اطوار میں تبدیلی محسوس کر کے چونک گیا۔ وہ بے حد کائیاں شکاری تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ فدائی اب جذباتیت کے دائرے سے باہر نکل آیا ہے لہٰذا اسے بھی کھیل کا سلسلہ بند کر دینا چاہئے۔ پھر دونوں آپس میں نبرد آزما ہو گئے۔ دونوں کی جانب سے طرح طرح کے وار ایک دوسرے کی زندگی کو مٹانے کی کوشش کرنے لگے۔ شنگ خان کو اپنے جسم میں تکان کا بخوبی احساس تھا مگر وہ ایک ماہر شکاری بھی تھا۔ فدائی کا وار چل گیا۔ اس کی تلوار گھوڑے کے جسم کو چیرتی ہوئی دوسری جانب نکل گئی۔ شنگ خان گھوڑے سے الٹ کر زمین پر جا پڑا فدائی یہ دیکھ کر جارحانہ انداز میں اس پر پل پڑا۔ شنگ خان اس کی ذہانت پر عش عش کر اُٹھا۔ اس نے زمین پر ہی لوٹنیاں لگاتے ہوئے فدائی کے گھوڑے کی ٹانگیں کاٹ دیں۔ گھوڑا بری طرح سے ہنہنا تا ہوا زمین پر جا گرا۔ فدائی شاید وار کے انجام سے واقف ہو چکا تھا۔ اس نے تیزی سے زمین پر قلابازی لگائی اور سنبھل کر کھڑا ہو گیا، شنگ خان بھی اس دوران سنبھل چکا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں گھورتے ہوئے ایک بار پھر ٹکرا گئے۔ یوں لگا جیسے کھلا نیلگوں آسمان اپنے تلے اس خوفناک لڑائی کو دیکھ کر سہم گیا ہو۔ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوششیں جاری رہیں۔ شنگ خان اپنے مخصوص تاتاری داؤ پیچ استعمال کرنے لگا۔ فدائی کئی بار بمشکل اس کے وار سے بچ پایا تھا۔ بالآخر شنگ خان کا داؤ کارگر ثابت ہوا۔ شنگ خان کی تلوار اس کے پیٹ کو چیرتی ہوئی دوسری جانب نکل گئی تھی۔ فدائی کا جسم بری طرح سے جھٹکے کھا رہا تھا۔ شنگ خان نے حقارت سے اس کی جانب دیکھا۔ فدائی کی آنکھوں میں اس کے لئے نفرت کی چنگاریاں چمکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ شنگ خان نے اپنی تلوار پر نگاہ ڈالی جو فدائی کے خون سے تر تھی۔ شنگ خان تلوار لے کر فدائی کے قریب بیٹھ گیا اور اس کے لباس سے تلوار کا پھل صاف کرنے لگا۔ فدائی اس کی حرکت پر تلملا سا گیا۔ وہ اپنی آخری سانسیں لے رہا تھا مگر اس کی ہمت ابھی تک برقرار تھی۔ شنگ خان اس کی جواں مردی کا معترف ہو گیا۔ اس نے ماتھے پر انگلی رکھتے ہوئے اسے الوداع کہا۔ اسی لمحے فدائی کے جسم میں حرکت ہوئی۔ وہ بڑے زور سے تڑپا کہ اس کی چیخ سے چرند پرند دہل کر رہ گئے۔ اس نے اپنی پوری قوت بروئے کار لاتے ہوئے کوئی چیز شنگ خان کے چہرے پر دے ماری تھی۔ شنگ خان کو اپنے چہرے پر گرد کی لہری محسوس ہوئی دوسرے لمحے ہی اسے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے سر کو بہتیرا جھٹکا مگر بے سود۔ وہ بل کھا کر فدائی کے جسم پر گرتا چلا گیا۔ وہ شاید کوئی دوا نما سفوف تھا، جس نے شنگ خان کے ہوش وحواس معطل کر ڈالے تھے۔ کھلے آسمان تلے ویران علاقے میں دو بے جان جسم پڑے ہوئے تھے۔ آسمان پر کئی چیلیں تازہ خوراک دیکھ کر جمع ہونا شروع ہو گئیں۔

❀ ❀ ❀

قاضی جمال الدین ابن واصل سلطان بیبرس کے حکم پر حماۃ چلے آئے۔ سلطان بیبرس نے انہیں حماۃ میں قاضی کے منصب پر تعینات کیا تھا۔ قاضی جمال الدین اپنی فہم وفراست اور پُرکشش شخصیت کے باعث بہت جلد ہی لوگوں میں مقبول ہو گئے۔ قاضی ابن واصل کو جامع حماۃ میں وعظ کے لئے خصوصی طور پر دعوت دی جاتی تاکہ لوگ دین کی آگاہی پا سکیں۔ قاضی ابن واصل نے اپنی شعلہ بیانی سے لوگوں کے ایمان تازہ کر دیئے۔ قاضی ابن واصل کو جلد ہی فدائی گروہ کے عقائد اور ان کی قتل وغارت کے بارے میں علم ہو گیا تو انہوں نے برملا ان کی مخالفت کی اور ان کے عقائد پر کڑی تنقید کرتے ہوئے انہیں توبہ کرنے کی نصیحت کی۔ اسی دوران قاضی ابن واصل نے باطنی تحریک اور عقائد پر ایک جامع رسالہ تحریر کیا۔ اس رسالے میں انہوں نے قرآن وسنت کی روشنی میں فدائیوں کے عقیدۂ ایمان پر کڑی تنقید کرتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ وہ راہِ حق سے دور

ہٹ چکے ہیں اور انہیں دائرہ اسلام میں شمار کرنا نادانی شمار کی جائے گی۔ یہ ایک رائے تھی جو قاضی ابن واصل جیسے ممتاز مبلغ و عالم نے اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں تیار کی تھی۔ ان کے بیان کردہ دلائل میں ایسا استحکام تھا کہ باطنی گروہ کے لوگ بھی لاجواب ہو کر رہ گئے تھوڑے ہی عرصے میں فدائیوں نے یہ محسوس کر لیا کہ قاضی ابن واصل کا مزید زندہ رہنا ان کے حق میں بہتر نہیں ہے۔ وہ اپنے تئیں کوششوں میں مصروف ہو گئے۔

دو بار قاضی ابن واصل پر قاتلانہ حملہ کیا گیا مگر یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ وہ بچ گئے۔ والئی حماۃ نے یہ دیکھ کر فوری طور پر قاضی ابن واصل کی حفاظت کے لئے خصوصی انتظام کیا۔ ہر عام و خاص کی تلاشی لی جاتی پھر انہیں عدالت میں آنے دیا جاتا۔ نئے مقدمات پر تو خاص طور پر نظر رکھی جاتی۔ اس کڑی سختی کے باعث لوگوں کو پریشانی ہونے لگی۔ قاضی ابن واصل کے سامنے طرح طرح کی شکایات پیش ہونے لگیں۔ پہلے پہل تو قاضی موصوف نے پہلو تہی سے کام لیا جب شکایات کا باب طوالت کا شکار ہونے لگا تو انہوں نے اتنی نرمی ضرور کی کہ خواتین کی جامہ تلاشی کا سلسلہ موقوف کروا دیا۔

ایک دن وہ اپنی عدالت میں بیٹھے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے کہ ایک مقدمہ ان کے سامنے پیش ہوا۔ وہ دونوں میاں بیوی رہ چکے تھے، شوہر سے غصے کے عالم میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور بعد میں طلاق سے صاف مکر گیا۔ چونکہ یہ تلخی کا معاملہ تنہائی میں ہوا تھا اس لئے کوئی گواہ بھی موجود نہیں تھا۔ بیوی نے قاضی ابن واصل کو یہ درخواست دی کہ چونکہ اس کا شوہر اسے طلاق دے چکا ہے لہٰذا وہ اس سے کوئی واسطہ رکھنے کو تیار نہیں۔ قاضی موصوف نے اس عورت کا موقف سن کر اس کے شوہر کو طلب کیا۔ دو دن بعد ان کے مقدمے کی دوبارہ سماعت ہوئی تو قاضی ابن واصل نے تنہائی میں مرد سے تمام معاملہ پوچھا۔ مرد نے حلف اُٹھا کر یہ بیان دیا کہ اس سے ایسی کوئی حرکت سرزد نہیں ہوئی ہے، اس کی بیوی بلاوجہ اس سے چھٹکارا پانا چاہتی ہے۔ وہ اس کے تمام حقوق پورے کر رہا ہے اور تمام رشتہ دار اور اہل محلہ اس بات کے گواہ ہیں کہ میں نے اسے کبھی انگلی تک نہیں لگائی۔ اس نے قاضی ابن واصل سے استدعا کی کہ وہ اس کی بیوی کو سمجھائیں اور اس کے دماغ کے فتور کو دور فرمائیں۔ قاضی ابن واصل یہ سن کر سوچ میں پڑ گئے۔ انہوں نے اس عورت کو بھی وہیں طلب کر لیا اور اس سے دریافت کیا کہ اصل معاملہ کیا ہے؟ وہ عورت بدستور اپنے بیان پر قائم رہی اور اس نے اس طلاق کی وجہ اپنے دین کی سلامتی قرار دی۔ اس عورت نے یہ بھی کہا کہ وہ بھی اپنے شوہر نے مطمئن ہے اور اس سے فراق نہیں چاہتی مگر وہ اپنی آخرت کو داؤ پر نہیں کر سکتی۔ قاضی ابن واصل کے لئے یہ معاملہ بڑا گھمبیر صورت اختیار کر گیا تھا۔ عورت کے طرز بیان سے یہی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ سچ بول رہی ہے جبکہ مرد کے بیان میں بھی کوئی خامی نہیں تھی۔ فیصلہ خاصا کٹھن ثابت ہو رہا تھا۔ وہاں موجود لوگوں میں دلچسپی دکھائی دینے لگی۔

قاضی ابن واصل نے اہل محلہ کے چند افراد اور دونوں کے رشتہ داروں سے بھی پوچھ گچھ کی، بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ شرع کے مطابق مرد کی گواہیاں زیادہ مضبوط ہیں اور عورت کا موقف کمزور ہے، لہٰذا انہوں نے مرد کے حق میں فیصلہ سنایا اور عورت کو گمراہ قرار دیتے ہوئے اسے کڑے الفاظ میں تنبیہ کی۔ عورت خاموشی سے قاضی ابن واصل کی بات سنتی رہی۔ اس کے بگڑے تیور اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ اسے قاضی ابن واصل کا فیصلہ پسند نہیں آیا۔ یکا یک وہ برق کی مانند اچھلی اور قاضی ابن واصل پر ٹوٹ پڑی۔ لوگ اس عورت کی طراری دیکھ کر دم بخود بیٹھے رہ گئے۔ اس عورت کے ہاتھ میں ایک لمبے پھل والا خنجر دکھائی دیا جو بجلی کی سی تیزی سے قاضی ابن واصل کے جسم میں اتر گیا۔ قاضی ابن واصل کی تیز چیخ کمرۂ عدالت میں گونجی تو وہاں عجیب سی کھلبلی مچ گئی، محافظ سپاہی تیزی سے اندر کی جانب دوڑے۔ وہ عورت وحشیانہ انداز میں قاضی ابن واصل کو

ٹھوکریں رسید کر رہی تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ گھمایا اور خنجر کا دوسرا وار قاضی ابن واصل کے جسم میں اتارنے کی کوشش کی۔ اچانک ایک مضبوط ہاتھ اس کی کلائی پر جم گیا۔ وہ عورت چونکتی ہوئی مڑی۔ وہ ایک ادھیڑ عمر شخص تھا۔ اس کا ہاتھ تیزی سے گھوما اور فضا میں طمانچے کی آواز گونجی۔ وہ عورت چکراتی ہوئی پیچھے کی جانب اُلٹ گئی۔ خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا۔ یہ دیکھ کر اس کا شوہر برق رفتاری سے خنجر کی جانب لپکا۔ وہ اجنبی شاید اس کی کوشش کو تاک گیا تھا اس نے تیزی سے اس کی ٹانگوں میں گھٹنا ڈال کر اسے سر سے اوپر اچھال ڈالا۔ وہ چلاتا ہوا زمین پر جا گرا۔ اسی اثناء میں کچھ دوسرے لوگ بھی میدان میں اتر آئے۔ ان کے ہاتھوں میں خنجر دکھائی دے رہے تھے۔ وہ پل بھر میں اندر آنے والے محافظوں پر ٹوٹ پڑے۔ دیکھتے ہی دیکھتے عدالت میں لاشیں بکھر گئیں۔ کمرہ عدالت میدان جنگ کا نقشہ بن چکا تھا۔ وہ سب فدائی تھے جو بھرپور انداز میں یہ کوشش کر رہے تھے کہ قاضی ابن واصل کو مکمل طور پر ہلاک کر دیا جائے جبکہ قاضی ابن واصل کمر کے بل زمین پر ساکت گرے ہوئے تھے اور ان کے جسم سے خون بہتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اجنبی شخص نے مسلح افراد کو دیکھ کر جھکائی دیتے ہوئے نہایت پھرتی سے ایک محافظ کی تلوار اپنے قبضے میں لے لی۔ تلوار کی برق خیزی نے ان فدائیوں کی آنکھیں چندھیا دیں۔ کچھ ہی دیر میں وہ سب زمین پر زخمی پڑے کراہ رہے تھے۔ وہ عورت اس دوران اُٹھ چکی تھی۔ وہ عورت کوئی اور نہیں گل وقو تھی جو حماۃ میں داخل ہو کر اپنی پہلی مہم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے درپے تھی۔ اسے اجنبی کی مداخلت پر بے حد غصہ تھا۔ اس نے زمین پر گرے ہوئے اپنے زخمی ساتھیوں کو دیکھا تو اس کا دماغ گھوم سا گیا۔ وہ کھا جانے والی نگاہوں سے اس اجنبی کو دیکھ رہی تھی جو تلوار ہاتھ میں تھامے اُسے محض گھور رہا تھا۔

❁❁❁

شنگ خان کراہ کر اُٹھ بیٹھا۔ درد کی شدید لہر نے اسے مدہوشی کی نیند سے بیدار کر دیا تھا۔ وہ چونک کر اپنے گرد و پیش دیکھنے لگا۔ وہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا مگر اس کے لئے قطعی طور پر یہ انجان جگہ تھی۔ اسی لمحے درد کی تیز لہر نے ایک بار پھر اسے کراہنے پر مجبور کر دیا۔ اس کی نگاہیں غیر شعوری انداز میں درد کے مقام کی طرف گھوم سی گئیں۔ وہ اپنی بائیں ران کو تعجب بھری نظروں سے دیکھنے لگا جو کہ سفید پٹیوں میں لپٹی ہوئی تھی۔ وہ پہلے ہی خود کو انجان جگہ پر پا کر حیرت زدہ تھا کہ ران پر لپٹی ہوئی پٹیوں نے اس کی پریشانی کو دو چند کر کے رکھ دیا۔ اس کے دونوں ہاتھ مقناطیسی انداز میں ران کو ٹٹولنے لگے۔ پٹیوں پر ہاتھ پڑتے ہی درد کی لہر نے دوبارہ سر اُٹھایا تو اسے یقین ہونے لگا کہ ران پر کوئی گہرا زخم موجود ہے۔

پھر جیسے اسے ہوش سا آ گیا۔ اس کے ذہن کے پردے پر جوشیلے فدائی سے معرکہ آرائی کا منظر پھیلتا چلا گیا۔ فدائی نے آخری ہچکی لیتے ہوئے کوئی اوچھا وار کیا تھا جس کے باعث وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ یہاں تک تو اسے یاد تھا مگر اس کے بعد کیا ہوا.....؟ وہ جب دوبارہ ہوش میں آیا تو اس نے خود کو اس بستر پر لیٹے پایا۔ جسم پر لپٹی ہوئی سفید پٹیوں سے یہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اسے یہاں زخمی حالت میں لایا گیا تھا مگر وہ کہاں ہے؟ اس کے ذہن پر ہیجان سا برپا ہونے لگا۔ کیا وہ فدائیوں کی گرفت میں ہے؟ ایک خیال نے سر اٹھایا۔ وہ چونک کر سفید پٹیوں کی جانب دیکھنے لگا۔ پٹیوں کے لپیٹنے کا انداز عام سا تھا، یہ دیکھ کر اسے کسی قدر حوصلہ ہوا کہ وہ فدائیوں کی گرفت میں نہیں کیونکہ ایک عرصہ تک فدائیوں کے ساتھ رہا تھا۔ اس کی نگاہ ایک بار پھر پٹیوں میں لپٹی ہوئی ران پر جا ٹھہری۔ وہ ایک بار پھر اپنے ذہن پر زور دینے لگا جہاں تک اسے یاد پڑتا تھا کہ فدائی کا کوئی بھی ایسا وار اس کے جسم پر نہیں لگا تھا جو اسے زخمی کر دیتا۔ اس نے کمرے میں پڑی ہوئی اشیاء

پر نظر دوڑائی تو اسے معلوم ہو گیا کہ وہاں قریباً ضرورت زندگی کا تمام سامان موجود تھا۔ وہ شاید کسی کی قیام گاہ تھی
یا پھر کوئی سرائے۔ شنک خان اسے کوئی نام نہیں دے سکا۔ سامان کی ساخت سے اسے کسی قدر اندازہ ہو چکا تھا
کہ وہ کسی مسلمان کے گھر میں موجود ہے۔ وہ ابھی کشمکش میں مبتلا تھا کہ دروازے پر ہلکی سی آہٹ محسوس ہوئی۔
وہ چونک کر اس طرف دیکھنے لگا۔ دروازہ پرانی لکڑی کا تھا اسی لئے وہ تیز چڑ چڑاہٹ کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔
دروازے کے عقب میں سے ایک شخص اندر داخل ہوا جو کہ شنک خان کو بستر پر یوں بیٹھے دیکھ کر یکدم ٹھٹک سا
گیا۔ نو وارد نامناسب صحت کا مالک تھا۔ نحیف اور دبلا پتلا سا ناتواں جسم اس کی شخصیت کو مضحکہ خیز بنائے
ہوئے تھا۔ شنک خان بھی لمحہ بھر کے لئے اس عجیب الجثہ شخص کو سامنے دیکھ کر دنگ سا رہ گیا۔

''شکر الحمدللہ!'' نو وارد کے لب خوشی سے پھڑ پھڑائے۔ ''بالآخر تمہیں ہوش آ ہی گیا''۔

''کک...... کک...... کیا...... مطلب؟'' شنک خان اس کے جملے سے چونک پڑا۔

''اجنبی! شاید تمہیں یہ جان کر حیرت ہو کہ تم میرے گھر میں پچھلے ڈیڑھ ماہ سے بے ہوش پڑے تھے۔
طبیب نے مجھے کہا تھا کہ تمہیں کسی نہ کسی دن ضرور ہوش آئے گا۔ اسی لئے میں نے تمہیں یہاں ڈالے رکھا''۔
نو وارد ہاتھ میں پکڑا ہوا سامان ایک جانب رکھتے ہوئے بولا۔

''ڈیڑھ ماہ سے......!!!'' شنک خان کو الفاظ حلق میں پھنستے ہوئے محسوس ہوئے۔ اس کے چہرے پر
بے یقینی سی پھیلی ہوئی دکھائی دی۔

''میں جانتا ہوں کہ تمہیں میری بات پر یقین نہیں آئے گا مگر سچ کو جھٹلایا بھی نہیں جا سکتا''۔ نو وارد کے
چہرے پر ہلکی سی مسکان چھائی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ مسرور تھا جیسے اسے دلی طور پر شنک خان کے بیدار ہونے
سے راحت ملی ہو۔

''میں اس وقت کہاں ہوں، مجھے یہاں کون لایا تھا؟'' شنک خان نے جلدی سے پوچھا۔

''تم اپنے ذہن پر زیادہ زور نہ دو۔ میں تمہیں سب کچھ بتاؤں گا۔ طبیب نے مجھے سختی سے ہدایت کی تھی
کہ بدن سے زیادہ مقدار میں خون نکل جانے کے باعث تمہیں سخت کمزوری کا سامنا رہے گا لہٰذا جب بھی تم
ہوش میں آؤ تو تمہیں یہ اچھی طرح باور کرا دیا جائے کہ تم زیادہ بولنے اور سوچنے سے ہر ممکن گریز کرو ورنہ ممکن
ہے کہ بے ہوشی کا دوسرا دورہ تمہیں اپنی گرفت میں لے لے اور یہ دورہ کتنے دورانیے کا ہوگا اس کے بارے میں
طبیب کو بھی کچھ خبر نہیں۔'' نو وارد نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ شنک خان اس کی بات سن کر جیسے سکتے میں آ گیا۔
اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار عیاں تھے۔ نو وارد اس کی کیفیت کو جان گیا اور نرم لہجے میں اس کی ڈھارس
بندھانے لگا۔

''میرا نام عبداللہ ہے اور لوگ پیار سے مجھے مندری کہتے ہیں۔ میں یہاں کا ایک چھوٹا سا بیوپاری
ہوں، باہر سے آنے والے تاجروں سے چاول، گیہوں اور شکر خریدتا ہوں اور منافع کے ساتھ یہاں فروخت
کرتا ہوں''۔ نو وارد بولا۔

''مگر یہ کون سی جگہ ہے؟'' شنک خان کو اس کی باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

''ہاں یہ تو میں بتانا ہی بھول گیا کہ تم اس وقت حماۃ میں موجود ہو۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ تم حماۃ کے بالائی
مضافات میں آخری سانسیں گن رہے تھے۔ شاید تم کوئی تاتاری سپاہی ہو''۔ وہ مستفسرانہ نگاہوں سے اس کی
جانب دیکھنے لگا۔ شنک خان نے اطمینان کی سانس لی کہ وہ فدائیوں کے قبضے میں نہیں تھا بلکہ ان کی رسائی سے
بھی دور تھا۔

''نہیں! میں جو بھی ہوں تمہیں اس سے غرض نہیں ہونا چاہئے''۔ شنک خان تیزی سے بولا

''بہر کیف! تمہارا وہ ساتھی مر چکا تھا، اسے وہیں دفنا دیا گیا تھا۔ ایک بات مجھے ابھی تک سمجھ نہیں آ پائی
کہ تم تو تاتاری ہو جبکہ تمہارا ساتھی شامی دکھائی دیتا تھا؟'' عبداللہ نے وضاحت چاہی

''وہ میرا ساتھی نہیں تھا بلکہ میرا دشمن تھا اور میرے ہی ہاتھوں ہلاک ہوا تھا۔ میں اس کے ایک اوچھے
وار سے بے ہوش ہو گیا تھا مگر زخمی تو نہیں تھا''۔ شنک خان نے کہا۔

''یعنی تم نے اسے قتل کیا''۔ عبداللہ مندری کے چہرے پر خوف سا پھیل گیا۔

شنک خان کو اس کے ردعمل پر یہ اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی کہ وہ سیدھا سادہ تاجر ہے اور اس کے
لئے چڑیا کی جان بھی بیش قیمت رکھتی ہے۔ اس لئے وہ فوراً سنبھل گیا۔

''وہ شخص انتہائی خوفناک مہم کے لئے حماۃ آ رہا تھا مجھے اسے روکنے کی ہدایت ملی تھی، اس کی بدقسمتی کہ
وہ مجھ سے بھڑ گیا اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھا''۔

''کیا تم تاتاریوں کے مخبر ہو......؟'' عبداللہ مندری کے چہرے کا رنگ اُڑ سا گیا۔

''نہیں! میں دوست ہوں۔ تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں نقصان نہیں
پہنچاؤں گا''۔ شنک خان نے تسلی دی۔

''میں نے ان لوگوں سے پہلے ہی کہا تھا کہ اس مصیبت کو میرے گلے نہ ڈالو مگر وہ مانے ہی نہیں''۔
عبداللہ مندری خود کو کوسنے لگا۔ اسے شنک خان کا وجود جیسے اپنے لئے شکنجہ دکھائی دیا۔

''کون لوگ؟'' شنک خان نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''وہی جو تمہیں اس بیاباں سے اُٹھا کر میرے پاس لائے تھے اور پھر چند سکے میری ہتھیلی پر رکھ کر چلتے
بنے''۔ عبداللہ مندری کا چہرہ اترا ہوا دکھائی دینے لگا۔

''میرے نادان محسن!'' شنک خان ہنستا ہوا بولا۔ ''میں نے نہ تو کوئی غلط کام کیا ہے اور نہ ہی میں کوئی
مفرور مجرم ہوں کہ تمہیں میری موجودگی پر یوں غمگین ہونا پڑے''۔ اسی لمحے شنک خان کی ران میں درد کی لہر دوڑ
گئی اور اس کا چہرہ متغیر ہونے لگا۔ عبداللہ مندری اس کی کیفیت پر پریشان ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا مگر شنک خان نے
اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ کچھ ہی لمحوں میں شنک خان خود پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے چہرے پر
سکون پھیلتے ہوئے دیکھ کر عبداللہ مندری نے سکون کا سانس لیا۔ وہ بے حد نازک طبع واقع ہوا تھا جس سے کسی
دوسرے کا درد دیکھا نہیں جاتا تھا۔

''میری ران میں کیا ہوا تھا؟'' شنک خان نے سوال کیا۔

''یہ تو میں نہیں جانتا کہ اصلی ماجرا کیا تھا مگر طبیب نے یہی بتایا تھا کہ کسی نے تمہاری ران کا گوشت
بری طرح سے کاٹ ڈالا تھا کہ اندر کی ہڈی صاف دکھائی دینے لگی تھی''۔ عبداللہ مندری نے جواب دیا تو شنک
خان کو اپنے جسم میں عجیب سا خوف اترتا ہوا محسوس ہوا۔ کچھ ہی توقف کے بعد عبداللہ مندری دوبارہ بولا۔
''طبیب کا خیال ہے کہ تمہارے ساتھی کی مردہ لاش پر جب چیلوں اور گدھوں نے حملہ کیا ہوگا تو شاید اس وقت
تمہاری ران کا گوشت بھی اُڑا ڈالا ہو''۔

''اب میری کیا حالت ہے کہ کیا چلنے پھرنے کے قابل ہو سکوں گا''۔ شنک خان نے متفکر لہجے میں
پوچھا تو عبداللہ مندری [illegible]

''اس کا صحیح جواب تو طبیب ہی دے پائے گا، وہ کل صبح آئے گا تو اس سے خود ہی پوچھ لینا۔ وہ روزانہ

تمہاری ران کی پٹی بدلنے کے لئے آتا ہے۔ ویسے بھی اب تمہارا زخم کافی حد تک بھر چکا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ چند ہی ہفتوں میں تم چلنے پھرنے کے قابل ہو جاؤ گے''۔

''چند ہفتے.....!'' شنگ خان پریشان سا دکھائی دینے لگا۔

❁ ❁ ❁

گل وقوڑ خونخوار نگاہوں سے اس اجنبی کو گھور رہی تھی جو اس کے تمام ساتھیوں کو زخمی کر چکا تھا اور اس کی راہ میں بڑی دلیری سے کھڑا تھا۔ گل وقوڑ کو اس بات کا گہرا صدمہ تھا کہ اس کی پہلی مہم بے حد مشکل ثابت ہوئی ہے۔ اس کے تمام ساتھی زخمی ہو چکے تھے اور انہیں ساتھ لے کر نکلنا ممکن نہیں رہا تھا اور ادھر قاضی جمال الدین پر کیا جانے والا وار کس قدر گہرا تھا اس کی بھی کچھ خبر نہیں تھی مگر اُسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے قاضی جمال الدین ابھی بھی سانس لے رہا ہو۔ وہ دوبارہ اس کی جانب بڑھنا چاہتی تھی تاکہ اس کی مہم پایہ تکمیل کو پہنچ جائے مگر اس اجنبی کی مداخلت نے سارا کھیل ہی چوپٹ کر کے رکھ دیا تھا۔ اس کے ساتھی بری طرح گھائل ہو چکے تھے، ان میں کچھ تو بے جان لاشوں کی طرح دکھائی دیئے۔ اس کے ساتھیوں میں سے ایک اپنی قوت مجتمع کر کے تیزی سے اجنبی زبان میں چیخا۔

''گل وقوڑ! حالات بے حد مخدوش ہیں۔ یہاں سے فوراً نکل جاؤ محافظ آتے ہی ہوں گے۔ اس شخص کی فکر نہ کرو، مجھے یقین ہے کہ یہ تمہارا پیچھا نہیں کرے گا''۔

گل وقوڑ اپنے ساتھی کی بات پر چونک اُٹھی۔ اس نے تیزی سے ایک جست لگائی اور دروازے کی جانب بڑھی۔ وہ شخص شاید گل وقوڑ کی حرکت سے سمجھ گیا تھا کہ وہ اب نکلنے کی کوشش میں ہے اس نے قریباً دوڑتے ہوئے اپنی تلوار ہوا میں اچھالی۔ اس کا نشانہ خطا نہیں گیا دوسرے ہی لمحے گل وقوڑ دروازے کے بیچ میں دوہری ہوتی چلی گئی۔ تلوار کا دستہ گھومتا ہوا اس کی ریڑھ کی ہڈی پر ضرب لگا چکا تھا۔ ضرب بے حد شدید تھی کہ گل وقوڑ کے ہاتھوں سے خنجر نکلتا چلا گیا۔ کئی لوگ اس اجنبی کی مہارت پر عش عش کر اُٹھے کیونکہ یہ ممکن تھا کہ دستے کے بجائے تلوار کا تیز دھار پھل کی اس کی کمر میں پیوست ہو جاتا۔ تلوار کے دستے نے اس کی ریڑھ کی ہڈی پر گہری ضرب لگائی تھی۔ گل وقوڑ زمین پر گری ہوئی تھی اس کے چہرے پر کرب کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ اسی دوران اسے باہر سے محافظ سپاہیوں کا دستہ دوڑتا ہوا دکھائی دیا۔ اس کے لئے یہ بڑی نازک صورت حال تھی اگر وہ ابھی بھی کوئی کوشش نہ کرتی تو اس کی گرفتاری یقینی تھی۔ کمر کی شدید تکلیف نے اس کی طراری کو جیسے جامد کر ڈالا۔ وہ پوری قوت سے ہمت کر کے دوبارہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا ایک ہاتھ بدستور کمر سے چپکا ہوا تھا۔ اسی اثناء میں وہ شخص اس کے پہلو میں پہنچ گیا۔ اس نے گل وقوڑ کا خنجر اپنے قبضے میں لے لیا۔ اسی دوران سپاہی بھی قریب پہنچ گئے۔

''اسے گرفتار کر لو اور جلدی سے قاضی ابن واصل کو طبیب کے پاس لے جاؤ۔ وقت بے حد کم ہے اور تم میں سے کوتوال شہر کون ہے؟'' وہ شخص تیز لہجے میں بولا۔

ایک شخص نے آگے بڑھ کر خود کو کوتوال شہر بتایا تو اس شخص کا ہاتھ تیزی سے گھوما اور فضا میں تیز طمانچے کی آواز گونجی۔ طمانچہ کوتوال شہر کے چہرے پر پڑا تھا اور قریباً گرتے گرتے بچا۔ وہ خوف و حیرت سے اس شخص کی جانب دیکھ رہا تھا جس نے اس پر ہاتھ اُٹھایا تھا۔

''تمہارا یہ انتظام تھا کہ قاتل ہتھیاروں سمیت نہ صرف کمرہ عدالت میں آ گھسے بلکہ وہ قاضی ابن واصل پر حملہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ تمہارے سپاہی کس قسم کی تلاشی لیتے ہیں یہاں''۔ وہ شخص غصیلے لہجے

میں گرجتا ہوا بولا۔

کوتوال شہر اجنبی سے مرعوب دکھائی دیا۔ وہ اپنے تئیں یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ یہ شخص یقیناً اعلیٰ منصب کا امیر ہے اس لئے وہ طمانچے کو بھول کر صفائیاں پیش کرنے لگا۔ قاضی القضاۃ پر حملے کی خبر سارے شہر میں پھیل چکی تھی۔ معاملے کی تحقیق کے لئے کچھ ہی دیر میں والئی حماۃ اور وزراء کی جماعت وہاں پہنچ گئی۔ کوتوال شہر افسران اعلیٰ کی آمد پر پریشان ہو گیا۔ اسی دوران قاضی جمال الدین ابن واصل کو وہاں سے طبیب کے پاس لے جایا گیا۔ قاضی ابن واصل کی دائیں پسلی میں خنجر کا گہرا گھاؤ لگا تھا۔ وہ فی الوقت بے ہوش تھے مگر خون ضائع ہونے کے باعث ان کا چہرہ زرد پڑتا جا رہا تھا۔ اجنبی شخص نے سپاہیوں کو سختی سے ہدایت کی کہ وہ قاضی جمال الدین کو تیز رفتاری سے طبیب کے پاس پہنچائیں اور وہیں پوری ہوشیاری سے موجود رہیں تاکہ دشمن کو دوسرا وار کرنے کا موقعہ نہ مل سکے۔ گل وقوڑ کو بیڑیاں پہنا کر کوتوالی کی جانب لے جایا جا چکا تھا جبکہ اس کے زخمی ساتھیوں کو گرفتار کر کے طبی سہولت فراہم کرنے کا حکم دیا گیا۔ کوتوال شہر والئی کی آمد کے بعد اسے صورت حال بتانے لگا۔ حالات پر قابو پا لیا گیا تھا مگر وہاں جمع ہونے والے ہجوم کو ابھی تک وہاں سے ہٹایا نہ جا سکا۔ کوتوال شہر نے حفاظتی معاملات میں اپنی صفائی پیش کرنے کے بعد اس امیر کی شکایت کی جس نے اسے مجمع کے بیچ میں طمانچہ رسید کیا تھا۔ والئی شہر ایسے امیر کی بابت سن کر ششدر رہ گیا۔ اس نے اجنبی شخص کی بابت دریافت کیا تو کوتوال شہر نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اجنبی شخص ابھی تک وہیں موجود سپاہیوں کی حرکات و سکنات کا جائزہ لینے میں مصروف تھا کہ کوتوال شہر والئی شہر کے ہمراہ اس کی جانب بڑھ آیا۔

''حضور! یہی وہ امیر ہے.....!'' کوتوال شہر اس کی جانب دیکھ کر تیزی سے بولا۔ والئی شہر اس اجنبی کی جانب دیکھ کر مخمصے میں پڑ گیا کیونکہ وہ اس صورت سے ناآشنا تھا۔

''تم کون ہو؟ مجھے تم حماۃ کے رہنے والے نہیں لگتے''۔ والئی شہر نے رعب دار آواز میں پوچھا۔ وہ اجنبی کسی خیال میں مگن تھا۔ چونک کر والئی شہر کی جانب متوجہ ہوا۔

''میں مسافر ہوں۔ اتفاق سے آج اس طرف آ نکلا ہوں''۔ اجنبی نے جواب دیا۔

یہ سن کر کوتوال کا چہرہ متغیر ہونے لگا۔ وہ جسے امیر سمجھ کر مرعوب ہوئے جا رہا تھا، وہ امیر نہیں تھا یہ بات اس کے طیش کو ہوا دینے لگی۔

''تمہاری یہ جرأت کیسے ہوئی کہ تم مجھے سرعام طمانچہ رسید کرو''۔ کوتوال شہر جذباتی دکھائی دیا

''وہ طمانچہ تمہارے ناقص انتظام کا صلہ تھا جس کے تم واقعی حقدار تھے''۔ اجنبی اطمینان بھرے لہجے میں بولا تو کوتوال غصے کے عالم میں محض پہلو بدل کر رہ گیا۔ وہ خود کو بے بس سا محسوس کرنے لگا کیونکہ والئی شہر کی موجودگی میں کوئی غلط حرکت نہیں کر سکتا تھا۔

''اجنبی! ہمیں دوسروں کی زبانی تمہاری بہادری کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے۔ ہم تمہارے شکر گذار ہیں کہ تم نے بروقت حالات کو سنبھال لیا ورنہ عین ممکن تھا کہ قاضی ابن واصل اب تک جانبر نہ ہوتے۔ اگر تمہاری کوئی مجبوری نہ ہو تو ہم تمہیں اعلیٰ منصب دینے کے خواہش مند ہیں تاکہ تم جیسے بہادر شخص کی قدردانی ہو سکے''۔ والئی شہر نے اپنی فیاضی کا مظاہرہ کیا۔ اجنبی شخص اس کی بات پر مسکرانے لگا۔

''اعلیٰ مناصب اور انعام و اکرام سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں تو انسانوں کی خدمت پر یقین رکھتا ہوں اور خواہش رکھتا ہوں کہ والئی شہر مناصب بانٹنے کے بجائے اپنی ذمہ داریوں کا خیال رکھے اور شہر کے مکینوں کی حفاظت کا بہتر انداز میں بندوبست کرے۔ اس معاملے کی پوری تحقیق کی جائے کہ یہ کون لوگ ہیں؟

جو کہ ناپاک عزائم لے کر حماۃ میں داخل ہوئے ہیں اور خصوصاً اس تاتاری النسل لڑکی کی چھان بین ضرور کی جائے۔ اگر والیٔ شہر یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو جائیں کہ قاضی ابن واصل پر حملے کے پس پردہ مقاصد کیا تھے؟ تو اس بندے کو اس کا حقیقی انعام مل جائے گا''۔ اجنبی شخص نے طمانیت سے کہا۔ والیٔ شہر اس کی جرأت و بے باکی پر دم بخود سا رہ گیا۔

کوتوال شہر بھی تلملاتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ شاید کسی موقعے کی تلاش میں تھا کہ طمانچے کا جواب دینا نصیب ہو مگر والیٔ شہر نے جب شکریئے کے ساتھ اجنبی کو جانے کی اجازت دی تو اس کے چہرے پر گہری مایوسی پھیل گئی۔ اجنبی شخص نے جب یہ دیکھا کہ حالات پوری طرح قابو میں آچکے ہیں تو وہ خاموشی سے اس ہجوم سے باہر نکل آیا۔ تھوڑی دور آنے کے بعد وہ ایک بازار کے کنارے ٹھہر گیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ کچھ لمحوں کے توقف کے بعد اس نے اپنی گردن جھٹکی اور اس سرائے کی جانب بڑھ گیا جہاں اس کا گھوڑا اور ضروری سامان پڑا تھا۔

ابھی اس شخص نے چند ہی قدموں کا سفر طے کیا تھا کہ اسے یوں محسوس ہوا کہ کوئی شخص اس کے تعاقب میں ہے۔ اجنبی شخص نے مڑ کر جائزہ لیا تو وہ کوئی نتیجہ اخذ نہ کر سکا۔ بازار میں لوگوں کی اچھی خاصی بھیڑ تھی۔ اس ہجوم میں اسے کوئی ایسا چہرہ دکھائی نہیں دیا جو اس کے شک پر پورا اترتا۔ چند بازاروں میں سے گذرنے کے بعد ایک بار اس کی چھٹی حس نے احساس دلایا کہ کوئی نہ کوئی ایسا ضرور ہے جو مسلسل اس کے تعاقب میں ہے۔ اپنے شک کو جانچنے کے لئے وہ بازار میں سے نکل کر گلیوں کے سلسلے میں گھس گیا۔ کچھ ہی دیر میں اس کا شک یقین میں بدل گیا کہ ایک شخص واقعی اس کے تعاقب میں تھا۔ اس نے تیزی سے ذہن کو مستعد کیا اور اس تعاقب کرنے والے سے بھڑنے کے لئے خود کو چوکنا کر لیا۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین سر میں اُٹھنے والی درد کی تیز لہر سے بیدار ہو گیا۔ اُسے اپنا سر بھوستا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے دائیں بائیں دیکھنے کی کوشش کی مگر کچھ دکھائی نہ دیا۔ ہر طرف گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے تیزی سے اپنا سر جھٹکا مگر ہر سو پھیلی ہوئی تاریکی پھر بھی چھٹ نہ پائی۔ لاشعوری انداز میں اس کے ہاتھ آنکھوں کو مسلنے لگے۔ وہ چند لمحے پہلے تک اپنے سر میں اُٹھنے والی درد کو فراموش کر کے تاریکی کی اس پہیلی میں اُلجھ کر رہ گیا۔ یہ کوشش کارگر ثابت نہ ہوئی۔ گہرے اندھیرے کے باعث اسے کچھ بھی بجھائی نہیں دے رہا تھا۔ یکا یک خوف کی ایک سرد لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرایت کرتی چلی گئی۔ وہ بے تابی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اسی وقت ایک شدید چکر اس کے حواس معطل کرتا چلا گیا۔ مطیع الدین نے بمشکل خود کو زمین پر گرنے سے بچایا۔ اس کا ہاتھ سر کے عقبی حصے پر بڑھ گیا۔ وہاں اُٹھا ہوا گومڑ پا کر وہ گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اس کے اوسان آہستہ آہستہ بحال ہونے لگے۔ وہ دوبارہ زمین پر بیٹھ گیا۔ ہاتھ سے ٹٹولنے پر اسے معلوم ہوا کہ وہ کوئی فرش ہے جو کہ کافی سرد تھا۔

مطیع الدین کو یاد آ گیا کہ وہ شیخ کبیر الدین کے سامنے کچھ غلاموں سے نبرد آزما تھا کہ کسی نے اس کے سر پر کسی ٹھوس چیز سے ضرب لگا کر اسے بے ہوش کر ڈالا تھا مگر وہ اب کہاں تھا؟ اس بارے میں وہ کوئی حتمی رائے قائم نہ کر پایا۔ وہ آہستہ آہستہ اپنا سر سہلانے لگا۔ کچھ دیر تک اس نے اپنی آنکھیں بند کئے رکھیں اور پھر پلکیں اُٹھا کر تاریکی کو گھورنے لگا مگر وہ اس بار بھی کچھ دیکھنے سے معذور رہا۔ ''کیا میں اندھا ہو چکا ہوں؟'' اس کے لبوں پر کانپتی ہوئی لرزش ہوئی۔

یہ ایسا بھیانک خیال تھا کہ جس نے اسے بے قرار سا کر دیا وہ تیزی سے اس اندھیرے میں دائیں بائیں ٹٹولنے لگا۔ وہاں کوئی دوسری چیز موجود نہ تھی۔ کچھ ہی دیر میں اسے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ چھوٹا سا خالی کمرہ ہے جس میں اسے بند کر دیا گیا ہے۔ مطیع الدین سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے کہ وہ اس وقت اسی تاریک کمرے میں موجود ہو جسے شیخ کبیر الدین زنداں کا نام دے رہا تھا۔ اچانک اسے اس بات کا احساس ہوا کہ اس کمرے کا دروازہ تو اس کے ہاتھوں سے چھوا تک نہیں۔ کیا واقعی اس کمرے کا کوئی دروازہ نہیں ہے۔ وہ دوبارہ اُٹھا اور دیوار کو ٹٹولتا ہوا آگے کو بڑھنے لگا۔ کچھ ہی دیر میں وہ چاروں دیواروں کو شمار کر چکا تھا جو کہ بالکل سپاٹ تھیں۔ واقعی اس کمرے کا کوئی دروازہ نہیں تھا۔ دیواروں کے معائنے کے بعد مطیع الدین نے فرش کو بھی اچھی طرح ٹھونک بجا کر دیکھا۔ تھوڑی دیر بعد اسے یقین ہو گیا کہ وہ یقیناً کسی ایسی جگہ پر قید کر دیا گیا ہے جہاں کا راستہ صرف اوپر کی طرف ہی ہو سکتا ہے۔ وہ اپنے تخیل میں اسے زنداں کا نام دینے پر مجبور ہو گیا۔ جگہ کا جائزہ لینے کے بعد وہ ایک بار پھر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کی توجہ دوبارہ تاریکی پر مرتکز ہو گئی۔ وہ اب یہی سوچ رہا تھا کہ اسے کچھ دکھائی کیوں نہیں دے رہا۔ اسی لمحے مطیع الدین کو تازہ جھونکے کا احساس ہوا تو چونک پڑا۔ اگر کمرہ واقعی چاروں طرف سے بند ہے تو یہ ہوا کہاں سے داخل ہو رہی ہے۔ کہیں نہ کہیں تو کوئی روشندان وغیرہ ضرور ہونا چاہئے۔ اگر کوئی روشندان ہے تو وہ اسے دکھائی کیوں نہیں دے رہا۔

یہ عجیب پہیلی تھی جس نے مطیع الدین کے اعصاب بوجھل کر ڈالے۔ اسے اس وقت کوئی دوسری بات سجھائی نہیں دے رہی تھی۔ ممکن ہے کہ رات کا وقت ہو۔ اس کے ذہن میں دوسرا خیال عود کر آیا پھر وہ خود سے ہی سوال کرنے لگا کہ اگر رات کا وقت ہے تو آسمان پر موجود ستارے اور چاندنی کیوں نہیں ہے۔ کچھ ہی دیر میں اس نے اس سوال کا جواب بھی اخذ کر لیا کہ وہ یقیناً کسی ایسے مقام پر موجود ہے جو کہ کھلے آسمان کے نیچے موجود نہیں ہے۔ ہوا کے جھونکے کی جانب اس کا دھیان مبذول ہو گیا۔ بالآخر وہ کون سا ایسا مقام تھا جہاں سے ہوا کا جھونکا اندر داخل ہوا تھا؟ وہ بالائی حصے میں آنکھیں گاڑ کر اس مقام کو تلاش کرنے لگا۔ جہاں دوسرے حصے کی مانند گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔

بالائی حصے میں دیکھتے ہوئے اچانک مطیع الدین چونک پڑا۔ روشنی کا ننھا سا جھماکا لمحہ بھر کے لئے اس کی آنکھوں کے سامنے کوندا۔ پھر جب کچھ ہی توقف کے بعد وہ روشنی دوبارہ چمکی تو مطیع الدین کے چہرے پر مسرت کے آثار دکھائی دینے لگے۔ وہ یقیناً اندھا نہیں ہوا تھا۔ وہ اس ننھی سی روشنی کو پہچان چکا تھا۔ وہ جگنو تھا جو قدرت نے اس کی پریشانی ختم کرنے کے لئے اس جانب بھیج دیا تھا۔ جگنو کی روشنی چند ایک بار دکھائی دی اور پھر شاید وہ جگنو وہاں سے نکل گیا۔ مطیع الدین سوچ رہا تھا کہ چھت والے حصے میں کوئی بڑا روشندان ہے جس کے ذریعے تازہ ہوا اور روشنی وہاں پہنچتی ہے اور یہ زنداں کسی کمرے کے وسط میں واقع ہے۔ کمرے کے طاق کے ذریعے تازہ ہوا اندر داخل ہوتی ہو گی جس کے باعث کوئی نہ کوئی جھونکا اس زنداں خانے میں اتر جاتا ہے۔ یہ مطیع الدین کی ذہانت تھی کہ وہ زنداں خانے میں بیٹھ کر کسی قدر صحیح محل وقوع سے آگاہ ہو چکا تھا۔ یہ قریباً ایسا ہی تھا۔ وہ قلعہ بانیاس کے چھوٹے سے زنداں میں مقید تھا جہاں سے فرار ہونے کا کوئی راستہ موجود نہیں تھا۔ نہ تو مطیع الدین کے پاس زنداں خانے کو توڑنے کے لئے کوئی اوزار تھا اور نہ ہی وہاں سے فرار کا کوئی راستہ۔ مطیع الدین اس نئی افتاد پر سر جھکا کر سوچنے میں مشغول ہو گیا۔ شیخ کبیر الدین نے اس کا گہرا بندوبست کیا تھا مگر جس مقصد کے لئے اپنے وطن سے اتنی دور آیا تھا اسے اتنی آسانی سے نہیں ترک نہیں کر سکتا تھا۔ گل وقوڑ کا حصول اس کے لئے آخری مقصد بن چکا تھا۔ وہ شیخ کبیر الدین پر یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ مطیع الدین کو رد کنے کے لئے

تاریک زنداں خانے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

❁ ❁ ❁

اس اجنبی شخص نے اچانک ایک آڑ میں سے نکل کر اس شخص پر جھپٹا مارا جو کافی دیر سے اس کے تعاقب میں لگا ہوا تھا۔ دوسرے ہی لمحے اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہی کہ تعاقب کرنے والا انتہائی نحیف بدن کا مالک تھا اور اس کے جھپٹے کی زد میں آکر زمین پر لوٹتا ہوا دکھائی دیا۔ شاید وہ اس ناگہانی افتاد کے لئے تیار نہ تھا۔ اس کی تکلیف دہ کراہوں نے اجنبی شخص کو کچھ لمحوں کے لئے پریشان کر دیا۔ اس نے دائیں بائیں نظر ڈالی۔ اسے گلی میں دور تک کوئی نظر نہیں آیا۔ نحیف شخص اوندھے منہ زمین پر گرا ہوا کراہ رہا تھا۔ اس میں شاید اتنی سکت باقی نہیں تھی کہ وہ خود کو سیدھا کر پاتا۔ اجنبی شخص کو اپنی حرکت پر تاسف ہونے لگا۔ اس کے دل میں انسانی ہمدردی نے جوش مارا اور اس نے آگے بڑھ کر اس نحیف بدن کے مالک کو پکڑ کر سیدھا کھڑا کرنے کی کوشش کی۔ سیدھے ہونے پر نحیف شخص کی صورت دیکھ کر اجنبی شخص چونک سا گیا۔ اسے وہ چہرہ کسی قدر شناسا سا لگا مگر وہ باوجود کوشش کے یاد نہیں کر پایا کہ اس نے اُسے کہاں دیکھا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد نحیف شخص کی حالت کسی قدر سنبھل گئی۔ وہ ابھی تک گہری سانسیں لے رہا تھا۔

''میں معافی چاہتا ہوں، میں شاید کسی غلط فہمی کا شکار ہو گیا تھا''۔ اجنبی شخص نے معذرت خواہانہ لہجے میں بولا تو وہ نحیف شخص اپنی تکلیف بھول کر اس کی جانب عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگا جیسے وہ اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ یہ کیفیت اجنبی شخص سے بھی اوجھل نہ رہ پائی۔

''معافی کی ضرورت نہیں۔ میں واقعی آپ کا تعاقب کر رہا تھا لیکن میرا ارادہ غلط نہیں تھا بلکہ مجھے آپ میں کوئی شباہت دکھائی دی تھی جس کے باعث میرے قدم نہ چاہتے ہوئے بھی آپ کے تعاقب میں چل پڑے''۔ وہ جھجکتے ہوئے ندامت سے لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔

''کیا مطلب میں کچھ سمجھا نہیں''۔ اجنبی شخص نے استفسار کیا۔

''جانے کیا بات ہے کہ یہ چہرہ وہ نہیں ہے لیکن آواز اور چال ڈھال میں کوئی فرق نہیں ہے''۔ وہ ناتواں آواز میں بولا۔ اجنبی شخص اس کی بات پر متفکر سا دکھائی دینے لگا۔

''مجھے بھی کچھ ایسا لگتا ہے جیسے میں نے تمہیں کہیں دیکھا مگر صحیح طرح کچھ یاد نہیں آ رہا۔ کیا تم مجھے کچھ بتا سکتے ہو کہ ہم پہلے بھی کہیں ملے تھے اور تم کون ہو؟'' بالآخر اجنبی شخص نے بھی دل میں مچلتی ہوئی اپنی کشمکش کا اظہار کر دیا۔ نحیف شخص کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی۔

''کیا یہ چہرہ آپ کا اپنا ہے؟'' اس نے اچانک سوال کیا۔

''کیا مطلب؟'' اجنبی شخص نے کسی قدر ناگواری کا مظاہرہ کیا۔

''بس چہرے کے خدوخال کا تھوڑا فرق ہے اور کچھ نہیں۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کہیں ملے ہیں تو یہ غلط نہیں ہے۔ میری یادداشت میں آپ کی چال ڈھال اور لب ولہجہ آج بھی محفوظ ہے''۔ نحیف شخص تیزی سے بولتا چلا گیا۔ اجنبی شخص اس کی بات پر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

''ممکن ہے ہم دونوں کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہو جیسا کہ ابھی کچھ دیر پہلے تم میرے ہاتھوں سے بال بال بچے ہو''۔ اجنبی شخص نے کہا۔

''کئی برس بیت گئے ہیں مگر میں اس آواز کو فراموش نہیں کر پایا جانے کیوں میرا دل یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ آپ وہ نہیں ہیں''۔ نحیف شخص افسردہ لہجے میں بولا۔

''ممکن ہے ہماری کہیں ملاقات ہوئی ہو تم اپنا نام بتاؤ..... شائد اس طرح مجھے یاد آ جائے کہ میں تم سے کہاں ملا تھا؟'' اجنبی شخص نے اس کی تشفی کے لئے کہا۔

''میرا نام اب عبداللہ ہے مگر پہلے مندری ہوا کرتا تھا۔ ویسے یہ نام میں نے آج بھی ساتھ جوڑے رکھا ہے کہ شاید اس طرح میں اپنے آقا کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاؤں''۔ نحیف شخص لجاجت سے بولا۔

''مندری!'' اجنبی شخص کا چہرہ متغیر سا ہو گیا۔ جیسے اسے کچھ یاد آ گیا ہو۔

''ابھی مجھے یوں محسوس ہوا ہے کہ آپ وہی ہیں..... میرے آقا!'' عبداللہ مندری کا چہرہ یکدم کھل اُٹھا۔ اجنبی شخص مسلسل خاموشی اختیار کئے ہوئے تھا۔ وہ شاید اس کشمکش میں مبتلا تھا کہ وہ شناسائی کا اظہار کرے یا نہ کرے۔

''میرا خیال ہے کہ تمہارا اندازہ غلط ہے، میں ابھی تک تمہیں پہچان نہیں پایا۔ تمہارے متعلق میری یادداشت میں کچھ نہیں آ رہا''۔ اجنبی شخص نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

یہ سن کر عبداللہ مندری آزردہ خاطر دکھائی دیا۔ اس کا پتلا سا لمبوترا چہرہ یوں لٹک گیا جیسے اسے واقعی گہرا صدمہ پہنچا ہو۔ اس نے بمشکل اثبات میں سر ہلایا۔

''میں جانتا ہوں کہ آپ وہی ہیں، چہرے کے خدوخال کیونکر بدل گئے ہیں۔ اس بارے میں تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر انداز گفتگو اور بے اعتنائی کا رویہ سو صد وہی ہے۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ آپ کس وجہ سے شناسائی کا انکار کر رہے ہیں؟ میں تو صرف اس آزادی کے لئے آپ کی خدمت کرنے کا خواہاں ہوں جو آپ کے طفیل مجھے نصیب ہوئی ہے''۔

''نہیں دوست! ایسا کچھ بھی نہیں..... تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں تو خود ایک بے کار سا آدمی ہوں۔ سیر و سیاحت میں مشغول رہتا ہوں۔ اتفاق سے حماۃ نکل آیا ورنہ میرا وطن تو کوئی اور ہے۔ میں تمہارا دل بھی نہیں توڑنا چاہتا..... تمہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف یا پریشانی ہو تو تم بلا تکلف مجھے کہہ سکتے ہو''۔ اجنبی شخص خوش اخلاقی سے بولا۔

یہ سن کر عبداللہ مندری کا چہرہ پژمردہ سا دکھائی دینے لگا اور کچھ کہے بغیر واپس مڑ گیا۔ اجنبی شخص نے اسے کئی مرتبہ پکارا مگر وہ نہیں رُکا۔ اس کی مایوسی کا عالم اور افسردہ حالت دیکھ کر اجنبی شخص کا دل تڑپ کر رہ گیا۔ کئی بار اس کے جی میں آیا کہ اُسے صاف الفاظ میں بتا دے کہ اس کی بصیرت نے اسے کوئی دھوکا نہیں دیا تھا۔ مگر جانے کیا بات تھی کہ یہ بات اس کے ہونٹوں تک نہیں آ پائی۔ مندری کے لباس سے اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ بہتر طور پر زندگی بسر کر رہا ہے۔ ایسے موقعے پر وہ اس کی خودمختاری اور آزادی سلب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ شاید اسی لئے اس نے اقرار سے گریز کیا۔ وہ اجنبی درحقیقت اس کا اصلی آقا ''سیرس'' ہی تھا، جس نے اُسے آرمینیہ سے خریدا اور پھر دمشق لا کر چھوڑ دیا۔ دمشق کی سرائے میں اُسے زادِ راہ دے کر سلطان سیرس ایسا نکلا کہ دوبارہ اس کی صورت دیکھنے کی بھی کوشش نہیں کی۔ آج اتفاق سے اس نے بازار میں سلطان سیرس کو دیکھ کر پہچان لیا تھا مگر سلطان سیرس کے بدلے ہوئے بہروپ نے شناسائی پر پردہ ڈال دیا تھا۔ سلطان سیرس کو اس بات پر کسی قدر حیرت بھی تھی کہ مندری محض اندازے سے اسے پہچان کر پیچھے چل پڑا تھا حالانکہ وہ اپنی عمر سے زیادہ کے بہروپ میں تھا۔ سلطان سیرس اپنی عادت کے تحت زیادہ تر یونہی وقت گزارتا تھا۔ وہ ان دنوں حماۃ کے انتظام کا خفیہ معائنہ لینے میں مصروف تھا۔ سلطان سیرس بے حد علم دوست شخصیت کا مالک تھا۔ اسی لئے وہ اپنے خفیہ سفروں میں زیادہ تر ایسی محافل میں بیٹھنے کی کوشش ضرور کرتا جہاں علم و بصیرت کے پھول کھلا کرتے

تھے۔ قاضی جمال الدین ابن واصل کی عدالت میں اس کی موجودگی بھی اسی ذوق کی محتاج تھی جو اسے وہاں کھینچ لایا تھا۔

❁ ❁ ❁

گل وقوژ کو اپنی پہلی مہم میں ناکامی کا شدید دلی صدمہ تھا۔ شاہی سپاہیوں نے اسے کمرہ عدالت سے گرفتار کر کے کوتوالی میں نظر بند کر دیا تھا جبکہ اس کے ساتھیوں کو اس سے الگ رکھا گیا تھا۔ والئی شہر نے اس معاملے کو کچھ دنوں کے لئے مؤخر کرتے ہوئے یہ اعلان کیا تھا کہ قاضی ابن واصل کی صحت یابی کے بعد وہ اپنے مقدمے کا خود فیصلہ کریں گے۔ وزراً کی جماعت نے پرزور سفارش کی کہ والئی شہر خود جائزے کے بعد گل وقوژ اور اس کے ساتھیوں کو موت کی سزا سنائے تاکہ باغیوں پر رعب طاری ہو جائے۔ والئی شہر نے جلد بازی کے بجائے اس امر پر زور دیا کہ ان حملہ آوروں کے بارے میں تفصیلات جاننا بے حد ضروری ہے تاکہ حقیقت معلوم ہو سکے کہ یہ کون لوگ ہیں اور ان کا قاضی جمال الدین ابن واصل پر حملے کا مقصد کیا تھا؟ تمام افراد کے لئے خصوصاً تاتاری النسل لڑکی کا وجود نہایت حیرت انگیز تھا۔ باقی لوگوں کے بارے میں انہیں یقین تھا کہ وہ مسلمان ہی ہیں۔

یہ معاملہ زیادہ دیر تک چھپایا نہ جا سکا۔ کوتوال شہر نے ان لوگوں کے گھروں، رشتہ داروں اور احباب سے مل کر تفصیلات معلوم کیں تو یہ بات سامنے آئی کہ ایک ماہ پہلے ہی رضی الدین الساقی نامی امیر وہاں لوٹا تھا جو کہ حماۃ کا نامی گرامی تاجر تھا۔ رضی الدین غائب عرصے میں کہاں کہاں رہتا تھا؟ اس بارے میں تو سب لوگ بے خبر نکلے۔ تاتاری النسل لڑکی کی آمد کا عقدہ بھی حل ہو گیا کہ وہ رضی الدین کے ایک خاص شراکت کار کی بیوی تھی جو کہ ایک ماہ قبل رضی الدین کے ساتھ ہی کسی دوسرے شہر سے شادی کر کے وہاں آئے تھے۔ رضی الدین ان لوگوں کو زیادہ بہتر طور پر جانتا تھا۔ کوتوال شہر نے رضی الدین کو تلاش کرنے کی بہتیری کوشش کی مگر وہ تو یوں غائب ہو چکا تھا جیسے اسے زمین نگل گئی ہو۔ پورے حماۃ میں تمام رشتہ داروں اور متوقع افراد کے گھروں کی تلاشی لی گئی مگر رضی الدین کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ کوتوال شہر نے اس مرحلے سے فرصت کے بعد گرفتار شدہ ملزمان کی جانب توجہ کی جو کہ کسی حد تک صحت یاب ہو چکے تھے۔ ان کے زخم کافی حد تک ٹھیک ہو چکے تھے۔

کوتوال شہر اپنی سخت روی کے باعث ملزموں سے یہ اعتراف کرانے میں کامیاب ہو گیا کہ وہ لوگ درحقیقت فدائی ہیں اور قاضی جمال الدین کی فدائیت پر کڑی تنقید اور مخالفت کے باعث وہ اس پر حملہ آور ہوئے ہیں۔ ان کے اس اقبال جرم کے بعد یہ معاملہ دوسری صورت اختیار کر گیا تھا۔ والئی شہر کو جب رپورٹ دی گئی تو اس کا ماتھا ٹھنک سا گیا۔ اس نے یہ قیاس کیا کہ اگر واقعی یہ حادثہ مذہبی منافرت کے باعث رونما ہوا ہے تو یہ فرقہ وارانہ فساد کو ہوا دے سکتا ہے کیونکہ بلادِ شام میں فدائیت کے حامیوں کی تعداد کم نہیں تھی۔ اس نے اس حساس معاملے کے لئے اپنی مشاورت طلب کی اور بہتر رائے معلوم کرنے کی سعی کی۔ مشاورت کے احباب نے فدائیت پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے یہ زور دیا کہ والئی شہر اس چکر میں نہ پڑے بلکہ مجرموں کو سخت سے سخت سزائیں دے تاکہ ایسے تمام گروہ جو اپنے ناقص و خود ساختہ عقائد کی خاطر قتال جیسی انتہا پسندی پر اتر آتے ہیں ان کے حوصلے پست ہو سکیں۔ والئی شہر نے بادل نخواستہ مشاورت کی متفقہ رائے کے تحت فدائی مردوں کے لئے تو ان کی یہ تجویز منظور کر لی اور تمام فدائی مردوں کو صحت یابی کے فوراً بعد سرِ عام موت کی سزا سنا دی مگر تاتاری النسل مجرمہ عورت کا معاملہ دوسری صورت اختیار کر گیا۔ اس بارے میں امراً کی دو الگ الگ آراء سامنے آئیں تو والئی شہر نے ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا اور عورت کے لئے ایسی سزا کو نامناسب

قرار دیا۔ مجلسِ مشاورت نے والئی شہر کے جواز کی مخالفت میں کئی دلیلیں پیش کیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ عورت کو بطور مجرمہ مرد کے برابر کی ہی سزا دی جانی چاہئے۔ وزراً کی جماعت نے تاریخ کی کئی مثالیں بھی پیش کیں جبکہ دوسرے گروہ نے اپنے مؤقف پر دلائل دیئے مگر والئی شہر کی ہمت نہیں پڑی کہ وہ تاتاری النسل عورت کے لئے کسی سزا کا اعلان کر دیتا۔ اس نے گفتگو کا سلسلہ سمیٹتے ہوئے یہ ہدایت کی کہ اس مسئلے کو فی الوقت قاضی جمال الدین کے لئے چھوڑ دیا جائے اور وہ اپنی صحت یابی کے بعد خود ہی کوئی فیصلہ کریں گے۔ وزراً والئی شہر کے حتمی فیصلے پر خاموش رہ گئے۔

قید خانے میں گل وقوژ کو مطلع کر دیا گیا کہ اس کے ساتھیوں کی گردنیں اُڑا دینے کا حکم جاری ہو چکا ہے اور اگلی صبح ان کی گردنیں دھڑ سے الگ کر دی جائیں گی۔ گل وقوژ نے اس اطلاع پر کوئی تبصرہ نہیں کیا بلکہ وہ خاموش نگاہوں سے قید خانے کے در و دیوار گھورتی رہی۔ وہ اس پہلو پر غور کرنے میں غلطاں تھی کہ قید خانے کے در و دیوار کیسے عبور کئے جائیں؟ حالانکہ یہ اسے بھی معلوم نہیں تھا کہ حماۃ سے نکلنا اس کے لئے ناممکن بنا دیا گیا تھا۔ اس کی حفاظت کے خصوصی انتظامات کئے جا چکے تھے۔ قاضی ابن واصل کی صحت یابی کے بعد اس کی زندگی یا موت کا فیصلہ ہونا باقی رہ گیا تھا۔

❁ ❁ ❁

شیخ کبیر الدین بے حد سنجیدہ انداز میں قلعہ ہانیاس کے تخت پر براجمان تھا۔ اسے کچھ ہی دیر پہلے یہ خبر ملی تھی کہ حماۃ میں گل وقوژ کی مہم بری طرح ناکام بنا دی گئی ہے۔ قاضی ابن واصل کسی قدر زخمی ہونے کے بعد نہ صرف زندہ بچ گیا ہے بلکہ تمام فدائی، گل وقوژ سمیت گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ تمام گرفتار فدائیوں کو موت کی سزا دے دی گئی ہے۔ شیخ کبیر الدین نے گل وقوژ کے بارے میں دریافت کیا تو اسے کوئی واضح جواب نہ مل سکا۔ شیخ رضی الدین الساقی نے فدائی غلاموں کی گردنیں اپنے سامنے کٹتے دیکھی تھیں، ان میں گل وقوژ شامل نہیں تھی۔ گل وقوژ کی ناکامی نے شیخ کبیر الدین کو گہرے صدمے سے دوچار کیا تھا۔ وہ گل وقوژ کے حوالے سے بڑی امیدیں وابستہ کئے بیٹھے تھا مگر جو نتیجہ اس کے سامنے آیا تھا وہ بے حد مایوس کن تھا۔

''شیخ الجبال!'' شیخ ابو راضیاء بولا۔ ''چند دن پہلے تو آپ گل وقوژ کی بڑی تعریفیں کر رہے تھے اور اسے ایل خانی سلطنت میں ایک اہم ترین مہم کے لئے مراغہ روانہ کرنے کی فکر میں تھے مگر یہاں تو معاملہ ہی چوپٹ ہو چکا ہے۔ مجھے خود بھی سخت حیرت ہے کہ گل وقوژ جیسی جانباز اور جرأت مند لڑکی اس چھوٹی سی مہم میں اس ناکارہ کیسے ثابت ہو گئی؟ آپ اجازت دیجئے کہ حقائق کا پتہ چلایا جائے بالآخر ایسی کون سی سنگین وجہ تھی؟''

شیخ کبیر الدین اس کی گہری طنز پر اسے تیز نگاہوں سے گھورنے لگا۔ شیخ الرئیس کا غصہ محسوس کرتے ہی شیخ ابو راضیاء کے چہرے پر خجالت کے آثار دکھائی دینے لگے۔

''شیخ الساقی!'' شیخ کبیر الدین اس کی جانب متوجہ ہوا۔ ''تم فوراً حماۃ لوٹ جاؤ اور تمام حالات معلوم کرو کہ قاضی ابن واصل کی عدالت میں کیا ہوا تھا اور گل وقوژ وہاں سے بروقت کیوں نہیں نکل سکی.....؟ حالانکہ اس میں ہر طرح کی سنگین صورتِ حال سے فرار ہونے کی پوری صلاحیت موجود ہے''

''شیخ الجبال کا اقبال بلند ہو!'' شیخ الساقی مؤدب لہجے میں بولا۔ ''میں حماۃ میں واپس جانے سے فی الوقت قاصر ہوں کیونکہ وہاں میری گرفتاری کے لئے پورا جال بچھا دیا گیا ہے۔ گل وقوژ کی غلط حکمت عملی کے باعث میں بھی شاہی نگاہوں میں آ چکا ہوں''۔

''یہ تو اچھا نہیں ہوا..... شیخ ابو راضیاء تم کوئی دوسرا مجاہد تلاش کرو جو نہ صرف عمدگی سے حالات کا پتہ لگا

سکے بلکہ ممکن ہو سکے تو گل وتوڑ کو بھی شاہی حراست سے چھڑانے کی اہلیت رکھتا ہو۔ میرا جہاں تک خیال ہے کہ والئی حماۃ نے عورت ہونے کے باعث اسے محض قید کی سزا دی ہوگی''۔ شیخ کبیر الدین نے ہدایت کی تو شیخ ابوراضیاء نے اثبات میں سر ہلایا۔

''شیخ الساقی!'' شیخ کبیر الدین دوبارہ اس سے مخاطب ہوا۔''تم کبھی مراغہ گئے ہو؟''

''ایک بار جانے کا اتفاق ہوا تھا''۔

''تم تیاری کرلو کیونکہ میں تمہیں ایک تاجر کے روپ میں وہاں بھیجنا چاہتا ہوں۔ مراغہ میں قدگائی خان کی ایک چھوٹی سی سرائے ہے، تمہیں اس میں قیام کرنا ہوگا۔ قدگائی خان دیکھنے میں تاتاری النسل لگتا ہے مگر درحقیقت وہ ایک جانباز فدائی ہے۔ تم فوراً جانے کی تیاری کرلو، میرا اگلا حکم تمہیں وہیں ملے گا''۔ شیخ کبیر الدین نے اسے ہدایت کی۔ اس نے تعظیم دیتے ہوئے جانے کی اجازت چاہی۔ اس کے رخصت ہونے کے بعد شیخ ابوراضیاء مستفسرانہ نگاہوں سے شیخ کبیر الدین کی جانب دیکھنے لگا۔ شیخ کبیر الدین نے اس کے اشتیاق کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''تمہارا اندازہ درست ہے، میں ہلاکو خان کے ساتھ اپنا کھیل شروع کرنے والا ہوں''۔

''گل وتوڑ کی جگہ آپ یقیناً گہنام کو استعمال کرنا چاہتے ہیں''۔ شیخ ابوراضیاء نے لقمہ دیا۔

''ہاں! گہنام کی تمام مہمات کامیابی سے ہمکنار ہوئی ہیں اور مجھے پورا یقین ہے کہ وہ اس مرتبہ بھی ناکام نہیں ہوگی۔ خبیث ہلاکو خان اب زیادہ دن تک سانسیں نہیں لینے پائے گا۔ اس نے ہمارے فدائیوں کو بری طرح سے قتل کیا ہے اور وہ ہماری مضبوط ریاست کی پامالی کا ذمہ دار ہے۔ قسم خدا کی جب تک اس کی موت کی خبر ہمارے کانوں میں نہیں پڑ جاتی، ہمیں سکون کی نیند نہیں نصیب ہوگی''۔ شیخ کبیر الدین کا لہجہ فرط جوش سے لرز رہا تھا۔ جیسے اسے یقین کامل تھا کہ قدرت نے ہلاکو خان کی موت گہنام کے ہاتھوں ہی لکھی ہوئی ہے۔

❀❀❀

663ھ کے وسط میں سلطان بیبرس نے قاہرہ میں ایک دربارِ خاص کا اہتمام کیا جس میں شامی ومصری امرأ ورؤساء شامل ہوئے۔ اس دربار کی اہمیت اس وقت مزید بڑھ گئی جب خلیفہ الحاکم بامر اللہ بھی خصوصی شرکت کے لئے قلعہ جبل سے باہر نکلا۔ اس دربار خاص میں اہم مناصب کے حامل مصری وشامی امرأ کو خصوصی طور پر قاہرہ بلایا گیا تھا۔ اس دربار کے انعقاد کا مقصد مخفی رکھا گیا تھا۔ سب لوگ مشتاق نگاہوں سے منتظر تھے کہ سلطان رکن الدین بیبرس کیا اعلان کرنے والا ہے۔ سلطان بیبرس امام وقت شیخ عز الدینؒ کے ساتھ جب وہاں پہنچا تو سب افراد نے اُٹھ کر تعظیم دی۔ سلطان بیبرس سب سے پہلے تخت پر موجود خلیفہ المسلمین الحاکم بامر اللہ کے پاس پہنچا اور ان کے ہاتھ پر بوسہ دیتے ہوئے تعظیم دی اور اس کے بعد وہ قدرے نیچے کی جانب تخت پر براجمان ہوگیا۔ سلطانی معتمد خاص امیر فخر الدین لقمان نے سلطان کے فرزند ناصر الدین کی چوتھی سالگرہ کا مژدہ سنایا اور اس خوشی کے موقعے پر رعیت کے لئے خصوصی مراعات دینے کا اعلان کیا گیا۔ امیر فخر الدین لقمان کے بعد امیر فارس الدین اقطائی نے اپنے نواسے کی لمبی عمر کی دُعا کی اور اسے ولی عہد مقرر کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ سلطان بیبرس کے حکم پر چار سالہ ناصر الدین کو دربار میں لایا گیا۔ ننھا شہزادہ نیلگوں مائل سفید لباس میں ملبوس تھا۔ شہزادہ ناصر الدین کی آمد پر کئی امرأ نے جوش میں نعرے لگائے۔ سلطان بیبرس نے اُٹھ کر خلیفہ الحاکم بامر اللہ سے ننھے شہزادے کے لئے ولی عہد کے تقرر کی اجازت چاہی۔ اجازت ملنے پر سلطان بیبرس نے شیخ عز الدینؒ سے درخواست کی کہ وہ ننھے شہزادے کی جانشینی کی رسومات ادا کریں۔

شیخ عز الدینؒ نے ننھے شہزادے ناصر الدین کو ایک تخت پر بیٹھایا اور اسے شاہی انگشتری اور تاج پہنا کر سلطان بیبرس کا جانشین قرار دیا۔ اس خوشی کے موقعے پر آتش بازی کی گئی اور خزانے کے منہ کھول دیئے گئے۔ سلطان بیبرس نے علامہ ابن عبد الظاہر کی لکھی ہوئی تقریر پڑھی جس میں تمام امرأ کو شہزادہ ناصر الدین کی اطاعت کا حکم جاری کیا گیا تھا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ بلادِ مصر میں مجلس انتخاب کی مداخلت کے بغیر ہی نئے سلطان کا تقرر کیا گیا۔ امرأ ورؤساء نے اس امر پر رضامندی اور مسرت کا اظہار کیا۔ انہیں سلطان بیبرس کی دانشمندی اور قیادت پر پورا بھروسہ تھا کیونکہ سلطان بیبرس نے گذشتہ پانچ سالوں میں وہ سب کچھ کر دکھایا تھا؛ جس کی آرزو میں مسلمان نصف صدی سے تڑپ رہے تھے۔ تاتاری سیلاب پر بند باندھا جا چکا تھا۔ صلیبی حملوں کی شدت میں کمی آ چکی تھی خصوصاً الکرک کے قلعے کی فتح کے بعد صلیبی خاصے محتاط ہو چکے تھے۔

دربارِ خاص کے خاتمے پر سلطان بیبرس نے شہزادے ناصر الدین کو ایک کجاوے میں سوار کرایا اور سنہرے کپڑے میں لپٹے ہوئے اونٹ پر سوار کیا۔ ایک جلوس کی صورت میں وہ اونٹ محل سے باہر نکالا گیا۔ شہزادے کے غاشیہ کا کنارہ سلطان بیبرس نے خود اپنے ہاتھوں میں اُٹھا رکھا تھا۔ تاہم تمام امرأ ورؤساء اس جلوس کے ہمراہ پیادہ سفر کرتے رہے۔ یہ جلوس قاہرہ کے مختلف بازاروں میں سے گذرتا ہوا واپس شاہی محل لوٹ آیا۔ رعایا نے سلطان بیبرس کے اس اقدام پر دلی مسرت کا اظہار کیا مگر حاسد امرأ کو سلطان بیبرس کا یہ فیصلہ ایک آنکھ نہ بھایا۔ وہ بھانت بھانت کی بولیاں بولتے رہے اور اس پیش رفت کو ملوکیت وآمریت سے موسوم کرتے رہے۔

❀❀❀

کچھ ہی عرصے میں شنگ خان مکمل طور پر صحت یاب ہوگیا۔ جب وہ بستر سے باہر نکل کر چلا تو اسے اپنی چال میں کسی قدر لڑکھڑاہٹ کا احساس ہوا۔ اس نے اسے وقتی کمزوری کا نام دیا۔ اسی دوران اس کا طبیب بھی وہاں چلا آیا۔ اس نے شنگ خان کو چلتے ہوئے دیکھ کر دلی مسرت کا اظہار کیا۔ طبیب نے شنگ خان کی ڈھارس بندھائی اور صبر کی تلقین کرتے ہوئے اس پر حقیقت عیاں کر دی کہ اس کی چال میں دکھائی دینے والی لڑکھڑاہٹ عارضی نوعیت کی نہیں ہے۔ اس کی بائیں ران کی کئی رگیں مردہ ہو چکی ہیں۔ اسے خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ مردہ رگوں کے باوجود اس سے چلنے پھرنے کی نعمت نہیں چھینی گئی۔ اس کے علاوہ طبیب نے اسے سختی سے منع کر دیا کہ خصوصاً دوڑنے سے گریز کرے کیونکہ اس طرح اس کی زندہ رگوں پر اضافی بوجھ پڑے گا اور ان کے پھٹ جانے کا اندیشہ قوی ہو جائے گا۔ طبیب کی باتیں سن کر اس کی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی۔ وہ ایک نامور اور ماہر شکاری تھا۔ یہ بے بسی اس کی ہمت کے ساتھ قدرت کا بھیانک مذاق تھا۔ اس کے کئی کام ادھورے تھے جنہیں پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اسے مکمل قوت کی ضرورت تھی۔

شنگ خان نے حقیقت سے نظریں نہیں چرائیں بلکہ اس نے خود کو حوصلہ دیتے ہوئے سابقہ روش پر کاربند رہنے کا فیصلہ کیا۔ وہ اپنے ذہن میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ جس دن اس کی رگیں جواب دے جائیں گی اس دن وہ سسکتی ہوئی زندگی جینے کے بجائے خود کو موت کی بانہوں میں ڈال دے گا۔ شنگ خان اپنے ہمدرد محسن عبداللہ مندری کا بے حد شکر گذار تھا۔ شنگ خان نے جب جانے کی اجازت طلب کی تو عبداللہ مندری نے اس سے چند دن مزید ٹھہرنے کی درخواست کی۔ اس نے واضح الفاظ میں اس کو آگاہ کر دیا کہ وہ یقیناً کسی تاتاری کی خدمت کر کے خوش نہیں ہوتا مگر اس میں جانے کیا بات تھی کہ وہ اس سے جدا ہونے پر خود کو رضامند نہیں کر پا رہا۔ شنگ خان اپنے محسن کی درخواست رد نہیں کر پایا اور مروتاً مزید قیام پر رضامند ہوگیا۔

شنگ خان اپنی مخصوص طبیعت کے باعث خود کو گھر میں محدود رکھنے پر آمادہ نہ کر سکا۔ وہ عموماً گھر سے نکل کر حماۃ کے بازاروں میں بلا مقصد گھومتا رہتا۔ حماۃ میں یوں تو پہلے سے کئی تاتاری النسل افراد مقیم تھے جو کہ اردوئے زریں کے منگول تھے اور ایل خانی سلطنت سے جان بچا کر بلادِ شام میں پناہ گزین تھے۔ سلطان بیبرس نے ایسے کئی لوگوں کو بلادِ مصر میں منتقل کیا تھا اور ان میں سے خوبیوں کے مالک افراد کو اعلیٰ مناصب پر بھی فائز کیا۔ یہی وجہ تھی کہ شنگ خان کی صورت دیکھ کر کسی نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا اور نہ ہی اس کے متعلق شکوک وشبہات پیدا ہوئے۔ شنگ خان بہت جلد اپنے ہم وطنوں کے قریب ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ انہی کی وساطت سے اسے قاضی جمال الدین ابن واصل پر قاتلانہ حملے کی خبر ملی۔ تاتاری النسل لڑکی کی بابت سن کر وہ بے قرار سا ہو گیا۔ اس نے فوری طور پر یہی قیاس کیا کہ وہ یقیناً گل وقوژ ہی ہوگی کیونکہ وہ فدائی کارروائیوں سے کسی حد تک واقف ہو چکا تھا۔ شنگ خان نے اشتیاق بھرے انداز سے اپنے ہم وطنوں سے اس کے بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے اسے آگاہ کر دیا کہ وہ لڑکی خاص کوتوالی میں انتہائی حفاظتی حصار میں قید کی گئی ہے، البتہ اسے ابھی تک سزا کیوں نہیں دی گئی ہے اس بارے میں تو وہ کچھ نہیں جانتے شنگ خان کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ گل وقوژ زندہ ہے۔ اسی دن سے وہ خاص کوتوالی کے گرد چکر کاٹنے لگا۔ اس کا انداز بے حد محتاط تھا۔ وہ اپنے ذہن میں ایک خطرناک منصوبہ تیار کر چکا تھا۔ اسے ہر قیمت پر گل وقوژ کو وہاں سے نکالنا تھا۔

❀ ❀ ❀

شیخ ابوراضیاء تیز تیز قدموں سے شیخ الرئیس کے کمرہ خاص میں چلا آیا۔ شیخ کبیر الدین اس وقت آرام کرنے کا سوچ رہا تھا۔ شیخ ابوراضیاء کی غیر متوقع آمد پر مستفسرانہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔ شیخ ابوراضیاء نے برائے نام سی تعظیم دیتے ہوئے کہا۔

''شیخ الجبال! ابھی ابھی حماۃ سے خبر آئی ہے کہ گل وقوژ نہ صرف زندہ ہے بلکہ اسے خاص کوتوالی میں قید رکھا گیا ہے۔ ہمارے بھیجے ہوئے شیخ نے تحقیق کر کے اطلاع دی ہے کہ والیٔ حماۃ گل وقوژ کو بھی موت کی سزا سنانا چاہتا تھا مگر امراً کے اختلاف کے باعث اس نے یہ معاملہ قاضی جمال الدین پر ڈال دیا ہے کہ وہ صحت یابی کے بعد خود ہی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے''۔

''اس بات کی کوئی خبر ملی ہے کہ گل وقوژ حملے کے بعد وہاں سے فرار کیوں نہیں ہو سکی؟'' شیخ کبیر الدین نے دریافت کیا۔

''اس بارے میں کوئی واضح بات معلوم نہیں ہو سکی۔ عدالت میں موجود لوگوں کا کہنا ہے کہ وہاں کوئی ادھیڑ عمر شخص پہلے سے موجود تھا جس نے عمدہ شمشیر زنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف ہمارے تمام فدائی زخمی کر دیئے بلکہ گل وقوژ کے فرار ہونے کی کوشش بھی ناکام بنا دی۔ وہ کون تھا اور کہاں سے آیا تھا؟ کوئی بھی اس بارے میں کچھ نہیں جانتا''۔ شیخ ابوراضیاء نے بتایا۔

''اعلیٰ حکام سے اس کی کھوج لگائی ہے کیا؟''

''بالکل...... مگر وہاں کے لوگ بھی اس اجنبی سے ناواقف ہیں''۔

''حیرت کی بات ہے۔ کسی کو کیا پڑی تھی کہ وہ ہمارے معاملے میں ٹانگ اڑاتا۔ یقیناً یہ کوئی گھر کا بھیدی ہی ہو سکتا ہے جو کہ نہ صرف اس مہم کے بارے میں پہلے سے آگاہ تھا بلکہ وہ اس کوشش میں تھا کہ گل وقوژ کو کامیاب حملہ نہ کرنے دیا جائے''۔ شیخ کبیر الدین متفکرانہ انداز میں بولا۔

''ہمارے فدائیوں میں سے کوئی ایسا نہیں ہے''۔ شیخ ابوراضیاء نے پورے وثوق سے کہا۔

''تم اپنے طور پر یہ معلوم کرو کہ قلعہ مصیاف میں تربیت کے دوران گل وقوژ سے کسی کی ان بن تو نہیں رہی تھی اور یہ بھی کہ گزشتہ دنوں یہاں سے کون کون غیر حاضر رہا ہے''۔ شیخ کبیر الدین نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''میں ابھی اس بارے میں خاص غلاموں کو حکم دے دیتا ہوں...... ایک بات اور یاد آئی حماۃ سے کسی تاتاری النسل شخص کے بارے میں بھی خبر آئی ہے جو کہ اس خاص کوتوالی کے گرد اکثر و بیشتر گھومتا ہوا دکھائی دیا ہے۔ اس کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ یہ سب محتاط انداز میں یہ کرتا ہوا دکھائی دیا ہے کہ محافظوں کی نگاہیں بھی اسے محسوس نہیں کر سکیں''۔ شیخ ابوراضیاء نے کہا۔

''تاتاری النسل شخص!'' شیخ کبیر الدین کا ماتھا شکن آلود ہو گیا۔ ''اس کا حلیہ، نام وغیرہ بھی معلوم کیا گیا ہے یا نہیں''۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہمارا شیخ ادھورا کام کرے۔ اس نے پوری جانچ پڑتال کے بعد پوری رپورٹ ارسال کی ہے۔ اس تاتاری کا نام شنگ خان معلوم ہوا۔ اس کی ایک ٹانگ شاید کسی حادثے کے باعث خراب ہو چکی ہے کیونکہ وہ لڑکھڑا کر چلتا ہے''۔ شیخ ابوراضیاء نے فخر سے بتایا۔

شیخ کبیر الدین شنگ خان کا نام سن کر چونک پڑا۔ اس کے چہرے پر کئی رنگ بدل گئے۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ کمرۂ عدالت کا پُراسرار شخص کوئی اور نہیں ہو سکتا وہ یقیناً شنگ خان ہی ہوگا۔ وہی شنگ خان جو کہ قلعہ الموت میں شنجی کے نام سے اس کی خدمت میں جتا رہتا تھا۔ شیخ کبیر الدین کو یہ توقع ہرگز نہیں تھی کہ شنگ خان اس حد تک بڑھ جائے گا اور گل وقوژ کو گرفتار کرا دے گا۔ شیخ ابوراضیاء شیخ الرئیس کا متغیر چہرہ دیکھ کر حیران و پریشان رہ گیا۔ شیخ کبیر الدین نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔

''فوراً حماۃ میں فدائیوں کو پیغام بھیجو کہ وہ ہر قیمت پر شنگ خان کو قابو کر لیں اور اسے پوری حفاظت سے یہاں لائیں۔ اپنے ساتھیوں کو آگاہ کر دینا کہ شنگ خان کوئی عام شخص نہیں ہے وہ ایک ماہر جنگجو ہے، اسے قابو کرنے کے لئے طاقت کا نہیں عقل کا استعمال کیا جائے''۔

''یہ شنگ خان کون ہے؟ پہلے تو اس کا نام آپ کے منہ سے کبھی نہیں سنا گیا''۔ شیخ ابوراضیاء اپنی حیرت پر قابو نہ پا سکا۔

''یہی وہ گھر کا بھیدی ہے...... میں اس کے بارے میں بھول گیا تھا کہ وہ گل وقوژ کو مہم پوری نہیں کرنے دے گا۔ اس کی کوتوالی کے گرد موجودگی صاف ظاہر کرتی ہے کہ وہ گل وقوژ کو وہاں سے نکالنے کی تدبیر میں مصروف ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ گل وقوژ کو لے کر نکل جائے فدائیوں کو اسے پکڑنا ہوگا''۔ شیخ کبیر الدین نے تیز لہجے میں کہا۔

''شیخ الجبال! یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ جونہی گل وقوژ کو کوتوالی سے نکالے تو اس پر دھاوا بول دیا جائے۔ اس طرح ہم اپنے دونوں مقاصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں''۔ شیخ ابوراضیاء نے کہا۔

''نہیں اتنی ڈھیل دینا مناسب نہیں ہے۔ تم اسے اچھی طرح نہیں جانتے۔ فدائیوں کو ہدایت دو کہ انہیں جونہی موقعہ ملے شنگ خان کو قابو کر لیا جائے اور گل وقوژ کو کوتوالی سے نکالنے کی تمام تر ذمہ داری فدائیوں کو دی جائے۔ وہ کوشش کریں کہ گل وقوژ بحفاظت یہاں لائی جا سکے اگر ایسا ممکن نہ ہو پائے تو کم از کم قاضی جمال الدین ابن واصل کو ضرور ہلاک کر دیا جائے''۔

شیخ ابوراضیاء نے مزید کوئی رائے دینا مناسب نہیں سمجھی اور وہ اجازت لے کر رخصت ہو گیا۔ اس کے

جانے کے بعد شیخ کبیر الدین گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

❁❁❁

رات کی تاریکی میں وہ تین سائے کی مانند ساحل سمندر پر موجود ایک بلند و بالا عمارت کی جانب بڑھ رہے تھے۔ اس عمارت کی تعمیر میں زیادہ تر لکڑی کا استعمال کیا گیا تھا۔ وہ عمارت کسی اہم حیثیت کی حامل تھی کیونکہ وہاں بڑی تعداد میں محافظ سپاہی تعینات تھے۔ تینوں سائے ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتے ہوئے محتاط انداز میں آگے بڑھتے رہے۔ ان کے انداز سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ نہ صرف اس عمارت کے محل وقوع سے بخوبی آگاہ ہیں بلکہ انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ سپاہی کس کس مقام پر موجود ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ بغیر کسی رکاوٹ کے عمارت کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ وہ عمارت کیا تھی ایک بڑا سا ہال نما کمرہ تھا جس پر چھپر کی چھت ڈالی گئی تھی۔ اس عمارت میں لکڑی کی بڑی مقدار رکھی گئی تھی اس کے علاوہ بے شمار اوزار تھے۔ دیکھنے میں یہ عمارت کوئی ورکشاپ لگتی تھی۔ ان تینوں سایوں نے عمارت کے مخصوص حصے میں پہنچ کر اطمینان کا سانس لیا۔

''تمہیں یقین ہے کہ ہم اپنی مطلوبہ جگہ پر پہنچ گئے ہیں''۔ ایک سائے نے سرگوشی کی۔

''بالکل! یہاں قریب ہی آتش گیر مواد موجود ہے۔ میں نے کل تک اسے یہیں پڑا دیکھا تھا''۔ دوسرا سایہ آہستگی سے بولا۔ یہ سن کر پہلا سایہ اس جگہ کا باریک بینی سے جائزہ لینے لگا۔ وہ تینوں حتی الامکان کوشش کر رہے تھے کہ کسی قسم کا شور پیدا نہ ہو، جس سے ان کی موجودگی سپاہیوں پر ظاہر ہو جائے۔ کچھ ہی دیر میں آتش گیر مادہ تلاش کر لیا گیا۔ یہ مادہ ان مشعلوں کے لئے تھا جنہیں اندھیرا ہوتے ہی روشن کر دیا جاتا تھا۔ یوں تو اس جگہ پر تاریکی نہیں تھی مگر لکڑی کے بڑے بڑے شہتیروں اور مختلف جسامت کی لکڑیوں کے انبار نے ان کی موجودگی کو پوشیدہ کر رکھا تھا۔ سپاہی ایک جگہ کھڑے رہنے کے بجائے مسلسل متحرک تھے۔ یہ ان تینوں کی خوش قسمتی تھی کہ وہ کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر وہاں تک پہنچ گئے۔

آتش گیر مادہ حاصل کرنے کے بعد انہوں نے اپنے کام کا آغاز کیا۔ وہ بڑی تیزی سے لکڑی کے انبار میں آتش گیر مادہ پھیلاتے رہے۔ وہ سپاہیوں کی قربت محسوس کرتے ہی دبک جاتے۔ جلد ہی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ کچھ ہی دیر میں انہوں نے اس آتش گیر مادے کو آگ دکھا دی۔ آگ بڑی تیزی سے بھڑک اٹھی اور اس نے لکڑی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ محافظ سپاہی آگ دیکھ کر بدحواس ہو گئے۔ انہوں نے فوری طور پر آگ پر قابو پانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ آگ اتنی شدید تھی کہ ان تینوں کو فرار ہونے کا موقعہ میسر نہ آسکا اور وہ سپاہیوں کی نگاہوں میں آ گئے۔ عمارت میں تین اجنبیوں کو پا کر سپاہیوں نے تیزی سے انہیں حراست میں لے لیا۔ ان تینوں نے اپنے تئیں پوری کوشش کی کہ وہ محافظ سپاہیوں کا حصار توڑ کر نکل جائیں مگر وہ ناکام رہے۔ اسی دوران آگ بڑھ گئی۔

سپاہیوں نے اس عمارت کے اعلیٰ حکام کو فوری طور پر آگاہ کیا۔ تمام رات کی کوشش کے بعد بمشکل آگ پر قابو پایا جا سکا۔ عمارت میں موجود قیمتی لکڑی جل کر خاکستر ہو چکی تھی یہ عمارت دراصل دار الصناعۃ تھی جو کہ بلادِ مصر کے دمیاط نامی ساحلی شہر پر واقع تھی۔ یہاں سلطان بیبرس کے حکم کے مطابق جہاز سازی کا کام زور و شور سے جاری تھا۔

دمیاط کے دار الصناعۃ کو جلانے کی سازش صلیبی سرداروں کی جانب سے کی گئی تھی جو کہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ سلطان بیبرس کسی بھی صورت بھی اطالیہ کے شاہ منفرڈ کی مدد کر سکے۔ تینوں مجرموں نے اقبال جرم کر لیا اور خود کو نصرانی تسلیم کر لیا۔ انہیں بلا تامل موت کی سزا دے دی گئی۔ جہاز سازی کا کام تاخیر کا شکار ہو کر رہ گیا۔

سلطان بیبرس کو جب اس کی اطلاع دی گئی تو وہ خود معائنے کے لئے وہاں پہنچا۔ اس نے وہاں موجود تمام افراد کی سخت گوشمالی کی کہ وہ ایک چھوٹی سی عمارت کی حفاظت نہیں کر سکے۔ سلطان بیبرس نے تیز رفتاری سے اس کام کو جلد از جلد مکمل کرنے کا حکم دیا اور واپس قاہرہ لوٹ گیا۔ صلیبی قوتوں نے یہ گھٹیا حرکت کر کے سلطان بیبرس کے غصے کو ہوا دی تھی۔ وہ نہایت سنجیدگی سے ان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسلامی سلطنت کے گرد ایک طویل حصار کی صورت میں صلیبی قوت کی موجودگی اسے پہلے دن سے کھٹک رہی تھی۔ سلطان بیبرس کی پوری کوشش تھی کہ وہ انہیں پُر امن طریقے سے اسلام دشمنی سے باز رکھنے کی کوشش کرے گا مگر حالات ویسے نہیں رہے کہ پُر امن طریقہ کار اپنائے جاتے۔ وہ ایک عرصے سے تعصب کا مظاہرہ کر رہے تھے جس میں بیشتر مسلمانوں کی جانیں جا چکی تھیں۔ کئی شہران کی بربریت کا شکار ہو چکے تھے۔ ارض مقدس پر کئی بار خون کی ہولی کھیلی جا چکی تھی۔ سلطان بیبرس نے مملوک افواج کے سالاروں کو جمع کر کے ایک پُر جوش تقریر کی اور انہیں مکمل تیاری کا حکم دیا کہ وہ کسی بھی وقت صلیبی لٹیروں کو سبق سکھانے کے لئے نکل سکتے ہیں۔

❁❁❁

جانباز فدائیہ گہنانم شیخ کبیر الدین کے طے شدہ منصوبے کے مطابق 1264ء میں ایل خانی تاتاری سلطنت کے دار الحکومت مراغہ میں داخل ہوئی۔ وہ ایک طائفے کی شکل میں وہاں آئی تھی۔ اس کے ساتھ فدائیوں کی ایک جماعت بھی تھی۔ یہ سب لوگ گانے بجانے والے تھے۔ گہنانم ایک رقاصہ کا بہروپ اختیار کئے ہوئے تھی۔ بھڑکیلے لباس اور روایتی بناؤ سنگھار کے باعث وہ صورت سے بھی رقاصہ ہی لگتی تھی۔ یہ طائفہ مراغہ میں قدگائی خان کی سرائے میں جا ٹھہرا۔ قدگائی خان درحقیقت منگول ہی تھا مگر وہ بچپن میں ماں باپ سے بچھڑ کر فدائیوں کے سابق سلطان شیخ الرئیس خورشاہ کے ہاتھ لگ گیا۔ شیخ الرئیس خورشاہ نے اس کی تربیت اپنے ڈھنگ پر کی اور اسے مکمل طور پر فدائی بنا ڈالا۔ وہ عقائد کے لحاظ سے فدائی مسلمان تھا جبکہ قومیت کے لحاظ سے منگول۔ شیخ الرئیس خورشاہ نے ایل خانی سلطنت کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے باعث اسے مراغہ میں قدم جمانے کا حکم دیا تو وہ قلعہ الموت سے نکل کر مراغہ آ گیا۔ کچھ ہی عرصے میں اس نے یہاں ایک چھوٹی سی سرائے بنالی اور باہر سے آنے والے تاجروں کی خدمت میں مصروف ہو گیا۔ اس کے پاس تاجروں کے روپ میں زیادہ تر فدائی ہی آتے رہے۔ عام خبروں کی ترسیل کے علاوہ طویل عرصے تک اس سے کوئی اہم خدمت نہیں لی گئی۔

قدگائی خان کے پاس گذشتہ دنوں سے نئے شیخ الرئیس کبیر الدین کی جانب سے کئی ہدایات آ رہی تھیں۔ وہ کسی حد تک یہ جان چکا تھا کہ اس سے کوئی اہم کام لیا جانے والا ہے۔ شیخ رضی الدین کی آمد پر وہ ذہنی طور پر تیار ہو گیا۔ جب یہ طائفہ اس کی سرائے میں وارد ہوا تو وہ اُلجھ سا گیا۔ وہ ابھی تک کوئی بھی اندازہ نہیں لگا پایا کہ اس آمد و رفت کا کیا مطلب ہے؟ طائفے میں موجود ایک خاص غلام نے مخفی طور پر ایک مراسلہ شیخ رضی الدین الساقی کے حوالے کیا۔ فدائیوں میں کچھ لوگ انتہائی وفادار ہوتے تھے جنہیں خاص غلاموں کا درجہ دیا جاتا تھا۔ یہ آنکھیں بند کر کے اپنے شیخ الرئیس کا ہر حکم مانتے تھے۔ فدائیوں کو قتل کرنا ہو یا کسی دوسرے کو۔ ان کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا تھا اور نہ ہی وہ سوال جواب میں الجھتے تھے۔ وہ صرف تعمیل کرنا جانتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ فدائیوں کے حکمران خاص کاموں کے لئے انہی کو استعمال کیا کرتے تھے۔

شیخ رضی الدین کو اس مراسلے میں ہدایت کی گئی تھی کہ گہنانم ایک معروف رقاصہ ہے۔ اس کی حیثیت کو مراغہ میں اس قدر بڑھا چڑھا کر پیش کیا جائے کہ لوگ معترف دکھائی دیں۔ چند مخصوص محافل کا اہتمام کیا جائے مگر خاص طور پر خیال رکھا جائے کہ ان محافل میں اعلیٰ حکومتی امرا ہی شرکت کریں۔ کمتر لوگوں کو محافل میں

نہ بیٹھنے دیا جائے۔اس سلسلے کو اس انداز سے سرانجام دیا جائے کہ ہلاکو خان کی توجہ گہنانم کی جانب مبذول ہو کر رہ جائے۔قدگائی خان پر اس امر میں زیادہ بھروسہ نہ کیا جائے اور نہ ہی اسے اس امر کا احساس ہونے دیا جائے۔

اسی دن شیخ رضی الدین نے اس طائفہ سے اس انداز سے ملاقات کی کہ جیسے وہ اس کے لئے اجنبی ہو۔کسی کو ذرا سا شک نہ ہو پایا کہ ان لوگوں کو آپس میں بھی کوئی تعلق ہے۔مختلف ایام میں ملاقاتوں کا یہ سلسلہ جاری رہا تو طائفے کے افراد شیخ رضی الدین سے گھل مل سے گئے۔قدگائی جیسے گھاگ شخص کو بھی معلوم نہ ہو سکا کہ شیخ رضی الدین کا اس طائفے سے کچھ تعلق ہے۔وہ اتنا تو ضرور جانتا تھا کہ شیخ رضی الدین یہاں کسی مقصد کے لئے آیا ہے مگر طائفے کی بابت اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ایک دن قدگائی خان کی موجودگی میں شیخ رضی الدین نے طائفے کے امیر کو مل کر کام کرنے کی پیشکش کی تو قدگائی خان چونک پڑا۔اس نے شیخ الساقی کو کہنی مار کر منع کرنا چاہا مگر اس نے فی الوقت اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔شیخ رضی الدین نے چند پرکشش پیشکشیں اس انداز میں کیں کہ طائفے کا امیر اس کا گرویدہ سا دکھائی دیا۔اسی ملاقات میں یہ بات طے پا گئی کہ شیخ رضی الدین انہیں اعلیٰ شخصیات سے بڑا انعام واکرام دلوائے گا جس میں وہ برابر کا شریک ہوگا۔طائفہ کے امیر نے پہلے تو اس بات پر انکار کیا مگر کچھ دیر میں شیخ رضی الدین اسے اپنے ڈھب پر لانے میں کامیاب ہو گیا۔طائفے کے امیر کے جانے کے بعد قدگائی خان نے اس حرکت کا سبب دریافت کیا تو شیخ رضی الدین نے اسے یہ باور کرایا کہ اسے شیخ الرئیس کی جانب سے ابھی تک ہدایات موصول نہیں ہوئی ہیں لہٰذا بے کار وقت گذارنے کے بجائے اگر یہ چھوٹی سی تفریح کر لی جائے تو کیا مضائقہ ہے؟ اس بہانے منگول امرا سے بھی تعارف حاصل ہو جائے گا اور جو ہدایات ملیں گی ان کے مطابق عمل کرنا بھی آسان ہو جائے گا۔قدگائی خان اس کی لچھے دار باتوں سے مطمئن ہو گیا۔چند دنوں کے بعد شیخ رضی الدین نے قدگائی خان کے سامنے اپنا مسئلہ بیان کیا کہ وہ طائفے کے لئے ایک اعلیٰ محفل کا انعقاد کرنا چاہتا ہے جس میں صرف ایسے ہی لوگ شرکت کریں جن سے زیادہ سے زیادہ مال ملنے کی توقع ہو۔قدگائی خان اس کی حریصانہ فطرت سے کسی قدر واقف ہو چکا تھا لہٰذا اس نے ہنستے ہوئے انتظام کرنے کا وعدہ کر لیا۔

قدگائی خان کے تعلقات اور گہنانم کا لچکیلا رقص رنگ لایا۔اعلیٰ طبقے کے امرا دوسری محفل میں ہی اس پر مرمٹے۔گہنانم مخصوص تربیت کے باعث ان کے قلب گرمانے میں کامیاب ہو چکی تھی۔وہ اپنے بدن کے خموں سے جہاں ان کی آنکھیں شرارہ کئے ہوئے تھی وہیں محفل کے دوران مخصوص ڈھنگ سے شراب کے جام تقسیم کرنے کا انداز بھی بے حد نرالا تھا۔شراب اور شباب کا نشہ ہی امتیاز بردست تھا کہ منگول امرا ہوش میں بھی گہنانم کا متحرک بدن دیکھنے لگے۔شیخ رضی الدین کی بدولت طائفہ مسلسل کامیابی کی منزلیں طے کرتا رہا۔اس کی حکمت عملی سے طائفے کے امیر کو بے شمار دولت سے نوازا تھا۔قدگائی خان شیخ رضی الدین کے کاروبار پر اکثر ہنستا کہ وہ آیا کس کام سے تھا اور کر کیا رہا ہے؟ اس نے شرارتاً ایک آدھ بار شیخ رضی الدین کو تنبیہ بھی کی کہ وہ شیخ الرئیس کو اس کی کارکردگی سے مطلع کر دے گا مگر شیخ رضی الدین کی خوشامد اور چاپلوسی آڑے آ جاتی۔شیخ رضی الدین نے اپنے حصے میں جمع ہونے والی رقم میں سے کچھ اسے پیش کیا تو وہ شیخ رضی الدین کے فعل سے غافل دکھائی دینے لگا۔یہ الگ بات تھی کہ اس نے اپنی وفاداری ثابت کرنے کے لئے اس کی رپورٹ شیخ الرئیس کو روانہ کر دی تھی۔

❁❁❁

شنگ خان بے حد گھاگ شکاری تھا۔اسے بہت جلد ہی معلوم ہو گیا کہ کوتوالی کے گرد و پیش میں کچھ افراد اس پر مسلسل نظریں جمائے ہوئے ہیں۔شنگ خان نے غیر محسوس انداز میں ان کی نگرانی شروع کر دی۔ جلد ہی اسے طبیب کے ذریعے یہ معلوم ہو گیا کہ کچھ لوگ اس کی بابت اس کے پاس سوال جواب کرنے کے لئے آئے تھے جن کا اس نے صحیح جواب دیدیا تھا۔شنگ خان نے طبیب اور عبداللہ مندری کو تسلی دی کہ انہیں فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔وہ کوئی ایسا کام نہیں کر رہا یا پہلے کر کے آیا ہے جس کے باعث شنگ خان کے بارے میں انہیں کوئی پریشانی اُٹھانا پڑے۔

شنگ خان نے اس دوران اپنے ہم وطنوں سے ملاقات کا سلسلہ بڑھا دیا۔جلد ہی اسے دو ایسے دوست میسر آ گئے جن پر وہ پورا بھروسہ کر سکتا تھا۔شنگ خان کو جب مکمل اطمینان ہو گیا تو اس نے ان کے سامنے گل وقوژ کا معاملہ رکھا۔اس نے برملا اس بات کا اعتراف کیا کہ گل وقوژ اس کی منگیتر ہے اور وہ غلط افراد کے ہاتھوں پھنس چکی ہے۔شنگ خان نے انہیں یہ باور کرایا کہ وہ گل وقوژ کو بحفاظت واپس سرائے لے جانے کی خواہش مند ہے۔اس کے ہم وطن دوستوں نے اس کی بات سننے کے بعد اس کی مدد کرنے پر رضامندی ظاہر کی تو شنگ خان کا چہرہ کھل اُٹھا۔شنگ خان نے گل وقوژ کی رہائی کے بارے میں ان سے کسی قسم کی مدد نہیں مانگی بلکہ بعد کے حالات میں ان کی روپوشی کا معاملہ ان کے سامنے رکھا۔انہوں نے اسے تسلی دی کہ وہ بے فکر ہو کر ان کے پاس چلا آئے۔وہ لوگ ان دونوں کو ایسے انداز میں یہاں سے روانہ کریں گے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو پائے گی۔شنگ خان ایک مرحلہ طے ہو جانے پر گل وقوژ کے بارے میں سوچنے لگا۔اسے کوتوالی سے نکالنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔وہ ایسا جنگجو ضرور تھا کہ سپاہیوں سے بھڑ جاتا مگر اس کی ٹانگ نے اسے بے بس کر دیا تھا۔شنگ خان نے کافی سوچ بچار کے بعد یہی فیصلہ کیا کہ اسے یہ بلّہ بولنا ہی ہوگا۔دوسری کوئی صورت ایسی دکھائی نہیں دیتی تھی کہ گل وقوژ کو کوتوالی سے باہر لائی جا سکتی۔

اسی شام اس نے اپنے دوستوں سے مل کر انہیں یہ پیغام دیا کہ وہ کل صبح گل وقوژ کو کوتوالی سے باہر نکالے گا۔اس کے باہر نکلتے ہی کچھ لوگ اس سے گل وقوژ کو چھیننے کی کوشش کر سکتے ہیں۔یہ بھی ممکن ہے کہ وہ فوری طور پر سامنے نہ آئیں بلکہ تعاقب میں لگ جائیں۔وہ لوگ وہی ہیں جنہوں نے گل وقوژ کو اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے۔ایسے میں وہ گل وقوژ کے ساتھ ایک مکان تک جائے گا۔وہاں وہ دونوں دوست پہلے سے موجود ہوں اور ان کے ساتھ ایک ایک عورت ہونا چاہئے۔میں ایک خاص قسم کا برقعہ ساتھ لایا ہوں۔ایک برقعہ میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا جبکہ باقی دو برقعے تمہارے پاس ہوں گے۔تم دونوں نے اس مکان کے قریب سے ذرا فراد کو وہ برقعے پہنا کر دو مختلف سمتوں میں لے جانا ہے۔میں تیسری سمت میں روانہ ہو جاؤں گا اور چکر کاٹ کر تمہارے طے کردہ مکان پر پہنچ جاؤں گا۔اگر تعاقب کی کوشش ہوگی تو اس طرح ناکام بنا دی جائے گی۔ دوستوں کے چہرے کے حوالے سے سوال کیا تو شنگ خان نے آگاہ کیا ہم تینوں اپنے چہروں کو کسی قدر نیچا اور چھپا کر رکھیں گے تاکہ انہیں آسانی سے دھوکا ہو جائے۔

ان دونوں دوستوں نے اثبات میں جواب دیا اور پھر وہ تینوں مل کر بازار میں گھومتے رہے شنگ خان نے غیر محسوس انداز میں انہیں ایک مکان کی جانب اشارہ کیا جہاں وہ پہلے سے موجود ہوں گے۔شنگ خان ان سے رخصت ہو کر عبداللہ مندری کے گھر چلا آیا۔عبداللہ نے اس کی تمام دن غیر حاضری پر استفسار کیا تو شنگ خان نے اپنے ہم وطن دوستوں کے بارے میں بتا دیا۔عبداللہ اس کی بات پر خاموش ہو گیا مگر جانے کیا بات تھی کہ اس کا دل دھڑک رہا تھا کہ شنگ خان اسے دھوکا دینے کی کوشش کر رہا ہے۔اس نے شنگ خان کو زبردستی

روکا تھا مگر اب اسے افسوس ہو رہا تھا کہ وہ اسے جانے دیتا تو زیادہ بہتر تھا۔ شنگ خان بستر پر لیٹا بے تابی سے اس وقت کا انتظار کر رہا تھا جب وہ گل وقوڑ کو قید خانے سے نجات دلانے میں کامیاب ہو جاتا۔

❀ ❀ ❀

بالآخر وہ لمحہ آ ہی گیا جس کا شیخ رضی الدین کو بے تابی سے انتظار تھا۔ گہنانم کی نظر کے شکار منگول امرأ نے ایل خانی دربار میں گہنانم کی تعریف و تحسین کا ذکر کچھ ایسے انداز سے کیا کہ دیگر امرأ بھی اس کے رقص دیکھنے کے لئے بے تاب دکھائی دیئے۔ بات مزید آگے بڑھی اور ایل خانی سلطنت کے قآن اعظم ہلاکو خان تک جا پہنچی۔ ہلاکو خان مراغہ میں موجود طائفہ کے بارے میں سن کر مشتاق ہوا کہ اسے دربار میں رقص کے لئے مدعو کیا جائے۔

ایلی خانی منتظم اعلیٰ نے قدغائی خان کو بلوا کر طائفے کے بارے میں معلوم کیا تو اس نے بیان کیا کہ اس بارے میں شیخ رضی الدین سے رابطہ کیا جائے کیونکہ وہ اس طائفے کا سربراہ ہے۔ منتظم اعلیٰ نے شکوک وشبہات دور کرنے کے لئے مکمل طور پر تحقیق کی تاکہ اسے معلوم ہو سکے کہ طائفہ کہاں سے آیا ہے اور اس میں شامل لوگ کون ہیں۔ مسلمان کا نام سن کر وہ ٹھٹک گیا تھا۔ جلد ہی اس پر یہ حقیقت عیاں ہو گئی کہ شیخ رضی الدین کا تعلق خالصتاً کاروباری تھا جو کہ مراغہ میں ہی قائم ہوا تھا ورنہ وہ لوگ پہلے کبھی ملے بھی نہیں تھے۔ مکمل اطمینان ہونے پر منتظم اعلیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اگلی صبح تیاری کر لیں کیونکہ دربار شاہی میں انہیں رقص کرنا ہوگی۔

شیخ رضی الدین نے جس انداز میں اس محفل کی ہامی بھری تھی وہ خاصا تضحیک آمیز تھا۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے شاہی دربار کا سن کر اس کی رالیں ٹپکنے لگی ہوں۔ قدغائی خان شیخ رضی الدین کی حد سے بڑھتی ہوئی حرص پر تاسف کر کے رہ گیا۔ منتظم اعلیٰ نے محفل کا انتظام کرتے ہوئے ہلاکو خان کو شیخ رضی الدین کے بارے میں آگاہ کر دیا کہ وہ انتہائی لالچی شخص ہے محفل کے اختتام پر طائفہ کے دیگر احباب کو تو انعام واکرام دیا جائے مگر اسے انعام کے بجائے سزا دی جائے تاکہ اسے عبرت ہو۔ ہلاکو خان منتظم اعلیٰ کی بات سن کر خاصا محظوظ ہوا۔

دوسرے دن شیخ رضی الدین کا چہرہ پریشانی سے اٹا ہوا دکھائی دیا کیونکہ اسے ابھی تک کوئی دوسری ہدایت نہیں ملی تھی کہ ہلاکو خان کے سامنے محفل کا اہتمام کرنے کے بعد اسے کیا کرنا ہوگا۔ وہ گہنانم سے تنہائی میں ملا اور دریافت کیا۔ اس نے لاعلمی کا اظہار کیا تو شیخ رضی الدین اُلجھ سا گیا۔ اس کے بعد اس نے غیر محسوس انداز میں خاص غلام سے اس بابت میں پوچھا تو اس نے بھی نفی میں سر ہلا کر اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ شیخ رضی الدین نے اسے ہدایت کی وہ تیزی رفتاری سے شیخ الرئیس کو اس امر سے آگاہ کر دے تو وہ ہنسنے لگا۔

''شیخ الساقی! تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ کل صبح شاہی دربار میں محفل سجے گی اور تم آج مجھے یہ کہہ رہے ہو کہ میں شیخ الرئیس کو مطلع کر دوں یہ کیسے ممکن ہے۔ تیز رفتار کبوتر بھی تین دن سے پہلے قلعہ تک نہیں پہنچ سکے گا''۔

''اب کیا کیا جائے؟'' شیخ رضی الدین پریشانی سے بولا۔

''خاموشی ہی بہتر ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ یہاں پہنچتے ہی اگلے حکم کے لئے فوراً نامہ بر کبوتر روانہ کر دیا جاتا کہ اب مزید کیا کرنا ہے؟'' غلام نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''معلوم نہیں اس محفل سے شیخ الرئیس کیا فائدہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس غفلت کے باعث ہم عتاب کا شکار ہو جائیں''۔ شیخ رضی الدین کا چہرہ اتر سا گیا۔

غلام نے اسے تسلی دی کہ شاہی دربار میں محفل سجانے کا یہ آخری موقعہ تو نہیں ہے۔ میں آج ہی مزید حکم

کے لئے کبوتر روانہ کر دیتا ہوں اگلے ہفتے میں پیغام پہنچ جائے گا۔ غلام کی بات سن کر شیخ رضی الدین کو کچھ حوصلہ ہوا۔

دن کے پہلے پہر میں منتظم اعلیٰ نے گہنانم کو لینے کے لئے شاہی بگھی سرائے بھجوا دی۔ طائفے کے افراد شیخ رضی الدین کے ہمراہ ایل خانی دربار پہنچے۔ وہاں ان کی مکمل طور پر تلاشی لی گئی اور ان سے تمام ایسا سامان لے لیا گیا جس سے کسی قسم کی شرارت کئے جانے کا امکان موجود ہوتا۔

شاہی دربار میں قآن اعظم ہلاکو خان کی آمد پر ضروری معاملات نبٹائے گئے۔ اسی دوران اسے طائفے کی موجودگی سے آگاہ کر دیا گیا۔ ہلاکو خان گہنانم کے بارے میں کئی افراد کے منہ سے سن چکا تھا اس نے اسے پیش کرنے کا اشارہ کیا۔ گہنانم اپنے سازندوں کے ہمراہ دربار میں داخل ہوئی۔ اس نے اپنا چہرہ باریک جالی دار نقاب میں ڈھانپ رکھا تھا۔ اس کا بھڑکیلا لباس اور چمکیلی ادا دیکھ کر کئی امرأ اپنا کلیجہ تھام کر رہ گئے۔ ہلاکو خان کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ رینگ گئی۔

گہنانم نے آگے بڑھ کر منگولوں کی رسمی تعظیم پیش کی۔ اس کے بعد اس نے کچھ عرض کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ ہلاکو خان نے اثبات میں اشارہ کیا تو گہنانم نے دلفریبانہ انداز میں کہا۔

''قآن اعظم کا ابد تک ہم پر سایہ رہے! میرا یہ اصول ہے کہ میں رقص کے دوران اپنے دیکھنے والوں کو ایک ایک جام اپنے ہاتھوں سے پیش کرتی ہوں تاکہ میرا فن ان کی باطنی نگاہوں میں بھی اتر جائے اگر آپ کی اجازت ہو تو میں ایسا کروں گی ورنہ صرف میرے رقص پر اکتفا کرنا ہوگا''۔

''رقاصہ کے لئے شراب کا انتظام کیا جائے..... ہم خود پہلا جام رقاصہ کے ہاتھوں سے ہی لیں گے''۔ ہلاکو خان کی آواز دربار میں گونج گئی۔ کچھ ہی دیر میں شراب کے بڑے بڑے برتن دربار میں لائے گئے۔ دربار کے وسط میں شراب کے منقوش برتن اور شیشے کے جام کی ایک بڑی میز سجا دی گئی۔ گہنانم نے کام کی تکمیل پاتے ہی رقص کے آغاز کی اجازت چاہی۔ اجازت ملتے ہی دربار میں سازوں کے سر بکھرنے لگے۔ شامی اور منگولی تہذیب کے سنگم میں جنم لینے والے سر بے حد مسحور کن ثابت ہوئے۔ گہنانم نے رقص کا آغاز دھیمے انداز میں کیا۔ رقص کے دوران اس نے چہرے کا نقاب اتار ڈالا اور بدن کو ایسے ایسے زاویوں سے لچکانے لگی کہ امرأ بے قراری سے پہلو بدلنے لگے۔ پہلا گیت محض رقص پر ہی ختم کیا گیا۔ گہنانم نے شراب کے جام کا ذکر کر کے امرأ کو بے چین سا کر دیا تھا۔ وہ منتظر تھے کب انہیں شباب آمیز جام ملے۔

ہلاکو خان گہنانم کی اس فریب زدہ ادا پر مسکرا اُٹھا کہ وہ مردوں کو مسحور کرنے کا فن جانتی ہے۔ رقص کا دوسرا دور شروع کیا گیا تو اس میں گہنانم کے انداز میں تیزی عود کر آئی۔ اس کے بدن کے خم ایسے لچکتے دکھائی دیئے کہ کئی امراء سانس لینا بھول گئے۔ اسی دوران گہنانم نے جام تقسیم کرنا شروع کئے۔ پہلا جام قآن اعظم کو پیش کیا گیا۔ اس کے بعد دوسرے تمام درباریوں کو جام ملا۔ شراب حلق سے نیچے کیا اتری۔ گہنانم عورت کے قالب سے نکل کر کوئی اور مخلوق دکھائی دینے لگی۔ ہلاکو خان گہنانم کا یہ نیا انداز دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ یہ دور کسی قدر طوالت اختیار کرتا چلا گیا۔ گہنانم نے جب دوسرا جام قآن اعظم کو پیش کیا تو ہلاکو خان کے دل میں جانے کیا بات آئی کہ اس نے اس جام کا پہلا گھونٹ گہنانم کو اتارنے کے لئے کہا۔ گہنانم نے یہ حکم سن کر دلربا مسکراہٹ کے ساتھ جام کا ایک گھونٹ حلق سے اتار لیا۔ ہلاکو خان یہ دیکھ کر ہنس پڑا اور اس نے جام اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ رقص وسرود کی محفل کافی دیر تک جاری رہی۔ درباری امرأ کی نگاہیں گہنانم کے بدن سے کھیلتی رہیں۔ محفل کے اختتام پر ہلاکو خان نے طائفے کے افراد کو بھاری انعام واکرام سے نوازا اور گہنانم کو

شاہی مہمان خانے میں قیام کرنے کا حکم دیا۔ یہ سن کر درباری امرأ کے چہرے بجھ سے گئے کیونکہ وہ جو کچھ سوچ رہے تھے قاآن اعظم نے ان پر پانی پھیر کر رکھ دیا تھا۔ ہلاکو خان گہنانم سے بے حد متاثر ہوا تھا۔ اس نے لمحہ بھر میں فیصلہ کر لیا کہ ایسی نادر کنیز اسی کی ملکیت میں ہونا چاہئے۔

گہنانم نے ہلاکو خان کے حکم کی تعمیل کی اور مہمان خانے کی راہ لی۔ شیخ رضی الدین اور طائفے کا امیر بھی اس کے ہمراہ تھے۔ شام کے وقت اچانک گہنانم کی طبیعت خراب ہونے لگی۔ یہ دیکھ کر رضی الدین اور امیر دونوں پریشان ہو گئے۔ انہوں نے استفسار کیا تو گہنانم تلخی سے مسکرائی۔

''کچھ ہی دیر میں حقیقت کھل جائے گی۔ تم دونوں فوراً یہاں سے روانہ ہو جاؤ کیونکہ میں نے شیخ الرئیس کا کام مکمل کر دیا ہے''۔

''کک..... کیا مطلب؟'' شیخ رضی الدین چونک کر بولا۔

''قاآن اعظم کو دیئے جانے والے اس آخری جام میں میں نے زہر ملا دیا تھا جس کا ایک گھونٹ مجھے بھی پینا پڑا۔ میری قربانی ضروری تھی ورنہ شیخ الرئیس کا کام ادھورا رہ جاتا''۔ گہنانم نے کہا۔ یہ سن کر وہ دونوں سناٹے میں آ گئے۔

''زہر.....! مگر تمہارے پاس تو کچھ نہیں تھا''۔ شیخ رضی الدین تیزی سے بولا۔

''میرا یہ ناخن زہر آلود ہے جسے میں نے شراب کے جام میں پھیر دیا تھا''۔ گہنانم نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ زہر سریع الاثر ضرور ہے مگر اس کا اثر چوبیس گھنٹوں کے بعد شروع ہوتا ہے۔ مجھے یہی بتایا گیا تھا مگر مجھے لگتا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ میری طبیعت جیسے خراب ہو رہی ہے یقیناً قاآن اعظم کی طبیعت بھی خراب ہو چکی ہوگی''۔

گہنانم کی بات سن کر امیر نے شیخ رضی الدین کو ٹہوکا مارتے ہوئے اشارہ کیا کہ ان کے پاس وقت بے حد کم ہے مراغہ سے نکلنا آسان کام نہیں ہوگا۔ شیخ رضی الدین کو جیسے ہوش آ گیا۔ وہ تیزی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر گہنانم کی عظمت کو سلام کیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کا ہاتھ تیزی سے حرکت میں آیا۔ گہنانم کی نگاہیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس کے منہ سے ہلکی سی سسکی برآمد ہوئی۔ شیخ رضی الدین کا خنجر گہنانم کے سینے میں اتر چکا تھا۔ طائفے کا امیر یہ دیکھ کر خوفزدہ دکھائی دیا کیونکہ وہ جس جگہ موجود تھے وہاں ایسی واردات کا کرنا بے حد خطرناک کام تھا۔

''راز اگر راز ہی رہے تو ہی اچھا ہے''۔ شیخ رضی الدین نے دھیمے انداز سے کہا اور اپنے ساتھی کے ساتھ شاہی محل سے نکل آیا۔

❁❁❁

ہر طرف گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ شہر کی رونقیں نیند کی آغوش میں اُتر کر خواب خرگوش کے مزے اُڑا رہی تھیں۔ غالباً رات کا تیسرا پہر شروع ہو چکا تھا۔ تمام گلیاں اور بازار بالکل ویران ہو گئے تھے۔ ایسے میں ایک ہیولا محتاط قدم اُٹھاتا ہوا گلیوں میں سے نمودار ہوا، اس کی تیز رفتار چال سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کوئی مرد ہے۔ وہ کچھ دور پہنچ کر لمحہ بھر کے لئے ٹھہر جاتا اور اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں جانب کچھ دیکھنے کی کوشش کرتا۔ جب اسے کسی قدر تسلی ہو جاتی تو وہ پھر تیزی سے آگے کی جانب بڑھتا۔ یہ سلسلہ کافی دیر تک یونہی جاری رہا۔ کبھی کبھار کتوں کی بھونکنے کی آوازیں بھی اسے سنائی دیں، شاید وہ اجنبی آہٹ محسوس کر چکے تھے۔ وہ تاریک سایہ سفر کرتا ہوا ایک چھوٹی سی عمارت کے پاس آ کر رُک سا گیا۔ اس کی نگاہوں نے ایک بار

پھر اپنے اطراف کا جائزہ لیا۔ کسی ذی روح کو قریب نہ پا کر وہ سرعت سے عمارت کی بغلی دیوار کے نیچے دبک کر بیٹھ گیا۔ وہ یوں جامد ہو چکا تھا جیسے وہ کوئی زندہ انسان نہیں بلکہ دیوار کا ہی کوئی حصہ ہو۔ کافی دیر تک وہ اسی حالت میں بیٹھا رہا۔ اسی اثناء میں اسے ہلکی سی آواز سنائی دی۔ اس کے کان کھڑے ہو گئے، کوئی تہجد کے لئے اذان دے رہا تھا۔ اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ عمارت کا دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر شخص باہر نکلتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ اجنبی دیوار سے چپکا ہوا خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ ادھیڑ عمر شخص سست روی سے چلتا ہوا سامنے ایک چھوٹے سے حوض کے قریب پہنچا اور ہاتھ منہ دھونے میں مصروف ہو گیا۔ اجنبی سایہ سمجھ گیا تھا کہ وہ یقیناً نماز کے لئے وضو کر رہا ہے۔ اسے شاید اسی گھڑی کا انتظار تھا۔ وہ تیزی سے دیوار کی آڑ سے نکلا اور دبے قدموں عمارت کے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ اس کی عقابی نگاہیں نہ صرف عمارت کے اس مکین کو حصار میں لئے ہوئے تھیں بلکہ گرد و پیش پر پوری طرح گڑی ہوئی تھیں۔ اسے دروازے کے دوسری طرف پہنچنے میں ذرا سی دشواری پیش نہیں آئی۔ عمارت کا ابتدائی حصہ ایک چھوٹی سی راہداری پر مشتمل تھا جہاں مشعل کی لو کسی قدر روشنی کئے ہوئے تھی۔ اجنبی راہداری میں نپے تلے قدم اُٹھاتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ راہداری کے دونوں جانب چھوٹے چھوٹے دروازے تھے جن پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے۔ راہداری میں کئی قسم کے خراٹوں کی آوازیں گونجتی سنائی دیں۔ اجنبی کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کی توقع کے مطابق اس عمارت کے مکین نیند کے مزے لوٹنے میں محو تھے۔

وہ محتاط انداز میں چلتا ہوا راہداری کے آخری حصے میں پہنچ گیا۔ یہاں اسے آہنی دروازہ دکھائی دیا، جس پر ایک چھوٹی سی کھڑکی بنی ہوئی تھی اس نے کھڑکی میں سے دوسری جانب جھانکنے کی کوشش کی مگر کچھ دکھائی دیا کیونکہ دوسری جانب گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر آہنی دروازے کا جائزہ لینے لگا۔ دروازہ ایک بڑے گز (ہوڑے) کی مدد سے بند کیا گیا تھا اور اس گز کے کنارے پر سوراخ کے ذریعے ایک چھوٹی سی زنجیر نما بیڑی کے ساتھ اسے آہنی حلقے میں پرو دیا گیا تھا۔ اجنبی نے اپنے لباس میں سے ایک چھوٹا سا خنجر نکالا جس کی نوک آگے سے کسی قدر خم دار دکھائی دی۔ اس کے ہاتھ تیزی سے حرکت میں آئے اور اس نے خنجر کا ہک بیڑی کے کڑے میں ڈال کر مخصوص انداز میں جھٹکے دینا شروع کر دیئے چند ہی لمحوں میں کڑے کا جوڑ کھل گیا۔ اس کے ہاتھ تیزی سے چلتے رہے اور جلد ہی وہ بیڑیوں کے بنیادی کڑے کھولنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے انداز سے یوں ظاہر ہوتا تھا کہ اسے اس کام میں خاصی مہارت حاصل ہے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس نے ایک بار بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ راہداری سے منسلک تمام کمروں میں لوگ موجود تھے اور باہر وضو کرنے والا ادھیڑ عمر شخص کسی بھی وقت واپس لوٹ سکتا تھا۔ شاید اس کی توجہ اس جانب سے ہٹ کر مکمل طور پر اس کام میں مرتکز ہو چکی تھی۔ اس نے محتاط انداز میں آہنی دروازے کا گز اُتارا اور ایک طرف زمین پر ڈال دیا۔ پھر دروازے کو مخصوص انداز میں زور لگا کر پیچھے کی طرف دھکیلتا چلا گیا۔ دروازہ کھلنے کی خفیف سی آہٹ پیدا ہوئی مگر اس سے کسی کی نیند ٹوٹنے کا امکان نہیں تھا۔ پھر بھی اجنبی نے عقبی جانب مڑ کر عمارت کے مکینوں کی مدہوشی کا کسی قدر جائزہ لیا۔ اطمینان پانے کے بعد اس نے راہداری میں موجود ایک مشعل اُتاری اور سرعت سے اندر داخل ہو گیا۔ اندر کی تاریکی کٹنے لگی۔ اس کی نگاہیں اندرونی منظر کو تاکنے میں مصروف تھیں۔ یہ ایک اور راہداری تھی جس کے اطراف میں بالکل اسی انداز کے کمرے دکھائی دیئے جیسے کہ باہر موجود تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ بیرونی دروازوں پر محض پردے پڑے ہوئے تھے جبکہ ان کمروں میں دروازے لگائے گئے تھے۔ وہ تیزی سے ایک ایک کر کے دروازوں کے اندر جھانکنے لگا۔ یہ دروازے لوہے کے بنے ہوئے تھے اور

ان کے بالائی حصے میں ایک چھوٹا سا طاق بنا ہوا تھا جہاں سے اندر دیکھا جا سکتا تھا۔ یہ طاق اس قدر چھوٹا تھا کہ اسے اندر کے حالات کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ اگر وہ مشعل وہاں رکھتا تو اندر دیکھنے کے لئے جگہ نہیں بچتی۔ اس نے بمشکل کمروں کا جائزہ لیا۔ اس کی یہ محنت جلد ہی رنگ لے آئی اور وہ اس کمرے کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا جس کی تلاش میں وہ اس بکھیڑے میں پڑا تھا۔ اس کمرے کے دروازے پر بھی ویسا ہی گز موجود تھا۔ وہ گز اس کے ہاتھوں کی کاریگری کے سامنے زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکا۔ وہ کچھ ہی لمحوں میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اس کمرے میں مختصر سا سامان موجود تھا۔ جس میں ایک گھڑا، مٹی کا پیالہ اور دو چار خالی پلیٹیں شامل تھیں۔ ایک طرف چٹائی پر کوئی گہری نیند سو رہا تھا۔ اجنبی نے مشعل کی روشنی اس کے چہرے کی جانب بڑھائی۔ چہرے پر روشنی پڑتے ہی سوئے ہوئے فرد کی پلکوں میں تیز حرکت پیدا ہوئی۔ اجنبی شخص کے چہرے پر مطلوبہ صورت دیکھ کر عجب سی سرشاری عود کر آئی اور اس کے چہرے پر کسی قدر اطمینان سا پھیل گیا۔ نیند میں ڈوبا ہوا چہرہ ایک عورت کا تھا جس پر معصومیت اور کرختگی کا ملا جلا تاثر جھلک رہا تھا۔ وہ کچھ لمحے اس عورت کے چہرے کو بلا مقصد تکتا رہا پھر اجنبی کو جیسے ہوش آ گیا۔ اس نے عورت کے کندھے پر ہاتھ کا ہلکا سا دباؤ ڈالتے ہوئے دھیمے انداز میں سرگوشی کی۔

''اٹھو گل دقوز...... یہ سونے کا وقت نہیں ہے''۔

اجنبی کی تھوڑی سی کوشش سے گل دقوز آنکھیں مسلتی ہوئی بیدار ہو گئی۔ آنکھیں کھول کر تعجب سے اس نے اپنے قریب کسی کی موجودگی محسوس کی۔ وہ ابھی تک کچھ سمجھ نہیں پائی تھی کہ وہ کون تھا اور اس کے پاس کیا کر رہا تھا؟ کیونکہ وہ تو کوتوالی کے زندان میں مقید تھی۔

''کون ہو تم......؟'' گل دقوز نے خوابیدہ لہجے میں دریافت کیا۔

''دھیمے لہجے میں بات کرو۔ میں تمہیں یہاں سے چھڑانے کے لئے آیا ہوں''۔ اجنبی شخص جلدی سے بولا۔ آزادی کی بابت سن کر گل دقوز کی آنکھوں میں تیز سی چمک پیدا ہوئی۔ دوسرے ہی لمحے وہ کانوں میں پڑنے والی شناسا سا آواز کو بھی پہچان گئی، وہ کوئی اور نہیں اس کا ماموں زاد شنگ خان تھا۔ جو کچھ دن پہلے اسے حماۃ کے سفر کے دوران تعاقب کرتا ہوا دکھائی دیا تھا۔

''تم یہاں تک کیسے پہنچ گئے؟'' گل دقوز کی نیند کافور ہو چکی تھی۔

''تم جو کچھ جاننا چاہو گی میں سب سوالوں کا جواب دوں گا۔ فی الحال باتوں میں وقت ضائع مت کرو، ہمارے پاس صرف چند لمحے باقی رہ گئے ہیں، اگر وہ ہاتھ سے نکل گئے تو میں تمہارے لئے کچھ بھی نہیں کر سکوں گا''۔ شنگ خان اس کا بازو کھینچتا ہوا تیزی سے بولا۔

اس کی بات سن کر گل دقوز کے چہرے پر ناپسندیدہ تاثر پھیل گیا۔ معاملہ چونکہ آزادی کا تھا اس لئے گل دقوز نے لمحہ بھر کے لئے سوچا اور پھر اس کے ساتھ جانے کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ شنگ خان اسے ہمراہ لے کر محتاط انداز میں صدر دروازے کی جانب بڑھنے لگا۔ جونہی شنگ خان کا ہاتھ صدر دروازے کو کھولنے کے لئے اُٹھا، اسی وقت وہ ادھیڑ عمر شخص دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ وہ اپنے سامنے ان دونوں کو دیکھ کر ہکا بکا کھڑا رہ گیا۔ وہ چیخ کر اپنے ساتھیوں کو آگاہ کرنا چاہتا تھا مگر خوف و حیرت نے اس کی زبان ہی گنگ کر دی۔ شنگ خان اس کی اچانک آمد پر گڑبڑا کر رہ گیا لیکن دوسرے لمحے غیر شعوری انداز میں اس کے ہاتھ میں حرکت پیدا ہوئی اور کھڑے ہاتھ کا وار ادھیڑ عمر شخص کی گردن کے پہلو پر پڑا۔ وہ ہلکی سی کراہ کے ساتھ زمین بوس ہوتا چلا گیا۔ شنگ خان نے تیزی سے اس کے گرتے ہوئے بدن کو سنبھالا دیا اور نہایت آہستگی سے اسے زمین پر ڈال

دیا۔ شنگ خان کا چہرہ پُرسکون ہو گیا۔ اب کوئی خطرہ نہیں تھا لہٰذا دوسرے لمحے وہ دونوں کوتوالی کے دروازے سے باہر نکل گئے۔ والئی شہر کی نرمی اور ڈھیل گل دقوز کی زندگی کا باعث بنی تھی تو شنگ خان کی بدولت وہ قید و صعوبت سے آزاد ہو چکی تھی۔

❀ ❀ ❀

مراغہ میں جب ہلاکو خان کی وفات کا سرکاری طور پر اعلان ہوا تو ہر طرف قیامت سی مچ گئی آہ و بکا کی صدائیں گونجیں، خصوصاً نصرانیت کے حامیوں کے چہرے اتر گئے۔ لوگ قاآن اعظم کی موت کی وجہ جاننے کے لئے بے چین تھے۔ یہ الگ بات تھی کہ اعلیٰ قیادت نے تمام معاملے کو سمیٹ کر صیغۂ راز میں رکھا۔ جس رات شاہی محل میں گہنانم کا پُراسرار قتل ہوا تھا، اسی رات کو ہلاکو خان کی طبیعت بگڑی اور شاہی طبیبوں کی بے انتہا کوشش کے باوجود کوئی چارہ کارگر ثابت نہ ہوا۔ ہلاکو خان بستر مرگ پر کڑی تکلیف سے نبرد آزمائی کے بعد زندگی کی جنگ ہار گیا۔ وہ شخص جس کے رعب و داب کے سامنے بے شمار گردنیں سرنگوں رہتی تھیں، نامی گرامی سلطان اطاعت و دوستی کا دم بھرتے تھے۔ جس کا حکم سلطنت منگولیانہ میں سکے کی مانند چلتا تھا۔ جس نے اپنی سلطنت کی وسعت کے لئے خراسان سے لے کر ارض فلسطین تک تمام آبادیوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ زہر کی ایک بوند کے سامنے بے بس ہو کر رہ گیا۔ جب ہلاکو خان کا مردہ جسم نیلا پڑنے لگا تو طبیبوں کو اندازہ ہوا کہ اسے زہر دیا گیا ہے۔ ایک نئے سوال نے سر اُٹھایا کہ زہر کس نے دیا ہو گا؟ اعلیٰ قیادت کے افراد شش و پنج میں پڑے رہے۔ کچھ لوگوں کا خیال گہنانم کی جانب گیا مگر اس کو باقاعدہ طور پر قتل کیا گیا تھا جو کہ کسی دوسری سازش کی جانب اشارہ کر رہا تھا۔ کچھ افراد نے گہنانم کے قتل کا الزام ہلاکو خان کے سر پر ڈال دیا کوئی واضح صورت سامنے نہ آ پائی تو سب نے مل کر یہی فیصلہ کیا کہ ہلاکو خان کی موت کا اعلان کر دیا جائے اور اسے طبعی قرار دیا جائے۔ زہر کی بابت فی الوقت کوئی شوشہ نہ چھوڑا جائے ورنہ انتشار پھیل جائے گا اور شاہی افراد ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرا کر قتل و غارت پر اتر آئیں گے۔ یہ فیصلہ وقت کی نزاکت کے لحاظ سے درست تھا۔ ہلاکو خان کی موت کے اعلان کے بعد تاتاری رسومات کا آغاز کیا گیا۔ بڑی شان و شوکت سے ہلاکو خان کو نصرانی مذہب کے مطابق دفنا دیا گیا۔ زہر کی بات زیادہ دیر تک چھپی نہ رہی اور کسی نہ کسی طریقے سے عام لوگوں تک پہنچ گئی۔ چونکہ زہر دینے والے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا لہٰذا بھانت بھانت کے قصے لوگوں کی زبان پر عام ہو گئے۔ منگولوں کی اکثریت اس خیال کی حامی تھی کہ ہلاکو خان کو چالاک مسلمانوں نے زہر دیا ہے کیونکہ ہلاکو خان عالم اسلام کے لئے شدید خطرہ بنا ہوا تھا جبکہ ایک حلقہ اس زہر خورانی کا الزام سلطان بیبرس کے سر پر تھوپ رہا تھا بعد میں یہی متضاد الزامات اور خیالات نصرانی تاریخ کا حصہ بن گئے کوئی اصل وجہ نہیں جانتا تھا کہ ہلاکو خان کو زہر کس نے دیا۔ مشہور نصرانی مؤرخ گریگوریوس یوحنا ابوالفرج بن ہارون معروف بہ ابن العبری نے اپنی کتاب ''تاریخ الدول'' میں لکھا ہے کہ ہلاکو خان کی بے وقت موت نے پوری عیسائی دُنیا کو پژمردہ اور رنجیدہ کر دیا۔ مسیحیت کے حامی بلادِ مصر کی مضبوط حکومت کا خاتمہ چاہتے تھے اور یہ مراد صرف ہلاکو خان جیسی بہادر و جنگجو شخصیت کے ہاتھوں ممکن تھی جس کا دل حقیقی معنوں میں نصرانیت کے لئے دھڑکتا تھا۔ یہی وجہ تھی ساری عیسائی دنیا کو اس قیمتی محافظ کی موت کا شدید صدمہ ہوا۔ ایک دوسرے نصرانی مؤرخ اسٹیفین ارفلین نے ہلاکو خان کی موت کا ماتم ان الفاظ میں کیا ہے۔ ''شہنشاہ، دنیا کا تاجدار و مالک، عیسائیوں کا بیش قیمت آسرا، 1264ء میں زہر کی بے بسی کے ہاتھوں مر گیا''۔ ہلاکو خان کی ہلاکت کی خبر جلد ہی سلطان بیبرس تک پہنچ گئی۔ سلطان بیبرس نے مسلمانوں کے ایک خوفناک دشمن کے مرنے پر اللہ تعالیٰ کے حضور شکر ادا کیا اور اس موقعہ کو

مناسب سمجھتے ہوئے شر پر نصرانیوں پر گہری ضرب لگانے کا فیصلہ کیا۔ گمنام کا معاملہ ہمیشہ کے لئے اسرار کے پردوں میں چھپ گیا۔ شیخ رضی الدین السافی باسانی اپنے ساتھیوں سمیت مراغہ سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا کیونکہ ہر طرف ہلاکو خان کی ناگہانی وفات کے باعث جمود سا طاری تھا۔

❀❀❀

گل وتوژ کو قید خانے سے کامیابی سے نکالنے میں شنگ خان کی دن رات کی کڑی محنت کا ہاتھ تھا۔ وہ کئی دن تک لگاتار کوتوالی کے گرد چکر کاٹ کر جائزہ لیتا رہا۔ وہاں موجود افراد کی تعداد، ان کے نکلنے اور داخل ہونے کے اوقات، حتیٰ کہ رات کے وقت ان کی مصروفیت اور غفلت کا پورا حساب اسے ذہن نشین ہو چکا تھا۔ وہ اس بات سے بخوبی آگاہ ہو چکا تھا کہ ہفتے کے آخری دن میں سپاہی شدید غفلت کا مظاہرہ کرتے ہیں اور سکون کی نیند سوتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ان کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے گل وتوژ کو باسانی وہاں سے نکال لانے میں کامیاب ہو گیا۔ والئی شہر نے گل وتوژ کا جو کڑا انتظام کر رکھا تھا وہ ان غافل سپاہیوں کی بدولت دھرے کا دھرا رہ چکا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ گزشتہ شام شنگ خان نے اپنے دوستوں کے ساتھ جو منصوبہ تیار کیا تھا وہ محض فریب تھا کیونکہ اسے اتفاقاً یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اس کے دونوں دوست فدائی پیشکش کے سامنے سرنگوں ہو چکے ہیں اور وہ شنگ خان کی بابت معلومات انہیں فراہم کر کے رقم کما رہے تھے۔ شنگ خان نے نہایت سوچ بچار کے بعد یہ لائحہ عمل مرتب کیا کہ فدائیوں کی توجہ کا محور غلط رخ میں موڑ کر فائدہ اٹھایا جائے اسی لئے شنگ خان نے نقلی منصوبہ ان کے سامنے رکھتے ہوئے انہیں کسی حد تک مطمئن کر کے خود سے دور کیا۔ اس کی عقابی نگاہوں نے پہلے ہی دن سے فدائی افراد کو اپنی نگرانی کرتے ہوئے تاڑ لیا تھا۔ شنگ خان کی بھرپور خواہش تھی کہ جب وہ گل وتوژ کو کوتوالی سے نکالنے کی کوشش کرے تو کم از کم اس بات کی بھنک فدائیوں کو نہ ہونے پائے۔ شنگ خان اپنے مقصد میں کامیاب رہا۔ رات کی تاریکی میں وہ گل وتوژ کو ساتھ لے کر محتاط انداز میں سیدھا عبداللہ مندری کے گھر چلا آیا۔ عبداللہ مندری غافل سو رہا تھا۔ اس اسے بات کی خبر نہ ہوئی کہ کس وقت شنگ خان وہاں سے نکل کر کوتوالی پہنچا اور کب واپس لوٹ آیا؟ گل وتوژ تمام راستے خاموش رہی۔ محفوظ مقام پر پہنچتے پر اس کے لبوں میں حرکت پیدا ہوئی۔

"شنگ خان! آخر تم مجھ سے چاہتے کیا ہو؟ حماۃ میں داخلے کے وقت تم دور رہ کر تعاقب کرتے رہے اور قاضی پر حملے کے دوران تم نے بہروپ بدل کر مجھ پر حملہ کیا اور اب تم مجھے قید خانے سے نکال لائے ہو۔ اس متضاد رویئے کو میں کیا نام دوں؟"

"آہستہ بات کرو۔ میر المحسن سو رہا ہے اور میں نہیں چاہتا ہے کہ اسے کوئی تکلیف پہنچے"۔ شنگ خان نے سرگوشی نما انداز میں کہا۔ "یہ سچ ہے کہ میں تمہارا تعاقب کرتا ہوا حماۃ پہنچا ہوں مگر یہ صریحاً الزام ہے کہ میں قاضی کی عدالت میں گیا تھا اور میں نے تمہاری مہم ناکام بنائی۔ تم شاید یقین نہیں کرو گی کہ میں تو اس گھر میں ڈیڑھ ماہ سے بے ہوش پڑا رہا۔ اگر میں ہوش میں ہوتا تو قسم جادوانی آسمان کی...... تمہیں یہ مہم کرنے ہی نہ دیتا۔ گل وتوژ تم جس رستے پر چل نکلی ہو وہ صرف اور صرف بربادی کی جانب ہی جاتا ہے، شاید تم یہ بھی نہیں جانتی کہ اگر آج میں تمہیں قید خانے سے نکالنے میں کامیاب نہ ہوتا تو ٹھیک تیسرے دن کا سورج تمہیں دیکھنا نصیب نہ ہوتا"۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" گل وتوژ بھنویں سکیڑ کر بولی۔

"تمہاری سزا صرف اس لئے موقوف کی گئی تھی کہ قاضی کی صحت یابی مکمل ہو جائے اور وہ عدالت لگا کر

تمہارے مقدے کا فیصلہ کرے اور وہ فیصلہ کل صبح ہونے والا ہے کیونکہ قاضی نہ صرف پوری طرح تندرست ہو چکا ہے بلکہ آج وہ عدالت بھی گیا تھا"۔ شنگ خان نے متنبہ کرتے ہوئے بتایا۔ گل وتوژ کو اس بات کی کوئی فکر نہیں تھی کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا؟ اسے تو یہ بات کھائے جا رہی تھی کہ اس کے پُرقوت وار کی بدولت لگنے والے گھاؤ کے باوجود قاضی ابن واصل کیونکر زندہ بچ گیا۔ درحقیقت اس کا زندہ رہ جانا ہی گل وتوژ کی پہلی ناکامی کا ثبوت تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم کیا سوچ رہی ہو؟" شنگ خان نے ڈھیلے انداز میں کہا۔

"ناکامی...... ناکامی...... سے مجھے سخت چڑ ہے۔ اس لفظ نے میری زندگی کو کڑے عذاب میں مبتلا کر دیا ہے۔ یہ منحوس سرائے سے لے کر حماۃ تک میرے تعاقب میں ہے، ہر بار میری ہمت توڑ دی جاتی ہے۔ کیا میں زندگی میں کبھی کامیاب نہیں ہو پاؤں گی......؟" گل وتوژ کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ اس کا شکستہ لہجہ اسے پہنچنے والے صدمے کی عکاسی کر رہا تھا۔

"تمہاری اس ناکامی میں تمہارا اپنا ہی ہاتھ ہے، تم نے اقدار و روایات سے بغاوت کی اور ایک مسلمان سے محبت کر کے نہ صرف تم خود دربدر ہو گئی ہو بلکہ تم نے اپنے کنبے کو بھی بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ تمہاری وجہ سے تمہارا باپ تونائی خان قتل ہو گیا اور تم اس کی پاداش میں محلاتی سازش کا شکار ہو کر رہ گئی۔ اگر تونائی خان بھرے دربار میں تمہارے عاشق کی مخالفت نہ کرتا تو یہ نوبت پیدا ہی نہ ہوتی۔ تمہاری وجہ سے میرا دادا منک آنہ قبیلے کی سرداری سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ قبیلہ کا متفقہ فیصلہ تھا کہ تمہیں آخری رسم کی سزا دی جائے جس کے آگے وہ جھکنے پر مجبور ہو گیا اس نے مجبوراً تمہیں سزا دی مگر ساتھ ہی مجھے روانہ کیا کہ میں تمہیں تاریک غار سے نکال کر کہیں دور لے جاؤں، جب حالات بہتر ہو جائیں گے تو تمہیں واپس بلا لیا جائے گا مگر اس مہربانی کا راز منکشف ہو گیا۔ تمہاری وجہ سے تمہارے بھائیوں کے شاہی منصب ختم ہو گئے وہ آج کسمپرسی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں...... یہ سب کس کا کیا دھرا ہے؟...... ذرا خود سوچو گل وتوژ!...... یہ سب تمہاری غلطی تھی۔ تم مجھے صرف اس سوال کا جواب دے دو کہ تمہارا عاشق اگر واقعی تم سے سچی محبت کرتا تھا تو وہ آج تک تمہارے پیچھے کیوں نہیں آیا؟"

جذبات کی رو میں بہتا ہوا شنگ خان کا چہرہ سرخ دکھائی دیا۔ اس نے گل وتوژ پر نفسیاتی وار پھینکا تھا۔ جس کا کسی قدر اثر گل وتوژ کے چہرے پر جھلک رہا تھا۔ اس کے تخیل میں اپنے باپ تونائی خان کی صورت جھانکنے لگی۔ بھائیوں کی یاد نے پل بھر کے لئے اسے بے چین سا کر دیا پھر ذہن کے کسی گمنام خانے سے مطیع الدین کا شرارتی چہرہ نکل کر قرطاسِ تخیل پر آ دھمکا اور اس کا منہ چڑانے لگا گو کہ اس کے نقوش کسی قدر دھندلا چکے تھے مگر پوری طرح مٹ نہیں پائے تھے۔ شنگ خان اس کے چہرے کے تغیرات کو دیکھ رہا تھا۔ گل وتوژ جذباتیت میں ڈوبی ہوئی دکھائی دی پھر اچانک اس کا چہرہ پُرسکون سا ہونے لگا۔ شنگ خان کے چہرے پر تفکرات پھیلنے لگے۔

"شنگ خان!" گل وتوژ کاٹ دار لہجے میں بولی۔ "تم نے مجھے قید خانے سے نکالا۔ اس کا بہت شکریہ...... مگر میں نے جس بغاوت کا آغاز کیا تھا وہ مقصد ابھی پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا۔ تم واپس سرائے لوٹ جاؤ اور یہ بات یاد رکھنا کہ آج کے بعد تم مجھے کبھی نہیں ملو گے۔ اس بات کو بھی اپنے دل سے نکال دو کہ میرا میلان کبھی تمہاری طرف ہو گا۔ میں اب جانا چاہتی ہوں، اگر تمہیں کچھ کہنا ہے تو کہہ دو"۔

"مگر تم اب کہاں جاؤ گی......؟" شنگ خان تڑپ کر بولا۔

''اس بات کو رہنے دو..... یہ میرا سر درد ہے''۔ گل وقوڑ کے لہجے میں بے اعتنائی تھی۔

''گل وقوڑ! قسم جاودانی آسمان کی! میں تم سے بے حد محبت کرتا ہوں اور میں تمہارے بغیر خود کو ادھورا محسوس کرتا ہوں۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی تمہارے تعاقب میں رہتا ہوں اور یہ مجھ سے نہیں ہو سکے گا کہ تمہیں یہاں تنہا چھوڑ کر واپس لوٹ جاؤں..... تم اس راہ کو چھوڑ دو اور واپس چلو۔ ہم دونوں ایک نئی زندگی کی ابتدا کریں گے..... خوش و خرم اور اطمینان بخش''۔

''شنگ خان! تم کب سے خواب دیکھنے لگے ہو؟ میں تو سمجھتی تھی کہ تمہاری رگوں میں جو شیلا تاتاری خون دوڑ رہا ہے مگر اس کی حرارت دم توڑتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے''۔ گل وقوڑ نے طنز کیا۔

''گل وقوڑ! محبت بہادروں کو بھی گیدڑ کر دیتی ہے اور میں اس مرض کا شکار ہوں''۔

''شنگ خان تم میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔ مجھے اب چلنا چاہئے''۔ گل وقوڑ دو ٹوک انداز میں بولی۔

اس کی بات سن کر شنگ خان کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ وہ تیزی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ شنگ خان دونوں بازو پھیلا کر آگے بڑھا۔ شاید وہ گل وقوڑ کو روکنا چاہتا تھا۔ گل وقوڑ اس کے انداز سے بھانپ گئی کہ وہ اسے آسانی سے جانے نہیں دے گا۔ اسی لمحے گل وقوڑ کا ہاتھ حرکت میں آیا اور شنگ خان کے پہلو میں لٹکا ہوا خنجر اس کے قبضے میں آ گیا۔ شنگ خان ابھی سنبھلا کہ گل وقوڑ نے سفاکی سے خنجر کا پھل اس کے سینے میں اتار دیا۔ شنگ خان کے لبوں سے ہلکی سی کراہ نکلی اور وہ اپنے سینے کو دونوں ہاتھوں سے تھامتا ہوا واپس بیٹھتا چلا گیا۔ اس کی آنکھوں میں گہرا کرب عیاں تھا۔ وہ سابقہ بے ہوشی اور زان کے زخم کی بدولت پہلے ہی نقاہت کا شکار تھا کہ سینے میں گھونپا ہوا خنجر اس کی مدافعت کو برقرار نہ رکھ سکا۔ اس کی آنکھوں میں کئی سوال تھے جو گل وقوڑ سے چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟ مگر گل وقوڑ کے چہرے پر کرختگی اور سفاکیت پھیلی ہوئی تھی اسے شنگ خان کو ہلاک کرنے کا قطعی کوئی رنج نہیں تھا۔ خنجر زنی کی وہ تربیت جو گل وقوڑ نے اسی سے حاصل کی تھی آج اس کا نشانہ شنگ خان خود بن چکا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں نہیں تھا کہ گل وقوڑ اس حد تک اتر آئے گی۔ وہ خود کو جواب دینے کی کوشش کرنے لگا کہ یقیناً یہ گل وقوڑ وہ نہیں ہے جو کہ اس کی پھوپھی زاد تھی۔ یہ تو ایک سفاک قاتلہ تھی جس لیے انسانی زندگی کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ شنگ خان نے کوشش کی کہ وہ خنجر نکال لے مگر موت نے اسے یہ مہلت ہی نہیں دی۔ اس کی کھلی ہوئی نگاہیں پتھرا سی گئیں اور سانس کا ربط ٹوٹ گیا۔ اسی وقت گل وقوڑ کے کانوں میں فجر کی اذان کی صدا پڑی تو وہ چونک پڑی۔ اس نے ایک جانب پڑی ہوئی ایک بڑی سی چادر اُٹھائی اور بدن پر اچھی طرح لپیٹ کر تیزی سے عبداللہ مندری کے گھر سے باہر نکل گئی۔

❀ ❀ ❀

سلطان بیبرس نے 664ھ بمطابق 1265ء کے آغاز پر تمام افواج کو تیاری کا حکم دے دیا۔ اس نے خاص سالاروں کو آگاہ کر دیا کہ وہ صلیبی قلعوں پر حملہ آور ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس حملے کے دو اہم اسباب تھے۔ ایک سبب تو صلیبی سرداروں کی جانب دمیاط کے دار الصناعہ کو نقصان تھا جس کے باعث بحری بیڑوں کا کام تعطل کا شکار ہو چکا تھا اور دوسرا سبب ان کے مسلمان آبادی پر حملے تھے۔ وہ حسب عادت مسلح ہو کر اسلامی شہروں میں داخل ہوتے اور وہاں کے دائی کو قتل کر کے لوٹ مار کا بازار گرم کرتے۔ اس سے پہلے کہ اس علاقے میں کوئی کمک روانہ ہو پاتی، وہ مسلمانوں کے قتل کا مذہبی فریضہ انجام دے کر واپس لوٹ جاتے۔ سب سے اہم وجہ نصرانیوں کے اہم مددگار ہلاکو خان کی موت تھی جس کے غم و صدمے سے وہ لوگ دوچار تھے۔ ایسے میں سلطان بیبرس کا حملہ ان پر ویرانہ ڈھا سکتا تھا۔ سلطان بیبرس عسکری تیاریاں مکمل ہونے پر مملوک افواج

کے ساتھ طوفانی انداز میں قاہرہ سے نکلا۔ اس بار صلیبی بحری کا نظام زیادہ مؤثر ثابت نہ ہو پایا اور صلیبی سردار سلطان بیبرس کی مہم سے بروقت آگاہ نہ ہو سکے۔ سلطان بیبرس حسب عادت ایک طویل چکر کاٹ کر بحیرہ روم کے مشرقی ساحل پر موجود ایک مضبوط صلیبی قلعے کے سامنے نمودار ہوا۔ یہ قلعہ قیساریہ کے نام سے مشہور تھا۔ یہ تاریخی شہر ایک اہم بندرگاہ تھی جس کا صلیبی زنجیر کو قائم رکھنے میں بڑا اہم مقام تھا۔ اسلامی لشکر کو اپنے قلعے کے سامنے دیکھ کر صلیبی سرداروں نے ہمت نہیں ہاری اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ انہیں توقع تھی کہ دوسری جانب سے بحری راستوں سے انہیں رسد حاصل ہوتی رہے گی اور طوالت کی وجہ سے بالآخر سلطان بیبرس خود ہی تنگ آ کر محاصرہ اُٹھا لے گا۔ سلطان بیبرس نے حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے حکم دیا کہ مجاہدین محاصرے کے جھنجٹ میں نہ پڑیں بلکہ مسلسل حملوں کا سلسلہ جاری رکھیں۔ قیساریہ کے بلند و بالا برجوں پر صلیبی سپاہی موجود رہتے اور وہ اسلامی لشکر کو فصیل پر چڑھنے سے روکتے۔ مجاہدین نے ایک تیر انداز دستہ ان سے نبٹنے کے لئے مخصوص کر دیا وہ موقعہ پاتے ہی ان پر تیروں کی بارش برسائے رہتا۔ اسلامی لشکر اپنے سلطان کے ساتھ بے حد پُرجوش دکھائی دیتا تھا۔ سپاہیوں نے اپنی غیر معمولی کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حملوں میں اتنی شدت پیدا کر دی کہ صلیبی سرداروں کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ کھلے مقابلے پر آ جاتے۔ سات دن کی مسلسل جھڑپ ایک فیصلہ کن جنگ کی صورت اختیار کر گئی۔ صلیبی سپاہی مسلمانوں کے بلند و بالا حوصلوں سے ایسے مرعوب ہوئے کہ انہوں نے میدان میں اترنے سے صاف انکار کر دیا۔ صلیبی سردار اس نئی صورتِ حال سے پریشان ہو گئے۔ بالآخر یہی طے پایا کہ ہتھیار ڈال کر سلطان بیبرس سے امان طلب کی جائے۔ سلطان بیبرس نے ان کی درخواست منظور کرتے ہوئے ان سرداروں کو حکم دیا کہ وہ قلعہ خالی کر کے سمندر کے راستے نکل جائیں، ان کا تعاقب نہیں کیا جائے گا۔ صلیبی سپاہیوں کے پاس اتنی کشتیاں نہیں تھیں کہ وہ سب کے سب فرار ہو جاتے۔ وہ فرار ہونے کے لئے آپس میں ہی بھڑ پڑے۔ بے شمار صلیبی افراد خانہ جنگی کے باعث ہلاک ہو گئے۔

قیساریہ کی نصرانی رعایا نے قلعہ کا دروازہ سلطان بیبرس کے لئے کھول دیا اسلامی لشکر نے قلعہ میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے سلطانی ہدایت کے مطابق اندرونی جنگی قلعہ مسمار کر دیا۔ اس کی بنیادیں کھود کر برابر کر دی گئی تاکہ اس کی دوبارہ تعمیر نہ ہو سکے۔ تمام سامان حرب قبضے میں لے لیا گیا۔ قلعے کے آباد شہری حصے کو حکم دیا گیا کہ وہ سکونت ترک کرتے ہوئے یہ مقام خالی کر دیں اور کسی دوسرے آباد شہر میں چلے جائیں۔ سلطان بیبرس نے سابقہ سلطانوں کے مطابق رعیت سے نرمی کا سلوک کیا اور جنگجو افراد کو گرفتار کر کے قیدی بنا لیا گیا۔ سلطان بیبرس نے اس قلعے کو تسخیر کر کے اس آہنی زنجیر میں گہرا شگاف ڈال دیا تھا جو کہ صلیبی جنگجوؤں کی محافظ خیال کی جاتی تھی۔ بحیرہ روم کے ساحل کے ساتھ ساتھ صلیبی جنگجوؤں نے بے شمار قلعے تعمیر کر رکھے تھے جن کا عمومی رُخ خشکی کی جانب رکھا جاتا تھا۔ اس کا دفاعی فائدہ یہ تھا کہ اگر دشمن خشکی کی جانب سے ان کے قلعے کا محاصرہ کر لے تو سمندر کا راستہ بہر حال کھلا رہے۔ سمندر ہی وہ واحد ذریعہ تھا جس کی بدولت ان کا اہل مغرب سے رابطہ برقرار رہتا تھا۔ وہاں سے تازہ دم جنگجو، آلات حرب اور اشیائے خوراک کی کمک بآسانی قلعے میں پہنچ سکتی تھیں۔ ان تمام بندرگاہوں کے مدخلوں پر بڑے بڑے برج تعمیر کئے گئے تھے جس کے باعث خشکی کی جانب موجود افراد کا رابطہ سمندر سے کٹ جاتا تھا۔ برجوں کا سلسلہ بے حد طویل تھا جو کہ تمام قلعوں کو آپس میں مربوط و منضبط کئے ہوئے تھا۔

قیساریہ صلیبی جنگجوؤں کے دفاعی سلسلے کی پہلی کڑی تھی جو کہ سلطان بیبرس کی شمشیر خارا شگاف سے

ایک ہی وار میں ٹوٹ کر بکھر گئی۔ اعلیٰ وعمدہ استحکام کے صلیبی دعوے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ سلطان بیبرس نے غیر معمولی ذہانت اور عسکری مہارت کا بین ثبوت مہیا کر دیا۔ اس بات کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ سات روزہ محاصرے کے دوران وہاں کے قلعہ بند صلیبیوں کو کسی دوسری جانب سے مطلق کسی قسم کی کوئی مدد نہ پہنچ پائی۔ اسی طرح قلعے کی تسخیر کے بعد سلطان بیبرس نے اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کے دفاعی استحکامات کو اندار سے اس طرح ملیامیٹ کر دیا کہ وہ اس قابل ہی نہ رہا کہ صلیبی جلد اسے دوبارہ استعمال کے قابل بنا پاتے۔ قیساریہ کی تباہی نے صلیبی حلقے میں غم وغصے کی لہر دوڑا دی۔ قیساریہ کے صلیبی سردار محفوظ مقامات پر پہنچ کر اپنے مغربی آقاؤں سے مدد ومعاونت کی استدعا کرنے لگے۔ سلطان بیبرس نے قیساریہ کی تباہی کے بعد اپنے لشکر کو جنوب کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا۔ سلطانی افواج کی نقل وحرکت سے صلیبی قلعوں میں اضطراب سا پیدا ہو گیا۔ سب لوگ اپنے طور پر تیاریاں کرنے لگے۔ سلطان بیبرس نے تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک دوسرے مشہور قلعے ارسوف کا محاصرہ کر لیا۔ یہ نہایت ضدی اور کمینہ خصلت ہاسپیٹلرز کا ایک مضبوط مرکز تھا۔ قیساریہ کے انجام کی خبر یہاں بھی پہنچ چکی تھی۔ اسلامی لشکر کو اپنے قلعے کے گرد دیکھ کر انہوں نے فوری طور پر قلعہ بندی کر لی۔ ان لوگوں نے پہلے سے ہی زبردست دفاعی تیاریاں کر رکھی تھی اس لئے سلطانی لشکر کو یہاں اپنا مقصد حاصل کرنے میں خاصی دشواری پیش آئی۔ قلعہ ارسوف کے محاصرین نے چالیس دن تک مسلسل پامردی سے مقابلہ کیا مگر خوراک کی قلت نے ان کے حوصلوں کو پست کر دیا۔ انہوں نے اپنے ہمدردوں کو خوراک کی کمی کے بارے میں آگاہ کیا مگر انہوں نے رسد فراہم کرنے سے صاف الفاظ میں انکار کر دیا کیونکہ اس وقت ہر کسی کو یہی دھڑکا لگا تھا کہ قلعہ ارسوف کے بعد سلطان بیبرس کہیں ان کی جانب ہی رُخ نہ کر لے اور وہ بھی خوراک کی قلت کا شکار ہو جائیں۔

سلطان بیبرس کو جلد ہی خبر مل گئی کہ قلعہ ارسوف میں خوراک کی کمی کے باعث انتشار پھیلا ہوا ہے، اس نے جانباز مملوک سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ بیرونی فصیل میں تیز رفتاری سے اتنا بڑا شگاف ڈالیں کہ لشکر کا بڑا حصہ اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو جائے۔ حکم کی تعمیل میں بے حد شدت دکھائی دی اور ایک روز کی کڑی محنت کے بعد بیرونی فصیل میں بڑا شگاف کر دیا گیا۔ سلطان بیبرس نے افواج کو شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ اسلامی لشکر صلیبی دفاعی استحکامات کو روندتی ہوئی قلعے کے اندر گھس گئی۔ صلیبی سپاہیوں کی جب اس جانب توجہ ہوئی تو دیر ہو چکی تھی۔ انہوں نے مقابلے کی بہتری کوشش کی مگر مجاہدین کا جذبہ انتہا درجوں کو چھو رہا تھا۔ صلیبی جنگجوؤں کی مہارت ان کے جذبے کے سامنے حقیر پڑ گئی۔ قلعہ ارسوف پر قبضہ ہونے کے بعد اس کے ساتھ بھی وہی سلوک دہرایا گیا جو کہ سابقہ قلعے سے کیا گیا تھا۔ قلعہ کے استحکام کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ بلند وبالا فصلیں منہدم کر دی گئیں اور اس کے بلند وبالا برج خواب وخیال بن کر رہ گئے۔ سلطان کچھ دن یہاں ٹھہر کر اپنے اگلے قدم کے بارے میں سوچتا رہا۔ اسلامی لشکر دو اہم فتوحات کے بعد توقع کئے ہوئے تھا کہ یہ سلسلہ یونہی رکھا جائے گا اور مسلمانوں کی گردنوں پر موجود یہ صلیبی پھندا ہمیشہ کے لئے کاٹ دیا جائے گا مگر سلطان بیبرس نے سوچ بچار کے بعد یہ اعلان کیا کہ انہیں واپس قاہرہ لوٹنا چاہئے۔ ان کی عبرت کے لئے اتنا ہی کافی ہے، امید ہے کہ صلیبی مزید سرکشی اور شرارتیں نہیں کریں گے اور نامناسب اقدامات سے گریز کریں گے۔ مجاہدین نے اپنے سلطان کے حکم کو سر آنکھوں پر رکھتے ہوئے مخالفت نہیں کی اور واپس قاہرہ کی جانب کوچ کیا۔

❁ ❁ ❁

''میرا نام ہی شیخ ابوصالح ہے، کہئے خاتون میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟'' وہ قریباً چالیس سال کا تھا۔ اس کے چہرے پر جا بجا چیچک کے داغ دکھائی دے رہے تھے۔ وہ حیرت بھری نگاہوں سے چادر میں لپٹی ہوئی اس عورت کو دیکھ رہا تھا جس نے علی الصبح اس کے دروازے پر دستک دے کر اسے بیدار کیا تھا۔ ابھی صبح کی سپیدی بھی نمودار نہیں ہوئی تھی اور کہیں کہیں سے اذان کی صدا سنائی دے رہی تھی۔ چادر میں لپٹی ہوئی عورت نے گہرا سانس لیا اور دھیمے لہجے میں بولی۔

''میرے بارے میں آپ کو شیخ رضی الدین الساتی نے یقیناً آگاہ کر دیا ہوگا''۔

''گل خاتون!'' شیخ ابوالصالح کے چہرے پر حیرت وشناسائی کے ملے جلے تاثرات نمودار ہوئے۔

گل وقوژ نے اثبات میں گردن ہلائی تو اس نے سر نکال کر باہر کی طرف دیکھا۔ گلی میں کوئی بھی نہیں دکھائی دیا۔ اس نے گل وقوژ کو تیزی سے اندر آنے کے لئے کہا۔ گل وقوژ گھر میں داخل ہو گئی۔ وہ ایک چھوٹا سا مکان تھا جس میں ضروریاتِ زندگی کی قریباً تمام اشیاء موجود تھیں۔ شیخ ابوالصالح نے گل وقوژ کو ایک جانب پڑی ہوئی چٹائی پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ گل وقوژ خاموشی سے بیٹھ گئی۔ شیخ ابوالصالح دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد اس کی واپسی ہوئی اس کے ہمراہ اس کی بیوی اور ایک چھوٹا بچہ تھا۔ شیخ ابوالصالح نے اپنی بیوی سے گل وقوژ کا تعارف کرایا کہ یہ اس کے عزیز دوست رضی الدین کی رشتہ دار ہے چونکہ شیخ رضی الدین ان دنوں شہر سے باہر گیا ہے اسی لئے یہ ان کے پاس چلی آئی ہے۔ شیخ ابوالصالح کی بیوی نے گل وقوژ کو گلے لگایا اور خیریت دریافت کی۔ رسمی امور کے بعد شیخ ابوالصالح نے گل وقوژ کی جانب توجہ دی۔

''شیخ رضی الدین نے مجھے کڑی ہدایت کی تھی کہ اگر گل خاتون اس گھر تک چلی آئے تو سمجھ لینا ہے کہ اسے کوئی خاص ضرورت ہی اس در تک کھینچ لائی ہے۔ اب میرا فرض بنتا ہے کہ آپ کی پوری پوری مدد کروں۔ اب آپ بلاتکلف بیان کیجئے ..... غالباً آپ کی آمد کچھ ایسی ہی ضرورت کی طرف اشارہ کر رہی ہے''۔

''ابوالصالح! مجھے محفوظ انداز میں حماۃ سے باہر نکلنا ہے اور کم از کم شام کی سرحد تک سفر کے لئے زادِ راہ بھی چاہئے۔ کیا تم مجھے یہ فراہم کر سکتے ہو؟'' گل وقوژ خشک لہجے میں بولی۔

''اسی وقت؟'' شیخ ابوالصالح نے حیرت سے پوچھا۔

''میرے پاس وقت بے حد کم ہے اور میں سورج کی روشنی نمودار ہونے سے پہلے پہلے روانہ ہونا چاہتی ہوں''۔ گل وقوژ نے دوٹوک انداز میں کہا۔

''رقم کا تو میں بندوبست ابھی کر سکتا ہوں مگر گھوڑا اور دیگر لوازمات کے لئے کم از کم دن کا پہلا پہر درکار ہوگا''۔ شیخ ابوالصالح نے دائیں بائیں جھانکتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے تم رقم میرے حوالے کر دو۔ باقی انتظام میں خود کر لوں گی اور مجھے دوسرا صاف ستھرا لباس اور برقع بھی چاہئے''۔ گل وقوژ نے تحکمانہ انداز میں کہا تو ابوالصالح کی بیوی کے چہرے پر ناگواری سی پھیل گئی۔

''گل خاتون! میرا شوہر شیخ رضی الدین کا دوست ضرور ہے اس کا غلام نہیں۔ تم تو ایسا ہتک آمیز سلوک کر رہی ہو جیسے ہم لوگوں نے تمہارا کوئی قرض چکانا ہو۔ کان کھول کر سن لو، تمہیں لباس اور برقع وغیرہ کوئی نہیں مل سکتا۔ چند سکے لو اور اپنا رستہ ناپو''۔

اس کی بات پر گل وقوژ کا چہرہ بگڑنے لگا۔ قریب تھا کہ اس کا ہاتھ اُٹھ جاتا کہ شیخ ابوالصالح نے بگڑتی

ہوئی صورت حال بھانپ کر تیزی سے کہا۔ ''بیگم! گھر آئے مہمان سے ایسا سلوک نہیں کرتے۔ وہ ہمارے محسن کی رشتہ دار ہے''۔ شیخ ابوالصالح کی مداخلت کے باعث گل دتوژ تھم سی گئی۔ شیخ ابوالصالح کی بیوی ناک بھوں چڑھاتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

''گل خاتون! آپ یہیں ٹھہریئے! میں ابھی آتا ہوں''۔ شیخ ابوالصالح نے تیزی سے کہا اور اس کے پیچھے کمرے میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد جب اس کی واپسی ہوئی تو اس کے ہاتھ میں ایک لباس، پرانا سا سفید برقع اور سکوں کی تھیلی تھی۔ اس کا ستا ہوا چہرہ ظاہر کر رہا تھا کہ یہ سب چیزیں حاصل کرنے کے لئے اسے خاصی تگ و دو کرنا پڑی ہے۔ گل دتوژ نے زنان خانے کے ایک حصے میں جا کر لباس بدلا اور برقع اوڑھ کر باہر نکلی۔ اس نئے لباس میں وہ کافی حد تک بدل گئی تھی۔ زنانہ لباس کسی قدر کھلا اور ڈھیلا تھا جس کے باعث گل دتوژ کو اپنا وجود بھاری سا محسوس ہوا۔ ہیئت کی یہ تبدیلی اس کے لئے حفاظت کا سامان تھی۔ اسے بخوبی معلوم تھا کہ اس کی تلاش کا سلسلہ کچھ ہی دیر میں شروع ہو جائے گا اور سب سے پہلے شہر سے باہر جانے والے راستوں پر سپاہی پہنچیں گے۔ وہ زیادہ دیر نہیں کرنا چاہتی تھی مگر حالات اس کے قابو میں نہیں تھے۔ گل دتوژ نے شیخ ابوالصالح کا شکریہ ادا کیا اور اسے تنبیہ کی کہ وہ اپنی بیوی پر قابو رکھنا سیکھے کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کے ہاتھوں اسے کوئی نقصان پہنچ جائے۔ شیخ ابوالصالح نے وعدہ کیا۔ گل دتوژ وہاں مزید نہیں رکی اور اس سرائے کی جانب بڑھ گئی جہاں سے قافلے تیار ہو کر دوسرے شہروں میں پہنچتے تھے۔ شیخ ابوالصالح فدائی تو نہیں تھا مگر اس کے کئی معاملات فدائیوں کے دم سے پورے ہوتے تھے، اس لئے وہ بلاتردد فدائیوں کی مدد کرتا رہتا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی حیثیت کبھی بھی منکشف نہیں ہو سکی۔ اسے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ گل دتوژ بھی ایک فدائیہ ہے جو کہ اپنا کوئی خاص کام کر کے وہاں سے روانہ ہو رہی تھی مگر اسے اس بات سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ وہ یہاں کیا گل کھلا کر جا رہی ہے؟ اس کی بیوی اپنے شوہر کی اس دہری شخصیت سے قطعی لاعلم تھی ورنہ گل دتوژ سے الجھنے کی کوشش نہ کرتی۔ گل دتوژ کی یہی کوشش تھی کہ کسی بھی طریقے سے حماۃ سے دور پہنچ جائے اس کے پاس تمام شہروں میں موجود فدائیوں کے رابطے تھے۔ پہلے اس کے ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ حماۃ کے فدائیوں سے مدد حاصل کی جائے مگر یہ خاصا پرخطر تھا کیونکہ اس کی شناخت بآسانی ہو سکتی تھی۔ وہ شامی افراد کے درمیان رہتے ہوئے بھی ان سے الگ تھی۔ وہ خالص تاتاری النسل تھی، یہی بات اس کے لئے نقصان دہ تھی۔

❁ ❁ ❁

شیخ کبیر الدین کو جب ہلاکو خان کی موت کی خبر ملی تو وہ فرطِ مسرت سے ناچنے لگا۔ یہ خبر شیخ رضی الدین الساقی نے اسے سنائی تھی جو کہ مراغہ سے تیز رفتاری کے ساتھ سفر کرتا ہوا قلعہ بانیاس پہنچا تھا۔ اس نے ہلاکو خان کی موت کی تصدیق کرتے ہوئے گہنانم کی کامیاب مہم اور زہر سے ہلاکو کی موت کی تفصیل بھی اس کے گوش گذار دی۔ شیخ کبیر الدین نے نہایت تحمل سے تمام تفصیل سنی اس نے گہنانم کی موت کو عظیم نقصان قرار دیا کیونکہ وہ واحد تاتاری خاتون تھی جس کی ہر مہم کامیابی سے ہمکنار ہوئی تھی۔ اسے ذاتی طور پر بھی گہنانم کی موت پر دکھ ہوا کیونکہ وہ ایسی جانباز فدائیہ کو ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا مگر حالات کی نزاکت کے باعث اس کا زندہ بچنا محال دکھائی دیا اس نے گہنانم کے معاملے کو نظرانداز کرتے ہوئے ہلاکو خان کی موت کی خوشی میں ایک بڑا جشن منانے کا حکم دیا اور قید خانوں میں موجود تمام قیدیوں کو آزاد کرنے کا اعلان کیا۔ یہ دن شیخ کبیر الدین کی زندگی میں ایک نئی جہت لایا تھا، اسے اپنی سابقہ سلطنت کی بحالی آسان دکھائی دینے لگی۔ ''سلطنت قہستان'' اس کے اجداد کی حکمرانی کی علامت تھی جسے ہلاکو خان نے اپنے قدموں تلے روند دیا تھا۔ ہلاکو خان کی موت کی صورت

میں شیخ کبیر الدین کو امید کی کرن دکھائی دی۔ وہ لمحہ دور نہیں تھا جب وہ تمکنت کے ساتھ دوبارہ قلعہ الموت کے تخت پر بیٹھے گا اور شام سے لے کر کوہ قفقاز تک فدائیوں کی سلطنت ہوگی۔ اس کے چہرے کی دمک نے تمام فدائیوں کے حوصلے بلند کر دیئے تھے۔

شیخ کبیر الدین نے شیخ ابوراضیاء کو حکم دیا کہ اب فیصلہ کن یلغار کا وقت قریب آ گیا ہے۔ انہیں بھرپور انداز میں عسکری تیاری کرنا ہوگی گو کہ فدائی سلطنت کا قیام آسان کام نہیں ہے مگر ہلاکو خان جیسے مضبوط منگول حاکم کے بعد یہ جدوجہد زیادہ دشوار نہیں ثابت ہوگی، شیخ کبیر الدین کی دوربین نگاہیں منگولوں کی قرولتائی کا منظر بخوبی دیکھ رہی تھیں، منگو خان کی موت کے بعد منگول اتحاد جس طرح پارہ پارہ ہو گیا تھا۔ ہلاکو خان کی موت کے بعد اس سلسلے کو آگے بڑھنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ جشن کے موقعے پر شیخ کبیر الدین کی عنایتیں اس قدر بڑھ گئیں کہ فدائی امراء کا حلقہ اس کا گرویدہ دکھائی دینے لگا۔ شیخ کبیر الدین نے بلادِ شام اور دیگر علاقوں میں مقیم فدائیوں کو اپنے عسکری قلعوں میں جمع ہونے کی ہدایت کی۔ ضروری امور سے فارغ ہو کر تین روزہ جشن کا آغاز عمل میں لایا گیا۔ یہ جشن کیا تھا؟ شراب و شباب کی رنگین محفل تھی جس میں امراء سے لے کر فدائین تک کی روحوں کو سرشار کیا گیا۔ شیخ کبیر الدین سابقہ حکمرانوں سے مختلف انداز میں فدائیوں کو استعمال کر رہا تھا۔ جنت ارضی کی لالچ کا تصور بھی دم توڑ چکا تھا۔ حشیش کے استعمال میں کثیر اضافہ کیا گیا تاکہ فدائیوں کی عقل پر بےخودی کا پردہ پڑا رہے اور وہ مخصوص کیفیت کے باعث سر دھڑ کی بازی لگانے سے بھی نہ چوکیں۔ جشن کے اختتام پر شیخ ابوراضیاء نے اس سے تنہائی میں ملاقات کی۔ وہ کسی ضروری معاملے پر اس سے گفت و شنید کرنا چاہتا تھا۔ شیخ کبیر الدین کی طبیعت ان دنوں بے حد خوشگوار تھی اس لئے اس کی آمد پر ناگواری پیدا نہ ہوئی۔

''شیخ الرئیس! آپ نے تین دن پہلے تمام قیدیوں کی رہائی کا حکم دیا تھا مگر اس خاص قیدی کو رہا نہیں کیا گیا کیونکہ میرا خیال ہے کہ آپ کا ذہن اس کی جانب مبذول نہیں تھا''۔

''شیخ ابوراضیاء! تم کس قیدی کی بات کر رہے ہو؟'' شیخ کبیر الدین نے چونک کر پوچھا۔

''آپ کا پرانا محسن...... مطیع الدین۔ جسے خاص زندان میں بند کیا گیا ہے''۔

''تم نے اچھا کیا کہ اسے آزاد نہیں کیا، اس کا خیال تو میرے ذہن سے اتر گیا تھا''۔ شیخ کبیر الدین تیزی سے بولا۔ شیخ ابوراضیاء اپنی احسن کارکردگی پر پھولے نہیں سمایا۔

''اب اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟''

''مطیع الدین نے اس دورانیے میں کسی کو تنگ تو نہیں کیا؟''

''تنگ تو نہیں کیا البتہ اس کے تیور کچھ اچھے معلوم نہیں ہوتے''۔

''وہ حقیقتاً بہادر ہے اور میں بہادروں کی قدر کرتا ہوں۔ میں اسے اپنے ساتھ رکھنے کا خواہش مند ہوں مگر وہ گل دتوژ کے چکر میں بے وقوف بنا بیٹھا ہے''۔ شیخ کبیر الدین کے لہجے میں تاسف تھا۔ شیخ ابوراضیاء نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

''تم ایسا کرو کہ چند دن تک اسے میرے سامنے پیش کرنا...... میں اس کا کوئی بندوبست کرتا ہوں، شاید اس کے ذریعے میرا کام نکل آئے''۔ شیخ کبیر الدین نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ شیخ ابوراضیاء چونک کر اس کی صورت دیکھنے لگا، وہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ شیخ کبیر الدین، مطیع الدین سے کیا کام لینے کا ارادہ رکھتا ہے مگر اسے کامیابی نہ ہو سکی۔ اسی لمحے ایک غلام نے باریابی کی اجازت چاہی۔ شیخ کبیر الدین غلام کی

صورت دیکھ کر متذبذب کا شکار دکھائی دیا۔

''کہو فدائی! شیخ الرئیس کے آرام میں مداخلت کا کیا سبب ہے؟'' شیخ ابوراضیاء نے دریافت کیا۔ غلام نے تعظیم دیتے ہوئے جواب دیا۔

''قلعہ بانیاس میں کچھ دیر پہلے ایک فدائیہ داخل ہوئی ہے اور وہ فوراً شیخ کبیر الدین سے ملاقات کرنا چاہتی ہے، میں نے اسے کل صبح کے لئے کہا تھا مگر وہ فوری ملاقات کے لئے بضد ہے''۔

''کون فدائیہ؟'' شیخ کبیر الدین کچھ نہ سمجھ پایا۔

''شیخ الجبال! وہ اپنا نام گل وقوژ بتاتی ہے''۔ غلام نے وضاحت کی۔

شیخ کبیر الدین گل وقوژ کا نام سن کر یوں چونکا جیسے یہ کسی عجیب چیز کا نام ہو۔ شیخ ابوراضیاء کا چہرہ بھی تعجب زدہ رہ گیا۔ گل وقوژ تو حماۃ میں مقید تھی۔ اس کی قلعہ بانیاس میں اچانک آمد کئی سوالوں کو اُٹھا رہی تھی۔ شیخ کبیر الدین نے کچھ لمحے سوچنے کے بعد غلام کو حکم دیا کہ وہ اسے مہمان خانے میں ٹھہرائے، اس سے ملاقات کل صبح ہی ہو سکے گی کیونکہ میں اس وقت آرام کرنا چاہتا ہوں۔ غلام شیخ الرئیس کا حکم سن کر خاموشی سے لوٹ گیا۔ شیخ ابوراضیاء کچھ کہنا چاہتا تھا مگر شیخ کبیر الدین نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

''صورتِ حال کسی قدر تبدیل ہو گئی ہے لہٰذا فوری طور پر گل وقوژ کو قلعہ مصیاف میں روانہ کر دو، میں نہیں چاہتا کہ مطیع الدین کی موجودگی میں وہ یہاں مقیم رہے۔ میں جلد ہی کوشش کروں گا کہ مطیع الدین کو یہاں سے روانہ کر دیا جائے یا اسے کسی دوسرے قلعے میں منتقل کر دیا جائے۔ اس کام کے بعد گل وقوژ کو واپس اس قلعہ میں بلا لیا جائے گا۔ فی الوقت تم اپنے تئیں گل وقوژ سے مل کر حماۃ کی صورتِ حال معلوم کر لو اور شیخ الساتی کو اس کے ساتھ لگا دو تاکہ وہ اچھی طرح اس معاملے کی تسلی کرے''۔ شیخ کبیر الدین کی بات سن کر شیخ ابوراضیاء نے اثبات میں سر ہلایا تو شیخ الرئیس نے اسے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ تنہائی میں حالات کا تجزیہ کرنا چاہتا تھا کہ گل وقوژ کی ناگہانی آمد کو کس خانے میں جگہ دی جائے۔

❀ ❀ ❀

664ھ کے اوائل میں قاہرہ سے سلطان بیبرس کی عدم موجودگی کے باعث کئی فتنوں کو سر اُٹھانے کا موقع مل گیا۔ سلطان بیبرس مملوک افواج کے ساتھ صلیبی مہم پر روانہ ہو چکا تھا اور قاہرہ کا میدان خالی تھا۔ یوں تو قاہرہ کا انتظام معتمد خاص امیر فخر الدین لقمان کے سپرد تھا مگر وہ سلطان بیبرس جیسا اہل شخص نہیں تھا۔ اس کا دائرہ کار مخصوص قسم کے معاملات تک محدود تھا۔ حاسد اور فتنہ پرور امراء کی جماعت نے قلعہ جبل کا رُخ کیا اور خلیفہ الحاکم بامر اللہ کے گرد نشست سنبھال لی۔ خلیفہ الحاکم بامر اللہ ان افراد کی آمد و رفت سے قطعی نہیں سمجھ پایا کہ وہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ کئی خوشامدی اور چاپلوس افراد نے ایسے احکامات کے نامے حاصل کئے جنہیں سلطانی حکومت یکسر مسترد کر چکی تھی ان لوگوں نے خلیفہ الحاکم بامر اللہ کی سادہ لوحی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے نشست میں مذہبی مسائل کی بحثیں چھیڑ دیں اور علماء کو آپس میں بھڑا دیا۔ بلادِ مصر میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور شیعہ مسلک کے سبھی لوگ مقیم تھے۔ تختِ خلافت قرار پانے کے بعد کئی یکتہ روزگار افراد نے قاہرہ کا رُخ کیا اور جلد ہی خلیفہ الحاکم کے دربار میں اعلیٰ مناصب حاصل کر لئے تھے۔ مصری امراء کی منفی کوششیں بہت جلد رنگ لائیں اور دربارِ خلافت میں علماء ایک دوسرے کو برملا برا بھلا کہنے لگے۔ یہ نہایت نازک صورتِ حال تھی۔ خلیفہ الحاکم بامر اللہ نے مذہبی بحث چھیڑنے کی اجازت تو دی تھی مگر وہ اس کے انجام سے بخوبی واقف نہیں تھا۔ قریب تھا کہ علماء دست و گریباں ہو جاتے کہ خلیفہ الحاکم بامر اللہ نے سختی سے مسلک کی بحث کو ممنوع قرار دیا۔

اب چونکہ دیر ہو چکی تھی لہٰذا خلیفہ کا حکم زیادہ مؤثر ثابت نہ ہو سکا۔ یہ بات زیادہ دن تک ڈھکی چھپی نہ رہ سکی اور امیر فخر الدین لقمان کے کانوں میں جا پڑی۔ اس نے فوراً خلیفہ سے ملاقات کی اور تمام صورتِ حال کا جائزہ لیا۔ اپنی ذہانت کے مطابق اس نے اعلان کیا کہ اگر بلادِ مصر میں کوئی عالم مسلک پر ایک دوسرے کو برا بھلا کہتا ہوا دکھائی دیا تو اسے بلا تاخیر موت کی سزا سنا دی جائے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے کئی حاسد امراء کی بھی گوشمالی کی۔ وہ امیر فخر الدین لقمان کے سلوک سے بپھر سے گئے۔ انہوں نے بظاہر کسی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا مگر در پردہ خلیفہ الحاکم بامر اللہ کے پاس جانا ترک نہیں کیا۔ کچھ ہی عرصے میں حالات نے ایک نئی کروٹ لی۔ ان امراء نے دربارِ خلافت سے نکل عام رعیت کو کچھ ایسا تاثر دینا شروع کر دیا کہ جس سے یہ معلوم ہوتا کہ خلیفہ لادین ہو چکا ہے۔ کبھی اس کے شافعی ہونے کی افواہ گردش کرتی تو کبھی مالکی ہونے کی۔ وہ جس مسلک کو اختیار کرتا اس میں خوشی سنائی جاتی اور جب وہ مسلک ترک کر کے دوسرے مسلک میں داخل ہو جاتا تو پہلے مسلک کے لوگ اس کی روش کو منافقت قرار دینے لگے۔ یہ سب کچھ اس انداز میں کیا گیا کہ منتظم قاہرہ بھی اس بات کی کھوج نہیں لگا پائے کہ ان افواہوں کو پھیلانے کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے جبکہ خلیفہ الحاکم بامر اللہ ان سب باتوں سے بے خبر قلعہ جبل میں بیٹھا امراء کی مجالس میں مشغول تھا۔

سلطان بیبرس جب صلیبی مہم سے واپس لوٹا تو امیر فخر الدین لقمان نے یہ مسئلہ اس کے سامنے اُٹھایا۔ سلطان بیبرس کو ایسی بے تکی حرکات پر بے حد صدمہ پہنچا۔ وہ مسلمانوں کے اتفاق و اتحاد کی کوشش میں مصروف تھا تو شریر امراء نفاق کی فضا گرم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اس نے سب سے پہلے خلیفہ الحاکم بامر اللہ سے ملاقات کی اور اس ضمن میں وضاحت چاہی۔ خلیفہ الحاکم بامر اللہ یہ سن کر دم بخود رہ گیا کہ اس کے بارے میں رعایا میں کس قسم کی افواہیں گردش کر رہی ہیں۔ اس نے کوشش کی کہ وہ مسلمانوں سے عام خطاب کر کے ان کے ذہنوں پر چھائی ہوئی افواہوں کی گرد صاف کر دے مگر سلطان بیبرس نے اسے قلعہ جبل میں ہی آرام کرنے کا مشورہ دیا اور اس شرارت کے ذمہ داروں کی تلاش کا کام اپنے ذمے لے لیا۔ خلیفہ الحاکم بامر اللہ نے سلطان بیبرس کی بات کو تسلیم کرتے ہوئے فی الوقت خاموشی اختیار کر لی۔ سلطان بیبرس نے خلیفہ الحاکم بامر اللہ کو قلعہ جبل کے قصرِ کبیر میں ایک دوسرے شاہی محل میں منتقل کر دیا اور ساتھ ہی حکم جاری کر دیا کہ امراء و خواص، امیر المومنین سے ملاقات کے لئے پہلے سلطانی اجازت حاصل کریں اس کے بعد وہ خلیفہ کے پاس نشست کر سکتے ہیں۔ اس فرمان کا مقصد صرف یہ تھا کہ شریر امراء خلیفہ تک رسائی حاصل نہ کر سکیں اور اگر وہ کسی طرح پہنچ بھی جائیں تو باہر نکل کر لایعنی باتیں نہ اُڑا پائیں۔ سلطان بیبرس نے ایسے تمام امراء کی خفیہ نگرانی کا حکم دیا جن کے بارے میں یہ شک تھا کہ وہ افواہیں پھیلا کر سلطنت میں انتشار و بدامنی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

سلطان بیبرس کے اس فرمان نے شریر امراء پر کاری وار کیا اور وہ محض پھڑ پھڑا کر رہ گئے۔ انہوں نے سلطان بیبرس کے اس فرمان کو غلط انداز میں مشتہر کرنا شروع کر دیا۔ وہ برملا سلطان بیبرس کو برا بھلا کہتے اور اس پر یہ الزام عائد کرتے کہ اس نے خلیفہ الحاکم بامر اللہ کو نظر بند قیدی بنا لیا ہے اور اسے عزلت نشینی کی زندگی پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ امیر المومنین کی نظامِ حکومت میں کوئی حیثیت نہیں ہے اور نہ ہی اسے کوئی اختیار و اقتدار حاصل ہے، وہ صرف سلطان بیبرس کے رحم و کرم پر زندگی کی سانسیں پوری کر رہا ہے۔ یہ الگ بات تھی کہ مؤرخین نے ان کی باتوں کو صداقت کا لبادہ پہنا دیا مگر عام رعیت نے خلیفہ کی گوشہ نشینی پر کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا۔ ان کے لئے یہ کافی تھا کہ ہلاکو خان کی بدولت امت مسلمہ کا جو شیرازہ بکھر چکا تھا وہ خلیفہ الحاکم بامر اللہ کی بدولت دوبارہ سمٹتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ لوگ اپنے سلطان اور خلیفہ دونوں سے یکساں محبت کا اظہار کرتے

رہے اور ان کی سلامتی کے لئے دعائیں کرتے۔

❀ ❀ ❀

دوسرے روز مطیع الدین کو خاص زنداں سے نکالا گیا۔ اس کی حالت خاصی خراب تھی، داڑھی بڑھ کر عجیب صورت اختیار کر چکی تھی۔ آنکھوں کے گرد گہرے حلقے پڑ چکے تھے۔ اسے لباس پہنا کر اس کی آنکھوں پر ایک سیاہ پٹی باندھ دی گئی، یہ صرف اس لئے کیا گیا تھا کہ وہ طویل عرصے سے اندھیرے کمرے میں بند تھا، یکدم تیز روشنی میں آنے کے باعث اس کی نظر پر گہرا اثر پڑ سکتا تھا۔ مطیع الدین کو آگاہ کر دیا گیا تھا کہ اسے شیخ الرئیس کے سامنے پیش کیا جانے والا ہے۔ اس نے آنکھوں پر پٹی باندھنے میں جب مزاحمت کی تو اسے اس کی وجہ بھی بتا دی گئی۔ مطیع الدین وجہ جان کر محض خاموش رہ گیا اسے غلام محافظوں کے ساتھ شیخ کبیر الدین کے پاس لایا گیا۔ شیخ کبیر الدین نے جب اس کی صورت دیکھی تو اسے بخوبی اندازہ ہو گیا کہ وہ کسی قدر کمزور ہو چکا تھا۔ شیخ کبیر الدین کے کمرے میں روشنی کسی قدر کم تھی اس نے مطیع الدین کی آنکھوں سے پٹی ہٹانے کی ہدایت کی۔ غلام محافظ نے آگے بڑھ کر مطیع الدین کی آنکھوں سے پٹی کھول دی۔ مطیع الدین روشنی کے باعث کافی دیر تک اپنی آنکھیں مسلتا رہا۔ جب وہ کچھ دیکھنے کے قابل ہو گیا تو اس نے شیخ الرئیس کی جانب دیکھا جو مسرت بھری نگاہوں سے اس کی جانب متوجہ تھا۔ مطیع الدین ابھی تک کوئی اندازہ نہیں لگا پایا کہ اسے کیونکر یہاں لایا گیا ہے۔ یہ الگ بات تھی کہ وہ عرصے سے زندان خانے سے نکلنے کی فکر میں تھا مگر کوئی ایسا راستہ اسے نہ مل پایا جو مددگار ثابت ہوتا۔

''مطیع الدین! ہم تمہیں روشنی کی دُنیا میں خوش آمدید کہتے ہیں''۔ شیخ الرئیس نے کہا۔

''شیخ الرئیس نے خواہ مخواہ زحمت کی کچھ ہی دن کی بات تھی میں خود آپ کے پاس چلا آتا''۔ مطیع الدین نے بلا دھڑک کہا۔ شیخ ابوراضیاء کے چہرے پر اس کی بدتمیزی سے ناگواری سی پھیل گئی

''ہم تمہارے بارے میں تم سے زیادہ جانتے ہیں، زنداں کی دیواریں تمہیں یقیناً نہیں روک سکتیں مگر ہماری سلطنت میں سے نکلنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ہم نے تمہیں یہاں اس لئے نہیں بلایا ہے کہ تم سے بحث ومباحثہ کریں بلکہ ہم تم سے ایک سودا کرنا چاہتے ہیں''۔ شیخ الرئیس نے ادھر ادھر کی باتیں نظر انداز کرتے ہوئے مطلب کی بات کی۔ مطیع الدین حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ شیخ کبیر الدین کی بات کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''شیخ الرئیس!'' مطیع الدین توقف کے بعد بولا۔ ''آپ نے تجارت کب سے شروع کر دی میں تو آپ کو فدائیوں کا سلطان سمجھتا رہا تھا''۔

''اتفاق کی بات ہے کہ آج ہم ضرورت سے زیادہ خوش ہیں، اس لئے تمہاری حجتوں پر برا نہیں منائیں گے، کوئی اور دن ہوتا تو شاید نتیجہ اس کے برعکس نکلتا''۔ شیخ کبیر الدین نے متنبہ کیا۔

''شیخ الرئیس!'' مطیع الدین ہنسنے لگا۔ ''نہ تو میں پہلے حجتیں کیا کرتا تھا اور نہ ہی اب کر رہا ہوں۔ میں تو یہ جاننے کا خواہش مند ہوں کہ ایسی کیا بات ہے جو آپ کو ایسا لب ولہجہ اختیار کرنے پر مجبور کئے ہوئے ہے؟ دائیں بائیں کی باتیں چھوڑو..... صرف اتنا بتاؤ کہ تم گل وتوڑ کے حصول کے لئے کس حد تک جا سکتے ہو؟'' شیخ کبیر الدین کا لہجہ بڑا معنی خیز تھا۔

''یعنی آپ اب مجھ سے میری محبت کا امتحان لینے کے خواہش مند ہیں''۔ مطیع الدین بولا۔

''مجھے امتحان وغیرہ سے کوئی غرض نہیں ہے میں تمہاری محبت کی گہرائی ماپنا چاہتا ہوں''۔

''شیخ الرئیس! اس بات کو چھوڑیں، آپ مجھے صرف اتنا بتائیں کہ آپ مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں، اگر وہ میرے مزاج کے مطابق ہوا تو میں اسے کر گزرنے میں تامل نہیں کروں گا.....''

''مطیع الدین! ہمیں انکار سننے کی عادت بھی نہیں ہے''۔

''شیخ الرئیس اس خادم کی فطرت سے بھی بخوبی آگاہ ہیں''۔ مطیع الدین نے مختصراً کہا۔

''تمہارے بدن کی طاقت کم پڑ گئی ہے مگر تمہارا دماغ ابھی بھی پہلے جیسا ڈھیٹ ہے''۔ شیخ کبیر الدین کے لہجے میں درشتی عود کر آئی تھی۔

''شیخ الرئیس کو میری بات ناگوار گزری ہے تو میں معافی چاہتا ہوں مگر میں جس مقصد کے لئے یہاں آیا ہوں، اسے ادھورا چھوڑ کر کم از کم زندہ واپس نہیں جاؤں گا''۔ مطیع الدین نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ شیخ ابوراضیاء کی قوتِ برداشت جواب دے گئی، وہ خونخوار انداز میں مطیع الدین کی جانب بڑھ گیا۔ شیخ کبیر الدین نے اسے اشارے سے منع کیا۔

''مطیع الدین! ہم نے تمہیں آج اسی معاملے کے لئے بلایا ہے۔ تمہارے سامنے دو راستے ہیں۔ انتخاب کرنا تمہارے ہاتھ میں ہے۔ پہلا راستہ یہ ہے کہ ہم تمہیں گل وتوڑ عنایت کر دیں گے مگر اس کے لئے تمہیں ہمارا ایک خاص کام انجام دینا ہوگا۔ انکار کی صورت میں ہمیں تمہاری زندگی قطعی گوارا نہیں۔ ہم محسن نما دشمن کو زیادہ دیر تک زندہ نہیں رکھ سکتے لہٰذا تمہیں بلا تاخیر قلعہ بانیاس کی فصیل سے نیچے کسی گہری کھائی میں گرا دیا جائے گا اگر وہاں سے زندہ بچ نکلو تو یہ تمہاری قسمت ہے۔ اس کمرے سے تم انہی دو صورتوں میں باہر جا سکتے ہو اب فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے''۔

''میں کام کی نوعیت جاننے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کروں گا''۔ مطیع الدین نے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔ شیخ کبیر الدین اس کی بات پر کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے رازداری کا خیال کرتے ہوئے خاص غلاموں اور دیگر لوگوں کو کمرے میں سے باہر جانے کے لئے کہا البتہ شیخ ابوراضیاء کو وہیں رُکنے کا اشارہ کیا۔ اب اس کمرے میں صرف تین افراد موجود تھے۔ شیخ کبیر الدین کو مطیع الدین سے کوئی خطرہ نہیں تھا کیونکہ اس کے پاس کسی قسم کا کوئی ہتھیار نہیں تھا اور دوسرا اس کے دونوں ہاتھ عقبی طرف بندھے ہوئے تھے۔

''مطیع الدین! میں نے زمانہ زوال میں، جب میرے چچا سلطان خورشاہ کی قوت ختم ہو چکی تھی، بڑی بڑی دور سے ایسے افراد کو اکٹھا کیا جن میں کوئی خاص چیز پائی جاتی تھی۔ وہ خواہ ذہانت ہو یا بدنی طاقت..... میں نے ایسے افراد کو قلعہ الموت میں جمع کیا اور انہیں صحیح خطوط پر تربیت کر کے ان کے اندر کی وہ پوشیدہ قوتیں بیدار کیں جن سے وہ خود بھی بے خبر تھے۔ یہ سب کچھ صرف ایک دن یا ایک سال میں نہیں ہوا بلکہ میری نصف عمر اس کوشش میں گذر گئی۔ تم بھلا خود سوچو کہ میں ایسے انمول ہیرے کسی کو کیسے سونپ سکتا ہوں؟ گل وتوڑ کو جب میں لایا تھا تو وہ موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا تھی، اگر چند ساعتوں کی دیر ہو جاتی تو وہ ہمیشہ کے لئے مٹ جاتی اور اب میں تمہیں اپنی زندگی کا وہ قیمتی حصہ دینے پر رضامند ہوا ہوں تو سمجھ لو کہ اس کے پیچھے کیا اہم وجہ پوشیدہ ہو سکتی ہے؟ میں تم میں بھی بے شمار خوبیاں دیکھ رہا ہوں اور یہ خواہش رکھتا ہوں کہ تم میرے ساتھ مل کر کام کرو، اس کے بدلے میں، میں تمہیں اعلیٰ منصب دوں گا اور عزت کی زندگی گذارنے کی تمام سہولتیں فراہم کروں گا جو کہ میں نے گل وتوڑ کو فراہم کی ہیں''۔

مطیع الدین کا چہرہ متجسس تصویر بنا دکھائی دیا اسے آج پہلی بار یہ معلوم ہوا کہ اس تاریک غار سے گل وتوڑ کو نکالنے والا کوئی اور نہیں، شیخ کبیر الدین ہی تھا۔ شیخ کبیر الدین کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی

تھی۔

''آپ نے ابھی تک کام کی بابت کچھ نہیں بتایا''۔ مطیع الدین نے دریافت کیا۔

''میں اسی طرف آرہا ہوں، میں اپنے سب ساتھیوں کے ساتھ مل کر اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کے حصول کے لئے کوشاں ہوں۔ وہ سلطنت جو ماضی قریب میں قہستان کہلاتی تھی۔ گل وقوژ سمیت بے شمار ساتھی دن رات اسی سلطنت کے قیام کے لئے مصروف بہ عمل ہیں اس سلطنت کے قیام میں کچھ قوتیں پہلے دن سے رکاوٹیں پیدا کرتی آئی ہیں اور آج تک انہی کوششوں میں مصروف ہیں۔ میں مختلف حربوں سے ان قوتوں کا زور توڑنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ منگولوں کے حاکم ہلاکو خان کی موت بھی انہی کوششوں میں شمار کی جاسکتی ہے۔ ماضی میں دو قوتیں ہمیشہ ہماری مخالف رہی ہیں جن میں سے ایک منگول تھے اور دوسرے بغداد کا دربار خلافت۔ ہلاکو خان نے جب بغداد کو پامال کیا تو یہ قوت ختم ہوگئی مگر اب یہ قوت قاہرہ میں دوبارہ سر اُٹھا رہی ہے۔ ہلاکو خان کی موت کے بعد منگولوں کی قوت پہلے جیسی مضبوط نہیں رہی ہے، مگر میں بخوبی اندازہ لگا سکتا ہوں کہ زمانہ قریب میں ہماری سلطنت کی مخالفت میں خلافت کی قوت زیادہ فعال کردار ادا کرے گی۔ میں تمہیں یہ ذمہ داری سونپنا چاہتا ہوں کہ تم قاہرہ جاؤ اور دربار خلافت تک رسائی حاصل کرو اور کوئی موقعہ پا کر خلیفہ کو قتل کر کے نکل آؤ''۔ شیخ کبیر الدین بغور مطیع الدین کا چہرہ دیکھنے لگا جو کہ غم و غصے کا نمونہ بن چکا تھا۔

''شیخ الرئیس! میں آپ سے ایسی بات کی توقع نہیں رکھتا تھا''۔ مطیع الدین بمشکل بولا۔

''مطیع الدین جلد بازی سے کام نہ لو۔ میری خلیفہ سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے اگر وہ میری راہ میں نہ آئے تو مجھے اس سے کچھ غرض نہیں مگر ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ وہ خواہ مخواہ میری راہ میں آئے گا اور ہمارے جانباز ساتھیوں کو اس کے ساتھ ایک طویل جنگ میں اُلجھنا پڑے گا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے وہ واحد صاحب بصیرت شخص ہے جو بغداد کی تباہی کے بعد عباسی خاندان میں زندہ رہ پایا ہے اگر اسے قتل کر دیا جائے تو اس کی جگہ یقیناً اس کے بیٹے لے لیں گے جو امور جہانبانی میں بالکل نابلد ہیں اس کے قتل سے دربار خلافت کا کاروبار بند نہیں ہوگا بلکہ ہماری مخالفت سرد پڑ جائے گی اور ہم بآسانی قہستان کا قیام عمل میں لاسکیں گے اگر تم اس کام کے لئے ہامی بھرو گے تو اس کے انعام میں تمہیں گل وقوژ دے دی جائے گی اور یہ شیخ الرئیس کا وعدہ ہے''۔ شیخ کبیر الدین نے کہا۔

''میں آپ کی ذہانت کی داد دیتا ہوں کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ میں خلیفہ پر قاتلانہ حملہ کروں اور پھر وہاں سے زندہ سلامت نکل بھی آؤں''۔ مطیع الدین کے لہجے میں گہری طنز تھی۔ شیخ کبیر الدین اس کی بات پر ہنسنے لگا۔

''مطیع الدین یا تو تم ضرورت سے زیادہ چالاک ہو یا پھر نرے احمق۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ ہم تمہیں تنہا قاہرہ روانہ کریں گے۔ یقیناً نہیں..... ہم تمہارے ساتھ اعلیٰ تربیت یافتہ افراد روانہ کریں گے جو کہ نہ صرف تمہاری نگرانی کریں گے بلکہ تمہیں ہر قسم کے نقصان سے بھی محفوظ رکھیں گے، جب تم دربار خلافت تک رسائی حاصل کرلو گے تو تمہیں ان لوگوں کو بھی ساتھ رکھنا ہوگا۔ یہ کس طرح کیا جائے گا؟ یہ تم زیادہ بہتر سمجھتے ہو۔ جب تم خلیفہ پر وار کرو گے تو یہ لوگ اس وقت تمہاری مدد کریں گے اور پھر تمہیں قاہرہ سے نکلنے میں معاونت دیں گے۔ یاد رکھو کہ میں اپنے دوستوں کے ساتھ فریب نہیں کیا کرتا''۔ شیخ کبیر الدین کے لہجے میں گہرا استحکام جھلک رہا تھا۔

''میں نے ابھی تک کام انجام دینے کی ہامی نہیں بھری ہے''۔ مطیع الدین دوٹوک لہجے میں بولا۔

''کام کی نوعیت تم پر آشکار کر دی گئی ہے، اب فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے، یہ بھی ذہن نشین رکھنا کہ انکار کی صورت میں یہی کام تمہاری محبوبہ انجام دے گی مگر تم اس کا نتیجہ جاننے تک زندہ نہیں رہو گے''۔ شیخ کبیر الدین نے دھمکی آمیز انداز میں کہا۔

مطیع الدین کو یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ شیخ کبیر الدین فیصلہ کر چکا ہے کہ وہ ابھی اقرار یا انکار میں جواب سنے گا۔ اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ سوچنے کے لئے کچھ مہلت طلب کرے مگر شیخ الرئیس کے تیور دیکھ کر اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ شیخ الرئیس کی بات مان لے تو اسے گل وقوژ آسانی سے مل سکتی ہے دیگر صورت میں اسے گہری کھائی میں گرنا پڑے گا جہاں زندگی کی امید تو رکھی جاسکتی ہے مگر وہ کس نوعیت کی ہوگی، اس کے بارے میں کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ خلیفۃ المسلمین سے اسے کچھ واسطہ نہ تھا۔ احترام اپنی جگہ تھا مگر صورت حال کی پیچیدگی کا تقاضا تھا کہ وہ خلیفہ کو قتل کرنے کی مہم قبول کرلے۔ شیخ ابوراضیاء کے چہرے پر گہرا اشتیاق دکھائی دیا۔ وہ دل میں مسرور ہو رہا تھا کہ شیخ الرئیس کی یہ چال بے حد عمدہ تھی۔ اگر مطیع الدین خلیفہ کو قتل کرنے میں کامیاب ہو بھی جائے تو بھی اس کے دربار خلافت سے بچ نکلنے کی امید بے حد کم تھی اور گرفتار ہونے کی صورت میں وہ یقیناً قتل کے جرم میں مارا جاتا۔ بصورت دیگر اگر وہ قاہرہ سے صحیح سلامت نکلنے میں کامیاب ہو جاتا تو اس اہم کامیابی کے بعد وہ فادار فدائی ساتھی رستے میں ہی آسانی سے اس کا کام تمام کر سکتے تھے۔

''مجھے شیخ الرئیس کا یہ سودا منظور ہے مگر اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ کام ہونے کے بعد نہ صرف گل وقوژ مجھے مل جائے گی بلکہ مجھے ہلاک کرنے کی کوشش بھی نہیں کی جائے گی''۔ مطیع الدین کچھ دیر کی سوچ بچار کے بعد دھیمے انداز میں بولا۔

''مطیع الدین یہ اعتماد کا سودا ہے، جیسے گل وقوژ ہم پر اعتماد کرتی ہے ایسے ہی تمہیں بھی اعتماد کرنا پڑے گا۔ یہ یقین رکھو کہ ہم جو عہد کرتے ہیں، اس کی حفاظت مرتے دم تک کرتے ہیں''۔

''ٹھیک ہے، آپ میرے روانہ ہونے کا بندوبست کریں''۔ مطیع الدین نے مختصراً کہا۔

''تمہیں کل صبح روانہ کر دیا جائے گا مگر یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رکھنا کہ میں تم پر اعتماد کر رہا ہوں اگر تم نے فریب دینے کی کوشش کی تو ہم سے کسی قسم کی رعایت کی توقع مت رکھنا''۔ شیخ کبیر الدین نے اس پر واضح کیا۔ مطیع الدین کے چہرے پر گہری مسکراہٹ رینگنے لگی، جسے وہ دونوں کوئی نام نہ دے پائے۔ مطیع الدین کی یقین دہانی پر اسے قلعہ بانیاس کے مہمان خانے میں بھیج دیا گیا اور شیخ کبیر الدین اپنے وفادار ساتھی شیخ ابوراضیاء سے اہم امور پر بات چیت کرتا رہا۔

❁ ❁ ❁

سلطان بیبرس مسلمانوں کے اس دور انتشار میں جہاں سلطنت اسلامیہ کی سرحدوں کو مضبوط کرنے میں مصروف عمل تھا اور چاروں جانب بڑھ کر دشمنان اسلام کے دانت کھٹے کر رہا تھا وہیں وہ ایک علم دوست اور معارف نواز حکمران بھی تھا۔ علم و فن سے اس کی دلچسپی فطری تھی، سلطان الملک الصالح نجم الدین ایوب کی تربیت ایسی مستحکم اور اعلیٰ تھی کہ مملوک افواج کے افراد میدان جنگ میں عسکری مہارت کے ساتھ ساتھ علم و فن کے حصول میں کوشاں رہتے۔ سلطان بیبرس میں یہ خوبی بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ اس کی ایک وجہ شیخ الاسلام عزالدینؒ بن سلام دمشقی کا خاص قرب بھی تھا، جن کے سائے تلے سلطان بیبرس کا ایک طویل وقت گذرا تھا اور قاہرہ میں قیام کا ایک تہائی حصہ ان کے پاس گذارا جاتا تھا۔ اہل علم کی قدردانی اور سرپرستی سلطان بیبرس کا

فطری خاصہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بغداد کی تباہی کے بعد اس کی سلطنت میں علماء، فضلاء، فقہاء، صلحاء، فلاسفر، مجتہدین، مؤرخین، ادباء، حکماء واطباء اور دوسرے اہل فنون کا بے نظیر اجتماع ہوگیا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے دور کی یاد تازہ ہوگئی۔ اس سے پہلے سلطان نورالدین زنگیؒ اور ایوبی سلاطین مصر وشام میں سینکڑوں مدرسے قائم کر چکے تھے جن میں بیشتر سلطان بیبرس کے دور تک نہایت حسن وخوبی سے اپنے دامن سے بصیرت وعلم کے موتی بکھیر رہے تھے۔ سلطان بیبرس نے نہ صرف ان دینی مدارس کو قائم رکھا بلکہ ان میں بے شمار مدرسوں کا اضافہ کیا۔ تاتاریوں کی یورش سے جن مدرسوں کو نقصان پہنچا تھا، سلطان بیبرس نے ان کی ازسرِنو تعمیر یا مرمت کرائی اور انہیں پہلے سے بہتر صورت پر بحال کیا۔ ان مدارس کے لئے سلطان بیبرس نے لاکھوں دینار آمدنی کی جاگیریں وقف کیں اور اس کے امرا نے اس کارِخیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ غرضیکہ عہد بیبرس میں گلشن علم پر بہار تازہ آگئی اور تشنگانِ علم دور دور سے کھنچ کر مصر وشام آنے لگے۔

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے دور سے کچھ عرصہ پہلے تک تعلیم وتدریس کے لئے الگ عمارتیں وجود میں نہیں آئی تھیں۔ تعلیم وتعلم کے لئے مساجد کے صحن، خانقاہوں کے حجرے اور علماء کے مکانات مدارس یا مکاتب کا کام دیتے تھے۔ تاہم بغداد میں مدرسہ نظامیہ کے قیام کے بعد سے مدرسوں کے لئے الگ عمارتوں کا رواج پڑ گیا۔ مدرسہ نظامیہ کی بنیاد سلطان ملک شاہ سلجوقی کے نامور وزیر خواجہ نظام الملک طوسی نے 457ھ میں رکھی تھی جو کہ دو برس کی تعمیر کے بعد مکمل ہوا۔ اس مدرسے نے اتنی شہرت پائی کہ دربارِ خلافت نے اس کی مزید شاخیں بنانے کا اعلان کیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں اس مدرسے کی اہم شاخیں نیشاپور، اصفہان، موصل، جزیرہ، خوزستان، بصرہ، ہرات، بلخ اور طوس میں قائم ہوگئیں۔ یہ طریقۂ تعلیم اتنا عام ہوا کہ بعد میں آنے والے سلطانوں کے عہد میں کئی اہم شہروں میں مدرسوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ زیادہ تر یہی رواج تھا کہ مدرسہ کسی اہم یا مرکزی مسجد کے ساتھ ملحق بنایا جاتا تاکہ اساتذہ اور طلباء کے قیام کے لئے مساجد کے حجرے استعمال کئے جاسکتے۔ بعد میں الگ عمارتوں میں ہاسٹلز بنائے گئے۔ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ موجودہ زمانے کی سہولیات سے عاری ان یتیم پختہ مدرسوں نے ایسے ایسے اہل کمال پیدا کئے کہ دنیائے اسلام آج ان پر ناز کرتی ہے اور اہل یورپ ان کی تحقیق کے بل بوتے پر کہیں سے کہیں پہنچ چکے ہیں۔ سلطان بیبرس کے عہد میں قاہرہ، اسکندریہ، دمشق، حلب، حماۃ، حمص اور بعلبک میں سینکڑوں مدرسے تشنگانِ علم کو سیراب کر رہے تھے۔ ان مدرسوں میں قاہرہ کے مدرسہ صلاحیہ، شافعیہ، فخریہ، زین التجار، شیریفیہ، مشہد امام حسینؓ، صوفیہ، الازہر، دمشق کے مدرسہ نوریہ، عادلیہ، ابن عمر، جامع دمشق، رکنیہ، رواحیہ، مالکیہ، عصمیہ، حلب کے مدرسہ ابن شداد، شاد بخت اور بعلبک کے مدرسہ الفخریہ کو عالمگیری شہرت حاصل تھی۔ سلطان بیبرس نے قاہرہ میں حصول علم کی بھیڑ اور مدرسوں میں جگہ کی کمی دیکھتے ہوئے اپنے لقب کے ساتھ ایک نیا مدرسہ قائم کیا جس کا نام مدرسہ الظاہریہ رکھا گیا۔ اس میں جگہ کی قلت کی شکایت دور کی گئی اور طلباء واساتذہ کے لئے بے شمار سہولتیں مہیا کی گئیں۔ مدرسے کا کام 662ھ میں شروع کیا گیا جو کہ 664ھ میں مکمل ہوگیا۔ سلطان بیبرس نے اس کا افتتاح کیا اور اس میں علامہ تقی الدین بن رزینؒ کو فقہ شافعیہ کی تدریس کے لئے اور امام شرف الدین دمیاطیؒ کو علم حدیث کی تدریس کے لئے مقرر کیا۔ سلطان کی مملکت کے دوسرے مدارس میں بھی اس دور کے سربرآوردہ علماء وفقہاء تعلیم دیتے تھے اور حکومت کی طرف سے ان کے معقول مشاہرے مقرر تھے۔ طلبہ کی رہائش، خورونوش، لباس اور دوسری ضروریات کا خرچ بھی حکومت برداشت کرتی تھی جو لوگ ان درسگاہوں سے فارغ التحصیل ہوتے ان کو سرکاری ملازمتوں میں لے لیا جاتا تھا اور اگر وہ سرکاری ملازمت اختیار نہ کرنا چاہتے تو اپنی مرضی اور ذوق کے

مطابق کوئی پیشہ اختیار کر سکتے تھے۔ ان پیشوں میں درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ دورِ حاضر میں حصول علم کے ذرائع اور مقاصد یکسر بدل گئے ہیں لیکن اس زریں دور میں سلطنت اسلامیہ کے مسلمان تعلیم وتعلم اور درس وتدریس کو ایک مذہبی فریضہ اور کارِ خیر خیال کرتے تھے اور طلبہ کی امداد، علم کی اشاعت، کتب وسامان تدریس کے وقف، مدارس ومکاتب کی بناء وتاسیس اور علماء کی خدمت واعانت کو ایک مذہبی حکم اور برکت وفلاحِ دارین کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں نے بھی ترقی کی ہے جس کی بے شمار مثالیں عہد جدید میں بکھری پڑی ہیں۔ علم گاہیں تو بے شمار ہیں مگر علم گاہوں سے ملنے والے علم کی قدر وقیمت کیا ہے؟ اس بارے میں اندازہ لگانا مشکل کام نہیں۔

❀ ❀ ❀

مراغہ میں ہلاکو خان کی موت کا سوگ دس دن تک بھرپور انداز میں منایا گیا۔ اس کے بعد منگولوں کے عظیم جشن قرولتائی کا اہتمام کیا گیا۔ ہلاکو خان کے تمام رشتہ دار اور بیٹے اس تقریب قرولتائی میں شریک ہوئے۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ اس تقریب میں دوسرے منگول خاندانوں کو شمولیت کی دعوت نہیں دی گئی۔ ہلاکو خان کے انتخاب کے وقت منگولوں میں جو دراڑ پڑ گئی تھی وہ اس امر سے مزید مستحکم ہوگئی۔ چغتائی منگول اور اوغدائی منگول خاندان جو کہ نہایت طاقتور اور بااثر سمجھے جاتے تھے۔ انہیں بھی نظرانداز کر دیا گیا۔ تاریخ دانوں کا کہنا ہے کہ یہ ایسا موقعہ تھا جب منگولوں کا باہمی اتحاد ایک بار پھر قائم ہوسکتا تھا مگر ہلاکو خان کی خودغرض اولاد نے اپنی مطلب برآری کی غرض سے انہیں ساتھ ملانے کی معمولی سی کوشش بھی نہیں کی۔ یہ الگ بات تھی کہ اگر ایسا ظہور پذیر ہو جاتا تو منگول سلطنت کا سابقہ وقار نہ صرف دوبارہ دیکھنے کو ملتا بلکہ سلطنت اسلامیہ کے لئے ایک نئی مصیبت کھڑی ہو جاتی۔ تاتاریوں کا اُٹھنے والا سیل کس قدر تباہی پھیلاتا اس کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ تقریب قرولتائی میں مختلف بحث ومباحثوں کے بعد ہلاکو خان کے بیٹے اباقہ خان کو نیا قاآن اعظم منتخب کر لیا گیا اس نے اپنی حکومت کو مضبوط بنانے کی غرض سے اپنے باپ کی روش کو اپنایا اور تمام عیسائی دُنیا کو یہ یقین دہانی کرائی کہ وہ ان کا ہمدرد اور خدمت گذار ہے، وہ جلد ہی اسلامی سلطنت کی جانب بڑھے گا اور سقوطِ بغداد جیسی ایک نئی مثال قائم کرے گا۔ تقریب قرولتائی کے اختتام پر منگول امرا اس بحث میں پڑ گئے کہ اباقہ خان کی حکومت کو منتخب قرار دیا جائے یا اسے ملوکیت سے موسوم کیا جائے؟ اباقہ خان نے منگول امرا کو غیرضروری باتوں میں الجھنے سے روکا اور مختلف قسم کے اقدامات اُٹھائے تاکہ خراسان وعراق تک کی حکومت خوش اسلوبی سے متحرک رہ سکے اسی دوران شاہ قسطنطنیہ کی جانب سے ارسال کی گئی سفارت مراغہ پہنچی۔ یہ ہلاکو خان کی اس فرمائش کا جواب تھا جو کہ اس نے کچھ عرصہ شاہ قسطنطنیہ سے کی تھی۔ سفارت اتنی تاخیر سے مراغہ پہنچی کہ ہلاکو خان مر چکا تھا۔ اباقہ خان نے شاہ قسطنطنیہ کی بھیجی ہوئی بیٹی میری (مریم) سے شادی کی اور اسے اپنی نئی ملکہ منتخب کیا۔ اس شادی کے باعث اب بھرپور یقین ہوگیا کہ شاہ قسطنطنیہ اس کی معاونت سے کبھی انکار نہیں کر پائے گا اور اہل یورپ کی نگاہوں میں بھی وہ اہم مقام حاصل کر لے گا۔

سلطان برقائی خان کی جانب سے ایک مراسلہ اباقہ خان کو ملا، جس میں برقائی خان نے اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنے باپ کی روش سے گریز کرتے ہوئے امن وسلامتی کی زندگی کو ترجیح دے اور مسلمانوں کے ساتھ صلہ رحمی اور عمدہ سلوک روا رکھے اگر وہ ہلاکو خان کی طرح اسلامی شہروں کو پامال کرنے کی کوشش کرے گا تو اردوئے زریں کے تمام جانباز اس کی راہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوں گے۔ اباقہ خان نے نامہ سفارت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہوا میں اُڑا دیا، رسیفہ کی گردن اُڑانے کا حکم دیا۔ گویا یہ کھلی دشمنی کا اعلان تھا۔

برقائی خان کی طرف سے بڑھنے والا دوستی کا ہاتھ ٹھکرا دیا گیا۔ سلطان بیبرس کو نئے قاآن اعظم کی تقرری اور اس کے عزائم کی خبر ہوگئی۔ اس نے فی الوقت اس جانب کوئی توجہ نہیں دی کیونکہ اسے پورا یقین تھا کہ برقائی خان کی موجودگی میں اسے ایل خانی منگولوں کی زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

❀❀❀

1265ء کے آخر میں مغربی رومی کلیسا کے کیتھولک پوپ نے شاہ فرانس لوئی نہم کو درشت الفاظ میں مراسلہ بھیجا کہ اس کی تاخیر کے باعث اطالیہ ایک ملحد حکمران کے قبضے میں ہے، جہاں مسلمان تیزی سے بڑھ رہے ہیں اگر یہی سلسلہ جاری رہا تو تھوڑے ہی عرصے میں اطالیہ میں اسلامی ریاست کا وجود عمل میں آجائے گا۔ شاہ لوئی نہم جنگ کرنے کے بجائے ایک طویل عرصے سے محض جنگی تیاریوں میں مصروف ہے، ان عسکری تیاریوں کو کیا محض دکھاوے کا نام دیا جائے؟

پوپ کے استہزائیہ مراسلے نے شاہ لوئی نہم کو جوش دلا دیا۔ وہ خود کو عیسائیت کا سب سے بڑا خیر خواہ سمجھتا تھا اور اس نے دو بار کوشش کی کہ ارض مقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے چھڑا لیا جائے مگر وہاں سے ناکامی کی صورت میں وہ کسی قدر دلبرداشتہ ہوگیا تھا۔ اطالوی مسلمانوں کا نام سن کر اس کے سابقہ غصے کو ایک بار پھر ہوا مل گئی۔ اس نے شاہ روم کو ایک طویل مراسلہ تحریر کیا جس میں نہ صرف اس سے عسکری مدد اور رقم کا تقاضا کیا گیا تھا بلکہ یہ شرط بھی عائد کی تھی کہ فتح کی صورت میں اطالیہ میں اس کا اقتدار تسلیم کیا جائے۔ شاہ روم نے کچھ توقف کے بعد اس کا مطالبہ تسلیم کر لیا اور 1266ء کے آغاز میں ایک بڑا لشکر اس کے حوالے کیا۔ شاہ فرانس لوئی نہم اس جرار لشکر کے ساتھ اطالیہ کی جانب بڑھا۔ شاہ منفرید کو شاہ لوئی نہم کی آمد کی خبر ملی تو وہ اپنی تمام عسکری قوت مجتمع کر کے اطالیہ کی سرحدوں پر چلا آیا۔ اس کے پرچم تلے جرمن افواج بھی موجود تھیں۔ دونوں حریفوں کے درمیان ایک زبردست معرکہ برپا ہوا جو کئی دن تک جاری رہا۔ شاہ لوئی نہم نے چالاکی سے شاہ منفرید کے اہم امرا کو اپنے ساتھ ملا لیا جنہوں نے غداری کرتے ہوئے شاہ منفرید کو گرفتار کرا دیا۔ اس کی گرفتاری پر لشکر ہمت چھوڑ گئے اور فتح شاہ لوئی نہم کے حصے میں آئی۔ اطالوی لشکر کو بری طرح پامال کیا گیا اور شاہ منفرید کا سر قلم کر دیا گیا۔ شاہ لوئی نہم نے اطالیہ میں داخل ہوتے ہی تمام اسلامی آبادیوں کو بالخصوص نشانہ بنایا۔ بے شمار مسلمانوں کو قتل کیا گیا اور بڑی تعداد کو سمندر میں ڈبو دیا گیا۔ شاہ لوئی نہم کی اسلام دشمنی اندلسی عیسائیوں کے لیے کسی قدر کم نہ تھی۔ مسلمانوں سے فارغ ہو کر شاہ لوئی نہم نے اپنے بھائی اسٹیفین کو چارلس اوّل کا لقب دے کر اطالیہ کے تخت پر بٹھایا اور واپس فرانس لوٹ گیا۔ شاہ روم نے شاہ منفرید کی اطالوی حکومت کے خاتمے پر بڑی خوشی کا اظہار کیا۔

سلطان بیبرس کو جب شاہ منفرید کی شکست کی خبر ملی تو وہ بے حد افسردہ ہوا۔ اس نے اپنے تئیں پوری کوشش کی تھی کہ وہ بحری بیڑے تیار کروا کر مسلمانوں کے اس محسن و ہمدرد کی مدد کے لئے مملوک افواج روانہ کرے مگر حالات کی کروٹ نے ایسا نہ ہونے دیا۔ صلیبی شریروں کے باعث دمیاط کے دارالصناعۃ میں ہونے والا کام کھٹائی میں پڑ گیا تھا۔ سلطان بیبرس نے اسے مشیت ایزدی خیال کرتے ہوئے اپنی سلطنت کے انتظام کی جانب توجہ مبذول کر دی۔

❀❀❀

سلطان بیبرس اسلامی سلطنت کے تعمیراتی امور سے فارغ ہوا تو اسے ایک بار پھر سرحدوں سے شکایات ملنا شروع ہوگئیں کہ صلیبی سردار کا خوف زائل ہو چکا ہے اور وہ سلطان بیبرس کے سابقہ ضربوں کی اثر

سے باہر نکل گئے ہیں۔ انہوں نے نہ صرف دوبارہ مسلمان قافلوں کو اپنا نشانہ بنانا شروع کر دیا ہے بلکہ وہ موقع پا کر اسلامی شہروں کو بھی نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سلطان بیبرس ان کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اسے یہ اطلاع ملی کہ انطاکیہ کی سرحد کے قریبی شہر کے مدرسے کو نشانہ بنایا گیا ہے اور طلباء کی کثیر تعداد کو تہ تیغ کر دیا گیا ہے۔ سلطان بیبرس جیسا علم دوست حکمران یہ سن کر تڑپ اُٹھا۔ اس نے فوری طور پر مملوک لشکریوں کو تیاری کا حکم دیا تاکہ صلیبی شریروں کی گوشمالی کی جا سکے۔ سلطان بیبرس کی تیاری کی خبر سن کر صلیبی محتاط ہو گئے اور تیزی سے اپنے اپنے قلعوں میں سامان رسد جمع کرنے لگے۔ سلطان بیبرس کا نزلہ کس پر گرے گا اس کی تو کسی کو کچھ خبر نہیں تھی۔ سلطان بیبرس 665ھ بمطابق 1266ء میں اپنے لشکروں سمیت قاہرہ سے نکلا اور شمال مشرق کی جانب بڑھتا چلا گیا۔ اسلامی لشکر کی روانگی کی اطلاع پاتے ہی صلیبی جنگجوؤں نے حفاظتی انتظامات میں تیزی پیدا کر دی۔ سلطان بیبرس حسب عادت مخالف سمت میں بڑھتا چلا گیا اور صلیبی قلعوں سے دور نکل گیا۔ یہ اطلاع پا کر صلیبی جنگجو حیران رہ گئے کہ سلطان بیبرس ان کی جانب بڑھنے کے بجائے دوسری جانب کیوں نکل گیا ہے؟ انہیں کسی حد تک یقین تھا کہ سلطان بیبرس چکر کاٹ کر انہی کی جانب بڑھے گا مگر جب کئی دن بیت گئے اور سلطان بیبرس کی کچھ خبر نہ مل پائی تو انہیں یہ یقین ہونے لگا کہ سلطان بیبرس کسی دوسرے مقام پر صف آرا ہے۔ تمام صلیبی قلعے ایک دوسرے کے ساتھ رابطے میں تھے تاکہ بوقت ضرورت انہیں ایک دوسرے کی معاونت حاصل ہو سکے۔ سلطان بیبرس سترہ دن بعد اچانک صلیبی قلعوں کے قریب نمودار ہوا اور اس نے تیزی سے بڑھ کر صفد کے مشہور قلعے کا کچھ اس انداز سے محاصرہ کر لیا کہ وہ دوسروں تک خبر پہنچانے کے قابل نہ رہے۔ صفد کا قلعہ نہایت بلند اور مضبوط انداز میں تعمیر کیا گیا تھا۔ صلیبی سرداروں نے سلطان بیبرس کے متوقع حملے کے پیش نظر اس کے گرد عمیق خندقیں کھود رکھی تھیں۔ خندقوں کے باعث اسلامی لشکر قلعہ کے قریب نہیں پہنچ پایا۔ صفد کا قلعہ خاص ہیکلی جنگجوؤں کی آماجگاہ تھا جو کہ عرف عام میں ٹمپلرز کہلاتے تھے۔ یہ وہ گروہ تھا جو کہ یروشلم میں ہیکل سلیمانی کے بالکل قریب رہتے تھے، اسی نسبت سے انہیں ہیکلی کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ آغاز میں اس گروہ کا مقصد خدمت خلق تھا جو کہ زائرین کی آسانی کے لئے مصروف رہتے تھے مگر مسلمانوں سے جنگوں کے باعث یہ گروہ عسکری تربیت حاصل کرنے لگا اور وہ ایک جنگجو فرقہ کی صورت میں ابھرا۔ یہ لوگ کٹر مذہبی اور تعصب پسند تھے جنہیں مسلمانوں کے وجود سے سخت نفرت تھی۔ ان کی سفاکی کی داستانیں تاریخ کے اوراق پر بکھری ہوئی ہیں۔ مسلم دشمنی میں اس گروہ سے زیادہ بربریت کا مظاہرہ کسی دوسرے گروہ نے نہیں کیا۔ سلطان بیبرس کو ان کے بارے میں مکمل معلومات حاصل تھیں۔ اسی لئے اس بار صفد کے اس اہم قلعے کو منتخب کیا گیا تھا۔ اسلامی لشکر قلعہ صفد کے گرد مضبوط محاصرہ ڈال کر بیٹھ گیا۔ سلطان بیبرس نے سب سے پہلے مجاہدین کو یہ ذمہ داری دی کہ وہ کسی بھی طریقے سے خندقیں پُر کریں تاکہ قلعہ کی فصیل تک پہنچنے کا راستہ ہموار ہو سکے۔ مجاہدین کی دن رات کی محنت سے خندق کا ایک بڑا حصہ صرف بارہ روز میں پُر کر دیا گیا۔ صلیبی جنگجوؤں نے فصیل پر رہتے ہوئے مختلف حربوں سے اسلامی لشکر کو باز رکھنا چاہا مگر انہیں کامیابی نہ ہو سکی کیونکہ سلطان بیبرس نے مہارت یافتہ تیز اندازوں کا ایک بڑا دستہ ان کے مقابلے میں تعینات کر دیا تھا جو کہ پورا نشانہ باندھ کر ایسے تیر چلاتے کہ وہ خطا نہ جاتا۔ خندق کی بھرائی کی تکمیل کے بعد سلطان بیبرس نے افواج کو حکم دیا کہ وہ آگے بڑھ کر قلعہ کی فصیل میں شگاف ڈالیں۔ صلیبی سپاہیوں کے لئے یہ بڑا نازک مرحلہ تھا کیونکہ قلعہ میں شگاف کی صورت میں انہیں عام لڑائی کرنا پڑتی اور قلعہ کے اندر رہتے ہوئے وہ عمدگی سے جنگ نہ کر پاتے لہٰذا صلیبی جنگجوؤں نے مختلف ٹولیوں کی صورت میں اسلامی لشکر پر ہلہ بولنا شروع کر دیا۔ یہ سلسلہ زیادہ مؤثر ثابت

نہ ہو سکا کیونکہ اسلامی لشکر کی تعداد زیادہ تھی اور صلیبی سپاہیوں کے جوشیلے انداز کا فائدہ اُٹھا کر انہیں آسانی سے گھیر لیا جاتا اور موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔ اکیسویں روز اسلامی لشکر قلعہ کی فصیل میں شگاف ڈالنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس شگاف کے پڑتے ہی مسلمانوں نے تابڑ توڑ حملوں کا ایسا سلسلہ شروع کیا کہ صلیبی جنگجو عاجز آ گئے اور انہوں نے ہتھیار ڈالنے کا اعلان کر دیا۔ سلطان بیبرس نے قلعہ صفد میں داخل ہو کر عام شہریوں کو تو معافی دے دی مگر دو ہزار کے قریب ہیکلی جنگجوؤں کو گرفتار کر لیا اور فوری طور پر انہیں ہلاک کرنے کا حکم دیا۔ یوں صلیبی جنگجوؤں کا ایک اور اہم مرکز ان کے ہاتھوں سے نکل کر اسلامی لشکر کے قبضے میں آ گیا۔ حسب روایت قلعہ کی فصیل مسمار کر دی گئی اور تمام ایسے مرکز ڈھا دیئے گئے جہاں صلیبی جمع ہو کر عسکری قوت تعمیر کر سکتے تھے۔ سلطان بیبرس نے قلعہ کی نصرانی رعیت کو کھلے لفظوں میں تنبیہ کی کہ اگر وہ امن و امان سے زندگی بسر کریں تو بلادِ اسلامیہ کی حکومت ان کے حقوق کی پوری طرح نگہبانی کرے گی اور تمام سہولتیں بہم پہنچائے گی جو کہ دوسرے شہروں کو حاصل ہیں بصورت دیگر ان کی سرکشانہ روش انہیں دربدری میں مبتلا کر دے گی۔ اگلی بار سلطان بیبرس کو اس جانب آنا پڑا تو نہ تو یہ قلعہ باقی رہے گا اور نہ ہی اس میں بسنے والے۔ سلطان بیبرس کے لہجے میں ایسی سختی اور درشتی تھی کہ قلعہ صفد کی نصرانی رعیت سہم کر رہ گئی۔ سلطان بیبرس نے صفد کے قلعے سے فارغ ہو کر کوچ کیا اور دریائے اُردن کے کنارے پر جا پہنچا۔ اچانک کسی خیال کے باعث اس نے مملوک لشکر کے عمدہ معماروں کو حکم دیا کہ وہ اس جگہ ایک پُل تیار کریں جو کہ دونوں جانب سفر کرنے کو آسان بنائے۔ مملوک معمار حکم سلطانی کے مطابق اس نئے پُل کی تعمیر میں مصروف ہو گئے، جس کا نام جسر الدامیہ منتخب کیا گیا تھا۔

صفد کے قلعے کی خبر جب دوسرے صلیبی قلعوں تک پہنچی تو وہ محض سٹپٹا کر رہ گئے۔ سلطان بیبرس ایک بار پھر انہیں کاری ضرب لگانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ صلیبی سلطان بیبرس کی جانب سے موصول ہونے والی قسطوں کی اذیت میں مبتلا ہو چکے تھے۔ وہ ہر وقت اسی احساس میں غلطاں رہنے لگے کہ جانے کس وقت اور کس جانب سے اچانک اسلامی لشکر نعرہ تکبیر لگاتا ہوا نمودار ہو اور ان کا محاصرہ کر لے؟

❀ ❀ ❀

گل وقوژ متحیر انداز میں قلعہ بانیاس میں داخل ہوئی۔ اسے کچھ ہی دیر پہلے شیخ الرئیس کبیر الدین کی جانب سے یہ پیغام ملا تھا کہ وہ فوری طور پر اس کے پاس پہنچے۔ وہ ان دنوں قلعہ میصاف مقیم تھی۔ قلعہ میصاف زیادہ دور تو نہیں تھا مگر پتھریلے راستوں پر سفر خاصا دشوار تھا۔ گل وقوژ نے حماۃ سے واپس لوٹ کر قلعہ بانیاس میں قدم رکھے ہی تھے کہ اچانک اسے فوری طور پر قلعہ میصاف کر روانہ ہو جانے کا حکم ملا۔ وہ کچھ نہ سمجھ پائی اور خاموشی سے قلعہ میصاف روانہ ہو گئی۔ وہیں اس سے شیخ ابوراضیاء نے آ کر طویل ملاقات کی اور حماۃ کی مہم کے بارے میں استفسار کیا۔ گل وقوژ نے تمام حالات اس کے گوش گزار کر دیئے۔ شیخ ابوراضیاء تمام واقعات کے ساتھ واپس لوٹ گیا تھا۔ تین دن کے بعد ہی اسے اچانک قلعہ بانیاس میں پہنچنے کی ہدایت ملی تو وہ حیران رہ گئی کہ ایسی کیا وجہ ہے کہ اسے پہلے فوری طور پر قلعہ میصاف روانہ کیا گیا اور اب قلعہ بانیاس میں طلب کیا جا رہا ہے وہ جب قلعہ بانیاس میں پہنچی تو شیخ الرئیس کو خبر کر دی گئی۔ شیخ کبیر الدین نے جلد ہی اسے اپنے خاص کمرے میں ملاقات کے لئے طلب کر لیا۔ وہ خاص غلام کے ہمراہ وہاں پہنچی تو اس نے شیخ کبیر الدین کو ایک دیوار کے پاس کھڑے پایا جہاں ایک بڑا سا نقشہ آویزاں تھا۔ یہ نقشہ قہستان کی اس عظیم الشان سلطنت کا تھا جو کہ ماضی قریب میں بربادی کا شکار ہو چکی تھی۔

قدموں کی آہٹ پا کر شیخ کبیر الدین مڑا۔ اس نے گل وقوژ کی صورت دیکھی تو اس کے چہرے پر دھیمی

سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے گل وقوژ کو ایک جانب کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ گل وقوژ خاموشی سے بیٹھ گئی۔

''تم یقیناً حیران ہو رہی ہو گی کہ آخر اس بے وقت طلبی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟''

''شیخ الرئیس کا اندازہ غلط نہیں ہے''۔ گل وقوژ مختصراً بولی، اس کا چہرہ ہر طرح کے تاثر سے پاک، بالکل سپاٹ دکھائی دے رہا تھا۔

''مجھے بے حد خوشی ہے کہ تم نے ہمارے ساتھ کئے عہد میں پوری دیانت داری کا مظاہرہ کیا ہے اور حماۃ میں جو کچھ بھی ہوا اسے فراموش کر کے حقیقی گھر میں لوٹ آئی ہو، تمہارے پاس اس سے عمدہ موقع اور کوئی نہیں تھا کہ تم حماۃ سے کسی بھی طرف بآسانی فرار ہو جاتیں کیونکہ اس وقت تمہارے گرد ہمارے لوگوں کا حصار موجود نہیں تھا بلکہ ہم لوگوں میں سے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تم قید خانے کی حدود سے باہر نکل چکی ہو''۔ شیخ کبیر الدین کے لہجے میں بے حد اپنائیت تھی۔

''شیخ الرئیس! مجھے کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں، اس کا فیصلہ میں بہت پہلے کر چکی ہوں، میں اب مزید گھٹ گھٹ کر جینے کی خواہش نہیں رکھتی۔ جاودانی آسمان کی طاقتوں نے مجھ میں کچھ اہم قوتیں بیدار کر دی ہیں اور میں انہیں ضائع نہیں کرنا چاہتی''۔ گل وقوژ کا لہجہ بے حد خشک تھا۔

''ہمیں تمہارے اس فیصلے پر بے حد خوشی ہے کہ تم اپنے طاقتور جاودانی آسمان کی قوتوں کے بہاؤ کا رُخ ہماری مدد میں موڑنا چاہتی ہو''۔ شیخ کبیر الدین نے تعریفی انداز میں کہا۔

''شیخ الرئیس!'' گل وقوژ کے چہرے پر تمسخر پھیل گیا۔ ''ان قوتوں کی ایک قیمت مقرر ہے، کوئی بھی انہیں بلا قیمت حاصل کرنے کی توقع نہ ہی رکھے تو زیادہ بہتر ہو گا''۔

شیخ کبیر الدین چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگا۔ اسے شاید اس قسم کی جارحیت کی توقع نہیں تھی، اس کے چہرے پر شکنیں گہری ہوئیں اور پھر چہرہ معتدل دکھائی دینے لگا۔ گل وقوژ یوں بے پروا بیٹھی رہی جیسے شیخ الرئیس کی ناگواری اس کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی۔

''یہ مت بھولو کہ تم حماۃ سے ناکام واپس لوٹی ہو''۔ شیخ الرئیس کا لہجہ کسی قدر بگڑ گیا۔

''میری اس ناکامی کی وجہ آپ کے ساتھیوں کی غلط منصوبہ بندی اور طوالت تھی، اگر وہ ایسا نہ کرتے تو میں یقیناً پہلی بار میں ہی کامیاب ہو چکی ہوتی''۔ گل وقوژ نے منہ بنا کر جواب دیا۔

''میں کسی ناگوار بحث میں نہیں پڑنا چاہتا...... تم صرف میرے لئے کام کرو، بس یہی میری ضرورت ہے، تمہیں جو کچھ بھی چاہئے ہو گا وہ تمہیں بلا تاخیر ملتا رہے گا''۔ شیخ الرئیس نے بات کا رُخ بدلنے کی کوشش کی۔ گل وقوژ کے چہرے پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ مستفسرانہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگی شیخ کبیر الدین بخوبی سمجھ گیا کہ وہ اس کی بات سے متفق ہو چکی ہے اور اب اپنی آمد کی وجہ جاننا چاہتی ہے۔

''گل وقوژ!'' شیخ کبیر الدین نے لمبی سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''مجھے بخوبی یاد ہے کہ میں نے قلعہ الموت میں تم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے میں تمہاری ذاتی زندگی میں کبھی دخل اندازی نہیں کروں گا، اور میں نے کبھی ایسا نہیں کیا مگر آج ایک ایسی کڑی ضرورت آن پڑی ہے کہ مجھے ایسا کرنا پڑ رہا ہے...... کیا تم اس ضمن میں مجھ سے تعاون کرو گی؟''

''میں کچھ سمجھی نہیں......؟'' گل وقوژ کے چہرے پر تعجب دکھائی دیا۔

''تمہاری گذشتہ زندگی میں کچھ نام موجود تھے جو کہ مسلسل تمہارے تعاقب میں رہے ہیں، جن میں سے ایک نام شنگ خان کا بھی تھا جسے تم نے حماۃ میں اپنی زندگی کی فہرست میں سے ہمیشہ کے لئے خارج کر دیا

ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ میں شنگ خان جیسے بہادر شخص کی موت کا خواہش مند نہیں تھا مگر جو بھی ہوا، مجھے اس کا افسوس نہیں''۔

''مجھے سابقہ زندگی کے کسی نام سے کوئی غرض نہیں ہے''۔ گل وتوژ خشک لہجے میں بولی۔

''تمہیں غرض نہ سہی مگر مجھے تو ہے..... اپنے لئے نہ سہی مگر میرے لئے تو تم یہ کام کر سکتی ہو''۔ شیخ الرئیس کو اس کے بے حد خشک اور بے مروت انداز پر خاصی حیرت ہو رہی تھی۔

''وہ کون ہے؟'' گل وتوژ نے دریافت کیا۔

''مطیع الدین!'' شیخ الرئیس دھیمے لہجے میں بولا۔ اس کی نگاہیں اس کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں، گل وتوژ یہ نام سن کر چونک پڑی۔ اس کے چہرے پر ہلکا سا لرزہ طاری ہوا مگر چند ہی لمحوں بعد اس کا چہرہ پُرسکون ہو گیا۔ گل وتوژ کی یہ کیفیت شیخ کبیر الدین کے لئے بالکل نئی تھی۔ وہ کچھ دیر تک عجیب نظروں سے اس کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا۔

''مجھے کیا کرنا ہوگا؟'' گل وتوژ نے مختصراً پوچھا۔

''تمہیں میری بات خاموشی سے سننا ہوگی''۔ شیخ کبیر الدین نے کسی خدشے کے تحت اسے تنبیہ کی۔

''مطیع الدین اردوئے زریں کے سلطان اور ہمارے محسن برقائی خان کی جانب سے قلعہ الموت میں آیا تھا، میں اس وقت بالکل نہیں جانتا تھا کہ اس کی آمد کا کوئی دوسرا سبب بھی ہو سکتا ہے مگر جب شنگ خان نے مجھے اس کے بارے میں بتایا تو میں سمجھ گیا کہ تمہاری نگاہوں میں اس کی کیا اہمیت ہے؟ تم ان دنوں شام روانہ ہو چکی تھیں، اس لئے مجھے کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ قلعہ الموت پر ہلاکو خان کی یلغار کے وقت مطیع الدین نے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ہمیں وہاں سے نکلنے میں مدد دی اور پھر وہ وہاں سے واپس لوٹ گیا مگر پھر اچانک وہ یہاں چلا آیا اور اس نے ہم سے کھلے الفاظ میں تمہیں آزاد کرنے کا مطالبہ کیا۔ تم ان دنوں حماۃ میں قید تھیں۔ میں نے اسے سابقہ احسان کے باعث ہلاک نہیں کیا اور زنداں میں ڈال دیا۔ اسی دوران اس نے ہمیں پیغام بھیجا کہ وہ ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ اسے جب بلوایا گیا اور دریافت کیا گیا تو اس نے ہماری حمایت کی اور یہ یقین دلایا کہ وہ قبستان کے قیام کے لئے ہر ممکن طریقے سے ہماری مدد کرے گا اور اس مدد کے عوض گل وتوژ اس کی ملکیت ہوگی۔ ہم نے اس کا امتحان لینے کے لئے ایک انتہائی اہم مہم کا بوجھ اس کے کندھوں پر ڈال دیا تاکہ وہ حقیقی معنوں میں یہ ثابت کر سکے کہ وہ ہماری مدد کرنے کے لائق ہے''۔

''اس تمام بات کا مجھ سے کیا واسطہ ہے؟'' گل وتوژ خاموش نہ رہ سکی۔

''میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ تمہیں میری بات ختم ہونے کا انتظار کرنا ہوگا مگر تم پھر بھی بیچ میں بول پڑیں بہرکیف میں نے اسے یقین دہانی کرا دی تھی کہ میں اسے گل وتوژ دے دوں گا مگر آخری فیصلہ گل وتوژ کرے گی۔ آج مطیع الدین کی روانگی کا دن تھا اور اس نے روانہ ہونے سے پہلے یہ شرط عائد کی ہے کہ وہ روانہ ہونے سے پہلے ایک بار تمہیں ملنا چاہتا ہے۔ اسی لئے تمہیں یہاں بلایا گیا ہے کہ کیا تم اس سے ملاقات کرنا پسند کرو گی یا نہیں.....؟ یہ یاد رکھنا کہ میں اس سلسلے میں تمہاری خواہش کا پورا احترام کروں گا''۔ شیخ الرئیس نے اپنی بات مکمل کی تو گل وتوژ دھیمے انداز میں مسکرانے لگی۔

❁❁❁

سلطان بیبرس دریائے اردن پر جسر الدامیہ نامی پل کی تعمیر پر کئی ہفتے تک خود نگرانی کرتا رہا قریباً تمام مملوک لشکر اس نئے پل کی تعمیر میں تن دہی سے مصروف تھا۔ کسی کو بھی مطلق خبر نہیں تھی کہ اس پل کی تعمیر کے پیچھے

سلطان بیبرس کا کیا مقصد پوشیدہ ہے؟ ہر کوئی اپنی اپنی رائے زنی کرتا رہا کہ ایک دن سلطان بیبرس نے اچانک مملوک لشکر کے ایک بڑے حصے کو قابل و ہونہار سالار امیر امر الدین آقسنقر کی قیادت میں واپس قاہرہ روانہ ہونے کا حکم دیا۔ سپاہی یہ عجیب حکم سن کر دنگ رہ گئے کیونکہ وہ یہ گمان کئے ہوئے تھے کہ پل کی تعمیر کے فوراً بعد انہیں اگلے معرکے سے نبرد آزمائی کرنا ہوگی مگر سلطان بیبرس کی حکمت عملی کچھ اور ہی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ صلیبی سردار بھی ورطۂ حیرت میں مبتلا تھے کہ سلطان بیبرس لشکر کشی کا سلسلہ چھوڑ کر کس کام میں مشغول ہو گیا ہے؟ ان میں کچھ سرداروں نے شجاعت اور جانبازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو اس امر پر ابھارا کہ انہیں پوری تیاری کے ساتھ اچانک غافل سلطانی لشکر پر حملہ کر دینا چاہئے مگر صلیبی سردار اس بات کو عملی صورت دینے میں ناکام رہے۔ کچھ صلیبی سردار تو رعب و خوف کے بوجھ تلے آ چکے تھے اور کچھ اپنی برتری ثابت کرنے کے درپے تھے یہی وجہ تھی کہ عدم اتفاق کے باعث وہ محض سوچتے ہی رہ گئے۔ سلطان بیبرس نے لشکروں کی روانگی کے بعد مزید دو دن تک وہاں قیام کیا اور پل کی تعمیر میں احکامات و ہدایات جاری کیں۔ دو دن بعد اس نے مملوک امیر مغیر الدین شرقہ کو موجود تمام افراد پر ناظم مقرر کیا اور پل کی تکمیل کے بعد اسے تمام ساتھیوں کے ساتھ واپس قاہرہ لوٹنے کی ہدایت کی۔ ان امور سے فارغ ہو کر وہ خود تن تنہا دمشق کی طرف روانہ ہو گیا۔ دمشق میں چند دن تک رہ کر اس نے بلادِ شام کے انتظامات کا جائزہ لیا اور وہاں امیر قلاوون الفی کو ہدایات دیں اور بلادِ عراق کی جانب نکل گیا۔ اس جانب آنے کا مقصد محض تاتاریوں کے انتظامات کا جائزہ لینا تھا۔ وہ ہلاکو خان کی موت کے بعد یہ جاننا چاہتا تھا کہ اب تاتاریوں کے کیا ارادے ہیں اور وہ کس قدر مضبوط ہیں؟ بلادِ عراق کا یہ دورہ انتہائی خفیہ تھا کہ تاتاریوں کو بھنک بھی نہ پڑ سکی کہ سلطان بیبرس ان کے درمیان آزادی سے گھوم پھر رہا ہے۔ تاتاری امرا اور سلطانی نظام کو عیش و عشرت میں مبتلا دیکھ کر سلطان بیبرس کو تسلی ہوئی کہ ان کی جانب سے فوری طور پر کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اس نے بلادِ عراق سے واپسی اختیار کی اور سیدھا عرب میں داخل ہو گیا۔

ذی الحجہ 667ھ میں وہ اچانک ارضِ حجاز میں نمودار ہوا۔ اس کی کوشش تھی کہ کوئی اسے پہچان نہ پائے اور خاموشی سے امرا و والئی مکہ کی کارکردگی کا جائزہ لے سکے مگر اتفاق سے اسے مکہ کے ایک امیر نے پہچان لیا اور والئی مکہ کو خبر دی۔ والئی مکہ سلطان بیبرس کی آمد کی خبر پا کر اس کے پاس چلا آیا۔ اس نے قصر امارت میں ٹھہرنے کی پیش کش کی تو سلطان بیبرس نے بتایا کہ اس کا ارادہ یہ نہیں ہے کہ وہ قصر امارت میں ٹھہرے بلکہ وہ تو فریضہ حج کے لئے وہاں پہنچا ہے اور خواہش رکھتا ہے کہ ایک عام مسلمان کی طرح حج ادا کرے اور قاہرہ لوٹ جائے۔ والئی مکہ نے سلطان بیبرس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنا اصرار جاری رکھا تو سلطان بیبرس قصر امارت چلا آیا۔ حج پر اس نے احرام باندھا اور ایک عام مسلمان کی مانند مناسک حج ادا کئے۔ میدان عرفات سے وہ بیت اللہ آیا اور اس نے اپنے ہاتھوں سے خانہ کعبہ کو عرق گلاب سے غسل دیا اور اس پر دیبا کا غلاف چڑھایا۔ اس موقعے پر اس نے مسلمانوں سے خطاب کیا اور انہیں شعائر مذہبی کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ ان کے جذبات کو جہاد کے لئے ابھارا۔ تاتاریوں اور صلیبی جنگجوؤں کے خطروں کو بیان کرتے ہوئے اس نے زور دیا کہ تمام مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ کندھا ملا کر آگے بڑھیں، انشاء اللہ تعالیٰ دشمن ملیامیٹ ہو کر رہ جائے گا۔

سلطان بیبرس مکہ سے نکل کر مدینہ طیبہ پہنچا اور روضہ رسولؐ پر حاضری دی۔ مسجد نبوی میں وہ پورا دن بیٹھا عبادت میں مصروف رہا۔ شام کے بعد مسجد کے متولی نے اس کی توجہ ایک اہم کام کی جانب دلائی۔ کچھ

سال قبل مسجد نبوی میں کسی باعث آگ لگ گئی تھی اور ایک بڑا حصہ جل کر گر پڑا۔ اس اندوہ ناک خبر نے تمام عالم اسلام کو مغموم کیا تھا۔ بغداد کے آخری خلیفہ مستعصم باللہ نے فوری طور پر اس جانب توجہ دی اور اعلیٰ مہارت یافتہ معماروں کو معین کیا کہ وہ مسجد نبوی کے گرے ہوئے حصے کی مرمت کریں، لیکن ہلاکو خان کی وجہ سے سقوط بغداد کے بعد یہ کام نامکمل رہ گیا اور معمار بغداد کی تباہی کے غم میں مغموم واپس لوٹ گئے۔ یہ گرا ہوا حصہ اس دن سے اسی طرح پڑا تھا۔ سلطان بیبرس نے اس حصے کا جائزہ لیا تو اسے بے حد دکھ ہوا۔ اس نے فوری طور پر اس کی تعمیر کا حکم دیا اور قاہرہ کی حکومت کو اعلیٰ معمار اور اخراجات کی رقم روانہ کرنے کا حکم دیا۔

تیسرے دن سلطان بیبرس مسجد نبویؐ میں ہی تھا کہ اس کے مشاہدے میں ایک اور بات آئی جس سے اسے بے حد اذیت پہنچی کہ مسلمانان اسلام روضہ نبویؐ کا صحیح معنوں میں احترام نہیں کرتے اور بلا تکلف قبر مبارک کے بالکل قریب پہنچ جاتے ہیں اور قبر مبارک کو حصار میں لئے کھڑے رہتے ہیں۔ اس میں کسی قدر سوئے ادب پایا جاتا تھا یہ فعل جہاں غیر شائستہ اور عدم احترامیت کا باعث تھا وہیں اس سے کئی سنگین خدشات بھی پیدا ہوتے تھے۔ گویا روضہ مبارک تک ہر خاص و عام کی رسائی تھی جس سے دشمنان اسلام کی جانب سے قبر انور کو نقصان پہنچنے کا احتمال بھی تھا۔ نور الدین زنگی کے دور میں بھی یہودی قبر انور کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر چکے تھے۔ دوسرا سلطان بیبرس کے دل میں اس حدیث مبارکہ نے بھی تڑپ پیدا کر دی جس میں نبی کریم نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تھی کہ کہیں میری قبر ''بت'' نہ بن جائے۔ سلطان بیبرس نے فوری طور پر روضہ اقدس میں محافظ تعینات کئے جو کہ لوگوں کو روضہ اقدس میں داخل ہونے سے روکتے۔ اس کے فوری بعد اس نے علماء و مشائخ سے فتویٰ حاصل کیا اور قبر انور کے گرد لوہے کا مضبوط مجرہ (کٹہرہ) تعمیر کرایا جو کہ آج تک ویسے کا ویسا ہی موجود ہے۔ اس طرح قبر انور نہ صرف محفوظ ہو گئی بلکہ عدم احترامیت کے خدشے کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ مسلمانوں کے ایک گروہ نے سلطان بیبرس کے اس اقدام کی مخالفت کی کہ اس نے مسلمانوں کے دینی و حب نبویؐ جذبات کو کچلنے کی کوشش کی ہے مگر یہ خیال بہت جلد ہی دم توڑ گیا۔ مسجد نبوی کی تعمیر و مرمت اور روضہ اقدس کی اہم حفاظت کی سعادت سلطان بیبرس کے حصے آئی۔ سلطان بیبرس ارضِ حجاز میں کچھ دن مزید ٹھہرا اور دیگر انتظامات کی بہتری کے اقدامات کئے جن میں حجاج کے لئے پانی کے کنویں اور سراؤں کی تعمیر بھی شامل تھی۔

سلطان بیبرس ارضِ حجاز سے سیدھا قاہرہ واپس لوٹا جہاں مملوک لشکر اس کے اگلے حکم کے لئے پوری طرح تیار تھا۔ سلطان بیبرس نے قاہرہ پہنچتے ہی عسکری تیاریوں کا جائزہ لیا اور دربارِ خلافت کی اجازت سے یہ حکم جاری کرایا کہ خانہ کعبہ کے تیار کئے جانے والے محمل شریف کو مکہ روانہ کرنے سے پہلے قاہرہ کے تمام حصوں میں گھمایا پھرایا جائے اور اس کے آگے مملوک مہارت یافتہ افراد کے اکھاڑوں کا انعقاد کیا جائے۔ یہ سپاہی اپنی عسکری مہارت کا بھرپور مظاہرہ کریں اور عام لوگوں کو شمشیر زنی اور نیزہ بازی کی مبارزت کی دعوت دیں۔ یہ طریقہ کار قاہرہ سے لے کر مکہ تک راستے میں آنے والے تمام بڑے شہروں میں اختیار کیا جائے تاکہ لوگ جہاں تماشہ دیکھنے کے لئے جمع ہوں تو ان میں بھی اگلی بار مقابلوں میں حصہ لینے کا جوش پیدا ہو سکے۔ مملوک سپاہیوں سے جیتنے والے افراد کو باقاعدہ انعامات دینے کا بھی اعلان کیا گیا۔ یہ سب کارروائی صرف اس لئے کی گئی تھی کہ عالم اسلام اس دور میں مشکلات و مصائب سے نبرد آزما تھا اور مسلمانوں کی غفلت کے باعث ان میں سپاہیانہ صلاحیتوں کا فقدان پایا جاتا تھا جس کی وجہ سے دشمنان اسلام کے حوصلے بے حد بلند ہو چکے تھے اور وہ بار بار ان پر حملہ آور ہو کر انہیں شکست و ریخت میں مبتلا کر رہے تھے۔ سلطان بیبرس نے محمل شریف کے تقدس کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے جس مہم کا آغاز کیا تھا وہ لوگوں میں بے حد مقبول ہوئی۔ لوگ نہ صرف سپاہیوں کی

مہارت کے مظاہرے دیکھتے بلکہ ان کے اندر بھی ان فنون حرب کو سیکھنے کا رجحان پیدا ہونے لگا۔ پہلے ہی سال میں ہزاروں نوجوان عسکری مہارت کے بل بوتے پر اسلامی لشکر میں شامل کئے گئے اور انہیں کئی مراعات بھی دی گئیں۔

❁ ❁ ❁

وہ ایک خاص گھڑ سوار دستہ تھا جو تیز آتشی رنگ کے لباس میں ملبوس تھا۔ ان کے ہاتھوں میں مضبوط آہنی ڈھالیں موجود تھیں جنہیں سپاہیوں نے اپنے بائیں ہاتھوں میں پکڑ رکھا تھا جبکہ دائیں ہاتھ میں عریاں تلواریں موجود تھیں۔ ان کی تعداد تیس سے زائد نہیں تھی۔ ان کے بیچوں بیچ ایک خاص گھڑ سوار موجود تھا جس کے اوپر ایک بڑی چھتری سے اوٹ کی گئی تھی۔ وہ دستہ دھیمی رفتار سے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس دستے کے عقب میں کچھ فاصلے پر ایک دوسرا دستہ بھی دکھائی دے رہا تھا۔ ان کے لباس کسی قدر مختلف تھے۔ وہ گہرے نیلے رنگ کے لباس میں ملبوس تھے اور ان کے ہاتھوں میں بھی تلواریں اور ڈھالیں تھیں۔ دونوں دستوں میں جو چیز مشترک تھی وہ ایک مخصوص علامت تھی جو کہ ان کی ڈھالوں اور زرہ بکتر پر نمایاں دکھائی دے رہی تھی۔ یہ علامت ایک منقش صلیب کی تھی جو کہ یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ دستے نصرانی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ پہلا دستہ شاہ ہف سوئم، سابق شاہ یروشلم کا تھا جبکہ دوسرے دستے میں انطاکیہ کا حکمران شاہ بوہمنڈ (بوہیمان) موجود تھا۔ یہ لوگ ساتھ ساتھ سفر کر سکتے تھے مگر کسی مصلحت کے باعث بہت کم فاصلہ رکھتے ہوئے ارض مقدس کے شمال مغرب کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کا رُخ ارضِ نوبہ (سوڈان) کی جانب تھا۔ نوبہ بلادِ مصر کے ساتھ ایک چھوٹی سی مگر بے حد مضبوط عیسائی سلطنت تھی جہاں شاہ ڈیوڈ خود مختار حکمران کی حیثیت سے حکومت کر رہا تھا۔

چند ماہ پہلے شاہ ہف سوئم اور شاہ ڈیوڈ کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہوا تھا جس میں بعد میں انطاکیہ کا شاہ بوہمنڈ اور دیگر اہم شخصیات بھی شریک ہو گئیں۔ ان کی باہمی مراسلت کا مقصد بلادِ مصر و شام کی مضبوط اور وسیع سلطنت سے صلیبی جنگجوؤں کو درپیش خطرات کا سدباب کرنے کے لئے کوئی راستہ تلاش کرنا تھا۔ آغاز میں یہ سلسلہ رسمی انداز میں چلتا رہا مگر بعد میں سلطان بیبرس کی جانب سے ایک کے بعد ایک اہم صلیبی قلعوں کی فتح اور مسماری کی خبروں نے انہیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اس ضمن میں کوئی ٹھوس قدم اُٹھانا ضروری ہے۔ شاہ نوبہ ڈیوڈ نے شاہ ہف سوئم اور شاہ بوہمنڈ سمیت اہم نصرانی سرداروں و حاکموں کو اپنے ملک میں آنے کی دعوت دی۔ یہ دعوت خالصتاً جذبہ عیسائیت پر مبنی نہیں تھی بلکہ اس کے پیچھے شاہ قسطنطنیہ کا وہ مراسلہ متحرک تھا جس میں اس نے باقاعدہ شاہ نوبہ سے صلیبی علاقوں کی حفاظت اور مدد کی فراہمی کی درخواست کی تھی، اور ساتھ ہی کئی اہم مراعات دینے کا وعدہ کیا تھا۔

یوں تو سلطان بیبرس کی بصیرت انگیز حکمت عملی نے شاہ قسطنطنیہ کو صلیبی جنگجوؤں سے بالکل کاٹ کر رکھ دیا تھا اور وہ براہ راست ان کی کسی بھی طرح مدد کرنے سے قاصر تھا مگر وہ مخفی طور پر پس پردہ ایسے اقدامات میں مشغول رہتا جس سے صلیبی جنگجوؤں کی حوصلہ افزائی ہوتی رہتی سلطان بیبرس کو اس کے شرارت آمیز اقدامات کی اکثر خبر مل جاتی مگر وہ اس کی ان چھوٹی چھوٹی حرکتوں کو فی الوقت نظر انداز کرتا رہا۔ شاہ قسطنطنیہ کی بھرپور کوشش تھی کہ ارض مقدس میں موجود نصرانی حکومت کو اپنے قدم جمانے کا موقع مل جائے اور کوئی ایسی صورت نکل آئے کہ مسلمان ارض مقدس میں ان کی باقاعدہ حکومت تسلیم کر لیں اور جنگ و جدل کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ ممکن تھا کہ اس کی خواہش پایہ تکمیل تک پہنچ جاتی اگر ارض مقدس پر آنے والے صلیبی جنگجو اعلیٰ اخلاق اور تہذیب کا مظاہرہ کرتے۔ وہ فاتح کے بجائے مسیحی خدمت گزار کی حیثیت سے ارضِ مقدس میں ٹھہرتے اور اپنی

اعلیٰ حکمت عملی اور اخلاق کا ثبوت دیتے اور امن وسلامتی کی راہوں پر سفر کرتے تو شاید گذشتہ ڈیڑھ سو سال میں ارضِ مقدس کے لوگوں کا دل جیت لیتے اور مسلمانوں کے مقابل ایک مضبوط حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتے، مگر صلیبی جنگجو ارضِ مقدس میں لٹیروں کی مانند داخل ہوئے اور پے در پے کئی بار انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ فلسطینی عیسائیوں پر وہ ظلم وستم ڈھایا کہ وہ بلبلا اُٹھے۔ یہی وجہ ان کے خلاف اسلامی جہاد کا باعث بنی اور مشہور مجاہدین اور سلطانوں نے ان کے شریر دماغوں کو درست کرتے ہوئے انہیں کئی بار شکست سے دوچار کیا۔ یورپ وقسطنطنیہ کی جانب سے مسلسل مدد کے باعث وہ طویل مدت سے یہاں موجود تھے اور خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک پر مہارت رکھتے تھے سلطان بیبرس نے ان کی حوصلہ شکنی کر کے ثابت کر دیا تھا کہ انہیں اگر ارضِ مقدس میں رہنا ہے تو وہ صرف امن کی صورت میں رہ سکتے ہیں ورنہ ان کے قیام کے لئے بلادِ اسلامیہ میں کوئی جگہ نہیں ہے۔

شاہ بوہمنڈ اور شاہ ہف سوئم اور دیگر صلیبی امرأ کے یہ مختصر قافلے عکّہ سے ہوتے ہوئے یافا اور طرابلس الشام کے راستے بحیرہ احمر کے ساحلوں پر سفر کرتے ہوئے ارضِ نوبہ پہنچے وہاں شاہ ڈیوڈ نے ان کا بھرپور انداز میں استقبال کیا۔ ارضِ نوبہ میں اس دور کی سب نصرانی ممتاز شخصیتیں جمع تھیں جن میں فرمانروائے صقلیہ شاہ فریڈرک، جو کہ یروشلم کا سابق حکمران رہ چکا تھا اور اسلامی لشکر سے پے در پے شکستیں کھا کر اور صلیبی ساتھیوں کی بدسلوکی سے دلبرداشتہ ہو کر صقلیہ واپس لوٹ گیا تھا۔ شاہ یوجیکلی جو کہ طرابلس الشام کا حاکم تھا۔ شاہ جیکارڈ دوم، جو کہ قبرص کا حکمران تھا۔ شاہ بیٹن، جو کہ بلادِ شام اور بلادِ قونیہ کے درمیان موجود اہم نصرانی سلطنت آرمینیہ کا حکمران تھا اور دیگر صلیبی قلعوں کے سردار وحکمران شامل تھے۔

ان سب سیاسی شخصیتوں کی مشترکہ آمد نے نوبہ کو خطے میں نہایت اہم بنا دیا۔ شاہ ڈیوڈ نے ان سب کی خوب خاطر مدارت کی اور ان کے سامنے سلطان بیبرس کی حکمت عملی رکھتے ہوئے غور کرنے کی درخواست کی۔ تمام افراد اس بات پر متفق تھے کہ اسلامی لشکر کی فوج کشی کا یہی عالم رہا تو وہ دن دور نہیں کہ جب ارضِ مقدس میں کوئی بھی نصرانی حکومت موجود نہ ہوگی اور اس کے قرب وجوار میں بھی موجود نصرانی حکومتوں کو خطرہ درپیش رہے گا۔ تمام حکمرانوں نے اپنی اپنی سمجھ بوجھ کے تحت سلطان بیبرس سے نبٹنے کے لئے تجاویز پیش کیں۔ بالآخر طے یہی پایا کہ تمام اطراف سے صلیبی محاذ کھول دیئے جائیں اور مسلمانوں پر تابڑتوڑ حملوں کا نہ رُکنے والا سلسلہ شروع کر دیا جائے۔ اس ضمن میں تمام افراد دو دو یا تین تین ٹکڑیوں میں متحد ہو جائیں تاکہ صلیبی قوت سلطانی لشکر کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکے۔ کئی اطراف سے حملے کی صورت میں یقیناً سلطان بیبرس کا لشکر بٹ کر رہ جائے گا اور اسلامی لشکر کی تعداد میں فرق آ جائے گا۔ اس طرح انہیں شکست دینا زیادہ آسان ہوگا۔

یہ حکمت عملی بے حد اہم تھی کیونکہ مسلمانانِ اسلام اس وقت کئی مخالف قوتوں سے نبرد آزما تھے، گو کہ درمیانی خطے میں امن وامان محسوس ہوتا تھا مگر تمام سرحدیں معرکہ آرائی کا منظر پیش کر رہی تھیں، بلادِ عراق و فارس کی جانب سے آئے دن تاتاریوں کے دستے حملہ آور ہوتے رہتے اور شہروں کو نشانہ بناتے۔ بلادِ شام کا حاکم امیر قلاؤن الفی ان سے دن رات نبٹنے میں مصروف تھا اور مملوک لشکر کا ایک بڑا حصہ اس کی قیادت میں بلادِ شام کی حفاظت میں مصروف تھا۔ صلیبی جنگجوؤں نے الگ قیامت ڈھا رکھی تھی۔ ان کا مقبوضہ علاقہ کافی طویل پٹی پر مشتمل تھا، جس کی مکمل نگرانی ممکن نہیں تھی۔ سرحدی شہروں کے والی اپنے طور پر ان سے مقابلہ کرنے میں مصروف تھے۔ ان کے پاس بھی مملوک افواج کا ایک حصہ بٹی ہوئی صورت میں موجود تھا۔ اسلامی سلطنت کے اندر بھی شریر افراد موجود تھے جو کہ مختلف قسم کی نافرمانیاں کرتے اور اکثر بغاوت کے علم بلند کر دیا

کرتے۔ ان سے نبٹنا بھی ضروری تھا۔ بلادِ شام میں باطنی فدائیوں نے بھی سر اُٹھا رکھا تھا۔ وہ وسیع العریض سلطنت قہستان کے قیام کے لئے مصروف بہ عمل تھے۔ موصل میں بدرالدین لولو کے جانشین اور شیراز میں سلغری خاندان کے سلطان اس کوشش میں مصروف تھے کہ کسی طرح وہ سلطان بیبرس کو ختم کر کے تمام اسلامی سلطنت کے مطلق العنان حکمران بن جائیں۔ سلطان بیبرس ان تمام معاملات کو مختلف انداز میں حل کرنے میں دن رات مصروف تھا۔

شاہ ڈیوڈ نصرانی حکمرانوں کی باہمی معاونت واتحاد دیکھ کر بے حد مسرور ہوا اور اس نے پیش گوئی کی کہ اگر وہ یہ سلسلہ شروع کر دیں تو صرف ایک سال کی محدود مدت میں ہم بلادِ اسلامیہ کے قلب میں ایک مضبوط نصرانی سلطنت وجود میں لا سکتے ہیں۔ ایک صلیبی سردار نے اتنے بڑے معرکے کے اخراجات کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کہاں سے پورے کئے جائیں گے؟

یہ نہایت اہم اور چبھتا ہوا سوال تھا جس نے یکدم سب کی سوچ کا دھارا ہی تبدیل کر ڈالا۔ شاہ ڈیوڈ کا خیال تھا کہ تمام افراد اپنے اپنے طور پر مالی معاملات کو سنبھال کر اس صلیبی معرکے کا آغاز کریں گے مگر جب شاہ بیٹن نے اس لائحہ عمل کو عملی صورت دینے کے لئے اس سے ہی مالی مدد کا تقاضا کیا تو اس کی دیکھا دیکھی تمام افراد شاہ ڈیوڈ سے مالی مدد مانگنے لگے۔ شاہ نوبہ نے اطمینان کے ساتھ انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ نہ تو کوئی مالی مدد کر سکتا ہے اور نہ ہی اس حالت میں ہے۔ مضبوط نصرانی سلطنت کے وجود ہی میں ہماری حکومتوں کی بقاء ہے ورنہ سلطان بیبرس ایک ایک کر کے سب حکومتوں کو کھا جائے گا۔ شاہ بیٹن نے اس کی بات کو درست قرار دیتے ہوئے یہ مسئلہ اُٹھایا کہ عظیم صلیبی لشکر کشی کے لئے بے شمار سرمایے کی ضرورت ہے۔ عسکری انتظامات کے ساتھ سپاہیوں کی تنخواہیں اور دیگر اخراجات اپنی جگہ موجود ہیں۔ ایسی صورت میں ہم لوگ کہاں سے اتنے بڑے سرمائے کا انتظام کر سکتے ہیں؟ شاہ ڈیوڈ نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ سب اپنی اپنی رعیت سے مدد مانگیں۔ نصرانیت کی فتح کے لئے لوگ انہیں دل کھول کر چندہ دیں گے اور اس ضمن میں یورپ سے بھی مدد کی درخواست کی جائے گی۔

شاہ بیٹن نے شاہ ڈیوڈ کے انداز وخیال کو بچگانہ قرار دیا اور اس ضمن میں کھلے الفاظ میں ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ کئی دیگر نصرانی حاکم بھی شاہ بیٹن کے ہم خیال ثابت ہوئے اور انہوں نے شاہ ڈیوڈ پر یہ الزام عائد کیا کہ وہ انہیں چالاکی سے استعمال کرتے ہوئے ان کے ذریعے ارضِ مقدس کی فتح چاہتا ہے اور یقیناً فتح کے بعد وہ سب لوگوں سے اپنی بالادستی منوانے کا مطالبہ کرے گا۔ شاہ ڈیوڈ کے وہم وگمان میں نہیں تھا کہ کئی دن سے جاری مذاکرات اچانک یہ رُخ اختیار کر جائیں گے۔ اس نے بہتیری صفائی پیش کی مگر وہ نصرانی حاکم اس کی بات پر یقین کرنے کو تیار نہ ہوئے۔ شاہ فریڈرک ثانی نے اس کی ڈھارس بندھائی کہ ایسا ہونا یقینی تھا کیونکہ اگر نصرانیت میں پہلے دن سے اتحاد موجود ہوتا تو یقیناً وہ یروشلم سے یوں دربدر ہو کر نہ نکلتا اور اس طرح شاہ فریڈرک ثانی، شاہ بوہمنڈ اور شاہ ہف سوئم کے علاوہ سب لوگ ناراض واپس لوٹ گئے۔ جو افراد اس کے پاس ٹھہرے تھے وہ اس لائق نہیں تھے کہ سلطان بیبرس کے خلاف اتنی بڑی صلیبی جنگ کا محاذ کھول پاتے۔ ایک ایک کر کے تمام نصرانی حکمران اور صلیبی سردار ارضِ نوبہ سے نکلتے چلے گئے۔ انہی میں ایک گھڑسوار موقعہ پا کر الگ ہوا اور تیز رفتاری سے الگ سمت میں سفر کرنے لگا۔ کچھ دور پہنچ کر اس صلیبی سردار نے مخصوص صلیبی لباس اتار کر ایک تھیلے میں ڈال دیا۔ اس نے نیچے ایک دوسرا سفید لباس پہنا ہوا تھا جو کہ اس کے مسلمان ہونے کا ثبوت تھا۔ اس شخص نے ایک چشمے کے قریب پہنچ کر منہ ہاتھ دھویا اور وضو کیا۔ اس کے بعد اس نے نہایت عجز د

خضوع سے شکرانے کے نوافل ادا کیے۔ وہ شخص مسلمانوں کا سلطان ''بیبرس'' ہی تھا جو کہ نصرانیوں کی نقل وحرکت کی اطلاع پا کر خود ان کے درمیان پہنچ گیا۔ سلطان بیبرس کو مخبروں کی اطلاعات پر کامل یقین نہیں رہتا تھا اس لئے وہ اکثر بھیس بدل کر خود یہ فریضہ انجام دیا کرتا تھا۔ صلیبی شخصیات کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ان کا سب سے بڑا حریف ان کے بیچ میں رہ کر نہ صرف ان کی تمام گفتگو سنتا رہا بلکہ ان میں پھوٹ پیدا کرنے کے لئے مالی معاونت کا شوشہ چھوڑ کر بخیریت واپس لوٹ چکا ہے۔ صلیبی مجلس کا انجام دیکھ کر سلطان بیبرس کے چہرے پر بے حد مسرت تھی کیونکہ اس نے مسلمانوں کے خلاف اُٹھنے والے اس عظیم طوفان کو برپا ہونے سے پہلے ہی مٹا ڈالا تھا۔

***

مطیع الدین مضطرب نگاہوں سے بار بار دروازے کی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ ذہنی طور پر قاہرہ جانے کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں صرف اس کے نکلنے کی دیر تھی مطیع الدین کو نہ جانے کیوں یہ خیال آیا کہ وہ شیخ کبیرالدین پر اندھا دھند اعتماد کر کے اس کی مدد کرنے کا وعدہ تو کر چکا ہے مگر اس نے تمام مدت میں ایک بار بھی گل وقوڑ کی صورت نہیں دیکھی۔ گل وقوڑ وہاں موجود ہے یا نہیں۔ اس خیال کی تصدیق کے لئے اس نے شیخ کبیرالدین کو پیغام بھجوا دیا کہ وہ اتنی دیر تک قاہرہ کے لئے روانہ نہیں ہو گا جب تک وہ اپنی آنکھوں سے گل وقوڑ کو نہیں دیکھ لے گا۔ شیخ کبیرالدین کی جانب سے اسے کوئی جواب نہیں موصول ہوا جس پر اس کی بے چینی بڑھ گئی۔ وہ بار بار اشتیاق بھری نگاہوں سے دروازے کی جانب دیکھتا۔

انتظار کی یہ گھڑیاں خاصی طوالت اختیار کرتی جا رہی تھیں۔ دوپہر کے بعد شیخ ابوراضیاء اس کے پاس آیا۔ اس کی صورت دیکھ کر مطیع الدین کا چہرہ تن گیا کیونکہ اس سے کسی اچھے جواب کی توقع ہرگز نہیں رکھی جا سکتی تھی۔ شیخ ابوراضیاء نے اس کے تیور دیکھ کر ناگواری کا تاثر دیا۔

''مطیع الدین! تمہاری خواہش شیخ الرئیس کے پاس پہنچا دی گئی تھی اور اس کے لئے گل وقوڑ سے بات کی گئی ہے، مگر مجھے بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ گل وقوڑ نے تم سے ملنے سے صاف انکار کر دیا ہے''۔ شیخ ابوراضیاء خشک لہجے میں بولا۔

''میں نے گل وقوڑ سے ملاقات کی فرمائش نہیں کی تھی بلکہ میں صرف اس کی صورت دیکھ کر یقین دہانی کرنا چاہتا ہوں کہ کیا وہ واقعی یہاں موجود ہے؟'' مطیع الدین نے جواب دیا۔ الگ بات تھی کہ شیخ ابوراضیاء کی بات نے اسے گہرا صدمہ پہنچایا تھا۔ وہ گل وقوڑ کی جانب سے کسی ایسے جواب کی توقع نہیں رکھتا تھا مگر جلد ہی وہ خود کو یہ تسلی دینے میں کامیاب ہو گیا کہ شیخ الرئیس یا اس کے ساتھیوں کی جانب سے اسے کسی بہتر جواب کی توقع نہیں رکھنا چاہئے۔

''شیخ الرئیس تمہارا مطلب خوب سمجھ چکے ہیں مگر معاملہ چونکہ گل وقوڑ سے جڑا ہوا ہے اس لئے اس کی رضامندی حاصل کرنا بھی ضروری ہے''۔ شیخ ابوراضیاء کا لہجہ بدستور خشک ہی تھا۔

''میں تمہاری بات پر یقین نہیں کر سکتا...... مجھے یوں لگتا ہے کہ تم سب لوگ مل کر میرے ساتھ فریب کر رہے ہو''۔ مطیع الدین نے دانت پیس کر کہا۔

''مطیع الدین! ہوش میں رہ کر بات کیا کرو۔ تمہارے لب ولہجے میں کھلی گستاخی پائی جاتی ہے، یہاں شیخ الرئیس کے بارے میں ایسی بات کرنے والے کی زبان گدی سے کھینچ دی جاتی ہے، اسے اپنی خوش نصیبی سمجھو کہ شیخ الرئیس تم پر مہربان ہیں''۔ شیخ ابوراضیاء بپھر گیا۔

''میں اسی وقت شیخ الرئیس سے ملنا چاہتا ہوں''۔ مطیع الدین نے اس کی تنبیہ کو نظرانداز کرتے ہوئے اصرار کیا۔ شیخ ابوراضیاء اسے کینہ توز نگاہوں سے دیکھتا رہا اگر اسے شیخ الرئیس کی جانب سے کڑی ہدایت نہ ہوتی تو یقیناً وہ مطیع الدین کا قصہ ہی تمام کر چکا ہوتا۔

''شیخ الرئیس اس وقت نہیں مل سکتے مگر انہوں نے تمہاری ہٹ دھرمی کو جانتے ہوئے اس بات کا انتظام کر دیا ہے کہ تم گل وقوڑ کی ایک جھلک دیکھ لو''۔ شیخ ابوراضیاء لفظ چباتے ہوئے بولا۔

مطیع الدین اس کی بات سن کر خاموش ہو گیا۔ وہ اپنے تئیں اُلجھ کر رہ گیا تھا کہ یہ کس قسم کا کھیل ہے جو اس کے ساتھ کھیلنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ گل وقوڑ کی طرف سے ملاقات سے انکار کی خبر دینا اور پھر ساتھ ہی اس کی صورت دکھانے کا انتظام کرنا۔ یقیناً اس تمام معاملے کے پیچھے کوئی نہ کوئی اہم راز پوشیدہ ہے۔ مطیع الدین نے فی الوقت اپنی یقین دہانی کی تکمیل کو فوقیت دی اور شیخ ابوراضیاء سے استفسار کیا۔ شیخ ابوراضیاء نے اسے قلعے سے نکلتے ہوئے گل وقوڑ کی صورت دکھانے کا وعدہ کیا اور اسے تیار ہونے کی ہدایت دی۔ مطیع الدین پوری طرح تیار تھا، اس نے فوراً چلنے پر آمادگی ظاہر کی۔ شیخ ابوراضیاء نے دو اہم غلاموں کے ساتھ اسے قلعے کے صدر دروازے کی جانب روانہ کیا اور انہیں ہدایت کی وہ کچھ دیر کے لئے نیچے کے دالان میں رُک کر مطیع الدین کو گل وقوڑ اس طرح دکھائیں کہ گل وقوڑ کو اس کی خبر نہ ہو سکے۔ مطیع الدین ان کے ساتھ نیچے والے حصے میں چلا گیا۔ غلاموں نے دالان کے پاس پہنچ کر اسے ایک جانب اوٹ میں ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ وہ کچھ دیر تک وہیں موجود رہے۔ مطیع الدین کے لئے یہ گھڑیاں گزارنا بے حد مشکل تھیں، کافی ساعتوں کے بعد گل وقوڑ ایک غلام کے ساتھ وہاں آتی ہوئی دکھائی دی۔ مطیع الدین پہلی ہی نگاہ میں اسے پہچان گیا تھا۔ وہ اسی کی گل وقوڑ تھی، جس کی جسمانی ہیئت میں معمولی سا فرق پیدا ہو چکا تھا۔ اس کی صورت دیکھ کر مطیع الدین کو جیسے اپنی سانس بند ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وقت تھم سا گیا، مطیع الدین کی نگاہیں اس کے طواف میں مگن تھیں، یہ سلسلہ زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا کیونکہ گل وقوڑ اس غلام کے ساتھ چلتی ہوئی ایک دوسری راہداری میں مڑ چکی تھی۔ مطیع الدین ساکت وجامد کھڑا اس کی دلفریبی اور دلکشی میں ایسا محو تھا کہ اسے احساس ہی نہ ہو سکا کہ کب وہ پری چہرہ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ ایک غلام نے اسے ہلا کر ہوشیار کیا تو وہ ہڑبڑا کر اس کی جانب دیکھنے لگا جو اسے چلنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ اس کی نگاہیں سرعت سے اسی طرف پلٹیں جہاں چند لمحے پہلے گل وقوڑ موجود تھی مگر وہاں اب کچھ بھی نہیں تھا۔ جب غلام نے دوبارہ اسے چلنے کے لئے کہا تو وہ تھکے تھکے قدموں سے صدر دروازے کی جانب بڑھتا چلا گیا۔ اس کی یقین دہانی ہو چکی تھی گل وقوڑ وہیں موجود تھی، مگر وہ اس سے ملاقات نہیں کرنا چاہتی تھی مگر کیوں......؟ یہ سوال کسی نوکیلے کانٹے کی طرح مطیع الدین کے دماغ میں چبھ رہا تھا۔

***

سلطان بیبرس اعلیٰ حیثیت کے حامل نصرانیوں، سرداروں اور حکمرانوں کی مجلس کا حال بخوبی دیکھ چکا تھا، اس لئے اس نے بطور حفظ ماتقدم مزید عسکری کارروائیاں عمل میں لانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے کچھ عرصہ تک ایسے انتظامات کئے جن سے نصرانیوں کی نقل وحمل عدم تحفظ کا شکار ہو گئی اور ان کے رسد وغیرہ کے سلسلے میں رکاوٹ پیدا ہونے لگی۔ سلطان بیبرس نے صلیبی ساحلی مقبوضات کی سرحد پر کثیر تعداد میں محافظ سپاہیوں کی چوکیاں قائم کیں اور ان میں مخبروں کی تعیناتی کثرت سے کی گئی، ان مخبروں کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ چوکی کے سربراہ صاحب العسس کو ایسی معلومات فراہم کرے جو کہ جغرافیائی اعتبار سے مستحکم وصحیح ہو۔ یہی وجہ تھی کہ بہت تھوڑے عرصے میں ہی سلطان بیبرس کے پاس صلیبی سرحدوں اور مقبوضہ علاقوں کے نقشہ جات جمع

ہو گئے۔ یہ الگ بات تھی کہ بے شمار علاقوں سے سلطان بیبرس کو خود بھی واقفیت تھی کیونکہ وہ اکثر و بیشتر ان علاقوں میں بھیس بدل کر جاتا رہا تھا۔

1268ء میں سلطان بیبرس نے مملوک افواج کو ایک بار پھر تیاری کا حکم دیا اور آناً فاناً سفر کرتا ہوا بالکل سیدھا یافا کی جانب پہنچ گیا۔ اس بار سلطان بیبرس خصوصی تیاری کر کے قاہرہ سے نکلا تھا۔ اسلامی لشکر نے اس مرتبہ اپنے ہمراہ بے حد بھاری بھرکم سامان بھی اُٹھا رکھا تھا۔ جن میں منجنیقوں اور سفر منہوں کے پرزہ جات بھی شامل تھے۔ یافا کے سرداروں اور صلیبی حکمران کو سلطان بیبرس کی آمد کی بروقت خبر مل چکی تھی۔ اس نے سلطان بیبرس کی اس آمد کو زیادہ سنجیدگی سے نہیں لیا کیونکہ اسے بھرپور یقین تھا کہ سلطان بیبرس حسب سابق صلیبی جنگجوؤں کو فریب دینے کی کوشش کر رہا ہے اور سلطان بیبرس کی منزل یافا نہیں ہے بلکہ وہ بیچ میں سے ہی کہیں دوسری جانب مڑ جائے گا اور کسی دوسرے صلیبی قلعے کے سامنے نمودار ہوگا۔ صلیبی سرداروں کے مشورے کے بعد اس نے اپنے طور پر تمام ضروری عسکری تیاریاں مکمل کر لیں تاکہ اگر سلطان بیبرس کے ساتھ معرکے کی نوبت پیدا ہو بھی جائے تو وہ پوری طرح تیار ہو۔ سلطان بیبرس نے جب یافا پہنچ کر اس مضبوط و مستحکم قلعے کا محاصرہ کر لیا تو اسے یقین ہونے لگا کہ سلطان بیبرس کی منزل واقعی یافا ہی ہے۔ اس نے قلعے کے انتظامات کا جائزہ لیا اور تمام معاملات درست پانے پر اطمینان کا اظہار کیا۔ اگر وہ چند دن پہلے دوسرے قلعوں میں موجود صلیبی جنگجوؤں کے پاس مدد کے لئے پیغام بھیج دیتا تو شاید ممکن تھا کہ اسے کہیں سے کمک میسر آ جاتی مگر اب چونکہ سلطان بیبرس نے قلعہ کو چاروں جانب سے گھیر لیا تھا، اس لئے یہ صورت باقی نہیں بچی تھی۔

یافا کا موجودہ نام تل ابیب ہے اور یہ آج کل صیہونی ریاست اسرائیل کا دارالحکومت ہے۔ یافا کے صلیبی جنگجو ایک ہفتے تک مسلسل سلطان بیبرس کی نقل و حرکت دیکھتے رہے۔ سلطان بیبرس محاصرہ ڈالنے کے بعد ان کی جانب سے یوں غافل ہو گیا جیسے وہ اپنے لشکر کے ساتھ یہاں جنگ کرنے کے بجائے تفریح کرنے کے لئے آیا ہے۔ سلطان بیبرس اپنے رفقاء کے ساتھ یافا کے قریب جنگلات میں اکثر شکار کے لئے نکل جاتا اور اندھیرا بڑھنے تک وہیں رہا کرتا۔ یہ بالکل نئی چیز تھی جس پر اسلامی لشکر بھی حیران تھا کہ سلطان بیبرس نے سابقہ انداز اختیار کرنے کے بجائے یافا کے افراد کو بالکل آزاد چھوڑ دیا ہے۔ ایک ہفتے بعد صلیبی سرداروں نے سر جوڑ کر صلاح و مشورہ کیا کہ سلطان کا مقصد محاصرے کو طول دینا دکھائی دیتا ہے، اس سے پہلے کہ شہر میں ذخیرہ خوراک کم پڑ جائے اور نصرانیوں کے حوصلے متزلزل ہونے لگیں، ہمیں باہر نکل کر اسلامی لشکر پر دھاوا بول دینا چاہئے۔ کئی صلیبی امراء نے اس اقدام کی مخالفت بھی کی۔ یافا کے حکمران نے غور و خوض کرنے کے بعد یہی مناسب خیال کیا کہ اسلامی لشکر کی غفلت سے فائدہ اُٹھایا جائے اور کل علی الصبح اپنے جنگجوؤں کو میدان میں اتار دیا جائے۔ یہ طے پایا کہ جب اسلامی لشکر فجر کی نماز میں مصروف ہوگا تو انہیں نشانہ بنایا جائے گا۔

اگلی صبح اچانک قلعہ یافا کے دروازے کھلے اور صلیبی لشکر پُرجوش انداز میں باہر نکلا۔ سلطان بیبرس کو فوری طور پر اس کارروائی کی خبر دی گئی جو کہ نماز سے کچھ ہی لمحے پہلے فارغ ہوا تھا۔ سلطان بیبرس نے صلیبی چال کو سمجھتے ہوئے اس ہراول دستے کو حکم جاری کیا جسے پہلے دن سے تمام لشکر کی حفاظت پر تعینات کیا گیا تھا کہ وہ فوری طور پر صلیبی لشکر کو آگے بڑھنے سے روکے اور پھر منظم انداز میں پسپائی اختیار کرتا ہوا پانچ سو گز تک پیچھے ہٹے۔ اسی دوران سلطان نے باقی ماندہ افواج کو حکم دیا کہ وہ صلیبی سپاہیوں کی جانب بالکل توجہ نہ دیں بلکہ پانچ سو گز پیچھے ہٹ کر اپنی صفیں سیدھی کر لیں اور اگلے حکم تک کا انتظار کریں۔

صلیبی پُرجوش انداز میں آگے بڑھے اور ہراول دستے سے اُلجھ گئے۔ ہراول دستہ کچھ دیر ان کے ساتھ

لڑنے کے بعد طے شدہ منصوبے کے تحت پیچھے ہٹنے لگا۔ صلیبی سپاہی ان کی پسپائی پر جوشیلے دکھائی دینے لگے اور ان کے حملوں میں شدت پیدا ہو گئی۔ جب ہراول دستہ پانچ سو گز تک پہنچ گیا تو تیار سپاہی حکم پاتے ہی اپنے ساتھیوں کے خلاؤں سے برق کی مانند نکلے اور صلیبی لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ اسلامی لشکر کے دستوں نے مختلف زاویوں میں گھوم کر صلیبی لشکر کو حصار میں لینا شروع کر دیا۔ صلیبی سپاہی سلطان بیبرس کی حکمت عملی سمجھ گئے۔ انہوں نے تیزی سے پسپائی اختیار کرتے ہوئے حصار کو قائم ہونے سے پہلے ہی توڑ دیا۔ ان کی یہ کوشش کسی قدر کامیاب تو ضرور ہو گئی تھی مگر وہ غیر محسوس انداز میں قلعے کے دروازے اور فصیل کے قریب پہنچ گئے۔ مزید پسپائی ممکن نہیں تھی کیونکہ عقب میں قلعے کی بلند و بالا فصیل اور اس سے ملحقہ خندقیں تھیں۔ سلطان بیبرس نے مجاہدین کو حکم دیا کہ انہیں مزید پیچھے دھکیلا جائے تاکہ وہ اپنی ہی ابتری میں پھنس کر کمزور پڑ جائیں۔ یہ سلسلہ کافی دیر تک یونہی چلتا رہا۔ صلیبی جنگجو کسی صورت اسلامی لشکر کا دباؤ بڑھنے نہیں دے رہے تھے کیونکہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ مزید پیچھے ہٹنے کی صورت میں انہیں کڑا نقصان اُٹھانا پڑے گا۔

بارہ گھنٹے تک مسلسل یہ جان لیوا کشمکش جاری رہی اور صلیبی سرداروں نے جان توڑ کر مقابلہ کیا لیکن جوں جوں شام کے اندھیرے بڑھنے لگے تو ان کی طاقت جواب دینے لگی۔ وہ کسی بھی طرح قلعے کے اندر واپس لوٹنا چاہتے تھے مگر اسلامی لشکر انہیں ایسا کوئی موقع دینے پر تیار نہیں تھا۔ رات کی تاریکی کے آغاز پر ہی وہ تکان سے چور ہو گئے اور نڈھال دکھائی دینے لگے۔ ان کی مدافعت جواب دے گئی اور پھر بہت جلد ہی مملوک لشکر نے انہیں مغلوب کر لیا۔ اس معرکے میں صلیبی سپاہیوں کی بڑی تعداد زندہ گرفتار کی گئی۔ صلیبی پرچم گرا دیئے گئے اور ان کے ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا گیا۔ مملوک سالاروں نے گرفتار سپاہیوں کے بارے میں سلطان بیبرس سے دریافت کیا تو سلطان بیبرس نے کچھ سوچنے کے بعد ان کے قتل کا حکم جاری کر دیا۔ اس حکم کے پیچھے کیا وجہ تھی، یہ کسی کو معلوم نہ ہو سکا۔ کچھ لوگوں کا خیال یہ تھا کہ شاید سلطان صلیبی فتنہ گر سپاہیوں کی خصلت کو بھانپ چکا تھا اور انہیں زندہ چھوڑنے کی صورت میں ان کی سرکشیوں کا اسے سامنا رہتا، اسی لئے اس نے انہیں موت کے گھاٹ اتارنے کا فیصلہ کیا۔

یافا کی افواج کا حال دیکھ کر قلعہ کی رعیت مرعوب ہو گئی اور اس نے یافا کو تباہی سے بچانے کے لئے خود ہی قلعے کے دروازے کھول دیئے۔ سلطان بیبرس دوسرے دن یافا میں داخل ہوا اور وہاں کے حالات کا جائزہ لیا۔ سالاروں نے اس سے استفسار کیا کہ کیا اس قلعے کا حشر بھی ویسا ہی کرنا ہوگا جیسا کہ پہلے قلعوں کے ساتھ کیا گیا تھا۔ سلطان بیبرس نے نفی میں اشارہ کیا۔ اس نے یافا کی مضبوط فصیل اور اندرونی استحکامات کو بحال رکھتے ہوئے اس شہر پر محض اپنا پرچم لہرایا اور رضا کار مجاہدین کے دستوں میں چند ایک کو وہاں انتظامی معاملات کے لئے تعینات کر دیا اور شہر کو مسلمان والی کے حوالے کر دیا۔ نصرانی آبادی کو کڑے الفاظ میں تنبیہ کی گئی کہ وہ اگر کسی مشکوک سرگرمی میں ملوث پائے گئے تو ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی جائے گی اور امن و امان کے ساتھ رہنے کی صورت میں انہیں تمام جائز حقوق فراہم کئے جائیں گے۔

سلطان بیبرس یافا کے انتظامات سے فارغ ہوا تو اس نے اپنی افواج کو کوچ کا حکم دیا۔ لشکر کوئی واضح رائے قائم نہیں کر پایا کہ سلطان بیبرس کے ارادے اب کیا ہیں؟ اسلامی لشکر نے اس مرتبہ کسی بھی جانب چکر کاٹ کر آگے بڑھنے کا لائحہ عمل اختیار نہیں کیا۔ یافا سے نکل کر سلطان بیبرس صور اور صیدا کی جانب بڑھا۔ دونوں قلعوں میں اسلامی لشکر کی آمد پر بے چینی پھیل گئی مملوک سپاہی دونوں قلعوں میں سے کسی ایک پر حملہ کرنے کا اندازہ کر چکے تھے۔ صور اور صیدا کے قلعے سلطانی لشکر کی قربت کی اطلاع پا کر قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے

مگر سلطان بیبرس ان دونوں قلعوں کے قریب سے گزر کر آگے نکل آیا۔ یہ حکمت عملی بے حد خطرناک تھی کیونکہ صلیبی لشکر برق رفتاری سے عقب میں سے نکل کر حملہ آور ہو سکتے تھے۔ سلطان بیبرس کے چہرے پر گہرا اعتماد موجود تھا جیسے وہ یہ بخوبی جانتا تھا کہ وہ ایسا نہیں کریں گے۔ مملوک سالاروں نے یہ اندازہ لگایا کہ شاید سلطان بیبرس انہیں مطمئن کر کے دوبارہ ان کی جانب کوچ کرے گا مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ سلطان بیبرس دریائے لیطانی سے ہوتا ہوا ساحلی علاقوں کی طرف بڑھ گیا اور کوہ البقاع کے متوازی اوپر کی جانب بڑھنے لگا۔ یہ دشوار گزار راستہ بے حد خطرناک تھا۔ مملوک لشکر کے ساتھ سامان حرب کے پرزہ جات بھی تھے جنہیں پہاڑی علاقوں کے اوپر چڑھانا خاصا مشکل کام دکھائی دیتا تھا۔ کافی محنت اور پریشانی کے عالم میں سپاہی اپنے سلطان کی قیادت میں آگے بڑھتے رہے۔

سلطان بیبرس کوہ البقاع کا لمبا چکر کاٹ کر اچانک شقیف عرنون نامی پہاڑی قلعے کے سامنے ظاہر ہوا۔ یہ نہایت اہم اور مستحکم قلعہ تھا جسے فتح کرنا آسان کام نہیں تھا کیونکہ یہ خاص ہیکلی جنگجوؤں یعنی ٹیمپلرز کا ہیڈکوارٹر قرار دیا جاتا تھا۔ یہ پہاڑی قلعہ کوہ البقاع کی وادی اور دمشق کو ملانے والے جنوبی درّے کی خاص نگرانی کرتا تھا اور اپنے دفاعی استحکامات کی بناء پر ناقابل تسخیر خیال کیا جاتا تھا۔ شقیف عرنون نامی یہ قلعہ اپنے پہلو میں موجود ایک چھوٹے سے قصبے کے نام کی مناسبت سے مشہور تھا جو کہ شقیف عرنون کہلاتا تھا۔ اس کی تعمیر میں بڑی مہارت کا ثبوت دیا گیا تھا اور اسے ایک ایسی چٹان پر بنایا گیا جو کہ بالکل عمودی تھی۔ یہ قلعہ دریائے لیطانی سے ڈیڑھ ہزار فٹ کی بلندی پر تھا جبکہ سطح سمندر سے اس کی اونچائی بائیس سو فٹ کے قریب تھی۔ اس کا ایک حصہ پتھروں کی چنائی سے اور دوسرا حصہ پہاڑ کی چٹانیں تراش کر بنایا گیا تھا۔ اس قلعے کا مجموعی رقبہ چار ہزار دو سو نوے مربع گز تھا۔ اس کی دیواروں کی لمبائی ایک سو تیس گز، چوڑائی تینتیس گز اور اونچائی انیس گز سے چھبیس گز تک تھی۔ اس کے جنوب اور مغرب میں ایک بڑی خندق تھی جو ٹھوس چٹان کاٹ کر تیار کی گئی تھی۔ یہ خندق سولہ گز سے اڑتیس گز تک گہری تھی۔ اسی خندق میں چٹان کاٹ کاٹ کر چھوٹے چھوٹے کمرے بنائے گئے اور ان میں پانی کے چشمے نکالے گئے۔ قلعہ کی عمودی دیواریں گھاٹیوں کے کناروں سے اوپر اُٹھائی گئیں اور ان کے کونوں پر بلند اور مستحکم برج بنے ہوئے تھے جن میں بیٹھ کر نہ صرف دشمن کی نقل و حرکت پر کڑی نگاہ رکھی جا سکتی تھی بلکہ اس کو پسپا کرنے کے لئے وہاں سے تیروں اور پتھروں کی بارش بھی کی جا سکتی تھی۔ عام حالات میں اس قلعے پر قبضہ کرنا تو کجا اس پر حملے کا تصور کرنا بھی کسی دیوانے کا خواب معلوم ہوتا تھا۔

اپریل 1268ء میں سلطان جب اچانک قلعہ شقیف عرنون کے سامنے نمودار ہوا تو صلیبی جنگجو حیرت و پریشانی سے سکتے میں رہ گئے کیونکہ ان کی تمام نگرانی کے باوجود سلطان بیبرس نظروں میں آئے بغیر قلعہ کے قریب پہنچ گیا تھا۔ عام حالات میں دمشق سے اور انطاکیہ سے آنے والے راستے ان ہیکلی جنگجوؤں کی کڑی نگاہ میں رہتے تھے۔ سلطان بیبرس نے کوہ البقاع کا طویل چکر اسی لئے کاٹا تھا کہ وہ ان کی نگاہوں میں آئے بغیر ان کے سر پر اچانک پہنچ جائے اور وہ اپنی حکمت عملی میں کامیاب بھی رہا۔ ہیکلی جنگجو اسلامی لشکر کا گھیراؤ دیکھ کر بالکل پریشان نہیں ہوئے اور مطمئن انداز میں اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ انہیں قلعہ کی مضبوط استحکامات پر گہرا بھروسہ تھا۔

سلطان بیبرس نے صلیبی لشکر کی طرف سے کسی بھی نقصان سے بچنے کے لئے فوری طور پر انتظامات کا حکم دیا۔ سب سے پہلے بڑی بڑی آہنی چادریں آپس میں کچھ اس انداز سے جوڑی گئیں کہ ایک بڑا چھپر تیار ہو گیا۔ اس چھپر کا مقصد قلعے کے برجوں کی جانب سے ہونے والی تیروں کی بارش سے ہونے والے نقصان کے

اندیشے کو زائل کرنا تھا۔ اگلے چند روز میں اسلامی لشکر نے حربی سامان کے پرزہ جات کو ترتیب دے کر بڑی بڑی منجنیقیں تیار کیں۔ یہ تیس کے قریب تیار ہوئیں، منجنیقوں کی تیاری کے فوراً بعد سفر منہے کھڑے کئے گئے۔ مسلسل کئی دن اسی تیاری میں لگ گئے۔ صلیبی جنگجو اسلامی لشکر کی تیاری دیکھ کر کسی قدر پریشان ہوئے۔ انہوں نے انہیں تیاری سے باز رکھنے کے لئے کئی قسم کے حربے استعمال کئے مگر وہ کارگر ثابت نہ ہوئے۔ مملوک افواج کے لئے یہ کڑا امتحان تھا کیونکہ وہ نہ صرف ایک ایسے حصے پر موجود تھے جہاں معمولی سی غلطی ان کی موت کا سامان بن سکتی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مملوک لشکروں کو غیر ہموار پہاڑی علاقے میں معرکہ سر کرنا پڑا تھا۔ پتھریلے راستوں اور عمودی چٹانوں کے باعث مکمل صلاحیتوں کا مظاہرہ بھی ممکن نہیں تھا۔ مملوک سالاروں نے اپنے خدشات سلطان بیبرس کے سامنے پیش کئے تو اس نے انہیں تسلی دی اور اللہ تعالیٰ کی مدد پر یقین رکھنے کی ہدایت کی۔

جولائی کے مہینے میں سلطان بیبرس نے اپنے جنگی آلات کو حرکت دی اور بڑے بڑے وزنی پتھروں کو منجنیقوں میں رکھ کر قلعے پر برسانے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دیو ہیکل پتھر جب فصیل سے ٹکراتے تو ایسی گڑگڑاہٹ پیدا ہوتی کہ سپاہیوں کے سانس خشک ہو جاتے۔ بڑے بڑے پتھر فصیل سے ٹکرا کر خود پاش پاش ہو جاتے اور ان کے ٹکڑے خندق میں جا گرتے۔ سلطان بیبرس کے اس اقدام کے باعث خندقوں کی گہرائی مٹنے لگی۔ کچھ دن کے توقف کے بعد سلطان بیبرس نے حکم دیا کہ دن کے ساتھ ساتھ رات کو بھی قلعے پر بھرپور سنگ باری کی جائے۔ اس امر سے یہ فائدہ ہوا کہ قلعے میں موجود صلیبی افراد کڑے عذاب میں مبتلا ہو کر رہ گئے۔ دیو ہیکل پتھروں کی گڑگڑاہٹ سے نہ تو وہ صحیح طرح سو پاتے اور نہ ہی اعتماد کے ساتھ چل پاتے کیونکہ پتھروں کی چوٹوں سے قلعہ کی پہاڑی میں ایسا ارتعاش پیدا ہوتا کہ جیسے وہ کچھ ہی دیر میں ٹوٹ کر بکھر جائے گی۔ یہ بے حد اذیت ناک لمحات تھے جو کہ سلطان بیبرس نے ان پر مسلط کر دیئے۔

صلیبی جنگجوؤں نے تنگ آ کر مختلف انداز میں اسلامی لشکر پر حملے کرنا شروع کر دیئے۔ وہ گروہ کی شکل میں باہر نکلتے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچا کر واپس لوٹنے کی کوشش کرتے۔ مملوک افواج اس صلیبی طریقہ کار سے بخوبی واقف تھیں، وہ انہیں اس انداز سے گھیرتے کہ بہت کم افراد ہی جان بچا کر لوٹنے میں کامیاب ہوتے۔ پانچ ہفتوں تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ہزاروں کی تعداد میں نصرانی سپاہی لقمہ اجل بن گئے۔ منجنیقوں کے حملوں سے قلعے کے برجوں کو کافی نقصان پہنچ چکا تھا اور وہ استعمال کے قابل نہیں رہ گئے تھے۔ چھٹے ہفتے کے آغاز میں سلطان کو قلعے کے ماحول میں تبدیلی سی محسوس ہوئی۔ قلعے میں کسی قسم کی نقل و حرکت نہ ہونے پر سنگ باری کا سلسلہ روک دیا گیا اور تجربہ کار سپاہیوں کو بلند و بالا فصیل تک پہنچایا گیا سپاہیوں نے فصیل پر پہنچ کر قلعے کا جائزہ لیا تو انہیں قلعہ خالی محسوس ہوا۔ سلطان بیبرس نے بطور حفظ ماتقدم پانچ دستوں کو فصیل پر پہنچایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اندرونی حالات کا جائزہ لے کر آگاہ کریں اور موقع پا کر قلعہ کا دروازہ بھی کھول دیں۔

پانچوں دستوں نے محتاط انداز میں قلعہ کا مکمل جائزہ لیا تو انہیں معلوم ہوا کہ واقعی قلعہ پوری طرح خالی پڑا ہے۔ صلیبی جنگجو وہاں سے فرار ہو چکے تھے۔ انہوں نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا تو سلطان بیبرس نے تشویش ناک انداز میں قلعے میں قدم رکھا۔ تمام قلعے کی تلاشی لی گئی کہ شاید کسی نامعلوم مقام پر صلیبی چھپے ہوئے ہوں مگر کوئی خاص کامیابی نہ ہو سکی۔ جانے کیوں سلطان بیبرس کو یہ یقین نہیں آیا کہ قلعہ واقعی خالی ہے۔ اس نے قلعہ کا خود ٹھونک بجا کر خود بھی جائزہ لیا تھا۔ سلطان بیبرس نے اندر موجود تمام مسلمان مجاہدین کو خبردار کرتے ہوئے ہدایت کی کہ وہ کسی بھی غیر معمولی چیز کو نظر انداز نہ کریں اور فوراً اسے باخبر کیا جائے، اور ساتھ ہی باہر موجود

مملوک لشکر کو بھی ہوشیار کر دیا گیا کہ کہیں صلیبی انہیں حیرت میں مبتلا کر کے فائدہ نہ اُٹھا سکیں۔ اسی دوران ایک سپاہی نے سلطان سبرس کو اطلاع دی کہ اسے کچھ عجیب سا دکھائی دیا ہے۔ سلطان سبرس تیزی سے اس مقام پر پہنچا۔ وہ ایک بڑا وسیع و العریض کمرہ تھا جس کا فرش بڑے بڑے پتھریلے ٹکڑوں کو کاٹ کر تیار کیا گیا تھا۔ سپاہی نے آگاہ کیا کہ وہ جب اس کمرے کے دروازے پر موجود تھا تو اسے فرش میں کسی قسم کی تھرتھراہٹ محسوس ہوئی تھی۔

سلطان سبرس اس کی بات پر فرش کا جائزہ لینے لگا، فرش میں کوئی ایسا رخنہ یا لکیر موجود نہ تھی جس سے یہ اندازہ ہو پاتا کہ فرش کے نیچے جانے کا کوئی راستہ بھی موجود ہے۔ سلطان سبرس نے سپاہی سے دوبارہ دریافت کیا تو اس نے اس مقام پر جا کر از سرِ نو تفصیل بتائی۔ سلطان سبرس نے اس مقام کا بھی بغور جائزہ لیا جہاں سے سپاہی کو فرش میں تھرتھراہٹ محسوس ہوئی تھی۔ سلطان سبرس نے چند ماہر تعمیرات طلب کئے اور انہیں اس معمے کو حل کرنے کا حکم دیا۔ ان کی کوشش بے کار ثابت نہ ہوئی، وہ بہت جلد ایک میکنزم تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس میکنزم کو حرکت دینے سے اس کمرے کا فرش پہاڑ کی مانند اُٹھتا چلا گیا۔ قلعے میں عجیب سی گڑگڑاہٹ پھیل گئی۔ فرش کے نیچے ایک خفیہ راستہ تھا۔ سلطان سبرس نے ہوشیار اور قابل سپاہیوں کو مختلف گروہوں کی صورت میں یکے بعد دیگرے مشعلوں کے ساتھ اس خفیہ راستے پر اتار دیا تاکہ وہ یہ مزید تفصیل معلوم کر کے واپس لوٹیں۔ سپاہی چند گھنٹوں بعد واپس لوٹ آئے اور انہوں نے بتایا کہ یہ راستہ سمندر کے قریب ساحل تک جاتا ہے یقیناً ہیکلی سپاہی اسی راستے سے نکل گئے ہیں۔ سلطان سبرس نے قلعہ پر قبضہ کرنے کے بعد مختلف انتظامات کئے سب سے پہلے اس خفیہ راستے کو پتھروں کے ساتھ پُر کر دیا گیا اور مشکوک حصوں کو توڑ پھوڑ دیا گیا۔ قریباً تمام زیریں کمروں کے فرش اکھاڑ دیئے گئے تاکہ ان کے نیچے کسی خفیہ راستے کے بارے میں معلوم ہو سکے۔ ڈیڑھ ماہ تک سلطان سبرس اس قلعے میں مقیم رہا۔ صلیبی سپاہی کافی سامان سمیٹ کر لے گئے تھے مگر قلعے میں بہت سارا سامان موجود تھا۔ جو مجاہدین نے اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ سلطان سبرس نے قلعے کے بلند ترین برج پر اپنا علم نصب کرایا اور قلعہ شقیف عرنون کو اسلامی سلطنت کا حصہ قرار دیا۔ سلطان نے مجاہدین کا ایک بڑا لشکر ٹھہرایا اور ایک مملوک سالار کو اس قلعے کا منتظم بنا کر واپسی اختیار کی۔

❁ ❁ ❁

اچانک گھڑسواروں کا ایک دستہ کہیں سے نکل کر ان کے سامنے آ گیا۔ وہ سب ٹھٹک کر رُک گئے۔ وہ چار افراد تھے جو اطمینان سے گھوڑوں پر سفر کر رہے تھے۔ پہاڑی راستہ ختم ہونے والا تھا اور سامنے ہموار میدان صاف دکھائی دے رہا تھا کہ کسی نامعلوم مقام سے یہ گھڑسوار دستہ وارد ہوا۔

''کون ہو تم لوگ..... اور اس طرف کیا کر رہے ہو؟'' گھڑسوار دستے میں سے ایک شخص تحکمانہ لہجے میں چیختا ہوا بولا۔ اس کے چہرے پر شکوک و شبہات سے شکنیں پڑی دکھائی دیں۔

''ہم مسافر ہیں اور ارضِ روم سے واپس لوٹ رہے ہیں''۔ ایک شخص دھیمے انداز میں بولا۔

''مسلمان ہو.....؟'' سوال کیا گیا۔

''الحمدللہ! ہم چاروں مسلمان ہیں''۔ وہ شخص دوبارہ بولا۔

''کہاں کے رہنے والے ہو؟''

''تم لوگ یوں درشتگی سے سوال پر سوال کئے جا رہے ہو..... پہلے اپنے بارے میں تو بتاؤ کہ تم کون ہو؟ اور ہمارا راستہ کیوں روکا گیا ہے؟'' ایک شخص کسی قدر ناگواری سے بولا۔

''تمہیں ہمارے جسم پر موجود لباس دکھائی نہیں دے رہا کیا.....؟'' وہ تیز لہجے میں بولا۔

''اس لباس سے کیا ہوتا ہے؟ لٹیرے اور رہزن بھی پہن سکتے ہیں''۔ وہ شخص طنزیہ مسکرایا۔

''اے شخص! اپنی حیثیت سے باہر مت پھلانگو، تم سے جو کچھ پوچھا جا رہا ہے صرف اسی کا سیدھی طرح جواب دو''۔ گھڑسوار دستے میں ایک سپاہی نے تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔

''پہلے تمہیں یہ بتانا پڑے گا کہ ہمارا راستہ کیوں روکا گیا ہے؟'' وہ شخص اکڑ سا گیا۔

''مجھے تم لوگ مشکوک لگتے ہو، دوسرا تمہاری مسافت کا راستہ صحیح نہیں ہے''۔ پہلا گھڑسوار بولا۔ وہ شاید ان سے باتوں میں الجھنا نہیں چاہتا تھا۔

''جب ہم نے بتایا ہے کہ ہم سب مسافر ہیں اور ارضِ روم سے آ رہے ہیں تو پھر شک والی کیا بات ہے؟'' ان چاروں میں سے ایک نرم لہجے میں بولا۔

''اس طرف کہاں جا رہے ہو؟''

''تم بخوبی جانتے ہو کہ یہ راستہ دمشق کو ہی جاتا ہے''۔ وہ ہنس کر بولا۔

''تمہیں یقین دہانی کرانا ہوگی کہ تم واقعی مسلمان ہو، کیونکہ اس جانب سے ہمیشہ نصرانی ہی آتے ہیں''۔ گھڑسوار کا لہجہ اس بات کی چغلی کھا رہا تھا کہ وہ ان کی جانب سے مطمئن نہیں ہو پایا۔

''جب ہم کہہ رہے ہیں تو اتنا ہی کافی ہے۔ اس کے بعد بھی اگر تمہارا شک دور نہیں ہو پایا تو ہمیں اس سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ پیچھے ہٹو اور ہمیں جانے دو''۔ چاروں میں سے یہ شخص کچھ زیادہ ہی جذباتی معلوم ہو رہا تھا، وہ دوسری بار بھی گھڑسوار دستے سے اُلجھنے سے باز نہیں آیا۔

''یہ ممکن نہیں ہے! تم لوگوں کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔ یہاں سے چند کوس دور ہماری چوکی ہے جہاں تمہاری مکمل چھان بین کی جائے گی اس کے بعد ہی تم لوگ کہیں جا پاؤ گے''۔ گھڑسوار فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ یہ سن کر ان چاروں کے چہرے بگڑنے لگے۔

''تم لوگ پیچھے ہٹ جاؤ۔ میں ان سب کے لئے اکیلا ہی کافی ہوں''۔ وہ جذباتی شخص تیز لہجے میں بولا اور گھوڑے کو حرکت دینے لگا۔ اس کی جرأت دیکھ کر گھڑسوار دنگ رہ گئے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ اس حد تک بڑھ جائے گا۔

''مطیع الدین! تم جلد بازی مت کرو۔ میں انہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں''۔ اس کا ساتھی نرمی سے بولا۔ وہ شاید کسی بدمزگی کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''تم لوگ تلواریں سونت لو..... مجھے اس شخص کے ارادے نیک نہیں لگتے''۔ گھڑسوار شخص نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیتے ہوئے کہا۔ اس کے کہتے ہی کئی تلواریں چھنچھناتی ہوئی نیاموں سے باہر نکل آئیں۔ مطیع الدین کے ساتھی نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روکنے کی کوشش کی مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتا، مطیع الدین نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور تیزی سے آگے بڑھ آیا۔ گھڑسوار اس کے ارادے بھانپ چکا تھا اس نے تیزی سے اپنے ساتھیوں کو ان کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا۔ وہ تمام گھڑسوار دستہ ان کے گرد منڈلانے لگا۔

مطیع الدین کا ساتھی شیخ کبیر الدین کا ایک انتہائی وفادار فدائی شیخ ابونصر تھا جو کہ دمشق میں اعلیٰ حیثیت کا مالک تھا۔ ممکن تھا کہ وہ گھڑسوار دستے کو مطمئن کرنے میں کامیاب ہو جاتا مگر مطیع الدین کی جذباتیت نے اس کی تمام کوششوں پر پانی پھیر کر رکھ دیا۔ شیخ ابونصر نے ایک بار پھر مطیع الدین کو روکنے کی کوشش کی مگر مطیع الدین نے اس کی بات سنی اَن سنی کرتے ہوئے گھڑسواروں پر حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر ان تینوں فدائیوں سے نہ رہا

جا سکا کیونکہ انہیں سختی سے ہدایت کی گئی تھی کہ وہ ہر قیمت پر مطیع الدین کو بحفاظت قاہرہ پہنچائیں اور وہاں بھی اس کا خصوصی خیال رکھیں۔ جب مطیع الدین اپنی مہم میں کامیاب ہو جائے تو اسے پوری ہوشیاری سے واپس قلعہ بانیاس لایا جائے۔ مطیع الدین کی اس عجیب حرکت نے ان سب کو امتحان میں ڈال دیا تھا۔ گھڑ سوار دستہ مطیع الدین کے پہلو پر وار پر وار کرنے لگا۔ مطیع الدین بھی بڑی مہارت سے ان کے ساتھ بھڑتا ہوا دکھائی دیا۔ یہ دیکھ کر شیخ ابونصر نے اپنے تینوں ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ مطیع الدین کو بچا کر نکلنے کا موقع فراہم کریں۔ کچھ ہی دیر بعد وہ سب آپس میں بری طرح برسرِ پیکار دکھائی دیئے۔ گھڑ سوار دستہ کوئی عام افراد پر مشتمل نہیں تھا وہ انتہائی مہارت یافتہ سپاہی تھے جنہیں بلادِ شام کی سرحدوں پر حفاظت کے لئے تعینات کیا گیا تھا۔ جب فدائی اور مطیع الدین ان کے ساتھ بھڑے تو انہیں جلد ہی احساس ہو گیا کہ ان کے شک و شبہات غلط نہیں تھے۔ یہ لوگ غیر معمولی طور پر تلوار بازی میں ماہر تھے۔ گھڑ سوار سالار نے حکم دے دیا کہ ان لوگوں کو زندہ گرفتار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ان پر کاری حملے کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ مطیع الدین مخصوص طریقے سے تلوار چلاتا رہا، جس کے باعث کسی کو اس کے قریب پھٹکنے کی جرأت نہیں ہو سکی۔

لڑائی طول پکڑنے لگی تو شیخ ابونصر نے مطیع الدین کے قریب پہنچ کر کہا کہ وہ کسی طرح حصار توڑ کر نکلنے کی کوشش کرے، محافظ سپاہیوں کو اُلجھا لیا جائے گا۔ ابھی وہ اپنی بات بھی مکمل نہیں کر پایا تھا کہ اس کے ساتھیوں کی تیز چیخیں سنائی دیں۔ شیخ ابونصر کے دونوں ساتھی گھڑ سوار دستے کے ہاتھوں لقمۂ اجل بن چکے تھے۔ یہ دیکھ کر شیخ ابونصر کے پسینے چھوٹ گئے۔ وہ اپنی موت کو بالکل اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا تھا۔ اس پر چھانے والی ہیبت ہی اس کے لئے موت کا پیام لے آئی اور ایک سپاہی کا ہاتھ جو گھوما تو اس کا سر گردن سے الگ ہو کر اُڑتا ہوا دور جا گرا۔ اب مطیع الدین تنہا رہ گیا تھا۔ شیخ ابونصر کی موت دیکھ کر اس کے چہرے پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے سپاہیوں کو لڑائی بند کرنے کا اشارہ کیا۔ وہ اب کسی قسم کی جارحیت کا مظاہرہ نہیں کر رہا تھا۔ گھڑ سوار سالار اس کے متضاد رویئے پر دم بخود رہ گیا۔ جانے اس کے دل میں کیا خیال آیا کہ اس نے تیز آواز سے حملے بند کرنے کا حکم دیا۔ گھڑ سوار سالار مستفسرانہ نگاہوں سے مطیع الدین کی جانب دیکھ رہا تھا جو کہ دھیمی مسکراہٹ سے اپنے ساتھیوں کے لاشے دیکھنے میں مشغول تھا۔

❀ ❀ ❀

سلطان بیبرس شقیف عرنون کی پہاڑی سے سیدھا نیچے اترا اور ایک بار پھر صور کی جانب بڑھا۔ صلیبی جنگجوؤں تک ایک اور اہم قلعے کے سقوط کی اطلاع پہنچ چکی تھی۔ وہ شقیف عرنون کی فتح کی خبر سن کر سناٹے میں رہ گئے کیونکہ وہ اسے سب سے زیادہ محفوظ اور مستحکم قلعہ سمجھتے تھے۔ یہ فتح ان کے لئے بڑی مہلک ثابت ہوئی کیونکہ صلیبی سپاہیوں میں نامعلوم سا خوف و ہراس پیدا ہو چکا تھا اور وہ اسلامی لشکر کا سامنا کرنے سے گریز کرنے لگے۔ صلیبی سرداروں نے اس پیچیدہ صورتِ حال سے نبٹنے کے لئے جوشیلے پادریوں اور بشپ کی خدمات حاصل کیں اور سپاہیوں کو مسیحی وعظ سنائے گئے تاکہ ان کے اندر اس مقدس لڑائی کا جذبہ پیدا کیا جا سکے۔

اسلامی لشکر صلیبی جنگجوؤں کے مقابلے میں حاصل ہونے والی پے در پے کامیابیوں کے باعث بے حد پُر امید دکھائی دیتا تھا۔ ان کے عزم و حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے پوری طرح ٹھان لیا کہ وہ ڈیڑھ سو سال سے جس نصرانی عذاب کا شکار تھے وہ اس کی بیخ کنی کر کے ہی دم لیں گے۔ سلطان بیبرس کا دل بھی ہمیشہ سے اسلامی خدمات کے لئے دھڑکتا تھا اور وہ مسلمانوں کے جذبات کو بخوبی سمجھ سکتا تھا۔ صلیبی لٹیروں کی چیرہ

دستیاں اسے ایک آنکھ نہیں بھاتی تھیں، اس نے یہ محسوس کیا کہ اس کے لشکر اس وقت جذبہ جہاد سے پوری طرح سرشار ہیں اور وہ بلادِ اسلامیہ سے نصرانیوں کا بستر گول کرنے پر تلے ہوئے ہیں تو سلطان بیبرس نے صور کو ایک بار پھر نظر انداز کرتے ہوئے لشکروں کو طرابلس الشام کی جانب بڑھنے کا حکم دیا۔ قلعہ شقیف عرنون کے ہاتھ سے نکل جانے پر صلیبی جنگجوؤں کو بے حد صدمہ تھا اس لئے وہ اپنے اپنے قلعوں میں زور و شور سے تیاریوں میں مصروف تھے، اسلامی لشکر چونکہ ابھی تک صلیبی حدود کے اندر موجود تھا اس لئے کسی کو کچھ خبر نہیں تھی کہ وہ کس وقت کس قلعے کے سامنے نمودار ہو جائے۔ کئی دن کی مسافت کے بعد اسلامی لشکر قلعہ طرابلس الشام کے سامنے ظاہر ہوا۔ یہ میدانی علاقے کا قلعہ تھا۔ سلطان بیبرس نے اپنے لشکروں کو کچھ اس انداز سے بکھیر کر طرابلس الشام کا محاصرہ کیا کہ اسلامی لشکر قلعے کے سامنے حدِ نظر تک پھیلا ہوا تھا۔ طرابلس الشام کے افراد نے جب یہ رونگٹے کھڑے کر دینے والا منظر دیکھا تو بخوبی سمجھ گئے کہ اب ان کی باری ہے۔

طرابلس کا باقی تمام صوبہ اسلامی مقبوضات میں شامل تھا صرف یہ شہر جو کہ ساحلی علاقے میں موجود تھا صلیبی قبضے میں تھا۔ یہ ایک اہم شہر تھا جو کہ اس پورے صوبے کو سمندری راستوں سے محفوظ رکھنے کا سبب بن سکتا تھا مگر یہ مخالف قوت کے قبضے میں ہوتے ہوئے باقی تمام صوبے کے لئے خطرے کا باعث بنا ہوا تھا۔ طرابلس الشام کے نصرانیوں کو اپنے قلعے کی مضبوطی پر بڑا یقین تھا دوسرا یہاں نصرانی دیگر علاقوں کی نسبت زیادہ مذہبی رجحان رکھتے تھے اور ان کے پاس بے پناہ جنگی ساز و سامان اور قوت موجود تھی، وہ اسلامی لشکر کو دیکھ کر فی الوقت قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے اور تیزی سے لڑائی کا لائحہ عمل تیار کرنے لگے۔ چھ دن تک دونوں جانب خاموشی چھائی رہی۔ ساتویں روز جب اہل طرابلس نے اپنے شہر کے باہر نگاہ ڈالی تو وہ سناٹے میں رہ گئے کیونکہ وہاں اُڑتی ہوئی خاک کے سوا اور کچھ نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ اسلامی لشکر رات کے اندھیرے میں ہی پُراسرار انداز میں وہاں سے جا چکا تھا۔ اہل طرابلس نے دور دور تک نگاہیں دوڑائیں کہ شاید یہ کوئی چال ہو، کئی مخبر بھی روانہ کئے گئے مگر اسلامی لشکر کس جانب نکل گیا، کسی کو کچھ خبر نہ ہو پائی؟

❀ ❀ ❀

وہ گھڑ سوار سالار عجیب نگاہوں سے مطیع الدین کو دیکھتا رہا جو کہ اپنی تلوار نیام میں ڈال چکا تھا سالار ابھی تک کوئی واضح رائے قائم نہیں کر سکا کہ اس شخص کے ارادے کیا ہیں؟

''یہ سب کیا تھا؟ تم نے اپنے تینوں ساتھیوں کو ہمارے ہاتھوں کیوں ہلاک کروایا؟''

''تم بتا رہے تھے کہ یہاں سے کچھ دور تمہاری چوکی ہے، وہیں چل کر تفصیلی بات کرتے ہیں''۔ مطیع الدین کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ سالار اس کی بات سن کر کچھ لمحے سوچتا رہا پھر اس نے اپنے ساتھیوں کو لاشیں گھوڑوں پر لادنے کا حکم دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوگ چوکی کی جانب بڑھنے لگے۔ محافظ سپاہیوں نے مطیع الدین کو مخصوص قسم کا گھیرا ڈالا تھا تاکہ وہ انہیں جل دے کر فرار ہونے کی کوشش نہ کر سکے۔ مطیع الدین ان کے اس محاصرے سے بالکل لاپرواہ دکھائی دیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ سب لوگ عسکری چوکی تک پہنچ گئے۔ یہاں بڑے بڑے خیمے لگے ہوئے تھے۔ سالار نے مطیع الدین کو دوسرے سپاہیوں کے نرغے میں دیتے ہوئے باقی محافظوں کو واپس اپنے مقامات پر لوٹنے کی ہدایت کی۔ اس دوران مطیع الدین کی جامہ تلاشی لی گئی اور اس سے تلوار اور خنجر لے لئے گئے۔ مطیع الدین بالکل خاموش تھا جبکہ سالار اس کی اسراریت پر مخمصے کا شکار تھا۔ کچھ دیر تک رسمی کارروائی مکمل ہو گئی تو سالار نے اسے بیٹھنے کا حکم دیا۔ وہ اطمینان سے ایک بڑے سے پتھر کے بنچ پر بیٹھ گیا۔

''میرا خیال ہے کہ تمہیں اب کھل جانا چاہئے کیونکہ صرف میرا تجسس ہی تمہاری زندگی کا ضامن ہے ورنہ میرے سپاہی یقیناً تمہارے ساتھ یہ احسن سلوک نہ کرتے''۔ سالار بولا۔

''میرا نام مطیع الدین ہے، جیسا کہ تمہیں تھوڑی دیر پہلے معلوم ہو گیا ہوگا''۔ مطیع الدین مسکرا کر بولا۔ جس پر سالار کے ہونٹ سکڑ گئے۔ ''میں اردوئے زریں کا رہنے والا ہوں اور وہاں اہم شاہی منصب پر فائز ہوں، یہ کچھ ماہ پیشتر کی بات ہے کہ مجھے دربارشاہی کی جانب سے حکم ملا کہ میں کچھ ساتھیوں کے ساتھ ایک سفارت مرتب کروں اور دربارِ خلافت کا رُخ کروں۔ میں اسی سلسلے میں سرائے سے روانہ ہوا اور دربار خلافت کی طرف آرہا تھا کہ شامی سرحد پر میرے مختصر قافلے کا گھیراؤ کر لیا گیا اور کچھ رہزنوں کے ساتھ ہماری جھڑپ ہو گئی، میں نے بہتیری کوشش کی کہ انہیں چکمہ دے کر نکل جاؤں مگر وہ بے حد ہوشیار ثابت ہوئے، میرے کئی ساتھی مارے گئے اور مجھے پکڑ کر بے ہوش کر لیا گیا۔ مجھے جب ہوش آیا تو خود کو ایک تاریک زنداں خانے میں موجود پایا۔ میرا سامان بھی میرے پاس نہیں تھا۔ ان لوگوں نے میرے سامان کی تلاشی لی تو انہیں بآسانی وہ مراسلہ بھی مل گیا جو کہ میں دربار خلافت کے لئے سرائے سے ساتھ لایا تھا۔ انہیں جب میری حیثیت کے بارے میں معلوم ہوا تو وہ مجھے ایک خاص کمرے میں لے گئے، وہاں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ وہ لوگ درحقیقت فدائی تھے۔ ان کے بارے میں میری معلومات کچھ زیادہ نہیں تھیں۔ انہوں نے مجھے آزاد کرنے اور میرا سامان لوٹانے کا عندیہ دیا جس پر میں بے حد حیران ہوا۔ میری حیرانگی زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ پائی کیونکہ انہوں نے یہ فرمائش کی کہ میں ان کے فدائیوں کو اپنے ساتھیوں کی صورت میں ساتھ لے کر دربار خلافت لے جاؤں، میں ان کا مقصد سمجھ نہیں پایا کہ وہ میرے ذریعے دربار خلافت میں کیا مطلب برآری چاہتے ہیں؟ لہٰذا میں نے صاف انکار کر دیا۔ اس انکار کی بناء پر انہوں نے مجھے دوبارہ تاریک زنداں میں پھینک دیا، مجھے معلوم نہیں کہ میں کتنے ماہ تک وہاں قید رہا۔ ایک دن میری ہمت جواب دے گئی تو میں نے شور مچا کر انہیں اپنی طرف متوجہ کیا اور ان کا مطالبہ صرف اس شرط پر ماننے کا اقرار کیا کہ وہ مجھے حقیقت بتا دیں تو میں انہیں اپنے ساتھ دربار خلافت لے جاؤں گا۔ انہوں نے مجھے فریب دیتے ہوئے جو کچھ بیان کیا وہ کچھ واضح نہیں تھا۔ میں تو زنداں سے نکل کر آزاد فضا میں آنا چاہتا تھا۔ اسی لئے میں نے ان کی تمام شرائط مان کر فدائیوں کو اپنا ساتھی بنایا اور پھر وہاں سے روانہ ہوا۔ باہر نکلنے پر مجھے معلوم ہوا کہ جس جگہ مجھے رکھا گیا تھا وہ کوئی بہت بڑا قلعہ تھا۔ میں بخوبی سمجھ گیا کہ یہ لوگ کوئی ناپاک ارادہ رکھتے ہیں اور میری وساطت سے خلیفۃ المسلمین کو کوئی نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ میں موقعے کی تلاش میں تھا کہ کسی طرح ان سے پیچھا چھڑا لوں کیونکہ ان کی موجودگی میں، میں کوئی حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ تم لوگوں کو دیکھ کر میں نے شکر کا کلمہ پڑھا اور جان بوجھ کر تم پر حملہ کیا تاکہ ان فدائیوں سے میری خلاصی ہو سکے''۔ مطیع الدین نے اپنی بات ختم کی تو سالار کسی سوچ میں ڈوبا ہوا دکھائی دیا۔

''تمہاری حرکت سے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ تم صحیح کہہ رہے ہو مگر تمہاری جامہ تلاشی سے کوئی ایسی چیز برآمد نہیں ہو پائی جو کہ اس بات کی غمازی کرتی ہو کہ تم واقعی سرائے سے آئے ہو اور دربار خلافت کوئی پیغام پہنچانا چاہتے ہو''۔ سالار کسی قدر توقف سے بولا۔

''میں جانتا تھا کہ تم یہی سوال کرو گے، میرا تمام سامان اسی قلعے میں موجود ہے جہاں میں مقید تھا۔ البتہ وہ شاہی مراسلہ جو کہ میں سرائے سے ساتھ لایا تھا وہ شیخ ابونصر کے پاس موجود ہے، اس نے قلعہ سے چلتے ہوئے مجھے دکھایا تھا اور کہا تھا کہ یہ مجھے دربار خلافت میں دے دیا جائے گا''۔ مطیع الدین نے سربریدہ لاش کی جانب اشارہ کر کے کہا۔ سالار نے ایک سپاہی کو ہدایت کی کہ وہ ان تینوں لاشوں کے لبادوں کا اچھی

طرح جائزہ لے اور جو کچھ ان میں موجود ہے وہ سب نکال کر یہاں لائے۔ کچھ دیر دونوں جانب خاموشی چھائی رہی۔ کچھ دیر بعد سپاہی واپس لوٹا تو اس کے ہاتھ چند چیزیں تھیں مگر ان میں کوئی ایسا شاہی مراسلہ موجود نہیں تھا جو کہ مطیع الدین کی بات کو سچ ثابت کر سکتا۔ سالار نے ان چیزوں کا اچھی طرح جائزہ لیا تو اسے یہ بات معلوم ہو گئی کہ وہ تینوں فدائی ہی تھے۔ ان کے پاس مخصوص دُعائیں برآمد ہوئی تھیں جن میں سے ایک ارضی جنت کے متعلق تھی۔ صرف یہی چیز ان کے فدائی ہونے کا ثبوت فراہم کر رہی تھی۔

''مطیع الدین! تمہارا کہنا ہے کہ مراسلہ ان کے پاس موجود ہے مگر ان سے ان اشیاء کے علاوہ اور کچھ برآمد نہیں ہوا ہے، اب بتاؤ کہ میں تمہاری بات پر کیسے یقین کر سکتا ہوں حالانکہ میں یہ بھی دیکھ چکا ہوں کہ تم ایک اچھے ماہر شمشیر زن بھی ہو''۔ سالار کا لہجہ شکوک و شبہات سے بھرا ہوا تھا۔

''میرے پاس اپنی سچائی ثابت کرنے کے لئے کچھ بھی باقی نہیں بچا۔ اب تمہاری مرضی ہے، تم جو چاہو سلوک کر سکتے ہو''۔ مطیع الدین سر جھکا کر مغموم انداز میں بولا۔ سالار اس کی بات سن کر تذبذب کا شکار ہو گیا۔ کچھ دیر بعد وہ خود ہی فیصلہ کر کے بولا۔

''اگر تمہیں سپاہیوں کی حفاظت میں دربار خلافت پہنچا دیا جائے تو کیا تم وہاں اپنی حیثیت ثابت کر سکو گے؟'' سالار گہری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

''میں کوشش کروں گا کہ وہاں مجھے کوئی اپنا مل جائے، تاکہ میری شناخت ہو سکے کیونکہ سرائے کے بے شمار لوگ آج کل وہاں آباد ہیں''۔ مطیع الدین نے یقینی انداز میں امید ظاہر کی۔

''ٹھیک ہے، میں تمہاری بات پر اعتماد کر کے تمہیں قاہرہ روانہ کئے دیتا ہوں مگر تم دربار خلافت براہ راست نہیں جا پاؤ گے کیونکہ اس کے لئے تمہیں امیر فخر الدین لقمان سے ملنا ہوگا جو کہ سلطان محترم کا خاص معتمد ہے اگر اسے تمہارے بارے میں یقین ہو گیا کہ تم وہی ہو جسے سرائے سے روانہ کیا گیا تھا تو یقیناً تمہارے نقصان کی تلافی کر دی جائے گی اگر تم اسے یقین دلانے میں ناکام رہے تو تمہاری زندگی کی کوئی ضمانت نہیں ہے''۔ سالار نے کھل کر بتا دیا۔

مطیع الدین نے کچھ لمحے سوچنے کے بعد اس کی پیشکش پر آمادگی ظاہر کی۔ اسے دوسرے خیمے میں منتقل کر دیا گیا اور ساتھ ہی اسے باہر نکلنے سے فی الوقت منع کر دیا گیا۔ مطیع الدین سمجھ گیا کہ یہ بھی ایک قسم کی قید ہے مگر یہ عارضی ثابت ہوئی۔ مطیع الدین نے اپنی مخصوص حکمت عملی سے نہ صرف فدائی نگرانوں سے خود کو آزاد کرا لیا تھا بلکہ وہ قاہرہ کی جانب بڑھنے کا بندوبست بھی کر چکا تھا۔ اس کی منزل صرف اور صرف قاہرہ تھی۔ فدائی افراد کو ہلاک کرانے کے پیچھے اس کی مخصوص طبیعت کا دخل تھا کیونکہ وہ اپنی کسی بھی مہم میں نگرانی تو کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ مطیع الدین اپنے تئیں یہ مصمم ارادہ کر چکا تھا کہ وہ تن تنہا دربار خلافت میں نہ صرف مہم کی تکمیل کرے گا بلکہ خلیفہ کا سر کاٹ کر ہمراہ لے جائے گا اور اسے شیخ کبیر الدین کے قدموں میں پھینک کر اسے جتا دے گا کہ اس کی صلاحیتیں ابھی زنگ آلود نہیں ہوئیں، پھر کس بنیاد پر شیخ کبیر الدین گل وقوڑ کو اس کے حوالے نہیں کرے گا...... اسے گل وقوڑ ہر قیمت پر مطیع الدین کو واپس دینا ہی ہوگی۔

❀ ❀ ❀

سلطان بیبرس نے آغاز شب پر جب اچانک محاصرہ ختم کرنے کا حکم جاری کیا تو سب لوگ حیران رہ گئے۔ اسلامی لشکر نے اپنے سلطان کا حکم بجالانے میں ذرا سی کوتاہی نہیں کی۔ نصف شب سے قبل ہی خیمے اکھاڑ لئے گئے اور سفر کی تیاری مکمل ہو گئی۔ سلطان طرابلس الشام کو چھوڑ کر شمال کی جانب روانہ ہو گیا۔ تیز رفتاری سے

سفر کرتا ہوا وہ اگلے چند دن بعد انطاکیہ کی سرحدوں پر نمودار ہوا۔ اتفاق کی بات تھی کہ انطاکیہ کا حکمران بوہمنڈ شقیف عرنون کی فتح کی خبر سن کر ان دنوں دوبارہ ارضِ نوبہ کے شاہ ڈیوڈ کے پاس روانہ ہو چکا تھا اس کا مقصد سابقہ ساقط سلسلہ گفتگو کو از سرِ نو شروع کر کے اسلامی لشکر کے خلاف کوئی واضح منصوبہ سازی تیار کرنا تھا۔

انطاکیہ ایک لاطینی ریاست تھی جو کہ صلیبی شر پسندوں کو باقاعدہ مدد اور رسد فراہم کرتی تھی۔ بقول مؤرخ ابوالفدا کے، یہ ریاست انتہائی شریر اور کمینہ خصلت صلیبیوں سے معمور تھی اور گذشتہ ایک سو ستر برس سے اپنی بے ہودہ حرکات کے باعث مسلمانوں کو بار بار دعوتِ مبارزت دے رہی تھی۔ یوں تو انطاکیہ ہر زمانے میں ایک بڑا مشہور شہر رہ چکا تھا اور نصرانیوں کے نزدیک یہ نہایت متبرک اور مقدس مقام کا درجہ رکھتا تھا۔ یہی وہ شہر تھا جہاں سب سے پہلے عیسائی مبلغ سینٹ پال نے اپنی تبلیغی مہم کا آغاز کیا تھا اور ہر طرف نصرانیت کا پیغام پھیلا دیا تھا۔ مسلمانوں میں سب سے پہلے اسے حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں فتح کیا گیا مگر چند ہی سال بعد یونانی اسے دوبارہ واپس حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ قبضہ زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکا اور پھر اسے اسلامی سلطنت کا حصہ بنا لیا گیا۔ طویل عرصے کے بعد صلیبی جنگجوؤں کی آمد پر اسے نشانہ بنایا گیا اور سات ماہ کے پُرصعوبت محاصرے کے بعد جون 1098ء میں فتح کر لیا۔ یہ فتح بھی ایک نومسلم ارمنی شخص بہروز کی غداری کی مرہونِ منت تھی جو کہ ایک خفیہ راستے سے صلیبی سپاہیوں کو قلعہ کے اندر لے گیا تھا۔ اس وقت سے یہ شہر مسلسل صلیبی قبضے میں تھا اور انہوں نے یہاں ایک باقاعدہ ریاست قائم کر لی تھی جو کہ نہایت مضبوط اور مستحکم خیال کی جاتی تھی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی مجاہدانہ کوششیں بھی اس شہر کو مسخر کرنے میں بوجوہ کامیاب نہ ہوئی تھیں۔

انطاکیہ کی ریاست کئی سو مربع میل پر محیط تھی اور خود انطاکیہ کا بارونق شہر ایک نہایت مستحکم دوہری فصیل کے اندر دریائے المقلوب کے کنارے صدیوں سے موجود تھا۔ اس شہر میں عیسائیوں کے کئی مقدس مقامات، عظیم الشان گرجے اور مضبوط قلعے تھے۔ اس شہر کی حفاظت کے لئے ہر وقت دو لاکھ سے زائد اعلیٰ درجے کے مہارت یافتہ صلیبی جنگجو موجود تھے اور عسکری تربیت سے آراستہ مقامی نصرانیوں کی ایک کثیر تعداد بھی ان کی پشت پر موجود رہتی تھی۔ اہلِ انطاکیہ کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ سلطان سبرس کبھی اوپر کا رُخ کرے گا۔ انطاکیہ تو صلیبی مقبوضات سے کافی فاصلے پر موجود تھا۔ جب انہوں نے انطاکیہ کے گرد مسلمان مجاہدین کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دیکھا تو وہ حیران و پریشان دکھائی دیئے۔

سلطان سبرس نے اس مشکل ترین دور میں نہایت ہی کٹھن قدم اُٹھایا تھا، عالمِ اسلام ابھی اپنی ارضِ سلطنت سے دشمنانِ اسلام کا خاتمہ نہیں کر پایا تھا کہ سلطان سبرس تمام لشکر لے کر بلادِ اسلامیہ سے دور انطاکیہ پہنچ گیا تھا جہاں خطرات بے حد زیادہ تھے۔ یہ بڑا اہم مقام تھا سلطان سبرس نے فیصلہ وقت کے ہاتھ سونپ دیا تھا اگر وہ فتح یاب ہوتے تو یقیناً نصرانیوں پر دھاک بیٹھ جاتی اور وہ ارضِ مقدس کے صلیبیوں کی مدد و معاونت سے باز آ جاتے، اگر خدانخواستہ انہیں شکست ہو جاتی تو اسلامی لشکر کے پاس فرار کی بھی راہیں نہیں تھیں، نصرانی سپاہی بآسانی انہیں گھیر کر ہلاک کر دیتے۔ یہ ایک کڑا امتحان تھا۔ اسلامی لشکر کو بھی یہ توقع ہرگز نہیں تھی کہ سلطان سبرس اس قدر دور نکل کر ایک مختلف سمت میں محاصرہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ یہ سراسر اسلامی سلطنت سے تجاوز تھا جسے مؤرخین نے بہت سخت الفاظ میں بیان کیا ہے۔ یہ ایک ایسی خودکشی تھی جسے سلطان سبرس نے خود قبول کیا تھا۔

❁❁❁

مطیع الدین کمال ہوشیاری سے سپاہیوں کو جل دینے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ وہ اسے اپنی نگرانی میں قاہرہ لے جا رہے تھے جہاں اسے نائب سلطان کے سامنے پیش کیا جاتا اور اس کے بارے میں پوری تحقیق کے بعد ہی کوئی فیصلہ کیا جاتا۔ مطیع الدین نے گرفتاری کے موقعہ پر عقلمندی کا مظاہرہ کیا جو اس نے برقائی خان کا نام لے لیا۔ اب سپاہیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر وہ فلسطین کے شمال مغرب میں تیز رفتاری سے بڑھتا چلا گیا۔ اس وقت نہ تو اس کی کوئی منزل تھی اور نہ ہی اس بات کی کوئی خبر کہ..... وہ اب کہاں پہنچ جائے گا؟ اسے بس اس بات کی فکر تھی کہ وہ کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائے پھر آگے کے حالات کے بارے میں غور کر لے گا۔ خلیفہ کے قتل کی مہم کی تکمیل کے لئے اس کا ذہن پوری طرح متحرک تھا۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ یہ کام آسان نہیں ہے اور نہ ہی اسے قاہرہ میں کوئی ایسا موقعہ حاصل ہو سکے گا۔ فدائی معاونت کی اہمیت اسے اب شدت سے محسوس ہو رہی تھی مگر وہ یہ مہم تنہا ہی انجام دینے کا خواہشمند تھا۔ وہ خیالوں الجھا ہوا گھوڑا دوڑاتا رہا۔ سفر کی طوالت کس قدر مزید تھی اس سے وہ قطعی طور پر بے خبر تھا۔ اسی لئے وہ پانی کا استعمال احتیاط سے کرتا رہا۔ کئی دن کی مسافت کے بعد اسے دور آبادی کے آثار دکھائی دیئے تو اس کے جسم میں عجیب سی سرشاری سی پھیل گئی۔ وہ مناسب رفتار سے آبادی کے قریب پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ ایک فصیل دار شہر تھا جس کے گرد کئی بستیاں کھلے میدان میں بسی ہوئی تھیں۔ شہر کی فصیل پر لہرانے والے پرچم کو دیکھ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا کہ وہ جس شہر میں پہنچا تھا وہ مسلمانوں کی ملکیت میں ہی تھا۔ شہر کے باسیوں نے نو وارد اجنبی پر اچٹتی نگاہ ڈالی اور پھر اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے۔ مطیع الدین نے سب سے پہلے یہ معلوم کیا کہ وہ کونسا شہر ہے؟ تو اسے جواب ملا کہ اس شہر کا نام ''طنطا'' ہے۔ مطیع الدین نے شہر طنطا کے بارے میں کئی سوال کئے۔ مقامی لوگوں نے اس کی اجنبیت کا اندازہ لگا کر اسے کوتوال شہر کے پاس بھیج دیا تاکہ وہ وہاں سے اپنی مطلوبہ معلومات آسانی سے حاصل کر سکے۔ مطیع الدین کے پاس نہ تو اتنی رقم تھی کہ وہ کسی سرائے میں ٹھہرنے کا بندوبست کر پاتا اور نہ ہی اس شہر میں کوئی اس کا آشنا تھا۔

مطیع الدین نے اپنی ذہانت استعمال کرتے ہوئے کوتوال شہر سے ملاقات کی اور خود کو اجنبی اور مظلوم قرار دیتے ہوئے اس سے مدد کی درخواست کی۔ کوتوال شہر نے اس کے سراپے پر گہری نظر ڈالی۔ کئی دن کے سفر نے مطیع الدین کی صورت خاصی مضحکہ خیز بنا دی تھی۔ سر دھول سے اَٹا پڑا تھا اور چہرے پر گرد کی تہہ نے سیاہی سی پھیلا ڈالی تھی۔ کپڑے بھی خاصے میلے کچیلے تھے۔ کوتوال شہر نے اس مفلوک الحالی کے بارے میں استفسار کیا تو مطیع الدین نے اسے بتایا کہ وہ دمشق سے قاہرہ کی جانب ایک قافلے کے ساتھ سفر کر رہا تھا کہ اچانک اس قافلے پر لٹیروں نے حملہ کر دیا۔ قافلہ لوٹ لیا گیا اور بے شمار مردوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ وہ بمشکل جان بچا کر وہاں سے بھاگا اور بھٹکتا ہوا اس طرف آ نکلا۔ اس کا تمام سرمایۂ حیات اسی قافلے کے ساتھ لٹ گیا۔ اب وہ بالکل کنگال ہو چکا ہے لہٰذا اس کے لئے یہاں ٹھہرنے کا کوئی بندوبست کیا جائے اور نہ صرف مالی معاونت کی جائے بلکہ اسے قاہرہ جانے کے لئے زادِ راہ بھی فراہم کیا جائے۔

کوتوال شہر نے اس کی من گھڑت کہانی سننے کے بعد اس کے ساتھ اظہارِ تاسف کیا اور خود کو اس ضمن میں بے بس قرار دیتے ہوئے اسے والیٔ شہر سے ملنے کا مشورہ دیا۔ مطیع الدین نے اس سے درخواست کی کہ وہ اسے کسی طرح والیٔ شہر تک پہنچا دے باقی معاملہ وہ خود سنبھال لے گا۔ کوتوال شہر نے اس حد تک مدد پر آمادگی ظاہر کی اور اسے والیٔ شہر کے خاص محل تک پہنچا دیا۔

مطیع الدین نے والیٔ شہر کے سامنے کچھ اس انداز سے سرگذشت بیان کی کہ وہ کافی متاثر دکھائی دیا۔

اس نے مطیع الدین سے اس مقام کے بارے میں دریافت کیا جہاں قافلہ لٹنے کا حادثہ پیش آیا تھا تو مطیع الدین نے یہ کہہ کر خلاصی کرائی کہ وہ چونکہ پہلی بار اس جانب آیا ہے اس لئے صحیح محلِ وقوع سے بالکل ناواقف ہے، دوسرا اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ دمشق یا قاہرہ کے کس سمت میں اس وقت موجود ہے؟ والئی شہر نے اسے تسلی دی اور کوتوال شہر کو معاملے کی چھان بین کا حکم دیا۔ والئی شہر نے بیت المال سے کچھ رقم مطیع الدین کے حوالے کرنے اور سرکاری سرائے میں ٹھہرائے جانے کے احکامات جاری کئے۔ کوتوال شہر مطیع الدین کو ساتھ لے کر سرکاری سرائے میں چلا آیا۔ مطیع الدین نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ سرائے میں پہنچ کر مطیع الدین نے سب سے پہلے غسل کر کے اپنی حالت درست کی۔ اس کی خستہ حالی نے اس کی مشکل کو از حد آسان کر دیا تھا۔ دوسرے دن مطیع الدین کو رقم کی ایک تھیلی بھی مل گئی۔ اس نے طنطا میں کچھ دن رُکنے کا فیصلہ کیا تا کہ وہ اپنی مہم کی کامیابی کے لئے کوئی لائحہ عمل طے کر سکے۔ سرائے میں بے کار بیٹھ رہنے سے اسے گھٹن سی محسوس ہونے لگی۔ اس کے قدم سرائے سے باہر نکل پڑے۔ وہ بے مقصد طنطا کے بازاروں اور گلیوں میں گھومتا رہتا۔ ایک شام وہ وقت گزاری کے لئے طنطا کے بے رونق بازار میں گھوم رہا تھا کہ اس کی نگاہ ایک شخص کے سراپے ٹھہر گئی۔ وہ کوئی بدوی محسوس ہوتا تھا۔ وہ عرب بدوؤں کی مانند سفید لباس میں ملبوس تھا اور اس کا چہرہ عمامے کی اوٹ میں یوں چھپا ہوا تھا جیسے اس نے جان بوجھ کر نقاب اوڑھ رکھا ہو۔ وہ تیز رفتاری سے قدم اُٹھاتا ہوا ایک جانب چلا جا رہا تھا۔ جانے کیوں مطیع الدین کے ذہن میں یہ خیال اُبھرا کہ یقیناً اس شخص کا تعلق فدائیوں سے ہی ہوگا۔ اس کا خود کو چھپانے والا انداز ہو بہو فدائیوں سے مشابہ تھا۔ مطیع الدین نے چند ساعتوں میں اس امر کا فیصلہ کیا کہ وہ اس شخص کی اصلیت کا کھوج ضرور لگائے گا اور پھر وہ اپنے تجسس کی تسکین کے لئے خاموشی سے اس کے پیچھے ہو لیا۔

❁ ❁ ❁

سلطان سبرس انطاکیہ کی بلند و بالا فصیل کے دامن میں اسلامی لشکر کے ساتھ شہر کے انتظامات کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ اس کے مملوک سالار اس کے ساتھ تھے۔ مملوک سالاروں کو لشکر کشی کی اس مہم پر تو کوئی اعتراض نہیں تھا مگر وہ بلادِ اسلامیہ سے دوری کو شدت سے محسوس کر رہے تھے۔ انہوں نے ڈھکے چھپے الفاظ میں سلطان سبرس کی توجہ اس جانب مبذول کرانے کی کوشش کی۔ سلطان سبرس ان کے چہروں پر پھیلی ہوئی اضطرابی لہروں کو بھانپ گیا۔ اس نے کڑے الفاظ میں انہیں خود کو مطمئن رکھنے کا حکم دیا۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں مجاہدین اپنے سالاروں کے اترے ہوئے چہرے دیکھ کر ہمت نہ ہار بیٹھیں۔ سالار سلطان سبرس کے سامنے تو خاموش رہے مگر ان کے اندر اُٹھنے والے وسوسوں کے طوفان خاموش رہنے پر آمادہ نہیں دکھائی دیئے۔ سلطان سبرس کی عقابی نگاہوں نے بہت جلد ہی تاڑ لیا کہ انطاکیہ کے بارے میں زیادہ تاخیر کرنا مناسب نہیں ہے ورنہ سالاروں میں پایا جانے والا اضطراب بہت جلد مجاہدین کے لہو میں اُتر جائے گا اور جوش و جہاد کا جذبہ ایسا سرد پڑے گا کہ ان کی واپسی کا سوچنا بھی محال ہو جائے گا۔ انطاکیہ کا محاصرہ کئے ابھی دوسرا دن تھا کہ سلطان سبرس نے تمام سپاہیوں کو صفیں سیدھی کرنے کا حکم دے دیا۔ مجاہدین حکم پاتے ہی تعمیل میں جت گئے۔ دستوں کے سالار سلطان سبرس کے فیصلے پر کسی قدر معترض دکھائی دیئے مگر سلطان سبرس نے ان کی قطعاً پرواہ نہیں کی۔ صفیں سیدھی ہونے پر سلطان سبرس نے گھوڑے کی پشت پر بیٹھ کر سرسری انداز میں لشکر کا معائنہ کیا اور پھر ان کے بالکل سامنے ایک جگہ ٹھہرتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو اُٹھا کر سب کو اپنی جانب متوجہ کیا اور بلند آواز میں ان سے کہا۔

''مسلمانو! تم سب اپنے سروں پر کفن باندھ کر گھروں سے میرے ساتھ نکلے ہو۔ تمہارا اور میرا مقصد صرف ایک ہی ہے کہ عالمِ اسلام کے گرد پھیلے ہوئے ان سب خطرات کو ایک ایک کر کے مٹا دیا جائے جنہوں نے گذشتہ ڈیڑھ صدی سے ہماری نیندیں اُڑا رکھی ہیں، میں جانتا ہوں کہ یہ کام آسان نہیں ہے مگر تم آج بخوبی دیکھ سکتے ہو کہ ہماری صفوں میں اس اتحاد کا فقدان نہیں ہے جو ہمارے پیش رو سلطانوں کو درپیش رہا۔ اگر صلیبی ہم پر حاوی ہوئے ہیں تو اس کی وجہ ہم میں اتحاد و یکجہتی کا فقدان اور حوصلوں کی پستی تھی۔ تم نے دیکھ ہی لیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اسی دن سے ہمارے ساتھ ہے جب سے ہم نے مل کر ان فتنوں کی سرکوبی کا بیڑا اُٹھایا تھا اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کی قوت ایمانی کی بدولت چھینے ہوئے صلیبی قلعوں اور شہروں کا دوبارہ تمہیں مالک بنا دیا ہے''۔

سلطان سبرس توقف بھر کے لئے خاموش ہوا تو مجاہدین پُر جوش انداز میں نعرۂ تکبیر بلند کرنے لگے۔ سلطان سبرس نے انہیں دوبارہ اپنی طرف متوجہ کیا۔

''مجاہدو! آج پھر امتحان کی گھڑی ہمارے سامنے ہے۔ یہ مت سوچنا کہ میں اپنی سلطنت کی حدود بڑھانے کا حریص ہوں یا مجھے فتوحات کرنے کا مرض لاحق ہے۔ تم سب جانتے ہو کہ میں کل تک غلام تھا، میرا دل اس وقت بھی مسلمانوں کے لئے دھڑکتا تھا اور آج جب کہ سلطان ہوں، آج بھی میرے دل میں مسلمانوں کے لئے ویسی ہی تڑپ ہے۔ اللہ کی قسم! میں بھی تم لوگوں کی طرح اس جہان فانی سے خالی ہاتھ ہی جاؤں گا۔ تم سے زیادہ مجھے شہادت کی تمنا ہے اور میری یہ تمنا کب پوری ہوگی میں کچھ نہیں جانتا۔ میں تمہیں تمہارے شہروں سے دور صرف اس لئے لایا ہوں کہ تم لوگ میرے ساتھ مل کر ان بنیادوں کو ہی کھود ڈالو جن پر سارا صلیبی استحکام کھڑا ہے۔ اس شہر کی بربادی ہی ہماری نسلوں کے بہترین مستقبل کی ضمانت ہے۔ تمہاری بانہوں میں کتنا دم ہے اور تمہارے دلوں میں اپنی نسلوں کی بقاء کے لئے کتنا جذبہ پنپ رہا ہے، یہ اسی کے امتحان کا دن ہے۔ یاد رکھو! تم سب لوگ میرے ساتھ بالکل اسی طرح کھڑے ہو جیسے ایک دن طارق بن زیاد کے ساتھ اس کے سپاہی اندلس کے ساحل پر کھڑے تھے۔ طارق نے اپنی کشتیاں جلا کر انہیں یہ باور کرایا تھا کہ واپسی کا اب کوئی راستہ باقی نہیں بچا، انہیں یا تو اندلس فتح کرنا ہوگا یا شہادت قبول کرنا ہوگی۔ آج میں بھی یہی تم سے کہہ رہا ہوں کہ تم سب کو مل کر انطاکیہ فتح کرنا ہوگا یا پھر نصرانیوں کے ہاتھوں مرنا ہوگا دونوں راستے تمہارے سامنے ہیں! شہادت کی موت یا پھر فاتحوں کی طرح سر اُٹھائے ہوئے.....؟''

سلطان سبرس کے خطاب نے مجاہدین کے اندر ایسی گرمی و ولولہ برپا کر دیا کہ وہ اسی وقت انطاکیہ کا فیصلہ کرنے پر تل گئے۔ سلطان سبرس نے لوہا گرم دیکھ کر ضرب لگانے میں کوتاہی نہیں کی، حکم پاتے ہی مجاہدین انطاکیہ کی فصیل پر ٹوٹ پڑے۔ نصرانی سپاہیوں نے اسلامی لشکر کا جارحانہ انداز دیکھ کر فصیل کے برجوں میں سے تیروں کی بارش برسانا شروع کر دی مگر ان کی کوشش کارگر ثابت نہ ہوئی۔ مجاہدین غیظ و جوش میں دیوانے ہو چکے تھے۔ جذبۂ شہادت کا شوق کچھ ایسا لذت آمیز تھا کہ وہ اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر فصیل پر چڑھتے چلے گئے۔ برجوں پر تعینات نصرانی سپاہی مجاہدین کی سرعت انگیزی اور جرأت کے مظاہرے دیکھ کر خوفزدہ ہونے لگے۔ ان کے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے اور بہت جلد مجاہدین نے برجوں کا اختیار اپنے قبضے میں لے لیا۔ فصیل کا ایک بڑا حصہ مجاہدین کے قبضے میں آ چکا تھا۔ پھر جب مسلمان سپاہیوں کی نظر فصیل پر نصرانیوں سے نبرد آزما اپنے سلطان پر پڑی تو ان کے اندر برق سی بھر گئی۔ سلطان سبرس کو اپنے شانہ بہ شانہ لڑتے دیکھ کر انہیں نہ صرف روحانی طور پر مسرت حاصل ہوئی بلکہ ان کے حوصلے بھی مزید بڑھ گئے۔

مملوک سالاروں نے جب پہلے ہلے میں ہی اتنی بڑی کامیابی کا مشاہدہ کیا تو انہیں اپنے خدشات مٹتے ہوئے محسوس ہوئے۔ سلطان بیبرس نے فصیل پر کھڑے ہو کر انہیں اپنی کارروائی شروع کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے برق رفتاری سے منجنیقوں اور سفر منہوں شہر پر پتھروں کی برسات شروع کر دی۔ سلطان بیبرس اس مرتبہ پوری تیاری کے ساتھ قاہرہ سے نکلا تھا۔ سامانِ حرب کا بھرپور انداز میں استعمال کیا گیا۔ اسلامی لشکر کی زیادہ کوشش یہی رہی ہے کہ نصرانی سپاہیوں کو سنبھلنے کا موقعہ ہی نہ دیا جائے۔

انطاکیہ کے صلیبی محافظوں اور سپاہیوں نے جب اسلامی لشکر کی ولولہ انگیزی کا منظر دیکھا تو وہ جلد ہی سنبھل گئے۔ ان کے پاس بھی آلات حرب وضرب کی کمی نہیں تھی۔ بہت مختصر وقت میں منظم ہو گئے اور اسلامی لشکر کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہو گئے۔ سلطان بیبرس کی ہدایت کے مطابق دوہری فصیل میں اتنا بڑا شگاف کر دیا گیا کہ اسے فوری پُر کرنا نصرانیوں کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس تمام حصے پر اسلامی لشکر کا قبضہ تھا۔ فصیل کے ملبے سے خندقیں پُر کر دی گئیں اور اسلامی لشکر پوری قوت سے شہر کے اندرونی حصے میں داخل ہو گیا۔ اس گھمسان کا رن پڑا کہ انطاکیہ کے گلی کوچوں میں خون کی ندیاں بہنے لگیں اور ہر طرف نعشوں کے انبار لگ گئے۔ مجاہدین اپنے گھروں سے سینکڑوں میل دور سر سے کفن باندھے لڑ رہے تھے۔ انہیں بخوبی معلوم تھا کہ اگر وہ یہاں شکست کھا گئے تو پھر انہیں نہ تو بلادِ مصر میں پناہ مل سکتی ہے اور نہ ہی بلادِ شام میں۔ سلطان بیبرس کو اپنے پہلو بہ پہلو والہانہ انداز میں لڑتے دیکھ کر ان کی ہمتیں دوچند ہو جاتی تھیں۔

انطاکیہ کے محافظوں نے پورا زور صرف کیا کہ وہ کسی طرح مسلمانوں کو شہر سے باہر دھکیل دیں مگر ان کی کوششیں کارگر ثابت نہ ہوئیں۔ چھ دن کی مسلسل خونریز لڑائی کے بعد انہوں نے یہ جان لیا کہ اب سلامتی اسی میں ہے کہ ہتھیار ڈال دیئے جائیں ورنہ مسلمانوں کے ہاتھوں پورا شہر ہلاک ہو جائے گا۔ سلطان بیبرس نے نصرانیوں کے ہتھیار ڈالنے پر ان سب کو گرفتار کر لیا۔ مؤرخ ابوالفداؒ کے مطابق جو اس جنگ میں خود بھی بطور سپاہی شامل ہوا تھا۔ نصرانیوں کے سولہ ہزار سپاہی مقتول ہوئے اور سوا لاکھ کے قریب جنگی قیدی بنائے گئے۔ مالِ غنیمت کی اس قدر افراط تھی کہ درہم و دینار تھیلیاں بھر بھر کر سپاہیوں میں تقسیم کئے گئے۔

سلطان بیبرس نے انطاکیہ کا تمام انتظام خود سنبھالا اور تمام اطراف میں سپاہیوں کو پھیلا دیا۔ شہر کی بلند و بالا فصیل مسمار کر دی گئی اور نصرانی رعیت کو آزادی دی گئی کہ وہ اگر چاہیں تو انطاکیہ کو چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔ بے شمار خاندان انطاکیہ سے نقل مکانی کر گئے۔ ارضِ مشرق میں موجود دوسری قدیم ترین لاطینی ریاست ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔ انطاکیہ کو اسلامی سلطنت کا حصہ قرار دے کر وہاں فوری طور پر ایسے انتظامات کئے گئے کہ نصرانیوں کی دوبارہ کوئی بھی عسکری کوشش کامیاب نہ ہو سکے۔ شہر کے چاروں جانب فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں سلطان بیبرس نے اب تک صلیبی جنگجوؤں پر جو فتوحات حاصل کی تھیں یہ فتح ان میں سب سے بڑی اور حقیقی معنوں میں فتح الفتوح کی حیثیت رکھتی تھی۔ ایک سو ستر برس پہلے صلیبی جنگجوؤں نے اس ریاست پر قبضہ کر کے مسلمانوں کو یہاں سے نکال باہر کیا تھا اور ایک سو ستر سال بعد سلطان بیبرس نے وہی سلوک ان کے ساتھ کیا۔

سلطان بیبرس نے تمام انتظامات سے فارغ ہو کر کاتب کو بلوایا اور اسے ایک نامہ لکھنے کا حکم دیا۔ کاتب قلمدان لے کر بیٹھ گیا تو سلطان بیبرس نے بولنا شروع کیا۔

''بلادِ مصر کے سلطان بیبرس کی جانب سے انطاکیہ کے شاہ بوہمنڈ کے نام!

مجھے بے حد افسوس کے ساتھ یہ بتانا پڑ رہا ہے کہ انطاکیہ میں تمہارے آدمیوں میں سے ایک بھی ایسا

نہیں بچا جو تمہارے پاس پہنچ کر اس شہر کے انجام سے مطلع کرتا، اس لئے ہم خود یہ ناگوار فرض بجالاتے ہیں۔ جن استحکامات پر تم کو بے حد ناز تھا وہ سب کے سب ملیامیٹ ہو چکے ہیں چونکہ ان کی بربادی پر تمہارے ساتھ کوئی بھی اظہار ہمدردی کرنے والا نہیں، اس لئے ہم ہی تمہارے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ سلطان بیبرس''

نامہ لکھوانے کے بعد سلطان بیبرس نے ایک قاصد کو بلوایا اور نہایت تیز رفتاری سے یہ نامہ ارض نوبہ میں مقیم شاہ بوہمنڈ تک پہنچانے کا حکم دیا۔ مملوک سالار سلطان بیبرس کی تحریر کے الفاظ سننے کے بعد اُس کیفیت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے جو نامہ ملنے کے بعد انطاکیہ کے حکمران شاہ بوہمنڈ پر بیتنے والی تھی۔

❁ ❁ ❁

وقوژ اپنے مخصوص کمرے میں موجود تھی کہ جب اسے یہ خبر دی گئی کہ شیخ الرئیس اس سے بالمشافہ ملاقات کے لئے خود وہاں پہنچنے والا ہے۔ یہ سن کر گل وقوژ حیران رہ گئی کیونکہ ایسا پہلے کبھی ہوا نہیں تھا۔ وہ اس بات پر غور کرنے لگی کہ ایسی کیا بات ہو سکتی ہے؟ جس کے لئے شیخ کبیر الدین کو خود اس کے پاس آنا پڑ رہا ہے۔ اگر واقعی اس سے کوئی کام تھا تو اسے خود آنے کی تکلیف کیوں گوارا ہوئی، وہ کسی بھی غلام کے ذریعے اسے طلب کر سکتا ہے۔ وہ اسی سوچ بچار میں مبتلا تھی کہ شیخ الرئیس وہاں پہنچ گیا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ ماتھے پر پھیلی ہوئی شکنیں کسی پریشانی کی عکاسی کر رہی تھیں۔ وہ دھیمے قدموں سے چلتا ہوا قریب موجود ایک کرسی پر یوں بیٹھ گیا جیسے وہ کئی کوس کا سفر طے کر کے آیا ہو۔ وقوژ اس کی کیفیت سے سمجھ چکی تھی کہ اسے کوئی اہم معاملہ درپیش ہے۔ وہ خاموشی سے اس کی لب کشائی کا انتظار کرتی رہی۔ کچھ دیر بعد اس کی نڈھال سی آواز کمرے میں گونجی۔

''گل وقوژ! آج صبح ہمیں ایک بڑی منحوس خبر سننا پڑی ہے کہ دمشق کی جانب روانہ کیا گیا ہمارا خاص قافلہ سرحدی محافظوں کے ہاتھوں لقمۂ اجل بن گیا''۔

''شیخ الرئیس! اس طرح کے واقعات تو اکثر ہوتے ہی رہتے ہیں، آخر ایسا کیا ہوا ہے جس نے آپ کے اعصاب کو ہی پژمردہ کر ڈالا ہے''۔ گل وقوژ کے لہجے میں دھیما پن تھا۔

''نہیں گل وقوژ! یہ اکثر ہونے والے واقعات سے بہت زیادہ تکلیف دہ ہے۔ اس قافلے میں دو اہم افراد بھیجے گئے تھے۔ ان میں سے ایک ریاست قہستان کا ایسا جوانمرد تھا جس کی سلطنت قہستان کو مستقبل میں اشد ضرورت تھی۔ اس کی ہلاکت سے مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں آدھی موت کا شکار ہو گیا ہوں''۔

''حیرت کی بات ہے کہ میں ایسے فرد کے بارے میں کچھ نہیں جانتی؟''

''اس کا نام شیخ ابونصر تھا! وہ ایسے ایسے معرکے تنہا ہی سرانجام دیتا تھا جن کے بارے میں سوچنا بھی محال دکھائی دیتا ہے۔ بلادِ اسلامیہ کی کئی سربرآوردہ شخصیات اس کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر گئیں۔ میں اس کی ناگہانی موت کو فراموش کرنے کی خود میں سکت نہیں پا رہا''۔

گل وقوژ اس کی جانب عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ زندگی میں پہلی بار اسے یہ احساس ہوا تھا کہ شیخ کبیر الدین بھی انسان ہی ہے...... کمزور اور ناتواں انسان...... اس نے آج پہلی مرتبہ اس کا یہ روپ دیکھا تھا۔ شیخ کبیر الدین کا چہرہ ایسا اترا ہوا تھا جیسے وہ ابھی کچھ دیر میں رو دے گا۔

''شیخ الرئیس! میں آپ کی تکلیف کا اندازہ لگا رہی ہوں۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیے''۔ گل وقوژ نے نرمی سے تسلی دی۔

''تم یقیناً حیران ہو رہی ہو گی کہ میں صرف یہ بتانے کے لئے یہاں کیوں آیا ہوں؟ شیخ ابونصر کے

ساتھ ہلاک ہونے والا دوسرا شخص میرا پرانا محسن مطیع الدین تھا۔ میں بخوبی جانتا ہوں کہ اس کی وابستگی تم بھی اپنے دل کی کسی نامعلوم گہرائی میں محسوس کرتی ہو''۔ شیخ الرئیس اتنا کہنے کے بعد اس کا چہرہ غور سے دیکھنے لگا جہاں کسی قسم کا کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا، سپاٹ اور جذبات سے عاری چہرہ اسے کسی قدر تیز نگاہوں سے اپنی طرف دیکھتا ہوا محسوس ہوا۔

''شیخ الرئیس! میں کچھ دن پہلے یہ واضح کر چکی ہوں کہ مجھے اپنے ماضی سے اب کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ مطیع الدین کی موت کی خبر سے میں رنجیدہ خاطر دکھائی دوں گی تو یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ میں آج جس موڑ پر کھڑی ہوں، یہاں تک پہنچنے میں مجھے بڑے اذیت ناک لمحوں سے گذرنا پڑا ہے اور اب کسی بھی اذیت کو میں خود پر دوبارہ مسلط کرنے میں ہرگز آمادہ نہیں ہوں''۔ گل وقوژ کی آواز میں نہ صرف درشتی تھی بلکہ اس میں چھپا ہوا استحکام بھی نمایاں جھلک رہا تھا شیخ کبیر الدین نے اس کی بات پر سر جھکا لیا۔ شاید اسے اس بات پر ندامت محسوس ہوئی تھی کہ وہ اس کمزور عورت سے بھی گیا گذرا ہے کہ ایک چھوٹے سے غم کو برداشت نہیں کر پایا۔

''شیخ الرئیس! یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ دونوں ہلاک نہ ہوئے ہوں بلکہ موقع پا کر نکل گئے ہوں''۔ گل وقوژ نے خود ہی بات کا موضوع بدل دیا۔

''کاش ایسا ہی ہوتا مگر میرے مخبروں نے پوری چھان بین کے بعد خبر دی ہے کہ اس قافلے میں سے صرف ایک شخص زندہ بچا تھا جسے گرفتار کر کے نامعلوم سمت میں روانہ کر دیا گیا ہے اور وہ ان دونوں میں سے کوئی نہیں تھا کیونکہ انہوں نے دونوں کی لاشیں اپنی آنکھوں سے عسکری چھاؤنی میں پڑی دیکھی ہیں''۔ شیخ کبیر الدین کا لہجہ رندھا ہوا تھا۔ گل وقوژ یہ سن کر چپ رہی، اس کا ذہن جانے کیوں یہ بات تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا کہ مطیع الدین جیسا شخص اتنی آسانی سے مر سکتا ہے۔ اگر اسے ایسی ہی موت مرنا ہوتا تو وہ سرائے میں ہی مر چکا ہوتا۔ اپنی اس کیفیت کو وہ کوئی نام نہ دے پائی۔ شیخ کبیر الدین نے کچھ توقف کے بعد خود ہی گفتگو کا ربط جوڑا۔

''گل وقوژ! وہ دونوں ایک ایسی مہم پر روانہ کئے گئے تھے جس کی کامیابی سے میں ایک ہی جست میں سلطنت قہستان کی خودمختاری کا اعلان کر دیتا مگر شاید قدرت کو یہ منظور نہیں تھا کہ وہ مہم ان کے ہاتھوں پایہ تکمیل تک پہنچ جاتی۔ اب میں نے بڑی سوچ و بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس مہم کی تکمیل کی ذمہ داری تم پر ڈالوں...... مجھے پوری امید ہے کہ تم اس بار سابقہ ناکامی کی طرح واپس نہیں آؤ گی''۔

''حماۃ میں جو کچھ ہوا تھا، میں اس کی ذمہ دار نہیں ہوں بہر کیف میں کسی قسم کی بدمزگی نہیں چاہتی صرف اتنا کہوں گی کہ میں آپ کے بھروسے پر پورا اُتروں گی۔ آپ مجھے مہم کے بارے میں بتائیے''۔ گل وقوژ سپاٹ لہجے میں بولی۔

''مجھے قاہرہ کے خلیفہ کی موت کی حتمی خبر چاہئے اگر اس کا سر کاٹ کر لا سکو تو بہتر ہے۔ اگر تم اس مہم میں کامیاب رہیں تو تمہیں منہ بولا انعام دیا جائے گا''۔ شیخ کبیر الدین نے کہا۔

''یہ مہم واقعی اس قابل ہے کہ اسے گل وقوژ کے ہی حصے میں آنا چاہئے تھا۔ شیخ الرئیس! مجھے یہ مہم منظور ہے مگر اس کام کی قیمت میں پہلے طے کر لینا چاہتی ہوں''۔

''یہ کک...... کیا...... کہہ رہی ہو گل وقوژ؟'' شیخ کبیر الدین اپنی جگہ تڑپ سا گیا۔

''یہ میں نے آپ ہی سے سیکھا ہے شیخ الرئیس!'' گل وقوژ کے لبوں پر گہری مسکان پھیلی ہوئی تھی۔ شیخ کبیر الدین کچھ دیر تک اسے عجیب نگاہوں سے دیکھتا رہا مگر گل وقوژ کے چہرے پر کسی قسم کا تاثر نہیں تھا۔ وہ کچھ

دیر خاموش رہنے کے بعد دھیمی آواز میں بولا۔

''بولو گل وقوتر! اس مہم کو کامیاب بنانے کی کتنی قیمت لینا چاہتی ہو؟''

''اس مہم کی قیمت سلطنت قہستان کی حکمرانی ہوگی شیخ الرئیس؟''

''میں کچھ سمجھا نہیں..... تم کیا کہنا چاہتی ہو؟'' شیخ کبیر الدین حیرت سے بولا۔

''بات صاف ہے! اس مہم کے عوض میں مجھے یہ ضمانت دی جائے کہ میں مستقبل قریب میں قائم ہونے والی نئی سلطنت قہستان کی بااختیار ملکہ ہوں گی''۔ گل وقوتر کی آنکھوں میں گہری چمک دکھائی دی۔ شیخ کبیر الدین اس کی بات سن کر کرسی سے گرتے گرتے بچا۔

❁❁❁

سلطان سنجر نے انطاکیہ کے تمام انتظامات مکمل ہونے کے بعد باریک بینی سے ان کا جائزہ لیا۔ کامل اطمینان حاصل ہونے پر اس نے اپنی افواج کو کوچ کی تیاری کا حکم دیا۔ مملوک سالاروں نے سلطان سنجر سے استفسار کیا کہ کیا ہمیں واپس قاہرہ لوٹنا ہوگا تو سلطان سنجر کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے صاف الفاظ میں کہا کہ اس کی منزل اب زیادہ دور نہیں ہے، اس لئے وہ اپنی مہم کو ادھورا نہیں چھوڑنا چاہتا۔ مملوک سالار اس کے مبہم جواب پر کچھ سمجھ نہ پائے۔

''سلطان محترم! انطاکیہ اب ہمارے قبضے میں ہے، میرا خیال ہے کہ ہمیں مزید پیش قدمی کے بجائے ان صلیبی قلعوں کی جانب توجہ دینا چاہئے جو بلادِ اسلامیہ کے گرد سانپ کی طرح پھیلے ہوئے ہیں''۔ فوج کے ممتاز سالار امیر آقسنقر نے کہا۔

''تمہارا خیال ہے کہ ان قلعوں کی سرکوبی کے بعد صلیبی لشکروں کا طوفانِ بدتمیزی تھم جائے گا ہرگز نہیں! ان قلعوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ مجاہدین کا ایک ہی ہلہ انہیں اکھاڑ کر رکھ دے گا۔ میں ان قلعوں سے زیادہ اس ربط کے خاتمے پر یقین رکھتا ہوں جس کی بدولت وہ قلعے آج تک موجود ہیں''۔ سلطان سنجر نے تیز لہجے میں جواب دیا۔

''سلطان محترم کی سوچ کا زاویہ بالکل درست ہے مگر ہمیں یہ بات بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ ہم اس وقت اپنے گھروں سے بہت دور ہیں اور ہمارے پاس کمک و رسد کا کوئی ذریعہ موجود نہیں۔ ایسے نازک حالات میں معمولی سا بھی نقصان مجاہدین کے حوصلوں کے لئے زہر قاتل ثابت ہوگا''۔ ایک عمر رسیدہ مملوک سالار نے وضاحت کرنے کی کوشش کی۔

''امیر محترم! ہم سب بخوبی جانتے ہیں کہ نقصان تو ہوتے رہتے ہیں، معمولی کیا اور زیادہ کیا! آج ہم اپنے جوشِ ایمانی کے تحت جس مقام پر کھڑے ہیں، مجھے یقین ہے کہ وہ وقت زیادہ دور نہیں جب وہ تمام نصرانی ریاستیں ہمارے سامنے گھٹنے ٹیک دیں گی جو ڈیڑھ صدی سے زائد عرصے سے صلیبی جنگجوؤں کو رسد اور کمک فراہم کر رہی ہیں۔ ان صلیبی قلعوں میں ہیکلی اور ہاسپٹلرز سپاہیوں کی کوئی فصل نہیں ہوتی کہ روز نئے سپاہی اُگ آتے ہیں۔ یہی وہ نصرانی ریاستیں ہیں جو انہیں تیار کر کے فلسطین روانہ کرتی ہیں۔ ایک ریاست کا انجام تو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے، اب دوسری کی باری ہے پھر اس کے بعد تیسری اور پھر قسطنطنیہ..... اور پھر سب کچھ ختم''۔ سلطان سنجر کے لہجے میں جوشیلا پن نمایاں تھا۔

''سلطانِ محترم! انشاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہوگا جیسا آپ سوچتے ہیں مگر عجلت سے کام لینا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ سابق انداز کی طرح اگلی ریاست کی سرکوبی کچھ عرصے بعد تک مؤخر کر دیں تو

زیادہ مناسب ہے''۔ امیر آقسنقر نے کہا۔

''امیر آقسنقر! کیا بات ہے؟ تم اتنے بزدل تو نہیں تھے''۔ سلطان سنجر نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ امیر آقسنقر اپنی جگہ پہلو بدل کر رہ گیا۔ اس نے اپنے اصرار کو قبل از وقت تحفظ کا نام دیا مگر سلطان سنجر نے اس کے جواز کو رد کرتے ہوئے آگے کی جانب کوچ کا حکم جاری کر دیا۔

مملوک سالار دلوں میں سلطان سنجر سے لاکھ اختلاف رکھتے مگر اس کے حکم کی خلاف ورزی کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ انہوں نے پُرجوش انداز میں اپنے دستوں کو منظم کیا اور سلطان سنجر کے ساتھ نامعلوم سمت میں روانہ ہو گئے۔

❁❁❁

مطیع الدین چکرا کر رہ گیا کیونکہ وہ جو کوئی بھی تھا بلا مقصد مربوط بازاروں میں چکر کاٹ رہا تھا۔ ایک ہی بازار میں جب وہ تیسری مرتبہ داخل ہوا تو مطیع الدین کے برداشت کی حد جواب دے گئی۔ اسے اگر اجنبی شہر اور والئی شہر کی فکر لاحق نہ ہوتی تو وہ یقیناً اب تک اس شخص کو زمین بوس کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکال چکا ہوتا۔ اچانک اس کے ذہن میں یہ خیال کوندا کہ وہ اجنبی شخص اس کے تعاقب سے شاید آگاہ ہو چکا ہے اور اسے چکمہ دینے کے لئے ایسا کر رہا ہے۔ یہ خیال جس تیزی سے ذہن کے بند خانوں سے نکلا اسی تیزی سے مطیع الدین کے جسم کا تناؤ ڈھیلا پڑ گیا۔ اسے عجیب سا سکون محسوس ہوا۔ ذہن پر چھایا ہوا غصہ لمحہ بھر میں کافور ہو چکا تھا۔ اسے کیا کرنا چاہئے؟ ایک نئے سوال نے سر اُٹھایا۔ وہ تیزی سے اس امر پر غور و خوض کرنے لگا۔ وہ اسی خیال میں غلطاں تھا کہ وہ شخص تیزی سے بازار سے نکلا اور گلیوں میں داخل ہو گیا۔ مطیع الدین یہ دیکھ کر چونکا۔ اس نے احتیاط کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی قدر فاصلے سے اپنا تعاقب جاری رکھا۔ بازاروں میں تو تعاقب کی خبر نہیں ہو سکتی تھی مگر گلیوں میں خود کو چھپانا کافی دشوار تھا۔ وہ شخص عجیب سی مستی میں چلا جا رہا تھا کہ اس نے ایک بار بھی مڑ کر دیکھنا گوارا نہیں کیا کہ کوئی اس کے پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔ وہ گلیوں میں سے ہوتا ہوا ویرانے کی جانب آ نکلا تو مطیع الدین کو یقین ہونے لگا کہ وہ اس کے تعاقب سے پوری طرح باخبر ہے اور اب ویرانے میں آنے کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اسے نقصان پہنچائے۔ مطیع الدین نے اپنی کمر پر بندھے ہوئے پٹکے کو تھپتھپایا۔ خنجر کی موجودگی پا کر وہ بے فکر سا ہو گیا۔ یہ خنجر اس نے دو دن پہلے ہی خریدا تھا۔ خنجر خریدتے وقت اس کے ذہن میں کوئی ایسی بات نہیں تھی کہ اس شہر میں اس کی ضرورت پیش آئے گی۔

مطیع الدین کو اس وقت مزید حیرت کا جھٹکا لگا جب اس کی نگاہ اس ویرانے میں موجود ایک چھوٹی سی خانقاہ پر پڑی۔ اس کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ محتاط انداز میں بڑھتا رہا۔ خانقاہ کے دروازے پر جا کر وہ شخص رُک سا گیا۔ اس کے رُکتے ہی مطیع الدین کے قدم جیسے زمین سے چپک گئے۔ وہ خاموش کھڑا گومگو انداز میں اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اچانک وہ شخص مطیع الدین کی جانب مڑا اور ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنے قریب بلانے لگا۔ مطیع الدین عجیب کیفیت کا شکار ہو چکا تھا۔ وہ کوئی فیصلہ کرنے میں ناکام تھا کہ اسے وہاں جانا چاہئے یا نہیں۔ چند ساعتوں میں ہی اس نے اپنی بگڑی ہوئی کیفیت کو سنبھال لیا اور دھیمے انداز میں اس کی جانب چلنے لگا۔ اس کے قریب پہنچ کر مطیع الدین ٹھہر گیا۔

''لڑکے! بے دھڑک اندر چلے آؤ۔ بلاشبہ وسوسے شیطانی کھیل ہوتے ہیں''۔ ایک گھمبیر آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ جانے کیا بات تھی کہ اس کے قدم خود بخود اُٹھتے چلے گئے۔ کچھ دیر بعد وہ ایک چھوٹی سی چٹائی پر اس شخص کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ قریب ہی اسے ایک چھوٹا سالڑکا دکھائی دیا جو کسی کام میں مصروف تھا۔

''عبداللہ! مسافر کے لئے پانی کا پیالہ لاؤ''۔ نقاب زدہ شخص نے بچے کو ہدایت کی۔ وہ بچہ بڑی تیزی سے پانی کا پیالہ لے کر مطیع الدین کے پاس آ کھڑا ہوا۔ پانی کا نام سن کر مطیع الدین کو احساس ہوا کہ واقعی اسے پانی کی طلب محسوس ہو رہی ہے۔ اس نے بچے کے ہاتھوں سے پیالہ لیا اور گٹا گٹ پیتا چلا گیا۔

''عجلت میں بڑی خرابیاں پوشیدہ ہوتی ہیں لڑکے! پانی ہمیشہ تین سانسوں میں پیا کرو، ایسا کرنا سنت ہے''۔ اس شخص کے لہجے میں عجیب سا تحکم موجود تھا۔ مطیع الدین کو یہاں آ کر ایسا لگا کہ جیسے اس کی قوت گویائی سلب ہو چکی ہو۔

''جھوٹ مت بولا کرو..... جھوٹ بول کر تم خود کو فریب دیتے ہو۔ اگر تم والئی شہر سے صرف اتنا کہہ دیتے کہ تم مسافر ہو اور تمہارے پاس زادِ راہ ختم ہو چکا ہے تب بھی اللہ تعالیٰ اس کے دل میں تمہارے لئے رحم ڈال دیتا کیونکہ اس ذاتِ باری تعالیٰ نے بیت المال میں سے کچھ حصہ تمہارے مقدر میں لکھ دیا تھا''۔ نقاب زدہ شخص نے پرسکون انداز میں سمجھایا۔

مطیع الدین پھٹی پھٹی سی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک ایسا راز تھا جسے مطیع الدین کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں سے کس حالت میں وہاں پہنچا تھا؟

''ذہن پر زور دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کر دکھاتا ہے۔ تم قاہرہ جانا چاہتے ہو..... شوق سے جاؤ..... مگر تمہیں وہاں سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ جن کی حفاظت پر اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر کر رکھے ہوں ان کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا''۔

مطیع الدین عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے پہلو بدل رہا تھا مگر ان حرکات سے جیسے وہ نقاب زدہ شخص غافل تھا۔ مطیع الدین کے دل میں عجیب سا خوف پیدا ہو چکا تھا۔ ''آپ کون ہیں؟ اور یہ سب آپ کو کیسے معلوم ہوا؟'' اس کی زبان سے لڑکھڑاتے ہوئے لفظ پھسل گئے۔

''میں..... میں تو اس خالق کائنات کا ایک ادنیٰ سا بندہ ہوں جو اس کا شکر ادا کرنے کی ناکام کوشش میں جتا رہتا ہوں، رہا تمہارا دوسرا سوال تو میں نے چند لمحے پہلے واضح کر دیا تھا کہ یہ اس ذاتِ باری تعالیٰ کی منشاء ہے کہ اس نے مجھے اس قابل جانا کہ میرے ذریعے تمہیں اس ناپاک امر سے باز رکھنے کی ہدایت کی جائے جس کے ارتکاب کی تیاری تم کر رہے ہو''۔

مطیع الدین اس کی بات پر سوچ میں پڑ گیا۔ اس کا اندازہ بالکل غلط ثابت ہوا تھا کہ وہ کوئی فدائی ہے۔ وہ جو کوئی بھی تھا مطیع الدین کے لئے حیرت انگیز تھا۔ اس کی رسائی اس کے ارادوں اور سوچ کے دھاروں تک تھی۔ اسے یہ یقین ہونے لگا کہ یہ ہستی یقیناً کسی ولی کی ہی ہو سکتی ہے۔ یہ عجیب بات تھی کہ اس کے دل میں پیدا ہونے والا خوف تو برقرار تھا مگر طبیعت پر عجیب سی طمانیت چھائی ہوئی تھی۔

''مگر یہ مجبوری بھی قدرت کی عطا کردہ ہے''۔ کچھ دیر بعد مطیع الدین دھیرے سے بولا۔

''اللہ تعالیٰ نے تمہیں بصارت دی، سمجھ و فہم بخشا، عقل و شعور سے سرفراز کیا اور پھر بھی تم یہی کہہ رہے ہو کہ یہ مجبوری اس کی جانب سے تم پر مسلط کی گئی ہے ہرگز نہیں..... یہ مجبوری تمہاری اپنی پیدا کردہ ہے۔ یہ سراسر تمہاری قوتِ ارادی کے غلط استعمال اور چشم پوشی کا نتیجہ ہے''۔

''میں اس کے بغیر خود کو ادھورا محسوس کرتا ہوں۔ میں جو بھی کرنا چاہتا ہوں، اس کے پیچھے اسی کا حصول پوشیدہ ہے''۔ مطیع الدین نے احتجاج کیا۔

''تم نے اپنی زندگی کو خود سراب بنایا ہے اور اس سراب کی دیوانگی کی تہہ کو اس قدر دبیز کر ڈالا ہے کہ

تمہاری آنکھیں وہ سب نہیں دیکھ رہیں جو تمہیں صاف دکھائی دے رہا ہے''۔

''کبھی کبھی آنکھوں کا دیکھا اور کانوں کا سنا فریب بھی ہوتا ہے''۔

''فریب سے شرابور ہونے کے بعد انسان خود سراپا فریب بن جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ دوسروں کو فریب دے رہا ہے حالانکہ وہ خود سے فریب کر رہا ہوتا ہے''۔

''میرے دل کی گہرائیوں میں اس کے لئے سچی محبت موجود ہے، جس کی سرشاری کو میں اپنی رُوح میں محسوس کرتا ہوں جو رُوح محسوس کرے وہ فریب ہو ہی نہیں سکتا''۔

''بے شک محبت رُوح سے ہی متعلقہ ہے مگر خود فریبی انسان کے خون کا خاصہ ہے۔ وہ جسے اپنے تئیں حقیقی محبت کا نام دیتا ہے وہ محض دنیاوی ضرورت سے بڑھ کر اور کچھ نہیں..... اور دنیا ایسی بری ضرورت ہے جو انسان کے اچھے اعمال کو آگ کی مانند کھا جاتی ہے''۔

''دنیا میں رہنا ہے تو دنیاداری لازم و ملزوم ہے اگر سب لوگ الگ تھلگ گوشہ نشینی اختیار کر لیں تو دنیا کا نظام کیسے چلے گا؟ گناہ اور نیکی کی پہچان کیسے ہوگی؟''

''تم درست کہتے ہو..... بے شک یہی وہ بھیانک امتحان ہے جس کے ذریعے سے انسان روزِ آخر میں تقسیم کئے جائیں گے اور انسان سے بخشے گئے اختیار کا حساب لیا جائے گا۔ لڑکے اتم بھی بااختیار ہو۔ خود کو سنبھالو اور گمراہی کی دلدل سے باہر نکل آؤ..... تمہارے پاس صرف تین چکر کا وقت ہے پھر کچھ بھی نہیں باقی بچے گا صرف پچھتاوا ہی پچھتاوا''۔

''تین چکروں سے کیا مراد ہے؟'' مطیع الدین سے تجسس سے پوچھا۔

''یہ قدرت کے مخفی راز ہیں جو خود بخود وقت کے ساتھ ساتھ تم پر آشکار ہو جائیں گے۔ لڑکے! ابھی سے اپنی اصلاح کی کوشش کرو گے تو اچھے رہ جاؤ گے۔ محبت کے سراب کے پیچھے بھاگنا ختم کرو بس اب بہت ہو چکا''۔ اس کی آواز میں عجیب تحکمانیت موجود تھی۔ مطیع الدین جھرجھری سی لے کر رہ گیا۔

اسی لمحے بچے نے نقاب زدہ شخص کو آگاہ کیا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ مطیع الدین نے جانے کے لئے اجازت چاہی تو اس نے کوئی جواب نہیں دیا بس خاموشی سے اُٹھ کر نماز کے لئے روانہ ہو گئے۔ مطیع الدین عجیب کشمکش میں مبتلا ہو گیا کہ اسے مزید بیٹھنا چاہئے یا اُٹھ جانا چاہئے۔ پھر وہ وہاں سے باہر نکل آیا۔ وہ باہر نکل کر کسی ایسے فرد کو تلاش کر رہا تھا جو اسے یہ بتا سکتا ہے کہ خانقاہ میں موجود یہ نقاب پوش کون ہے اور اس کی حیثیت کیا ہے؟ اسی لمحے مطیع الدین کو اپنے اندر تبدیلی کا احساس ہوا۔ اس کا پورا بدن بالکل پُرسکون ہو چکا تھا جیسے وہ کسی سحر سے باہر نکلا ہو۔ وہ خود کو بڑا ہلکا محسوس کر رہا تھا۔ اسی لمحے اسے ایک چھوٹا سا گروہ اس جانب بڑھتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ چند بارعیش افراد تھے۔ مطیع الدین نے قریب آنے پر انہیں سلام کیا تو وہ رُک گئے۔ سلام و دعا کے بعد ان میں سے کسی نے اس سے دریافت کیا کہ وہ یہاں کیا کر رہا ہے؟ مطیع الدین نے خود کو مسافر بتاتے ہوئے نقاب زدہ شخص کے بارے میں استفسار کیا تو ان میں ایک تیزی سے بتانے لگا کہ وہ جن شخص سے ملا ہے وہ اس شہر کے معروف ولی اللہ اور روشن الضمیر بزرگ سیّد احمد البدویؒ ہیں۔ مطیع الدین نے مزید کچھ سوال جواب کئے اور پھر ان سے اجازت لے کر شہر کی جانب بڑھ گیا۔

سیّد احمد البدویؒ کا شمار ساتویں صدی کے مشاہیر یکتۂ روزگار صوفیاء میں ہوتا ہے جو مغرب اقصیٰ کے شہر فاس میں پیدا ہوئے۔ پندرہ برس کی عمر میں اپنے والدین کے ہمراہ مکہ چلے گئے اور حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ مختلف نامور اساتذہ سے علم کی شمع اپنے اندر روشن کی اور پھر 627ھ میں طبیعت میں عجیب سا انقلاب

ہو پا ہوا کہ لوگوں سے کنارہ کش ہو کر رہ گئے۔ تمام وقت ریاضت و عبادت میں خرچ ہونے لگا۔ کئی سال تک انہوں نے کسی سے بات نہیں کی ضرورت کے وقت اپنا مافی الضمیر اشاروں سے ظاہر کرتے رہے۔ مکہ سے نکل کر بغداد جا بسے اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور سیّد احمد الکبیر رفاعیؒ کے مزاروں پر چلہ کشی کی۔ قدرت کی جانب سے اشارہ پا کر طنطا چلے آئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ کہتے ہیں کہ طنطا میں بڑی جاں گداز ریاضتیں کیا کرتے تھے، کبھی طویل عرصے تک عالم سکوت میں مبتلا رہتے، کبھی چالیس چالیس دن تک کچھ بھی نہ کھایا پیا کرتے، کبھی سورج کی جانب ٹکٹکی باندھ کر اتنا دیکھتے کہ خود اپنی آنکھیں انگارہ ہو جایا کرتیں۔ جلد ہی وہ مرجع خلائق بن گئے اور بلادِ مصر کے گھر گھر میں ان کے کشف و کرامات کا چرچا ہونے لگا۔ ان کے عقیدت مندوں میں ہر طبقہ کے افراد شامل تھے۔ انہی افراد میں بلادِ مصر کا سلطان بیبرس بھی شامل تھا وہ جب کبھی موقعہ پاتا، اس خانقاہ میں حاضری دینا اپنی خوش نصیبی سمجھتا تھا۔

❀ ❀ ❀

کئی ہفتوں کے طویل سفر کے بعد سلطان بیبرس اپنے لشکر کے ساتھ آرمینیہ کی سرحدوں پر جا پہنچا۔ یہ وہی ریاست تھی جہاں سلطان بیبرس کو ایک زمانے میں تجارت میں زک اُٹھانا پڑی تھی یہ ایک پہاڑی ریاست تھی جہاں کی زمین زیادہ تر غیر ہموار سطح پر مشتمل تھی۔ اس کے شمال کی سرحد سلطنت روسیا کے ساتھ جڑی ہوئی تھیں اور شمال مغرب میں عظیم الشان سلطنت فرانس موجود تھی، جہاں شاہ لوئی نہم حکمرانی کر رہا تھا۔ مغرب میں نصرانیوں کی سب سے مضبوط اور مقدس ریاست قسطنطنیہ موجود تھی۔ جنوب میں اس کی سرحدیں بلادِ شام کے پہاڑی اضلاع اور انطاکیہ سے پیوستہ تھیں اور شرق میں ارض قونیہ اور منگولوں کی ریاستیں تھیں۔ مؤرخین کے مطابق اس سلطنت کا رقبہ تین لاکھ کلومیٹر کے قریب تھا۔ آج کل اس ریاست کے کچھ علاقے ترکی میں شامل ہیں اور کچھ روس میں۔ سلطان بیبرس نے آرمینیہ پہنچ کر اپنی مملوک افواج اور مجاہدین کی پُر جوش انداز میں ہمت بندھائی۔

''مسلمانو! اس وقت تم لوگ جس مقام پر کھڑے ہیں وہ دشوار کن ضرور ہے مگر ناقابلِ تسخیر نہیں۔ تم سب یہ حقیقت جان لو کہ تمہارے بزرگوں، بھائیوں اور ان کے عیال کو ڈیڑھ سو سال سے جو خوراک کھانا پڑ رہی ہے اس کی تیاری ہمیشہ سے قسطنطنیہ میں کی جاتی رہی ہے۔ ہمارا مقصد دوسروں کے ملک غصب کرنا نہیں ہے بلکہ انہیں سزا دینا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم اب آگے بڑھتے ہی جائیں گے اور نصرانیوں کے مرکز تک ہی جا کر دم لیں گے۔ تم اپنی ہمتیں جواں رکھو اور اللہ کے حضور جھک جھک کر فتح و نصرت کی دعائیں مانگو۔ آج ہمارا ہدف آرمینیہ ہے۔ تم سوچ رہے ہو گے کہ بیبرس نے انطاکیہ کو کیوں تباہ کیا تو جان لو کہ انطاکیہ کی تباہی صرف اس لئے ضروری تھی کہ وہ اس غذا کی ترسیل میں مشغول رہتے تھے جو کہ مسلمانوں کے لئے زہر قاتل سے کم نہیں تھی اور آرمینیہ ہمیشہ سے اُس زہر آلود غذا کی ترسیل کے لئے پل کا کام دے رہا ہے۔ آج تم یہ عہد کر لو کہ ہمیں یہ پل مسمار کرنا ہے۔ اس زہر آلود غذا کو اپنے بھائیوں تک پہنچنے سے روکنا ہے جو ان کے ایمان اور حیات کو کمزور کرتی جا رہی ہے''۔

سلطان بیبرس نے مملوک افواج اور مجاہدین کو اس امر کی کھلی اجازت دے دی کہ وہ اس ریاست کے کسی بھی علاقے کے ساتھ کسی قسم کی کوئی رعایت نہیں برتیں گے۔ آرمینیہ کی سرحدیں پار کرتے ہی سلطان بیبرس نے جارحانہ انداز میں پیش قدمی کی اور راستے میں جو بھی قلعہ یا شہر آیا، اسے سنگدلی سے برباد کر دیا۔ سلطان بیبرس کی جارحانہ لشکر کشی کی اطلاع جب آرمینیہ کے حکمران شاہ ہیٹن کو دی گئی تو وہ کچھ دیر تک سکتے کے عالم میں رہا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ سلطان بیبرس کے حوصلے اس حد تک تجاوز کر سکتے ہیں کہ وہ

بلادِ اسلامیہ سے باہر نکل کر کھلم کھلا نصرانی ریاستوں کو نشانہ بنا سکے۔ اس نے مختلف ذرائع سے اعداد و شمار اکٹھا کیے تو اسے معلوم ہوا کہ سلطان بیبرس کا لشکر خاصا وسیع و عریض ہے۔ اس نے آرمینیہ کی تمام افواج کو منظم کر کے اپنے جواں سالہ بیٹے ''گائی فارد'' کو اس پر سالارِ اعلیٰ مقرر کیا۔ تمام تجربہ کار سالاروں کو کڑی ہدایت کی کہ وہ اس نازک موقع پر شہزادے کی صحیح رہنمائی کریں تاکہ اس کے حربی جوہر کھل سکیں۔ شہزادہ گائی فارد اپنی صلیبی افواج کے ساتھ تیز رفتاری سے سفر کرتا ہوا سلطان بیبرس کی جانب بڑھا۔ سلطان بیبرس کو اس کی آمد کی خبر مل چکی تھی اس نے اپنی افواج کو منظم کر کے ایک مخصوص حصے پر پڑاؤ ڈال دیئے۔ یہ خطہ زمین کسی قدر ہموار تھا۔ پتھریلی اور کنکریلی زمین پر فیصلہ کن جنگ لڑنا خاصا مشکل کام تھا مگر سلطان بیبرس نے مملوک سالاروں کی ہمتیں ٹوٹنے نہیں دیں۔ شہزادہ گائی فارد بڑی تمکنت کے ساتھ سلطان بیبرس کے مدِ مقابل آ کر خیمہ زن ہونے کی کوشش کر رہا تھا جب سلطان بیبرس نے طبلِ جنگ بجوا دیا۔ شہزادہ گائی فارد اسلامی لشکر کی چال پر بوکھلا گیا۔ ارمنی سالاروں نے موقعہ کی نزاکت کے پیشِ نظر فوری طور پر ارمنی سپاہیوں کو صف آرا کرنا شروع کر دیا۔ سلطان بیبرس انہیں کوئی ایسا موقع نہیں دینا چاہتا تھا جس سے وہ منظم ہو جاتے۔ فریقین میں دو بدو لڑائی کا آغاز ہو گیا۔ مجاہدین ارمنی لشکر کی آمد پر ہی پُر جوش ہو گئے تھے۔ سلطان بیبرس کی جانب سے حملے کا حکم پا کر وہ عقابوں کی مانند جھپٹے۔ ایک دن کی جارحانہ لڑائی کے بعد شہزادہ گائی فارد اپنے اہم سالاروں کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا۔ شہزادہ گائی فارد کی گرفتاری کی خبر نے ارمنی فوجوں کے حوصلوں پست کر دیئے۔ یکلخت لڑائی کا نقشہ بدل گیا۔ ارمنی فوج کی کثیر تعداد گرفتار کر کے قیدی بنا لی گئی۔ مجاہدین فتح کا مژدہ سن کر سجدوں میں گر گئے۔ سلطان بیبرس نے بھی شکر کا کلمہ ادا کیا اور مجاہدین کے ایمان کن جذبے کو سراہا۔ شہزادہ گائی فارد کی گرفتاری کے بعد سلطان بیبرس نے شاہ ہیٹن کے نام ایک نامہ لکھوایا جس کا متن کچھ اس طرح تھا۔

''سلطان بیبرس کی جانب سے شاہ ہیٹن کے نام!

چونکہ تمہارے لشکر میں کوئی ایسا نہیں بچا جو تمہیں حالات کی خبر دیتا لہٰذا میں تمہیں یہ اطلاع دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا اور تمہیں ایک غم زدہ باپ بنا دیا۔ تمہارے بیٹے کو ہماری اسیری راس آئی ورنہ ممکن تھا کہ میدان کے کسی حصے میں اس کی گھوڑوں سے کچلی ہوئی لاش دیکھنے کو ملتی۔ تمہاری ریاست کے لوگوں نے مسلمانوں پر ظلم و ستم میں کبھی رعایت سے کام نہیں لیا لہٰذا میں تمہاری اسیر رعیت کے ساتھ بھی وہی کر رہا ہوں جو کہ مکافات میں ہوتا ہے۔ بہت جلد تمہیں آرمینیہ کے ولی عہد کا سر روانہ کر دیا جائے گا تاکہ تمہیں عبرت ہو''۔

گرفتار شدہ ارمنی سپاہیوں میں سے خصوصاً جوان افراد کو الگ کر لیا گیا اور بوڑھے افراد کو الگ۔ جوان سپاہیوں کے بارے میں حکم دیا گیا کہ ان کی گردنیں اُڑا دی جائیں جبکہ بوڑھے سپاہیوں کو صرف قیدی رکھا گیا۔ سلطان بیبرس اپنے پڑاؤ میں یوں بیٹھ گیا جیسے وہ کسی شکارگاہ میں تفریح کرنے آیا ہو۔ مجاہدین چوکنے انداز میں اپنے گرد و پیش پر نظر رکھے ہوئے تھے۔

شاہ ہیٹن کو جب اپنے بیٹے گائی فارد کی خبر ملی تو اس کی حالت غیر ہونے لگی۔ وہ شدتِ غم سے نڈھال ہو گیا اور اس نے سلطان بیبرس سے خود ملنے کا فیصلہ کیا۔ نہایت تیز رفتاری سے وہ اپنے مخصوص عہدے داروں کے ساتھ میدانِ جنگ میں پہنچا اور سلطان بیبرس سے اپنے بیٹے کی رہائی کی التجا کی۔ سلطان بیبرس نے کافی غور و خوض کے بعد ایک معاہدہ تحریر کیا اور اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس معاہدے میں چند شرائط درج تھیں جن کی رُو سے آئندہ آرمینیہ قسطنطنیہ سے آنے والی افواج کو گذرنے کا راستہ نہیں دے گا اور کسی قسم کی تخریبی

کارروائیوں میں حصہ نہیں لے سکے گا۔ ارض مقدس میں موجود صلیبی جنگجوؤں کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی اور نہ ہی آرمینیہ ان کو اپنی زمین پر پناہ دے گا۔ مسلمان علاقوں پر لشکر کشی کی صورت میں ایل خانی منگولوں کی معاونت نہیں کی جائے گی اور بوقت جنگ وہ دونوں فریقین سے غیر جانبدار رہیں گے۔ شاہ بیٹن نے اپنے عہدیداروں سے صلاح ومشورے کے بعد اس معاہدے پر دستخط کئے اور سلطان بیبرس کے حوالے کر دیا۔ اس معاہدے کی ضمانت کے طور پر تمام اعلیٰ عہدیداروں نے دستخط کئے تھے۔ معاہدے کی خلاف ورزی کی صورت میں سلطان بیبرس کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ اسلامی لشکر کے ساتھ دوبارہ لشکر کشی کر کے آرمینیہ کو ہمیشہ کے لئے اسلامی صوبہ بنالیتا۔ سلطان بیبرس نے اس معاہدے کے ساتھ ساتھ بڑی رقم کا خراج بھی حاصل کیا۔ یہ فیصلہ کن جنگ ثابت ہوئی تھی جس نے شاہ بیٹن کی کمر توڑ ڈالی تھی۔ وہ ایک طویل عرصے تک مدافعت کرنے کے لائق نہیں رہا تھا۔

سلطان بیبرس نے آرمینیہ کا فیصلہ کرتے ہوئے مزید پیش قدمی کی اور اگلی ریاست انا طولیہ پر جا چھپٹا۔ یہ ایک چھوٹی سی نصرانی ریاست تھی مگر اس میں تاجر آبادی کی کثرت تھی۔ انا طولیہ کے ایک اہم شہر ادنیہ کو نشانہ بنایا گیا۔ فصیل کو مسمار کر کے اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ شاہ انا طولیہ نے جب بربادی کا پہلا منظر ملاحظہ کیا تو اس کے ہوش ٹھکانے آگئے اور اس نے سلطان بیبرس کی مزید کسی شہر کی جانب پیش قدمی سے پہلے ہی صلح کے پیغامات بھیجنا شروع کر دیئے۔ سلطان بیبرس ابھی اس غور وفکر میں تھا کہ اس پیشکش کا کیا جواب دیا جائے کہ اس کے خاص مخبروں نے یہ اطلاع دی کہ سلطان بیبرس کو فوری طور پر قاہرہ لوٹ جانا چاہئے کیونکہ شاہ قسطنطنیہ ساحل سمندر کی جانب سے ایک بڑا لشکر بلادِ مصر میں اتارنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ سلطان بیبرس نے اپنے مملوک سالاروں سے مشورہ کرنے کے بعد شاہ انا طولیہ کے ساتھ ایک معاہدۂ امن ضبط تحریر کیا اور قاہرہ کی جانب واپسی کا اعلان کر دیا۔

انطاکیہ، آرمینیہ اور انا طولیہ پر لشکر کشی اور اسلامی افواج کی کامیابی نے پورے یورپ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ شاہ قسطنطنیہ کلیمنٹ چہارم کو جیسے جیسے سلطانی لشکر کی پیش قدمی کی خبریں ملتیں تو اس کا ماتھا پسینے سے شرابور ہو کر رہ جاتا۔ وہ بخوبی سمجھ چکا تھا کہ سلطان بیبرس قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ روزانہ آنے والی خبروں کا احاطہ صرف قصر قسطنطنیہ نہیں تھا بلکہ یہ خبریں امراء و روساء کے ذریعے عام لوگوں تک متواتر پہنچ رہی تھیں۔ یہی بات سب سے زیادہ پیچیدگی کا باعث بن رہی تھی۔ رعیت کی بھانت بھانت کی بولیوں سے سلطان بیبرس کا بڑا مستحکم تصور وجود میں آچکا تھا۔ انطاکیہ، آرمینیہ اور انا طولیہ کی بربادی کی کہانیوں نے انہیں سخت خوف وہراس میں مبتلا کر دیا تھا۔ بیشمار افراد کا یہ کہنا تھا کہ سلطان بیبرس جس کامیابی کے ساتھ آگے بڑھتا چلا آرہا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قسطنطنیہ کا استحکام اس کے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوگا۔ شاہ قسطنطنیہ نے فوری طور پر شاہ انگلستان ہنری سوم، شاہ جرمنی اور شاہ فرانس لوئی نہم سے پُرزور الفاظ میں درخواست کی کہ وہ سب مل کر فوری طور پر صلیبی جہاد کا اعلان کر دیں کہیں ایسا نہ ہو کہ سلطان بیبرس قسطنطنیہ کو روندتا ہوا ایک ایک کر کے تمام نصرانی سلطنتوں کو پامال کرتا چلا جائے۔ شاہ جرمنی اور شاہ انگلستان نے اپنی داخلی پریشانیوں کے باعث کسی قسم کی مدد سے معذرت کر لی البتہ شاہ فرانس لوئی نہم مسلمانوں کی یلغار کی خبر سن کر کھول اُٹھا اور اس کی مذہبی خدمات کا جذبہ خاموش نہ رہ سکا اس نے مردانہ وار شاہ قسطنطنیہ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے نہایت سرگرمی سے صلیبی جہاد کی پشت پناہی کا اعلان کر دیا۔ صلیبی جہاد کا وعظ اس قدر پیا گیا کہ لوگ مذہبی جوش وخروش سے دھڑا دھڑ لشکروں میں شامل ہونے لگے۔ شاہ قسطنطنیہ کو

صلیبی جہاد کی تیاری کے آغاز کی خبر ملی تو وہ مطمئن اور مسرور ہو گیا۔ اسی دوران اسے یہ خبر ملی کہ سلطان بیبرس اپنی افواج کے ساتھ قاہرہ واپس لوٹ گیا ہے تو اس کے سب خدشات مٹ گئے۔

❁ ❁ ❁

گل وقوژ خاموشی سے شیخ الرئیس کی متغیر حالت کو دیکھ رہی تھی۔ شیخ الرئیس کو شاید اتنی بڑی فرمائش کی توقع نہیں تھی اسی لئے اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ وہ کئی ساعتوں تک کچھ نہیں بول پایا۔ گل وقوژ کچھ دیر کے انتظار کے بعد دوبارہ بولی۔

''شیخ الرئیس! میرے کانوں میں ابھی تک آپ کے وہ الفاظ گونج رہے ہیں جن میں مجھے یہ یقین دہانی کرائی گئی تھی کہ اگر میں آپ کے لئے کوئی کام کروں گی تو مجھے اس کا منہ مانگا معاوضہ دیا جائے گا..... پھر اس قدر سوچ بچار کس لئے؟''

''گل وقوژ! تم نے اپنی حیثیت سے بہت بڑھ کر چھلانگ لگائی ہے..... میں اپنی سلطنت کے قیام کے آغاز پر کسی قسم کی بدمزگی نہیں چاہتا حالانکہ آج کا دن میرے لئے دکھوں کا پیغام لایا ہے۔ جہاں مجھے ابونصر اور مطیع الدین کی موت سے شدید دھچکا لگا ہے وہیں تمہارے مطالبے نے مجھے بے حد رنجیدہ کیا ہے۔ تمہیں شاید اس بات کا اندازہ نہیں کہ میں اپنے ساتھیوں اور محسنوں کو کبھی فراموش نہیں کیا کرتا۔'' شیخ کبیر الدین کے لہجے میں گہراؤ جھلک رہا تھا۔

''شیخ الرئیس! یہ بھی آپ کا ہی دیا ہوا سبق ہے کہ اگر مجھے آئندہ زندگی میں کامیابی کی جانب بڑھنا ہے تو مجھے جذباتیت اور نرم ونازک احساسات سے کنارہ کشی کرنا ہوگی اور صرف اپنے مقصد اور ہدف پر نگاہ مرتکز رکھنا ہوگی..... میں آج اپنے محفوظ مستقبل کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ شرط عائد کر رہی ہوں کہ آپ کی کامیابی میں مجھے اپنا پورا حصہ ملنا چاہئے''۔ گل وقوژ کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔

''اچھی طرح سوچ لو گل وقوژ! اگر تم اس شرط کو ختم کر دو تو میں تمہیں وہ کچھ دوں گا جس کا تمہیں وہم و گمان بھی نہیں ہوگا''۔ شیخ الرئیس نے ڈھیلے لہجے میں کہا۔

''شیخ الرئیس! گل وقوژ ایک ہی بار اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ کرتی ہے''۔

''ٹھیک ہے مجھے تمہاری شرط منظور ہے۔ میں تمہیں قہستان کی ملکہ کی تقرری کا عہد نامہ لکھ دیتا ہوں مگر پھر تمہیں مشورہ دوں گا کہ یہ ضد چھوڑ دو..... میں تمہیں اس سے بھی بڑھ کر دوں گا''۔

''میں فیصلہ کر چکی ہوں''۔ گل وقوژ دوٹوک انداز میں بولی۔

شیخ الرئیس نے اسی وقت دیوان خانے سے کاتب کو بلوایا اور ایک صاف کاغذ پر گل وقوژ کے سامنے وہ سب کچھ لکھ دیا جو کہ وہ چاہتی تھی۔ تحریر مکمل ہونے کے بعد اس نے اپنی انگوٹھی کی مہر اس پر ثبت کر کے گل وقوژ کے حوالے کر دی۔ گل وقوژ نے بڑے غور سے تحریر کا سیاق وسباق پڑھا اور پھر مطمئن ہو گئی۔ شیخ الرئیس بوجھل قدموں سے وہاں سے رخصت ہو گیا۔ گل وقوژ تحریر ہاتھ میں لئے سوچنے لگی کہ شیخ الرئیس نے جس قدر آسانی سے اس کی بات تسلیم کرتے ہوئے اسے تحریر لکھ دی ہے یقیناً اس کے پیچھے اس کی کوئی چال پوشیدہ ہو سکتی ہے۔ یہ الگ بات تھی کہ اسے شیخ الرئیس کے وعدے پر کوئی بھروسہ نہیں تھا۔ گل وقوژ نے بظاہر شیخ الرئیس کو یقین دہانی کرا دی تھی کہ وہ اگلی صبح قاہرہ کے لئے روانہ ہو جائے گی مگر وہ قلعہ بانیاس سے روانہ ہونے سے پہلے کچھ ضروری انتظامات کرنا ضروری سمجھتی تھی، جن کی تکمیل کے لئے اس کے پاس صرف ایک ہی رات تھی۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین سخت تذبذب کا شکار تھا۔ وہ سیّد احمد البدویؒ کی خانقاہ سے تو نکل آیا تھا مگر یہ بات اس کے ذہن سے چپک کر رہ گئی تھی کہ وہ اپنی مہم میں کامیاب نہیں ہو پائے گا۔ اس نے کئی بار چاہا کہ وہ اس خیال سے خلاصی پالے مگر جانے کیا بات تھی کہ کچھ ہی لمحوں بعد پھر وہ خیال اس کے ذہن کے کواڑوں پر دستک دینے لگتا۔ مطیع الدین بے شک کچھ وجوہات کی بناء پر خود غرض بن گیا تھا مگر اس کا جذبۂ ایمانی پوری طرح سرد نہیں ہوا تھا۔ وہ سرائے میں بیٹھا ہوا تمام معاملے پر غور کر رہا تھا۔ جب سے گل وتوڑ اس کی زندگی میں آئی تھی، اس کی زندگی ایک عجیب سی پہیلی بن کر رہ گئی تھی۔ ہر قدم پر عجیب حالات سے سامنا ہوتا رہا۔ سفر کی یہ منزل اسے سرائے سے طنطا تک لے آئی تھی۔ سیّد احمد البدویؒ نے اس کی ویران زندگی کی جو تصویر اس کے سامنے پیش کی تھی وہ کسی سراب سے کم نہیں تھی۔ ایک ایسا سراب جو اسے مسلسل گناہ کی جانب کھینچ لئے جا رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اس کی آخر خلیفۃ المسلمین سے کیا دشمنی ہے؟ وہ اسے قتل کرنے کی نیت سے بلادِ مصر میں داخل ہوا ہے، اگر خلیفہ اس کے ہاتھوں مقتول ہو بھی گیا تو اسے کیا فائدہ ہوگا؟..... گل وتوڑ..... اسی لمحے اس کے ذہن میں اپنی محبوبہ کا نام گونجا۔ اس نے تیزی سے سر جھٹکا۔ گل وتوڑ ایسی دیوانگی تھی جس کے عالم میں ڈوب کر وہ بے خود سا ہو جاتا تھا۔

مجھے اپنی زندگی میں سے گل وتوڑ کو نکالنا ہوگا..... ذہن کے کسی گمنام حصے نے اسے مشورہ دیا تو لب سرگوشی کرنے لگے۔ وہ چونک سا گیا۔ یہ کیسی آواز تھی اور کیوں اس کے لبوں تک پھسل آئی؟ اس نے ایک لمحے کے لئے اس آواز کو سیّد احمد البدویؒ سے منسوب کرنے کی کوشش کی مگر دوسرے ہی لمحے اپنی حماقت پر مسکرا دیا۔ اسی لمحے گہنام کے الفاظ اس کے ذہن میں گونجے کہ وہ ایسی عورت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے بارے میں سوچ سکتا ہے جو نام در قاتلہ ہو اور اس کے ہاتھوں سے کئی زندگیاں سسک کر دم توڑ گئی ہوں..... نہیں گل وتوڑ ایسی نہیں ہو سکتی۔ دل نے ذہن میں گونجنے والی آواز کو دبانے کی کوشش کی۔ گل وتوڑ کا معصومیت بھرا چہرہ اس کے تخیل میں رقصاں ہو گیا۔ پھر اسے عجیب سی سرشاری اپنے وجود میں پھیلتی ہوئی محسوس ہوئی..... نہیں..... نہیں! یہ فریب کے سوا کچھ نہیں۔ دماغ کے تار بری طرح جھنجھنا اُٹھے۔ مطیع الدین کے بدن میں پھیلا ہوا خمار یکلخت مٹ گیا۔ وہ بری طرح لرز رہا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

وہ دل و دماغ کی اس لڑائی میں خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔ یہ ایک عجیب اُلجھن تھی جو اس کی مدافعت پر بار بار حملہ آور ہو رہی تھی۔ پھر اس نے اپنے تئیں یہ فیصلہ کر لیا کہ اس شہر میں زیادہ دیر مزید قیام کیا گیا تو ممکن ہے کہ اس کے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں بہتر یہی ہے کہ خود کو کسی سفر میں مشغول کر لیا جائے۔ مگر سفر کس جانب کا کیا جائے یہ سوال اپنی جگہ اہم تھا۔

قاہرہ..... دل کے خانوں سے پکار اُٹھ رہی تھی تو دماغ اسے قاہرہ جانے سے روک رہا تھا۔ وہ اسے واپس سرائے لوٹنے کا مشورہ دے رہا تھا جہاں اس کا بوڑھا باپ اس کا منتظر تھا، جہاں اس کا سب سے اچھا دوست برقائی خان موجود تھا۔ پھر اس کا دل دماغ کو چاروں خانے چت کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ اس نے قاہرہ کی جانب بڑھنے کا فیصلہ کر لیا۔ خلیفہ کے مستقبل کا فیصلہ وہ قاہرہ میں جا کر کرے گا؟ مطیع الدین دل کا ہمنوا بن گیا۔ اس نے طنطا کو خیر باد کہا اور اپنے ضروری سامان کے ساتھ قاہرہ کی جانب سفر شروع کر دیا۔ وہ طنطا سے نکلنے سے پہلے قاہرہ کے راستے سے آگاہی اور فاصلے کی ضروری معلومات معلوم کرنا نہیں بھولا تھا۔ کئی دن کی مسلسل مسافت کے بعد وہ قاہرہ پہنچا۔ بلادِ اسلامیہ کے دارالخلافہ کی شان و شوکت دیکھ کر وہ دم بخود سا رہ گیا۔ سرائے جیسے شہر کے مقابلے میں قاہرہ کسی حسین دوشیزہ سے کم نہیں تھا۔ اس نے قاہرہ میں جب قدم رکھا تو

اسے اپنے آپ میں خود اعتمادی کے اضافے کا احساس ہوا۔ یہی وہ شہر تھا جہاں خلیفۃ المسلمین موجود تھا۔ خلیفہ کی موت اسے گل وتوڑ تک لے جا سکتی تھی اور خلیفہ کو قتل کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ وہ ابھی اس ضمن میں سوچ رہا تھا کہ ایک نرم سا ہاتھ اسے اپنے کندھے پر دباؤ ڈالتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ چونک کر مڑا اور اسے دیکھنے لگا۔

❀ ❀ ❀

شیخ ابوراضیاء حیرت و پریشانی میں قدم اُٹھاتا ہوا ایک کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اسے کچھ ہی دیر پہلے ایک پیغام ملا تھا جو کہ اس کے لئے انتہائی غیر متوقع تھا۔ وہ پیغام کسی اور کی جانب سے نہیں بلکہ گل وتوڑ کی جانب سے تھا۔ گل وتوڑ نے آج تک اسے یوں رات کی تاریکی میں ملاقات کے لئے نہیں بلوایا تھا۔ اسے دن کے ایک حصے میں یہ معلوم ہوا تھا کہ شیخ الرئیس گل وتوڑ سے ملاقات کے لئے خود اس کے پاس گیا تھا۔ یہ سن کر اسے کسی قدر تعجب بھی ہوا کہ ایسا کون سا معاملہ درپیش تھا کہ شیخ الرئیس کو گل وتوڑ کے پاس جانا پڑا مگر وہ زیادہ کریدنے کے چکر میں نہیں پڑا۔ اب گل وتوڑ کے بلاوے نے اسے خاصا مضطرب کر دیا تھا۔ وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا گل وتوڑ کے کمرے میں جا پہنچا۔ گل وتوڑ ایک جانب کرسی پر بیٹھی ہوئی منتظر دکھائی دی۔ اس کی صورت دیکھ کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ شیخ ابوراضیاء اس کی جانب متفسرانہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''شیخ ابوراضیاء! بیٹھو مجھے کچھ ضروری بات کرنا ہے''۔ گل وتوڑ نرم لہجے میں بولی۔

شیخ ابوراضیاء کچھ نہ سمجھتے ہوئے لاشعوری طور پر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ گل وتوڑ شاید اپنے ذہن میں الفاظ کو ترتیب دے رہی تھی۔ کچھ توقف کے بعد بولی۔

''مجھے صاف دکھائی دے رہا ہے کہ تہستان کا خواب اب جلد ہی شرمندہ تعبیر ہونے والا ہے، وہ دن دور نہیں کہ جب بلادِ شام سے لے کر کوہ قفقاز تک تہستان کی حکومت قائم ہو جائے گی۔ تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے..... کیا میں غلط کہہ رہی ہوں''۔

''میں کچھ سمجھا نہیں گل وتوڑ! تم کھل کر کہو..... کیا کہنا چاہتی ہو؟'' شیخ ابوراضیاء تذبذب بھرے لہجے میں بولا۔ اس کے ماتھے کی سلوٹیں نمایاں ہو گئی تھیں۔

''جب کوئی نئی سلطنت وجود میں آتی ہے تو سب سے پہلے کیا کیا جاتا ہے ابوراضیاء؟'' گل وتوڑ کے لہجے میں عجیب سی پھنکار تھی۔ شیخ ابوراضیاء گل وتوڑ کی بے ربط گفتگو پر پریشان ہونے لگا۔ ایک لمحے کے لئے اسے یوں لگا جیسے گل وتوڑ شراب کے نشے میں دھت ہو مگر گل وتوڑ کی آنکھوں کی چمک اس کے خیال کی نفی کر رہی تھی۔ گل وتوڑ اس کی خاموشی پر دوبارہ بولی۔ ''ہر سلطان کا دستور ہوتا ہے کہ جب اسے حاکمیت مل جاتی ہے تو وہ سب سے پہلے ان لوگوں کی جانب نگاہ کرتا ہے جو اس کے بہت زیادہ قریب ہوں، یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اس کی ہر کمزوری سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ ان کا وجود سلطان کو ہمیشہ کھٹکتا رہتا ہے۔ وہ درحقیقت ان سے خوفزدہ رہتا ہے کہ کہیں وہ اس کی منزلت کا جاہ و جلال زمین بوس نہ کر دیں۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا''۔

''میں تمہاری بات کا مفہوم تو سمجھ رہا ہوں مگر رات کے اس پہر میں یہ سب مجھے بتانے کی ضرورت کیونکر پیش آئی''۔ شیخ ابوراضیاء اُلجھا ہوا بولا۔

''کیا تم سمجھتے ہو کہ شیخ الرئیس سلطان بننے کے بعد ایسا کچھ نہیں کرے گا، وہ اپنے محسنوں کے ساتھ صلہ رحمی اختیار کرتے ہوئے انہیں مناصب اور اعزازات دے گا؟'' گل وتوڑ مختصراً بولی۔

''میں یہی تو جاننا چاہتا ہوں کہ اچانک یہ خیال تمہارے ذہن میں کیونکر آیا؟'' شیخ ابوراضیاء چونک کر

بولا۔

''آج جو کچھ مجھے دکھائی دیا، وہ اسی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ شیخ الرئیس کی نیت میں فتور پیدا ہو چکا ہے۔ اسے قہستان کے قیام کی کرنیں پھوٹتی ہوئی دکھائی دے چکی ہیں۔ وہ نہیں چاہتا کہ اس کے ساتھی خصوصاً قریبی محسن اس نئی صبح میں زندہ سانس لے سکیں۔ وہ پُراسرار انداز میں انہیں راہ سے ہٹاتا جا رہا ہے۔ کیا تمہیں معلوم ہے شیخ ابونصر اور مطیع الدین کو اس نے نہایت چالاکی سے اپنے راستے سے ہٹا دیا ہے؟''

''یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو جبکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ سرحدی سپاہیوں کے ہاتھوں ہلاک ہوئے ہیں!'' شیخ ابوراضیاء کے چہرے پر گل وقوڑ کے لئے ناپسندیدگی سی دکھائی دی۔

''یہ خبر کون لایا تھا.....؟''

''ہمارے خاص وفادار غلام جو کہ مخبری کا کام انجام دیتے ہیں''۔

''انہیں ہمارے نہیں..... شیخ الرئیس کے وفادار کہو تو زیادہ موزوں ہے۔ جو شیخ الرئیس کے وفادار ہیں، کیا ان سے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ شیخ الرئیس کی حکم عدولی کر سکتے ہیں؟''

''وہ ایسا سوچنا بھی گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں''۔

''تو کیا وہ غلط خبر کو درست طریقے سے نہیں لا سکتے؟ یقیناً لا سکتے ہیں۔ شیخ الرئیس کے حکم پر انہوں نے غلط خبر دی تاکہ تم سب لوگ یہ یقین کر لو کہ ان دونوں کو سرحدی سپاہیوں نے انہیں گھیر کر ہلاک کر دیا۔ حالانکہ ایسا کچھ نہیں ہوا ہوگا؟'' گل وقوڑ کی آنکھوں میں گہری چمک تھی۔

''تم یہ سب کس بل بوتے پر کہہ رہی ہو''۔ شیخ ابوراضیاء ناگواری کے عالم میں تنک کر بولا۔

''میرے پاس وجہ ہے..... ان دونوں افراد کی کارکردگی کے بارے میں تم اچھی طرح جانتے ہو۔ مطیع الدین جس کے بارے شیخ الرئیس نے بتایا تھا کہ اس نے ایل خانی منگولوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تنہا جوانمردی سے مقابلہ کرتے ہوئے اسے قلعہ الموت سے فرار ہونے میں مدد کی۔ شیخ ابونصر جس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اعلیٰ شخصیات کے سینے میں نہ صرف خنجر گھونپ دینے میں ماہر بلکہ وہ وفاداروں اور محافظوں کی فوج کو بھی پچھاڑنے کی اہلیت رکھتا تھا۔ کیا یہ لوگ اپنی جان بچانے کے لئے سرحدی سپاہیوں سے بالکل نہیں لڑے ہوں گے اور انہوں نے ان کا ایک بھی سپاہی قتل نہیں کیا ہوگا؟''

گل وقوڑ کی بات سن کر شیخ ابوراضیاء گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ یہ حقیقت تھی کہ مخبروں نے جب اطلاع دی تھی تو انہوں نے یہ خصوصاً بتایا تھا کہ سرحدی سپاہیوں میں سے نہ تو کوئی زخمی ہوا ہے اور نہ ہی کوئی مقتول، صرف فدائی قافلے کی لاشیں وہاں پڑی تھی جنہیں انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ شیخ ابوراضیاء کا ذہن اب اس نکتے کی جانب مرتکز تھا کہ یقیناً شیخ الرئیس نے ان لوگوں کو قتل کرا کے کسی ویرانے میں پھینکوا دیا ہوگا اور لاشیں سرحدی سپاہیوں کو ویرانے سے ہی ملی ہوں گی۔ گل وقوڑ اس کے چہرے کے تغیرات کو دیکھ کر دھیما سا مسکرا اٹھی۔ وہ بلاشبہ شیخ ابوراضیاء کو وہ سب سمجھانے میں کامیاب ہو چکی تھی جس کے لئے رات کے اس پہر میں اسے یہاں بلوایا تھا۔ شیخ ابوراضیاء جب گل وقوڑ کے کمرے سے باہر نکلا تو وہ شیخ الرئیس کی ذات کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ اگر واقعی گل وقوڑ کے کہنے کے مطابق کچھ ایسا ہو رہا ہے تو جلد ہی اس کی باری بھی آ جائے گی۔ دوسروں کی طرح اسے اپنی زندگی سے بے حد پیار تھا، وہ ابھی مرنا نہیں چاہتا تھا۔

❁❁❁

شاہ فرانس لوئی نہم کے لئے ارضِ مقدس کوئی اجنبی جگہ نہیں تھی۔ وہ پہلے بھی اس جانب آ چکا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ اسے بائیس سال پہلے ساتویں صلیبی جنگ میں اسلامی لشکر کے مقابلے میں ذلت آمیز شکست اُٹھانا پڑی تھی اور وہ قید و بند کی صعوبتیں بھی کاٹ چکا تھا۔ صلیبی جنگ میں شکست کھانے کے بعد وہ اس امید سے چھ سال تک ارضِ مقدس میں مقیم رہا کہ شاید کوئی ایسی صورت نکل آئے جس سے وہ کم از کم عزت کے ساتھ اپنے وطن واپس لوٹ سکے مگر یافا، صیدا، قیسارنیہ اور عکہ کے قیام کے دوران وہ صلیبی سرداروں کی معاونت سے معمولی کارروائیوں کے سوا اور کچھ نہ کر سکا اور بالآخر مایوسی اور نامرادی سے آنسو بہاتا ہوا جولائی 1254ء کو واپس فرانس لوٹ گیا۔ ممکن تھا کہ وہ دوبارہ ارضِ مقدس کی جانب رُخ کرنے کا کبھی نہ سوچتا مگر سلطان بیبرس کی مسلسل فتح یابی اس کے دل میں کانٹا بن کر چبھی۔ شاہ قسطنطنیہ کلیمنٹ کے جارحانہ خطوط نے اس پر نمک کا کام کیا۔ بھرا ہوا زخم ایک بار پھر سے کھل گیا۔ شاہ لوئی نہم کے دل میں مسلمانوں سے انتقام لینے کا جذبہ عود کر آیا۔ اس کی مذہبی خدمات کا جذبہ ابھی پوری طرح سرد نہیں ہوا تھا۔ اپنے ہم قوموں میں عزت و منزلت کی خواہش نے سر اُٹھایا اور اس نے آگے بڑھ کر نصرانیت کی مذہبی جنگ کی قیادت کا برملا اظہار کر دیا۔ شاہ فرانس کی ذاتی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے نصرانیوں کی بڑی تعداد اس کے لشکر میں رضاکارانہ طور پر شامل ہو گئی۔ یہ الگ بات تھی کہ شاہ فرانس نے دل کھول کر سپاہیوں میں اعلیٰ اور پُرکشش انعامات و اعزازات تقسیم کئے۔ اس نے سڑکوں اور چوراہوں پر کھڑے ہو کر لوگوں کو راہِ خدا میں اس کارِ خیر کی انجام دہی کے لئے ابھارا۔ دن رات کی عسکری تیاریوں کے باعث وہ ساٹھ ہزار کے قریب فوج تیار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ 1270ء کے آغاز میں وہ اپنے صلیبی طالع آزماؤں کو ساتھ لے کر فرانس سے نکلا۔ اسے رخصت کرنے کے لئے کئی نامور شخصیات فرانس پہنچیں جن میں شاہ قسطنطنیہ بھی شامل تھا۔ صلیبی لشکر جرار بڑے فخر سے بحری بیڑوں میں سوار ہوا۔ وہ سب سمندری راستے سے ہوتے ہوئے بلادِ مصر کے ساحلوں پر اترنے کے خواہش مند تھے۔

جہاز جونہی خشکی سے کچھ دور ہوا تو شاہ فرانس لوئی نہم کے ہمدرد اور خیرخواہ عہدیداروں نے باہمی صلاح مشورہ کرتے ہوئے ایک نئی تجویز شاہ لوئی نہم کے سامنے پیش کی۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ بلادِ مصر میں اترنے کے بجائے انہیں شمالی علاقہ جات کی جانب بڑھنا چاہئے اور ان علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد بلادِ مصر بڑھنا چاہئے۔ اس طرح خشکی کا ایک بڑا حصہ ان کے تصرف میں رہے گا اور زمینی پیش قدمی میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئے گی۔ شمالی علاقہ جات کی جانب سے حملہ کرنے کی صورت میں سب سے اہم کامیابی یہ تھی کہ وہاں موجود اسلامی حکومتیں مکمل طور پر خودمختار تھیں اور ان کے پاس اتنا حربی ساز و سامان بھی نہیں تھا کہ وہ جم کر مقابلہ کر پاتے۔ خصوصاً خاندان بنومیرین کی حکومت کو وجود میں آئے ہوئے صرف دو سال ہوئے تھے۔ شاہ لوئی نہم کو اپنے سربرآوردہ سرداروں کی تجویز بے حد بھائی اور اس نے پہلے شمالی افریقہ کے مسلمانوں کو زیر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ جہازوں کا رُخ بلادِ مصر کے بجائے افریقہ کے شمالی ساحلوں کی جانب موڑ دیا گیا۔ شاہ لوئی نہم کے دل میں یہ بات سما چکی تھی کہ اگر بالفرض اسے سلطان بیبرس کے مقابلے میں منہ کی کھانا پڑی تو بھی شمالی افریقہ میں نصرانی ریاست کا قیام اس کارروائی کی سب سے بڑی اور اہم کامیابی قرار پائے گی۔ مختلف مشوروں کے بعد وہ لگاتار کئی ہفتوں کی مسافت کے بعد تیونس کے ساحلوں کے قریب پہنچا۔ فرانسیسی بحری بیڑوں نے ساحلوں پر صلیبی لشکر کو اتار دیا۔ تیونس کے سلطان کو جب صلیبی لشکر کی آمد اور ساحلی علاقوں پر ان کے قبضے کی خبر ملی تو وہ بے حد پریشان ہوا۔ سلطانِ تیونس نے فوری طور پر اقدام کرتے ہوئے تمام شہروں میں خوراک ذخیرہ کر کے قلعہ بند ہونے کی ہدایت کی اور ساتھ ہی مسلمانوں کو صلیبی معرکے سے نبٹنے کی تاکید کی۔ یہ بڑا نازک

موقعہ تھا۔ شاہ لوئی نہم اپنی دانست میں بالکل صحیح فیصلہ کر کے تیونس پہنچا تھا اگر وہ اپنے مقصد میں بھرپور انداز میں کامیاب ہو جاتا تو دنیا کی کوئی طاقت تیونس و مراکش میں نصرانی ریاست کے قیام کو روک نہیں سکتی تھی۔ سلطان مصر تیونس سے کافی دور تھا جب تک وہ ان کی جانب بڑھتا تو شاید دیر ہو چکی ہوتی۔

❀ ❀ ❀

مطیع الدین چونک کر اس شخص کو دیکھ رہا تھا اس کے خدوخال اسے کسی قدر شناسا محسوس ہوئے۔ اچانک اس کے ذہن میں روشنی کا ایک جھماکا سا ہوا اور اس اجنبی کا چہرہ ذہن کے قرطاس پر ابھر آیا۔ حیرت کی ایک لہر نے مطیع الدین کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں صرف اتنا ہی کہہ پایا...... ''ارزق! تم......!!!''

''میرا اندازہ درست نکلا تم مطیع الدین ہی ہو''۔ ارزق کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ابھی کچھ دیر پہلے میری اچانک تم پر نظر پڑی۔ پہلے تو میں حیران رہ گیا کہ تم اور یہاں؟''

''اللہ کی قسم! مجھے قطعاً امید نہیں تھی کہ تم سے دوبارہ ملاقات ہو سکے گی''۔ مطیع الدین بے ساختہ بولا تو ارزق ہنسنے لگا۔

''یہ دُنیا بہت مختصر ہے اور زندگی اتنی بڑی ہے کہ شناسا چہروں سے کبھی نہ کبھی سامنا ہو ہی جاتا ہے۔ تم سناؤ سرائے سے یہاں کیسے پہنچ گئے؟'' ارزق نے دریافت کیا۔

''کیا سناؤں؟ بس زندگی کے نشیب و فراز نے مقدر میں دربدر کی ٹھوکریں کھانا لکھ دی ہیں شاید! اسی لئے قریہ قریہ بھٹکتا پھرتا ہوں''۔ مطیع الدین گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

''اس موٹے فونتاجو خان کی سناؤ۔ مجھے وہ بڑا بھلا لگتا تھا''۔ ارزق نے ہنس کر کہا۔

''اس سے ملاقات ہوئے کئی سال بیت گئے ہیں۔ پتہ نہیں اب کہاں ہوگا؟''

''کیا مطلب؟ تم سرائے میں اب نہیں رہتے ہو کیا؟'' ارزق حیرت سے بولا۔

''نہیں!'' مطیع الدین نے افسردہ انداز میں جواب دیا۔

''یعنی تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ سرائے کے سلطان برقائی خان کا چار سال پہلے انتقال ہو چکا ہے اور اس کی جگہ اب اس کا بھتیجا نوگائی خان حکومت کر رہا ہے''۔ ارزق نے چونک کر پوچھا۔

''کک...... کیا...... برقائی خان مر چکا ہے؟...... میرا سب سے اچھا دوست اب اس دنیا میں نہیں ہے''۔ مطیع الدین کو اپنی آنکھوں کے سامنے اندھیرا پھیلتا ہوا محسوس ہوا وہ اس خبر پر شدید صدمے سے دوچار ہوا تھا۔

''خود کو سنبھالو مطیع الدین!'' ارزق اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے سہارا دینے لگا۔ مطیع الدین کی آنکھیں نم آلود ہو چکی تھیں۔ اسے ٹھیک سے معلوم نہیں تھا کہ برقائی خان سے ملاقات کو کتنے برس بیت چکے ہیں مگر وہ ابھی تک اسی احساس میں مبتلا تھا کہ وہ آج بھی اس کی واپسی کا منتظر ہوگا اور جب وہ گل وتوژ کے ساتھ سرائے میں قدم رکھے گا تو اس کی ظریفانہ آواز اس کے کانوں میں ضرور پڑے گی۔ برقائی خان کی وفات کی خبر سن کر وہ نڈھال سا ہو گیا۔ ارزق اسے سہارا دے کر قریبی قہوہ خانے میں لے آیا۔ ارزق نے اس کے لئے گرم گرم قہوہ منگوایا۔ کچھ دیر بعد مطیع الدین کی طبیعت سنبھلی تو کئی سوال اس کے لبوں پر مچل کر رہ گئے۔ ارزق نے اسے تفصیل بتائی تو مغموم صورت بنائے بیٹھا رہا۔ ارزق نے اس کی حالت پر اندازہ لگایا کہ اسے کچھ آرام کی ضرورت ہے اس لئے اس نے ایک اچھی سی سرائے میں اس کے قیام کا بندوبست کیا اور

اسے وہاں چھوڑ کر رخصت ہو گیا۔ ارزق اچھی طرح جانتا تھا کہ مطیع الدین کے غم کا مداوا اسی میں ہے کہ اسے کچھ دیر کے لئے تنہا چھوڑ دیا جائے۔ ارزق کے جاتے ہی مطیع الدین کا تھما ہوا لاوا جیسے پھوٹ پڑا اور وہ بچوں کی طرح رونے لگا۔

❀ ❀ ❀

شیخ ابوراضیاء کو دوسرے دن معلوم ہوا کہ گل وتوژ کو کسی مہم کے لئے روانہ کر دیا گیا ہے۔ ایسا پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ کسی اہم فرد کو مہم پر روانہ کیا گیا اور اس کی خبر اسے پیشگی نہ مل پائی ہو۔ شیخ الرئیس عموماً تمام مہمات میں اس سے مشورہ کیا کرتا تھا۔ یہ چونکہ خلاف معمول عمل تھا اس لئے وہ کھٹک سا گیا۔ گل وتوژ کے زہر آلود جملے اس کی سماعت میں ایسے گونجتے رہتے کہ وہ اکثر رات کو چین کی نیند سو بھی نہیں پاتا۔ وہ کئی دن سے اس تاک میں تھا کہ وہ شیخ الرئیس کی کوئی ایسی حرکت دیکھے جس سے اس کے شک کو تقویت مل سکے۔ اس کام کے لئے اس نے اپنے کئی وفادار غلاموں کو مامور کیا کہ وہ شیخ الرئیس کے پاس اگر کسی کو جاتا دیکھیں تو اسے فوراً خبر دیں۔ اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ تیسرے دن اس کے غلام نے خبر دی کہ شیخ الرئیس کا ایک خاص غلام اس کے خاص کمرے میں تنہائی میں ملاقات کے لئے بلوایا گیا ہے۔ خاص غلام کا نام سن کر اس کا ماتھا ٹھنک سا گیا شیخ ابوراضیاء نے وقت ضائع کئے بغیر شیخ الرئیس کے خاص کمرے کی راہ لی۔ وہ تیز رفتاری سے وہاں پہنچا تو اسے خاص غلام کمرے میں داخل ہوتا ہوا دکھائی دیا۔ اسے دیکھ کر شیخ ابوراضیاء کسی قدر محتاط ہو گیا۔ وہ دبے قدموں چلتا ہوا شیخ الرئیس کے خاص کمرے میں پہنچ گیا۔ شیخ الرئیس کے خاص کمرے میں بلا اجازت داخل ہونا سنگین جرم تھا جس کا ارتکاب شیخ ابوراضیاء کر چکا تھا۔ وہ خاموشی سے اندر داخل ہوا اور ایک بڑے پردے کی اوٹ میں چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ شیخ الرئیس خاص غلام کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھا۔ گفتگو کا پہلا حصہ تو وہ سننے سے محروم رہ گیا مگر جو فقرہ اس کے کانوں میں پڑا وہ اسے چونکا دینے والا تھا۔ شیخ کبیر الدین خاص غلام سے کہہ رہا تھا۔

''گل وتوژ کچھ زیادہ ہی اونچا اُڑنا شروع ہو گئی ہے، اس لئے میں نے اس بات کا حتمی فیصلہ کر لیا ہے کہ اس کانٹے کو راہ سے صاف کر دیا جائے''۔

''جیسا آپ کا حکم ہوگا بالکل ویسا ہی ہوگا شیخ الرئیس!'' غلام نے مؤدب لہجے میں کہا۔

''میں نے گل وتوژ کو قاہرہ روانہ کیا ہے۔ وہ ابھی زیادہ دور نہیں پہنچی ہوگی۔ تم فوراً نکل جاؤ اور اسے ویرانے میں زندگی سے آزاد کر دو۔ خیال رکھنا کہ تمہیں قتل کرتے ہوئے کوئی نہ دیکھے۔ میں نہیں چاہتا ہے کہ ہمارے درمیان غلط فہمیاں پھیلیں اور ہم اپنے اوّلین مقصد کو چھوڑ کر ایک دوسرے سے دست و گریبان ہو جائیں''۔ شیخ الرئیس کے لہجے میں فکرمندی جھلک رہی تھی۔

''شیخ الرئیس! فکر مت کیجئے، میں گل وتوژ کی لاش کو ایسی گہرائی میں دفن کروں گا کہ اس کی خاک تک کوئی بھی نہیں پہنچ پائے گا''۔ غلام نے دانت نکال کر جواب دیا۔

''اس پر جھپٹتے وقت ذرا خیال رکھنا، وہ خاص تربیت یافتہ ہے، اگر اسے ذرا سا بھی شک ہو گیا کہ تم اس کی جان لینے کے درپے ہو تو وہ یقیناً مدافعت پر اتر آئے گی''۔ شیخ الرئیس نے ہدایت کی

غلام نے پوری یقین دہانی کرائی اور اجازت لے کر خاص کمرے سے باہر نکل آیا۔ شیخ ابوراضیاء اپنی جگہ ایسے گم صم کھڑا تھا جیسے کسی نے اس کے قدموں کے نیچے سے زمین ہی کھینچ لی ہو۔ وہ بار بار یہ یقین کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ کہیں یہ سب خواب تو نہیں ہے پھر اسے یقین آ ہی گیا کہ شیخ الرئیس نے کچھ لمحے پہلے جو الفاظ

ادا کئے تھے وہ حقیقت ہی ہیں۔ وہ احتیاط سے پیچھے ہٹا اور کسی قسم کی دھمک پیدا کئے بغیر خاص کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس کے دل و دماغ میں تیز آندھیاں چل رہی تھیں۔ شیخ ابونصر، مطیع الدین اور اب گل وتوڑ۔ اس کا مطلب یہی ہوا کہ شیخ الرئیس کی نیت میں فتور پیدا ہو چکا ہے اور وہ ایک ایک کر کے اپنے ساتھیوں کو پُراسرار انداز میں قتل کرتا جا رہا ہے۔ شیخ ابوراضیاء کو ماتھے پر چپچپاہٹ کا احساس ہوا تو وہ چونک گیا۔ اس کا ماتھا پسینے سے شرابور تھا۔

❁❁❁

بنو میرینی سلطان تیونس کو خبر دی گئی کہ بلادِ مصر و شام کے سلطان سپرس کی جانب سے ایک سفیر آیا ہے جو کہ صلیبی مہم کے سلسلے میں کوئی اہم پیغام آپ تک پہنچانا چاہتا ہے۔ سلطان تیونس کو کچھ لمحوں کے لئے یقین نہیں آیا اس نے اسے کوئی صلیبی ہتھکنڈہ قرار دیتے ہوئے ملاقات سے انکار کر دیا۔ اس کی سیدھی سادی وجہ تھی کہ سلطان تیونس کے سفارتی روابط سلطان سپرس کے ساتھ نہ ہونے کے برابر تھے اور اس نے صلیبی لشکر کی آمد پر ابھی تک کسی بھی طرف کوئی ایسا پیغام نہیں بھیجا تھا کہ صلیبی لڑائی کے مقابلے میں اس کی عسکری مدد کی جاتی۔ کچھ امرا نے سلطان تیونس کو مشورہ دیا کہ سفیر کی بات سننے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر وہ سلطان سپرس کی جانب سے نہیں آیا تو کوئی بات نہیں، کم از کم ہمیں یہ تو معلوم ہو جائے گا کہ اس کی آمد کا مقصد کیا ہے؟ کیا وہ ہمیں گمراہ کرنا چاہتا ہے یا حقیقتاً ہماری معاونت کا خواہاں ہے۔ سلطان تیونس نے امرا کے اصرار پر سفیر کو دربار میں طلب کر لیا سفیر ایک اوسط عمر کا شخص تھا جس نے سفید عربی لباس پہن رکھا تھا۔ البتہ خدوخال سے وہ عرب نہیں لگتا تھا۔ اس نے سلطان تیونس کو تعظیم دی اور خاموشی سے اجازت کا طلبگار دکھائی دیا۔ سلطان تیونس کو اس کا اندازِ سفارت بھلا لگا اس نے نرم لہجے میں وجہ آمد دریافت کی تو سفیر بولا۔

''مسلمانوں کے سلطان کا اقبال بلند ہو اور جذبہ ایمانی ہمیشہ بیدار رہے۔ میرا نام امیر رکن الدین ہے، میں بلادِ مصر کے سلطان سپرس کا نمائندہ بن کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ سلطان سپرس بے تابی سے اس صلیبی لشکر کی آمد کا انتظار کر رہے تھے مگر یہ صلیبی لشکر کسی مصلحت کے تحت بلادِ مصر کا رُخ کرنے کے بجائے تیونس کی سرزمین پر اُترا ہے۔ سلطان سپرس کو اس خبر کے بعد خاصی فکر لاحق ہے کہ کہیں آپ کی حکومت کمینہ خصلت نصرانیوں کے سامنے زیر نہ جائے، اسی لئے مجھے حالات کی صحیح آگاہی کے لئے آپ کے پاس بھیجا گیا ہے۔ اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو سلطان سپرس کی افواج صلیبی لشکر کے مقابلے کے لئے آپ کی پوری مدد کرنے کو تیار ہیں۔ ہمارے بیشتر سالار صلیبی مقابلے کے لئے سفارت کے بجائے لشکروں سمیت خود آنے کے خواہشمند تھے مگر سلطان سپرس نے انہیں صرف اس لئے روک دیا ہے کہ کہیں آپ یہ گمان نہ کر بیٹھیں کہ بلادِ مصر کا رقبہ بڑھانے کی کوشش کی جا رہی ہے''۔

''رکن الدین! ہمیں تمہارا انداز گفتگو پسند آیا، اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمارے پاس عسکری ذرائع کی کمی ہے اور ہم صلیبی لشکر کے مقابلے میں خود کو کمزور پاتے ہیں مگر ہمارے حوصلے بے حد بلند ہیں اور ہم بارگاہِ الٰہی میں دُعاگو ہیں کہ وہ خالق کائنات ہماری غیبی مدد کرے اور ہمیں فتح و نصرت سے نوازے تاکہ ہمیں دوسروں کے سامنے دست دراز نہ ہونا پڑے۔ ہم تمہارے سلطان کی نیت اور جذبات سے خوش ہیں کہ اس کا دل سرزمین پاک پر دین اسلام کے سب سے کمینے دشمن کی موجودگی کو پا کر بے چین ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو ایسی ہی قوت ایمانی عطا کرے۔ تم ہماری جانب سے اپنے سلطان کا شکریہ ادا کرنا''۔ سلطان تیونس رکن الدین سے متاثر دکھائی دیا۔

''آپ کا پیغام سلطان محترم تک پہنچ جائے گا''۔ رکن الدین کسی قدر توقف سے بولا ''سلطانِ محترم! میری ایک عرض ہے اگر آپ اسے شرف قبولیت فرمائیں تو مجھے بے حد دلی مسرت ہوگی''۔ سفیر رکن الدین کی بات پر سب لوگ چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگے۔

''ہاں بولو! ہم سننے کے بعد فیصلہ کریں گے''۔ سلطان تیونس نے نرمی سے کہا۔

''ایک سفیر ہونے کی حیثیت سے میرا جو فرض تھا وہ بجالایا مگر ایک مسلمان کی حیثیت سے جو فرض ہے، اس کی تکمیل میں دل بے تابی کا شکار ہے، اگر سلطان محترم اجازت مرحمت فرمائیں تو میں اپنے ساتھیوں سمیت اس صلیبی معرکے میں بطور رضا کار اپنا حصہ لینا چاہتا ہوں''۔

''مگر سلطان سپرس تک خبر کیسے پہنچے گی؟'' سلطان تیونس حیرت سے بولا۔

''ہمارے سفارتی گروہ میں دس افراد شامل ہیں، ان میں سے دو واپس لوٹ جائیں گے جو کہ سلطان سپرس کو آگاہ کریں گے جبکہ باقی آٹھ جہاد میں شریک ہوں گے۔ ہمیں اس امر کی اجازت سلطان محترم کی جانب سے پہلے ہی مل چکی ہے اور شک و شبہ کی دوری کے لئے ہمارے پاس اجازت نامہ بھی موجود ہے اگر آپ کو کسی قسم کا کوئی شبہ ہو تو ہم اجازت کا مراسلہ آپ کی خدمت میں پیش کر سکتے ہیں''۔ رکن الدین نے لجاجت بھرے انداز میں کہا تو دربار میں موجود کئی افراد کا دل پسیج گیا۔ وہ سلطان تیونس سے توقع کرنے لگے کہ وہ اجازت دے دے۔ سلطان تیونس نے ان سے مراسلہ لیا اور اس پر موجود تحریر کو بغور پڑھا۔ تحریر کے نیچے سلطان سپرس کی شاہی مہر ثبت تھی کافی دیر سوچنے کے بعد سلطان تیونس نے انہیں اپنی سرزمین پر ٹھہرنے اور صلیبی جہاد میں حصہ لینے کی اجازت دے دی۔ رکن الدین نے اس پر سلطان تیونس کا عمدہ الفاظ میں شکریہ ادا کیا۔

❁❁❁

چھٹا دن بھی یونہی گذر گیا۔ قلعہ بانیاس میں کوئی ایسی خبر نہیں پہنچی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ گل وتوڑ کے ساتھ کیا ہوا؟ شیخ ابوراضیاء کے بدن میں عجیب سی بے کلی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے وفادار غلاموں کو سختی سے ہدایت کی تھی کہ وہ صدر دروازے پر کڑی نگاہ رکھیں خصوصاً خاص غلام کی واپسی فوری طور پر اس کے علم میں لائی جائے۔ شیخ الرئیس اپنے مشاغل میں مصروف تھا، اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ شیخ ابوراضیاء اس کے اہم راز سے آگاہ ہو کر اس سے برگشتہ ہو چکا ہے۔ شیخ ابوراضیاء کی پوری کوشش یہی تھی کہ وہ شیخ الرئیس کے سامنے نہ ہی جائے تو بہتر ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے سامنے اس کی کیفیت میں کسی قسم کا تغیر پیدا ہو اور وہ سمجھ جائے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ اسی دوران اسے خبر ملی کہ حکہ سے کچھ صلیبی آئے ہیں جو کہ شیخ الرئیس سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ صلیبی افراد کی قلعہ بانیاس میں آمد و رفت کافی عرصے سے جاری تھی۔ شیخ الرئیس نے جہاں فدائی گروہ کی تشکیل میں وقت صرف کیا تھا وہیں وہ صلیبی سرداروں سے بھی حلیفانہ تعلقات کو فروغ دے رہا تھا۔ شاید اس کی وجہ بلادِ مصر و شام کی حکومت کی صلیبی مخالفت و مخاصمت تھی۔ صلیبی سردار چونکہ سلطان سپرس کے عتاب کا شکار تھے اس لئے شیخ کبیر الدین کو ان کے ساتھ گہری ہمدردی ہو چکی تھی۔ شیخ ابوراضیاء نے ایک غلام کے ذریعے شیخ الرئیس تک نصرانی مہمانوں کی آمد کی خبر پہنچائی۔ کچھ ہی دیر میں اسے ہدایت موصول ہوئی کہ وہ انہیں مہمان خانے میں ٹھہرائے۔ ملاقات کل ہی ممکن ہو سکے گی۔ شیخ ابوراضیاء پہلے ہی دل میں دعائیں کر رہا تھا کہ اسے شیخ الرئیس کے سامنے پیش نہ ہونا پڑے۔ اتفاق سے اس کی مشکل حل ہو گئی۔ وہ نصرانی افراد کو مہمان خانے میں ٹھہرانے کا بندوبست کرنے میں مصروف ہو گیا۔ مختلف امور میں رات پڑ گئی تو اسے جسم میں

تکان کا احساس ہوا۔ وہ آرام کرنے کے لئے اپنے کمرے میں چل دیا۔ کمرے میں پہنچ کر اس نے لمبی انگڑائی لی اور بستر کی جانب بڑھ گیا۔ اچانک وہ یوں اچھلا جیسے اس نے اپنے بستر میں بچھو دیکھ لیا ہو۔ اس کا چہرہ خوف سے زرد پڑ چکا تھا۔

❁❁❁

علاء الدین ابوالعلاء علی بن ابی الحزم القرشی ساتویں صدی کے یکتائے زمانہ طبیب اور جید عالم تھے۔ انہیں عرف عام میں علامہ ابن النفیس کے نام سے جانا جاتا تھا۔ دمشق میں پیدا ہوئے اور وہیں عرصہ تک قیام کیا۔ بیمارستان النوری میں طبی تعلیم حاصل کی اور بعد میں اسی میں اپنی طبی خدمات انجام دیتے رہے۔ سانحہ بغداد کے بعد علامہ ابن النفیس نے دمشق کو خیرباد کہا اور سفر کرتے ہوئے قاہرہ پہنچے اور پھر قاہرہ سے نکل کر تیونس میں آکر مقیم ہو گئے۔ تیونس میں انہیں بڑی شہرت حاصل تھی اور بقول مؤرخین کے ان کے ہاتھوں میں شفا کا جادو تھا۔ علامہ ابن النفیس عمر کے تہترویں برس میں قدم رکھ چکے تھے جب صلیبی لشکر تیونس میں پہنچا۔ جانے علامہ ابن النفیس کو کیا خیال آیا کہ وہ سلطان تیونس کے پاس بھرے دربار میں جا پہنچے۔ سلطان تیونس نے علامہ ابن النفیس کی آمد پر خود اُٹھ کر استقبال کیا۔ علامہ ابن النفیس کو ایک نشست پر بٹھایا گیا اور ان سے بڑی عزت و احترام کے ساتھ آمد کی وجہ معلوم کی۔

''سلطانِ محترم! مجھے ایک اہم بات یاد آگئی اسی لئے میں بلا تاخیر چلا آیا۔ میں کئی سالوں سے تیونس میں طبی معالجات کی خدمات انجام دے رہا ہوں۔ اس وجہ سے یہاں کے موسم اور فضائی کیفیات سے باخبر ہو چکا ہوں۔ مجھے جب سے یہ معلوم ہوا ہے کہ صلیبی لشکر ارضِ تیونس کی بربادی کا خواہاں ہوا ہے میں مسلسل سوچتا رہا کہ ان سے کیسے نبٹا جائے۔ اچانک اللہ تعالیٰ نے میرے سابقہ مشاہدے کو ہی جواب کی صورت بخش دی''۔

''علامہ ابن النفیس! آپ کی بات کچھ ہم سمجھ نہیں سکے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟'' سلطان تیونس نے برملا سوال کیا۔

''سلطانِ محترم! میں نے یہاں کی آب و ہوا کا جو مشاہدہ کیا ہے اس کے مطابق سرد ہواؤں کے چلنے کا آغاز ہو چکا ہے۔ یہ سرد خنک ہوائیں شہری علاقوں سے گذر کر سمندر کی جانب بڑھتی رہتی ہیں۔ گویا ایک طرح سے یہ ایسا قدرتی نظام ہے کہ شہروں کی فضائی آلودگی سمندر کی جانب جا کر ڈھل جاتی ہے۔ اس موسم میں لوگوں میں بیمار ہونے کی شرح عموماً کم ہو جاتی ہے البتہ اگر پچھلے علاقوں میں کوئی وبائی اثرات موجود ہوں تو یہاں کے لوگ بیمار پڑ جاتے ہیں''۔

''علامہ ابن النفیس! سرد ہواؤں اور بیماریوں کا ذکر..... یہ سب کچھ ہماری عقل سے باہر ہے کہ اگر آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں تو براہ مہربانی ذرا کھل کر بیان کریں''۔ سلطان تیونس نے کہا۔

''سلطانِ محترم! اگر آپ کی اجازت ہو تو میں علامہ موصوف کا مؤقف واضح کر سکتا ہوں کیونکہ میں بخوبی سمجھ چکا ہوں کہ ان کا اشارہ کس جانب ہے؟'' دربار میں موجود مصری سفیر رکن الدین نے اُٹھ کر مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں گہری چمک موجود تھی۔ سلطان تیونس نے مصری سفیر کو تعجب سے دیکھا اور اثبات میں اشارہ کیا۔ علامہ ابن النفیس بھی اشتیاق بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگے۔ شاید وہ اس کی ذہانت کو پرکھنا چاہتے تھے۔

''علامہ موصوف کا کہنا یہ ہے کہ ہمیں صلیبی معرکے میں ان سرد ہواؤں کو بطور ہتھیار استعمال کرنا چاہئے۔ تمام صلیبی لشکر شہری علاقوں سے دور ساحلی علاقوں میں مقیم ہیں، اس لئے اس قدرتی ہتھیار سے انہیں

بڑی آسانی سے نقصان پہنچایا جا سکتا ہے''۔ رکن الدین نے وضاحت کی تو علامہ ابن النفیس کے منہ سے بے اختیار واہ نکل گئی۔

''ہوا کو بھلا ہتھیار کیسے بنایا جا سکتا ہے؟'' سلطان تیونس کے لہجے میں گہرا تعجب تھا۔

''اگر علامہ موصوف مجھے اجازت دیں تو میں اس کی بھی وضاحت کر سکتا ہوں''۔ رکن الدین نے علامہ ابن النفیس پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ علامہ ابن النفیس دل ہی دل میں رکن الدین کی ذہانت کے قائل ہو چکے تھے اس لئے انہوں فوراً اجازت دے دی۔

''علامہ موصوف نے کچھ لمحے پہلے یہ بتایا ہے کہ اگر پچھلے علاقوں میں وبائی اثرات موجود ہوں تو یہاں کی مقامی آبادی فوراً اس کی لپیٹ میں آجاتی ہے اور لوگ کثرت سے بیمار ہوتے ہیں۔ یہی نکتہ ہمیں اس صلیبی معرکے میں استعمال کرنا ہوگا۔ اپنے شہروں کے باہر اتنی مقدار میں گندگی پھیلائی جائے کہ ہوا آلودہ ہو کر رہ جائے۔ جب یہ آلودہ ہوائیں سفر کرتی ہوئی ساحلی حصوں میں پہنچیں گی تو یقیناً وہاں موجود افراد کی کچھ تعداد متاثر ضرور ہو گی۔ اگر ان میں سے کچھ افراد بے قاعدگی کا مظاہرہ کریں تو آلودگی سے پیدا ہونے والی بیماری وبائی مرض کا روپ دھار لے گی۔ اس طرح صلیبی افواج مسلمانوں سے لڑائی کے بجائے اس وبائی مرض سے نبرد آزما ہو کر رہ جائے گی''۔

''سبحان اللہ! جوان تمہیں اللہ تعالیٰ نے بڑا دماغ دیا ہے۔ اگر تم درباری شغل چھوڑ کر تحقیق و تالیف کی راہ اختیار کرو تو انشاء اللہ بہت بڑا نام پاؤ گے''۔ علامہ ابن النفیس بے اختیار ہو کر بولے۔ سلطان تیونس اس نئی جہت پر ہکا بکا سا دکھائی دیا۔ اسے شاید یہ یقین نہیں تھا کہ ایسا ہونا ممکن ہے؟

درباری امراء و رؤساء بھی اس دلچسپ تاویل پر دم بخود تھے۔ ان کے نزدیک صلیبی لشکروں کے ساتھ معرکہ آرائی کا یہ بڑا عجیب طریقہ کار تھا جس کے بارے میں انہوں نے نہ کبھی سنا تھا اور نہ ہی دیکھا تھا۔ سلطان تیونس بھی ذہنی طور پر اس تجویز کی تکمیل میں آمادہ نہیں ہو پایا اس نے برملا اس طریقہ کار کو رد کر دیا۔ علامہ ابن النفیس سلطان تیونس کے فیصلے پر خاموش رہ گئے مگر رکن الدین چپ نہ رہ سکا اس نے جلدی سے کہا۔

''سلطانِ محترم! علامہ موصوف کا طریقہ کار یقیناً غیبی مدد ہے اللہ تعالیٰ نے صلیبی لشکر سے نبٹنے کے لئے آپ کو اپنی جانب سے مدد بھیج دی ہے براہِ کرم! اس ضمن میں توقف سے کام لیجئے پھر کوئی فیصلہ کیجئے۔ دوسرا اس کام میں اگر آپ کو کوئی مشکل دکھائی دے رہی ہے تو اس خادم کو یہ خدمت بجالانے کا موقعہ عنایت کیجئے۔ چونکہ ابھی ایسے آثار دکھائی نہیں دے رہے کہ صلیبی لشکر کے ساتھ نبرد آزمائی سر پہ آن پڑی ہو لہٰذا ہمارے پاس کچھ وقت ہے۔ آپ بے شک اپنے تئیں عسکری تیاریاں کیجئے اور اس کام کی انجام دہی ہم پر چھوڑ دیجئے''۔

رکن الدین کا لہجہ کچھ ایسا تھا کہ سلطان تیونس گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ وہ غور کر رہا تھا کہ اگر ایسی کوئی کوشش کرنے کی اجازت دے دی جائے تو کیا نقصان ہو سکتا ہے؟ اسے کوئی ایسی بات دکھائی نہ دی جو کہ مسلمانوں کے خلاف جاتی ہو تو اس نے رکن الدین کو اجازت دیتے ہوئے چند امراء کو ہدایت کی کہ وہ اس کام میں رکن الدین کا ہاتھ بٹائیں۔ رکن الدین سلطان تیونس کی آمادگی پا کر بے حد مسرور دکھائی دیا۔

❁❁❁

مطیع الدین کئی دن سے فکر مند تھا کہ اس کا مصری دوست ارزق، اسے سرائے میں چھوڑ کر جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ اسے اپنی حماقت پر بھی غصہ آیا کہ وہ ارزق سے صحیح طرح اس کا اتہ پتہ بھی معلوم نہ کر سکا۔ بہترین رفیق اور اردوئے زریں کے سلطان برقائی خان کی وفات کی خبر نے اس کے اعصاب کو اس قدر بری

طرح جھنجھوڑ کر رکھ دیا کہ وہ کئی دن تک ایسا گم صم رہا کہ اسے اپنے گرد و پیش کی کچھ خبر نہ رہی۔ وقت ہی زخم لگاتا ہے اور پھر انہیں اس خوبصورتی سے مندمل کر دیتا ہے کہ بسا اوقات عقل انسانی بھی دنگ رہ جاتی ہے۔ یہی کچھ مطیع الدین کے ساتھ بھی ہوا۔ برقائی خان کی موت کا غم چند ہی دنوں بعد زائل ہونے لگا اور طبیعت پر چھائی ہوئی بے کلی کو قرار سا آنے لگا۔ سرائے کے مالک کو ارزق نے کوئی خاص ہدایت کی تھی کہ وہ روزانہ اس کے پاس چلا آتا اور مختلف پیرایوں میں اس کی طبیعت کے بارے میں استفسار کرتا رہتا۔ سرائے کے مالک نے اسے ہر قسم کی ضرورت بلا تکلف بیان کرنے کی ہدایت کی۔ مطیع الدین سرائے کے مالک کے حسن سلوک اور برتاؤ کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانے میں ناکام نہ رہا کہ اس کا مصری دوست ارزق قاہرہ میں اچھی خاصی حیثیت کا مالک ہے۔ برقائی خان کی موت کے غمناک بادل جب چھٹنا شروع ہوئے تو مطیع الدین کو احساس ہوا کہ وہ قاہرہ میں کسی خاص ضرورت کے تحت آیا ہے۔ اس ضمن میں ابھی تک اس نے کوئی قدم نہیں اُٹھایا تھا۔

ارزق کی صورت دیکھ کر مطیع الدین کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ وہ اس کے ذریعے خلیفہ تک رسائی حاصل کر سکتا ہے مگر اب کئی دنوں سے ارزق کی صورت دیکھنے کو نہ ملی تو اس کی یہ امید دم توڑنے لگی۔ اس نے یہی طے کیا کہ اسے کوئی اور ذریعہ تلاش کرنا چاہئے۔ یہ مشکل امر تھا کیونکہ قاہرہ میں اس کا کوئی شناسا نہیں تھا۔ کئی دن تک سرائے کے کمرے میں بند رہنے کے بعد وہ کھلی فضا میں نکلا۔ ہوا کے ایک لطیف جھونکے نے اس کی طبیعت کا بوجھل پن بڑی حد تک کم کر دیا۔ وہ بلا مقصد گھومتا ہوا قاہرہ کے بازار میں جا نکلا۔ طرح طرح کے لوگوں کی صورتیں دکھائی دیں جو جانے کہاں کہاں سے تجارت و روزگار کے سلسلے میں قاہرہ میں آئے ہوئے تھے۔ زندگی کی اس مصروف ترین صورت کو دیکھ کر مطیع الدین کے دل کے کسی خانے میں ہلکی سی خلش پیدا ہوئی۔ اس ناتمام خلش کو وہ کوئی نام نہ دے پایا۔ وہ لوگوں کی شکلیں دیکھتا ہوا بازاروں میں گھومتا رہا۔ لمحہ بھر کے لئے یہ خیال بھی اس کے دل میں پیدا ہوا کہ کیا واقعی یہ آوارہ گردی ہی اس کے مقدر میں لکھی جا چکی ہے۔ ایک شہر سے دوسرے شہر میں اتفاقاً یا قصداً پہنچنا ہی اس کی تقدیر کا لکھا ہے؟

گھومتے گھومتے وہ تھک کر ایک قہوہ خانے میں جا بیٹھا۔ گرم گرم قہوے کی خوشبو نے اس کے اعصاب پر خوشگوار اثر ڈالا۔ وہ جب چسکیاں بھر رہا تھا اسی وقت اس کے کانوں میں قریب سے ایک آواز پڑی جس پر مطیع الدین چونک سا گیا۔ اس نے غیر محسوس انداز میں اس جانب نظر دوڑائی جہاں دو افراد بیٹھے ہوئے آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ شکل و صورت سے وہ دونوں متمول حیثیت کے فرد لگتے تھے۔ مطیع الدین کان لگا کر ان کی گفتگو سننے لگا۔ ان کی گفتگو کا محور خلیفہ الحاکم بامر اللہ کی ذات تھی۔ وہ دونوں آپس میں خلیفۂ اسلام کے کردار اور فرائض پر کڑی تنقید کر رہے تھے۔ مطیع الدین نے اسی لمحے کچھ سوچ کر اُٹھنے کا فیصلہ کیا۔ وہ اطمینان سے اپنی جگہ سے اُٹھا اور دھیمے انداز میں چلتا ہوا ان دونوں کے پاس پہنچ گیا۔ وہ دونوں چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگے۔ مطیع الدین بنا کچھ کہے ان کے برابر بیٹھ گیا۔ وہ دونوں ایک اجنبی شخص کو یوں بے تکلفانہ انداز میں بیٹھتے ہوئے دیکھ کر گڑبڑا سے گئے۔ ان کی آنکھوں میں کسی قدر خوف جھلکتا ہوا دکھائی دیا۔ شاید وہ یہ سمجھے تھے کہ ان کی گفتگو کسی سرکاری فرد کے کانوں میں جا پڑی ہے جو کہ اب انہیں دھمکانے چلا آیا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ دونوں کچھ بولتے، مطیع الدین مسکراتے ہوئے بولا۔ ''میں جانتا ہوں کہ تم لوگوں کو حیرت ہو رہی ہوگی مگر حقیقت یہ ہے کہ تمہاری گفتگو کی کشش ہی مجھے یہاں کھینچ لائی ہے۔ میرے بارے میں پریشان ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، میں اس شہر میں اجنبی ہوں''۔

وہ دونوں عجیب نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے رہے، ان کے لب یوں خاموش تھے جیسے انہیں سی دیا

گیا ہو۔ مطیع الدین نے ان کی آنکھوں میں پھیلی ہوئی تشویش دیکھ کر ان کی دلجوئی کی۔

''تم کیا چاہتے ہو؟'' ان میں ایک ہمت کر کے بولا۔

''میں امیر المومنین کے بارے میں اپنے تجسس کی بناء پر کچھ جاننا چاہتا ہوں، تم لوگ شاید ان تک رسائی رکھتے ہو؟'' مطیع الدین نے کہا۔

''زمانہ ہوا جب ہم امیر المومنین کے پاس نشست کیا کرتے تھے؟'' دوسرا آہ بھر کر بولا۔

''تم لوگ خلیفہ اسلام کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے.....'' مطیع الدین نے پوچھا۔

''تم کیا جاننا چاہتے ہو؟'' پہلا شخص شک بھری نگاہ ڈالتا ہوا بولا۔

''سب کچھ.....'' مطیع الدین مسکرا کر بولا۔

''مگر کیوں؟''

''مجھے معروف لوگوں کی زندگی سے خاص دلچسپی ہے کیونکہ میں ایک مؤلف ہوں، ان کی زندگی کے پوشیدہ حصوں پر طبع آزمائی کر کے میں انعامات حاصل کرتا ہوں''۔

''یقین نہیں آتا''۔ پہلا شخص اس کے سراپے پر گہری نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔

''اس میں شک والی کون سی بات ہے؟'' مطیع الدین نے حیرت بھری نگاہوں سے پوچھا۔

''تم نے پہلے کس کی زندگی پر قلم آزمائی کی ہے؟'' دوسرا شخص دلچسپی لیتا ہوا بولا۔

''اردوئے زرّیں کے قاآن برقائی خان اور مظلوم خلیفہ مستعصم باللہ کی سوانح حیات لکھی تھی میں نے..... وہ بیش قیمت نسخے اب سرائے میں محفوظ ہیں''۔ مطیع الدین نے بتایا تو ان کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ ان کے چہروں پر چھائی ہوئی شبہات کی دبیز شکنیں یکلخت غائب ہو گئیں اور وہ مطیع الدین سے مرعوب دکھائی دینے لگے۔

''میں چند دن قبل ہی قسمت آزمائی کے لئے قاہرہ پہنچا ہوں، خیال تھا کہ سلطان بحرس کے بارے میں قلم کشائی کروں مگر چند لمحے پہلے کانوں میں پڑنے والی تمہاری گفتگو نے میرے قلم کا رُخ امیر المومنین کی جانب موڑ دیا ہے''۔ مطیع الدین نے وضاحت کی۔ وہ دونوں خاصے مطمئن ہو گئے، انہوں نے مطیع الدین کے لئے قہوہ منگوایا۔ قہوہ کے شغل کے دوران انہوں نے برقائی خان کے بارے چند سوالات کئے تو مطیع الدین نے اطمینان سے ان کی تشفی کی۔ کچھ ہی دیر میں وہ سب یوں گھل مل گئے جیسے ان میں برسوں کی شناسائی ہو۔ مطیع الدین نے گفتگو کے دوران ان سے خلیفہ الحاکم بامر اللہ کے بارے میں کئی باتیں دریافت کیں۔ وہ بے تکلفی کی رو میں بہتے ہوئے فخریہ انداز میں اسے بتاتے رہے۔ انہیں شاید یہ لالچ تھی کہ مطیع الدین جب امیر المومنین کے بارے میں کتاب لکھے گا تو ان کا نام یا حوالہ بھی شامل کرے گا۔ اس نشست میں مطیع الدین نے ان کے نام اور محلات وغیرہ کی معلومات حاصل کر لی۔ وہ دونوں دربار خلافت کے خاص مصری امرأ میں سے تھے جن کے دل آج بھی ایوبی حاکمیت کے قیام کے لئے دھڑکتے تھے اور وہ مملوک حکمرانی کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔ مطیع الدین نے ان سے ملاقات کو نیک شگون قرار دیتے ہوئے بلا تاخیر یہ فرمائش کر دی کہ وہ امیر المومنین سے بالمشافہ ملاقات کا خواہشمند ہے۔ مصری امرأ نے سلطان بحرس کی جانب سے عائد کردہ پابندی کا ذکر کرتے ہوئے اس امر کو مشکل قرار دیا مگر ساتھ ہی انہوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کرنے کی ہامی بھر لی۔ مطیع الدین کے پاس کوئی خاص منصوبہ بندی تو نہیں تھی، اس نے فی الوقت خلیفہ تک رسائی حاصل ہونے کی کوشش پر زور دیا۔

❁❁❁

مصری سفیر امیر رکن الدین نے سلطان تیونس کی جانب سے مقرر کردہ تیونسی امرا کے ساتھ مل کر بڑی محنت سے علامہ ابن النفیس کے تجویز کردہ منصوبے پر عمل درآمد کا آغاز کیا۔ یہ کام آسان نہیں تھا۔ شہر کے تمام افراد کو کڑی ہدایت کی گئی کہ وہ تمام گھریلو کوڑا کرکٹ ان کے پاس لا کر جمع کرائیں، اس حکم شاہی پر سب لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی۔ امرا نے بڑی تعداد میں رضا کار افراد جمع کر لئے جنہیں یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ گندگی کے ان ڈھیروں کو گدھا گاڑیوں پر ڈال کر شہر سے کئی کوس دور ایک کھلے علاقے میں بکھیرتے رہیں اس علاقے کی نشاندہی بھی علامہ ابن النفیس نے اپنے ریاضیاتی تجربے کی بدولت کی تھی۔ تیونسی امرا کے لئے اس ناگوار کام کو سرانجام دینا بڑا مشکل دکھائی دیا مگر امیر رکن الدین نے انہیں تسلی دیتے ہوئے یہ باور کرایا کہ اس ناگوار کام میں شہر کے تمام لوگوں اور ارضِ تیونس کی فلاح و بہتری پوشیدہ ہے۔ یہ کام اس قدر سرعت سے انجام دیا گیا کہ چند دن میں ہی شہر میں سے گندگی کا صفایا ہو گیا۔ دارالحکومت سے دور کھلے میدانوں میں گندگی کے انبار لگ گئے۔ امیر رکن الدین کے ذہن میں جانے کیا بات آئی کہ اس نے رضا کاروں کو یہ ہدایت کی کہ وہ پانی کی مشکیں بھر کر ساتھ لے جائیں اور اس گندگی پر ڈالتے رہیں کہ وہ کیچڑ بن جائے۔ رضا کار یہ ہدایت سن کر خاصے پریشان ہوئے مگر حکم شاہی کے باعث وہ انکار کر سکے اور گندگی کے ڈھیروں پر پانی کی مشکیں بہائی جانے لگیں۔ پانی سے یہ گندگی غلاظت میں بدل گئی اور دو دن میں ہی اس میں سے تعفن پھوٹ پڑا۔ جس دن پہلا رضا کار اس تعفن کے باعث بیمار پڑا تو امیر رکن الدین نے تمام شہر میں یہ منادی کرا دی کہ اب کوئی شخص بھی اس جانب کا رُخ نہیں کرے گا۔ یہ کام مکمل تو ہو گیا تھا مگر شہر کے باسی عدم تحفظ کا شکار ہونے لگے کیونکہ اگر تعفن کی لہر کا رُخ شہر کی جانب ہو جاتا تو یقیناً شہر کے لوگ بیمار پڑ جاتے۔

صلیبی لشکر کا کماندار اعلیٰ شاہ فرانس لوئی نہم تیونسی چال سے بے خبر ساحل سمندر پر ایک نئے شہر کی تعمیر میں مصروف تھا۔ اس کی افواج افریقہ کی سرزمین پر ایک نئی مستقل نصرانی ریاست کے قیام میں مگن تھی۔ ساحل پر ایک بہت بڑا قلعہ تعمیر کیا جا رہا تھا جس کے اردگرد لمبی چوڑی خندق کھودی گئی۔ قلعے کی تعمیر کے بعد اس کے گرد فصیل بنائی جاتی اور پھر اس میں نصرانی آباد کئے جاتے۔ شاہ فرانس لوئی نہم ارضِ تیونس میں بیٹھ کر نہایت اطمینان سے سلطان بیبرس سے ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری میں مشغول تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ اسے تیونس کی افواج کے مکمل اعداد و شمار حاصل ہو چکے تھے علاوہ ازیں تیونسی شہروں کی قلعہ بندیاں بھی اس کے علم میں آ چکی تھیں۔ اس نے اپنے مخبروں کو خصوصی طور پر بلادِ مصر سے ملنے والی سرحدوں پر تعینات کر رکھا تھا تاکہ سلطان بیبرس کے لشکروں کی آمد کی خبر بروقت ہو سکے۔ شاہ لوئی نہم کو اس بات کی قوی امید تھی کہ سلطان بیبرس اس کی جانب بڑھنے کے بجائے بلادِ مصر میں ہی اس کا انتظار کرے گا۔ ساحل سمندر پر چلنے والی سرد ہواؤں کے باعث لشکر میں خاصا اطمینان تھا کیونکہ وہ جس سرزمین سے نکل کر وہاں پہنچے تھے اس کی آب و ہوا بھی سرد ہی تھی۔ گرم اور مرطوب موسم میں یقیناً انہیں خاصی پریشانی اُٹھانا پڑتی۔

علامہ ابن النفیس کا تجویز کردہ منصوبہ بہت جلد ہی اپنے اثرات دکھانے لگا۔ غلاظت سے لتھڑی ہوئی ہواؤں نے ساحلی علاقوں کا جب رُخ کیا تو راہ میں آنے والے تمام جانداروں پر اپنے بداثرات مرتب کئے۔ ساحلی علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد تیسرے ماہ میں نصرانی سپاہیوں کی طبیعت میں اضمحلال پیدا ہونے لگا اور اچانک دھڑا دھڑ سپاہی بیمار ہونے لگے۔ قے اور دست کی وباء پھیل گئی اور گندگی کے باعث لشکر کی حدود میں تعفن پھوٹ پڑا۔ شاہ لوئی نہم نے صورتِ حال کی سنگینی کو بھانپ کر ہدایت کی کہ تمام تعفن پر مٹی ڈال کر اسے اوجھل کر دیا جائے اور ساتھ ہی شاہی طبیبوں نے بیمار سپاہیوں کے علاج کی تمام تر کوششیں کیں مگر نتیجہ مثبت نہ

نکل پایا اور چند ہی دن میں کئی صلیبی سپاہی زندگی ہار گئے۔ مٹی سے چھپائے گئے تعفن نے یکایک طاعون کی صورت اختیار کی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے صلیبی سپاہی کثرت سے مرنے لگے۔ شاہ لوئی نہم نے اس علاقہ کو نحس قرار دیتے ہوئے فوری طور پر جگہ کی تبدیلی کا حکم جاری کیا مگر اس پر عمل درآمد ممکن نہ ہو سکا کیونکہ سپاہیوں کی کثیر تعداد وبائی مرض کا شکار ہو چکی تھی۔ اتنے زیادہ افراد کو اُٹھا کر دوسری جگہ لے جانا ممکن نہیں تھا۔ اس سے پہلے کہ صلیبی لشکر کوئی اور احتیاطی تدبیر اختیار کرتا کہ شاہ فرانس لوئی نہم خود وباء کا شکار ہو گیا۔ طاعون و تعفن کا حملہ بڑا شدید تھا کہ شاہ فرانس شاہ لوئی نہم چند گھنٹوں تک زندگی اور موت کی کشمکش کے بعد انتقال کر گیا۔ وہ جس عظیم نصرانی خواب کو لے کر ارضِ اسلامیہ پر آیا تھا وہ حسرتِ پارینہ بن کر اس کے ساتھ ہی رخصت ہو چکا تھا۔

شاہ فرانس شاہ لوئی نہم کی ناگہانی موت کی خبر نے صلیبی لشکر میں سخت بددلی پھیلا دی۔ صلیبی سپاہیوں میں افراتفری پھیل گئی اور تندرست سپاہی اس آفت زدہ علاقے سے نکل کر اپنے اپنے بحری بیڑوں کی جانب بڑھنے لگے۔ بیمار افراد کو بے یار و مدد پھینک دیا گیا۔ ہزاروں صلیبی اپنے ''مقدس بادشاہ'' سمیت جہنم رسید ہو گئے اور باقی بچنے والوں میں بھگدڑ مچی رہی۔ بے شمار صلیبی سپاہیوں نے تیونس کے شہروں کا رُخ کیا اور مسلمانوں کے ہاتھوں لقمہ اجل بن گئے۔ صلیبی بحری بیڑے بھی اس آلودہ فضائی مرض سے محفوظ نہ رہ سکے۔ وبائی مرض نے وہاں بھی اپنا اثر دکھایا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بچے ہوئے صلیبی سپاہی اپنے جس ساتھی میں مرض کے آثار دیکھتے، اسے تڑپ تڑپ کر مرنے کے لئے بلا دھڑک سمندر کے حوالے کر دیتے۔ اس خدائی قہر سے وہ اس قدر ہراساں تھے کہ ہر کوئی خوفزدہ نگاہوں سے اپنے ساتھیوں کو تکتا رہتا۔ ہر کسی کو اس بات کا کھٹکا تھا کہ آنیوالے کل میں کہیں وہ ہی نشانہ نہ بن جائے۔

آٹھویں صلیبی جنگ میں صلیبی لشکروں کو عبرتناک ناکامی و نامرادی کے سوا کچھ بھی نہ حاصل ہوا۔ ان کا حشر وہی ہوا جو کہ مکہ معظمہ پر حملہ کے وقت ابرہہ اور اس کے لشکر کا ہوا تھا۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ شاہ فرانس لوئی نہم کے ساتھ جانے والے ساٹھ سے ستر ہزار کے قریب لشکر میں سے صرف سات ہزار افراد صحیح سلامت ارضِ تیونس سے نکلنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ یہ حقیقی معنوں میں غیبی مدد تھی جو سلطان تیونس کے ایمان کی بدولت مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ کچھ مؤرخین کا یہ بھی کہنا ہے کہ گندگی کے تعفن کی اس تدبیر نے صلیبی عزائم کو ناکام بنا دیا تھا اور افریقہ کی سرزمین پر نصرانی ریاست کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ زیر تعمیر صلیبی قلعے کو سلطان تیونس کے حکم پر فوری طور پر مسمار کر دیا گیا اور صلیبی لاشوں کو کھودی گئی طویل و عریض خندق میں ڈال کر دفن کر دیا گیا تاکہ موسم کی تبدیلی کے باعث لاشوں کا تعفن شہری آبادی کو نقصان نہ پہنچائے۔ تیونسی افواج نے مٹی کے بڑے بڑے ٹیلے اکھاڑ کر پھیلائے گئے گندگی کے ڈھیروں پر ڈالے تاکہ تعفن ہمیشہ کے لئے دب جائے۔ قدرت کی کرشمہ سازی ملاحظہ کیجئے کہ گندگی کے ڈھیروں کے خاتمے اور لاشوں کو ٹھکانے لگاتے ہوئے ایک بھی مسلمان بیمار نہیں ہوا۔ صلیبی لشکر کے فرار کے بعد مرض طاعون یوں مٹ گیا جیسے کبھی اس کا وجود ہی نہیں تھا۔ صلیبی جہاد کے خطرے کے ٹل جانے کے بعد مصری سفیر امیر رکن الدین سلطان تیونس سے اجازت لے کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس قاہرہ لوٹ گیا۔ سلطان تیونس نے امیر رکن الدین کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے بیش قیمت تحائف عطا کئے۔ یہ الگ بات تھی کہ اسے کبھی یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ مصری سفیر کوئی اور نہیں...... بلادِ مصر کا ذہین سلطان بیبرس خود تھا۔

❀ ❀ ❀

شیخ ابو الضیاء پھٹی پھٹی نگاہوں سے اپنے بستر پر لیٹی ہوئی گل وتوژ کو دیکھ رہا تھا۔ گل وتوژ نہایت

اطمینان سے دراز تھی۔ اس نے شیخ ابوراضیاء کے بوکھلائے ہوئے چہرے پر نگاہ ڈالی تو دھیما سا مسکرا دی۔ یہ الگ بات تھی کہ شیخ ابوراضیاء کو اس کی مسکراہٹ سے گہرا خوف محسوس ہو رہا تھا۔

''تت.....تت.....تم..... یہاں..... کیسے..... پہنچی؟'' الفاظ بمشکل اس کے حلق سے نکلے۔

''شیخ ابوراضیاء!..... میرا نام گل وقوڑ ہے اور میں آنے والے حالات کی کروٹ کو پہچاننے کے بعد غافل نہیں ہوا کرتی اور نہ ہی کبھی تاخیر سے کام لیتی ہوں۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ میں شیخ الرئیس کی شاطرانہ چال کا آسانی سے ترنوالہ بن جاؤں گی..... ہرگز نہیں۔ وہ خاص غلام جو مجھے قتل کرنے کے لیے روانہ کیا گیا تھا، خود بے جان لاش کی صورت میں ایک کھائی میں پڑا ہوا ہے'' گل وقوڑ بستر سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ شیخ ابوراضیاء کو اپنے جسم میں ہلکا سا ارتعاش محسوس ہوا۔ گل وقوڑ کی سنگدلی اور سفاکانہ انداز نے اسے کسی قدر خوفزدہ کر دیا تھا۔

''تم قلعہ میں کیسے داخل ہوئی؟ میں نے اپنے لوگ صدر دروازے پر تعینات کر رکھے ہیں تاکہ وہ تمہاری آمد سے مجھے باخبر کر سکیں''۔ شیخ ابوراضیاء نے سوال کیا۔ اس کی بات سن کر گل وقوڑ ہنسنے لگی۔ شیخ ابوراضیاء کو یوں لگا جیسے اس نے کوئی احمقانہ سوال کیا ہو۔

''اس قلعے میں داخل ہونے کے لئے صدر دروازے کے علاوہ اور بھی کئی چور راستے ہیں، جنہیں تم بخوبی جانتے ہو''۔

''ان راستوں کی خبر تمہیں کیسے ہوگئی؟'' شیخ ابوراضیاء پریشان سا ہو گیا۔

''اس بات کو جانے دو..... مطلب کی بات پر آؤ۔ تم نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا ہوگا کہ شیخ الرئیس قلعہ بانیاس میں بیٹھ کر کیا کچھ کر رہا ہے اور مستقبل کیلئے اس کے عزائم کیا ہیں؟ کیا تمہیں اب بھی میری بات پر یقین نہیں؟'' گل وقوڑ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

''میں اس بارے میں سخت مخمصے کا شکار ہوں، جانے کیوں مجھے یوں لگتا ہے جیسے یہ سب میرے لئے کوئی خواب ہو، میں فریب اور سراب کے چکر میں پھنس چکا ہوں۔ عجلت میں کوئی غلط فیصلہ نہیں کرنا چاہتا''۔ شیخ ابوراضیاء مضمحل لہجے میں بولا اور قریب پڑی ہوئی کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔

''تاخیر کا دورانیہ اگر طویل ہو گیا تو تمہاری زندگی کی کوئی ضمانت باقی نہیں رہے گی''۔

''مجھے صحیح طرح معلوم نہیں کہ شیخ الرئیس کا رُخ کتنے عرصے بعد میری جانب مڑے گا مگر میں اپنے تئیں کوئی ایسی غلط حرکت نہیں کرنا چاہتا کہ وہ قبل از وقت ہی میری طرف سے بدک اُٹھے اور میری جان کا دشمن ہو جائے۔ ممکن ہے کہ میرے بارے میں اس کے خیالات ایسے نہ ہوں.....''

''خود کو کب تک دھوکا دیتے رہو گے شیخ ابوراضیاء!'' گل وقوڑ کاٹ دار لہجے میں بولی۔

''میں اسے دھوکا نہیں مصلحت سمجھتا ہوں''۔ شیخ ابوراضیاء کی آواز میں تیزی نہیں تھی۔

''مصلحت کا دور صرف اتنا ہی ہوگا جب تک شیخ الرئیس تک میری موت کی خبر نہیں پہنچ جاتی، جس دن اس کی نظروں میں، میں مردہ قرار پائی، اسی دن سے اس کا اگلا شکار موت کی جانب سفر شروع کر دے گا اور کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ اگلا شکار تم ہی ہو.....؟'' گل وقوڑ دانت پیس کر بولی۔

''میرا ذہن ماؤف ہو چکا ہے، تم اس وقت مجھے اکیلا چھوڑ دو، میں سوچ بچار کے بعد ہی کوئی فیصلہ کروں گا۔ تمہیں معلوم نہیں، شیخ الرئیس کے ہاتھ بڑے لمبے ہیں، انہیں کاٹنا آسان بات نہیں ہے''۔ شیخ ابوراضیاء نے جان چھڑاتے ہوئے کہا۔

''تم خود کو فریب کے دائرے میں قید رکھنا چاہتے ہو تو یونہی سہی مگر میں پیچھے ہٹنے والوں میں سے

نہیں''۔ گل وقوڑ فیصلہ کن لہجے میں بولی۔

''تم کیا کرنا چاہتی ہو؟'' شیخ ابوراضیاء چونک کر بولا۔

''میں جو کرنا چاہتی ہوں وہ تمہاری سوچ سے کہیں بالاتر ہے''۔ گل وقوڑ حقارت سے بولی۔

''مجھے تم سے دلی ہمدردی ہے مگر میں مصلحت کے تحت خاموش ہوں، تم اگر کچھ انتظار کر سکو تو میں تمہارا ساتھ دینے پر تیار ہوں''۔ شیخ ابوراضیاء کھوئے لہجے میں بولا۔

''مگر مصلحت میرے قدموں کی زنجیر نہیں بن سکتی، میں فی الحال جا رہی ہوں اور جو کروں گی وہ جلد ہی تمہیں دکھائی دے جائے گا''۔ گل وقوڑ نے قدم اُٹھاتے ہوئے کہا۔

''تم کہاں جاؤ گی؟..... ٹھہرو میں تمہارے لئے محفوظ جگہ کا بندوبست کر دیتا ہوں''۔

''اس کی ضرورت نہیں!..... میں کل رات دوبارہ آؤں گی۔ اگر تم اس وقت تک کوئی فیصلہ کر سکو تو ٹھیک ہے ورنہ.....'' گل وقوڑ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر باہر نکل گئی۔ شیخ ابوراضیاء کرسی پر خاموش بیٹھا دروازے کی طرف تکتا رہ گیا۔ اس کے ذہن میں آندھیاں چلتی رہیں۔ اس بات میں تو کوئی شک نہیں تھا کہ اس نے اپنے کانوں سے شیخ الرئیس کو گل وقوڑ کی موت کا فرمان جاری کرتے ہوئے سنا تھا اور گل وقوڑ کے آگاہ کردہ حقائق بھی حقیقت سے دور نہیں تھے۔ شیخ ابونصر، مطیع الدین اور گل وقوڑ..... اس مثلث نے اس کا سکون و قرار چھین لیا تھا۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین کی کوششیں بہت جلد رنگ لائیں مصری امراً سے اتفاقیہ ملاقات نے اسے خاصی تقویت بہم پہنچائی تھی۔ ان دونوں امرا نے اسے کئی دوسرے مصری امراً سے ملوایا۔ ایک مؤلف و مؤرخ کی حیثیت سے امراً کے حلقے میں اس کا خاصا مقام بن چکا تھا۔ مطیع الدین کے وہم و گمان میں نہیں تھا کہ علم و تحقیق کا یہ بہانہ اس قدر کارگر ثابت ہوگا، اس نے تو محض بات بنانے کی غرض سے خود کو مؤلف قرار دیا تھا۔ حلقہ امراً میں سے کئی ایک نے اس کی مالی معاونت کرتے ہوئے یہ فرمائش کی وہ ان کی سوانح حیات ضبط تحریر میں لائے۔ مطیع الدین نے مختلف حیلوں سے انہیں ٹال دیا اور امیر المومنین کی سوانح حیات کے بعد ہی ان کی داستان لکھنے کے قول و قرار کیے۔ مختلف امراً کی محافل میں بیٹھنے کے بعد اسے خلیفہ الحاکم بامر اللہ کے بارے میں بیش قیمت معلومات حاصل ہو گئیں، وہ اگر انہی کے بل بوتے پر کوئی تالیف کرتا تو بڑا انعام و اکرام پاتا مگر اس کی منزل کچھ اور تھی۔ بالآخر وہ وقت بھی آن پہنچا جب وہ امراً کی بھرپور سفارش پر سلطنت اسلامیہ کے نائب سلطان اور سلطان مصر کے خاص معتمد امیر فخر الدین لقمان تک پہنچ گیا۔ امیر فخر الدین لقمان خود بڑا علم دوست اور مہربان شخص تھا۔ وہ تعلیم و تدریس کے میدان میں خصوصی مراعات دیا کرتا۔ وہ مطیع الدین سے مل کر بے حد خوش ہوا۔ مختلف امور پر گفتگو کے بعد مطیع الدین نے اپنے مدعا کا برملا اظہار کیا کہ وہ خلیفہ الحاکم بامر اللہ سے مل کر اس کی زندگی کے اہم واقعات سننے کا خواہش مند ہے تاکہ وہ اپنی تالیف کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکے۔ امیر فخر الدین لقمان نے بلا ہچکچاہٹ اسے امیر المومنین سے ملاقات کا عندیہ دے دیا۔ ایک شاہی نامے پر مہر لگا دی گئی جس کی رُو سے وہ بلا روک ٹوک دربار خلافت میں آ جا سکتا تھا۔ امیر فخر الدین لقمان نے اسے یہ کڑی ہدایت کی کہ اگر اس نے دربار خلافت اور مملوک حکومت کے درمیان کسی قسم کی غلط فہمی کی فضا پیدا کرنا چاہی تو اس کے خلاف کڑی تادیبی کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔ مطیع الدین نے اپنی جانب سے غیر جانبداری کا بھرپور یقین دلایا اور وعدہ کیا کہ اس کی جانب سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوگی۔

قصرِ خلافت میں داخلے کا نامہ پا کر مطیع الدین بے حد مسرور ہوا۔ اسے یوں لگا کہ جیسے اس کی منزل اب زیادہ دور نہیں۔ وہ لاشعوری طور پر فدائیت کے نقشِ قدم پر چلتا جا رہا تھا۔ فدائی شیخ الرئیس اپنے ساتھیوں کو اپنے ڈھب پر لانے کے لئے کئی طرح کے جتن کیا کرتا تھا مگر مطیع الدین، گل دتو ژ کی محبت میں ایسا دیوانہ ہو چکا تھا کہ وہ بغیر کسی جتن کے وہی سب کرنے کی تیاری کر رہا تھا جس کی فدائیت کو اس وقت اشد ضرورت تھی۔ مطیع الدین جب پہلی بار دربارِ خلافت میں پہنچا تو وہاں کی دلکش و دلفریب فضا کو دیکھ کر مبہوت رہ گیا۔ دربارِ خلافت کسی جنت سے کم نہیں تھا۔ اس نے امیر المومنین کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ خلیفہ الحاکم بامراللہ اس کا منشاء سن کر بے حد خوش ہوا اور اس نے مختلف نشستوں میں اپنے تلخ ماضی کے حالات بیان کرنے کا وعدہ کیا۔ مطیع الدین نے خلیفہ الحاکم بامراللہ کے ساتھ باقاعدہ نشست اختیار کر لی۔ وہ قلمدان اور کاغذ ساتھ لئے پھرتا کہ جونہی خلیفہ کا ذہن ماضی کی جانب لپکے تو وہ عکس حالات کو درقِ قرطاس پر اُتارتا رہے۔ خلیفہ الحاکم بامراللہ اس کی ذہانت اور قابلیت سے بے حد متاثر تھا، اس نے مطیع الدین کے رہنے کے لئے قلعہ جبل کے ایک مہمان خانے کو اس کے لئے مختص کر دیا۔ مطیع الدین سرائے کو خیرباد کہہ کر وہیں آبسا۔ اس کے خیال میں یہی اصل کامیابی تھی کہ وہ محلِ خلافت میں مستقل مقیم ہو چکا تھا اب کسی بھی وقت وہ اپنے منصوبے کو حتمی شکل دے سکتا تھا۔ ایک دن وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر مہمان خانے کی جانب بڑھ رہا تھا کہ اس کی نظر ایک شناسا صورت پر پڑی۔ لمحہ بھر کے لئے وہ اسے پہچان نہ سکا مگر جونہی اس کا نام اس کے ذہن میں نمودار ہوا تو وہ فرطِ مسرت سے اس کی جانب لپکا۔ وہ شناسا چہرہ بھی قلعہ جبل میں مطیع الدین کی صورت دیکھ کر لمحہ بھر کے لئے دم بخود رہ گیا۔

❁❁❁

امیر سیف الدین قلاوُون الفی بلادِ شام و عراق میں سلطان بیبرس کی جانب سے منتظم مقرر تھا۔ امیر قلاوُون الفی اور سلطان بیبرس میں یہ چیز مشترک تھی کہ دونوں کا مولد و مسکن قپچاق ہی تھا۔ اسے ایوبی امیر آقسنقر نے سلطان الملک الصالح نجم الدین ایوب کے لئے ایک ہزار دینار میں خریدا تھا۔ اسی مناسبت سے اس کی عرفیت الفی پڑ گئی تھی۔ سلطان الملک الصالح نے اس کی قابلیت سے متاثر ہو کر اسے 647ھ میں آزاد کر دیا تھا۔ اسی وقت سے اس نے اپنے تئیں ترقی کی منازل طے کرنا شروع کر دیں۔ سلطان بیبرس نے اپنے ابتدائی دور میں اس کی جوانمردی اور شجاعت سے متاثر ہو کر اسے مملوک افواج کا سپہ سالار بنا دیا۔ امیر قلاوُون الفی نے تاتاریوں کے خلاف مہم جوئی میں بے مثال اور غیر معمولی شجاعت کا مظاہرہ کیا تو سلطان بیبرس نے خوش ہو کر بلادِ شام و عراق کا تمام انتظام اس کے ہاتھوں میں سونپ دیا۔ امیر قلاوُون الفی نے بلادِ شام و عراق کا انتظام اس خوش اسلوبی سے پایۂ تکمیل پہنچایا کہ خراساں کی ایل خانی حکومت اور بالائی سرحدی صلیبی مفسدوں میں کسی کو اتنی جرأت نہیں ہوئی کہ وہ بلادِ شام و عراق کا رُخ کرتے۔ وقت کے ساتھ ساتھ امیر قلاوُون الفی کی قابلیت اور اعتماد نے سلطان بیبرس کو اس جانب سے بالکل بے فکر سا کر دیا۔

669ھ بمطابق 1270ء کے اواخر میں سلطان بیبرس کو ایسی اطلاعات موصول ہوئیں جن سے امیر قلاوُون الفی کی حیثیت بلادِ شام میں خاصی مستحکم دکھائی دی۔ اس کے علاوہ اس نے کئی ایسے اہم اقدامات بھی اُٹھائے جن کی پیشگی خبر سلطان بیبرس کو نہیں دی گئی۔ سلطان بیبرس کے خیر خواہ ساتھیوں نے اسے مشورہ دیا کہ امیر قلاوُون کی جانب سے اتنی زیادہ بے فکری مناسب نہیں ہے، اس سے پہلے کہ سرکشی کی فضا پیدا ہو، اسے قاہرہ بلوا لیا جائے اور بلادِ شام کا انتظام کسی دوسرے کے سپرد کر دیا جائے۔ سلطان بیبرس امیر قلاوُون الفی کی

قابلیت کا بے حد معترف تھا۔ اس نے فوری طور پر کوئی ایسا قدم اُٹھانا مناسب نہیں سمجھا جس سے نہ صرف امیر قلاوُون الفی بدظن ہو جاتا بلکہ بلادِ شام کے انتظام میں بھی خلل پیدا ہو جاتا۔ اس نے اپنے روحانی بزرگ شیخ عزالدینؒ سے اس ضمن میں مشورہ طلب کیا۔ شیخ عزالدینؒ اس کی پریشانی سن کر مسکرا دیئے اور انہوں نے اسے امیر فارس الدین اقطائی کا حسن سلوک یاد دلایا۔ سلطان بیبرس یہ سن کر یوں مطمئن ہو گیا جیسے کوئی پریشانی ہی باقی نہ رہی ہو۔ امیر فارس الدین اقطائی سلطان بیبرس کا رفیق، محسن اور لڑکپن کا ساتھی تھا، اس کی جانب سے شکوک و شبہات پیدا ہونے پر سلطان بیبرس نے اس کی بیٹی کو اپنی بیوی بنا کر ہر قسم کے خدشات کو ہمیشہ کے لئے مٹا ڈالا تھا۔ سلطان بیبرس نے امیر فخر الدین لقمان کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ خود دمشق جا کر امیر قلاوُون الفی سے ملاقات کرے اور اس کی سات سالہ بیٹی کا رشتہ سلطان بیبرس کے بارہ سالہ بیٹے الملک السعید ناصر الدین کے لئے مانگے جو کہ سلطنت اسلامیہ کا ولی عہد بھی تھا۔ امیر فخر الدین لقمان جسے گفتگو کے فن میں بلا کا ملکہ حاصل تھا، وہ سیدھا دمشق پہنچا اور نہایت خوبصورتی سے سلطان بیبرس کا مدعا امیر قلاوُون الفی کے سامنے پیش کیا۔ امیر قلاوُون الفی یہ سن کر دم بخود رہ گیا۔ وہ سلطان بیبرس کی فرمائش پر انکار نہ کر سکا اور 670ھ کے اوائل میں ہی یہ نیا رشتہ ہمیشہ کے لئے وجود میں آ گیا۔ اس نکاح کی تحریر کے لئے علامہ ابن عبدالظاہرؒ کی خدمات لی گئیں۔ سلطان بیبرس نے درپیش سنگین خطرے کو اپنی ذہانت سے ہمیشہ کے لئے مٹا دیا۔ امیر قلاوُون الفی کے ساتھ سمدھیانہ رشتہ داری نے سرکشی اور بغاوت کے تمام خدشات دور کر دیئے تھے۔

❁❁❁

شیخ ابوالضیاء کسی ضروری کام میں مصروف تھا کہ اسے خبر دی گئی کہ اس کا خاص وفادار غلام فوری طور پر اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ شیخ ابوالضیاء یہ سن کر چونک سا گیا۔ اس نے اس کام کو بیچ میں ہی چھوڑ کر فوری طور پر اسے بلوا لیا۔ وفادار غلام دھیمے انداز میں اندر چلا آیا اور مؤدب انداز میں خاموش کھڑا ہو گیا۔ شیخ ابوالضیاء نے اس کے چہرے کی جانب دیکھا جو کہ فرطِ جذبات میں ڈوبا ہوا دکھائی دیا۔ اسے یہ اندازہ لگانے میں مشکل پیش نہیں آئی کہ غلام کوئی خاص خبر لایا ہے اور اسے سنانے کے لئے بے چین ہو رہا ہے۔ شیخ ابوالضیاء نے توقف کے بعد اس سے آمد کی وجہ دریافت کی تو اس نے عجلت میں بتایا کہ شیخ الرئیس کو شیخ ابوالضیاء پر کوئی شک ہو گیا ہے اور اس نے کچھ ہی دیر پہلے اپنے دو خاص غلام اس کی خفیہ نگرانی کے لئے مقرر کر دیئے ہیں جو آج سے ہی اسے اپنی نگاہوں کے حصار میں لے لیں گے۔ شیخ ابوالضیاء یہ انہونی خبر سن کر بوکھلا سا گیا۔ اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا، اسی لئے اس نے غلام سے دوبارہ اپنی بات دہرانے کا حکم دیا۔ غلام نے فوری طور حکم کی تعمیل کر دی۔ شیخ ابوالضیاء نے اس سے شک کی وجہ بھی دریافت کرنا چاہی مگر وہ اس ضمن میں کچھ بھی بتانے سے قاصر رہا۔ شیخ ابوالضیاء نے اسے فوری طور پر اپنی جگہ واپس جانے کے لئے کہا جہاں اسے تعینات کیا گیا تھا تاکہ کوئی دوسری خبر مل سکے اور خود گہری سوچ میں پڑ گیا۔ اس کے کانوں میں گل دتو ژ کے جملے گونجنے لگے کہ ''اس کا وقت بھی قریب ہی ہے''۔ وہ اپنے تئیں یہ جائزہ لینے لگا کہ اس سے ایسی کون سی حرکت سرزد ہوئی ہے جس کے باعث شیخ الرئیس اس کو شک بھری نظروں سے دیکھنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا جب وہ سوچ سوچ کر تھک سا گیا تو اسے یقین آنے لگا گل دتو ژ کا کہنا درست ہی ہے کہ شیخ الرئیس کامیابی کی منزل کو قریب پا کر تمام ساتھیوں کو راہ سے ہٹا دینا چاہتا ہے جو کہ اس کی سابقہ زندگی سے جڑے ہوئے ہیں۔ اب اسے شیخ ابونصر اور مطیع الدین کی ہلاکت کی کڑیاں بھی اسی ربط سے ملتی ہوئی محسوس ہوئیں وہ کوئی ایسی حرکت بھی نہیں کرنا چاہتا تھا کہ جس سے شیخ الرئیس کے شک کو مزید تقویت ملتی مگر وہ یہ سوچ کر لرز گیا کہ اس کی

خاموشی ہی ایک دن اس کی موت کا سبب بن جائے گی۔ اسے اپنی جان بچانے کے لئے کچھ نہ کچھ تو ضرور کرنا ہوگا۔ اسی لمحے اسے گل وتوژ کا خیال آیا جو کہ آج رات آنے کا کہہ گئی تھی، وہ بے قراری کے عالم میں پہلو بدلنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر شیخ الرئیس کے مخبروں کی نظر گل وتوژ پر پڑ گئی تو پھر حقیقتاً وہ شیخ الرئیس کی نظروں میں مجرم گردانا جائے گا۔ وہ گل وتوژ کو آنے سے روک بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ گل وتوژ قلعہ کے کس حصے میں چھپی ہوئی ہے؟ وہ دل میں دُعائیں کرنے لگا کہ گل وتوژ اس سے نہ ہی ملے تو اچھا ہے۔

یہ خوفناک خبر اس کے اعصاب پر بری طرح سے چھا گئی اور اس کا رنگ پھیکا پڑ چکا تھا۔ اس کو کسی کل بھی قرار نہیں مل پایا۔ وہ بے قراری کے عالم میں کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس کا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔ وہ جس کام میں کچھ دیر پہلے تک مصروف تھا اسے بھی فراموش کر چکا تھا۔ دن کا باقی تمام حصہ اسی پریشانی میں گزرا۔ وہ کئی بار کمرے سے باہر نکل کر بے مقصد ٹہلتا رہا اور گردوپیش میں جھانکتا رہا کہ شاید شیخ الرئیس کے مخبر غلاموں پر نظر پڑ جائے مگر اسے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اسی اثناء میں رات کی تاریکی پھیلنے لگی۔ جوں جوں اندھیرے کا غلاف دبیز ہوتا گیا اس کی حالت غیر ہونے لگی۔ گل وتوژ کی آمد اس کے دل ودماغ پر بری طرح چھا گئی تھی۔ وہ چلتا ہوا قلعے کی فصیل کے کنارے پر جا پہنچا۔ ہوا کے تھپیڑے بھی اس کے چھوٹے والے پسینے کو روکنے میں ناکام دکھائی دیئے۔ کافی دیر تک وہ وہیں موجود رہا۔ کھڑے کھڑے بدن اکڑنے لگا تو اسے تکان کا احساس ہوا۔ اپنے کمرے کا خیال آتے ہی اس کے روئیں روئیں کھڑے ہونا شروع ہو گئے۔ وہ خود سے نبرد آزمائی میں مصروف تھا کہ وہ کمرے میں جائے یا نہ جائے۔ بالآخر اس کے قدم خود بخود کمرے کی جانب اُٹھنے لگے۔ جوں جوں اس کا کمرہ نزدیک آ رہا تھا، اس کے جسم پر کپکپی طاری ہوتی چلی گئی۔ وہ لرزتے ہوئے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا دل بار بار اسے یہی کہہ رہا تھا کہ وہ واپس چلا جائے، اندر یقیناً گل وتوژ موجود ہوگی، مخبر اسے یقیناً گل وتوژ کے ساتھ دیکھ لیں گے۔

شیخ ابوراضیاء نے کسی قدر ہمت کی اور خود کو یہ باور کرانے لگا کہ یہ ضروری تو نہیں کہ واقعی گل وتوژ اندر موجود ہو۔ مخبروں کی نظروں سے بچ کر وہ اندر کیسے داخل ہو سکتی ہے۔ اس نے دروازے کے پٹ کو آہستگی سے دھکیلا۔ دروازہ مخصوص چرچراہٹ کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔ کمرے میں دیئے کی مدھم روشنی موجود تھی۔ شیخ ابوراضیاء ڈرتے ڈرتے اندر داخل ہوا۔ وہ کمزور اعصاب کا مالک تو نہیں تھا مگر جانے کیوں اس کی تمام ہمت جواب دے گئی۔ دروازے سے اندر داخل ہو کر وہ تیز نظروں سے کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ اچانک اسے اپنے عقب میں کسی قسم کی حرکت کا احساس ہوا، اس کا دل اچھل کر حلق میں آن اٹکا۔ اس سے پہلے کہ وہ عقبی جانب گھوم کر دیکھتا، کوئی وزنی چیز اس کے جسم سے ٹکرائی۔ وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتا ہوا غیر متوازن ہو کر زمین پر گرتا چلا گیا۔

❁❁❁

صلیبی سرداروں اور ٹمپلرز کی خاصی بڑی تعداد جزیرہ قبرص میں جمع ہو چکی تھی یہ وہ بھگوڑے تھے جو سلطان سبرس کے ہاتھوں مختلف مقبوضہ قلعوں کی تباہی و بربادی کے بعد سمندری راستے سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے اور انہوں نے جزیرہ قبرص کو اپنا مستقر بنا لیا تھا۔ ان صلیبی گروہوں کا تعلق یوں تو یورپ و قسطنطنیہ سے ہی تھا مگر وہ ایک طویل عرصے سے شام، فلسطین اور لبنان میں مختلف صورتوں میں قابض تھے۔ جب جزیرہ قبرص پر ان کی تعداد خاطر خواہ بڑھ گئی تو انہوں نے سر جوڑ کر آپس میں صلاح ومشورہ کیا کہ نصرانی حکمران اقتدار کی لالچ میں پڑ چکے ہیں اور ان میں اب کوئی بھی صلیبی جہاد کی جانب سنجیدہ نہیں ہے۔ شاہ فرانس

لوئی نہم سے کسی قدر امید تھی مگر وہ افریقہ کے دور دراز ملک میں وہاں سے ہلاک ہو چکا ہے۔ مضبوط اور عالی ہمت قیادت کی عدم موجودگی کے باعث نصرانی دن بہ دن کمزور پڑتے جا رہے ہیں اور انہیں زبردستی ارضِ مقدس سے نکالا جا رہا ہے۔ کئی دنوں کے غور وخوض کے بعد یہ طے پایا کہ وہ قیادت کے جمہوری طریقہ اپناتے ہوئے رائے شماری کریں اور جو فردان میں منتخب ہو اس کی قیادت کو کھلے دل سے قبول کریں۔ چند ہفتوں میں ہی ان میں سے ایک نصرانی لارڈ ہیوک کو سربراہ منتخب کر لیا گیا۔

لارڈ ہیوک نے سب سے پہلے تمام نصرانیوں کی از سرِ نو تنظیم کی اور انہیں مختلف دستوں میں بانٹ کر جنگی مشقوں میں مصروف کر دیا۔ نصرانیوں کی بڑی تعداد بھٹیوں میں اسلحہ تیار کرنے پر تعینات کی گئی۔ قبرص کے ساحل پر کھڑے پرانے خستہ حال بحری بیڑوں سے لوہے کی میخیں اور دیگر سامان اتار کر بھٹی میں ڈھالا گیا اور کثیر مقدار میں اسلحہ تیار کیا گیا۔ لارڈ ہیوک اپنی نگرانی میں تمام اقدامات کرا تا رہا۔ جب اسے صلیبی جنگجوؤں کی صلاحیتوں پر اعتماد ہو گیا تو اس نے برملا اعلان کر دیا کہ وہ اب اس قابل ہو چکے ہیں کہ بلادِ مصر کی مملوک حکومت کے ساتھ ٹکر لے سکیں لہٰذا انہیں سفر کے بحری بیڑوں کی ضرورت ہے۔ اس امر کے لئے انہوں نے قریبی نصرانی ہمسائے اطالیہ سے باقاعدہ مدد مانگ لی۔ اطالیہ کی حکومت ابھی اس حالت میں نہیں تھی کہ اپنا بحری بیڑا ان کے حوالے کر دیتی۔ انہوں نے بحری بیڑوں کے بجائے بڑی تعداد میں کاریگر قبرص بھیج دیئے جو اس نئی نصرانی فوج کو بحری بیڑے تیار کر کے دے سکتے تھے۔

سلطان سبرس کو قسطنطنیہ میں مقیم مخبروں نے قبرص کے حالات کے بارے میں اور نئے صلیبی جہاد کی تیاری کی خبر بھیجی۔ سلطان سبرس نے دوسرے ذرائع سے قبرص کے حالات کی تصدیق کی تو یہ واضح ہو گیا کہ قبرص سے صلیبی لشکر بہت جلد روانہ ہونے والا ہے۔ سلطان سبرس نے صلیبی جہاد کے اس سلسلے کو روکنے کے لئے کڑا قدم اُٹھانے کا فیصلہ کیا تا کہ آئندہ کسی دوسری نصرانی حکومت کو صلیبی جہاد کی آواز بلند کرنے کی جرأت نہ ہو سکے۔ سلطان سبرس دمیاط پہنچا اور دار الصناعۃ کا بھرپور جائزہ لیا۔ اسلامی بحری بیڑہ بالکل تیار ہو چکا تھا۔ اس کے بعد وہ جزیرہ روضہ اور اسکندریہ کے دوسرے بحری کارخانوں میں بھی گیا۔ بحری بیڑے کی تیاری مکمل پا کر اس نے تمام جہازوں کو سمندر میں اتار دیا۔ چھوٹی کشتیوں کے ذریعے سامان رسد اور گھوڑے جہازوں میں پہنچائے گئے۔ یہ جہاز چوبی تختوں سے تیار کئے گئے تھے جنہیں لوہے کی مضبوط میخوں سے جڑا گیا تھا انہیں ڈنڈوں اور بادبانوں کے ذریعے چلایا جاتا تھا۔ بحری سفر اور لڑائی کے لئے تیار کی گئی مخصوص فوج کو جہازوں میں منتقل کیا گیا۔ چوراسی چھوٹے بڑے جہازوں کا یہ بیڑہ اپنے ساتھ سات ہزار تربیت یافتہ لشکر کو لے کر 669ھ میں قبرص کے لئے روانہ ہوا۔ اس مہم کی قیادت مشہور سالار امیر الحریجی بن قابوس قطر یزی کے سپرد کی گئی۔ سلطان سبرس نے چلتے وقت انہیں کڑی ہدایت کی کہ وہ قبرص میں موجود نصرانی لشکر کو اس طرح تباہ و برباد کر دیں کہ ان کی مثال تمام نصرانی دُنیا کے لئے عبرت کی مثال بن کر رہ جائے تا کہ کوئی دوسرا سلطنت اسلامیہ کی جانب دیکھنے کی جرأت نہ کرے۔

سلطان سبرس کے کڑے اقدامات کی خبر قبرص میں موجود صلیبی جنگجوؤں تک پہنچی تو ان میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ نصرانی سپاہی سراسیمہ دکھائی دیئے۔ لارڈ ہیوک نے ان کی ہمت بندھائی اور بزدلانہ رویئے کی مذمت کرتے ہوئے بحری بیڑے کاٹ کر مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ انہی دنوں موسم میں تبدیلی پیدا ہوئی اور بارشوں اور تیز ہواؤں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جس سے عسکری تیاریوں کے عمل میں خلل پڑنے لگا۔ اتفاقاً اس عسکری تیاری کے دوران ہی لارڈ ہیوک کی طبیعت میں گرانی پیدا ہوئی اور وہ بیمار ہو کر بستر سے جا لگا۔ یہ دیکھ کر

نصرانی سپاہیوں کی حوصلہ شکنی ہونے لگی۔ لارڈ ہیوک نے انہیں تسلی دیتے ہوئے خوف دہراس سے بچنے کی نصیحت کی۔ دوسری طرف شومئی قسمت اسلامی بحری بیڑا آدھے راستے میں ہی زبردست سمندری طوفان کا شکار ہو گیا۔ امیر البحر یحییٰ قطریزی نے بہتیری کوششیں کیں کہ وہ اس سمندری طوفان سے بچ کر نکل جائے مگر قسمت کو یہ منظور نہ تھا۔ ملاحوں نے اسے بچانے کے لئے بڑا زور مارا لیکن قضاء کے سامنے کچھ پیش نہ چلی اور سوائے دو چھوٹے جہازوں کے تمام جہاز سمندر کی بھینٹ چڑھ گئے۔ لشکر کا کثیر ترین حصہ اس ناگہانی آفت کے ہاتھوں ہلاک ہو گیا۔ سپاہیوں کا ایک چھوٹا سا دستہ ان دونوں جہازوں کے ساتھ واپس لوٹ آیا۔ سلطان بیبرس کو جب سمندری طوفان اور بحری بیڑے کی تباہی کی خبر دی گئی تو اسے بے حد صدمہ ہوا۔ وہ کئی دن تک پریشانی کے عالم میں ڈوبا رہا۔ یہ سانحہ سلطان بیبرس کے لئے سخت صبر آزما تھا لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری اور فوری طور پر تمام بحری کارخانوں میں نئے بحری بیڑے کی تیاری کا حکم صادر کر دیا۔ پُر جوش انداز میں نیا بحری بیڑا تیار کیا جانے لگا۔

قبرص میں جلد ہی اسلامی بحری بیڑے کی تباہی کی خبر پہنچ گئی۔ انہوں نے مسرت کے اظہار میں زبردست جشن منایا مگر یہ سلسلہ زیادہ دیر تک جاری نہ رہ پایا کیونکہ لارڈ ہیوک بیماری کے عالم میں ہی مر گیا۔ جشن سوگ میں تبدیل ہو گیا۔ لارڈ ہیوک کی موت کے بعد جب قبرص کی نصرانی حکومت کو نئے اسلامی بحری بیڑے کی تیاری کی خبر ملی تو وہ خوف و گھبراہٹ سے بوکھلا اُٹھے۔ انہوں نے فوری طور پر صلیبی جہاد کو خیر باد کہتے ہوئے دوستی کے لئے سفارت قاہرہ روانہ کر دی شاید انہیں یہ احساس ہو چکا تھا کہ اگر وہ اب بھی اپنی سابقہ روش پر ڈٹے رہے تو سلطان بیبرس ان کے ساتھ دوبارہ وہی سلوک کرے گا جو کچھ عرصہ پہلے ارضِ مقدس میں کر چکا تھا۔ وہ جزیرہ قبرص کے بعد کسی دوسری جائے پناہ کو اپنے لئے زیادہ مفید نہیں سمجھتے تھے۔

❀ ❀ ❀

وہ شناسا چہرہ مطیع الدین کو یوں حدودِ خلافت میں پا کر دم بخود دکھائی دیا۔ مطیع الدین بھی اسے پہچان چکا تھا۔ وہ کوئی اور نہیں، اس کا مصری ہمدرد ''ارزق'' تھا جو ہلکے زرد رنگ کی قیمتی پوشاک پہنے ہوئے تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو عجیب سی نگاہوں سے دیکھتے رہے۔ بالآخر مطیع الدین نے ہی اس چھائے ہوئے سکوت کو توڑا۔

''میرے دوست! تم مجھے سرائے میں پھینک کر کہاں غائب ہو گئے تھے؟''

''میں کچھ مصروف تھا مگر تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' ارزق نے حیرت سے دریافت کیا۔

''میں یہاں امیر المومنین کی زندگی پر ایک کتاب لکھنے کی کوشش کر رہا ہوں''۔ مطیع الدین نے وضاحت کی تو ارزق کی آنکھوں میں شکوک و شبہات اُبھر آئے۔

''یہ سلسلہ کب سے شروع کیا تم نے...... مجھے جہاں تک یاد پڑتا ہے تم تو شاید سپاہی تھے''۔ ارزق اُلجھے ہوئے لہجے میں بولا۔ بے یقینی کے سائے اس کے چہرے پر لرز رہے تھے۔

''بس سرائے میں بے کار بیٹھے رہنے پر بوریت ہونے لگی تھی سوچا کہ مجھے کچھ کرنا چاہئے، ایک دن اتفاقاً چند لوگوں سے ملاقات ہو گئی جو کہ امیر المومنین کا قصہ چھیڑے بیٹھے تھے، ان کی باتیں سن کر خیال آیا کہ کیوں ان قصوں کو ہی جمع کر لیا جائے۔ باہر سے تو کچھ زیادہ معلومات نہ مل پائیں تو یہ فیصلہ کیا کہ امیر المومنین سے براہ راست ہی ان کے زندگی کے حالات سنے جائیں، بس یہی خیال مجھے یہاں کھینچ لایا''۔ مطیع الدین نے تفصیل سے بتایا۔ اس کی بات سن کر ارزق کسی سوچ میں پڑ گیا۔ اس کا چہرہ اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ وہ مطیع الدین کی بات سے مطمئن نہیں ہو پایا۔

''تالیف و تصنیف کا کام بھی تم کر سکتے ہو، یہ انکشاف میرے لئے انتہائی حیرت انگیز ہے۔ بہر حال تمہیں قصرِ خلافت میں داخل ہونے کی اجازت کس سے ملی؟'' ارزق نے پوچھا۔

''نائب السلطنت امیر فخر الدین لقمان سے......'' مطیع الدین نے مختصراً کہا۔

''میری تم سے جب پہلی ملاقات ہوئی تھی، تم شاید کسی مہم سے واپس لوٹ رہے تھے؟''

''ہاں ان دنوں میں قلعہ الموت میں برقائی خان کی جانب سے گیا ہوا تھا مگر تم نے یہ سوال کیونکر پوچھا؟'' مطیع الدین حیرت بھرے لہجے میں بولا۔

''قلعہ الموت......!'' ارزق نے خود کلامی کی اور کچھ سوچنے لگا پھر توقف سے بولا۔ ''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے قلعہ الموت تو فدائیوں کے قبضے میں ہوا کرتا تھا......''

''بالکل! وہاں فدائی قابض تھے مگر ایل خانی حکمران ہلاکو خان کی لشکرکشی کے باعث وہ ان کے ہاتھوں نکل گیا تھا۔ میں اس وقت وہیں موجود تھا اور میں نے ہی فدائیوں کے شیخ الرئیس کو وہاں سے نکلنے میں مدد کی تھی، اسے شام کی جانب چھوڑ کر جب واپس سرائے لوٹ رہا تھا تو اسی وقت میری تم سے ملاقات ہوئی تھی''۔ مطیع الدین نے اپنی بات مکمل کی۔ وہ اس موقعے پر فدائیوں کا ذکر کرتے ہوئے کسی قدر پریشان بھی تھا۔ ارزق اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ پر گہری نظر رکھے ہوئے تھا، وہ جلد ہی بھانپ گیا کہ مطیع الدین کا تعلق کسی نہ کسی واسطے سے فدائیوں سے بھی ہے۔

''اس لڑکی کا کچھ پتہ چلا کیا نام تھا اس کا......؟'' ارزق ماتھے پر انگلی ٹھونکنے لگا۔

''کون سی لڑکی......؟'' مطیع الدین اچانک غیر متوقع سوال پر بوکھلا سا گیا۔

''وہی لڑکی...... جس کا تذکرہ سوتافوکتا جو خان کر کے تمہیں چھیڑتا رہا تھا''۔ ارزق بولا۔

''گل وتوڑ!'' مطیع الدین کے منہ سے لاشعوری انداز میں پھسل گیا۔

''ہاں...... ہاں! گل وتوڑ...... وہ شاید فدائیوں کے قبضے تھی''۔ ارزق جلدی سے بولا۔

''یہ تمہیں کس نے کہا؟'' مطیع الدین کا رنگ فق ہونے لگا۔

''کیا بھول گئے ہو تم! تمہی نے تو مجھے اس کے بارے میں بتایا تھا''۔ ارزق نے کہا۔

''تمہاری یادداشت بڑی طاقتور ہے''۔ مطیع الدین جھینپ سا گیا۔

''میرا سوال تو بیچ میں ہی رہ گیا''۔ ارزق ہنس کر بولا۔

''کوشش تو بڑی کی تھی مگر کوئی کامیابی نہیں ہو سکی''۔ مطیع الدین آہستگی سے کہا۔ اس کے لہجے کا کھوکھلا پن اس کے جھوٹ کی نشاندہی کر رہا تھا۔ ارزق اس کی بات پر غور سے اسے دیکھنے لگا۔

''تمہیں مجھ سے یہ جھوٹ بولنے کی کیونکر ضرورت پیش آئی''۔ ارزق گہرے لہجے میں بولا۔

''کک...... کیا...... مطلب؟'' مطیع الدین گڑبڑا سا گیا۔

''تمہاری متغیر کیفیت سے میں جان چکا ہوں کہ گل وتوڑ کے ساتھ تمہاری ملاقات ہو چکی ہے اور تم بخوبی جانتے ہو کہ وہ کہاں ہے؟ تمہارے مصنوعی لہجے سے مجھے کسی سازش کا احساس ہو رہا ہے۔ قصر الخلافت میں تمہارا دکھائی دینا بھی کسی بڑے خطرے کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ بہتری اسی میں ہو گی کہ تم صاف صاف بتاؤ کہ تم یہاں کیا کرنے آئے ہو؟'' ارزق کا لہجہ یکلخت سرد ہو گیا۔

''دیکھو ارزق! میں سابقہ دوستی کے باعث تمہارا لحاظ کر رہا ہوں اور تم سراسر بدتمیزی پر اُتر آئے ہو۔

مناسب یہی ہوگا کہ تم یہاں سے چلتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے امیر المومنین سے تمہاری شکایت کرنا پڑے''۔ مطیع الدین بگڑتے ہوئے بولا۔

''مطیع الدین! تمام حالات وبیانات اس طرف اشارہ کررہے ہیں کہ تمہارا تعلق فدائیوں سے جڑا ہوا ہے۔ مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے تم بھی فدائی ہی ہو۔ میں دوستی کے ناطے ہی سے یہ سوال کررہا ہوں کہ تم یہاں کررہے ہو.....'' ارزق کا لہجہ بدستور سرد تھا۔

''ارزق! تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، نہ تو میں فدائی ہوں اور نہ ہی میرا اب اُن سے کوئی تعلق ہے''۔ مطیع الدین نے نرمی سے جواب دیا۔

اسی لمحے قصر خلافت کا ایک محافظ وہاں پہنچا اور اس نے جھک کر ارزق کو تعظیم دی۔ مطیع الدین یہ دیکھ کر حیران وپریشان رہ گیا۔ ارزق نے محافظ پر تیز نگاہ ڈالی اور وجہ آمد دریافت کی۔

''سلطانِ محترم! امیر المومنین کو آپ کی آمد کی خبر ہو چکی ہے، انہوں نے کہلوا بھیجا ہے کہ وہ اپنے خاص کمرے میں آپ کے منتظر ہیں''۔ محافظ نے کہا۔ ارزق نے اثبات میں سر ہلایا۔ مطیع الدین محافظ کی بات سن کر دم بخود رہ گیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ارزق کو سلطان کا درجہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اس سے پہلے وہ کوئی سوال کرتا..... ارزق خود ہی بولا۔ ''محافظ! مطیع الدین کو حراست میں لے لو اور فی الحال قلعہ کے زنداں میں پہنچا دو۔ اگلا حکم بعد میں دیا جائے گا''۔

مطیع الدین یہ سن کر ہکا بکا رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ محافظ نے حکم پاتے ہی مخصوص انداز میں تالی بجائی تو مختلف اطراف سے کئی محافظ سپاہی نکل آئے۔

''مطیع الدین! تمہیں یہ جان کر یقیناً صدمہ پہنچے گا میرا نام ارزق نہیں صحرس ہے اور میں بلادِ اسلامیہ کا سلطان ہوں اور سلطان ہونے کے ناتے میرا فرض بنتا ہے کہ میں ہر مسلمان کی جان کی حفاظت کروں۔ تمہاری قصرِ خلافت میں موجودگی امیر المومنین کی زندگی کے لئے خطرے کا باعث بن سکتی ہے اس لئے تمہیں زنداں میں ہی آرام کرنا ہوگا۔ اگر تم مجھے سچ بتانا چاہو تو میں دوستی کے عوض بھلائی کرنے میں ذرا تامل نہیں کروں گا''۔

مطیع الدین کے لئے یہ انکشاف کسی صدمے سے کم نہ تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے سلطان صحرس کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ وہ اس موقعے پر کیا کہے؟ سلطان صحرس کے اشارے پر محافظ اسے کھینچتے ہوئے زنداں کی جانب لے جانے لگے۔

❁❁❁

1270ء کے اواخر میں شاہ قسطنطنیہ مکیمنٹ کے جارحانہ وعظ کا سلسلہ عروج پکڑ گیا۔ شاہ قسطنطنیہ کو شاہ فرانس لوئی نہم کی ناگہانی موت کا شدید صدمہ تھا۔ شاہ لوئی نہم کی صورت میں قسطنطنیہ کو بڑا تحفظ حاصل تھا کیونکہ شاہ لوئی نہم کا دل نصرانیت کی بقاء کے لئے دھڑکتا تھا۔ اس کی موت کے بعد شاہ قسطنطنیہ کو نصرانیت کا وجود خطرے سے دوچار دکھائی دینے لگا۔ وہ خاصا دوراندیش انسان تھا، اسے بخوبی معلوم تھا کہ اگر اس کڑے وقت میں وہ کسی دوسرے معاون کو اپنے ساتھ کھڑا نہ کر سکا تو وہ وقت زیادہ دور نہیں ہوگا کہ جب سلطان صحرس کی فوجیں قسطنطنیہ کی فصیلوں کے ساتھ آن کھڑی ہوں۔ اس نے تمام یورپی فرمانرواؤں کو اشتعال آمیز خطوط لکھے۔ شاہ قسطنطنیہ کے دادیلے پر نصرانی فرمانرواؤں کے کان پر تو جوں نہیں رینگی البتہ دو انگلستانی لارڈ، وارڈک (Warwick) اور پمبروک (Pembrok) مذہبی خدمت کی انجام دہی کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے شاہ انگلستان ہنری سوم سے باقاعدہ اجازت طلب کی کہ وہ صلیبی جہاد میں شمولیت چاہتے

ہیں۔ شاہ انگلستان نے انہیں نہ صرف اجازت دے دی بلکہ کثیر مالی معاونت کا اعلان کرتے ہوئے ان کے جذبے کو بے حد سراہا۔ اتفاقیہ طور پر اس دن انگلستان کا ولی عہد شہزادہ ایڈورڈ بھی دربار میں موجود تھا۔ وہ لارڈ وارڈک اور لارڈ پمبروک کے مذہبی جذبے سے بے حد متاثر ہوا اور اس نے شاہ انگلستان سے برملا اظہار کر دیا کہ وہ اس صلیبی جہاد کی مہم کی قیادت کرنے کا خواہشمند ہے۔ شاہ انگلستان اسے ارضِ مقدس میں روانہ کرنے میں ہچکچاہٹ سے دوچار تھا اور معاملے کو ٹالنے کی کوشش کرنے لگا مگر شہزادہ ایڈورڈ کی ضد نے اسے مجبور کر دیا۔ اس نے ایک بڑا لشکر تیار کر کے شہزادہ ایڈورڈ کے حوالے کیا۔ شہزادہ ایڈورڈ، دونوں نوابوں وارڈک اور پمبروک کے ساتھ انگلستان سے نکلا۔ شاہ قسطنطنیہ کو جب شہزادے کی صلیبی جہاد کی خبر ہوئی تو اس نے اسے دعاؤں اور مبارکباد کے تحائف سے نوازا اور اسے دائمی نجات کی خوشخبری سنائی۔

1270ء کے اواخر میں شہزادہ ایڈورڈ شان وشوکت اور جاہ وجلال سے ارضِ مقدس کے لئے روانہ ہوا۔ وہ تیز رفتاری سے بڑھتا ہوا سیدھا صقلیہ پہنچا۔ صقلیہ میں اس نے دو ماہ تک قیام کیا اور ارضِ مقدس کے حالات وآب وہوا کے بارے میں اہم معلومات حاصل کیں۔ شہزادہ ایڈورڈ کے صلیبی جہاد کی خبر ہر سو پھیل چکی تھی۔ صلیبی مفرور سپاہی اس کے گرد جمع ہونا شروع ہو گئے اور اس کے لشکر کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا۔ صقلیہ سے نکل کر وہ سیدھا عکہ پہنچا۔ یہاں کے صلیبی سرداروں نے اس کا بھرپور استقبال کیا۔ شہزادے ایڈورڈ کے لئے قلعہ عکہ میں قیام وطعام کا خصوصی بندوبست کیا گیا جبکہ تمام لشکر کو قلعہ کے بیرونی میدان میں ٹھہرایا گیا۔

سلطان صحرس کو فی الفور نئے صلیبی لشکر کی آمد کی خبر پہنچ گئی۔ سلطان صحرس وقت ضائع کئے بغیر تن تنہا گھوڑے پر سفر کرتا ہوا عکہ جا پہنچا اور نصرانی بہروپ بدل کر تمام لشکر میں گھومتا رہا۔ لشکر کی تعداد اور دیگر معلومات کے حصول کے بعد سلطان صحرس کو آسانی سے معلوم ہو گیا کہ شہزادہ ایڈورڈ انتہائی عیاش اور شراب کا رسیا ہے، اس کی جانب سے فوری طور پر لشکر کشی کی توقع نہیں ہے۔ قلعہ کے شاہی محل میں وہ شباب وشراب میں ایسا مست ہے کہ اسے یہ یاد نہیں کہ وہ ارضِ مقدس پر کس مقصد کے لئے آیا ہے؟ سلطان صحرس اس کی جانب سے مطمئن ہو کر خاموشی سے واپس قاہرہ لوٹ گیا۔

شہزادہ ایڈورڈ شراب کی زیادتی اور موسم کی تبدیلی کی تاب نہ لاتے ہوئے شدید بخار میں مبتلا ہو گیا۔ کئی ہفتوں تک سلسلہ علاج جاری رہا۔ بڑی مشکل سے بخار سے جان چھوٹی تو شراب وشباب کا منقطع سلسلہ دوبارہ جاری ہو گیا۔ نوابان وارڈک اور پمبروک نے اپنی طرف سے بہتیری کوشش کی کہ وہ شہزادے ایڈورڈ کی توجہ صلیبی جہاد کی جانب مبذول کرائیں مگر ان کی تمام تر کوششیں رائیگاں گئیں۔ جنوری 1271ء میں شہزادے ایڈورڈ کے پاس فدائیوں کی جانب سے ایک سفارت پہنچی۔ قاصد نے تعظیم کے بعد مراسلہ شہزادے ایڈورڈ کو تھمایا۔ اس سے پہلے کہ شہزادہ ایڈورڈ مراسلہ کھول پاتا۔ فدائی قاصد نے بلا کی تیزی سے خنجر نکالا اور شہزادے کی پسلی میں گھونپ دیا۔ صلیبی محافظوں نے فوری طور پر فدائی قاصد کو ہلاک کر دیا اور شہزادے کو طبی امداد پہنچائی۔ بعد میں مراسلہ کا معائنہ کیا گیا تو وہ بالکل کورا نکلا۔ شہزادہ ایڈورڈ شدید زخمی ہو چکا تھا۔ کئی ماہ تک وہ زیرِ علاج رہا۔ شہزادے کی حالت کی خبر جب انگلستان پہنچی تو شاہ ہنری سوم تڑپ گیا اس نے فوری طور پر شہزادے کو واپس انگلستان لوٹنے کا حکم دیا۔ شہزادہ ایڈورڈ کئی ماہ بعد تندرست ہوا تو اس کا دل ٹوٹ چکا تھا۔ چودہ ماہ کی اس بھاگ دوڑ میں اسے کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا اس نے ارضِ مقدس میں قیام کو ناپسندیدہ قرار دیتے ہوئے اور صلیبی جہاد کو خیرباد کہتے ہوئے فوری طور پر اپنی واپسی کا اعلان کیا۔ اس اعلان پر صلیبی سپاہیوں کو سخت

صدمہ اور مایوسی ہوئی اور وہ بکھر کر رہ گئے۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ شہزادہ ایڈورڈ کی ارضِ مقدس میں موجودگی اور بھرپور نصرانی لشکر سے اسلامی مقبوضات کو شدید خطرہ لاحق تھا۔ اگر وہ شراب و شباب کے قضیوں میں نہ الجھتا تو یقیناً ارضِ مقدس پر مسلمانوں اور نصرانیوں کے درمیان ایک خوفناک اور فیصلہ کن جنگ لڑی جاتی۔

شہزادہ ایڈورڈ کی موجودگی کے باوجود صلیبی سرداروں اور نصرانی فوج میں اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ اپنے تئیں آگے بڑھ کر کسی بھی اسلامی مقبوضات پر دست درازی کرتے۔ سلطان بیبرس تمام صورتِ حال پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ اس نے خود آگے بڑھ کر صلیبی لشکر پر حملہ نہیں کیا تھا۔ شہزادہ ایڈورڈ کا ناکام و نامراد واپس لوٹنا مسلمانوں کے لئے نیک شگون تھا۔

❀ ❀ ❀

شیخ ابوراضیاء کا دل بری طرح دھک دھک کر رہا تھا۔ اس نے خود کو سنبھالنے کی ناکام سی کوشش کی۔ اسی لمحے اسے محسوس ہوا کہ کوئی اور بھی وہاں موجود ہے جو اس وزنی شے کو اس کے جسم سے ہٹا رہا تھا۔ وزنی شے کے ہٹتے ہی شیخ ابوراضیاء سیدھا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں اس وقت حیرت و خوف سے کھلی رہ گئیں جب اسے اپنے پہلو میں ایک لاش دکھائی دی۔ اس نے چونک کر سامنے دیکھا تو وہاں گل وقوژ کا سراپا دکھائی دیا۔ شیخ ابوراضیاء کی حالت غیر ہونے لگی۔ گل وقوژ کا ہاتھ اس کی جانب بڑھا تو اس نے غیر شعوری انداز میں اسے پکڑ لیا۔ گل وقوژ نے مخصوص انداز میں اسے جھٹک کر کھینچا تو اس کا جسم اوپر اٹھتا چلا گیا۔ چند لمحوں بعد وہ اپنے پیروں پر کھڑا تھا۔

''یہ سب کیا ہے؟'' شیخ ابوراضیاء بمشکل بولا۔

''وہی...... جس کی جانب میں نے کل رات اشارہ کیا تھا۔ یہ شیخ الرئیس کا خاص وفادار ہے جو مخصوص حصے میں موجود تمہاری زندگی کی گھڑیاں گن رہا تھا''۔ گل وقوژ اطمینان سے بولی۔

''تم نے اسے ہلاک کر دیا...... شیخ الرئیس کو پتہ چل گیا تو......'' شیخ ابوراضیاء کے لہجے میں گہرا خوف تھا۔ گل وقوژ اس کی بزدلی پر تلملا کر رہ گئی۔

''اگر شیخ الرئیس کو معلوم ہو بھی گیا تو وہی ہوگا جو اس نے ذہن میں پہلے سے طے کر رکھا ہے یعنی تمہاری موت کا حکم...... شیخ ابوراضیاء تم اتنی چھوٹی سی بات کیوں نہیں سمجھ رہے''۔

''میرا سر پھٹا جا رہا ہے سوچ سوچ کر...... تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟'' شیخ ابوراضیاء لاچاری سے بولا۔

گل وقوژ اس کی بات پر خاموش ہو گئی۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی۔

''شیخ ابوراضیاء! میری بات غور سے سنو! ہم دونوں کے سامنے ایک ہی سوال ہے...... تم بھی مرنا نہیں چاہتے اور مجھے بھی مرنے میں جلدی نہیں۔ ہماری زندگی صرف اسی صورت میں برقرار رہ سکتی ہے جب شیخ الرئیس اپنے ارادوں سے باز آ جائے اور یہ ہم دونوں نہیں جانتے کہ ہمارے بعد کون کون لوگ اس کی فہرست میں شامل ہیں جنہیں وہ موت کی نیند سلانے کا خواہش مند ہے''۔

''کک...... کیا کچھ لوگ اور بھی......؟'' شیخ ابوراضیاء کا منہ کھلا رہ گیا۔

''بیچ میں مت بولو...... میں کہہ رہی تھی کہ ایک شخص کی زندگی کے باعث اتنے لوگوں کی زندگی کو خطرہ ہے تو کیوں نہ ہم دونوں مل کر شیخ الرئیس کی زندگی ہی تمام کر ڈالیں''۔ گل وقوژ کا لہجہ پُراسرار ہو گیا۔ شیخ ابوراضیاء یہ سن کر یوں اچھلا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

''یہ نہیں ہو سکتا......!!!'' شیخ ابوراضیاء جلدی سے بولا۔

''شیخ ابوراضیاء! سب کچھ ہو سکتا ہے''۔ گل وقوژ الفاظ چبا کر بولی۔

''فدائی ہماری بوٹیاں نوچ ڈالیں گے''۔

''کیا تم فدائیوں پر قابو نہیں پا سکتے؟'' گل وقوژ نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

''یہ بڑا مشکل کام ہے''۔

''مشکل کام کرنے میں ہی زندگی کی بچت ہے ورنہ...... موت''۔

''تم جیسا سمجھ رہی ہو ویسا نہیں ہے، بالکل نہیں ہے''۔ شیخ ابوراضیاء آہستگی سے بولا۔

''جب شیخ الرئیس یہاں نہیں تھا تب بھی تم ہی یہاں کا انتظام سنبھالے ہوئے تھے اور تمام فدائی تمہاری بات مانتے تھے''۔ گل وقوژ نے سمجھانے کی کوشش کی۔

''تب کی بات کچھ اور تھی''۔

''ٹھیک ہے تم نہ سہی...... میں خود شیخ الرئیس کو ختم کر دیتی ہوں مگر تمہیں میرے ساتھ عہد کرنا ہوگا کہ تم بعد کے حالات میں میرا ساتھ دو گے اور فدائیوں کے غصے پر قابو پاؤ گے''۔

''گل وقوژ! یہ حماقت ہے اور میں اس حماقت میں تمہارا ساتھ کیسے دے سکتا ہوں''۔

''میں اپنی حماقت میں تمہیں بھی شریک رکھوں گی''۔

''یہ...... کک...... کیا کہہ رہی ہو تم؟''

''مجھے جب گرفتار کیا جائے گا تو میں فدائی امراء سے صاف کہہ دوں گی کہ میں نے تمہارے کہنے پر ہی شیخ الرئیس کو موت کے گھاٹ اتارا ہے''۔ گل وقوژ دوٹوک لہجے میں بولی۔

''یہ سراسر جھوٹ ہے''۔ شیخ ابوراضیاء تڑپ کر بولا۔ اس کا رنگ فق پڑ چکا تھا۔

''مجھے جھوٹ بولنے سے کوئی نہیں روک سکتا''۔ گل وقوژ لاپروائی سے بولی۔

''میں ابھی اسی وقت جا کر سب کچھ شیخ الرئیس کے گوش گزار دوں گا''۔

''وہاں سے تمہاری لاش ہی باہر نکلے گی، شیخ الرئیس مجھے پورے قلعہ میں کہیں نہیں تلاش کر پائے گا کیونکہ اس کی نظر میں میں قلعہ میں داخل ہی نہیں ہوئی...... تمہاری بات جھوٹ ثابت ہو جائے گی''۔

''مجھے اسی وقت تمہیں ہلاک کرنا پڑے گا تاکہ میں اپنی سچائی ثابت کر سکوں''۔

''کوشش کر دیکھو...... جہاں تک مجھے معلوم ہے تم اچھے لڑاکے نہیں ہو''۔

شیخ ابوراضیاء ہاتھ مسلنے لگا اور غصیلی نگاہوں سے اسے گھورتا ہوا تھکے قدموں سے چلتا ہوا کرسی کی جانب بڑھ گیا اور یوں بیٹھتا چلا گیا جیسے وہ صدیوں کا بیمار ہو۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ گل وقوژ جیسی تربیت یافتہ اور مسلح عورت سے جیتنا آسان کام نہیں ہے کیونکہ وہ اس وقت بالکل نہتا تھا۔ اسے یہ بھی خوف لاحق تھا کہ اگر وہ گل وقوژ کی بات ماننے سے انکار کرے تو بھی اس کی ذات ملوث ہو رہی تھی اور اگر وہ ساتھ دیتا ہے تو بھی فدائیوں کو سنبھالنا اس کے بس کی بات نہیں۔ اگر وہ شیخ الرئیس پر اعتماد کرتا تو بھی موت اس کا مقدر بنتی اور اگر ایسا نہ کرتا تو بھی وہ ناحق مارا جاتا۔ اس عجیب سی صورتِ حال نے اسے پاگل کر ڈالا تھا۔ وہ اپنے ذہن کے تمام دریچوں کو کھولنے کی کوشش کر رہا تھا جہاں سے کوئی حل نکل پاتا۔

''مجھے تمہاری ذہنی کیفیت کا بخوبی اندازہ ہے مگر میں بھی تمہاری طرح اس کٹھن چکر میں بری طرح پھنس چکی ہوں، اگر شیخ الرئیس کو زندہ چھوڑ دوں تو وہ مجھے زندہ چھوڑنے پر آمادہ نہیں۔ اگر اسے مار دوں تو فدائیوں کے ہاتھوں مجھے بھی مرنا ہوگا۔ اگر تم میرا ساتھ دیتے تو ہم دونوں اس عذاب سے نکل سکتے تھے''۔ گل وقوژ لبی

سانس بھر کر بولی۔

''مجھے تم سے کوئی اختلاف نہیں ہے مگر میں کوئی ایسا راستہ اختیار کرنا چاہتا ہوں جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے''۔ شیخ ابوراضیاء مرے ہوئے لہجے میں بولا۔

''ایک ترکیب تو میرے ذہن میں ہے مگر اس پر عمل کرنا میرے لئے مشکل ہے''۔

''وہ کیا......؟'' شیخ ابوراضیاء چونک کر بولا۔

''گمنام والا طریقہ......مگر میں اس سریع الاثر زہر کے بارے میں کچھ نہیں جانتی''۔

شیخ ابوراضیاء یوں اچھل کر کھڑا ہو گیا جیسے اس کے جسم میں برق بھر گئی ہو۔ اس کا مرجھایا ہوا چہرہ یکدم کھل اُٹھا تھا اور آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔

''میں بھی کتنا احمق ہوں، مجھے یہ خیال تو بھول ہی گیا تھا''۔ شیخ ابوراضیاء تیزی سے بولا۔

گل وقوژ کا تیر نشانے پر لگا تھا، اس کے چہرے پر خوفناک مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو چکی تھی۔ شیخ ابوراضیاء اب مکمل طور پر اس کی مٹھی میں تھا۔ شیخ الرئیس کی موت زیادہ دور نہیں رہ گئی تھی۔

❀ ❀ ❀

فروری 1271ء میں ہر جانب سے صلیبی جہاد کا خطرہ ٹل جانے کے بعد سلطان بیبرس نے فوری طور پر صلیبی جنگجوؤں پر مزید کاری ضربیں لگانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے فوری طور پر تمام لشکروں کو منظم کیا اور بجلی کی سی تیزی سے قاہرہ سے باہر نکلا۔ مملوک افواج اور مجاہدین کی جماعت سابقہ کامیابیوں کے باعث جہاد کے جذبے سے معمور تھی۔ انہیں بخوبی باور کرا دیا گیا کہ اس مہم کا مقصد صلیبی زنجیر کو پاش پاش کرنا ہے۔ سلطان بیبرس منفرد راستوں سے ہوتا ہوا ارضِ مقدس کی جانب بڑھا۔ سلطان بیبرس کے کوچ کی خبر سنتے ہی صلیبی سرداروں میں بے چینی پیدا ہو گئی۔ اسلامی لشکر کی نقل و حرکت اس قدر تیز تھی کہ صلیبی سرداروں کے لئے سلطان بیبرس کے عزائم کو بھانپنا محال تھا۔ وہ اپنے طور پر حفاظتی اقدامات کرتے رہے۔ وہ ابھی اسلامی لشکر کے بارے میں قیاس آرائیاں کر رہے تھے کہ سلطان بیبرس ایک طویل چکر کاٹ کر اپنے لشکروں سمیت 24 مارچ 1271ء کو قلعہ حصن الاکراد کے سامنے نمودار ہوا اور آناً فاناً اس کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ حصن الاکراد ایک گول بنجر پہاڑی کی چوٹی پر تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ نہایت زبردست اور مستحکم قلعہ تھا جسے قرون وسطیٰ کے قلعوں میں سب سے زیادہ محفوظ ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔ یہ اس شمالی درّے کا پاسبان تھا جو طرابلس کو طرطوس سے اور حماۃ کو حمص سے جوڑتا تھا۔ یہ بہت بڑے میدانی علاقے کے بالکل وسط میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اس قلعے میں بیک وقت دو ہزار سپاہی ٹھہر سکتے تھے۔ قلعہ حصن الاکراد طرابلس الشام کے کاؤنٹ کے تصرف میں تھا۔ اس قلعے میں خاص طور پر ہیکلی جنگجو تعینات کئے گئے تھے جو ٹیمپلرز کہلاتے تھے۔

سلطان بیبرس نے نہایت سوچ و بچار کے بعد ہی اس قلعے کا محاصرہ کیا تھا۔ صلیبی جنگجو قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرتے رہے۔ روزانہ فصیل سے تیروں کی بوچھاڑ ہوتی اور اسلامی لشکر کی جانب سے سنگ باری کی جاتی۔ پندرہ دن کی مسلسل لڑائی کے بعد صلیبی جنگجوؤں کو یقین ہو گیا کہ اسلامی لشکر سے مقابلہ ممکن نہیں ہے۔ انہوں نے فصیل پر سفید پرچم لہرا دیا۔ سلطان بیبرس نے لڑائی روک دینے کا حکم دیا۔ صلیبی سفارت سلطان بیبرس کے پاس پہنچی اور امان کی طالب ہوئی۔ سلطان بیبرس نے صرف اس شرط پر انہیں امان دی کہ وہ فوری طور پر قلعہ خالی کر دیں اور کسی قسم کا کوئی حربی سامان ساتھ نہ لیں، اگر کسی نے غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو

ایک کی پاداش میں تمام افراد کو بلا دریغ تہ و تیغ کر دیا جائے گا۔ ہیکلی جنگجوؤں نے جان بخشی کو غنیمت جان کر فوری طور پر قلعہ خالی کر دیا اور خاموشی سے صور و صیدا کی جانب روانہ ہو گئے۔ سلطان بیبرس نے قلعہ پر قبضہ کرنے کے بعد اس کی مرمت کرائی اور اس کی فصیل پر اپنی فتح کا کتبہ لگایا۔ مجاہدین کی دو ہزار فوج کو یہاں مستقل طور پر ٹھہرایا گیا۔ چند دن قلعہ حصن الاکراد میں قیام کرنے کے بعد سلطان بیبرس نے تمام لشکروں کو دوبارہ متحرک کیا اور صور و صیدا کے درمیان سے ہوتا سیدھا طرابلس الشام جا پہنچا۔ تمام لشکر طرابلس الشام کی فصیل کے گرد پھیل گئے اور محاصرہ کر لیا گیا۔

طرابلس الشام کو تیسری مرتبہ محاصرے میں لیا گیا تھا اس سے پہلے دو مرتبہ سلطان بیبرس اچانک وہاں سے محاصرہ اُٹھا کر دوسری جانب نکل گیا تھا۔ اسلامی لشکر اس مرتبہ محاصرے پر سمجھ گیا کہ اب اس کے فیصلے کا وقت آ گیا ہے۔ طرابلس الشام صحیح معنوں میں صلیبی جنگجوؤں کا سب سے بڑا اور مضبوط قلعہ تھا۔ انہوں نے یہاں بے پناہ عسکری قوت جمع کر رکھی تھی۔ طرابلس الشام کی رعیت نے تیسری مرتبہ اسلامی لشکر کو محاصرہ کئے دیکھا تو وہ پریشان ہو گئے۔ طرابلس الشام کا کاؤنٹ تیزی سے افواج کو منظم کرنے لگا۔

سلطان بیبرس سابقہ انداز میں محاصرہ کرنے کے بعد لاپروا دکھائی دینے لگا۔ کسی قسم کی عسکری کارروائی عمل میں نہیں لائی گئی۔ شاید سلطان بیبرس اس انتظار میں تھا کہ صلیبی پہل کریں مگر وہ بھی خاموشی سے جائزہ لے رہے تھے۔ دو ہفتے اسی طرح گزر گئے۔ طرابلس الشام کے لوگ سخت ذہنی کھچاؤ میں مبتلا ہونے لگے۔ پندرہویں دن سلطان بیبرس نے رات کی تاریکی میں ایک بار پھر محاصرہ ختم کیا اور وہاں سے مشرق کی جانب کوچ کیا۔ اسلامی لشکر سلطان بیبرس کی اس حکمت عملی کو سمجھ نہیں پایا۔ سلطان بیبرس بیروت، صور اور صیدا کے قریب سے گزرتا ہوا سیدھا قلعہ القرین جا پہنچا۔ قلعہ القرین (ماؤنٹ فورٹ) کے صلیبی جنگجو بالکل لاپروا تھے کیونکہ انہیں خبر مل چکی تھی کہ اسلامی لشکر طرابلس الشام کا محاصرہ کئے ہوئے ہے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ سلطان بیبرس اچانک وہاں پہنچ سکتا ہے۔ چونکہ قلعہ القرین کے صلیبی جنگجوؤں کے لئے یہ حملہ غیر متوقع تھا لہٰذا وہ پوری طرح سنبھل نہیں پائے اور اسلامی لشکر دندناتا ہوا قلعے میں داخل ہو گیا۔ صلیبی جنگجوؤں نے مدافعت میں بہتیری کوششیں کیں مگر ان کی کوئی کارروائی کارگر ثابت نہیں ہوئی۔ انہوں نے فوری طور پر عکہ کی جانب پیغام بھیجا کہ وہ ان کی مدد کریں مگر دیر ہو چکی تھی۔ اسلامی لشکر قلعہ کے بیرونی استحکامات کو پامال کرتا ہوا اندر پہنچ چکا تھا۔ قلعہ پر قبضہ کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ صلیبی جنگجوؤں کو آناً فاناً ہلاک کر دیا گیا۔ کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی گئی۔ قبضے کے فوراً بعد قلعہ کو منہدم کرنے کا حکم جاری کر دیا گیا۔ مجاہدین کدالیں لے کر قلعہ پر ٹوٹ پڑے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے قلعہ کی بنیادیں تک کھود دی گئیں۔ سلطان بیبرس کا ارادہ تھا کہ مزید پیش قدمی کی جائے مگر کسی خیال سے اس نے تمام لشکر کو قاہرہ واپس لوٹنے کا حکم دیا۔

❀ ❀ ❀

فدائی شیخ الرئیس کبیرالدین کے پاس کئی دن سے مسلسل ایسی خبریں پہنچ رہی تھیں جن سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ شیخ ابوراضیاء کسی خوف میں مبتلا ہو چکا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ شیخ الرئیس نے دو خفیہ غلاموں کو اس کی نگرانی پر تعینات کر دیا تاکہ وہ اس پُراسرار خوف کا راز تلاش کریں۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ شیخ ابوراضیاء جس طرح پہلے اس کے ساتھ رہا کرتا تھا اس میں بھی فرق پیدا ہو چکا تھا۔ شیخ الرئیس جب بھی اس کے بارے میں دریافت کرتا تو اسے یہی معلوم ہوتا کہ وہ اپنے کمرے میں موجود ہے اور اس کی طبیعت ناساز ہے۔ شیخ الرئیس نے

فدائی طبیب کو اس کے معائنے کے لئے بھیجا۔ اس طبیب نے شیخ ابوراضیاء کی طبیعت کا جائزہ لے کر یہ حیرت انگیز انکشاف کیا کہ وہ کسی نامعلوم خوف کا شکار ہے۔ یہ سن کر شیخ الرئیس پریشان ہو گیا کیونکہ شیخ ابوراضیاء اس کا ایک اہم اور کلیدی دست راست تھا، اس کے بغیر وہ سلطنت قہستان کے قیام کا سوچنا بھی محال سمجھتا تھا۔ اس نے کئی بار کوشش کی کہ وہ خود شیخ ابوراضیاء کے پاس جائے اور اس خوف و بیماری کی وجہ معلوم کرے مگر دوسری مصروفیات نے اسے ایسا الجھایا کہ وہ کچھ عرصے کے لئے شیخ ابوراضیاء کو ہی فراموش کر بیٹھا۔ اس شام اسے مقرر کردہ مخبر نے جب یہ اطلاع دی کہ اس کا ساتھی کل رات سے لاپتہ ہو گیا ہے تو وہ یہ سن کر دم بخود سا رہ گیا۔ اس نے اسے کڑی ہدایت کی کہ وہ جا کر اسے اچھی طرح تلاش کرے ممکن ہے کہ وہ قلعہ کے کسی دوسرے حصے میں چلا گیا ہو۔ مخبر غلام تو واپس لوٹ گیا مگر شیخ الرئیس کے ماتھے پر پریشانی سے بل پڑ گئے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ کسی غلام کی کسی جگہ پر تقرری کی گئی ہو اور وہ بغیر بتائے وہاں سے ہٹ جائے حالانکہ فدائی غلاموں میں وفاداری اور تعمیلِ حکم کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ شیخ الرئیس کی حکم عدولی کو گناہ عظیم سمجھتے تھے اور وقت پڑنے پر بلا سوچے سمجھے اپنی جان اس کے لئے قربان کر دیا کرتے تھے۔

شیخ الرئیس کافی دیر تک اس بارے میں سوچتا رہا مگر وہ کوئی حتمی اندازہ قائم نہ کر سکا۔ اس نے اپنی دوسری مصروفیات ترک کرتے ہوئے اسی وقت شیخ ابوراضیاء سے ملنے کا ارادہ کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ شیخ ابوراضیاء کے کمرے میں پہنچ چکا تھا۔ شیخ ابوراضیاء کی صورت دیکھ کر اسے شدید جھٹکا لگا کیونکہ اس کی رنگت زرد پڑ چکی تھی جیسے اس کے جسم سے خون کا آخری قطرہ بھی نچوڑ لیا گیا ہو۔ وہ چہرے سے کسی خوفناک مرض کا مریض دکھائی دے رہا تھا۔ شیخ الرئیس حیرت بھری نگاہوں سے دیکھتا ہوا ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ شیخ ابوراضیاء بستر پر لیٹا ہوا اس کی جانب عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا جن میں کسی قدر خوف بھی تھا اور پریشانی بھی۔ چند لمحے تک کمرے میں گہرا سکوت طاری رہا۔

''شیخ ابوراضیاء! یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے؟ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟'' شیخ الرئیس نے دریافت کیا۔ شیخ الرئیس کے ہمدردانہ بول سن کر شیخ ابوراضیاء کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی

''شیخ الرئیس! معلوم نہیں مجھے کیا ہو گیا ہے؟ رات بھر چین کی نیند سو نہیں پاتا، یوں لگتا ہے جیسے فرشتہ اجل میرے سر پر کھڑا ہے۔ ابھی میری روح قبض کر لے گا''۔ شیخ ابوراضیاء نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

''اس پریشانی کی کوئی وجہ بھی تو ہو گی؟'' شیخ الرئیس نے حیرت سے پوچھا۔

''وجہ تو ابھی تک میری اپنی سمجھ میں نہیں آسکی، آپ کو کیا بتاؤں؟''

''میرا خیال ہے تمہیں کچھ دن قلعہ کی آب و ہوا تبدیل کر لینا چاہئے۔ تم ایسے کرو کہ قلعہ کہف میں چلے جاؤ وہاں کا موسم بھی خوشگوار ہے اور قلعہ بھی ہوادار ہے، یہاں مزید کچھ دن رہے تو یقیناً جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے''۔ شیخ الرئیس نے مشورہ دیا۔ شیخ ابوراضیاء یہ سن کر بوکھلا سا گیا۔ اس کے چہرے کی رنگت اڑنے لگی۔ یہ خیال اس کے دل و دماغ پر زلزلہ طاری کئے ہوئے تھا کہ اس کی باری آ چکی ہے، شیخ الرئیس اسے قلعہ سے باہر بھیج کر ہلاک کروانا چاہتا ہے۔

''نن۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ میں یہیں ٹھیک ہوں''۔ شیخ ابوراضیاء گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ شیخ الرئیس اس کی بدلتی ہوئی کیفیت دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ وہ اس کیفیت کو کوئی نام نہیں دے پایا۔ شیخ ابوراضیاء نے اسی وقت غلام کو پانی کے لئے آواز دی۔ ایک غلام کمرے میں داخل ہوا، غلام نے عجیب سا سیاہ چغہ پہن رکھا تھا کہ اس کا چہرہ بھی اس میں چھپ گیا تھا۔ اس کی صورت دیکھ کر شیخ ابوراضیاء کی رنگت پیلی پڑنے لگی۔ شیخ الرئیس کو یہ

اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی کہ وہ اپنے تخیل میں اسے موت کے فرشتے سے تشبیہ دے رہا ہے۔ اس نے فوری طور پر غلام کو لباس تبدیل کرنے کا حکم دیا۔ غلام حکم کی تعمیل کیلئے واپس لوٹنے لگا تو شیخ ابوراضیاء نے پہلے پانی پلانے کا اصرار کیا۔ غلام تذبذب میں پڑ گیا شیخ الرئیس نے شیخ ابوراضیاء کو پانی پلانے کا اشارہ کیا۔ غلام تیزی سے ایک طرف پڑے ہوئے صراحی نما برتن میں سے پیالے میں پانی انڈیلنے لگا۔ غلام نے پانی شیخ ابوراضیاء کی جانب بڑھایا تو وہ تیزی سے پانی کے گھونٹ حلق سے اتارنے لگا۔ شیخ الرئیس اس کی ناگفتہ بہ حالت اور عجیب حرکات پر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس نے غلام کو اشارہ کیا کہ اسے بھی پانی پلایا جائے۔ غلام نے تیزی سے ایک دوسرے پیالے میں پانی بھر کر اس کی جانب بڑھایا۔ شیخ الرئیس دھیمے انداز میں پانی پینے لگا۔ پانی پی کر اس نے پیالہ غلام کی جانب بڑھایا اور اسے جانے کے لئے کہا۔ غلام کے جاتے ہی وہ دوبارہ شیخ ابوراضیاء کی جانب متوجہ ہوا۔

''میں سمجھ نہیں پایا کہ تمہاری یہ حالت کیونکر ہو رہی ہے، میں طبیب کو دوبارہ بھیجتا ہوں کہ وہ تمہارا مکمل علاج کرے اگر وہ ناکام رہا تو تم فکر مت کرنا میں دمشق سے کسی دوسرے طبیب کا انتظام کر دوں گا''۔ شیخ الرئیس نے اسے تسلی دی۔

''طبیب کہہ رہا تھا کہ مجھے وہم کا مرض لاحق ہو گیا ہے، شاید میں نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ لیا ہے جس نے میرے دل و دماغ پر گہرا اثر ڈالا ہے اور موت کا خوف مجھ پر سوار ہو گیا ہے''۔ شیخ ابوراضیاء کی حالت پہلے سے کچھ بہتر لگ رہی تھی۔ شیخ الرئیس کچھ دیر تک بیٹھا اس کا نفسیاتی خوف دور کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر اسے کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی کیونکہ وہ یہ جانتا ہی نہیں تھا کہ خوف کی اصل وجہ تو خود اس کی اپنی ذات ہی ہے۔ شیخ الرئیس کے واپس جانے کے بعد وہ غلام دوبارہ اندر داخل ہو گیا۔ وہ سیدھا شیخ ابوراضیاء کے پاس چلا آیا اور مدہم آواز میں نسوانی لہجے میں بولا۔ ''شیخ ابوراضیاء مبارک ہو، میں نے اپنا دار کر دیا ہے''۔

یہ سن کر شیخ ابوراضیاء بستر پر یوں اچھلا جیسے بستر نے کاٹ کھایا ہو۔ وہ اس نسوانی آواز کو پہچان چکا تھا کیونکہ وہ غلام کوئی اور نہیں گل دتو ژ ہی تھی۔

❀ ❀ ❀

سلطان بیبرس کی پے در پے فتوحات نے صلیبی سرداروں اور لشکروں کو دہشت زدہ کر دیا تھا سلطان بیبرس کی مخصوص حکمت عملی کے باعث صلیبی گروہوں میں بے یقینی بڑھتی چلی گئی، خوف و ہراس کے عالم میں زندگی بسر کرنا ان کے بس سے باہر ہونے لگا۔ صلیبی زنجیر کے کئی چھوٹے قلعے اس خونریزی سے خود بخود دستبردار ہو گئے۔ صلیبی آبادی میں نقل مکانی کا عمل شروع ہو گیا۔ نصرانی زیادہ تر ارض مقدس سے واپس آرمینیہ و قسطنطنیہ واپس لوٹنے لگے۔ البتہ کچھ مضبوط قلعوں سے دستبرداری اختیار نہیں کی گئی۔ ان قلعوں میں المرقب، الطرطوس، عکہ، طرابلس الشام، بیروت، صور اور صیدا نمایاں شامل تھے۔ اسلامی لشکر کی فاتحانہ یلغار سے تمام صلیبی قلعوں کو اپنا مستقبل تاریک دکھائی دے رہا تھا۔ تمام صلیبی قلعوں کے سرداروں نے ایک مشترکہ مجلس کا اہتمام کیا اور سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ کافی بحث و تمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ کسی قسم کی مشترکہ عسکری کارروائی کے بجائے سلطان بیبرس سے صلح و دوستی کی درخواست کی جائے۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد تمام قلعوں کے حاکموں نے قاہرہ کی جانب قاصد روانہ کرنا شروع کر دیئے۔ ان کے ذریعے نہایت لجاجت آمیز پیرائے میں امان و صلح کا پیغام دیا گیا اور ہر قسم کی شرائط بلا تامل تسلیم کرنے کا عہد کیا گیا تھا۔

سلطان بیبرس بڑا وسیع الظرف اور ہمدرد انسان بھی تھا۔ صلیبی گروہوں کی منت سماجت پر اس کا دل

پہنچ گیا۔ وہ دل سے ان مفسدوں کی ارضِ مقدس پر موجودگی کو اچھا نہیں سمجھتا تھا مگر ان کے مسلسل پیغامات کو رد کرنا بھی اس کی شان کے خلاف تھا۔ اس نے کچھ شرائط ان کے سامنے رکھیں جن کی رو سے صلیبی گروہ اس بات کے پابند تھے کہ وہ اپنے اپنے قلعوں کے استحکامات میں اضافہ نہیں کریں گے اور ان شہروں میں مقیم مسلمانوں کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کریں گے نیز نواحی علاقوں کی مسلمان آبادی سے بھی کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے۔ نہ تو صلیبی گروہ سمندری راستوں سے کمک منگوائیں گے اور نہ ہی ان راستوں کو اپنے تصرف میں رکھ سکیں گے۔ اس کے علاوہ صلیبی گروہ ایل خانی منگولوں کی کسی بھی قسم کی معاونت نہیں کر سکیں گے اور نہ ہی کسی اسلام دشمن تحریک کو تقویت دیں گے۔ صلیبی گروہوں نے فوراً ان شرائط پر آمادگی ظاہر کر دی اور 1272ء بمطابق 671ھ کے اوائل میں باقاعدہ ایک معاہدہ ضبطِ تحریر میں لایا گیا جس کی رو سے تمام سلطنت میں دس سال دس مہینے کا امن محفوظ کر لیا گیا۔ اس معاہدے کو مؤثر بنانے کے لئے شاہ انگلستان ایڈورڈ اوّل پلانٹجنٹ، یروشلم کے سابق بادشاہ ہف سوئم اور انطاکیہ کے سابق بادشاہ بوہمنڈ نے دستخط کئے۔ معاہدے کی رو سے سلطان بیبرس صرف اسی صورت میں صلیبی علاقوں پر حملہ آور ہو سکتا تھا جب نصرانی معاہدے کی شقوں کی خلاف ورزی کرتے۔ یہ بات سلطان بیبرس اچھی طرح جانتا تھا کہ صلیبی گروہ عہد و پیمان پر زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکتے۔ خلاف ورزی بہت جلد ہی وجود میں آ جائے گی۔

❁❁❁

مطیع الدین کامیابی کی منزل کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا کہ سلطان بیبرس نے اسے ہمیشہ کے لئے ناکامی کے تاریک اندھیروں میں دھکیل دیا تھا۔ مطیع الدین کو اس بات کا کبھی احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ ارزق کی صورت میں ملنے والا ہمدرد دوست کوئی اور نہیں سلطان بیبرس ہی ہو سکتا ہے یہ انکشاف زندگی کے جس موڑ پر ہوا تھا اس نے مطیع الدین کے اعصاب پر بے حد برا اثر ڈالا تھا۔ وہ بڑی کٹھن راہیں طے کرتا ہوا قصرِ خلافت تک پہنچا تھا۔ اسے اب خود پر غصہ آ رہا تھا کہ وہ اتنے دنوں سے خلیفہ کے ساتھ موجود تھا کہ موقعہ پا کر آسانی سے خلیفہ الحاکم بامر اللہ کو قتل کر سکتا تھا مگر وہ خواہ مخواہ معاملہ کو طول دیتا چلا گیا۔ سلطان بیبرس نہایت ذہین اور ہوش مند شخص تھا جس نے محض چند قیاسات کی بناء پر درپیش خطرے کی بو سونگھ لی تھی۔ مطیع الدین تاریک کمرے میں لوہے کی زنجیروں میں جکڑا گیا تھا، اگر وہ کسی جانب حرکت کرتا تو زنجیریں اس قدر شور مچاتیں کہ باہر کھڑے محافظ کو بھی اس کے ہلنے جلنے کی خبر ہو جاتی۔ اس کمرے کی چھت میں ایک چھوٹا سا روشندان تھا جس میں روشنی کی قلیل مقدار داخل ہو رہی تھی، اس سے کمرے کی تاریکی تو نہیں چھٹتی تھی مگر دن اور رات میں تمیز یقیناً کی جا سکتی تھی۔ کئی ماہ اسی حالت میں گذر گئے۔ کھانا کھلانے کے علاوہ نہ تو کوئی اس کے پاس آتا تھا اور نہ ہی کوئی دوسری بات کی جاتی تھی۔ مطیع الدین کی حالت کافی حد تک بگڑ چکی تھی، ڈاڑھی اور سر کے بال بڑھ کر بے ترتیب ہو گئے اور کپڑے چیتھڑوں میں بدل گئے۔ اس ناگفتہ بہ حالت میں بھی اس میں ابھی تک زندگی کی رمق باقی تھی۔

پھر ایک دن قدرت کو اس پر ترس آ ہی گیا۔ ایک بوڑھا شخص قیدی کی صورت میں زنداں خانے میں پہنچا دیا گیا۔ اسے بالکل اس کے پہلو میں زنجیروں سے جکڑ دیا گیا۔ مطیع الدین نے بمشکل اس کی صورت دیکھی، تاریکی میں اس کی سفید ڈاڑھی اور بالوں کے سوا کچھ اور سجھائی نہیں دیتا تھا۔ بوڑھا شخص خاموشی سے بیٹھا رہا تو مطیع الدین نے اذیت ناک مسکراہٹ سے اس کی جانب دیکھا۔ بوڑھا سر جھکائے ہوئے تھا۔

''بڑے میاں! اس عمر میں زنداں خانے میں کیونکر پہنچے؟'' مطیع الدین نے پوچھا۔

بوڑھا شخص آواز سن کر چونک پڑا اور آنکھیں پھاڑ کر یوں اس کی جانب دیکھنے لگا جیسے اسے یہ معلوم ہی نہ ہو سکا تھا کہ زنداں خانے میں پہلے سے کوئی قیدی موجود تھا۔

''کون ہو بھئی؟ میری نگاہ کچھ زیادہ اچھی نہیں رہی''۔ بوڑھا شخص کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

''بڑے میاں! اس تاریکی میں اچھی نگاہ بھی کام کرنا چھوڑ جاتی ہے''۔ مطیع الدین تلخی سے بولا۔

بوڑھے شخص نے یوں اثبات میں سر ہلایا جیسے اسے اس طرح کا تجربہ رہا ہو۔

''تم کب سے یہاں پڑے ہو؟'' بوڑھے شخص نے سوال کیا۔

''صحیح طرح کچھ معلوم نہیں..... شائد سال سے زائد عرصہ گزر گیا ہے یا پھر کئی سال گزر گئے ہیں''۔ مطیع الدین دھیرے سے ہنس کر بولا۔

''زندہ دل معلوم ہوتے ہو..... کس جرم کی سزا کاٹ رہے ہو یہاں!'' بوڑھا شخص بولا۔

''محبت کی.....!'' مطیع الدین تلخی سے ہنکارا۔

''کیسی محبت تھی؟ جس کا انجام یہ زنداں خانہ بن گیا''۔ بوڑھا شخص کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولا۔

''بڑے میاں! کبھی کبھی انسان محبت کے پیچھے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیتا ہے اور پھر جب ناکامی سے دوچار ہوتا ہے تو اس کی عقل و دانش بھی ساتھ چھوڑ جاتی ہے۔ کھوکھلی یادیں، تڑپتے ہوئے ارمان، دیکھے ہوئے سپنوں کے نشتر اسے ہمیشہ کچوکے لگاتے رہتے ہیں''۔

''پکے سچے عاشق لگتے ہو''۔ بوڑھا شخص اس کی بات پر ہنس دیا۔

''تم سناؤ بڑے میاں! تم کون سی اللت کی پاداش میں ادھر کی ہوا کھانے آ نکلے''۔

''لڑکے! بس اسی رسوائی کی کسر باقی رہ گئی تھی، زندگی بھر کی کمائی ہوئی عزت حاسد ہمدردوں کی نذر ہو گئی، اب یہ خیال آیا ہی تھا کہ اللہ اللہ کیا کروں مگر وقت نے دھوکا دے دیا۔ میرے ہاتھوں سے ایک انسانی جان ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی۔ قاضی نے مجھے تین دن کی مہلت بخشتے ہوئے موت کا فرمان سنایا ہے کہ دل کھول کر توبہ استغفار کر لو اب یہ تین دن کی زندگی ہی باقی رہ گئی ہے''۔

''محض قتل کے جرم میں زنداں خانے میں لایا جانا میرے لئے نئی بات ہے''۔ مطیع الدین حیرت سے بولا۔ بوڑھا شخص سر جھکائے خاموش رہا۔

''بڑے میاں! کچھ باتیں کرو، میں طویل خاموشی سے اکتا چکا ہوں، چلو ان تین دنوں میں ہی کچھ بار ہلکا کر لینے دو''۔ مطیع الدین سکوت کے بڑھتے ہوئے لمحات سے گھبرا سا گیا۔

''میں کیا باتیں کروں؟ مجھے تو زندگی بھر کی کمائی ہوئی عزت کا غم کھائے جا رہا ہے''۔ بوڑھے شخص کے لہجے میں گہری افسردگی جھلکنے لگی۔

''جو وقت ہاتھ سے ہی نکل گیا ہے اس کا غم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ چلو میں ہی تمہارا دل بہلائے دیتا ہوں، تم میری محبت بھری کہانی سنو گے کیا؟'' مطیع الدین بے دلی سے ہنستا ہوا بولا۔

بوڑھے شخص نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مطیع الدین خود ہی شروع ہو گیا۔ بوڑھے کی رفاقت پا کر وہ اپنے دل کا بار کم کرنا چاہتا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ اسے بوڑھے شخص کی یاسیت اور اذیت کا بھرپور احساس ہو رہا تھا مگر وہ اس کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ تین دن بعد وہ زندگی کی قید سے ہمیشہ کے لئے آزاد ہو جائے گا مگر مطیع الدین کو کتنا عرصہ مزید ابھی زنداں خانے میں رہنا تھا، کچھ معلوم نہیں تھا۔ وہ ان تین دنوں میں آئندہ اور بیتے ہوئے عرصے کی پیاس مٹا لینا چاہتا تھا۔

مطیع الدین نے بوڑھے شخص کو اپنے بارے میں بتایا کہ وہ سرائے میں اپنے بوڑھے باپ نورالدین کے ساتھ کیسے رہا کرتا تھا۔ سرائے کے حالات بتانے کے بعد اس نے گل وقوڑ کا ذکر چھیڑ دیا جو اس کی پہلی اور آخری محبت تھی۔ برقائی خان سے ملاقات، کوہ سرخ پر شکار اور زندگی کا پہلا حادثہ، قبیلہ کوہ سرخ غر کی قید، سردار مانجی خان کا سلوک، کئی سال تک بھٹکنے کا قصہ، گل وقوڑ کی مدد، گل وقوڑ کے باپ قونائی خان کا پُر اسرار قتل، گل وقوڑ کی گرفتاری اور گمشدگی، موٹے فونا جو خان سے ملاقات، برقائی خان کی مہم اور اس سے ملاقات، سرائے کی جانب واپسی، سردار منک آنہ اور اس کے پوتے شنگ خان کی کہانی، گل وقوڑ کو آخری رسم کی سزا، فونا جو خان کے ساتھ کوہ سرخ غر کا سفر، شنگ خان سے پہلی ملاقات، گل وقوڑ کی پُر اسرار گمشدگی، گہنائم وشکنان سے ملاقات، فدائیوں کے رومال کا قصہ، برقائی خان کا اسے قلعہ الموت کی جانب روانہ کرنا، فدائی شیخ سے ملاقات اور قلعہ الموت کی جانب سفر، قلعہ الموت میں شنگ خان سے دوسری ملاقات، گل وقوڑ کی قلعہ الموت میں موجودگی کی خبر ملنا، فونا جو خان سے غیر متوقع ملاقات، ایل خانی منگولوں کا قلعہ الموت پر حملہ، شیخ کبیر الدین کو فرار ہونے میں مدد دینا، شیخ کبیر الدین کے ساتھ شام کا سفر، واپسی پر ارزق نامی گویئے سے ملاقات، سرائے کا قیام، برقائی خان کی جانب گل وقوڑ کی خبر ملنا، گل وقوڑ کے لئے شام کا سفر، رستہ بھٹک کر ارض قونیہ میں پہنچ جانا، گہنائم سے ملاقات، قلعہ بانیاس میں پہنچنا، شیخ کبیر الدین کے ساتھ جھگڑا اور زنداں خانے کی ہوا کا قصہ، شیخ کبیر الدین کے ساتھ گل وقوڑ کا معاہدہ، راستے میں شیخ ابونصر کو دھوکا دے کر مروانا، سپاہیوں کو جل دے کر طنطا پہنچنے کا قصہ، طنطا میں والئی شہر کو فریب دے کر مال حاصل کرنے اور قاہرہ کی جانب آنے کی کہانی، قاہرہ میں ارزق گویئے سے ملاقات اور برقائی خان کی وفات کی خبر ملنا، مصری امرأ سے اتفاقیہ ملاقات اور قصر خلافت تک رسائی، اچانک قسمت کا پلٹا کھانا اور ارزق کا سلطان بیبرس نکلنا۔ یہ سب واقعات ترتیب وار مطیع الدین کی زبان سے نکلتے چلے گئے۔ بوڑھا شخص حیرت بھری نگاہوں سے یہ سب سنتا رہا۔ جب مطیع الدین خاموش ہو گیا تو بوڑھا شخص دھیرے سے بولا۔

''مجھے تمہاری عقل پر حیرت ہو رہی ہے کہ تم ایک منگول لڑکی کے پیچھے پیچھے یوں بھاگتے رہے جو شاید اب تمہیں ہمیشہ کے لئے فراموش کر چکی ہو گی''۔

''شاید ایسا نہ ہو، اس کے دل میں بھی میرے لئے اتنی ہی تڑپ ہو مگر وہ وقت کے ہاتھوں مجبور ہو چکی ہو پھر میں بھی تو اس سے اتنا عرصہ سے نہیں ملا''۔ مطیع الدین جلدی سے بولا۔

''یعنی ابھی بھی تمہیں یہ امید باقی ہے کہ تم اس تک پہنچ سکو گے''۔ بوڑھا شخص عجیب لہجے میں بولا۔ مطیع الدین اندھیرے خلا میں گھورنے لگا جیسے بوڑھے شخص کی بات اسے ناگوار گزری ہو۔ کچھ دیر کے بعد بوڑھا شخص دوبارہ بولا۔

''جب تم قصر خلافت میں پہنچ ہی چکے تھے تو پھر تم نے اپنے منصوبے میں تاخیر کیوں کی؟''

''میں خود کو محفوظ کرنا چاہتا تھا کہ خلیفہ کے قتل کا الزام براہ راست مجھ پر نہ آئے اور جب تک اس قتل کی حقیقت کھلے تو میں وہاں سے نکل کر قہستان کی حدود میں پہنچ چکا ہوں''۔

''خلیفہ کے قتل کا ارادہ کرتے ہوئے تمہیں یہ خیال نہیں آیا تھا کہ اس کی وجہ سے مسلمانوں کو ایک بڑے نقصان سے دوچار ہونا پڑے گا''۔ بوڑھے شخص نے پوچھا۔

''حقیقت تو یہی ہے کہ میں خلیفہ کو قتل کرنے میں دل سے رضامند نہیں تھا مگر گل وقوڑ کی صورت جب میری نگاہوں کے سامنے مچلتی تو میں بے خود سا ہو جاتا تھا''۔ مطیع الدین نے بتایا۔

بوڑھا شخص اس کی بھاگ دوڑ بھری زندگی سے خاصا متاثر ہو رہا تھا مگر اس کے دل میں خلیفہ کے اقدام قتل پر مطیع الدین کے لئے کوئی رعایت باقی نہیں تھی۔ وہ دونوں ادھر ادھر کی باتوں میں مصروف رہے۔ باتوں باتوں میں ہی رات ہو گئی۔ مطیع الدین نے بوڑھے شخص کو آرام کرنے کے لئے کہا مگر وہ یہ جانتا تھا کہ وہ چین کی نیند نہیں سو سکے گا۔ موت کا خوف اسے تین دن تک سونے نہیں دے گا۔ وہ اتنے عرصے بعد دل کھول کر بولتا رہا، اپنی کہانی سنا کر وہ خود کو بے حد ہلکا محسوس کر رہا تھا۔ زندگی بھی کیسی سنگدل ہوتی ہے مطیع الدین یہی سوچتا سوچتا نیند کی گہرائیوں میں اُتر گیا۔

دوسری صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو اسے بوڑھا شخص وہاں دکھائی نہیں دیا تو حیران و پریشان رہ گیا۔ جب اس کے لئے ناشتہ لایا گیا تو اس نے چھوٹتے ہی اس بوڑھے شخص کے بارے میں سوال کیا، کھانا لانے والے نے بتایا کہ رات میں ہی اس بوڑھے شخص کی حرکت قلب بند ہو گئی تھی، صبح صفائی کرنے والے نے اس کی موت کی خبر دی تو اس کی لاش کو وہاں سے اُٹھا لیا گیا، اس وقت تم بے خبری کی نیند سو رہے تھے۔ مطیع الدین بوڑھے شخص کی موت کی خبر سن کر افسردہ سا ہو گیا۔ موت کا خوف اتنا شدید تھا کہ وہ ایک رات بھی نکال نہیں پایا بے چارہ بوڑھا..... کمزور اعصاب کا مالک۔

❁ ❁ ❁

شیخ ابوراضیاء کو جب یہ معلوم ہوا کہ گل وقوڑ نے فراہم کردہ زہر کی قلیل مقدار شیخ الرئیس کے پانی میں ملا دی تھی تو وہ پریشان ہو کر رہ گیا۔ اسے یہ توقع ہرگز نہیں تھی کہ گل وقوڑ اتنی جلدی وار کر جائے گی۔ وہ تو شیخ الرئیس کو اپنے سامنے اچانک پا کر گھبراہٹ کا شکار ہو گیا تھا اور غلام کی آمد پر اس پر یہ خوف طاری ہوا تھا کہ کہیں وہ غلام نہ آ جائے جسے اس نے خصوصی طور پر شیخ الرئیس کے قریب رہنے کی ہدایت کی تھی۔ گل وقوڑ اسے مطلع کر کے واپس لوٹ گئی تھی۔ شیخ ابوراضیاء نے وہ رات کانٹوں کے بستر پر گزاری۔ فجر کے قریب نیند کے شدید غلبے نے اس پر چھائی ہوئی بے کلی کے پنجے سے اس کا دامن چھڑایا۔ اسے سوئے ہوئے کچھ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اسے جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا گیا۔ وہ ناگہانی افتاد پر ہڑبڑا کر اُٹھا تو اسے مطلع کیا گیا کہ رات کو شیخ الرئیس کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی۔ اس سے پہلے کہ اسے طبی مدد پہنچائی جاتی، اس کا انتقال ہو گیا۔ شیخ ابوراضیاء یہ خبر سن کر ہکا بکا بیٹھا رہ گیا۔ پھر اس کے ذہن کے پردوں پر گذشتہ رات کا منظر پھیلنے لگا۔ گل وقوڑ کا جملہ اس کے کانوں میں گونجنے لگا۔ وہ تیزی سے بستر سے نکلا اور قریباً بھاگتا ہوا شیخ الرئیس کے شاہی کمرے تک پہنچا۔ شیخ الرئیس کبیر الدین بستر پر یوں لیٹا ہوا تھا جیسے گہری نیند سو رہا ہو۔ شیخ ابوراضیاء نے پریشانی کے عالم میں اس کی نبض ٹٹولی، اس کا جسم سرد پڑ چکا تھا۔ اچانک شیخ ابوراضیاء کی نگاہ شیخ الرئیس کے کان کی جڑوں پر پڑی تو وہاں ہلکی سی نیلی لکیر دکھائی دی۔ یہ اس بات کا ثبوت تھی کہ شیخ الرئیس کی موت زہر سے ہی ہوئی ہے۔ اگر کچھ دیر مزید وقت گزار دیا جاتا تو یہ لکیر پھیل کر پورے جسم کو نیلاہٹ میں ڈبو دیتی اور پھر کسی سے یہ چھپانا مشکل نہ ہوتا کہ شیخ الرئیس کی موت کیسے واقع ہوئی ہے، شیخ ابوراضیاء نے فوری طور پر تجہیز وتکفین کا انتظام کیا اور راز کے فاش ہونے سے پہلے پہلے ہی اسے لحد میں اتار دیا۔

شیخ کبیر الدین سلطنت قہستان کا ادھورا خواب دل میں لئے گزر گیا تھا۔ اس کی تمام عمر کی کوششیں رائیگاں ہو چکی تھیں۔ وہ خود کو شیخ الجبال ہشتم کہلوانے کی آرزو پوری نہ کر سکا۔ اس نے ساری زندگی فدائیت کی بقاء وتبلیغ کے لئے صرف کی اور مختلف حیلوں حربوں سے ایسے ایسے مہارت یافتہ افراد پیدا کئے کہ جنہوں نے ایل خانی سلطنت سے لے کر بلادِ مصر تک کئی اہم شخصیات کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔ وہ عمر کے اس آخری داؤ میں

بھرپور عسکری تیاریاں کر رہا تھا۔ باطنی فدائیوں کا زبردست لشکر وجود میں آچکا تھا۔ اگر وہ کچھ عرصہ اور زندہ رہتا تو یقیناً وہ ایل خانی حکمران اباقہ خان سے ایک فیصلہ کن معرکہ لڑتا۔

شیخ ابوراضیاء شیخ الرئیس کے نسب سے زیادہ قریب تھا اس لئے تمام قلعوں اور عساکر کے انتظامات اس کے کندھوں پر ڈال دیئے گئے۔ شیخ ابوراضیاء جس پریشانی و فکر میں غلطاں تھا وہ شیخ الرئیس کی موت کی صورت میں کافور ہو چکی تھی۔ گل وقوژ اس دن سے ایسی غائب ہوئی تھی کہ دوبارہ اس کا نشان بھی نہیں مل پایا۔ شیخ ابوراضیاء نے تمام انتظامات واقدامات کا جائزہ لینے کے بعد مختلف کارروائیاں کیں۔ فدائی امراء نے متفقہ طور پر اسے اپنا نیا شیخ الرئیس تسلیم کر لیا تھا۔ یہ امر جہاں اس کے لئے مسرت کا باعث تھا وہیں گل وقوژ کی ذات اس کی آنکھوں کا کانٹا بن کر رہ گئی۔ وہ کسی بھی وقت اسے سب کے سامنے ذلیل وخوار کر سکتی تھی اور اس سے اپنے ناجائز مطالبات منوا سکتی تھی۔ شیخ ابوراضیاء نے سب سے پہلے اپنے خاص غلاموں کو گل وقوژ کی تلاش پر مامور کیا۔ قلعہ بانیاس سمیت تمام فدائی قلعوں کے خفیہ احاطوں میں تلاشی لینے کا حکم دیا گیا۔

شیخ ابوراضیاء نے سلطنت قہستان کے قیام کی کوششیں تیز کر دیں، اس نے نہ صرف اپنے صلیبی حلیفوں کے ساتھ کئی نئے معاہدے کئے بلکہ یورپ کے نصرانی بادشاہوں کے پاس اپنے قاصد بھیجنا شروع کر دیئے۔ خصوصاً عیسائی نواز بادشاہوں نے مملوک حکومت کے متبادل بلادِ شام کی سرحدوں پر اس نئی حکومت کے قیام کو انتہائی اہم خیال کیا اور کئی قسم کی مراعات فراہم کرنا شروع کر دیں۔ نئی دوستیاں اور یورپ سے سفارتی تعلقات سے فدائی گروہ کے حوصلے بڑھ گئے۔ صلیبی جنگجوؤں کی مانند حشیشی گروہوں نے بھی بلادِ شام کے سرحدی شہروں کو اپنا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ یہ سلسلہ پہلے بھی جاری تھا مگر اب اس میں شدت پیدا ہو چکی تھی۔ شر انگیزی اور مفسدانہ روّیہ نقطۂ عروج کو چھونے لگا۔ کئی والیوں نے بلادِ شام کے منتظم امیر سیف الدین قلاوُون الفی سے شکایت کی۔ امیر قلاوُون الفی اس ضمن میں سنجیدگی سے غور وخوض کرنے لگا۔

شیخ ابوراضیاء نے کئی اہم شخصیات کے قتل کے لئے فدائی سلطنت اسلامیہ میں روانہ کئے مگر ان میں چند ایک ہی اپنی کارروائی میں کامیاب ہو سکے۔ شیخ ابوراضیاء اس قدر مصروف ہو چکا تھا کہ اسے یہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ اس کے وہ خاص غلام جو گل وقوژ کو تلاش کرنے خفیہ احاطوں میں گئے تھے، ان میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہیں رہا تھا۔ وہ سب کے سب پُراسرار موت مارے گئے اور خبر دینے کے لئے کوئی بھی نہیں بچ پایا۔

❁ ❁ ❁

ذی قعدہ 671ھ کی ایک صبح سلطان بیبرس کے لئے ایک غم ناک خبر لئے طلوع ہوئی۔ اسے علی الصبح بیدار کر کے مطلع کیا گیا کہ شیخ السلام عزالدینؒ بن عبدالسلام دمشقی رات وفات پا گئے ہیں۔ سلطان بیبرس دیوانہ وار ننگے پاؤں بھاگتا ہوا شیخ عزالدینؒ کی جائے سکونت پر پہنچا۔ وہاں قاہرہ کے امراء اور مملوک سردار پہلے سے پہنچ چکے تھے۔ سلطان بیبرس کو شیخ عزالدینؒ سے بے حد محبت تھی۔ وہ امور جہانبانی میں ان کی رائے کو ہمیشہ مقدم سمجھتا تھا اور تہہ دل سے ان کی عزت کرتا تھا۔ شیخ عزالدینؒ کا شمار علمائے حق کی اس مقدس جماعت میں ہوتا ہے جس کے علم وفضل، زہد، حق گوئی و بے باکی اور جرأت واستقامت کے درخشندہ واقعات سے تاریخ کی کتب بھری پڑی ہیں۔ علامہ عزالدینؒ 578ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے اور اس دور کے مشاہیر علماء سے تعلیم حاصل کی۔ انہیں سلطان العلماء اور امام وقت تسلیم کیا گیا۔ علامہ شیخ جمال الدین ابن حاجبؒ لکھتے ہیں کہ فقہ میں عزالدینؒ بن عبدالسلام کا پایہ امام غزالیؒ کے برابر ہے۔ امام ذہبیؒ کا کہنا ہے کہ عزالدین علم فقہ میں درجہ کمال پر پہنچے ہوئے اور درجہ اجتہاد ان کے رتبہ لائق تھا۔ شیخ عزالدینؒ بڑے خوددار، باوقار اور بارعب شخصیت کے

مالک تھے یہی وجہ تھی کہ وہ دربار داری کے جھنجھٹ سے ہمیشہ بالکل آزاد رہے۔ اپنے تبحر علمی، زہد وریاضت اور حق گوئی کی بدولت وہ بلادِ شام ومصر کی سب سے بڑی دینی شخصیت متصور ہوتے رہے۔ شیخ عزالدینؒ نے چورانوے سال کی عمر میں سفر آخرت اختیار کیا۔ تمام بلادِ اسلامیہ میں ان کی وفات کا سوگ منایا گیا۔ سلطان بیبرس اپنے حقیقی رہنما اور روحانی مرشد کی وفات کے صدمے سے کئی دن تک نڈھال رہا۔ چالیس دن کے بعد جب اس نے شاہی دربار سجایا تو خصوصی طور پر شیخ عزالدینؒ کے لئے دُعائے مغفرت کرائی اور تمام امراء ورؤساء کے سامنے اس امر کا برملا اقرار کیا کہ شیخ عزالدینؒ اپنی زندگی میں بلادِ اسلامیہ کے حقیقی سربراہ تھے میں تو محض ان کا ہتھیار تھا جسے وہ جیسے چاہتے استعمال کر لیا کرتے، ان کی وفات کے بعد مجھے یوں معلوم ہو رہا ہے کہ جیسے ایک پہاڑ میرے سر پر رکھ دیا گیا ہو۔ میری حکمرانی کا عرصہ آج سے شروع ہو رہا ہے، میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ جیسے اس نے مجھے شیخ عزالدینؒ کی حکومت میں سرخرو کیا ہے ویسے ہی وہ مجھے آئندہ بھی عزت وہدایت بخشے اور کامیابی ونصرت عطا فرمائے۔

❁ ❁ ❁

671ھ بمطابق 1273ء کے اواخر میں سلطان بیبرس نے ایک بار پھر تمام افواج کو فوری طور پر تیاری کا حکم دیا۔ تمام مملوک سالار لشکر کشی کا حکم سن کر حیران وپریشان رہ گئے کہ اب سلطان بیبرس کا کیا ارادہ ہے؟ کیونکہ تمام صلیبی حکمرانوں سے دس سال دس ماہ کا معاہدۂ امن طے پا چکا تھا۔ سلطان بیبرس نے قبل از وقت کسی کو بتانا مناسب نہیں سمجھا کہ وہ کس جانب حملہ کرنے کا خواہش مند ہے۔ تمام چھوٹی بڑی عسکری تیاریاں عمل میں لائی گئیں اور بھاری بھرکم حربی ساز وسامان ساتھ لے لیا گیا۔ اس قدر وسیع پیمانے پر عسکری تیاری دیکھ کر تمام مملوک سالاروں کو یہ یقین ہو گیا کہ اس مرتبہ سلطان بیبرس کا ارادہ یقیناً قسطنطنیہ فتح کرنے کا ہے۔ سلطان بیبرس تمام لشکروں کے ساتھ قاہرہ سے نکلا اور بلادِ مصر کا سینہ چیرتا ہوا سیدھا ارضِ حجاز میں داخل ہوا اور وہاں سے بلادِ شام کے کنارے کنارے سفر کرتا ہوتا بلادِ عراق میں نمودار ہوا۔ یہ راستہ کسی بھی صورت میں قسطنطنیہ کی طرف نہیں جاتا تھا۔ بلادِ عراق کا وسیع حصہ ابھی تک ایل خانی منگولوں کے قبضے میں تھا۔ منگولوں کو جب سلطان بیبرس کی لشکروں سمیت ان علاقوں میں آمد کی خبر ہوئی تو انہوں نے فوری طور پر اپنی تیاریاں مکمل کرنا شروع کر دیں۔ مملوک سالار ابھی یہی اندازہ لگا رہے تھے کہ ان کی منزل ایل خانی منگول ہیں کہ سلطان بیبرس نے بلادِ عراق سے یکا یک اپنا رخ پہاڑی علاقوں کی طرف موڑا اور بالائی جانب بڑھتا چلا گیا۔ دشوار گزار پہاڑی راستہ طے کرتا ہوا وہ کئی دن کی مسافت کے بعد قلعہ القائن کے سامنے نمودار ہوا۔ یہ ایل خانی سرحد پر فدائیوں کا آخری قلعہ تھا۔ دوسری جانب کے تمام فدائی قلعے ان کے ہاتھوں میں سے نکل کر اب منگولوں کے قبضے میں تھے۔ سلطان بیبرس نے اس پہاڑی قلعے کو مکمل طور پر محاصرے میں لے لیا اور سفر منہوں اور منجنیقوں سے زبردست سنگ باری کا سلسلہ شروع کر دیا۔ حشیشی جنگجوؤں کو اس بات کی توقع تک نہیں تھی کہ سلطان بیبرس کسی وقت یہاں پہنچ سکتا ہے۔ انہوں نے فوری صورتِ حال سے نبٹنے کے لئے فی الوقت قلعہ بند ہو کر لڑائی کا آغاز کیا مگر یہ سلسلہ اتنا طویل ہوا کہ صرف سترہ دن بعد ہی وہ ہمت ہار بیٹھے اور جان کی امان کے طالب ہوئے۔ سلطان بیبرس نے قلعہ پر قبضہ کرتے ہوئے بلا دریغ تمام فدائیوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ فدائیوں کے قتل عام کی وجہ یہ بھی تھی کہ سلطان بیبرس انہیں مسلمانوں کا پوشیدہ اندرونی دشمن قرار دیتا تھا۔ قلعہ القائن کو نہایت سرعت کے ساتھ منہدم کر دیا گیا۔ اس قلعے کی تباہی وبربادی سے فارغ ہو کر اسلامی لشکر تیزی سے آگے بڑھا اور اس نے قلعہ خوابی کو اپنے حصار میں لے لیا۔ قلعہ القائن کی تباہی وبربادی کی خبر کسی کو بھی نہیں ہوئی کیونکہ وہ اچانک حملے

کی زد میں آئے تھے، جبکہ قلعہ خوابی سے پُراسرار انداز میں خفیہ راستوں کے ذریعے دوسرے قلعوں میں سلطان ببرس کی آمد اور حملے کی خبر پہنچادی گئی اور مزید کمک کی درخواست کی۔

قلعہ خوابی کافی بڑا قلعہ تھا جو ایک بڑی پہاڑی کو تراش کر تعمیر کیا گیا تھا۔ اس قلعہ کو باقاعدہ چھاؤنی کا درجہ حاصل تھا اسی لئے یہاں ہزاروں کی تعداد میں تربیت یافتہ افراد موجود تھے۔ قلعہ کے منتظم اعلیٰ نے شیخ الرئیس کی جانب سے کسی حکم ملنے سے پہلے اپنے تئیں کوئی عسکری کارروائی نہیں کی۔ قلعے کو چاروں جانب سے مضبوطی سے بند کرلیا گیا۔ اسلامی لشکر سلطان ببرس کے حکم کا منتظر تھا کہ کب اس قلعہ پر ہلہ بول دیا جائے مگر سلطان ببرس اہل قلعہ کی جانب سے چھائی ہوئی خاموشی کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ سلطان ببرس کو بخوبی معلوم تھا کہ اس قلعہ میں کثیر تعداد میں لڑاکے موجود ہیں۔ محاصرے کے دوران قلعے کے منتظم نے باقاعدہ سفارت بھیجی اور خود کو بے قصور ثابت کرتے ہوئے محاصرہ اُٹھا لینے کی درخواست کی۔ سلطان ببرس نے آنے والی سفارت کو فدائیوں کے جرائم کی تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ وہ اگر امان چاہتے ہیں تو اس قلعہ کو فی الفور خالی کردیں اور خاموشی سے جنگی قیدی بننا قبول کرلیں، دوسری صورت میں انہیں اسلامی لشکر سے مقابلہ کرنا ہوگا۔ فدائی سفارت اپنے مقاصد نہ پاکرنا کام واپس لوٹ گئی۔

منتظم قلعہ خوابی کو شیخ الرئیس کی جانب اسی دوران پیغام مل گیا کہ وہ انفرادی طور پر جنگ کی ہرگز کوشش نہ کرے بلکہ باہر نکل کر اسلامی لشکر کو فریب دے سکے تو بہتر ہے اور کسی بھی طرح قلعہ الکہف یا بانیاس کی جانب سفر کرے کیونکہ شیخ الرئیس ٹکڑوں کی صورت میں مقابلہ کرنے کے بجائے سلطان ببرس سے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کا خواہش مند ہے۔ منتظم قلعہ نے نہایت سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ صدر دروازے کی جانب سے نکلنا کسی بھی لحاظ سے ممکن نہیں اگر شیشی جنگجو سیدھے رستے باہر نکلے تو انہیں نہ چاہتے ہوئے بھی اسلامی لشکر سے نبرد آزما ہونا پڑے گا اور سلطان ببرس کبھی انہیں بآسانی فرار ہونے کی اجازت نہیں دے گا لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ قلعے کے تمام خفیہ راستے استعمال کئے جائیں۔ قلعے میں سپاہیوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں تھی۔ خفیہ راستوں سے نکلنے کے لئے خاصا وقت درکار تھا۔ منتظم قلعہ نے بالآخر یہی فیصلہ کیا کہ جو بھی ہو، خفیہ راستے ہی موزوں ہیں، پورا لشکر نہ نکل پایا تو کم از نصف تو نکل ہی جائے گا۔ منتظم اعلیٰ کی جانب سے اشارہ ملتے ہی تیزی سے خفیہ نقل مکانی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

ادھر سلطان ببرس قلعہ خوابی کی خاموشی پر حیران تھا کہ فدائی مدافعتی کارروائیاں کیوں نہیں کررہے۔ سلطان ببرس نے چند بہادر سپاہیوں کو ہدایت کی کہ وہ خاموشی سے فصیل پر چڑھنے کی کوشش کریں تاکہ صورتِ حال واضح ہوسکے۔ سپاہیوں نے جونہی فصیل کا نصف راستہ طے کیا تو تیروں کی تیز بارش نے انہیں ناکامی کی موت میں دھکیل دیا۔ سلطان ببرس اس کارروائی سے سمجھ گیا کہ قلعے کے مکین کسی اہم تیاری میں مصروف ہیں اور جنگ کا معاملہ ٹالنا چاہ رہے ہیں، سلطان ببرس نے لشکروں کو صف آراء کرتے ہوئے سفر منہوں اور منجنیقوں سے سنگ باری کا سلسلہ شروع کردیا۔ اس کارروائی کا مقصد ان کی کی جانے والی خفیہ تیاری میں خلل ڈالنا تھا۔ اسی انداز میں دو ہفتے گزر گئے۔ سلطان ببرس نے بڑی بڑی ڈھالوں کے سائے میں قلعے کی فصیل میں شگاف ڈالنے کا حکم دیا۔ قلعے کی دیوار ٹھوس پتھر کی تھی اس میں شگاف ڈالنا آسان کام نہیں تھا۔ فصیل پر مقرر فدائی محافظوں نے ڈھالوں پر آگ کے گولے پھینک کر بے شمار مجاہدین کو زخمی کردیا۔ سلطان ببرس اس دوران قلعہ کا چاروں جانب سے جائزہ لے چکا تھا۔ قلعہ اس قدر مہارت سے تعمیر کیا گیا تھا کہ کوئی ایسا کمزور رخنہ موجود نہیں تھا جو قلعے کی فتح کا باعث بنتا۔ سلطان ببرس کے لئے یہ صورتِ حال نہایت اہمیت اختیار کرگئی۔

تیسویں دن سلطانی مخبروں نے اطلاع دی کہ ایک زبردست فدائی لشکر قلعے سے کچھ کوس دور مغربی سمت میں موجود ہے جو کسی بھی وقت اچانک حملہ آور ہوسکتا ہے۔

یہ خبر بڑی اہم تھی۔ سلطان ببرس نے فوری طور قلعہ کی کارروائی کو روک دیا اور لشکر کو تین بڑے حصوں میں تقسیم کرکے اس طرح پھیلا دیا کہ قلعے کا محاصرہ بھی ختم نہ ہوپائے اور دونوں میدانی سمتوں سے کسی بھی آنے والے فدائی لشکر کا موزوں انداز میں مقابلہ کیا جائے۔ اسلامی لشکر کے مخبروں نے فدائی لشکر کو اپنی نظروں کے حصار میں لے لیا تھا، وہ ان کی ہر حرکت پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ جب فدائی لشکر اچانک اپنا پڑاؤ اُٹھا کر مخالف سمت میں روانہ ہوگیا تو مخبروں نے فوری طور پر سلطان ببرس کو اطلاع دی۔ اس اطلاع پر وہ جلد ہی معاملے کی اصلیت کو سمجھ گیا کہ قلعہ خوابی کا لشکر کسی خفیہ راستے سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ سلطان ببرس نے قلعہ خوابی پر بھرپور انداز میں حملہ کرتے ہوئے فصیل میں شگاف ڈال دیا۔ قلعہ میں موجود سپاہیوں نے ڈٹ کر سلطانی لشکر کا مقابلہ کیا مگر وہ تعداد میں چند سو ہی تھے اس لئے مختصر دورانیے میں موت کے گھاٹ اتر گئے۔ باقی تمام قلعہ خالی ملا۔ فدائی نہایت تیزی اور ذہانت سے تمام اسباب حرب سمیٹ کرلے جانے میں کامیاب ہوچکے تھے۔ سلطان ببرس نے اس فدائی کامیابی پر کسی ردِعمل کا اظہار نہیں کیا بلکہ مجاہدین کو قلعہ کو تباہ و برباد کرنے کا حکم دیا۔ چند دنوں میں ہی مجاہدین نے قلعہ کو ملبے کے ڈھیر میں بدل دیا۔

قلعہ خوابی سے فارغ ہوکر سلطان ببرس نے مزید پیش قدمی کی اور تیزی سے سفر کرتا ہوا قلعہ الکہف کے قریب پہنچا۔ سلطان ببرس ابھی یہ فیصلہ کررہا تھا کہ قلعہ کا محاصرہ کیا جائے کہ سلطانی مخبروں نے ایک نئی اطلاع دی کہ فدائی لشکر بھرپور تیاری کے ساتھ قلعہ بانیاس سے متصل ایک بڑے میدانی حصے میں پڑاؤ ڈالے ہوئے اس کا منتظر ہے۔ سلطان ببرس نے اپنے لشکر کو قلعہ الکہف کے قریب ہی ٹھہرنے کا حکم دیا۔ وہ قلعہ سے چند میل دور موجود تھا۔ یہ صورتِ حال بڑی نازک تھی کیونکہ اگر سلطان ببرس فدائی لشکر کی خبر گیری کے لئے روانہ ہوتا تو اس بات کا قوی اندیشہ موجود تھا کہ قلعہ الکہف میں موجود فدائی لشکر عقبی جانب سے ان پر حملہ آور ہوجاتا۔ اس صورت میں اسلامی لشکر دو محاذوں میں بٹ کر رہ جاتا اور سب سے اہم بات یہ کہ وہ فدائیوں کے حصار میں بری طرح گھر جاتا۔ سلطان ببرس نے فوری طور پر فیصلہ کیا کہ پڑاؤ ڈالے ہوئے فدائی لشکر کا خود جاکر معائنہ کرے تاکہ صورتِ حال کو سمجھنے میں آسانی ہو اور کوئی حل نکالا جائے۔

❀ ❀ ❀

گل وقوژ ایک عرصے سے روپوش رہنے پر مجبور تھی کیونکہ شیخ ابوراضیاء فدائیوں کا شیخ الجبال بننے کے بعد خاص طور پر اس کی تلاش میں تھا کیونکہ شیخ الرئیس کبیر الدین کے خلاف کی گئی سازش میں گل وقوژ ہی واحد گواہ تھی۔ شیخ ابوراضیاء اس سے کسی قدر خوفزدہ بھی تھا شاید اسی وجہ سے وہ اس کی جان کے درپے بھی تھا۔ گل وقوژ اپنی ذہانت کی بدولت فوری طور پر فدائی قلعوں کے خفیہ حصوں میں چھپ گئی، یہ الگ بات تھی کہ شیخ ابوراضیاء کی جانب سے آنے والے تمام دفادار غلام ایک ایک کرکے اس کے خنجر کا نشانہ بنتے رہے، جس کی خبر شیخ ابوراضیاء کو کبھی نہ ہوسکی۔ شیخ ابوراضیاء، شیخ الرئیس کی ذمہ داریوں میں کچھ ایسا اُلجھا کہ وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گل وقوژ کی طرف سے بھی لاپرواہ ہوتا چلا گیا۔ گل وقوژ شیخ ابوراضیاء کی مصروفیت پر بدستور نگاہ رکھے رہی۔ وہ کسی مصلحت کے تحت فوری طور پر منظر پر نہیں آنا چاہتی تھی کیونکہ اسے خاص وقت کا انتظار تھا..... اور وہ وقت، قہستان کی خودمختار ریاست کے قیام کے بعد ہی شروع ہوتا تھا۔ اسی وقت وہ اپنی مضبوط حیثیت کا بانسہ پھینک کر تمام بازی اُلٹ سکتی تھی۔ شیخ ابوراضیاء کے صلیبی حکمرانوں سے سفارتی تعلقات اور بلادِ مصر کی

حکومت کے مخالفین سے گٹھ جوڑ قہستان کے قیام کے منصوبے کو مستحکم بنا رہے تھے کہ اچانک سلطان سبرس کی آمد کی خبر نے فدائی قلعوں میں ہلچل سی مچا دی۔ شیخ ابوراضیاء قاہرہ سے اتنی دور سلطان سبرس کی موجودگی کی خبر پا کر بھونچکا رہ گیا۔

گل وقوژ نے جب فدائیوں کو خاص قسم کی تیاریوں میں مصروف دیکھا تو وہ حیران رہ گئی۔ اس نے صورتِ حال سے آشنائی کے لئے خفیہ حصوں کو خیرباد کہتے ہوئے قلعے کی راہداریوں کو استعمال کیا اور نہایت خفیہ انداز میں سفر کرتی ہوئی ایک قلعے سے دوسرے اور پھر تیسرے قلعے میں پہنچتی رہی۔ اسے جب بلاؤ مصر کی افواج کے حملوں کی تصدیق ہوگئی تو وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ سلطان سبرس کے بارے میں کئی قسم کی خبریں اس نے پہلے سے سن رکھی تھیں۔ صلیبی قلعوں کی بربادی اور ایل خانی منگولوں کی شکست کے باعث سلطان سبرس کا چرچا عام تھا۔

فدائی جنگجو جوش وخروش سے سلطان سبرس کا مقابلہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ گل وقوژ ان کے درمیان گھومتی پھرتی رہی مگر کسی نے اس کی جانب توجہ نہیں دی۔ گل وقوژ کوئی تنہا عورت نہیں تھی جوان کے درمیان موجود تھی، اس جیسی کئی دوسری عورتیں بھی قلعوں میں اپنے اپنے امور سرانجام دے رہی تھیں۔ گل وقوژ کے ذہن میں کئی قسم کے خدشات سر اُٹھا رہے تھے۔ اس نے سب سے پہلے اسلامی لشکر کا جائزہ لینا ضروری سمجھا۔ وہ غیر محسوس انداز میں اسلامی لشکر کے بالکل قریب پہنچ گئی۔ سلطان سبرس کا لشکر قلعہ الکہف سے کچھ دور پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ گل وقوژ کی دور بین نگاہوں نے بہت جلد ہی تاڑ لیا کہ فدائیوں کے مقابلے میں سلطان سبرس کی تیاریاں زیادہ بہتر اور بھرپور ہیں مگر اس کے ذہن کے کسی خانے میں یہ امید بھی قائم تھی کہ ان پتھریلے میدانوں میں اسلامی لشکر بہت زیادہ عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ نہیں دکھا پائے گا۔ فدائیوں کے جوشیلے جذبات بھی اس کی نگاہوں کے سامنے تھے جو اپنے شیخ الرئیس کی حفاظت میں اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ گل وقوژ نے حالات کی اس عجیب وغریب کشمکش سے الگ رہتے ہوئے قلعہ الکہف کی بالائی پہاڑی کے ایک غار میں ڈیرہ جمالیا۔ وہ اپنے ساتھ تمام ضروری اسباب بھی لائی تھی تاکہ غیر متوقع حالات کے پیشِ نظر اسے فرار ہونا پڑے تو اسے کسی مشکل کا سامنا نہ ہو۔ وہ فیصلہ کن معرکے کے انتظار میں تھی جس میں فدائی جنگجو فتح یاب ہو کر سرخرو ہو پاتے۔ گل وقوژ کا ہدف فدائیوں کی کامیابی کے بعد پیش آنے والے وہ اہم حالات تھے جن میں وہ اس ''خاص عہد'' کا فائدہ اُٹھا سکتی تھی جو کہ شیخ الرئیس کبیر الدین نے اسے قاہرہ روانہ ہونے سے پہلے تھمایا تھا۔

❁ ❁ ❁

''قاآن اعظم! مقدس کلیسا کی جانب سے آیا ہوا ایک قاصد شرفِ ملاقات کا متمنی ہے''۔ خاص شاہی کمرے کے دروازے پر نمودار ہونے والے محافظ نے تعظیم دیتے ہوئے خبر دی۔ ایل خانی منگولوں کا حکمران، ہلاکو خان کا بیٹا اور چنگیز خان کا پڑپوتا ''اباقہ خان'' چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا

''اسے ہمارے پاس بھیج دو''۔ اباقہ خان چند لمحوں کے توقف کے بعد بولا۔

محافظ حکم پا کر واپس لوٹ گیا کچھ دیر بعد جب وہ واپس لوٹا تو اس کے ساتھ ایک سیاہ چغے میں ملبوس ایک ادھیڑ عمر شخص تھا جس کے گلے میں لٹکی ہوئی بڑی سی چاندی کی صلیب اس کے رُتبے کی نشاندہی کر رہی تھی۔ وہ کلیسا کا ایک اسقف تھا۔ قاصد نے اندر داخل ہوتے ہی ماتھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے صلیب بنائی اور پھر اباقہ خان کو تعظیم پیش کی۔ اباقہ خان نے بھی جواباً صلیب بناتے ہوئے اسے ایک جانب بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اسقف دھیمے انداز میں چلتا ہوا کرسی پر جا بیٹھا۔

''ایل خانی خادم مقدس باپ کی کیا خدمت کر سکتا ہے؟'' اباقہ خان نے دریافت کیا۔

''خداوند یسوع کا سایہ ابد تک آپ پر قائم رہے۔ آپ کی دینداری و روحانی خدمت پر کلیسا کو دلی مسرت ہے اور وہ ہر وقت آپ کی صحت کی دعاؤں میں مشغول رہتی ہے۔ کلیسا کے پوپ اعظم شاہ قسطنطنیہ کی جانب سے خادمِ مسیح کے لئے یہ پیغام لانے کی سعادت مجھے نصیب ہوئی ہے، اگر اجازت مرحمت فرمائیں تو میں اس کا متن پڑھ کر آپ کو سنا سکتا ہوں''۔ اسقف نے کہا۔

اباقہ خان نے سر سے اثبات کا اشارہ کیا۔ اسقف نے اپنے لبادے سے ایک سنہرا رول برآمد کیا اور اس کی تہیں کھولنے لگا۔ کچھ دیر بعد اس نے گلا صاف کرتے ہوئے پیغام پڑھنا شروع کیا۔

''بیزنطینی کلیسا کی جانب سے منگولوں کے بہادر اور جری حکمران اباقہ خان کے نام! کلیسا کو ایل خانی منگولوں کے خلوص ایمان اور وفاداری کے وہ تمام دن بخوبی یاد ہیں جو کہ قاآن اعظم منگو خان اور قاآن اعظم ہلاکو خان کے دور میں گزرے ہیں۔ بڑے افسوس سے یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ منگولوں کی عظیم تر روایت ماضی کے دھندلکوں میں کھوتی جا رہی ہے اور دینِ نصرانیت کی ترویج و اشاعت کا سلسلہ خواب وخیال بنتا جا رہا ہے۔ دینِ نصرانیت کے دشمن ایک بار پھر متحد ہو کر اپنے بلوں سے باہر نکل آئے ہیں اور ان کی ریشہ دوانیوں کا سلسلہ اس قدر بڑھ چکا ہے کہ ارضِ مقدس کی نصرانی رعیت ہولناک عذاب کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو چکی ہے۔ ہمارے بھائیوں پر دن رات حملے ہو رہے ہیں اور ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں انہیں موت کے گھاٹ اُتارا جا چکا ہے۔ ایک بار پھر کلیسا کو دینِ نصرانیت کی بقاء کے لئے اپنے خاص مسیحی خادموں کی فوری ضرورت پیش آ رہی ہے۔ یورپی دُنیا کے حکمران مسلمانوں سے یوں گھبراتے ہیں جیسے وہ کوئی عجیب مخلوق ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ کلیسا کمزور پڑنے لگا ہے اور سلطان عبرس جیسے حقیر حکمران بھی ارضِ کلیسا کو فتح کرنے کے خواب دیکھنے لگے ہیں۔ ہم تم سے خاص طور پر استدعا کرتے ہیں کہ اس وقت تم ہی وہ واحد قوت ہو جو مسلمانوں کو اس خطرناک ارادے سے باز رکھتے ہوئے ان کے اتحاد و یکجہتی کو متزلزل کر سکتی ہے۔ اپنی ذاتی مصروفیات کا سلسلہ ترک کرتے ہوئے بقاءِ نصرانیت کی جانب توجہ دو اور عیش کوشی ترک کر کے تاتاری لشکروں کے ساتھ مراغہ سے نکلو اور کلیسا کو آخری ہچکی لینے سے بچاؤ۔ اگر تم نے بھی اس نازک ترین وقت میں کلیسا کی کوئی مدد نہ کی تو یاد رکھو کہ دینِ نصرانیت اپنوں کی بے وفائی اور لاپروائی کے باعث خوفناک شکست سے دوچار ہو جائے گا اور پھر آنے والی نسلوں میں سے کوئی اس دین کو یاد نہ رکھے گا''۔

اسقف متن پڑھنے کے بعد خاموش ہو چکا تھا۔ اباقہ خان کلیسا کی آہ وبکا سن کر گہری سوچ میں پڑ گیا۔ وہ ذاتی طور پر دینِ نصرانیت کا سچا اور پکا پیروکار تھا اور اسے مسلمانوں سے اتنی ہی نفرت تھی جتنی کہ صلیبی جنگجوؤں میں پائی جاتی تھی۔ اباقہ خان کے دل میں کئی بار یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ بھی اپنے آباؤ اجداد کے نقشِ قدم پر چلتا ہوا دُنیا کی فتوحات پر نکلے مگر ہر بار اس کے خاص دشمن آڑے آ جاتے تھے اور وہ خاص دشمن اس کے بھائی بندار دوئے زریں کے منگول تھے جو کہ اپنے سلطان برقائی خان کے دور میں شروع ہونے والی اور نہ ختم ہونے والی لڑائی کو مسلسل جاری رکھے ہوئے تھے۔ برقائی خان تو وفات پا چکا تھا اور اس کی جگہ لوگائی خان لے چکا تھا مگر ایل خانی منگولوں سے دشمنی کم ہونے کے بجائے بڑھتی چلی گئی۔ دونوں کے درمیان خیر وشر کی لڑائی تھی۔ اردوئے زریں کے منگول دینِ اسلام کی بالادستی کے قائل تھے تو ایل خانی منگول دینِ نصرانیت کی حاکمیت کا مطالبہ کرتے تھے۔ دونوں گروہوں کے پاس اس قدر طویل رقبۂ سلطنت تھا کہ کوئی بھی فیصلہ کن معرکہ ممکن نہیں تھا۔ لاکھوں منگول ان آپسی جھڑپوں کی غذا بن چکے تھے مگر ابھی تک مدافعت ومزاحمت برقرار

تھی۔ اباقہ خان نے کئی بار بھرپور تیاری کے ساتھ اردوئے زرّیں پر چڑھائی کی مگر کچھ حاصل نہ ہوا، ہر بار اسے ناکام و نامراد واپس لوٹنا پڑا۔

''قاآن اعظم کا اگر فوری جواب دینے کا ارادہ نہیں ہے تو خادم کسی اور وقت میں حاضر ہو جائے گا''۔ اسقف نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا تو اباقہ خان خیالوں کے بھنور سے نکل آیا اور کسی قدر دھیمے لہجے میں بولا۔ ''مقدس باپ سے جا کر کہہ دیجئے کہ اس خادمِ مسیح کو کلیسا کی مصیبت کا بخوبی احساس ہے آپ فکرمند نہ ہوں کیونکہ بہت جلد ہی میں ارضِ مقدس کی طرف روانہ ہو جاؤں گا اور سلطان بیبرس کے ساتھ تو ہمارا ذاتی قرض بھی باقی ہے جسے اُتار کر میں یہ ثابت کر دوں گا کہ ایل خانی منگول ہی اس دُنیا کے اصل حاکم ہیں''۔

یہ سن کر اسقف کا چہرہ کھل اُٹھا۔ اس نے شکریئے کے طور پر تعظیم دی اور اجازت طلب کی۔ اباقہ خان اس کے جانے کے بعد اس خیال میں غلطاں ہو گیا کہ وہ بلادِ شام تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟

❁ ❁ ❁

سلطان بیبرس چند لمحے پہلے اپنے لشکر میں واپس لوٹا تھا۔ وہ اپنی مخصوص عادت کے مطابق تنہا فدائی لشکر میں گھوم کر ان کی تیاریوں کا جائزہ لے چکا تھا۔ فدائی لشکر تعداد میں کافی بڑا تھا مگر ان کے پاس عسکری آلات کی کمی تھی۔ یہی اہم بات تھی جس سے سلطان بیبرس نے فائدہ اُٹھانے کا فیصلہ کیا۔ قلعہ الکہف کی جانب سے کسی قسم کے خطرے کے پیشِ نظر سلطان بیبرس نے کئی دستے پڑاؤ کے مقام پر اس انداز میں تعینات کئے کہ وہ پھیلے ہوئے دکھائی دیئے۔ دور سے دیکھنے والا یہی خیال کرتا کہ وہ کوئی بڑا لشکر ہے۔ حفظ ماتقدم کے طور پر کچھ دستوں کو قریبی نشیبوں میں چھپا دیا گیا تاکہ قلعہ الکہف کی جانب سے ہونے والی کسی بھی سرگرمی پر بروقت قابو پایا جا سکے۔ تمام انتظامات سے فارغ ہو کر سلطان بیبرس نے تمام لشکروں کو عشاء کے وقت پڑاؤ اُٹھانے کا حکم دیا اور نہایت خاموشی سے پیش قدمی کی ہدایت کی۔ اسلامی لشکر اپنے ساز و سامان کے ساتھ دھیمی رفتار سے آگے بڑھا اور فدائی لشکر کے بالکل سامنے پہنچ کر خیمہ زن ہو گیا۔ یہ سب کارروائی اس قدر رازداری سے کی گئی کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی۔ قلعہ الکہف کے مکین یہی سمجھتے رہے کہ اسلامی لشکر ان کے قریب ہی موجود ہے۔

سلطان بیبرس رات بھر فدائی لشکر سے نبرد آزما ہونے کی تیاریوں میں مصروف رہا۔ تمام رات منجنیقوں اور سفر منہوں کو درست کیا گیا اور ہر قسم کی حربی تیاری مکمل کر لی گئی۔ جب صبح کی سپیدی چار سو پھیلی تو فدائی جنگجو اسلامی لشکر کو اپنے سروں پر دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ سلطان بیبرس انہیں مزید تیاری کرنے اور ہوشیار ہونے کا کوئی موقعہ نہیں دینا چاہتا تھا اسی لئے اس نے فوری طور پر طبل جنگ بجوا دیا۔ فدائی نقارہ کی آواز سن کر تیزی سے اپنی صفیں سیدھی کرنے لگے۔ اسلامی لشکر پہلے سے تیار کھڑا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد باقاعدہ لڑائی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دونوں جانب سے جوشیلے سپاہی آگے بڑھ کر ایک دوسرے سے بھڑ گئے۔ سلطان بیبرس اپنے سپاہیوں کی ہمت بندھانے کے لئے خود ان کے ساتھ درمیانی حصے میں پہنچ کر شمشیر زنی کی مہارت دکھاتا رہا۔ فدائی جنگجوؤں کو کافی طویل عرصے کے بعد باقاعدہ حربی معرکہ آرائی کا موقعہ ملا تھا اس لئے ان کی جارحیت شدید تھی۔ وہ اپنی فدائی سلطنت کے قیام و بقاء کے لئے بھی کوشاں تھے جو یقیناً ان کی شکست کی صورت میں بکھر کر رہ جاتا۔

سلطان بیبرس جہاں اپنی افواج کی ہمت بندھاتا رہا وہیں وہ فدائی جنگجوؤں کا جوش و جذبہ دیکھ کر بھی حیران ہوتا رہا۔ اسے شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ اگر وہ لوگ راہِ حق سے بھٹک نہ جاتے اور دینِ اسلام پر قائم و دائم رہتے تو یقیناً ہلاکو خان جیسے کئی منگول حکمران اکٹھے مل کر بھی بغداد فتح نہیں کر سکتے تھے۔ تمام دن

گھمسان کا رن پڑا مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اسی طرح روزانہ زوردار معرکہ آرائی ہوتی رہی اور پھر رات پڑ جانے پر معاملہ اگلے دن پر ملتوی ہو جاتا۔ تیرہ دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ سلطان بیبرس کو جلد ہی اس بات کی بھنک پڑ گئی کہ فدائیوں کا حاکم شیخ الجبال لڑائی کو جان بوجھ کر طول دے رہا ہے کیونکہ اسے صلیبی کمک کا بے چینی سے انتظار ہے۔ شیخ الرئیس کے تعلقات آرمینیہ و قسطنطنیہ سے بہت اچھے تھے جن کے باعث ممکن تھا کہ وہ دونوں ریاستیں سلطان بیبرس کے خلاف اس کی مدد کرنے سے نہ ہچکچاتیں۔ آرمینیہ سلطان بیبرس کے ہاتھوں زخم خوردہ تھی تو قسطنطنیہ کو اپنی سلامتی کے لئے فدائیوں کی مدد کرنا ضروری تھی۔ یہ مرحلہ تشویش ناک تھا کیونکہ سلطان بیبرس مکمل طور پر حصار میں تھا۔ عقبی جانب سے قلعہ الکہف کی کارروائی کا اندیشہ تھا تو بالائی جانب سے صلیبی اور تاتاری حریفوں سے نقصان پہنچنے کا احتمال تھا۔ سامنے کی جانب فدائیوں نے راستہ روک رکھا تھا۔ سلطان بیبرس نے وقت کی نزاکت کے تحت چودھویں دن اپنی افواج کو حکم دیا کہ پیش قدمی اور دو بدو لڑائی کو محدود کر دیا جائے اور منجنیقوں اور سفر منہوں کا کثرت سے استعمال کیا جائے۔ جب نقارۂ جنگ کی صدا گونجی تو ساتھ ہی منجنیقوں اور سفر منہوں نے اپنا منہ کھول دیا۔ بڑے بڑے پتھر اور جلتے ہوئے تیروں کی بارش نے فدائی لشکر کو بوکھلا ڈالا۔ کئی فدائی جان ہتھیلی پر رکھتے ہوئے منجنیقوں تک پہنچے مگر وہ کوئی کارروائی نہ کر پائے اور مجاہدین کے ہاتھوں لقمۂ اجل بن گئے۔

فدائی لشکر ڈھالوں کی چھاؤں میں آگے بڑھا مگر اسلامی لشکر نے اپنے حملوں میں اتنی شدت پیدا کر دی کہ انہیں پیش قدمی جاری رکھنا محال دکھائی دینے لگا۔ سلطان بیبرس تمام جانب مکمل طور پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ فدائیوں نے تمام دن مختلف انداز میں اسلامی لشکر کے قریب پہنچنے کی کوشش کی مگر انہیں خاص کامیابی نہیں ہو پائی۔ شام کو حسبِ معمول لڑائی بند ہو جانا چاہئے تھی مگر سلطان بیبرس نے حملے جاری رکھنے کی ہدایت کی۔ فدائی جنگجو اس غیر متوقع صورتِ حال سے پریشان ہو گئے۔ شیخ الرئیس نے سلطان بیبرس کے جارحانہ عزائم کو بھانپ لیا اور فدائی دستوں کو منظم انداز میں پیچھے ہٹانے لگا۔ سامنے کی جانب والے دستوں کو اسلامی لشکر سے الجھائے رکھتے ہوئے وہ نہایت عمدگی سے اپنے لشکر، کو قلعوں کے پاس لے گیا۔ سلطان بیبرس سمجھ چکا تھا کہ فدائی لشکر قلعے میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ اس نے اپنے سالاروں کو حکم دیا کہ وہ دشمن کو قلعے کے اندر جانے اور دروازہ بند کرنے کا ہرگز موقع نہ دیں۔ اسلامی لشکر آگے بڑھ کر پوری شدت سے حملہ آور ہوا مگر انہیں یہ قدم اُٹھانے میں دیر ہو چکی تھی۔ فدائی لشکر قلعہ بند ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ سلطان بیبرس نے قلعہ بانیاس کا محاصرہ کرتے ہوئے مجاہدین کو کڑی ہدایت کی کہ وہ رات کی نیند کو قربان کرتے ہوئے قلعہ پر سنگ باری کا سلسلہ جاری رکھیں۔ منجنیقوں کے منہ قلعے کی جانب موڑ دیئے گئے۔ جانے بڑے پتھروں پر چربی ڈال کر انہیں آگ لگا دی جاتی اور پھر انہیں قلعے کے اندر پھینک دیا جاتا۔ قلعہ کی فصیل بلند و بالا تو ضرور تھی مگر مجاہدین کے جذبے کے سامنے وہ حقیر پڑ گئی۔ آگ کے گولوں نے بہت جلد ہی کام دکھایا۔ قلعے کے مختلف حصوں میں آگ بھڑک اُٹھی۔ فدائی تمام رات آگ کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتے رہے۔

اگلی صبح فدائیوں نے اسلامی لشکر کی بے خوابی کا فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی۔ اسلامی لشکر گذشتہ آٹھ پہر سے سخت کوشی کے باعث تکان کا شکار ہو چکا تھا۔ انہیں فوری طور پر آرام کی ضرورت تھی مگر سلطان بیبرس نے ایسے جوشیلے الفاظ میں ان کے جذبہ ایمان کو چنگاری دکھائی کہ ان کی انگارہ آنکھوں میں سے شعلے پھوٹنے لگے۔ فدائی سپاہی فصیل کی آڑ میں سے مسلسل تیراندازی میں مصروف تھے۔ منجنیقوں نے چیختے ہوئے دوبارہ سنگ باری کا سلسلہ جو شروع کیا تو فصیل پر مورچے سنبھالے ہوئے سپاہی تاب نہ لا سکے اور تیزی سے فصیلوں

سے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ سلطان سبرس مجاہدین کی حوصلہ افزائی کے لئے خود بڑے بڑے پتھر اُٹھا کر منجنیقوں تک لاتا رہا۔

مجاہدین کا خصوصی دستہ کدالیں لے کر فصیل کی بنیادوں پر حملہ آور ہو گیا۔ پتھریلی زمین میں کدالیں چلانا بڑا دشوار کام تھا مگر ان کی محنت بہت جلد رنگ لائی اور وہ دوپہر تک فصیل کا بڑا حصہ کھوکھلا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کی جانب سے تکمیل کا اشارہ ملتے ہی سلطان سبرس کی ہدایت کے مطابق منجنیقوں نے فصیل کے اس حصے کو اپنا نشانہ بنایا۔ چند گھنٹوں کی خوفناک ضربوں کے بعد فصیل کا ایک حصہ خوفناک گڑگڑاہٹ کے ساتھ حسب توقع زمین بوس ہوتا چلا گیا۔ سلطان سبرس پہلے سے ہی اس موقعے کا منتظر تھا جونہی فصیل کا حصہ گرنا شروع ہوا تو سلطان سبرس نے مجاہدین کو تیز رفتاری سے اس حصے پر قبضہ کرنے کا حکم دیا کیونکہ اگر فدائی جنگجو اس حصے پر قابض ہونے میں کامیاب ہو جاتے تو لڑائی کا سلسلہ طول پکڑ سکتا تھا۔ مجاہدین بھی شاید اس بات سے واقف تھے اسی لئے انہوں نے رتی بھر کوتاہی نہیں کی اور اس حصے کے ساتھ ساتھ قلعے کے اندرونی راستوں پر بھی قابو لیا۔ اسی اثناء میں دوسری جانب کی فصیل بھی اسی طریق کار سے منہدم کر دی گئی۔ اسلامی لشکر کو دو اطراف سے راستہ مل چکا تھا۔ سلطان سبرس نے فدائیوں کا مکمل صفایا کرنے کا حکم جاری کیا تو مجاہدین جارحانہ انداز میں فدائیوں کو کاٹتے ہوئے قلعے کی اندرونی جانب بڑھنے لگے۔ فدائی جوش و جذبے کا بھرپور مظاہرہ کر رہے تھے مگر ان کی مدافعت و مزاحمت میں پہلے جیسی گرم جوشی نہیں تھی تمام دن کی لڑائی کے بعد رات کے آغاز پر فدائیوں نے ہتھیار پھینک دیئے اور امان کے طالب دکھائی دیئے۔

سلطان سبرس کو جب اس نئی صورتِ حال کی خبر ہوئی تو اس نے ہاتھ روک لینے کا حکم دیا۔ تمام فدائیوں کو گرفتار کر لیا گیا اور انہیں قلعے کے باہر لا کر ان کی مشکیں کس دی گئیں۔ قلعہ بانیاس کی مکمل تلاشی لی گئی اور خفیہ حصوں میں چھپے ہوئے فدائی بھی گرفتار کر لئے گئے۔ جو فدائی سپاہی معمولی سی مزاحمت کرنے کی کوشش کرتا تو بلا دریغ اسے موت کی نیند سلا دیا جاتا۔ فدائیوں کی گرفتاری کے بعد شیخ الجبال کی تلاش کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ لڑائی کے دوران ہی خفیہ راستوں سے فرار ہو کر قلعہ میصاف کی جانب فرار ہو گیا ہے۔ سلطان سبرس نے نصف لشکر کو آرام کرنے کی ہدایت کی اور نصف لشکر کو حالات پر نظر رکھنے کے لئے ہوشیار رہنے پر مامور کیا۔ تہجد کے وقت سوئے ہوئے سپاہیوں کو بیدار کر دیا گیا اور پہرہ دینے والوں کو سلا دیا گیا۔ تمام رات سلطان سبرس میدان جنگ کے اطراف میں گھوڑا دوڑاتے ہوئے حالات کا جائزہ لیتا رہا۔ اسے خدشہ تھا کہ قلعہ میصاف کی جانب سے کوئی تازہ دم فوج ان پر شب خون مارنے کی کوشش نہ کرے۔ جب صبح ہوئی تو سلطان سبرس نے تھوڑی دیر کے لئے آرام کیا اور پھر بیدار ہونے کے بعد قلعہ کو تباہ کرنے کا حکم دیا۔ اسی اثناء میں قلعہ الکہف کی جانب تعینات کئے گئے دستے بھی وہاں بلا لئے گئے۔ اسلامی لشکر کو بہت قلیل آرام میسر آیا۔ دوپہر کے بعد سلطان سبرس نے گرفتار شدگان کے ساتھ خطاب کرتے ہوئے انہیں دائرہ اسلام میں لوٹ آنے کی تلقین کی۔ فدائیوں کی گمراہی پر انہیں برا بھلا کہا اور ساتھ ہی ان پر واضح کر دیا کہ وہ مسلمان ہونے والے فدائی کو تو معاف کر دے گا مگر کسی مرتد کو زندہ نہیں رہنے دے گا۔ فدائیوں کی ایک بڑی جماعت نے اس اعلان کے خلاف احتجاج کیا اور اپنے مسلک کو درست قرار دیا۔ سلطان سبرس نے انہیں مختلف پیرایوں میں سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے تو بالآخر ان کی موت کا فرمان سنا دیا گیا۔ مجاہدین نے آناً فاناً ان مرتدین کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ایک مختصر تعداد جان کے خوف سے اس کارروائی میں الگ تھلگ کھڑی رہی۔ انہوں نے فدائی مذہب کو ترک کرنے کا اعلان کیا تو انہیں امان دی گئی۔ اکیس روز تک سلطان سبرس قلعہ بانیاس میں

موجود رہا۔ مجاہدین حکم شاہی کے مطابق قلعے کی بنیادیں کھودتے رہے۔ بائیسویں دن قلعہ اس قدر خستہ حال کھنڈر بنا دیا گیا کہ اس میں کسی کا قیام ممکن نہ رہا۔ قلعے کے تمام ساز و سامان کو آگ لگا کر خاکستر کر دیا گیا۔ سلطان سبرس نے مزید وقت ضائع کرنے کے بجائے لشکروں کو جمع کرتے ہوئے قلعہ میصاف کی جانب بڑھنے کا حکم دیا۔

❁ ❁ ❁

شیخ الرئیس ابو راضیاء سمجھ چکا تھا کہ اب حالات پہلے جیسے نہیں رہے۔ فدائیوں میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑنے کا جذبہ سرد پڑ چکا تھا یا پھر مشیت ایزدی ان کے طوفانِ فتنہ انگیز کو مزید برداشت کرنے پر تیار نہیں تھی۔ شیخ الرئیس کو جس بات کا سب سے زیادہ صدمہ تھا وہ صلیبی حلیفوں کی بے وفائی و بے اعتنائی تھی۔ انہیں بار بار مدد کے لئے پیغام بھیجنے کے باوجود کسی نے بھی کوئی ایسا اشارہ نہیں دیا جس سے ان کی ذرا سی ہمت بندھ پاتی۔ اس نازک ترین دور میں پہلی بار شیخ ابو راضیاء کو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا کہ اس نے گل دقوز کی بات مان کر غلطی کی تھی۔ شیخ کبیر الدین اگر زندہ ہوتا تو یقیناً حالات کا رُخ کچھ اور ہوتا۔ اس نے اپنے داعی رفقاء کے ساتھ طویل نشست میں صلاح و مشورہ کیا۔ سلطان سبرس کے تیور دیکھتے ہوئے انہیں بخوبی اندازہ تھا کہ وہ انہیں ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کا عزم کئے ہوئے ہے۔ کچھ رفقاء نے سلطان سبرس کے ساتھ معاہدہ امن کا مشورہ دیا مگر پُرجوش داعیوں نے یہ پسپائی و ذلت گوارہ نہیں کی اور قلعہ بند ہو کر لڑائی کو ترجیح دی۔ ابھی وہ کسی نتیجے پر پہنچ نہیں پائے کہ اسلامی لشکر نے قلعہ میصاف کا گھیراؤ کر لیا اور تاخیر کئے بغیر منجنیقوں سے سنگ باری شروع کر دی۔ قلعہ بانیاس کے حشر کی بازگشت پہلے ہی یہاں پہنچ چکی تھی اس لئے اہل قلعہ خوف و ہراس میں مبتلا ہو گئے۔

قلعہ میصاف میں عام فدائی سپاہیوں کے علاوہ بڑی تعداد میں جنگجو عورتیں موجود تھیں جنہیں خنجر زنی کی خصوصی مہارت سے آراستہ کیا گیا تھا۔ شیخ ابو راضیاء نے قلعے میں موجود افراد کی تفصیل معلوم کی تو اسے بڑی مایوسی ہوئی کیونکہ قلعے میں عورتوں سمیت سپاہیوں کی تعداد سات ہزار تھی۔ فدائیوں کی بڑی تعداد پہلے معرکے کی بھینٹ چڑھ چکی تھی۔ شیخ ابو راضیاء نے اپنی عسکری قوت کی کمی کے پیشِ نظر اس بات پر زور دیا کہ فی الوقت سلطان سبرس کے ساتھ صلح کر لینا زیادہ بہتر ہے مگر داعیوں نے اسے خوف سے تعبیر کرتے ہوئے فیصلہ کن جنگ لڑنے کا اعلان کیا۔ شیخ ابو راضیاء کو فدائیوں کی شکست واضح دکھائی دے رہی تھی مگر وہ اپنے داعیوں کے ہاتھوں مجبور ہو چکا تھا۔

تمام سپاہیوں کو فصیلوں پر تعینات کر دیا گیا تاکہ وہ اسلامی لشکر کو فصیل میں شگاف ڈالنے سے باز رکھیں۔ فصیل ہے تیروں کی بوچھاڑ کی گئی جس کے باعث اسلامی لشکر کو کسی قدر پیچھے ہٹنا پڑا۔ سلطان سبرس نے صورتِ حال کو طول دینے کے بجائے آگ کے گولے برسانے کا حکم دیا۔ بڑے بڑے پتھر آگ کے شعلوں میں لپٹے ہوئے قلعے کے مختلف حصوں کو نشانہ بنانے لگے۔ فصیل پر ایسے تابڑ توڑ حملے کئے گئے کہ فدائیوں کے لئے مورچے سنبھالنا مشکل ہو گئے۔ دو دن کی لڑائی کے بعد ہی اسلامی لشکر فصیل میں شگاف ڈالنے میں کامیاب ہو گیا اور پھر مجاہدین نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے قلعہ میصاف میں داخل ہو گئے۔ مجاہدین نے سلطان سبرس کے حکم کا انتظار کئے بغیر ہی نہایت بے دردی سے مرتد فدائیوں کا صفایا کرنا شروع کر دیا۔ قلعہ میصاف کے گلی کوچے لاشوں سے بھر گئے۔ ہر طرف خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ یہ لڑائی اس قدر شدید تھی کہ مجاہدین نے بلاتمیز قتل عام کیا۔ فدائی عورتیں بھی تیزیٔ شمشیر سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ شیخ ابو راضیاء اور اس کے خاص رفقاء اور

منتظمین سلطنت بھی بچ نہ سکے اور گمنامی و ذلت کی موت مارے گئے۔ سلطان بیبرس اطمینان سے قلعہ کے باہر اپنے خیمے میں جیٹھا رہا۔ شام پڑنے پر مجاہدین کو ہاتھ روکنے کا حکم دیا گیا اور بچے ہوئے افراد کو گرفتار کرنے کا حکم دیا گیا۔ قلعے کے مختلف حصوں سے چھپے ہوئے افراد کو نکال کر باہر لایا گیا۔ ان کی تعداد بارہ سو کے قریب تھی۔ سلطان بیبرس نے انہیں بھی دین اسلام پر واپس لوٹنے کی ترغیب دی جس پر وہ بلا تردد متفق دکھائی دیئے۔

سلطان بیبرس نے فدائیوں کے تین اہم قلعوں کی فتح کے بعد قلعہ الکہف کی جانب توجہ کی۔ یہ قلعہ بھی زیادہ مدافعت نہ کر سکا اور ایک ہفتے کی مزاحمت کے بعد ڈھیر ہو گیا۔ فدائیوں کی کثیر تعداد کو بے دریغ ہلاک کر دیا گیا۔ سلطان بیبرس نہایت اطمینان سے فدائیوں کا خاتمہ کرتا چلا گیا۔ چوبیس قلعوں کو ان کے قبضے سے چھڑا کر سلطانی تحویل میں لے لیا گیا۔ کچھ قلعوں کو تباہ و برباد کر دیا گیا جبکہ کچھ اہم قلعوں کی مرمت کرتے ہوئے وہاں اسلامی چھاؤنیاں بنا دی گئیں۔ گیارہ ماہ تک جاری رہنے والی اس پُر صعوبت مہم سے فارغ ہو کر سلطان بیبرس نے قاہرہ واپسی اختیار کی۔ باطنی فدائیوں پر سلطان بیبرس کی اس کاری ضرب نے ان کا کلیتہً خاتمہ کر دیا تھا۔ بلادِ شام کے اطراف میں موجود یہ خطرہ ہمیشہ کے لئے مٹ چکا تھا۔ باطنی فدائیوں کی ہولناک تباہی کا اثر قریبی تمام صلیبی حلقوں پر پڑا اور وہ بے چین دکھائی دیئے کیونکہ سلطان بیبرس کی اسلامی سلطنت کی سرحدیں ان کے بالکل ساتھ جڑ چکی تھیں۔ ان کے خاص فدائی حلیف طبقے کا وجود ختم ہو چکا تھا۔ سلطان بیبرس نے اس قدر سخت انتظامات کیے کہ قلعوں میں سے کوئی شخص پہاڑی علاقوں میں فرار نہ ہو پایا۔ مختلف خفیہ راستوں کو پہلے ہی منہدم کر دیا گیا تھا۔ اگر کچھ فدائی ان پہاڑی علاقوں میں روپوش ہونے میں کامیاب بھی ہوئے تھے تو ان کی روپوشی اسلامی ریاست کے لئے نقصان دہ نہیں تھی کیونکہ وہاں قائم کی گئی چھاؤنیاں ان کے خاتمے کے لئے ہر وقت موجود تھیں۔ سلطان بیبرس نے گرفتار شدہ فدائی افراد کو بلادِ مصر کے مختلف شہروں میں آباد کرتے ہوئے یوں بکھیر دیا کہ وہ شاید ہی کبھی ایک دوسرے کی شکل دیکھ پائے۔ ان فدائیوں کی کڑی نگرانی رکھی گئی جو کوئی مشکوک حرکت میں مبتلا دیکھا گیا تو فوراً اس کی خبر گیری کی گئی۔ چند بار کی کھچائی کے بعد فدائیوں کو یقین ہو گیا کہ انہیں اگر بلادِ اسلامیہ میں رہنا ہے تو وہ صرف پُر امن مسلمان شہری بن کر ہی رہ سکتے ورنہ کوئی خفیہ مخبر انہیں زندگی کی قید سے نجات دلا دے گا۔ سلطان بیبرس کی حکمت عملی کے باعث مرتدین اسلام کا یہ گروہ پُر امن شہری بننے پر مجبور ہو گیا۔ حسن بن صباح کی شروع کی ہوئی اسلام دشمن تحریک ایک سو بیاسی سال تک اپنی فتنہ انگیزی اور دہشت گردی کا طوفان برپا کرنے کے بعد صفحہ ہستی سے مٹا دی گئی۔ سلطان بیبرس کے اس اہم قدم کے باعث تمام علماء دین اور اسلام پسند عناصر نے اسے بھرپور خراجِ تحسین پیش کیا۔

❁ ❁ ❁

گل وتوژ قلعہ بانیاس کی لڑائی کا انجام دیکھتے ہی سمجھ گئی تھی کہ اب بازی اس کے ہاتھوں سے نکل چکی ہے لہٰذا اس کا مزید وہاں موجود رہنا خطرے سے خالی نہیں ہو گا۔ اسی لئے اس نے اپنے گھوڑے کو تیار کیا اور ضروری اسباب کاٹھی سے باندھ لئے۔ جونہی شام کے سائے گہرے ہوئے تو اس نے اپنے سفر کا آغاز کیا۔ وہ تیز رفتاری سے اس عتاب زدہ علاقے سے نکل جانا چاہتی تھی۔ وہ پہاڑی راستوں سے سفر کرتی ہوئی کوہ قفقاز کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ اسے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ اس کی منزل کیا ہے اور اسے اب کس جانب جانا چاہئے؟

کوہ قفقاز کے نزدیک پہنچتے ہی اس کی نگاہ مخصوص قسم کے مورچوں پر پڑی جو پہاڑیوں پر ایک ترتیب سے بنائے گئے تھے اسے یہ مورچے دیکھ کر کچھ عجیب سا احساس ہونے لگا وہ گہری سوچ میں پڑ گئی کہ ان مورچوں میں ایسی کیا خاص بات ہے جو اسے پریشان کرنے کا سبب بن رہی ہے۔ تھوڑی دیر تک غور کرنے

کے بعد اس کا ذہن جیسے کھل سا گیا۔ اس کے چہرے پر گہری مسکراہٹ رینگنے لگی۔ اس کی یادداشت نے وہ خاص بات اس پر عیاں کر دی تھی مورچوں کی تعمیر کا انداز زرّیں خیل قبائل کا تھا۔ اسے یہ اندازہ لگانے میں مشکل پیش نہ آئی کہ وہ زرّیں خیل سلطنت کے بالکل قریب پہنچ چکی تھی۔ اسی سلطنت کے دارالحکومت سرائے میں اس کے اپنے مقیم تھے۔ اپنوں کی یاد نے اسے چند لمحوں کے لئے جھنجوڑ دیا مگر دوسرے ہی لمحے اس کا تلخ ماضی اس کا منہ چڑانے لگا۔ اس کے سگوں نے ہی تو اس کا جینا دوبھر کر دیا تھا۔ اس کی زندگی کی خوشیوں کو اپنے مفادات کے لئے بربادی میں بدل ڈالا۔ اسی لمحے تخیل کے پردوں پر اسے اپنے نانا منک آنہ کا مکروہ چہرہ دکھائی دیا جو اسے آخری رسم کی بھینٹ چڑھا کر اطمینان سے زندگی بسر کر رہا ہو گا۔ اپنی بربادی کے ایک مجرم شنگ خان کو تو گل وتوژ نے سزا دے ہی دی تھی مگر اس کا اصلی مجرم قبیلہ سرخ غر کا سردار منک آنہ ابھی باقی تھا۔ اسی لمحے گل وتوژ نے فیصلہ کر لیا کہ اگر اس نے زندگی کا بڑا حصہ سسکتے تڑپتے گزارا ہے، تو ان لوگوں کو بھی زندہ رہنے اور ہنسی خوشی کی زندگی بسر کرنے کا حق نہیں دے گی۔ وہ ان کی زندگی کو جہنم کا نمونہ بنا ڈالے گی۔ اسی لمحے اس نے اپنے گھوڑے کی باگیں سرائے کی جانب موڑ لیں، اسے اپنی منزل اور جینے کا مقصد مل چکا تھا...... خون کے رشتوں کی خوشیوں کا خاتمہ!

❁ ❁ ❁

وہ برق رفتار گھڑ سوار ہوا سے باتیں کرتا ہوا ٹریپولی کی جانب بڑھ رہا تھا۔ شکل و صورت سے وہ عیسائی زائر دکھائی دے رہا تھا جو کہ کسی مقدس مقام کی زیارت کے لئے ٹریپولی پہنچنا چاہتا تھا۔ اس کے گھوڑے کے عقبی جانب ایک ہرن لٹک رہا تھا جسے شاید اس نے راستے میں شکار کیا ہو۔ ٹریپولی عیسائیوں کا ایک بڑا قلعہ نما شہر تھا جسے سلطان بیبرس سے معاہدہ امن کی صورت میں محفوظ کر لیا گیا تھا۔ یہ شہر انطاکیہ کے ساتھ متصل تھا اور نہایت خشک اور پتھریلے علاقے پر واقع تھا۔ شام و لبنان سے نکالے گئے عیسائی اور صلیبی بھگوڑے یہیں پناہ گزین تھے انہی میں انطاکیہ کا سابق بادشاہ بوہمنڈ (بوہیمان) بھی شامل تھا۔ شاہ بوہمنڈ جن دنوں ریاست نوبہ میں گیا ہوا تھا، انہی دنوں میں سلطان بیبرس کی زبردست یلغار اس کی سلطنت کو بہا لے گئی تھی۔ ارضِ نوبہ سے شکستہ حال وہ ٹریپولی پہنچا اور وہیں مقیم ہو گیا۔ اس کی نئی ریاست انطولیہ قرار پائی تھی۔ یہ ریاست برائے نام ہی تھی کیونکہ نہ تو اس میں زیادہ آبادی تھی اور نہ ہی زیادہ رقبہ۔ خشک سالی کی دشوار زندگی گزارنے کے بجائے عیسائی خاندان قریبی ریاست قسطنطنیہ میں چلے جانا زیادہ بہتر سمجھتے تھے پھر بھی عیسائیوں کی کافی بڑی تعداد یہاں آباد تھی۔

وہ گھڑ سوار جب ٹریپولی پہنچا تو شکار کیا ہوا ہرن دیکھ کر بے شمار افراد کے منہ کھلے رہ گئے۔ گھڑ سوار نے چند لوگوں سے شاہی دربار کا راستہ معلوم کیا اور سیدھا دربار جا پہنچا۔ اس نے درباری محافظوں کو اطلاع دی کہ وہ بلادِ مصر کا قاصد ہے اور ایک ضروری سلسلے میں شاہ بوہمنڈ سے ملنے کا خواہش مند ہے۔ جب شاہ بوہمنڈ کو معلوم ہوا کہ سلطان بیبرس کی جانب سے کوئی پیغام آیا ہے تو وہ حیران دکھائی دیا۔ اس نے قاصد کو دربار میں طلب کر لیا۔ قاصد بڑے فخریہ انداز میں کندھوں پر ہرن ڈالے ہوئے دربار میں داخل ہوا۔ سب لوگ حیرت سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔ قاصد سے آمد کا مقصد دریافت کیا گیا تو اس نے ہرن فرش پر ڈالتے ہوئے مخصوص سفارتی انداز میں کہا۔

''شاہ بوہمنڈ! میرے آقا الملک الظاہر سلطان رکن الدین محمود بیبرس کو بے حد افسوس ہے کہ آپ انطاکیہ سے بے دخل کئے جانے کے بعد اس پتھریلے ملک میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ انطاکیہ کی بہاریں

تو آپ کو واپس مل نہیں سکتیں جہاں آپ بلاخوف ہرن کے شکار کا شوق فرمایا کرتے تھے۔ چونکہ ٹرپولی میں تو ہرن دستیاب نہیں ہوتے لہٰذا میرے آقا نے خود اپنے ہاتھوں سے یہ ہرن شکار کر کے آپ کے لئے بطور ہدیہ بھیجا ہے تاکہ آپ کے جذبات کو تسکین مل سکے۔ اسے قبول کر کے میرے آقا کو شکر گزار ہونے کا موقعہ دیجئے''۔

قاصد کی کڑک دار آواز نے پورے دربار پر گہرا سکوت طاری کر دیا تھا شاہ بوہمنڈ اس عجیب پیغام اور تحفے کو دیکھ کر کافی پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے کمزور لہجے میں سلطان سہرس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس تحفے کو قبول کرنے کا اظہار کیا۔ قاصد کو شاہی مہمان خانے میں ٹھہرائے جانے کا حکم دیا گیا تو قاصد نے معذرت کرتے ہوئے فوری واپسی پر اصرار کرتے ہوئے بتایا کہ سلطان سہرس اس کے جواب کا بے تابی سے منتظر ہے۔ یہ دوسری بات تھی جس نے پورے دربار کو سراسیمگی میں مبتلا کر دیا کہ سلطان سہرس ٹرپولی کے قریب ہی موجود ہے۔ شاہ بوہمنڈ نے سلطان سہرس کے نام پیغام میں پوری یقین دہانی کرائی کہ وہ کسی بھی ایسی نامناسب سرگرمی میں شامل نہیں ہے جو بلادِ اسلامیہ کے خلاف ہو اور نہ ہی اس کا ریاست قسطنطنیہ کے کسی معاملے میں شریک بننے کا کوئی ارادہ ہے، سلطان سہرس کو اس کی جانب سے بےفکر رہنا چاہئے۔

قاصد اجازت لے کر وہاں سے نکلا اور دربار سے باہر کھڑے ہوئے گھوڑے پر سوار ہوا۔ ابھی وہ چلنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ ایک شخص تیزی سے اس کی جانب بڑھا۔ قاصد چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ شخص قریباً ہانپ رہا تھا۔ خشک موسم اور ہلکی سردی کے باوجود اس کا چہرہ پسینے سے شرابور تھا۔

''سنو بھائی! کیا تم مجھے اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو؟'' وہ شخص تیزی سے بولا۔

''میں تو شاہی قاصد ہوں، میں بھلا تمہیں اپنے ساتھ کیسے لے جا سکتا ہوں؟''

''میں تمہیں خداوند یسوع کا واسطہ دیتا ہوں..... میں اس خوفناک پتھریلی زندگی سے عاجز آ چکا ہوں، مہربانی کر کے مجھے اپنے ساتھ ارضِ مقدس لے چلو''۔

''کیا تمہیں یقین ہے کہ میں ارضِ مقدس ہی واپس لوٹوں گا؟''

''کیا مطلب؟..... تم ارضِ مقدس میں نہیں رہتے ہو''۔ اس شخص کا چہرہ حیرت سے اٹ گیا

''میں نے بتایا تو ہے کہ میں شاہی قاصد ہوں۔ میں یہاں سے سیدھا سلطان کے پاس جاؤں گا جو کہ آج کل دمشق میں موجود ہے''۔

''تو تم مجھے دمشق ہی لے چلو''۔ وہ شخص لجاجت بھرے لہجے میں بولا۔

''تمہیں یہاں رہنے میں کیا مسئلہ درپیش ہے؟'' قاصد نے دریافت کیا۔

''بھائی کیا بتاؤں! جب انطاکیہ میں رہتا تھا تو زندگی کی سب آسائشیں میسر تھیں جب سے وہاں سے دربدر ہوا ہوں اسی دن سے افلاس و فقر نے میرا گھر دیکھ لیا ہے''۔

''مگر میرے آقا نے انطاکیہ سے تو کسی عیسائی کو زبردستی نہیں نکالا''۔

''اس قصے کو جانے دو۔ تم مجھے دمشق لے چلو وہاں کم از کم کچھ کرنے کو تو ملے گا یہاں تو کرنے کے لئے کام بھی نہیں ملتا''۔ وہ شخص اپنی ضد پر قائم تھا۔

''یہ بات تو طے ہے کہ میں تمہیں اپنے ساتھ دمشق نہیں لے جا سکتا البتہ تمہیں اپنی ایک قیمتی انگوٹھی دے سکتا ہوں اسے شاہی دربار میں دکھا کر تم کچھ انعام پا سکتے ہو۔ اس رقم سے کچھ کر سکو تو مجھے خوشی ہوگی''۔ قاصد نے اپنی انگلی سے ایک انگوٹھی اتار کر اس کے حوالے کی اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ وہ شخص انگوٹھی ہاتھ میں

لئے شکر گزار نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتا رہ گیا۔ وہ ابھی انگوٹھی ٹٹول رہا تھا کہ دو درباری محافظوں نے تیزی سے اسے اپنے نرغے میں لے لیا۔ وہ شاید پہلے سے ہی اسے تاڑے بیٹھے تھے۔ وہ شخص انگوٹھی ہاتھ سے جاتی دیکھ کر بلند آواز میں شور و غلغلہ مچانے لگا۔ محافظوں نے جب معاملہ بگڑتا دیکھا تو وہ اسے گرفتار کر کے دربار میں لے گئے اور اس پر قاصد کے ساتھ ساز باز کا الزام لگایا۔ شاہ بوہمنڈ ابھی تک سلطان سہرس کے پیغام کے سحر میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے نرمی سے اس شخص سے معاملہ دریافت کیا۔ اس شخص نے قاصد کے ساتھ ہونے والی تمام گفتگو دہرا دی۔ شاہ بوہمنڈ نے جب یہ سنا کہ وہ انگوٹھی دکھا کر دربار سے انعام حاصل کر سکتا ہے تو اس کے دل میں اشتیاق پیدا ہوا کہ انگوٹھی میں ایسی کیا بات ہے جو اسے انعام دینے پر مجبور کر دے گی۔ اس نے انگوٹھی ہاتھ میں لی اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ انگوٹھی قیمتی اور نفیس تھی جس کے بڑے نگینے پر الملک الظاہر کے الفاظ کندہ تھے۔ شاہ بوہمنڈ یہ عبارت دیکھ کر شک و شبے میں مبتلا ہو گیا۔ اس نے چند افراد کو انگوٹھی کا معائنہ کرنے کا حکم دیا۔ تھوڑی دیر بعد سب کی رائے اس کے پاس پہنچ گئی کہ یہ انگوٹھی بلادِ اسلامیہ کے سلطان سہرس کی ہی تھی۔ شاہ بوہمنڈ قاصد کے پاس اس انگوٹھی کی موجودگی کے بارے میں غور کر رہا تھا کہ ایک درباری مصاحب نے اُٹھ کر دھیمے لہجے میں بتایا کہ وہ کافی دیر تک اس شک میں مبتلا رہا تھا کہ یہ قاصد عیسائی زائر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ اتفاق سے اس نے انطاکیہ کی جنگ میں سلطان سہرس کی ایک جھلک دیکھی تھی، اس لئے وہ اس قاصد میں اس کی شباہت کو محسوس کر رہا تھا مگر چونکہ یہ ناممکنات میں سے تھا کہ سلطان سہرس خود یہاں آتا اس لئے اسے یہ سب وہم لگا مگر انگوٹھی کے معاملے کے بعد وہ اسی نتیجے پر پہنچا ہے کہ قاصد کے روپ میں آنے والا شخص کوئی اور نہیں سلطان سہرس خود ہی تھا۔ اس کی تصدیق پر پورے دربار کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ ہر شخص کا چہرہ مجسمۂ حیرت بنا دکھائی دیا۔ شاہ بوہمنڈ کی حالت بھی ان سے الگ نہیں تھی۔ اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار نمایاں تھے۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ سلطان سہرس کا مقصد کیا تھا۔

سلطان سہرس ٹرپولی قاصد کے بہروپ میں صرف یہ جائزہ لینے آیا تھا کہ قسطنطنیہ کا رستہ کیسا دشوار ہے اور انطولیہ کی حکومت اس سے کس قدر مزاحم ہو سکتی ہے؟ ہرن کا شکار تو ایک بہانہ تھا جو کہ دربار تک رسائی کا ذریعہ بنا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ سلطان سہرس نے قاصد کے روپ میں شاہ بوہمنڈ کو پوشیدہ الفاظ میں دھمکی دی تھی کہ اگر وہ اب بھی اسلامی لشکر کی راہ میں آیا تو اسے شکار پہنچانے کی نوبت بھی باقی نہیں رہے گی۔

❀ ❀ ❀

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مطیع الدین کی حالت کافی خراب ہو چکی تھی تنہائی اور اندھیری قید کی صعوبتوں نے اسے نیم دیوانہ بنا ڈالا وہ اکثر بیٹھے بیٹھے خود ہی سے باتیں کرتا رہتا۔ کبھی وہ بلند آواز میں قہقہے لگاتا رہتا تو کبھی زنداں خانے کے در و دیوار سے اس کی آہ و بکا کی سسکیاں سر ٹکراتی رہتیں اس کی زندگی قبر کا نمونہ بن کر رہ گئی۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اس کی یادداشت بھی کمزور پڑ چکی تھی۔ اسے صحیح طرح سے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ وہ اپنی زندگی کے کتنے برس اس زنداں خانے میں بسر کر چکا تھا۔ وہ کبھی کبھی یہ بھی سوچتا کہ سید احمد البدویؒ نے شاید اسی طرف اسے اشارہ دیا تھا اور یہی وہ تیسرا چکر تھا جس میں صرف پچھتاوے اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ عجیب بات یہ تھی کہ وہ اس تنہائی و تاریکی کی قید سے نجات کے لئے مرنا چاہتا تھا مگر موت اس سے کوسوں دور بھاگ رہی تھی۔ چند ایک بار وہ بیمار بھی ہوا مگر طبیب کی فوری کوششوں نے اسے موت کے کنویں میں گرنے سے بچا لیا۔

پھر وہ دن اس کی زندگی میں ایک نیا پن لایا جب اسے اس تاریک زنداں سے باہر نکالا گیا اور اس کی

وضع قطع درست کی گئی۔ اس کے بڑھے ہوئے الجھے بالوں کو جب تراشا گیا تو مطیع الدین کا چہرہ بجھ سا گیا۔ کٹے ہوئے بالوں میں کئی سفید گچھے موجود تھے جو کہ اس کی ڈھلتی ہوئی جوانی کا منہ بولتا ثبوت تھے۔ بڑھاپے کے آثار دیکھ کر وہ خاموش رہا۔ جانے کیوں اس میں اتنی ہمت ہی پیدا نہ ہو پائی کہ وہ کسی سے یہ دریافت کر لیتا کہ یہ تبدیلی کیونکر رونما ہوئی ہے؟ اسے نہلا دھلا کر سفید لباس پہنایا گیا اور عمدہ کھانا پیش کیا گیا۔ مطیع الدین کھانا کھانے کے بجائے محض خلاء کو گھورتا رہا۔ دربانوں نے اسے کھانا کھانے کے لئے کہا تو وہ باوجود کوشش کے کچھ نہ کھا پایا۔ دسترخوان سمیٹ لیا گیا۔ شام کے وقت اسے آگاہ کیا گیا کہ اسے کچھ دیر بعد سلطان سہرس کے سامنے پیش کیا جانے والا ہے۔ یہ خبر سن کر وہ چپ رہا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ارزق کا چہرہ نمودار ہوا۔ وہی ارزق جسے اس نے اپنا دوست سمجھا تھا مگر اچانک وہ سلطان سہرس ثابت ہوا اور اس نادیدہ دوست نے اچانک اس کی زندگی کو تاریکیوں کے حوالے کر دیا۔

شام کو مطیع الدین کو سلطان سہرس کے خاص شاہی کمرے میں لے جایا گیا۔ سلطان سہرس قیمتی قالین کے فرش پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا تھا۔ مطیع الدین کو اس کے مقابل بٹھا دیا گیا۔ سلطان سہرس نے محافظ کو اشارہ کیا تو وہ باہر نکل گیا۔ کچھ دیر تک دونوں جانب گہری خاموشی چھائی رہی۔ سلطان سہرس مطیع الدین کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ مطیع الدین کی آنکھیں کسی قدر اندر دھنس چکی تھیں اور جبڑے کی استخوانی ہڈیاں زیادہ واضح دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ بوڑھا دکھائی دے رہا تھا۔ سلطان سہرس کچھ دیر بعد اس سے مخاطب ہوا۔

''مجھے افسوس ہے کہ دوسری مصروفیات کے پیشِ نظر مجھے تمہارا خیال نہیں رہا اور تم اپنے جرم سے زیادہ سزا بھگتتے رہے''۔

''میں فدائی تو نہیں تھا''۔ مطیع الدین نے دھیمے انداز میں شکوہ کیا۔

''تم کیا تھے اور کیا ہو..... اس بارے میں تمہیں کوئی صفائی دینے کی ضرورت نہیں ہے، یہ میری غلطی ہے کہ مجھے تمہارا معاملہ بہت پہلے نبٹا دینا چاہئے تھا مگر شاید قدرت کو ایسا منظور نہیں تھا''۔

''میں تمہیں اپنا دوست سمجھتا تھا مگر.....'' مطیع الدین نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

''میں آج بھی تمہارا دوست ہوں، اگر آج تم میرے سامنے بیٹھے ہو تو یہ ایک دوست کی ہمدردی ہے ورنہ تم شاید یونہی کسی دن زنداں میں ہی مر جاتے''۔ سلطان سہرس نے جواب دیا۔

''میرا جرم کیا تھا جو مجھے یہ سزا دی گئی''۔ مطیع الدین نے تلخی سے پوچھا۔

''مرتدوں کے ساتھ دوستی کرنا اور ان کے عزائم کو پایہ تکمیل پہنچانے کی کوشش کرنا، یہی تمہارا حقیقی جرم تھا۔ تم خلیفہ اسلام کی جان کے درپے تھے۔ فدائیوں کے ہاتھوں میں کھیل کر تم مسلمانوں کو وہ سنگین نقصان پہنچانے والے تھے جس کا ازالہ ہونا بڑا مشکل تھا۔ میں نے دن رات ایک کر کے تمام امت کو یکجا کیا، ان میں اتحاد و یکجہتی کو فروغ دیا اور انہیں احساس دلایا کہ وہ کمزور نہیں ہیں صرف ان کے جذبۂ ایمان پر زندگی سے محبت اور مال و حرص کی دھول پڑ گئی تھی۔ مسلمانوں کو بکھرنے سے بچانے کے لئے میں نے قاہرہ میں خلافت کی شمع روشن کی اور تم اپنی خودغرضی کے پیشِ نظر اسے ہی بجھانا چاہتے تھے۔ افسوس صد افسوس..... قسم خدا کی تمہارا جرم ایسا بھیانک ہے کہ اگر میں تمہیں اسی وقت موت کی سزا سنا دیتا تو بھی مجھے کوئی دُکھ نہ ہوتا۔'' سلطان سہرس کا لہجہ درشت ہو گیا تھا۔ مطیع الدین کا چہرہ ندامت میں ڈوب گیا اور سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔

''مطیع الدین!'' سلطان سہرس کچھ توقف سے بولا۔ ''تم بھی دوسروں کی مانند ایک انسان ہو، چونکہ

غلطیاں کرنا انسان ہی کا کام ہے، اس لئے تم نے بھی ایک غلطی کی اللہ تعالیٰ نے مجھے سلطان بنایا۔ لوگوں کے حقوق اور جان و مال کی حفاظت مجھے سونپی، میں نے اس اعزاز کو اپنی جان و آرام سے مقدم سمجھا اور ہمیشہ اس کی انجام دہی میں مصروف رہا۔ ممکن ہے کہ اس دوران مجھ سے بھی غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئی ہوں، جن کے لئے میں اپنے مالک سے ہمیشہ معافی کا خواستگار رہتا ہوں اور مجھے قوی امید ہے کہ وہ مجھے معاف کر دے گا۔ اگر میرا رب مجھے معاف کرنے کا اختیار رکھتا ہے تو مجھے بھی دوسروں کی غلطیوں کو معاف کرنے کی اہلیت کا ظرف پیدا کرنا ہوگا میں نے تمہیں صرف اسی لئے زنداں سے باہر نکلوایا ہے کہ تمہیں مزید تزادینے کے بجائے عزت کی زندگی بسر کرنے کا ایک اور موقعہ فراہم کر سکوں شاید یہ موقعہ تمہاری سزا کی صعوبت کا کچھ مداوا کر دے''۔

مطیع الدین کے چہرے پر ندامت کسی قدر کم ہوئی تو ذہن کے دریچوں میں روشنی پھیلنے لگی وہ یہ سوچ رہا تھا کہ یہ سب کچھ سلطان سہرس کو کیسے معلوم ہو گیا؟

''کیا تمہیں کامل یقین ہے کہ میں یہاں سے باہر نکل کر دوبارہ فدائیوں سے نہیں ملوں گا؟'' اچانک اس نے لاشعوری انداز میں سوال کیا۔ سلطان سہرس کے چہرے پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی اس نے قریب پڑی ہوئی نفیس صراحی سے شربت ایک جام میں انڈیلا اور مطیع الدین کی جانب بڑھا دیا۔ مطیع الدین تذبذب میں مبتلا تھا۔

''یقیناً اب تم کسی بھی فدائی سے ملاقات نہیں کر سکو گے..... اس لئے کہ بلادِ شام کے اطراف میں کوئی فدائی زندہ نہیں بچا''۔ سلطان سہرس نے بتایا تو مطیع الدین کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

''تم کیا کہہ رہے ہو؟'' مطیع الدین بمشکل بول پایا۔

''اسلامی لشکر نے شدید کارروائی کے بعد تمام فدائی قلعوں پر قبضہ کر لیا ہے اور تمام فدائیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے البتہ جو توبہ کرنا چاہتے تھے انہیں امان دے کر مختلف شہروں میں بھیج دیا گیا ہے۔ اگر تم وہاں جانا چاہو تو میں تمہیں وہاں بھجوانے کا انتظام کر دیتا ہوں تاکہ تم اپنی آنکھوں سے حقیقت کا مشاہدہ کر لو''۔

مطیع الدین گنگ بیٹھا رہ گیا۔ اس کا ذہن بار بار گل و توڑ کی جانب بھٹک رہا تھا۔ ''تو کیا گل و توڑ بھی ماری گئی''۔ ایک خیال ذہن میں پیدا ہوا۔ سلطان سہرس اطمینان سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا پھر جیسے شاید اسے کچھ خیال آیا۔

''ہاں ایک بات تو میں تمہیں بتانا ہی بھول گیا کہ ان فدائیوں کے بیچ میں مجھے ایک ایسی عورت کو دیکھنے کا موقعہ ملا جو یقیناً تاتاری النسل تھی۔ وہ تمام کارروائی کے دوران فدائیوں سے الگ تھلگ رہی اور ایک بلند پہاڑی پر بیٹھ کر شاید یہ سمجھتی رہی کہ وہ ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے''۔

''وہ یقیناً گل و توڑ ہوگی''۔ مطیع الدین بے تابی سے بول اُٹھا۔ اس کا سستا ہوا چہرہ کھل سا گیا

''میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہو سکتی ہے چونکہ اس نے نہ تو فدائیوں کی کچھ مدد کی اور نہ ہی ہمارے خلاف ہتھیار اُٹھایا، اس لئے میں نے اس کی جانب زیادہ توجہ نہیں دی۔ وہ چند دن کے بعد وہاں سے کوہ قفقاز کی طرف روانہ ہو گئی اور شاید اس کی منزل سرائے ہی ہو''۔ سلطان سہرس نے کہا۔

مطیع الدین آخری جملے پر چونک سا گیا۔ اسے پہلی بار احساس ہوا کہ سلطان سہرس اس سے اتنی دیر سے اس گفتگو میں بے شمار باتیں ایسی بھی کر چکا ہے جو یقیناً اسے معلوم نہیں ہونا چاہئے تھیں کیونکہ مطیع الدین نے اس سے کبھی بھی اتنی تفصیل سے پہلے بات چیت نہیں کی تھی۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے سلطان سہرس کی

جانب دیکھنے لگا۔

"میں نے اتنی باتیں تمہیں کبھی نہیں بتائیں پھر تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہو گیا؟" الجھا ہوا ذہن خاموش نہ رہ سکا۔ سلطان بیبرس نے اس کی پریشانی پر صرف یہی کہا۔

"اس راز کو دفن رہنے دو تو زیادہ بہتر ہے...... تمہارے حق میں یہی بھلائی ہے کہ تم سرائے لوٹ جاؤ اور اپنے باپ کے بارے میں معلوم کرو کہ اس کا کیا بنا؟ اگر وہ زندہ ہے تو اس کی خدمت کرو اور اگر وہ گزر چکا ہے تو اپنی زندگی کی فکر کرو۔ اگر گل دتوژ دکھائی دے تو اس سے ضرور ملنا......"

"میں نہیں جانتا کہ تمہیں ان سب باتوں کی خبر کیسے ہوگئی ہے جو کہ سالوں سے میرے سینے میں پوشیدہ ہیں، مگر یہ سچائی ہے کہ اگر تم میرے دل کا حال نہ پڑھ سکتے تو شاید میں اتنا عرصہ زنداں خانے میں نہ رہتا"۔ مطیع الدین نے سر جھکائے اعتراف کیا۔

"اگر تم واقعی سرائے لوٹ جاؤ گے تو شاید آج کے بعد ہماری ملاقات کبھی نہ ہوگی۔ کل صبح تمہارے جانے کا انتظام ہو چکا ہے اگر تمہیں کچھ اور ضرورت ہو تو برملا کہہ سکتے ہو"۔

"اگر میں سرائے واپس نہ جانا چاہوں تو......" مطیع الدین نے بے تکا سا سوال کیا۔

"اس ضمن میں مجھے کوئی اعتراض نہیں البتہ یہ یاد رکھنا کہ تم ہر وقت نگرانی کے حصار میں رہو گے اور اگر اس دوران تم سے کوئی بھی غلط حرکت سرزد ہوئی تو اس کا خمیازہ تمہیں بھگتنا پڑے گا"۔

"اب مجھے غلط حرکت کرنے کی ضرورت نہیں"۔

"میں جانتا ہوں کہ تم گل دتوژ کے پاس پہنچے بغیر نہیں رہ پاؤ گے"۔ سلطان بیبرس کے چہرے پر گہری مسکراہٹ رینگ گئی جبکہ گل دتوژ کا ذکر سن کر مطیع الدین کا چہرہ لرز سا گیا۔

دوسری صبح محافظوں نے دو عربی النسل گھوڑے مطیع الدین کے حوالے کئے۔ ان میں ایک گھوڑے پر سامان لدا ہوا تھا جبکہ دوسرا گھوڑا اس کی سواری کے لئے تھا۔ مطیع الدین کو ابھی تک یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کی زندگی میں واقعی دوبارہ صبح نمودار ہو چکی ہے یا پھر یہ سب خواب ہے۔ وہ روانہ ہونے والا تھا کہ سلطان بیبرس وہاں آن پہنچا۔ مطیع الدین نے گھوڑے سے اتر کر اس سے گلے ملا اور شکریہ ادا کیا۔ سلطان بیبرس نے اسے الوداع کہتے ہوئے مونے فونتا جو خان کو سلام کہنے کو کہا تو مطیع الدین بے اختیار مسکرانے لگا۔

"میں نے سرائے جانے کا فیصلہ کیا ہے، شاید میں قاہرہ دوبارہ نہ آسکوں۔ جانے سے پہلے میں تم سے صرف اتنا معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تمہیں یہ سب باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟" مطیع الدین نے اچانک سوال کیا تو سلطان بیبرس چونک پڑا۔

"کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ تم مجھ سے یہ سوال نہ کرتے؟"

"میں باقی عمر اس پہیلی کو حل کرنے میں نہیں گزارنا چاہتا ہوں"۔

یہ سن کر سلطان بیبرس کسی سوچ میں پڑ گیا پھر اس نے بھاری سی آواز بناتے ہوئے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ "زنداں خانے میں مرنے والا بوڑھا شخص کوئی اور نہیں میں ہی تھا"۔

مطیع الدین سلطان بیبرس کے منہ سے وہ لہجہ اور آواز سن کر ششدر رہ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہہ پاتا۔ سلطان بیبرس لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا واپس محل کی جانب روانہ ہو چکا تھا۔ مطیع الدین کے چہرے پر عجیب سی کیفیت چھائی ہوئی تھی۔

❀ ❀ ❀

673ھ بمطابق 1274ء میں ایلخانی سلطنت کے قاآن اباقہ خان کو اردوئے زریں کے حملوں سے کسی قدر نجات مل گئی۔ زریں خیل منگولوں کا حاکم نوگائی خان شدید بخار میں مبتلا ہو گیا اور اس کی حالت کافی تشویش ناک ہو کر رہ گئی۔ نظام سلطنت میں کچھ کمزوری پیدا ہوئی تو سرحدی حملوں کو کچھ عرصے کے لئے ختم کرتے ہوئے اندرونی نظام کی جانب توجہ دی گئی۔ یہ اباقہ خان کے لئے سنہرا موقعہ تھا، وہ اپنے اجداد کے طریقہ کار پر چلتے ہوئے دُنیا کی فتح کا دیرینہ خواب پورا کر سکتا تھا اس نے فوری طور پر وسیع پیمانے پر عسکری تیاریاں شروع کر دیں۔ اسی دوران میں اس نے تمام یورپی رہنماؤں کو مراسلے بھیجے کہ وہ بہت جلد ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ نکلنے والا ہے اور بلادِ شام و مصر کو روندنے کا عزم کئے ہوئے ہے۔ اس نیک مقصد کے پیچھے اس کا جذبہ نصرانیت کارفرما ہے۔ اس بڑی مہم کے لئے اسے ان تمام حکمرانوں کا ساتھ درکار ہے۔ اگر وہ سب اپنی افواج کو اس کے جھنڈے تلے جمع کر دیں تو دُنیا کی کوئی طاقت مسلمانوں کا وجود مٹنے سے نہیں بچا سکتی۔ یورپی عیسائی بادشاہوں کے ساتھ اس کا نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رہا۔ شاہ فرانس اندرونی مسائل کے باعث معذرت خواہ ہو گیا تو دوسرے عیسائی حکمرانوں نے بہانہ بازی سے کام لیا۔ شاہ انگلستان ایڈورڈ اوّل نے 26 جنوری 1275ء کو جواب میں لکھا:

"منگولیانہ سلطنت کا قاصد پادری ڈیوڈ ہمارے دربار میں پہنچا اور اس نے وہ سب خطوط ہمیں دکھائے جو آپ نے مقدس باپ پاپائے اعظم اور یورپ کے دوسرے فرمانرواؤں کو بھیجے ہیں، ان خطوط میں آپ نے دینِ نصرانیت کے ساتھ جس محبت و خلوص کا اظہار کیا ہے ہم اس گرانقدر جذبے کی تہہ دل سے قدر کرتے ہیں اور ہم آپ کے اس مبارک عزم کو بھی سراہتے ہیں جو آپ ارضِ مقدس کو دینِ مسیحی کے دشمنوں کے پنجے سے چھڑانے کے لئے اپنے دل میں رکھتے ہیں۔ ہم آپ سے پُرزور استدعا کرتے ہیں کہ اس مبارک ارادے کو ضرور عملی جامہ پہنائیں۔ جہاں تک ہماری آمد کا تعلق ہے تو اس ضمن میں ہم فی الحال یقین کے ساتھ کچھ کہہ نہیں سکتے کہ کب تک ارضِ مقدس میں پہنچ سکیں گے کیونکہ ابھی تک ہمارے اسقفِ اعظم کسی واضح فیصلے تک نہیں پہنچ سکے"۔

یہ تاریخی خط آج بھی محفوظ ہے جو کہ شاہ انگلستان کی دینِ نصرانیت سے ہمدردی و خلوص کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اباقہ خان تمام یورپی بادشاہوں کے بہانوں سے دل برداشتہ ہوا اور اس نے تنہا ہی سلطان بیبرس سے نبٹنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے پُرجوش انداز میں اپنے لشکروں کو پکارا اور انہیں سنہرے ماضی کی یادوں سے تڑپا ڈالا۔ ایل خانی لشکروں نے بلند آواز میں عہد کیا کہ وہ چنگیز خان اور ہلاکو خان کی یادیں ایک بار پھر سے تازہ کر دیں گے۔

❀ ❀ ❀

ریاست نوبہ (سوڈان) افریقہ کی واحد ریاست تھی جسے کسی بھی دور میں مسلمان فاتحین کلی طور فتح نہیں کر پائے۔ اس ریاست پر سب سے پہلے 33 ہجری میں یلغار کی گئی جس کی قیادت حضرت عبداللہ ابن ابی سرحؓ نے کی مگر وہ باوجود کوشش کے اسے فتح نہ کر سکے اور صلح کر کے واپس لوٹ آئے۔ اس کے بعد اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے دور میں فوج کشی کی گئی مگر ناکامی ہوئی۔ عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور کی چڑھائی بھی فتح کا مژدہ نہ سنا سکی۔ تکین زنگی، کافور اخشیدی، ناصر الدولہ بن حمدان اور توران شاہ ایوبی برادر صلاح الدین ایوبی نے یکے بعد دیگرے اس ریاست پر حملے کئے مگر اسے فتح نہ کیا جا سکا۔ یہ ریاست نصرانی پرچم کے ساتھ قائم و دائم رہی۔

سلطان بیبرس کے دور میں اس ریاست پر شاہ ڈیوڈ حکمران تھا۔ شاہ ڈیوڈ نے کئی بار کوشش کی کہ وہ سلطان بیبرس کو صلیبی قلعوں کی تباہی و بربادی سے باز رکھ سکے مگر وہ کامیاب نہ ہو پایا۔ 675ھ کے آغاز میں شاہ قسطنطنیہ نے اسے طویل ترین مراسلے میں شرم دلائی کہ وہ دین نصرانیت کی بقاء کے لئے وہ کچھ بھی نہیں کر پایا اور احمقوں کی طرح محض ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہے۔ ساتھ ہی یہ آگاہی بھی دی کہ منگول حاکم اباقہ خان مراغہ سے نکل چکا ہے اور بہت جلد وہ سلطان بیبرس کو عبرت ناک شکست سے ہمکنار کرنے والا ہے۔ منگولوں کی یورش کا سن کر اسے کامل یقین ہو گیا کہ اب سلطان بیبرس کو ہولناک شکست سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اس یقین نے اسے اس قدر نڈر بنا ڈالا کہ وہ کھل کر صلیبی حکمرانوں کی سرپرستی کرنے لگا۔ اس نے صلیبی جنگجوؤں کو ہی نہ صرف عسکری قوت بہم پہنچائی بلکہ اپنے سرحدی علاقوں میں بھی مسلمانوں کے قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔

سلطان بیبرس کو پہلے ہی سے یہ یقین تھا کہ صلیبی جنگجو معاہدۂ امن پر زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکیں گے اور جب اسے معاہدۂ امن کی خلاف ورزی کی خبر ہوئی تو اس نے وقت ضائع کیے بغیر اپنے لشکروں کو آراستہ کیا اور برق رفتاری سے ریاست نوبہ کا رُخ اختیار کیا۔ وہ طوفانی انداز میں ارض نوبہ میں داخل ہوا۔ شاہ ڈیوڈ کو سلطان بیبرس کی نقل و حرکت کی خبر مل چکی تھی اس نے نصرانی افواج کو مخصوص انداز میں سرحدی علاقوں میں یوں تعینات کیا کہ نصرانی دستوں کی فصیل دار پرتیں بن گئیں۔ شاہ ڈیوڈ نے تمام نصرانی سپاہیوں کو یہ ہدایت کی کہ وہ کھل کر جنگ کرنے کے بجائے عسکری چالوں سے کام لیں اور اسلامی لشکر کو زیادہ سے زیادہ الجھائے رکھیں۔ جونہی اسلامی لشکر غالب آتا ہوا دکھائی دے تو پسپائی اختیار کر کے پیچھے ہٹیں اور عقبی پرت میں ضم ہو جائیں۔ اس تمام کارروائی کا مقصد صرف یہ تھا کہ وقت گزرتا جائے اور اباقہ خان بلادِ اسلامیہ میں داخل ہو جائے۔ شاہ ڈیوڈ کو یقین تھا کہ جونہی منگول حملے کی اطلاع سلطان بیبرس کو ملتی، وہ یقیناً یہ مہم چھوڑ کر تیزی سے بلادِ شام کی جانب روانہ ہو جاتا۔ شاہ ڈیوڈ نے صرف اسی پر تکیہ نہیں کیا بلکہ اس نے بھرپور انداز میں تیاری کر رکھی تھی کہ سلطان بیبرس کی بلادِ شام کو روانگی کے ساتھ ہی وہ ایک زبردست حملہ بول کر ان تمام قلعوں کو اپنے قبضے میں لے سکتا تھا جو صلیبی مقبوضات سے نکل چکے تھے۔ سلطان بیبرس کی شکست کی صورت میں وہ ارضِ مقدس کو بھی ہڑپ کرنے کا منصوبہ بنائے ہوئے تھا۔

سلطان بیبرس کسی بھی وقت شاہ ڈیوڈ کی جانب سے غافل نہیں رہا۔ وہ صرف معاہدۂ امن کے باعث خاموش بیٹھا رہا۔ جونہی معاہدہ امن کی دھجیاں اڑائی گئیں تو وہ اپنی کچھار سے بھوکے شیر کی مانند نکلا اور بغیر رُکے نصرانی صفیں پھاڑتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ یہ کارروائی اس قدر تیز رفتار تھی کہ شاہ ڈیوڈ کی منصوبہ بندی بری طرح ناکام ہو کر رہ گئی۔ اسلامی لشکر رُکے بغیر ارض نوبہ کے قصبوں، شہروں کو روندتا ہوا تیزی سے بڑھتا چلا گیا۔ نصرانی لشکر کسی بھی مقام پر طے کردہ عسکری چال کو کامیاب نہیں بنا پائے۔ صرف اٹھارہ دن میں نصف سے زائد ریاست تباہ و برباد کر دی گئی۔ سلطان بیبرس نے دارالحکومت دُنقلہ (ڈنگولا) کا گھیراؤ کر لیا۔ شاہ ڈیوڈ سلطان بیبرس کی آمد کی خبر پاتے ہی دُنقلہ چھوڑ کر فرار ہو چکا تھا۔ اسلامی لشکر کو دُنقلہ پر قبضہ کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ سلطان بیبرس نے فوری طور پر مزید پیش قدمی کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے دُنقلہ میں ہی قیام کیا۔ نصرانی رعیت کے ساتھ عمدہ سلوک کیا گیا اور دُنقلہ کو تباہ و برباد کرنے سے اسلامی لشکروں کو منع کر دیا گیا۔ اسی دوران سلطان بیبرس کو خبر ہوئی کہ شاہ ڈیوڈ اپنی تمام افواج کو از سر نو منظم کر کے فیصلہ کن لڑائی کی تیاری کر رہا ہے۔ مخبروں نے شاہ ڈیوڈ کی تیاریوں کی تفصیل سلطان بیبرس کے سامنے رکھ دی تو اس اہم موقعے پر سلطان

بیبرس نے بے حد عجیب فیصلہ کیا۔ اس نے بہترین مملوک لشکروں کو الگ کرتے ہوئے نامور سپہ سالار امیر آقسنقر کی قیادت میں شاہ ڈیوڈ کے مقابلے پر روانہ کر دیا۔ اس کے دور حکومت میں یہ پہلی بار ہوا تھا کہ اس نے کسی معرکہ کی قیادت خود کرنے کے بجائے کسی امیر کو سونپ دی تھی۔ امیر آقسنقر نے سلطان بیبرس کے اعتماد کو اپنی بہادری اور جرأت سے بحال رکھا اور شاہ ڈیوڈ کو اس کے خاص عمائدین کے ساتھ زبردست معرکہ آرائی کے بعد زندہ گرفتار کر لیا۔ شاہ ڈیوڈ بھرپور عسکری قوت کے باوجود جم کر نہ لڑ سکا اور ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوا۔ شاہ ڈیوڈ کو جب اسیری کی حالت میں سلطان بیبرس کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ گڑگڑا کر معافی کا خواستگار ہوا۔ اس کی ندامت اور التجا کو سلطان بیبرس نے رد نہ کیا بلکہ تمام معرکے کا تاوان کی ادائیگی کی شرط اور سالانہ خراج مقرر کیا جو کہ شاہ ڈیوڈ نے بلا تامل منظور کر لی اور معاہدۂ امن کو جاری رکھنے کا وعدہ کیا سلطان بیبرس نے اس کے لئے اتنی سزا ہی کافی خیال کی اور مملوک لشکروں کو ساتھ لے کر قاہرہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ شاہ ڈیوڈ جان بخشی جانے پر سلطان بیبرس کا شکر گزار ہوا اسے پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ سلطان بیبرس کے متعلق اس کے اندازے صحیح نہیں تھے۔

❀ ❀ ❀

گل وقوژ کو سرائے میں آئے ہوئے دسواں روز تھا۔ دریائے والگا کے کنارے آباد اس شہر کا نقشہ ہی بدل چکا تھا، زرد خیموں کی جگہ پختہ مکانات نے لے لی تھی۔ خیموں کے بازار گلی کوچوں میں گم ہو چکے تھے۔ بڑی بڑی مساجد، مدارس اور اسلامی طرز تعمیر نے سرائے کو مسلمانوں کا شہر بنا دیا تھا۔ زریں خیل منگول روایتی لباس کے بجائے عربی چغوں اور عماموں میں ملبوس دکھائی دیئے تو گل وقوژ کے دل پر چوٹ سی لگی۔ وہ کئی برسوں تک مسلمانوں اور فدائیوں کے بیچ رہتے ہوئے آج بھی جاودانی آسمان کی سچی پجارن تھی۔ سرائے کی اس تبدیلی کو اس کا دل تسلیم نہیں کر پایا۔ گل وقوژ بڑی مشکل سے خون کے رشتوں کی تلاش میں کامیاب ہوئی۔ جب اسے یہ معلوم پڑا کہ اس کے بھائی نہ صرف مسلمان ہو چکے ہیں بلکہ ان میں تین سرحدی معرکوں میں شہادت کا جام نوش کر چکے ہیں تو قریباً رو دی۔ اس کے چہرے پر غم و غصے کے آثار دکھائی دیئے۔ وہ سوچنے لگی کہ اگر اس کا باپ قوتائی خان زندہ رہتا تو کم از کم اس کے خاندان میں یہ تبدیلی تو رونما نہ ہوتی۔ قدم قدم پر انہونی سچائیوں نے گل وقوژ کو چکرا کر رکھ دیا تھا۔ وہ جب اپنا گھر تلاش کر کے وہاں پہنچی تو وہاں فقط ایک پرانا بوڑھا غلام پایا جو شاید گھر کی دیکھ بھال کے لئے مقرر تھا اس نے اس سے اپنے باقی بھائیوں کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ ان میں ایک تو سمرقند میں قاضی کے منصب پر فائز ہے جبکہ باقی سب بھائی فوج میں مختلف مناصب پر فائز ہیں۔ وہ کبھی کبھار اپنے بیوی بچوں کے ساتھ وہاں آتے ہیں اور مختصر قیام کے بعد رخصت ہو جاتے ہیں۔ بھائیوں کی آباد زندگی کا سن کر گل وقوژ کے دل پر ٹھیس سی لگی۔ اس نے قوتائی خان کی بیویوں کے بارے استفسار کیا تو غلام نے آہ بھر کر ان کی وفات کی خبر دی۔ جانے کیوں گل وقوژ نے اس سے اپنے ہی بارے میں پوچھ لیا تو وہ غلام دھیمے انداز میں ہنسنے لگا اور بتایا کہ میری بینائی اور یادداشت دونوں ابھی تک سلامت ہیں جو گل وقوژ ایک عرصے پہلے کھو گئی تھی وہ آج اس کی نگاہوں کے سامنے کھڑی ہو کر اپنے ہی بارے میں سوال کر رہی ہے۔ گل وقوژ اس کی بات سن کر دم بخود رہ گئی کہ کیا ان بوڑھی آنکھوں میں آج بھی اس کا چہرہ منقش ہے؟ پھر کیا تھا غم کا دریا تھم نہ سکا اور آنسوؤں کے سیلاب میں وقت کی اذیتیں بہتی چلی گئیں۔ بوڑھا غلام اسے اپنے سینے سے چمٹائے تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ گل وقوژ کی سسکیاں بڑھتی چلی گئیں۔

بوڑھے غلام نے گل وقوژ کے لئے ایک کمرہ صاف کیا اور اس کے رہنے کا انتظام کیا۔ گل وقوژ کو بڑا

عجیب سا لگا کہ بوڑھے خادم نے اس سے ایک بار بھی نہیں پوچھا کہ وہ اب تک کہاں رہی؟ نہ ہی اس کی ہمت پڑی کہ وہ اسے کچھ بتا پاتی۔ بوڑھا غلام جب فرصت پاتا تو اسے ماضی کی باتیں بتاتا رہتا۔ ایک دن گل وقوڑ نے خود ہی کہہ ڈالا کہ اس کی زندگی کے گزرے دن بھی کچھ خوشگوار نہیں ہیں تو بوڑھا غلام اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مشفقانہ لہجے میں بولا۔ ''بیٹی! میں جو کچھ جانتا ہوں شاید تم بھی ان سے واقف نہیں۔ اپنے ماضی کو بھول جاؤ اور مستقبل کی فکر کرو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا...... جتنا دہراؤ گی اتنی ہی اذیت بڑھے گی اور تکلیف ہمیشہ خود کو اپنوں سے دور کر دیتی ہے۔ کرب و تنہائی کی زندگی جینے سے زیادہ بہتر ہے کہ خود کو سمجھوتوں کے خول میں ڈھال لیا جائے''۔

پھر ایک دن گل وقوڑ نے سردار منک آنہ کے بارے میں دریافت کیا تو بوڑھا خادم عجیب سی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ گل وقوڑ اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ نہ پائی۔ بوڑھا خادم کچھ دیر کے بعد گہری سانس بھرتے ہوئے بولا۔ ''میں جانتا ہوں کہ منک آنہ کا نام تمہاری زبان پر کیونکر آیا ہے؟ مگر اب کچھ فائدہ نہیں، منک آنہ پانچ برس پہلے مر چکا ہے۔ میں تمہیں پھر یہی کہوں گا کہ ماضی کی کڑواہٹوں کو بھلا دو گی تو باقی ماندہ زندگی آسان ہو جائے گی، مجھے معلوم ہے کہ تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا تھا...... وہ سراسر ظلم تھا''۔

گل وقوڑ اس نئی زندگی میں قدم رکھ کر زیادہ بہتر محسوس نہیں کر رہی تھی۔ اس زندگی میں کوئی جوش نہیں تھا، کوئی رنگینی نہیں تھی، شاید کوئی مقصد بھی نہیں تھا۔ سب کچھ اسے پھیکا پھیکا سا محسوس ہوتا۔ گھر کا نقشہ بھی ویسا نہیں تھا کہ وہ یہی اندازہ کر پاتی کہ اس کے بچپن و جوانی کے لمحے کہاں کہاں بیتے تھے۔ وہ سارا سارا دن خیالوں میں کھوئی رہتی یا پھر بوڑھے خادم کے ساتھ بیٹھ کر اس سے کچھ دیر تک ماضی کے خوشگوار دنوں کی باتیں سنتی رہتی یا پھر وہ نامہ اپنے سامنے رکھ کر اسے گھورتی رہتی جس میں شیخ کبیرالدین نے اسے خودمختار ریاست قہستان کی بااختیار ملکہ کی تقرری لکھ کر دی تھی۔ خودمختار قہستان جو ہمیشہ کے لئے خواب پارینہ بن چکا تھا۔ ایک تلخ سی مسکراہٹ گل وقوڑ کے چہرے پر پھیل جاتی...... قہستان کی ملکہ گل وقوڑ!

ایک شام گل وقوڑ نے بوڑھے خادم سے نورالدین کے بارے میں پوچھا جو کہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ ان کے برابر والے گھر میں رہا کرتا تھا۔ گل وقوڑ کا سوال سن کر جانے کیوں بوڑھے خادم کا چہرہ کھل اُٹھا۔ اس نے بتایا کہ وہ لوگ ابھی بھی سرائے میں ہی رہتے ہیں۔ نورالدین بستر مرگ پر زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہا تھا، اسے کامل یقین ہے کہ جب تک اس کا بیٹا اس کی نظروں کے سامنے نہیں آئے گا، اس کا دم نہیں نکلے گا۔ وہ انتہائی ضعیف العمری کے عالم میں آج بھی اس کی واپسی کا منتظر ہے۔ گل وقوڑ یہ سن کر حیران رہ گئی اس کے لبوں سے بے اختیار یہ جملہ پھسل گیا کہ کیا واقعی اس کا بیٹا واپس لوٹ آئے گا؟ بوڑھا خادم یقین کے ساتھ بولا۔ ''بیٹی! تمہیں اچھی طرح معلوم ہونا چاہئے کہ خدائے جاودانی آسمان بستر مرگ پر پڑے ہوئے انسان کی دعا سب سے پہلے قبول کرتا ہے، مجھے یقین ہے کہ وہ جلد ہی واپس لوٹ آئے گا بالکل اسی طرح جیسے تم لوٹ آئی ہو''۔ بوڑھے خادم کی بات بڑی گہری تھی جس نے گل وقوڑ کے ذہن کے سب تار جھنجنا دیئے۔

❀ ❀ ❀

675ھ بمطابق 1275ء کے اواخر میں اباقہ خان شاہ قسطنطنیہ سے کئے ہوئے وعدے کے مطابق ایک لشکر جرار کے ساتھ بلادِ اسلامیہ کی سرحدوں کے قریب پہنچا۔ شام، فلسطین اور آرمینیہ کی سرحدوں پر منگول لشکروں کی وسیع پیمانے پر نقل و حرکت شروع ہوگئی۔ سلطان بیبرس ابھی دُنقلہ سے واپس لوٹا تھا کہ اسے تاتاری سیل کی یلغار کی خبر ملی تو اس نے فوری طور پر دمشق میں پیغام بھیجا کہ وہاں موجود تمام سپاہیوں کو تیار رہنے کا حکم

دیا جائے۔ سلطان بیبرس بہت جلد وہاں پہنچنے والا ہے۔ سلطان بیبرس نے مختصر قیام کے ساتھ برق رفتاری سے سفر طے کیا اور دمشق میں پہنچ کر صرف چند گھنٹوں میں ضروری انتظامات کرتے ہوئے رضاکار مجاہدین اور تربیت یافتہ مملوک افواج کے ساتھ سینکڑوں میل کا پُر صعوبت سفر کرتا ہوا ایشائے کوچک میں داخل ہوا۔ سلطان بیبرس نے اَبلستین نامی پتھریلے مقام پر پڑاؤ ڈالا تو کئی مملوک سالار پریشان ہو گئے خوف و خدشات سر اُٹھانے لگے۔ اسلامی لشکر بلادِ اسلامیہ سے کافی دور منگولوں کی حدود میں داخل ہو چکا تھا۔ سلطان بیبرس نے یہ قدم صرف اس لئے اُٹھایا تھا کہ وہ منگولوں کو اپنی سلطنت میں داخل ہونے کا کوئی موقعہ نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس نے اباقہ خان سے نبٹنے کے لئے اسی کی سرزمین کا انتخاب کیا تھا۔

اباقہ خان کو سلطان بیبرس کی ابلستین میں پڑاؤ ڈالنے کی جب خبر ہوئی تو وہ اپنے لشکروں کے ساتھ اسی جانب بڑھ آیا۔ دونوں حریف ایک دوسرے کے مقابل خیمہ زن ہوئے۔ سلطان بیبرس نے مملوک افواج کو خصوصی ہدایات دیں اور انہیں منگولیانہ جنگی مہارت کے بھرپور استعمال کی تلقین کی۔ منگولوں کی مخصوص عسکری تربیت کا سہرا ابغائی خان کے سر پر تھا جس نے اچھے وقتوں میں بہترین لڑاکا قاہرہ بھیج کر سلطان بیبرس کی مدد کی تھی اباقہ خان کے پرچم تلے پچاس ہزار تاتاریوں کے لشکر تھے جبکہ سلطان بیبرس کے پاس بھی چالیس ہزار سے زائد سپاہ موجود تھی، جن میں اعلیٰ تربیت یافتہ خاص مملوک لشکر بھی شامل تھے۔

ابتدائی طور پر دونوں جانب سے سفارتی پیغامات کا تبادلہ ہوا جو کہ دونوں فریقین کو کسی صورت میں قبول نہیں تھے۔ اباقہ خان کا مطالبہ تھا کہ سلطان بیبرس اپنا پرچم سرنگوں کر کے اس کی سیادت قبول کرلے تو وہ بغیر جنگ کے واپس لوٹ جائے گا جبکہ سلطان بیبرس کا مطالبہ تھا کہ منگول تمام اسلامی مقبوضات کو خالی کر کے دشت مراغہ میں لوٹ جائیں۔ سفارتی سلسلے کی ناکامی کے بعد باقاعدہ جنگ کا سلسلہ شروع ہوا۔ ابلستین سے متصل بیرّالتاب کا وسیع میدان، میدانِ جنگ قرار پایا۔ پہلے ہی دن اسلامی لشکر نے ایسا خوفناک انداز اختیار کیا کہ منگول گھبرا اُٹھے۔ پہلی بار ایل خانی منگولوں کو یہ احساس ہوا کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ چنگیز خان اور ہلاؤ خان کی فتوحات کے پیچھے محلاتی سازشیں اور بزدلی کے محرکات متحرک تھے۔ اباقہ خان نے بھرپور انداز میں اپنی افواج کی ہمت افزائی کی اور ان کے شانہ بہ شانہ خود میدان میں اترا۔ سلطان بیبرس بھی حسب روایت عام سپاہی کی مانند لڑتا رہا۔ اس کی ولولہ انگیز قیادت اور شوق جہاد نے اسلامی لشکر میں بھی بے پناہ عزم و ہمت اور ناقابل تسخیر جذبۂ جہاد پیدا کر دیا تھا۔ ایل خانی منگولوں کو مد مقابل دیکھ کر مسلمانوں کو سقوط بغداد کے شعلے یاد آنے لگے، اسی وجہ سے جنگ میں جارحانہ پن بڑھتا چلا گیا۔ تلواریں منگولوں کو بے دریغ کاٹتی چلی گئیں۔ سلطان بیبرس تمام وقت میدان جنگ میں برق رفتاری سے ادھر سے اُدھر چکر کاٹتا رہا وہ اپنی فوج میں کسی محاذ پر کمزوری کے آثار دیکھتا تو فی الفور وہاں پہنچ جاتا اور بے دریغ دشمن کی صفوں میں گھس جاتا اور جب تک انہیں درہم برہم نہ کر لیتا اتنی دیر تک پیچھے نہ ہٹتا۔ اس کی جانبازی دیکھ کر سپاہیوں کا جوش و خروش بھی بڑھ جاتا۔ پہلے ہی دن کی زوردار لڑائی نے اباقہ خان کے چھکے چھڑا دیئے۔ شام کے قریب منگولوں نے میدان چھوڑ دیا۔ اسلامی لشکر نے بڑھ کر ان پر شدید وار کرنا چاہا مگر سلطان بیبرس نے انہیں روک دیا۔ وہ اس پسپائی کو چال سمجھ رہا تھا مگر جب منگول لشکر دوسرے دن واپس نہ لوٹے تو سلطان بیبرس کو یقین ہو گیا کہ اباقہ خان اب کچھ زیادہ تیاری کے ساتھ ہی واپس لوٹے گا

ایل خانی منگول اپنے پیچھے چھ ہزار سات سو ستر لاشیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس معرکے نے ایل خانی منگولوں پر سلطان بیبرس کی طاقت کا رعب بٹھا دیا تھا اور انہیں اچھی طرح باور ہو چکا تھا کہ اب بلادِ شام و مصر پر

حملہ کرنا آسان کام نہیں ہوگا بلکہ بہت مہنگا سودا ہوگا۔ عین جالوت کے بعد بیبرالناب کے معرکے نے تمام دُنیا پر چھائے ہوئے تاتاری رعب کی دھجیاں اڑا دی تھیں۔ سوسال سے چھائے ہوئے چنگیز خان کی ہیبت کے بادل چھٹ چکے تھے۔ نصرانی دُنیا بھی سمجھ چکی تھی کہ اب ایل خانی منگول اُن کے مقاصد کے لئے زیادہ مؤثر نہیں ہیں۔

اسلامی لشکر نے میدان جنگ سے مال غنیمت جمع کیا اور لاشوں کو ٹھکانے لگایا۔ شام کے وقت اعلیٰ سالاروں کو معلوم ہوا کہ سلطان بیبرس اس معرکے میں شدید گھائل ہو چکا ہے۔ اس نے تمام دن اپنے زخم کو چھپا کر میدان تو مار لیا تھا مگر رات کے قریب اس کی اپنی زندگی شدید خطرے سے دوچار ہوگئی۔ فوری طور پر طبیبوں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ سلطان بیبرس کے شانے پر تلوار کا گہرا گھاؤ لگا تھا۔ فوری طور پر توجہ نہ کرنے کے باعث زخم بگڑ چکا تھا۔ اعلیٰ قیادت اس اچانک صورتِ حال سے بوکھلا چکی تھی۔ سلطان بیبرس کی صحت کا حال چھپانا بے حد ضروری تھا ورنہ پورا لشکر بددلی کا شکار ہوسکتا تھا اور وہ سب دشمن کے علاقے میں موجود تھے۔ دشمن کا پلٹ کر حملہ کرنا زیادہ خوفناک صورت پیدا کرسکتا تھا۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین طویل ترین سفر کے بعد سرائے پہنچا۔ عجیب بات تھی کہ جب وہ قاہرہ سے نکلا تھا تب ہی سے اس کے دل میں سرائے پہنچنے کی بے تابی پیدا ہونے لگی۔ وہ تمام راستے عجیب سی بے قراری میں مبتلا رہا۔ وہ فوری طور پر سرائے پہنچ جانا چاہتا تھا جونہی اس نے سرائے میں قدم رکھا تو اس کی بیقراری میں مزید اضافہ ہو گیا۔ وہ چونکہ کافی عرصے بعد سرائے آیا تھا اس لئے اسے وہاں کا ماحول اجنبی سا لگا۔ مختلف لوگوں سے پتہ پوچھتا ہوا وہ بالآخر اپنے گھر تک آن پہنچا۔ اس نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھلا تو اسے اجنبی صورت دکھائی دی۔ وہ نوعمر لڑکا تھا جو اس کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ مطیع الدین اسے دیکھ کر ذہن پر زور دینے لگا کہ وہ کون ہوسکتا ہے؟ مگر اس کا ذہن اسے پہچاننے میں ناکام رہا۔ لڑکے نے مطیع الدین سے دریافت کیا تو اس نے اپنے باپ نورالدین کا نام لیا۔

''دادا ابو تو عرصے سے بیمار ہیں، وہ تو باہر نہیں آسکتے''۔ لڑکے نے معصومیت سے جواب دیا

مطیع الدین اس کا جواب سن کر دم بخود سا رہ گیا۔ وہ اپنے باپ کی اکلوتی اولاد تھا پھر یہ پوتا کہاں سے ٹپک پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ لڑکے کے عقب سے کسی کی آواز سنائی دی۔ مطیع الدین کو وہ آواز کچھ آشنا سی محسوس ہوئی۔ وہ ابھی ذہن پر زور دے رہا تھا کہ لڑکے کے پیچھے سے ایک شخص نمودار ہوا۔ اس کی نگاہ جب مطیع الدین پر پڑی تو اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ مطیع الدین بھی اس آشنا صورت کو اپنے گھر میں دیکھ کر ہکا بکا دکھائی دیا۔ دوسرے لمحے اس کے چہرے پر بشاشت سی پھیل گئی

''موٹے! تو ابھی تک پتلا نہیں ہوا''۔ مطیع الدین لاشعوری انداز میں بولا۔

''مطیع الدین!'' اس کے منہ سے محض اتنا ہی نکلا۔ وہ اس کا پرانا رفیق فوناجو خان تھا۔

دونوں لپک کر ایک دوسرے سے چمٹ گئے۔ لڑکا حیرت بھری نظروں سے انہیں دیکھتا رہا۔ فوناجو خان نے مطیع الدین کا بازو تھام کر کئی بار جھٹکا جیسے اسے ابھی تک اپنی بصارت پر یقین نہ آ رہا ہو کہ اس کی نگاہوں کے سامنے مطیع الدین ہی موجود ہے۔ جب فوناجو خان کسی قدر پیچھے ہٹا تو مطیع الدین کی انگلی اس نوعمر لڑکے کی جانب اُٹھ گئی۔ فوناجو خان نے چونک کر اسے بتایا کہ وہ اس کا بیٹا عبداللہ خان ہے۔ مطیع الدین نے غیر یقینی انداز میں فوناجو خان کی جانب دیکھا۔

''یعنی تم بھی مسلمان ہوگئے ہو''۔ مطیع الدین جلدی سے بولا۔

فوناجو خان کھسیانا سا ہو کر ہنسنے لگا۔ شاید اسے اپنی اسلام دشمنی کے جملے یاد آ گئے تھے۔ پھر جیسے فوناجو خان کو کچھ یاد آ گیا اس نے مطیع الدین کا بازو پکڑا اور اسے قریباً گھسیٹتا ہوا اندر لے گیا۔ مطیع الدین محض احتجاج کرتا رہ گیا۔ فوناجو خان اسے ایک کمرے میں لایا جہاں بستر پر کوئی شخص دراز تھا۔ مطیع الدین کی نظر جونہی اس پر پڑی اس کی تیزی طراری کافور ہو کر رہ گئی۔ وہ سب کچھ بھول کر اس کی جانب بڑھتا چلا گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو اتر آئے۔ بستر پر لیٹا ہوا شخص کوئی اور نہیں، اس کا بدنصیب باپ نورالدین تھا جو کئی برسوں سے اسی بستر پر مطیع الدین کی واپسی کا منتظر تھا۔ مطیع الدین اس کے سرہانے کے قریب بیٹھ گیا اور اپنے ہاتھوں سے اپنے باپ کا چہرہ ٹٹولنے لگا۔ اسی گھڑی نورالدین کے جسم میں جنبش سی پیدا ہوئی، اس کی کمزور پلکیں ذرا سی دیر کے لئے لرزیں۔ نورالدین اپنے قریب کسی کی موجودگی کو محسوس کر رہا تھا۔ اسے اپنے بیٹے کا لمس محسوس ہوا تو جسم میں اطمینان سا پھیلتا ہوا محسوس ہوا۔

''مطیع الدین! اس مرتبہ تو نے آنے میں بڑی دیر لگا دی، تیرے انتظار میں تو میری آنکھیں ہی پتھرا گئیں''۔ نورالدین کے منہ سے سرگوشی نما جملے نکلے۔ مطیع الدین کا دامن برداشت چھوٹ گیا اور وہ بچوں کی مانند رونے لگا۔ اسی لمحے نورالدین کے جسم کو ہلکا سا جھٹکا لگا اور ہاتھ پاؤں اکڑتے ہوئے محسوس ہوئے اور پھر یکدم اس کا جسم ڈھیلا پڑ گیا وہ اپنے خالق حقیقی کے پاس جا چکا تھا۔ اسے صرف اپنے بیٹے کا انتظار تھا۔ مطیع الدین اپنے باپ کو بازوؤں میں لے کر کافی دیر تک سسکتا رہا۔ فضا بے حد غمناک تھی۔ فوناجو خان کی آنکھیں بھی نم تھیں۔ وہی تو ایک سہارا تھا جس نے مطیع الدین کی غیر موجودگی میں نورالدین کا خیال رکھا۔ برقائی خان کی وفات کے بعد فوناجو خان کا دل فوج سے اچاٹ ہوگیا اور وہ نورالدین کے پاس چلا آیا۔ یہیں اس نے دین اسلام کا بغور جائزہ لیا اور مسلمان ہوگیا پھر اس نے شادی کر لی۔ نورالدین کو تنہا چھوڑ کر وہ جا نہ سکا۔ اسی کی خدمت کو اپنے لئے اعزاز سمجھا۔ وہ ہر روز اللہ سے یہی دعا کرتا رہتا تھا کہ وہ نورالدین کی حالت پر رحم فرمائے۔ اس دن اس کی دعا قبول ہوگئی۔ نورالدین طویل ترین اذیت ناک بیماری کے بعد بالآخر نجات پا گیا تھا۔ مطیع الدین نے فرطِ غم میں اپنے باپ کی تجہیز و تکفین کی۔

❁ ❁ ❁

سلطان بیبرس نہایت عالی ہمت شخص تھا۔ کاری زخم کے باوجود وہ زیادہ دیر تک بستر پر نہ رہ پایا۔ طبیبوں کے منع کرنے کے باوجود اس نے باہر نکل کر مجاہدین کو ان کی جرأت و بہادری پر خراج تحسین پیش کیا۔ ایسا کرنا بے حد ضروری تھا، سلطان بیبرس اپنے لشکریوں کی نفسیات سے خوب واقف تھا۔ وہ چند دن تک اس کی صورت نہ دیکھتے تو یقیناً قیاس آرائیوں کا شکار ہو جاتے۔ یہ صورت اس نے معرکہ منصورہ کے موقعے پر اپنے آقا سلطان الملک الصالح کی ناگہانی موت کے بعد دیکھی تھی۔ سلطان بیبرس بڑی شان سے واپس لوٹا اور دمشق سے ہوتا ہوا قاہرہ پہنچا۔ تمام سلطنت اسلامیہ میں بھرپور جشن منایا گیا۔ منگولوں کی عبرت ناک شکست نے سقوط بغداد کا غم دھیما کر ڈالا تھا۔ سلطان بیبرس نے اپنی بگڑتی ہوئی حالت کی خبر کسی کو بھی ہونے دی۔ طبیبوں نے بھرپور انداز میں اس کا علاج کیا۔ زخم کسی قدر ٹھیک ہو چکا تھا مگر سلطان بیبرس کو مکمل صحت یابی کے لئے بھرپور آرام کی ضرورت تھی جو اسے کسی صورت گوارا نہیں تھا۔ امیر فخر الدین لقمان نے سلطان بیبرس کو سمجھانے کی کوشش کی مگر سلطان بیبرس نے اپنے معتمد خاص کو مسکراتے ہوئے مطمئن کر دیا۔ وہ لاجواب سا ہو کر قصر جبل سے لوٹ آیا۔

675ھ کے آخری ماہ میں سلطان بیبرس نے اپنے تئیں ارادہ باندھا کہ ایل خانی منگولوں کا خطرہ ابھی پوری طرح ختم نہیں ہوا ہے، وہ لوگ پھر دوبارہ لوٹ کر زیادہ شدید حملہ کر سکتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی ایسی کارروائی کریں، ان کے قبضے سے تمام اسلامی مقبوضات چھڑا کر ان پر ثابت کر دیا جائے کہ اگر انہوں نے دوبارہ آگے بڑھنے کی کوشش کی تو ان کی سلطنت پر بھی قبضہ کر لیا جائے گا۔ اس عظیم کام کی انجام دہی کے لئے کثیر سرمائے کی ضرورت تھی۔ سلطان بیبرس نے خزانے کا حال دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس میں جو کچھ موجود ہے وہ اتنی بڑی مہم کے لئے ناکافی ہے۔ مختلف سالاروں اور رفقاء سے مشوروں کے بعد یہ طے پایا کہ جہاد کے مصارف پورے کرنے کے لئے کچھ اقدامات اُٹھائے جائیں۔ مدارس کے وظائف میں تخفیف کی جائے اور کچھ نئے خراج لگا کر لوگوں سے رقم جمع کی جائے۔ سلطان بیبرس نے خلیفہ اسلام الحاکم بامر اللہ سے اس بارے میں بات چیت کی تو اس نے بھی اجازت دے دی۔ مدارس کا معاملہ چونکہ علماء دین سے وابستہ تھا لہٰذا ان کا فتویٰ بے حد ضروری تھا۔ سلطان بیبرس نے بلادِ مصر کے علماء سے جواز کا فتویٰ لے کر مخصوص نئے خراج لگائے اور پھر اپنے رفقاء کے ساتھ دمشق چلا آیا۔ وہاں بھی اس نے علماء کی جماعت کو بلوایا اور بلادِ مصر کے علماء اور امیر المومنین کی اجازت کا ذکر کرتے ہوئے مصارف جہاد کے لئے نئے خراج کے جواز میں فتویٰ طلب کیا۔ کچھ علماء نے فتویٰ جاری کر دیا تو کچھ نے تامل سے کام لیا۔

امام یحییٰ بن اشرف محی الدین نوویؒ دمشق کی سربرآوردہ شخصیتوں میں سے ایک تھے۔ شرح مسلم و بخاری میں ان کا بڑا نام تھا۔ ان کے پاس جب سلطان بیبرس کا جواز فتویٰ پہنچا تو انہوں نے خود دمشق کے دربار کی راہ لی۔ سلطان بیبرس کو جب ان کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ خود دروازے پر پہنچا اور ان کا پرتپاک استقبال کیا۔ امام نوویؒ اس کے ہمراہ دربار میں آئے اور ایک نشست سنبھال لی۔ سلطان بیبرس نے وجہ آمد دریافت کی تو امام نوویؒ نے سلطانی جواز کے فتویٰ کا ذکر کیا اور اسے رد کرتے ہوئے باقاعدہ اس کی مخالفت کی۔ سلطان بیبرس نے امام نوویؒ سے فتویٰ کی تصدیق نہ کرنے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے مصارف جہاد کا سلطانی عذر تسلیم کرنے سے انکار کیا اور اسے خالصتاً ظلم سے تشبیہ دیتے ہوئے درشت گوئی سے کام لیا۔ سلطان بیبرس نے تحمل سے تاتاری حالات بیان کئے اور ان سے درخواست کی کہ وہ تصدیق فرما دیں تاکہ جہاد کا سلسلہ پایہ تکمیل تک پہنچ جائے مگر امام نوویؒ نے سختی سے فتویٰ رد کرتے ہوئے لگائے جانے والے تمام خراج کو غیر اسلامی قرار دیا۔ سلطان بیبرس امام نوویؒ کی تند و تلخ انداز گفتگو سے واقف تھا اس لئے اس نے نرمی اختیار کئے رکھی اور بار بار اپنے موقف کی دلیلیں پیش کرتا رہا۔ امام نوویؒ سلطان بیبرس کے اصرار پر آپے سے باہر ہو گئے اور فرط طیش میں بولے۔

”سلطان بیبرس! یاد کرو وہ وقت جب تم امیر بندقدار کے زرخرید غلام تھے اور ایک جبہ کے بھی مالک نہیں تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے تمہیں سلطنت دی ہے اور تم اس قدر غلاموں اور کنیزوں کے مالک ہو جن کے ساز و سامان تک طلائی ہیں۔ جب تک تم ان سے سارا مال و سامان فوجی ضرورت کے لئے نہ لے لو، میں غریب مسلمانوں سے مال لینے کا فتویٰ تیرے حق میں ہرگز نہیں لکھوں گا“۔

”علامہ نوویؒ! آپ بلاشبہ درست کہتے ہیں، میں وہی ہوں جسے امیر بندقدار نے دمشق کے بازار سے خریدا تھا، یہ بھی سچ ہے کہ میری جیب میں ایک جبہ بھی نہیں تھا۔ میں نے دن رات ایک کرتے ہوئے کڑی محنت کی، اپنے آقاؤں کی ہر طرح سے خدمت و تواضع کی، اللہ تعالیٰ نے میرے خلوص کے انعام میں مجھے آزادی بخشی، یہ سلطنت میری خواہش نہیں تھی، مجھے فارس الدین اقطائی نے پکڑ کر تخت پر بٹھا دیا۔ معرکہ عین جالوت

میں، میں نے اپنا نام کمانے کے لئے جرأت کا مظاہرہ نہیں کیا تھا بلکہ میں مسلمانوں کو اس عذاب سے بچانا چاہتا تھا جو سیلاب کی مانند سب کچھ اپنی لپیٹ میں لیتا ہوا مصر کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ بغداد تباہ ہو گیا، بلادِ شام کھنڈر بنا دیا گیا، بلادِ فلسطین و لبنان صلیبی مقبوضات میں چلے گئے۔ ایک ایسے وقت میں جب دین کی روشنی معدوم ہو رہی تھی، علم دریائے فرات کی نذر کیا جا چکا تھا، میں نے آگے بڑھ کر ان چراغوں میں اپنا خون پسینہ ڈال کر انہیں بجھنے سے بچایا۔ بلادِ مصر سے لے کر بلادِ عراق تک جگہ جگہ مدارس تعمیر کرائے، علم کی روشنی کو ہر گھر تک پہنچانے کی کوششیں کیں، بھاری وظائف دے کر لوگوں کو درس و تدریس کی جانب راغب و مائل کیا تاکہ لوگ تاتاری عتاب کے خوف میں بے علم نہ رہ جائیں۔ رعیت کی خدمت میں اپنی ساری زندگی گھوڑے کی پیٹھ پر گزار دی اور آج اپنے لئے نہیں بلکہ اسی رعیت کے محفوظ مستقبل کے لئے میں کچھ حصہ ان کے مال میں سے لینے کا اقدام اُٹھا رہا ہوں تو آپ اسے رد کرتے ہیں“۔

”سلطان بیبرس! شاید تمہیں عاقبت کے بجائے دُنیا میں ہی اجر لینے کا شوق پیدا ہو چکا ہے، یہ گمراہی کی علامت ہے، تم نے جو کچھ کیا ہے اس کا اجر تمہیں اللہ دے گا۔ میں کم از کم تمہیں یہ اجر غریب مسلمانوں سے حاصل کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔“

”علامہ نوویؒ! آپ شاید بھول رہے ہو کہ میں مسلمانوں کا سلطان بھی ہوں، میرے منہ سے نکلا ہوا ہر جملہ حکم کی حیثیت رکھتا ہے مگر میں علماء و فضلاء کی تہہ دل سے قدر کرتا ہوں اور انہیں ہمیشہ سے امورِ جہانبانی میں برابر شریک رکھتا آیا ہوں۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو بھی کوئی مجھے غلط نہ کہتا مگر میں نے ہمیشہ شعائر اسلامی کی حفاظت کی ہے اور مسلمانوں میں اتحاد و یکجہتی کو زیادہ مقدم سمجھا ہے“۔ سلطان بیبرس کے لہجے سے ناگواری جھلکنے لگی۔

”سلطان بیبرس! تمہارے لہجے میں تکبر جھلکنے لگا ہے اللہ سے ڈرو اور ایسی بات منہ سے نہ نکالو جو مالک کائنات کو ناگوار گزرے۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری سلطانی کا رعب مجھ پر چل جائے گا تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ میں موت کو قبول کر سکتا ہوں مگر کسی غلط جواز کے لئے فتویٰ جاری نہیں کر سکتا“۔ امام نوویؒ کے لہجے میں درشتی شدت اختیار کر چکی تھی۔ سلطان بیبرس مسلسل نرم روی اختیار کئے ہوئے تھا۔ امام نوویؒ کی ضد پر وہ کبیدہ خاطر ہو گیا اور اس نے فتویٰ کی تصدیق نہ کرنے کی صورت میں انہیں دمشق چھوڑنے کا حکم دے دیا۔ امام نوویؒ حکم سلطانی پر بگڑ گئے اور اسی وقت دربار سے نکل کر اپنے گھر آئے۔ تمام سامان سمیٹ کر انہوں نے اپنے آبائی وطن نویٰ کی راہ لی۔ امام نوویؒ کا دمشق بدر کیا جانا علماء کے حلقے کو بے حد شاق گزرا۔ وہ ایک وفد کی صورت میں سلطان بیبرس کے پاس پہنچے اور درخواست کی کہ امام نوویؒ علماءِ حق کی شان ہیں، تمام شامی علماء انہیں اپنا سردار تسلیم کرتے ہیں۔ دمشق میں ان کی موجودگی باعث فخر و سعادت سمجھی جاتی ہے، ان کی عدم موجودگی میں دمشق میں تاریکی پھیلتی ہوئی دکھائی دے رہی ہے۔ سلطان اپنے حکم پر نظر ثانی کریں تو یہ علماء کے لئے باعث فخر ہوگا۔ علماء کے وفد نے کچھ ایسے پیرائے میں اپنا مدعا بیان کیا کہ سلطان بیبرس اپنے تئیں شرمندہ ہو کر رہ گیا۔ امام نوویؒ کی عدم موجودگی کا اسے بھی شدت سے احساس تھا اس نے انتہائی رقت کے عالم میں اپنا حکم منسوخ کیا اور وفد کو اجازت دی کہ وہ امام نوویؒ کو اعزاز و اکرام کے ساتھ واپس دمشق لے آئیں۔

علماء کا وفد امام نوویؒ کی خدمت میں نویٰ پہنچا اور انہیں سلطان بیبرس کی خواہش کے بارے میں بتایا تو انہوں نے صاف الفاظ میں انکار کر دیا۔ علماء کی جماعت نے بہتیری کوششیں کیں کہ امام نوویؒ غصہ ترک کر کے دمشق [illegible] آئیں [illegible] حکمران کے لب و لہجے میں سلطان بیبرس کے لئے سخت نفرت دکھائی دی۔ امام نوویؒ نے صاف

الفاظ میں کہہ دیا کہ سلطان بیبرس کی زندگی میں میں کبھی بھی دمشق نہیں جاؤں گا۔ علماء کا وفد مایوسی کے عالم میں دمشق لوٹ آیا۔ سلطان بیبرس کو جب امام نوویؒ کے جواب سے مطلع کیا گیا تو وہ شدتِ غم سے رو دیا۔ اس نے وفد سے وعدہ کیا کہ وہ جلد ہی خود امام نوویؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں منا کر دمشق واپس لائے گا۔

اسی شام سلطان بیبرس کو شدید بخار ہو گیا۔ طبیبوں نے سلطان بیبرس کی حالت دیکھتے ہوئے بتایا کہ عدم توجہ کے باعث زخم کافی خراب ہو چکا ہے اور یہ بخار بھی اسی کا نتیجہ ہے۔ طبیبوں نے ہر ممکنہ علاج کیا مگر اس زخم پر کسی علاج نے کارگر نہیں ہونا تھا۔ 27 محرم 676ھ کو تاریخ اسلام کے اس بطلِ جلیل نے ستاون برس کی عمر میں داعئ اجل کو لبیک کہہ دیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

سلطان بیبرس کی وفات کا اعلان ہوتے ہی تمام بلادِ اسلامیہ میں کہرام مچ گیا۔ لوگ اپنے ہر دلعزیز سلطان کی جدائی برداشت نہ کر سکے اور سڑکوں پر دیوانہ وار روتے رہے۔ دمشق کو ایک بار پھر یہ شرف حاصل ہوا اس نے تاریخ کے ایک اور بڑے مجاہد اسلام کے جسد خاکی کو اپنی خاک میں جذب کر لیا۔ اس سے پہلے یہ شہر سلطان نور الدین محمود زنگی اور مجاہد کبیر سلطان صلاح الدین یوسف ایوبی کا مدفن بننے کا اعزاز حاصل کر چکا تھا۔ قدرت کا اتفاق ہی کہا جا سکتا ہے کہ تاریخ اسلام کی ان تینوں شخصیتوں نے اپنی عمر کا زیادہ حصہ صلیبی جنگجوؤں کے خلاف معرکہ آرائیوں میں بسر کیا اور تینوں نے دمشق پہنچ کر سفر آخرت اختیار کیا اور پھر یہیں آسودۂ خاک ہوئیں۔

سلطان بیبرس تاریخ عالم کے شجاع ترین حکمرانوں میں سے ایک تھا جو صحیح معنوں میں اس شعر کا مصداق تھا۔

وہ جس کی تیغ ہیبت ناک سے سفاک ڈرتے تھے
وہ جس کے بازوؤں کی دھاک سے افلاک ڈرتے
تھے

❀ ❀ ❀

وہ دن گل وقوژ کی زندگی کا سب سے اہم دن ثابت ہوا جب اسے بوڑھے خادم نے یہ اطلاع دی کہ بوڑھا نور الدین مر گیا اور اس کا بیٹا طویل عرصے کے بعد واپس لوٹ آیا ہے۔ مطیع الدین کی واپسی کا سن کر گل وقوژ کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی۔ بوڑھا خادم گل وقوژ کے چہرے پر مسرت کی کلیاں پھوٹتے دیکھ کر خوشی سے پھولے نہ سمایا۔ وہ تو پہلے ہی دن سے اس لمحے کا منتظر تھا کہ گل وقوژ کی اُداس زندگی میں بھی بہار کے رنگ دیکھے۔ قونائی خان کی دوسری اولاد اپنے گھربار میں مشغول تھی۔ صرف گل وقوژ ہی تنہا رہ گئی تھی۔ مطیع الدین کے ساتھ اس کی وابستگی بوڑھے خادم سے پوشیدہ نہیں تھی۔ اسی لئے اس نے گل وقوژ کو محبت بھرے لہجے میں سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ اب مطیع الدین کا ہاتھ پکڑنے میں تامل نہ کرے کیونکہ اب کوئی ایسا باقی نہیں رہا تھا جسے ان کے رشتے پر کوئی اعتراض ہوتا۔ گل وقوژ نے کافی سوچ بچار کے بعد بوڑھے خادم کو کہا کہ وہ مطیع الدین کو اس کے بارے میں آگاہ کر کے اس کا عندیہ لے کہ کیا وہ اب بھی اس سے اتنی ہی محبت کرتا ہے جتنی کسی زمانے میں اس کے لبوں پر مچلتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔

بوڑھا خادم گل وقوژ کی آمادگی پر برق کی مانند مطیع الدین کے پاس جا پہنچا۔ مطیع الدین تھوڑی سی کوشش کے بعد اسے پہچان گیا۔ یہ وہ غلام تھا جس نے اسے گل وقوژ کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ قبیلہ سرخ غر میں قید ہے۔ مطیع الدین نے بلا تاخیر اس سے گل وقوژ کے بارے دریافت کیا تو بوڑھا خادم سمجھ گیا کہ آگ دونوں

طرف یکساں بھڑک رہی ہے۔ اس نے گل وقوژ کے بارے میں مختصراً بتاتے ہوئے اس کا سوال اس کے سامنے دوہرا دیا۔ مطیع الدین نے بے خودی کے عالم میں بوڑھے خادم کو کہا کہ اس بات کا جواب وہ خود گل وقوژ کو دینا چاہتا ہے۔ بوڑھے خادم نے اسے فی الوقت صبر کی تلقین کرتے ہوئے واپسی اختیار کی اور گل وقوژ کو اس کی کیفیت سے آگاہ کر دیا۔ گل وقوژ مطیع الدین کی وارفتگی کا حال سن کر گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ کئی دن تک وہ خاموشی لئے اس بارے میں غور و فکر کرتی رہی۔ یہ حقیقت تھی کہ اب فیصلہ کا اختیار اسی کے پاس تھا کوئی بھی اسے روکنے ٹوکنے والا موجود نہیں تھا۔ گل وقوژ کا ذہن بار بار ماضی کی جانب بھٹک جاتا۔ تلخ ماضی کی یاد اسے بے چین کر دیتی تھی۔

ایک شام اس نے اپنے بوڑھے خادم کو کہا کہ وہ مطیع الدین کو بلا لائے وہ اس سے بالمشافہ ملاقات کرنا چاہتی ہے۔ بوڑھا خادم فوراً مطیع الدین کے پاس پہنچا جو فراق کے عالم میں دیوانہ بنا بیٹھا تھا۔ قونا جو خان کو جب سے گل وقوژ کے بارے میں پتہ لگا تھا جانے کیوں اس کا دل دھڑکنے لگا تھا۔ گل وقوژ فدائیوں کے ساتھ رہی تھی اور جہاں تک وہ جانتا تھا، فدائیوں کا مذہب اسلام ہرگز نہیں تھا۔ اس نے ڈھکے چھپے الفاظ میں مطیع الدین کو سمجھانے کی کوشش کی کہ فدائیہ کے ساتھ محبت کرنا مناسب بات نہیں ہے مگر مطیع الدین نے اس کی بات کو ہوا میں اڑا دیا۔ وہ گل وقوژ کو فدائیہ تسلیم کرنے پر قطعی تیار نہیں تھا۔ مطیع الدین انتظار کی گھڑیاں گزارنے کے بعد گل وقوژ سے ملاقات کے لئے بوڑھے خادم کے ساتھ روانہ ہوا۔ بوڑھا خادم اسے گھر لایا اور ایک کمرے میں بٹھا دیا۔ تھوڑی دیر بعد گل وقوژ اس کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے وہی تاتاری لباس زیب تن کر رکھا تھا جو وہ محبت کے دنوں میں پہنا کرتی تھی۔ مطیع الدین کی نظر جب اس پر پڑی تو وہ بے قرار سا ہو گیا۔ دونوں کئی لمحوں تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ مطیع الدین کے چہرے پر محبت کے دریا موجزن تھے جبکہ گل وقوژ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھنے میں مشغول تھی۔

''مجھے اپنی بصارت پر یقین نہیں آ رہا ہے کہ میں واقعی تمہیں دیکھ رہا ہوں''۔ مطیع الدین چلتے ہوئے اس کے قریب پہنچ گیا۔ گل وقوژ کے چہرے پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''جب موت سامنے ہوتی ہے تو اچھے بھلوں کی بصارت دھوکا دے جاتی ہے''۔ گل وقوژ کا لہجہ بڑا کاٹ دار تھا۔ مطیع الدین اس کے منہ سے غیر متوقع جملہ سن کر چونک پڑا۔ اسی لمحے اس کے منہ سے کراہ نکلی۔ اس کی نظریں اپنے سراپے کی طرف اُٹھیں تو خوف کی سرد لہر نے اس کا ذہن منجمد کر ڈالا۔ گل وقوژ کے تیز خنجر نے اس کے پیٹ کا کافی حصہ ادھیڑ ڈالا تھا۔ پیٹ سے جیسے خون کی ندی بہہ نکلی تھی۔ مطیع الدین کی آنکھوں میں کرب کے آثار نمودار ہونے لگے۔ یہ کرب اس گھاؤ کا نہیں تھا جو گل وقوژ نے اسے تحفتاً دیا تھا بلکہ اس بے وفائی کا تھا جو اس کے حصے میں آئی تھی۔ اسی لمحے اس کے ذہن میں سید احمد البدویؒ کا جملہ گونجا اور اسے اب سمجھ آ گیا کہ تیسرا چکر کیا تھا؟ سرائے سے باہر نکلنے والا ہر قدم چکر کا آغاز تھا اور واپسی اس چکر کی تکمیل۔ مطیع الدین کو گل وقوژ کی حرکت پر دلی صدمہ پہنچا تھا۔ وہ زیادہ دیر تک اس کرب کو برداشت نہ کر پایا اور اس کے قدموں میں ڈھیر ہو گیا۔ کچھ دیر پہلے جیتا جاگتا شخص بے جان گٹھڑی کی طرح زمین پر پڑا تھا جبکہ گل وقوژ سپاٹ نگاہوں سے اُسے تکے جا رہی تھی۔

اسی لمحے بوڑھا خادم کمرے میں داخل ہوا۔ مطیع الدین کی لاش کو دیکھ کر اس کے قدم زمین سے چپک کر رہ گئے۔ اس نے دُکھ بھری نگاہوں سے گل وقوژ کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھیں احتجاج کرتی ہوئی دکھائی دیں کہ گل وقوژ تم نے اپنے ماضی کو بھلانے کی ذرا سی بھی کوشش نہیں کی۔ گل وقوژ بوڑھے خادم سے بے خبر

خاموش کھڑی مطیع الدین کو دیکھتی رہی۔ بوڑھا خادم مزید کسی اور کو موت کے منہ میں جاتا نہیں دیکھنا چاہتا تھا اس لئے اس نے فوری طور پر کوتوالی میں جا کر خبر کی۔ کوتوال شہر اپنے سپاہیوں کے ساتھ چلا آیا۔ گل وقوڑ کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس نے اپنی گرفتاری میں کوئی مدافعت نہیں کی۔ وہ مطیع الدین کے قتل کے بعد سکتے میں مبتلا ہو چکی تھی۔ ایک ایسے سکتے میں جس سے صرف موت ہی اُسے نجات دلا سکتی تھی۔

ختم شد